بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

المتین
الولی
الحمید
المحیی
الممیت
الحیی
القیوم
الواجد
الماجد
الواحد
الاحد
الصمد
القادر
المقتدر
المقدم
المؤخر
الاول
الآخر
الظاہر
الباطن
الوالی
المتعال
البر
التواب
المنتقم
العفو
اللہ
جل جلالہ
الرؤف
مالک الملک
ذوالجلال والاکرام
المقسط
الجامع
الغنی
المغنی
المانع
الضار
النافع
النور
الہادی
البدیع
الباقی
الوارث
الرشید
الصبور
رب العالمین
مالک یوم الدین
القدیر
الوحید
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸-اردو بازار لاہور

تبیان القرآن

جلد نہم

العنکبوت تا الصّٰفّٰت

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی فاضل علوم شرقیہ
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : صفر 1425ھ / اپریل 2004ء
الطبع الثانی : صفر 1426ھ / اپریل 2005ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای۔میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیٔ عند العارفین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوٰۃ اللہ عن صلوٰۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القران وبین لنا ما نزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القران وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواء فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والاٰخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیئات اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القران علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القراٰن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القراٰن ونور نی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القراٰن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اٰمین یارب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار رہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

(۲۹)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ العنکبوت

سورت کا نام

اس سورت کا نام العنکبوت ہے' کیونکہ اس سورت کی درج ذیل آیت میں العنکبوت کا ذکر ہے:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚۖ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ○ (العنکبوت: ۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے' جو ایک گھر بنالیتی ہے' اور بے شک تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے' کاش کہ وہ جان لیتے۔

قرآن مجید میں العنکبوت کا لفظ صرف اسی سورت کی اسی آیت میں ہے' لہٰذا اس سورت کا نام العنکبوت رکھنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو اپنا کارساز اور مددگار بنا رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

سورۃ العنکبوت کے متعلق احادیث

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشا پوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ العنکبوت کو پڑھا اس کو ہر مومن اور منافق کے عدد کے برابر دس نیکیاں ملیں گی۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کو امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیشا پوری المتوفی ۴۶۸ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۴۱۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن الضریس' امام النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ العنکبوت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام الدار قطنی نے السنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج اور چاند گہن لگنے کی نماز چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھی پہلی رکعت میں سورۃ العنکبوت یا سورۃ الروم پڑھی اور دوسری

رکعت میں سورۃ یٰسین پڑھی۔ (الدرالمنثور ج ۶ ص ۳۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سورج گرہن لگنے کی نماز دو رکعت ہے جس میں چار رکوع ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں عام معمول کے مطابق ایک رکوع ہے ائمہ ثلاثہ کی دلیل مذکور الصدر حدیث ہے اور امام ابوحنیفہ دلیل مذکور ذیل حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن لگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا (اتنا لمبا قیام کیا کہ) لگتا تھا آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی۔

(سنن ابوداؤد رقم: ۱۱۹۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۱)

سورۃ العنکبوت کا زمانہ نزول

یہ سورت مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی ہے' جب مکہ میں مسلمانوں کو مشرکین اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے' نوجوانوں کو ان کے والدین زدوکوب کرتے تھے' اور غلاموں پر ان کے آقا مشق ستم کرتے تھے' اس وجہ سے قدرتی طور پر ان نو مسلموں کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے تھے اور شبہات سر اٹھاتے تھے کہ جب ہم برحق دین پر ہیں تو ہم پر یہ مصائب کیوں آ رہے ہیں! اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اسلام کی خاطر تمہیں قربانیاں دینی ہوں گی اور ابھی تو تم پر اتنا ظلم و ستم نہیں ہوا جتنا ظلم و ستم پچھلی امتوں پر ہوا ہے اور جتنے مصائب انہوں نے راہ حق میں برداشت کیے ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

چوں مے گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۵ ہے' یہ سورت سورۃ الروم کے بعد اور سورۃ المطففین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ مکہ میں سورۃ العنکبوت کے بعد المطففین کے سوا اور کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور یہ سورت ان آخری سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔

سورۃ العنکبوت کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتدائی آیات میں یہ بتایا ہے کہ حق اور سچائی کے راستہ میں مشکلات لازماً آتی ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

☆ ماں باپ کی اطاعت کی حدود متعین کی ہیں' اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

☆ انبیاء سابقین حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت صالح اور حضرت ھود کی امتوں اور ان کے حالات کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی دین حق کی راہ میں مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔

☆ جو کفار دوسروں کے سہاروں پر اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی سازشیں تار عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اہل کتاب اور مشرکین کے اعتراضات کے جوابات۔

☆ جو مسلمان کفار کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہو رہے تھے ان کو ہجرت کرنے کی ہدایت اور ان کے لیے آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت۔

☆ توحید پر دلائل اور مشرکین کی مذمت۔

اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ العنکبوت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے

ہیں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے حق پر مطلع کرنا اور اس کو لکھنے کی توفیق دینا اور مجھ پر باطل کو آشکارا کرنا اور اس سے اجتناب کرنے اور اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/ ۲۳ جون ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ العنکبوت مکی ہے   اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O   اس میں انہتر آیات اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ

الف لام میم O کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا

لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ

نہیں جائے گا O اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا' سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر

اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾ اَمۡ حَسِبَ

دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں O جو لوگ برے کام کرتے

الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں O

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ

اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ بہت سننے والا'

السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ

سب کچھ جاننے والا ہے O اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش

اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

کرتا ہے' بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ

تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں

اَحۡسَنَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷﴾ وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ

دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے

بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ

ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اور (اے مخاطب!) اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو' تو ان کی اطاعت نہ کر' میری ہی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر میں تم کو خبر دوں گا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کہ تم کیا کام کرتے تھے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے ○ اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پس جب انہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذاء کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں

كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو تمہارے

كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ساتھ تھے! کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہان والوں کے سینوں میں ہیں! ○

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ وَ

اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرما دے گا ○ اور

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ

کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے' حالانکہ وہ

خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ

ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے'

إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ

بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں ○ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ

أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ⑬

(اور) کئی بوجھ' اور قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی افتراء کی ہوئی باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف' لام' میم ○ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا ○ اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا' سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں ○ (العنکبوت: ۳۔۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی آزمائشیں

الف' لام' میم ○ (العنکبوت: ۱) اس کی تفسیر البقرہ: ۱ میں گزر چکی ہے۔

فرمایا: کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ان کو یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا ○ (العنکبوت: ۲)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے' ابن جریج اور ابن عمیر نے کہا یہ آیت حضرت عمار بن یاسر کے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کو اللہ کے ماننے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا تھا اور یہ سابقین اولین میں سے تھے' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے جب ان کو عذاب دیا جا رہا تھا آپ نے فرمایا: اے آل یاسر صبر کرو تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ (الاصابہ رقم الحدیث: ۵۷۲۰)

امام شعبی نے کہا یہ دونوں آیتیں ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں ہیں جو مکہ میں تھے اور اسلام لا چکے تھے' مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ان کو لکھا جب تک تم ہجرت نہیں کرو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اسلام کے اقرار کو قبول نہیں فرمائے گا' وہ مدینہ کا قصد کر کے روانہ ہوئے' مشرکین نے ان کا تعاقب کر کے ان کو پھر مکہ واپس لوٹا دیا' تب ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ان کی طرف لکھا کہ تمہارے متعلق اس طرح آیت نازل ہوئی ہے' تب مکہ کے مسلمانوں نے کہا اب ہم ہر حال میں مدینہ جائیں گے' خواہ ہم کو مشرکین سے قتال کرنا پڑے۔ پھر وہ مکہ سے روانہ ہوئے' مشرکین نے حسب سابق ان کا تعاقب کیا' تو مسلمانوں نے ان سے قتال کیا' بعض ان میں سے شہید ہو گئے اور بعض نجات پا کر مدینہ پہنچ گئے تو اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق یہ دو آیتیں نازل فرمائیں۔

اور مقاتل نے کہا کہ یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام مہجع کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ پہلے شخص تھے جو جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے شہید ہوئے تھے' عامر بن الحضرمی نے ان کو تیر مارا تھا جس سے وہ شہید ہوئے تھے' اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہجع سید الشہداء ہیں اور اس امت میں وہ پہلے شخص ہیں جن کو جنت کے

دروازہ سے پکارا جائے گا۔ ان کے شہید ہونے پر ان کے ماں باپ اور ان کی بیوی بے قراری سے گریہ کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ اللہ کو واحد ماننے کی وجہ سے ان کو جو مصائب اور مشقتیں پہنچیں ان پر صبر کریں اور یہ کہ دین اسلام میں بہر حال امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ الوسیط ج ۳ ص ۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا ○ (العنکبوت: ۳)

سابقہ امتوں کی آزمائشیں

امام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی المعروف بابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ○ (البقرہ: ۲۱۴)

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جیسی تم سے پہلے لوگوں پر آئیں تھیں ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ (اس قدر) جھنجھوڑ دیئے گئے کہ اس وقت کے رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو بے شک اللہ کی مدد عنقریب آئے گی!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہتے تھے کہ ہمیں پچھلی امتوں کے حالات بتائے گئے انہیں اللہ کی راہ میں ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے مصائب اور تکالیف میں صبر کیا اور راحت میں اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ عنقریب اللہ ان کو کشادگی اور تنگی میں خیر اور شر میں اور امن اور خوف میں اور اطمینان اور بے قراری میں آزمائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۳۱۔۳۰۳۰ رقم الحدیث: ۱۷۱۲۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے عرض کیا: آیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کرتے! آیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے! آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص کو زمین میں دبا دیا جاتا پھر اس کے جسم پر آری رکھ کر اس کے جسم کو دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا اور یہ ظلم اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھی چلا کر اس کے گوشت اس کی رگوں اور اس کے پٹھوں کو چھیل دیا جاتا اور یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا اور اللہ اپنے اس دین کو مکمل فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا البتہ اس کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیئے کا ڈر ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۹ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۷۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار تھا میں آپ کے پاس گیا میں نے آپ پر ہاتھ رکھا تو میں نے اپنے ہاتھوں میں اس کی تپش محسوس کی میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کتنا تیز بخار ہے! آپ نے فرمایا: ہمارا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ ہمارے لیے مصائب کو دگنا کر دیا جاتا ہے تاکہ ہم کو اجر بھی دگنا ملے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصائب کس پر آتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نبیوں پر میں نے پوچھا: پھر کس پر؟ آپ

نے فرمایا: پھر نیک لوگوں پر، بے شک ان میں سے کسی ایک کو فقر میں مبتلا کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کے پاس پہننے کے لیے صرف ایک چادر ہوتی ہے، اور بے شک ان میں سے ایک شخص مصیبت سے اس طرح خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک شخص راحت سے خوش ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۴، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۴۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۲۶، مسند احمد ج ۳ ص ۹۴)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء پر، پھر جوان کے قریب ہوں، پھر جو ان کے قریب ہوں، سو ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، جو شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے اس پر سخت مصیبت آتی ہے اور جو شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے، اس پر اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت آتی ہے، بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۵۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۰، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۲۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۳۴)

اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک اشکال کے جوابات

سو اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور ظاہر کر دے گا جو جھوٹے ہیں ○ (العنکبوت: ۳)

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: سو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو (بھی) ضرور جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل میں ہونے والے کسی کام کا پہلے علم نہیں ہوتا بلکہ اس کام کے واقع ہو جانے کے بعد اس کا علم ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کا امتحان لینے سے پہلے ان کا علم ہوتا ہے اس کا علم قدیم تام ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس کا معلوم ہونا موجود اور متحقق ہو جائے۔

مقاتل نے کہا اس کا معنی ہے اس کو اللہ تعالیٰ دکھا دے گا، الاخفش نے کہا اس کا معنی ہے اللہ اس کو ممتاز اور ممیز کر دے گا۔

الثقفی نے کہا اللہ تعالیٰ کے علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم یہ ہے کہ وہ ماضی کی کسی بات کو جانتا ہے (۲) اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو علم ہے کہ مستقبل میں فلاں کام ہوگا، اور اس کو یہ علم ہے کہ فلاں وقت میں یہ کام ہوگا سو اس کام کے ہو جانے اور وقوع کا علم تو اسی وقت ہوگا جب وہ کام واقع ہو جائے گا (اور اگر اس کے وقوع سے پہلے یہ علم ہو کہ یہ کام واقع ہو گیا ہے تو یہ غلط اور خلاف واقع ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ○ (محمد: ۳۱)

ہم ضرور تمہارا امتحان لیں گے حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں گے اور ہم تمہاری خبروں کو جانچ لیں گے۔

اسی طرح اس آیت میں بھی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے تاکہ اللہ صادق کے صدق کے وقوع اور کاذب کے کذب کے وقوع کو جان لے

حالانکہ اللہ کو صادق اور کاذب کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے صدق اور کذب کا علم تھا' لیکن اس کو علم تھا کہ صادق کے صدق کا وقوع ہونے والا ہے اور عنقریب اس کا صدق واقع ہو گا لیکن اس نے قصد کیا کہ اس کو ان کے صدق اور کذب کے وقوع کا علم ہوتا کہ ان کے صدق اور کذب کی جزاء دی جائے۔

نحاس نے کہا اس آیت کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) صادقین اور کاذبین کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جو صلہ ملے گا' آخرت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس صلہ اور ان کے انجام سے واقف کرے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کو اور جہان والوں کو اس پر مطلع کرے گا کہ یہ صادق ہیں اور یہ کاذب ہیں' یعنی ان کو مشہور کرے گا' صادقین کی کرامت اور وجاہت ظاہر فرمائے گا کہ یہ صادق ہیں اور کاذبین کو رسوا اور ذلیل کرے گا کہ یہ کاذب ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ صادقین کے اوپر صدق کی علامت چسپاں کر دے گا اور کاذبین پر کذب کی علامت چسپاں کر دے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۰۔۲۹۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام کو ظاہر کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابو بکر' حضرت عمار' ان کی ماں سمیہ' حضرت صہیب' حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم' رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ کی' اور رہے حضرت ابو بکر تو ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے ذریعہ کی اور رہے باقی صحابہ تو ان کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنائیں اور ان کو دھوپ میں تپایا' ان میں سے ہر ایک پر خود انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق سختی اور ظلم کیا' ماسوا حضرت بلال کے' ان کے نزدیک ان کی جان معمولی اور حقیر تھی' اور ان کی قوم بھی ان کو حقیر جانتی تھی' انہوں نے ان کو پکڑ کر بچوں کے حوالے کر دیا وہ حضرت بلال کو مکہ کی گھاٹیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال کہتے تھے احد احد (اللہ واحد ہے' اللہ واحد ہے)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۴۹' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳' المستدرک ج ۳ ص ۲۸۴' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۸۲۔۲۸۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ برے کام کرتے رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے! وہ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں O اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے' اور وہ بہت سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے O اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے' بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O (العنکبوت: ۷۔۴)

اللہ تعالیٰ کا غنی اور بے نیاز ہونا

جو لوگ برے کام کرتے رہے ہیں' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک کرتے رہے ہیں' کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے' اس سے یہ مراد ہے کہ کیا ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ہم کو عاجز کر دیں گے اور ہم ان کی گرفت نہیں کر سکیں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت الولید بن المغیرہ' ابو جہل' الاسود' العاص بن ہشام' شیبہ' عتبہ' الولید بن عتبہ' عقبہ بن معیط' حنظلۃ بن ابی سفیان اور العاص بن وائل وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے رب کی صفات کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ وہ اپنے رب کی گرفت میں نہیں آ سکیں گے' ان کا یہ کہنا بہت بُرا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص موت سے ڈرتا ہے اس کو نیک عمل کرنے چاہئیں' کیونکہ موت ٹلنے والی چیز نہیں ہے۔

پھر فرمایا اور جو (اس کے دین میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کوشش کرتا ہے' اس کا معنی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم رہتا ہے اور کفار سے جہاد میں مشغول رہتا ہے تو اس کی یہ تمام سعی اپنے نفس کے لیے ہے' کیونکہ ان تمام نیک اعمال کا ثواب اس کو ہی ملے گا' ان اعمال کا کوئی نفع اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا' بے شک اللہ تمام جہانوں سے غنی ہے یعنی اس کو کسی کے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو' سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں' تم مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں گا' تم سب فقیر ہو' سوا اس کے جس کو میں غنی کروں' تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا' اور تم سب گنہگار ہو سوا اس کے جس کو میں عافیت سے رکھوں' سو تم میں سے جس کو یہ یقین ہو کہ میں گناہ بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے بخشش کا سوال کرے تو میں اس کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر اضافہ نہیں ہوگا' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر میرے بندوں میں سے سب سے فاسق و فاجر کے دل کے مطابق ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر کمی نہیں ہوگی' اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک مل کر ایک میدان میں جمع ہو جائیں' پھر تم میں سے ہر انسان اپنی تمام آرزوؤں کا سوال کرے اور میں ہر شخص کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک سے صرف اتنی کمی ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے' کیونکہ میں جواد اور واجد اور ماجد (بہت سخی اور بہت بزرگ) ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں' میری عطا میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے' جب میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو فقط اتنا کہتا ہوں "ہو" اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴' ۱۷۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۵' المستدرک ج ۴ ص ۲۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳)

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے۔

گناہوں کو مٹانے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد جو دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے' اس نقطہ کو مٹا دیا جائے گا' یا فرشتوں نے اس کے صحائف اعمال میں اس کے جو گناہ لکھے ہیں ان کو مٹا دیا جائے گا' یا یہ مغفرت اور بخشش سے کنایہ ہے۔

اور ان کے اچھے کاموں سے مراد ان کی عبادات ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے زمانہ کفر و شرک میں جس قدر گناہ کیے تھے ان سب کو مٹا دیا جائے گا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے زمانہ کفر اور اسلام کے سب گناہوں کو مٹا دیا جائے گا' جمہور کے نزدیک کفر اور شرک کے زمانہ میں کیے گئے نیک کام مقبول نہیں ہوتے اس لیے ان کے صرف ان ہی کاموں پر جزا ملے گی جو انہوں نے اسلام لانے کے بعد کیے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ کفر میں کیے ہوئے نیک کاموں پر بھی جزا ملے گی' اس کی تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸۵۔۵۸۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اور (اے مخاطب!) اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو' تو ان کی اطاعت نہ کر' میری ہی طرف تم سب نے لوٹنا ہے' پھر میں تم کو خبر دوں گا کہ تم کیا کرتے تھے O (العنکبوت: ۸)

شرک اور معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنے کا حکم

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اور لقمان: ۱۴' اور الاحزاب: ۲۷' حضرت سعد بن ابی وقاص (سعد بن مالک) رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں حمنہ بنت ابی سفیان کے متعلق نازل ہوئیں ہیں' جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے' حضرت سعد سابقین اولین میں سے تھے اور اپنی ماں کے ساتھ بہت نیکی کرتے تھے' ان کی ماں نے کہا یہ کون سا دین ہے جو ابھی ظاہر ہوا ہے' اور اللہ کی قسم میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک کہ تم اپنے سابق دین کی طرف نہیں رجوع کرو گے' ورنہ میں مر جاؤں گی اور تم کو ہمیشہ یہ طعنہ دیا جائے گا کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو' پھر ان کی ماں نے پورا دن کھائے' پیے اور آرام کے بغیر گزار دیا' پھر اس نے دوسرا دن بھی اس طرح کھائے پیے بغیر گزار دیا' پھر حضرت سعد ان کے پاس گئے اور کہا اے ماں! اگر آپ کے پاس سو زندگیاں ہوتیں اور آپ اسی طرح ایک ایک کر کے ان زندگیوں کو ختم کر دیتیں پھر بھی میں اپنے دین کو ترک نہ کرتا' آپ چاہیں تو کھانا کھائیں اور چاہیں تو کھانا نہ کھائیں۔ جب ان کی ماں حضرت سعد کے سابق دین کی طرف لوٹنے سے مایوس ہو گئیں تو پھر انہوں نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اور حسن سلوک کریں اور اگر وہ اللہ کا شریک بنانے کا حکم دیں تو اس حکم میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

یہ حدیث کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ حسب ذیل کتب حدیث میں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۸۲)

ہر چند کہ قرآن مجید کی اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ صرف اللہ کا شریک بنانے کی ممانعت ہے کیونکہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور ناقابل مغفرت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی معصیت میں ماں باپ کی یا کسی بھی مخلوق کی اطاعت کرنی جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر پر ایک شخص کو امیر مقرر کر دیا' اس نے آگ جلائی اور لشکر سے کہا اس آگ میں داخل ہو جاؤ' بعض نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسروں نے کہا ہم نے آگ سے ہی تو فرار اختیار کیا ہے' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو جن لوگوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی آگ میں رہتے اور دوسروں سے فرمایا معصیت (اللہ کی نافرمانی) میں کسی کی اطاعت نہیں ہے' اطاعت صرف نیکی میں ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۵۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۱۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۶۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۵۸۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۲۴۳)

والدین کی اطاعت کے متعلق احادیث

قرآن مجید کی اس آیت میں والدین کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور والدین کی اطاعت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا کون سب سے زیادہ حق دار ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو! اس شخص کی کی ناک خاک آلودہ ہو! اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو! عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا' پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے' آپ نے فرمایا: تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے' بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی میں سے ہے' پس تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے جہاد کی اجازت طلب کی' آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر ان (کی خدمت) میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۲)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پاس مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں آپ نے فرمایا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر اس کی خدمت میں لازم رہو' کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو' میں نے انکار کیا' پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۰)

حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا میں نے اپنی ماں پر ایک باندی کو صدقہ کیا تھا' اب وہ فوت ہو گئی ہیں' آپ نے فرمایا تمہارا اجر ثابت ہو گیا اور وراثت نے اس کو تمہیں واپس کر دیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! اس پر ایک ماہ کے روزے تھے' کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے روزے رکھو' اس نے پوچھا اس نے حج نہیں کیا تھا آیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے حج کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۷-۹۲۹'

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۶-۲۸۷۷-۳۳۰۹' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں' آیا میں ان سے ملوں؟ آپ نے فرمایا تم ان سے ملو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے آیا میری توبہ ہوسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا اس کے ساتھ نیکی کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۴' سنن الداری رقم الحدیث: ۲۵۱۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۲)

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس بنوسلیمہ سے ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ! کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے استغفار کرو اور ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو' ان کے رشتہ داروں سے ملو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۴)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجعرانہ میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے' میں اس وقت لڑکا تھا اور گوشت اٹھا کر لا رہا تھا' ایک عورت آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچی آپ نے اس کے لیے اپنی چادر بچھادی' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کی رضاعی ماں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۲۹۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۲۰۷)

حضرت طلحہ بن معاویہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں' آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پاؤں کے پاس لازم رہو جنت وہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۶۲' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۴۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین کی اطاعت کرتے ہوئے صبح کی' اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر اس نے ان میں سے ایک کی اطاعت میں صبح کی تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے' اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی میں صبح کی تو اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کی تو ایک کھلا ہوا ہوتا ہے' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ماں باپ اس پر ظلم کریں؟ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ ظلم کریں' اگرچہ وہ ظلم کریں' اگرچہ وہ ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۱۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۹۴۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۶۴۲' الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۷۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے O

اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' اور جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں' اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے! کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہانوں والوں کے سینوں میں ہیں! O اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرما دے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرما دے گا O اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھا لیں گے' حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے' بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ (اور) کئی بوجھ' اور قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی افتراء کی ہوئی باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا O (العنکبوت: ۱۳۔۹)

العنکبوت: ۱۰۔۹ کے متعدد اسبابِ نزول

العنکبوت: ۷ میں فرمایا تھا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے مٹا دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کی ضرور ان کو جزا دیں گے O اور العنکبوت: ۹ میں پھر اسی آیت کو دہرایا ہے: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ہم ان کو ضرور نیکو کاروں میں داخل کریں گے O

صالحین سے مراد ہے جو نیکی کے آخری درجہ کو پہنچے ہوئے ہوں اور جب مومن نیکی اور تقویٰ کے انتہائی درجہ پر فائز ہو گا تو اس کو اس کا ثمرہ اور اس کی جزاء حاصل ہو گی اور وہ جنت ہے' سو ان دونوں آیتوں کا ایک ہی مآل ہے۔

اور فرمایا اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے۔ الآیۃ (العنکبوت: ۱۱)

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: اہل مکہ کے کچھ لوگ اسلام لے آئے' وہ اسلام کو معمولی سمجھتے تھے (اس لیے انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لڑنے کے لیے لے گئے ان میں سے کچھ زخمی ہو گئے اور کچھ قتل کر دیئے گئے' صحابہ نے کہا یہ لوگ مسلمان تھے ان کو جبراً لڑنے کے لیے لایا گیا تھا اور صحابہ نے ان کی مغفرت کی دعا کی' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا O (النساء: ۹۷)

بے شک جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے' وہ کہتے ہیں ہم اس زمین میں کمزور اور مغلوب تھے' فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی تم اس میں ہجرت کر لیتے' یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

پھر صحابہ نے باقی مسلمانوں کی طرف اس آیت کا حکم لکھ کر بھیج دیا کہ اب تمہارے لیے کوئی عذر نہیں ہے تم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ' وہ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو مشرکین نے ان پر حملہ کر دیا اور وہ اس آزمائش کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی اذیت دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کو ایذاء کی اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں الخ پھر صحابہ نے ان کی طرف اس آیت کو لکھ کر بھیج دیا وہ روانہ ہوئے اور وہ ہر خیر سے مایوس ہو چکے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۰۰' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف الثعالبی المالکی المتوفی ۸۷۵ھ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن ج ۴ ص ۲۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ نے اس آیت کے متعدد شانِ نزول بیان کیے ہیں:

سدی اور ابن زید نے کہا اس سے مراد منافق ہے جب اس کو اللہ کی راہ میں کوئی اذیت پہنچتی تو وہ دین اسلام سے منحرف ہو کر کفر کو اختیار کر لیتا۔ اور جب اللہ کی طرف سے کوئی مدد آتی یعنی جب مسلمان فتح یاب ہوتے اور ان کو مال غنیمت حاصل ہوتا تو منافقین مومنوں سے کہتے' ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے دشمنوں کے مخالف ہیں' ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور ہم نے اس سے پہلے جو دین اسلام سے انحراف کے متعلق کہا تھا' اس کی وجہ کفار کا جبر کرنا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا' کیا اللہ ان چیزوں کو سب سے زیادہ نہیں جانتا جو تمام جہانوں والوں کے سینوں میں ہیں O اور اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر فرمادے گا اور منافقوں کو (بھی) ضرور ظاہر فرمادے گا O (العنکبوت: ۱۱۔۱۰)

اس آیت کے سبب نزول کے متعلق کافی اختلاف ہے:

مجاہد نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور جب لوگوں کی طرف سے ان کو کوئی اذیت پہنچتی یا ان پر کوئی مصیبت آتی تو وہ منحرف ہو جاتے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد ہجرت نہیں کی (جیسا کہ تفسیر امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے تفصیلاً گزر چکا ہے)۔

قتادہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو کفار مکہ واپس لے گئے تھے۔ اسی وجہ سے امام شعبی نے یہ کہا ہے کہ ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی سورت مکی ہے۔

دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع کرنے یا ان پر ظلم کرنے کی وجہ سے ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہوں کو اٹھالیں گے' حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کسی بھی چیز کو نہیں اٹھا سکیں گے۔ الآیۃ (العنکبوت: ۱۳۔۱۲)

کفار کے اس قول کا معنیٰ یہ ہے اگر تم نے ہمارے عقائد کو اپنا لیا تو ہم تمہارے گناہوں کے بوجھ کو اٹھالیں گے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ مشرکین قریش نے مسلمانوں سے کہا ہم اور تم دونوں مرنے کے بعد زندہ نہیں کیے جائیں گے' اگر تمہارے گناہ ہوئے تو وہ ہمارے ذمہ ہیں اور جو کام تمہارے اوپر واجب ہیں ان کے نہ کرنے کا بوجھ بھی ہمارے ذمہ ہوگا' ایک روایت ہے کہ یہ کہنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔ اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی کا حق ضائع کرے گا یا اس پر ظلم کرے گا تو حق دار کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب بنے گا۔ اس پر اس کے گناہ کا بوجھ ڈال دیا جائے گا۔

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچایا پھر فرمایا تم ظلم کرنے سے بچو' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن قسم کھا کر فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! آج کوئی شخص ظلم کی سزا پائے بغیر نہیں رہے گا' پھر ایک منادی ندا کرے گا فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ اپنی نیکیوں سمیت آئے گا اس کی نیکیاں پہاڑوں کی طرح ہوں گی لوگ نظریں اونچی کر کے اس کی طرف دیکھیں گے' حتیٰ کہ وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے گا' پھر

منادی یہ اعلان کرے گا جس شخص کے حقوق [illegible] کے ذمہ ہوں یا اس شخص نے جس پر ظلم کیا ہو وہ بدلہ لینے کے لیے آ جائے پھر لوگ رحمٰن کے سامنے آ کر کھڑے ہو جائیں گے' پھر رحمان فرمائے گا میرے اس بندہ سے اپنے حقوق لے لو' لوگ کہیں گے ہم اس سے کس طرح حقوق لیں' اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اس کی نیکیاں لے لو' لوگ اس کی نیکیاں لینا شروع کر دیں گے' حتیٰ کہ اس کی ایک نیکی بھی نہیں رہے گی' اور ابھی بدلہ لینے والے باقی ہوں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس سے اپنا حق لے لو' لوگ کہیں گے اس کی تو اب ایک نیکی بھی نہیں رہی ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے اپنے گناہ اس کے اوپر لاد دو' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال کیا: اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۸۷' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۶۔۴۴۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جو شخص کسی گناہ کا سبب بنے گا اس پر لوگوں کے اس گناہ کا بوجھ ڈال دیا جائے گا

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جس نے کسی قوم کو گمراہی کی طرف بلایا اس کے اوپر اس قوم کے گناہ لاد دیئے جائیں گے اور اس قوم کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۸۹' الکشف والبیان للثعلبی ج ۷ ص ۲۷۴' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مومن سے قیامت کے دن اس کی تمام باتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کے سرمہ کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا اور اس نے انگلی سے کسی کی مٹی جو کھرچی ہوگی اس کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا' سوائے معاذ! میں قیامت کے دن تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ کوئی شخص تم سے ان نیک اعمال کے لینے میں کامیاب نہ ہو جائے جو تم کو اللہ نے عطا کیے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۱۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۴۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث کی تصدیق اس حدیث صحیح میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ کے پاس چند لوگ آئے' جن کے پیر ننگے' بدن ننگے' گلے میں چمڑے کی کفنیاں یا عبائیں تھیں اور وہ تلواریں لٹکائے ہوئے تھے' ان میں سے اکثر بلکہ سب کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا' ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے' پھر باہر آئے' پھر آپ نے بلال کو اذان اور اقامت کا حکم دیا' آپ نے نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ (النساء: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا' اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی' اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتوں کو پھیلا دیا' اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو' اور رشتوں کو توڑنے سے بچو' بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ ○ (الحشر: ۱۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور غور کرو کہ تم نے کل (قیامت کے دن) کے لیے کیا (نیک عمل) بھیجا ہے۔

کوئی شخص دینار اور درہم اور کپڑا اور ایک صاع (چار کلو گرام) گندم اور ایک صاع کھجوروں کا صدقہ کرے خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا

ہی ہو، پھر انصار میں سے ایک شخص وزنی تھیلی اٹھا کر لایا جس کو اس نے بہ مشکل اٹھایا ہوا تھا' پھر لگاتار لوگ آ کر صدقہ کرنے لگے' حتیٰ کہ میں نے کپڑے اور طعام کے دو ڈھیر دیکھے' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (خوشی سے) سونے کی طرح چمک رہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ ایجاد کیا اس کے لیے اس کا اجر ہوگا' اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے' ان کا بھی اجر ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے اجور میں کوئی کمی ہو' اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا' اس کا گناہ اس پر بھی ہوگا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے' ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا' بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷)

اور اس کی تصدیق اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ کے بوجھ کا ایک حصہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے پر بھی ہوگا کیونکہ یہ پہلا شخص تھا جس نے گناہ کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم کا پہلا بیٹا قابیل تھا جس نے ان کے دوسرے بیٹے ھابیل کو اس حسد سے قتل کر دیا تھا کہ ھابیل کی قربانی قبول ہوگئی تھی اور اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی' اس نے پہلا قتل کیا تھا اور بعد کے لوگوں کو قتل کرنے کے طریقہ کی رہ نمائی کی تھی اس لیے بعد کے لوگوں کے قتل کرنے کا وہ سبب بنا' اور جب کوئی شخص کسی شخص کے گناہ کا سبب بنے تو وہ بھی ان کے گناہوں میں حصہ دار ہوتا ہے۔ یہ حدیث قواعد اسلام کے مطابق ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا۔ الحدیث۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۰۴' ج ۱۵ ص ۲۹۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۱ھ)

پس العنکبوت: ۱۳ میں جو فرمایا ہے کہ اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ۔ اس کا محمل یہ ہے کہ مشرکین پر اپنے شرک اور گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا اور ان کے سبب سے جن لوگوں نے شرک کیا اور دیگر گناہ کیے ان کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے'

اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ○

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی' اور ہم نے اس کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا ○

وَإِبْرٰهِيْمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ

اور ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی

دُوْنِ اللّٰهِ أَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ إِفْكًا ۭ إِنَّ الَّذِيْنَ

عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو'

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا

وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں' سو تم اللہ سے رزق طلب کرو

عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ إِلَيْهِ

اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ

لوٹائے جاؤ گے ○ اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں

قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾

اور رسول کے ذمہ صاف صاف پیغام پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ○

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ إِنَّ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا' بے شک

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ

یہ اللہ پر آسان ہے ○ آپ کہیے کہ تم زمین میں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ

سفر کرو پس غور کرو کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے' پھر اللہ دوسری بار نئی

النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳

پیدائش کرے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ㉑

وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا

اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں'

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ㉒

اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے پس ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے O پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی' اور ہم نے اس کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا O (العنکبوت: ۱۵۔۱۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی حیات کا اجمالی خاکہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ دونوں مومن تھے ان کی ماں کا نام قینوش بنت برکاییل تھا' اور ان کے والد کا نام شیث تھا' ان کو قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث کیا گیا تھا' بعثت کے وقت حضرت نوح کی عمر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی اور بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۳۵۰ سال تھی اور بعض نے کہا اس وقت ان کی عمر ۴۸۰ سال تھی۔ اسی طرح ان کے مقام بعثت میں بھی اختلاف ہے مجاہد نے کہا ان کو ہند میں مبعوث کیا گیا' حسن بصری نے کہا ان کو ارض بابل (عراق کا ایک شہر جو کوفہ اور بغداد کے درمیان ہے) اور کوفہ میں مبعوث کیا گیا۔ امام ابن جریر نے کہا حضرت نوح' حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے' مقاتل نے کہا حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان بھی ایک سو سال کا عرصہ ہے' اور یہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں۔

مقاتل نے کہا ان کا نام السکن ہے' ایک قول ہے ان کا نام الساکن ہے' طبری نے کہا ان کا نام عبد الغفار ہے اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح ہو گیا' نوح کا معنی نوحہ کرنا اور رونا ہے' ان کے زیادہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے کتے کو دیکھ کر دل میں کہا یہ کس قدر بدشکل ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو گویائی دی اس نے کہا اے مسکین! آپ نے کس پر عیب لگایا ہے نقش پر یا نقاش پر۔ اگر نقش پر عیب۔ ہے تو اگر میرا بنانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں خود کو حسین بنا لیتا اور اگر نقاش پر عیب ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی ملک پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جان لیا کہ اس کتے کو

اللہ تعالیٰ نے گویائی دی ہے' پھر وہ اپنے اس خیال پر چالیس سال تک روتے رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح نے دل میں کہا کہ یہ کس قدر بدشکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم اس سے زیادہ حسین مخلوق پیدا کر کے دکھاؤ' حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس خطا پر عرصہ تک روتے رہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۷' دار الفکر' ۱۴۱۵ھ' جز ۱۳ ص ۲۹۶' دار الکتاب العربی ۱۴۲۰ھ)

اس وقعہ کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں ان کا مقام اس سے بلند ہے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت پر اعتراض کریں یا اس کو بُرا جانیں' علاوہ ازیں دل میں جو غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں ان پر انسان کو قدرت نہیں ہے اور نہ اس سے ان پر باز پرس ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک یہ واقعات صحیح نہیں ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں ان کے نام کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال تک افسوس کرتے رہے اور روتے رہے۔

سدی نے کہا حضرت نوح کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی' امام ابن جوزی نے کہا کہ ان کی عمر ایک ہزار تین سو سال تھی' ایک قول ہے ان کی عمر ایک ہزار سات سو سال تھی (کیونکہ بعثت کے بعد ساڑھے نو سو سال تک انہوں نے تبلیغ کی تھی' پھر طوفان آیا' اس کے بعد بھی وہ ایک عرصہ تک زندہ رہے) حضرت نوح موصل کی مشرقی جانب میں فوت ہوئے تھے یہ وہی جگہ ہے جہاں ان کی کشتی جودی پہاڑ کے پاس ٹھہری تھی' امام ابن اسحاق نے کہا وہ ہند میں فوت ہوئے تھے' عبد الرحمان بن سابط نے کہا حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت شعیب اور حضرت نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں زمزم' رکن اور مقام کے درمیان ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ بابل میں فوت ہوئے' ایک قول یہ ہے کہ وہ بعلبک (شام کا ایک شہر) کی کرک نام کی ایک بستی میں فوت ہوئے اور اب بھی وہاں پر ان کی قبر معروف ہے' اس کو کرک نوح کہا جاتا ہے' حافظ ابن کثیر نے کہا کہ امام ابن جریر اور امام ازرقی نے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قول دوسرے متاخرین کے اقوال کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۹۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر اس کے بعد ان ظالموں پر طوفان آیا۔ پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار ساٹھ سو اسی سال ہے۔

امام ابن جریج' امام ازرقی اور دیگر مورخین نے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں ہے اور یہ قوی قول ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۰۔ ۱۰۰ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جو آج دنیا میں عراق کے نام سے مشہور ہے اور اس کی جائے وقوع موصل کے نواح میں ہے اور جو روایات کردستان اور آرمینیہ میں زمانہ قدیم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی علاقہ میں کسی مقام پر ٹھہری تھی۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور ان کی

قوم کی اکثریت نے ان کی رسالت اور نبوت کو نہیں مانا اور بالآخر ان پر ایک طوفان بھیج کر ان کو غرق کر دیا گیا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی ہے کہ آپ کو مکہ میں تبلیغ کرتے ہوئے چند سال ہوئے ہیں اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لائے یا آپ کے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہیں تو آپ رنج اور افسوس نہ کریں' حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیں وہ ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اسی افراد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا تو حضرت نوح علیہ السلام کی بہ نسبت آپ صبر کرنے کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ آپ کی تبلیغ کی مدت ان سے بہت کم ہے اور آپ کے متبعین ان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں۔

اس کی تحقیق کہ طوفان نوح تمام زمین پر آیا تھا یا بعض علاقوں پر

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ طوفان صرف ان ہی کے علاقہ میں آیا تھا یا تمام روئے زمین پر وہ طوفان آیا تھا' مسلم مؤرخین اور مفسرین کے زیادہ تر اقوال یہ ہیں کہ یہ طوفان پوری روئے زمین پر آیا تھا اور بعض نے یہ کہا کہ یہ طوفان صرف انہی کے علاقہ میں آیا تھا' تورات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر بھیجا گیا تھا۔ ہم پہلے تورات کی آیات نقل کریں گے اس کے بعد مسلم مؤرخین اور مفسرین کی عبارات نقل کریں گے اور اخیر میں ان بعض علماء کی عبارات کا ذکر کریں گے جن کے نزدیک یہ طوفان صرف حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ مخصوص تھا۔

طوفان نوح کا تمام روئے زمین کو محیط ہونا

تورات میں لکھا ہے:

اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا اور پانی بڑھا اور اس نے کشتی کو اوپر اٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی O اور پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی O اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے O پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے O اور سب جانور جو زمین پر چلتے تھے پرندے اور چوپائے اور جنگلی جانور اور زمین پر کے سب رینگنے والے جاندار اور سب آدمی مر گئے O اور خشکی کے سب جاندار جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا مر گئے O بلکہ ہر جاندار شے جو روئے زمین پر تھی مر مٹی۔ کیا انسان کیا حیوان کیا رینگنے والا جانور کیا ہوا کا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر سے مر مٹے۔ فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے O اور پانی زمین پر ایک سو پچاس دن تک چڑھتا رہا O (تورات پیدائش باب ۷' آیت: ۲۴۔۱۷' کتاب مقدس' بائبل سوسائٹی لاہور)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' امام عبد الرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ' ان سب نے لکھا ہے:

فسارت بهم السفينة فطافت بهم الارض كلها في ستة اشهر لا تستقر على شيء حتى اتت الحرم فلم تدخله' ودارت بالحرم اسبوعًا ورفع البيت الذين بناه ادم رفع من الغرق.

وہ کشتی چھ ماہ تک تمام روئے زمین کے اوپر تیرتی رہی وہ کسی چیز پر نہیں ٹھہری حتیٰ کہ حرم میں پہنچی اور اس میں داخل نہیں ہوئی اور حرم کے گرد ایک ہفتہ تک گھومتی رہی اور جس بیت کو حضرت آدم نے بنایا تھا اس کو اٹھا لیا گیا اور وہ غرق ہونے سے بلند رہا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۵ ص ۱۸۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' المنتظم ج ۱ ص ۱۳۲' دار الفکر' بیروت ۱۴۱۵ھ' الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۴۱' دار الکتاب العربی' ۱۴۰۰ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قال جماعة من المفسرين ارتفع الماء علی اعلی جبل الارض خمسة عشر ذراعا وهو الذی عند اهل الکتاب وقیل ثمانین ذراعا وعم جمیع الارض طولها والعرض سهلها وحزنها وجبالها وقفارها ورمالها ولم یبق علی وجه الارض ممن کان بها من الاحیاء عین تطرف ولا صغیر ولا کبیر. (البدایہ والنہایہ ج۱ص ۱۷۵ دارالفکر بیروت ۱۴۱۸ھ طبع جدید)

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ پانی زمین کے بلند ترین پہاڑ سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ مقدار اہل کتاب کے نزدیک ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اسّی ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا' زمین کے طول وعرض پر' خواہ نرم زمین ہو یا سخت' اس کے پہاڑوں پر' میدانوں پر' ریگستانوں پر اور روئے زمین پر کوئی زندہ شخص دکھائی نہیں دیتا تھا' چھوٹا اور نہ بڑا۔

نیز حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

بعض جاہل فارسیوں اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ طوفان صرف ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ بے دین مجوسیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(البدایۃ والنہایہ ج۱ص۱۸۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ' طبع جدید)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی لکھا ہے:

لما اغرق اهل الارض کلهم الا اصحاب السفینة. (تفسیر ابن کثیر ج۲ص۴۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

جب اللہ تعالیٰ نے کشتی والوں کے سوا تمام روئے زمین والوں کو غرق کر دیا۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ نے لکھا ہے:

اس سے بڑا حادثہ دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوا کہ زمین کے تمام طول وعرض پر طوفان کا پانی چھا گیا تھا اور اس میں کشتی والوں کے سوا دنیا کے تمام جاندار اور بے جان غرق ہو گئے تھے۔ (نظم الدرر ج۵ص۵۴۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے لکھا ہے:

یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ (روح البیان ج۶ص۵۸۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ ھود: ۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر چند کہ بعض عدم عموم طوفان کے قائل ہوئے ہیں لیکن ظاہر آیات سے جن کو مؤول کہنا بعید ہے عموم معلوم ہوتا ہے' قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۷۷) اور نوح کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والا بنا دیا۔ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۶) اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر رہنے والے کو نہ چھوڑ۔ اور عموم طوفان پر ظاہراً جو بعض اشکالات واقع ہوتے ہیں سب کے جواب قریب ہیں مثلاً یہ کہ تمام انواع حیوانات کے ایک متعارف مقدار کشتی میں کیسے سما سکتے ہیں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ جو پانی میں رہتے ہیں یقیناً خارج ہیں جو محتاج تناسل نہیں وہ بھی خارج ہیں' رہے اور اقسام سو ان میں سے ممکن ہے کہ وہی سوار کیے گئے ہوں جن سے انسانی حاجت متعلق ہوتی ہو جیسے ماکولات ومرکوبات دعوامل وحوامل تاکہ بعد ختم طوفان کے بقیہ افراد انسانی کو تکلیف نہ ہو' سو ایسے جانور بہت قلیل ہیں ہر ایک کا جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں اور جن سے حاجت انسانی متعلق نہیں جیسے سباع وغیرہ وہ سوار نہ کیے گئے ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کر دیا ہو یا یہ کہ بہ طور خرق عادت کے ان کی بھی جگہ: ہو گئی ہو اور یہ اشکال کہ نابالغ بچے کیسے غرق ہو گئے تو ہو سکتا ہے

کہ چند سال پہلے توالد و تناسل بند ہو گیا ہو پس پرانے نابالغ بالغ ہو گئے اور نیا نابالغ پیدا نہ ہوا جیسا کہ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ چالیس سال قبل توالد و تناسل بند ہو گیا تھا' اور مثلاً یہ اشکال کہ جانوروں نے کیا خطا کی تھی اس کا یہ جواب ہے کہ یہ طوفان کفار کے حق میں عذاب تھا اور جانوروں کے لیے یہ منزلہ موت طبعی تھا جو ہر روز واقع ہوتی ہے۔

(بیان القرآن ج ۱ص ۴۵۸' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ ہود: ۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں؟ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں' مگر یاد رہے کہ دائرۃ المعارف میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کیے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔

(حاشیۃ القرآن ص ۲۹۹' مطبوعہ سعودی عربیہ)

علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ عقائد کے بیان میں لکھتے ہیں:

طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔ (بہار شریعت حصہ ا ص ۱۰' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' ۱۴۱۶ھ)

طوفانِ نوح کا صرف بعض علاقوں پر آنا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور جس چیز کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو سوار کیا تھا جن کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ طوفان کا عموم اپنے اطلاق پر ہے اور حضرت نوح نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو رکھا تھا جن کے بغیر چارہ کار نہیں' اور باقی سب جانور غرق ہو گئے اور ان جانوروں کی نظیروں کو اللہ تعالیٰ نے محض لفظ ''کن'' سے دوبارہ پیدا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے یہ کیا بعید ہے۔

(روح المعانی جز ۲۰ص ۸۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

دراصل اشکال یہ ہوتا تھا کہ اگر تمام زمین پر طوفان آیا ہو تو تمام زمین کے جانوروں' چرندوں' درندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو کشتی میں رکھنا تو عادۃً محال ہے' اس کے علامہ آلوسی نے دو جواب دیئے ایک یہ کہ یہ طوفان مخصوص علاقے میں آیا تھا اس لیے تمام زمین کے جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا' دوسرا جواب یہ دیا کہ ہر چند کہ یہ طوفان تمام زمین پر آیا تھا لیکن تمام جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا اور کشتی میں صرف ان ہی جانوروں کو رکھا گیا تھا جن کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے' اور طوفان رک جانے کے بعد باقی جانوروں کو پیدا کرنا اللہ کے لیے کیا مشکل ہے!

شیخ محمد حفظ الرحمان سیوہاری لکھتے ہیں:

کیا طوفانِ نوح تمام کرۂ ارضی پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر؟

اس کے متعلق علماءِ قدیم و جدید میں ہمیشہ سے دو رائے رہی ہیں' علماء اسلام میں سے ایک جماعت' علماء یہود و نصاریٰ اور بعض ماہرینِ علوم فلکیات' طبقات الارض' اور تاریخ طبیعات کی یہ رائے ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار کلو میٹر مربع ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفانِ نوح کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف

گوشوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے' نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی قوم آباد تھی' ابھی حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا' لہٰذا وہی مستحق عذاب تھے ان ہی پر طوفان کا یہ عذاب بھیجا گیا' باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام اور ماہرین طبقات الارض اور علماء طبیعات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر حاوی تھا اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں' ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا اور وہ پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو آثار سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "جزیرہ" یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں' پانی سے باہر ایک لحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے' اس لیے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات و آراء کی ان تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں درج ہے اہلِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ طوفان خاص تھا عام نہ تھا۔ اور یہ مسئلہ بھی محلِ نظر ہے کہ تمام کائناتِ انسانی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے' اور آیت ان تذرھم یضلوا عبادک بھی کچھ اسی طرح اشارہ کرتی ہے۔

(قصص القرآن ج اول ص ۷۷۔۷۶' مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شیخ سیوہاری نے طوفان نوح کے عام نہ ہونے پر جو دلیل قائم کی ہے وہ ان کے اس اعتراف سے ساقط ہو جاتی ہے کہ جزیرہ عرب یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بہ کثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں' پانی سے باہر ایک لحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے اس لیے کرۂ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل ہے کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ طوفان' جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے' عالم گیر طوفان تھا یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوح کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا (پیدائش ۷: ۱۸۔۲۴) مگر قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں جو طوفان نوح سے بچا لیے گئے تھے' لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو' کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود رہی ہو جہاں طوفان آیا تھا اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے' آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے' لیکن روئے زمین کے تمام خطوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالم گیر طوفان کا یقین کیا جا سکے' دوسرے یہ کہ روئے زمین کی اکثر و بیش تر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں' حتیٰ

کہ آسٹریلیا' امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباؤ اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا۔ اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۴۲' ۳۴۱ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۲ء)

سید مودودی کی دلیل بھی ان کے اپنے بیان سے ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ روئے زمین کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانہ سے مشہور ہیں حتیٰ کہ آسٹریلیا' امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے' اس عبارت کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ ان علاقوں کی پرانی روایات میں ایک طوفان عظیم آنے کا ذکر اس لیے ہے کہ ان علاقوں میں وہ عظیم طوفان آیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ عالم گیر طوفان تھا' سید مودودی نے جو اس کا یہ مطلب نکالا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباء و اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔ سو یہ بہت دور کی تاویل ہے اور طوفان نوح کو مختصر کرنے کی تقریباً ناکام کوشش ہے۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

یہ چیز غور طلب ہے کہ کیا یہ طوفان روئے زمین پر آیا تھا اور کیا آپ نے دنیا بھر کے حیوانات کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ محققین کا قول یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا جہاں نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ ایسی تصریحات بھی کتب میں موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں یا ان سے اخذ کیے ہوئے علماء کے اقوال' کتاب و سنت سے کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جا سکتی جس سے صراحۃً اس طوفان کا عالمگیر ہونا ثابت ہو۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ) لیکن ہو سکتا ہے الارض جو معرّف باللّام ہے اس سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہو۔ جس طرح فرعون کے متعلق ہے وان فرعون لعال فی الارض یہاں بھی الارض سے مراد ساری روئے زمین نہیں بلکہ ملک مصر مراد ہے' نیز من الکافرین بھی معرّف باللّام ہے یعنی وہ مخصوص کافر جو آپ کی قوم سے تھے۔ قرآن کریم میں ہمیں یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ کی بعثت صرف آپ کی قوم کے لیے تھی ولقد ارسلنا نوحا الی قومه ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک نسلِ انسانی زیادہ پھیلی نہ ہو بلکہ اسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اس کو عالمگیر کہہ دیا گیا ہو۔ یہ بات قابلِ فہم ہے۔ لیکن اگر یہ اندازہ درست ہو کہ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے تیس سو سال بعد ہوئی تو اتنے عرصۂ دراز تک اولاد آدم کا ایک تنگ سے رقبہ میں محدود رہنا دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے۔ انہیں امور کے پیشِ نظر علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے محتاط پیرایہ میں لکھا ہے:

والذی یمیل القلب الیه ان الطوفان لم یکن عاما۔ (روح المعانی) یعنی دل اس طرف مائل ہے کہ طوفان عام نہیں تھا۔

اگر اس قول کو راجح قرار دیا جائے تو پھر نوح علیہ السلام کو دنیا بھر کے حیوانات کشتی میں لے جانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ جانور اپنے ہمراہ لیے ہوں گے جن کی فوری ضرورت تھی اور جن کو دور دراز کے علاقوں سے جو طوفان کی زد سے محفوظ تھے لے آنا مشقت اور تکالیف کا موجب تھا۔ بل امر بحمل ما یحتاج الیه اذا انجا و من معه من الغرق لئلا یغتموا لفقده ویتکلفوا مشقة جلبه من الاصقاع النائیة التی لم یصلها الغرق (روح المعانی)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ المومنون کی آیت فاسلک فیھا من کل زوجین اثنین کی تفسیر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے: ای کل زوجین من الحیوان الذی یحضرہ فی الوقت اثنین الذکر والانثی لکی لا ینقطع نسل ذالک الحیوان واللہ تعالیٰ اعلم (کبیر) (ضیاء القرآن ج ۳ص ۲۶۱)

یہ درست ہے کہ کتاب وسنت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ طوفان عام تھا یا خاص تھا' لیکن کتاب وسنت میں اس کے مذکور نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں تورات کی روایت کو مردود قرار دیا جائے جب کہ عام اصول یہی ہے کہ سابقہ شرائع کے وہ احکام حجت ہوتے ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف نہ ہوں' حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صرف بے دین مجوسیوں نے یہ کہا ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا اور نہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا (البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۱۸۲) حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعا میں کہا تھا اے رب! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ اس میں زمین سے مراد صرف ان کا مخصوص علاقہ مراد لینے کو پیر صاحب نے یہ طور احتمال ذکر کیا ہے اور احتمال دلیل نہیں ہوتا' کیونکہ اس کے برعکس احتمال بھی موجود ہے' حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ارشاد ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ: ۳۰) اور حضرت آدم کو تمام روئے زمین کے لیے خلیفہ بنایا گیا تھا کسی خاص علاقے کے لیے نہیں اور وہی الارض کا لفظ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں بھی ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح: ۲۶) تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں بھی الارض سے عموم ہی مراد ہو!

علامہ آلوسی کی عبارت پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں اور امام رازی کی جو عبارت پیر صاحب نے نقل کی ہے وہ ان کو مفید نہیں ہے کیونکہ امام رازی نے لکھا ہے کہ اس وقت جتنے بھی حیوان موجود تھے ان سب کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیں۔ اور اس وقت کے حیوانوں کا کشتی میں رکھنا یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ طوفان تمام روئے زمین پر آتا تھا۔ ورنہ امام رازی یوں لکھتے کہ اپنے مخصوص علاقے کے تمام حیوانوں کو کشتی میں رکھ لیں' شاید اسی لیے پیر صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: اور ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو' بے شک تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو' وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں' سو تم اللہ سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور اگر تم تکذیب کرو تو تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ صاف صاف پیغام پہنچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے O (العنکبوت: ۱۸۔۱۶)

اللہ تعالیٰ کے فرائض پر عمل کرنے اور اس کو سجدہ کرنے سے اس کا قرب حاصل ہونا

اس سے پہلی دو آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا اجمالی ذکر فرمایا تھا' انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا وہ مسلسل ساڑھے نو سو سال تک ان کو تبلیغ کرتے رہے اور جب اس کے بعد بھی ان کی قوم کے سرکش ظالموں نے اثر قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک عالم گیر طوفان کا عذاب بھیجا' اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کا اجمالی ذکر فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو حکم دیئے ایک یہ کہ اللہ کی عبادت کرو' دوسرا یہ کہ اس سے ڈرتے رہو' ''اللہ کی عبادت کرو'' اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات ہے اور ''ڈرتے رہو'' میں اس کا شریک بنانے کی ممانعت ہے' یا یہ کہ پہلے حکم میں فرائض اور واجبات پر عمل کرنے کا حکم ہے اور دوسرے حکم میں محرمات اور مکروہات کے ارتکاب کی ممانعت ہے۔

اور فرمایا یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اس کا قرب حاصل ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹) اور''سجدہ کر اور (اللہ کے) قریب ہو جا'' اور اللہ کے قریب ہونے سے بڑھ کر کون سا نفع ہے! حدیث میں ہے:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرا بندہ کسی چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا زیادہ قرب میری فرض کی ہوئی چیزوں پر عمل کر کے حاصل کرتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۲' مسند احمد ج۶ ص۲۵۶' مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۰۷۱' دار الحدیث' قاہرہ' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۷۰۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے' سو تم بہ کثرت دعا کرو۔ (یعنی سجدہ میں)

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۸۷۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۱۳۷)

مشرکین کا رد فرمانا

اس کے بعد فرمایا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر صرف بتوں کی عبادت کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کی بت پرستی کا رد فرمایا کیونکہ انسان کسی کی عبادت کسی نفع کی توقع پر کرے گا یا کسی خوف کی وجہ سے' اور پتھر کے بے جان بت کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ان کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھنا صریح جھوٹ ہے۔ اور فرمایا وہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں تو پھر ان کی عبادت کا تمہیں کیا فائدہ ہوگا! اس کے بعد فرمایا: سو تم اللہ سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ یعنی ہر قسم کا رزق اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لیے اس سے رزق طلب کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم تکذیب کرو (تو کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے تو صرف حضرت نوح علیہ السلام کی امت گزری ہے پھر حضرت ابراہیم کا یہ فرمانا کس طرح درست ہوگا کہ تم سے پہلے کتنی ہی امتیں تکذیب کر چکی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح سے پہلے حضرت ادریس کی امت گزر چکی ہے' اور حضرت شیث کی قوم گزر چکی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے کئی نبی اور کئی ان کی امتیں گزر چکی ہوں گی کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے ہیں اور قرآن اور حدیث میں ہم سے صرف چند نبیوں کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن:۷۸)

بے شک ہم آپ سے پہلے بہت رسول بھیج چکے ہیں' جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور بعض کے واقعات آپ سے بیان نہیں کیے۔

قرآن مجید میں صرف پچیس انبیاء اور رسل کا ذکر ہے اور جن کا ذکر نہیں فرمایا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا' پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا بے شک یہ اللہ پر آسان ہے O آپ کہیے کہ تم زمین میں سفر کرو پس غور کرو کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے' پھر اللہ دوسری بار نئی پیدائش کرے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں' اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O (العنکبوت:۲۲۔۱۹)

حشر کا ثبوت اور عذاب اور ثواب کا بیان

انما تعبدون من دون اللہ العنکبوت: ۱۷ سے الوہیت کو ثابت فرمایا اور وما علی الرسول الا البلاغ العنکبوت: ۱۸ سے رسالت کو ثابت فرمایا اور اب اولم یروا کیف یبدیء اللہ الخلق العنکبوت: ۱۹ سے حشر ونشر اور آخرت کو ثابت فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا' اس پر اعتراض ہے کہ لوگوں نے کب دیکھا ہے اور کب مشاہدہ کیا ہے کس طرح اللہ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو بداہۃً معلوم ہے کہ اس مخلوق کو ابتداءً کسی مخلوق نے پیدا نہیں کیا کیونکہ مخلوق تو خود اپنے وجود اور ظہور میں کسی خالق کی محتاج ہے' اور ضروری ہے کہ اس مخلوق کا خالق ممکن اور حادث نہ ہو' کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے حدوث میں کسی محدث کا محتاج ہوتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس کا خالق واجب اور قدیم ہو اور وہی اللہ ہے اور یہ اتنا جلی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مشاہدہ اور دیکھنے سے تعبیر فرمایا' اور جب لوگ بداہۃً یہ جانتے ہیں کہ ابتداءً اس مخلوق کو پیدا کرنے والا اللہ ہے' تو پھر دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیوں مستبعد جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ابتداءً پیدا کیا تو وہ اس کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو رہ نمائی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آفاق میں جو نشانیاں پیدا کی ہیں ان پر غور کرو' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا ان میں ساکن اور متحرک ستارے بنائے اور زمینوں کو پیدا کیا ان میں پہاڑوں' وادیوں' دریاؤں اور سمندروں کو پیدا کیا' درختوں کو پیدا کیا' کھیتوں اور باغات کو پیدا کیا اور یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا خالق ان کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور اس نے ان چیزوں کو پیدا کرنے کے لیے صرف لفظ کن فرمایا تو جو ایک لفظ "کُنْ" سے اتنی عظیم کائنات پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ اسی لفظ "کُنْ" سے ایسی ہی کائنات دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

اور فرمایا وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے۔ یعنی وہ حاکم مطلق ہے وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے سب اس کے بندے اور مملوک ہیں اس کے فیصلہ اور تصرف پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو ضرور عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲)

اس آیت میں عذاب دینے کے ذکر کو رحم فرمانے کے ذکر پر مقدم کیا ہے حالانکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کرتی ہے۔ (مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۶' مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ)

چونکہ ان آیات میں کفار سے خطاب ہو رہا ہے اس لیے اس مقام پر عذاب کا ذکر رحمت کے ذکر پر مقدم فرمایا اور اس سے بھی کہ گناہ کرنے والے مسلمان اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز آ جائیں اور اس کی رحمت کی امید پر نیک کام کریں۔ یہاں پر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ گناہوں پر عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور نیکیوں پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم (اللہ کو) زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں۔
اس سے پہلے کفار کو عذاب دینے کا ذکر فرمایا تھا اور عذاب سے نجات یا تو اس طرح ہو سکتی ہے کہ انسان عذاب دینے والے کی پہنچ سے بھاگ جائے اور اس کی گرفت سے باہر نکل جائے اور یا اس سے مقابلہ کر کے اس کو زیر کر دے' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صورتوں کا رد فرما دیا کہ تم اس سے بھاگ کر کہیں زمین میں جا سکتے ہو نہ آسمان میں اور نہ تم طاقت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روک سکتے ہو' کیونکہ اس کے مقابلہ میں تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ
اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ
اور ان لوگوں کے لیے درد ناک عذاب ہے ○ سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس

اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ
کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا'

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ
بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے'

الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ
پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت

وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ۖ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ
مددگار نہ ہو گا ○ سو لوط ان پر ایمان لائے اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف

وقف لازم

إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ

ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہی بہت غلبے والا ہے بڑی حکمت والا ہے ○ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق

وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ

اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے

وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ

ان کو اس دنیا میں انؑ کا اجر دے دیا اور بے شک وہ آخرت میں

الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ

نیکوکاروں میں سے ہیں ○ اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک تم بے حیائی کا

الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾

کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ○

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ

کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور راستے منقطع کرتے ہو اور تم اپنی

فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا

عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو! تو ان کی قوم کا صرف

ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ

یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں ○ لوط نے دعا کی کہ

انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ ع

ع ۳ / ۱۵

اے میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ○ سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو تو اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی

زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے‘ پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا○ (العنکبوت:۲۵۔۲۳)

توحید‘ رسالت اور آخرت کے عقائد کی تعلیم کے بعد ان کو تاکیداً دہرانا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں‘ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ ہی کا ایک حصہ ہے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے پھر اپنی رسالت کو بیان فرمایا اور پھر حشر ونشر اور حیات بعد الموت کا ذکر فرمایا۔ اور اب اس آیت سے انہوں نے توحید اور آخرت کے ذکر کو پھر دہرایا اور جو کفار اس میں ان کی مخالفت کر رہے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا‘ آیتوں سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان کا انکار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر جو دلائل قائم فرمائے تھے ان کا انکار کیا‘ اور اللہ سے ملاقات کا انکار کیا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جانے کا انکار کیا‘ وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے یعنی وہ میرے رب کی رحمت سے مایوس ہو گئے‘ کیونکہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت مؤمنوں پر بھی ہے اور کافروں پر بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مؤمنوں پر ہوگی کافروں پر نہیں ہوگی‘ سو آخرت میں کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے‘ ہر چند کہ ان کا مایوس ہونا آخرت میں متحقق ہوگا لیکن اس کا وقوع اور تحقق یقینی ہے اس لیے فرمایا وہ میری رحمت سے یعنی میرے رب کی رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ العنکبوت:۱۶ سے العنکبوت:۲۵ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب کو نقل فرمایا ہے اور درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو بہ طور جملہ معترضہ نقل فرمایا سو العنکبوت:۲۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کو نقل نہیں فرمایا بلکہ یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔

جو لوگ دلائل سے لاجواب ہو جائیں وہ دھمکیوں پر اتر آتے ہیں

اس کے بعد فرمایا: سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو۔

جو شخص کسی شخص کے دلائل کا معقولیت کے ساتھ جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سے اس کا یہی طریقہ رہا ہے کہ پھر وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے اسی طرح جب فرعون حضرت موسیٰ کے دلائل سے عاجز آ گیا تو اس نے کہا تھا:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ○ (الشعراء:۲۹) فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا ڈالو‘ اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک فریق دوسرے فریق کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتا تو وہ گالیوں اور کوسنوں پر اتر آتا ہے‘ ہمارے زمانہ میں بعض انتہا پسند علماء کسی فرعی مسئلہ میں اپنے نظریہ سے دلائل کے ساتھ اختلاف کرنے والے عالم کو کافر‘ مرتد‘ جہنمی یا دیوبندی‘ وہابی اور ناصبی وغیرہ کہنے سے نہیں چوکتے‘ خود مصنف حق بیان کرنے کی پاداش میں اس قسم کی دشنام کی ہدف بنتا رہا ہے اور ان کے فتووں کے تیروں سے گھائل ہوتا رہا ہے اور ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہے‘ حضرت ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ نے بعض مسائل میں علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ سے اختلاف کیا تو اس پر ان کے زمانہ میں ان پر تبرا کیا گیا۔

حضرت عمر اس کے قائل تھے کہ میت پر رونے اور ماتم کرنے کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ نے اس کا رد کیا اور فرمایا کسی کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا قرآن مجید میں ہے:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ (الانعام:۱۶۴) کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس کی شرح میں ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد دلیل کے تابع ہوتا ہے اور دلیل کی بنا پر وہ دوسرے کو خطاء پر قرار دے سکتا ہے خواہ وہ علم میں اس سے زیادہ اور بڑا ہو' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم میں حضرت عائشہ سے بڑے تھے اور علامہ ابن حجر کی اس عبارت میں اس پر صریح دلیل ہے اور بعض شافعی مقلدین جو تقلید کی پستی سے نہیں نکلے اور تحقیق کی بلندی کی طرف نہیں آئے انہوں نے جب دیکھا کہ ہم نے علامہ ابن حجر مکی کے بعض کمزور دلائل کا رد کیا تو انہوں نے کہا تم جیسے شخص کے لیے علامہ ابن حجر ایسے شخص کا رد کرنا جائز نہیں ہے جو ائمہ اعلام کے نزدیک علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے اور تمام لوگوں کا مفتی ہے۔ (مرقات ج ۴ص ۱۰۰' مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا

اس کے بعد فرمایا تو اللہ نے اس کو آگ سے بچالیا۔ یہ آیت اس آیت کے موافق ہے:

قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الانبیاء:۶۹) ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مخالفین پر اپنی حجت تمام کردی اور ان کی گم راہی اور جہالت کو اس طرح ظاہر کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کی تیاری شروع کردی' آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں منجنیق کے ذریعہ حضرت ابراہیم کو پھینکا گیا' پس اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جا' اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈک کے ساتھ سلامتی والی نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی' اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہت بڑا معجزہ ظاہر فرمایا کہ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی آگ چشم زدن میں گل و گلزار بن گئی' اس کی مکمل تفسیر الانبیاء:۶۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طوفان کے بعد ٹھہرنے کا ذکر فرمایا تھا وہاں پر فرمایا تھا اس میں تمام جہان والوں کے لیے نشانیاں ہیں (العنکبوت:۱۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سالہا سال تک جودی پہاڑ پر ٹھہری رہی تھی اور اس کو بے شمار لوگوں نے دیکھا تھا اس کے برخلاف وہ آگ تو فوراً ٹھنڈی ہو گئی تھی اور اس سے صرف وہی لوگ متاثر ہوئے تھے جو اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ان کی تصدیق کر چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اللہ پر ایمان کی وجہ سے ان پر آگ ٹھنڈی کردی' اور مؤمنوں کے لیے فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ ۔ (الممتحنۃ:۴) تمہارے لیے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے۔

سو مومنوں کو امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دیں گے' مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ کے مطابق زندگی گزاریں تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور جس طرح حضرت ابراہیم پر دنیا کی آگ ٹھنڈی کی تھی ان کے متبعین اور ان کے نمونہ کے مطابق زندگی گزارنے والوں پر آخرت کی

آگ ٹھنڈی فرمادے۔

عقائد میں اندھی تقلید کا مذموم ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے بت پرستوں کے مذہب کا فساد اور بطلان ظاہر کر دیا اور ان کی جلائی ہوئی آگ سے صحیح اور سلامت نکل آئے تو اس کے بعد فرمایا:

اور ابراہیم نے کہا تم نے صرف دنیاوی زندگی کی باہمی دوستی کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنایا ہے۔ (العنکبوت: ۲۵)

یعنی تم کسی دلیل کی بناء پر ان بتوں کی پرستش نہیں کر رہے' بلکہ اپنے آباء واجداد اور دوستوں اور ساتھیوں کی اندھی تقلید میں ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو' تمہارے دوستوں' رشتہ داروں اور بڑوں کی عبادت کا جو طریقہ ہے تم اس سے سرمو منحرف ہونا نہیں چاہتے اس لیے تم ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو یہ تمہارے قومی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور باہمی دوستی کی بنیاد ہیں اور تم نے محض دنیاوی دوستی کی خاطر دلیل اور حجت کی پیروی کو ترک کر دیا ہے' پھر فرمایا:

پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (العنکبوت: ۲۵)

جس دوستی اور محبت کی وجہ سے دنیا میں بتوں کی عبادت کی تھی قیامت کے دن وہ محبت اور دوستی زائل ہو جائے گی اور تم پر حقیقت واضح ہو جائے گی' اس دن بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں کے متعلق کہیں گے یہ ہمارے معبود نہیں ہیں ان کا انکار کریں گے اور ان پر لعنت کریں گے اور بت کہیں گے یہ ہمارے عبادت گزار نہیں ہیں ہم نے ان سے عبادت کرنے کے لیے نہیں کہا تھا' عبادت کرنے والے کہیں گے ان بتوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا' بت کہیں گے ان کے عبادت کرنے کی بناء پر ہم کو دوزخ میں ڈالا گیا ہے' وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

آیت کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ بت پرستوں نے بتوں کی محبت کی وجہ سے ان کی عبادت کی تھی کیونکہ ان پر جسمیت غالب تھی وہ چاہتے تھے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کا جسم ہو جوان کو دکھائی دے اور ان کو نظر آئے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ عبادت اس کی کرنی چاہیے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں بلکہ وہ یہ جانتے تو تھے لیکن مانتے نہیں تھے' ان پر آباء واجداد کی اندھی تقلید غالب تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو لوط ان پر ایمان لائے' اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بے شک وہ بہت غلبہ اور بڑی حکمت والا ہے O اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا اور ہم نے ان کو اس دنیا میں ان کا اجر دے دیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں سے ہیں O (العنکبوت: ۲۷-۲۶)

حضرت لوط اور حضرت سارہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن هاران بن آزر (تارخ)' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے' جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوگئی تو ان کا یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط ان کی نبوت پر ایمان لے آئے' اور حضرت سارہ ان کی عم زاد بہن تھیں وہ بھی اس معجزہ کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح بھی کر لیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۰۵۰' تفسیر ثعلبی ج ۷ ص ۲۷۶)

حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور نبی پیدائشی مومن اور موحد ہوتا ہے' حضرت لوط علیہ السلام کا اللہ کی توحید پر تو

پہلے ہی ایمان تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ان کی نبوت اور رسالت پر ایمان لائے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا اہم واقعہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ اس کا معنی ہے میں اپنے رب کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں' علامہ ثعالبی اور علامہ قرطبی وغیرہما نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھتر سال کی عمر میں ہجرت کی تھی۔

حضرت ابراہیم جب اپنے وطن کے لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر آپ نے ہجرت فرمائی' آپ کا وطن کوفہ کے مضافات میں تھا اس کا نام کوثی تھا وہاں سے آپ نے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم نے جب ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط بھی تھے اور ان کی عم زاد حضرت سارہ بھی تھیں جس سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا' وہ پہلے حران میں گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے مصر میں پہنچے وہاں فراعنہ مصر میں سے ایک فرعون تھا۔ اور حضرت سارہ آپ کی حکم عدولی نہیں کرتی تھیں اسی وجہ سے اللہ نے ان کو عزت دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۲۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے دو ان میں سے اللہ کے لیے تھے ایک ان کا یہ قول ہے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصّٰفّٰت: ۸۹) (میں بیمار ہوں) دوسرا ان کا یہ قول ہے: بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء: ۶۳) (بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے) ایک دن وہ اور سارہ سفر کر رہے تھے' وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے' اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوا کر پوچھا یہ عورت کون ہے' حضرت ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے' پھر حضرت سارہ کے پاس گئے اور ان سے کہا اے سارہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتا دیا تھا کہ تم میری بہن ہو سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔ الحدیث (یعنی تم میری دینی بہن ہو)

بہ ظاہر یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس وقت حضرت لوط بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور دیگر احادیث میں ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ سفر کر رہے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا شوہر اور بیوی کا اور کوئی جوڑا مومن نہیں ہے' اس لیے اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کا بھی مومن ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس خاص علاقہ میں ان کے ساتھ حضرت لوط نہیں تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے۔ بقیہ حدیث اس طرح ہے: اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا' جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا' اس نے حضرت سارہ سے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا' حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا' اس نے کہا تم اللہ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا' حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا' پھر اس نے اپنے بعض پہرے داروں کو بلایا اور ان سے کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو' پھر اس نے حضرت سارہ کو حضرت ھاجر بہ طور خادمہ دے دی وہ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اشارے سے کہا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود

اس پر الٹ دیا اور اس نے ھاجر بہ طور خادمہ ہدیہ کر دی حضرت ابو ہریرہ نے کہا اے زمزم کے بیٹو وہ تمہاری ماں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶)

حضرت ابراہیم کی طرف جھوٹ کی نسبت کی توجیہ اور دیگر مسائل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جن اقوال پر جھوٹ کا اطلاق فرمایا ہے وہ محض صوری اور ظاہری ہے، حقیقت میں ان میں سے کوئی قول جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نے جو فرمایا تھا میں بیمار ہوں اس کا محمل یہ ہے کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا کیونکہ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی بیماری آتی ہے، اور انہوں نے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اس کی خدائی کو باطل کرنے کے سبب سے چھوٹے بتوں کو توڑا تھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ اس کے سامنے ان تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور یہ ان کا دفاع نہیں کر سکا، اور انہوں نے اپنی بیوی سارہ کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔ اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ظلم سے بچنا جھوٹ بولنے پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے، مثلاً کسی کے پاس کسی شخص کی امانت رکھی ہو اور ظالم اس امانت کو غصب کرنے کے لیے اس سے طلب کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بول کر کہے مجھے پتا نہیں وہ کہاں رکھی ہے بلکہ وہ اس پر حلف بھی اٹھا لے۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بیوی کو بہن کہنے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا اور طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن بلا ضرورت بیوی کو بہن کہنا یا بلا تاویل اس کو بہن کہنا جھوٹ ہے اور گناہ ہے۔ یہ ظالم بادشاہ مصر کے فراعنہ میں سے پہلا فرعون تھا اور بہت عرصہ تک زندہ رہا، بعض احادیث میں ہے کہ جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ زمین میں دھنس گیا اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا پورا ہاتھ سینہ تک سوکھ گیا تھا۔

ھاجر سریانی لفظ ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان کے والد قبط کے بادشاہوں میں سے تھے ان کا وطن مصر کا ایک علاقہ تھا جس کو حفن کہا جاتا ہے۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کو ہدیہ میں حضرت ھاجر بہ طور خادمہ دی اور انہوں نے قبول کیا اس سے معلوم ہوا کہ مشرک سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت سارہ نے اس کے خلاف دعا کرنے سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں بھی وضو کرنا مشروع تھا اور یہ کہ جب انسان پر کوئی ناگہانی آفت یا مصیبت آئے تو وہ نماز کی پناہ میں آئے، اور یہ کہ جب انسان اخلاص کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ظالم سے نجات دیتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت سارہ کی کرامت کا ثبوت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۴۵۔۳۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی خبر پہنچنے میں دیر ہو گئی، پس قریش کی ایک عورت نے آپ کے پاس آ کر کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ کے داماد کو ایک خاتون کے ساتھ دیکھا ہے، آپ نے پوچھا کس حال میں دیکھا؟ اس نے کہا میں نے ان کو ایک دراز گوش پر دیکھا جو ست روی سے جا رہا تھا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کی رفاقت کو قائم رکھے بے شک حضرت لوط کے بعد حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۴۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱۔۸۰)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان، رقیہ اور حضرت لوط کے

درمیان کوئی مہاجر نہیں تھا' یعنی حضرت عثمان اور رقیہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۲۸۸۱)

حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی عثمان بن خالد العثمانی متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی اتباع کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی نعمت عطا کی ان کو دو بیٹے عطا فرمائے حضرت اسماعیل جو حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوئے اور حضرت اسحاق جو حضرت سارہ سے پیدا ہوئے' اور ان کے بیٹے کو بیٹا عطا فرمایا اور حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء ان ہی کی نسل سے پیدا ہوئے' پھر فرمایا ہم نے ابراہیم کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء ان ہی کی صلب سے پیدا ہوئے' بنی اسرائیل کے تمام انبیاء حضرت اسحاق کی صلب سے پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل کی صلب سے ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان کی اولاد میں کتاب کو رکھ دیا اس سے مراد تورات' زبور' انجیل اور قرآن مجید ہے' تورات ان کی اولاد میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور زبور ان کی اولاد میں سے حضرت داؤد پر نازل ہوئی' اور انجیل ان کی اولاد میں سے حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی اور قرآن مجید ان کی اولاد میں سے ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے ان کو اس دنیا میں اس کا اجر دے دیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو دو قسم کے اجر عطا فرمائے' ان کو ظالموں سے نجات عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں انبیاء بنائے اور ان انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے نیکوکاروں کی تمام نیکیوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی آخرت میں اجر ملے گا' اور مزید یہ فرمایا کہ ان کا شمار آخرت میں صالحین میں ہوگا۔

ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کے طریقہ پر اتباع کی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو اور راستے منقطع کرتے ہو اور تم اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کا کام کرتے ہو! تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں O لوط نے دعا کی کہ اے میرے رب! ان فسادی لوگوں کے خلاف میری مدد فرما O (العنکبوت: ۳۰۔۲۸)

قوم لوط کا راستوں کو منقطع کرنا

سورۃ الاعراف: ۸۴۔۸۰ اور سورۃ ھود: ۸۳۔۷۷ میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیل گذر چکی ہے۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۱۹۔۲۱۳' اور تبیان القرآن ج ۵ ص ۶۰۴۔۵۹۷' ان آیات کی مختصر تفسیر اس طرح ہے:

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا O

ان کی قوم اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے اپنی عورتوں سے مباشرت کرنے کے بجائے مردوں سے عمل معکوس اور خلاف فطرت کام کرتی تھی۔

نیز فرمایا: اور راستے منقطع کرتے ہو' اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ آنے جانے والوں مسافروں اور اجنبی لوگوں کو زبردستی پکڑ

پکڑ کر یہ بے حیائی کا کام کرتے تھے' جس کی وجہ سے لوگوں کا سفر کرنا اور راستوں سے گزرنا مشکل ہو گیا تھا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے تھے' اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ مسافروں کو لوٹ لیتے تھے' ان کو قتل کر دیتے تھے اور از روئے شرارت ان پر کنکر مارتے تھے' اور اس کی تیسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ بر سر راہ یہ عمل کرتے تھے پس لوگ وہاں سے گزرنے میں شرم محسوس کرتے تھے تو اس طرح انہوں نے راستے بند کر دیئے تھے اور اس کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ چونکہ وہ عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے تو گویا انہوں نے افزائش نسل کا راستہ منقطع کر دیا تھا اور وہ مردوں کی وجہ سے عورتوں سے مستغنی ہو گئے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ چاروں وجوہ متحقق ہوں اور اس وجہ سے انہوں نے راستے منقطع کر دیئے تھے۔

قوم لوط کا بر سر مجلس بے حیائی کے کام کرنا

اور فرمایا تم اپنی عام مجلسوں میں بے حیائی کے کام کرتے ہو۔ اس کی تفسیر میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **وتاتون فی نادیکم المنکر** العنکبوت:۲۹ کی تفسیر میں فرمایا وہ زمین (سے گزرنے) والوں پر کنکر مارتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۱' المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث:۱۰۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۴۰۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم لوط کے لوگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور ہر ایک کے سامنے کنکریوں سے بھرا ہوا ایک پیالہ ہوتا تھا جو شخص راستہ سے گزرتا وہ اس پر کنکر مارتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنکر مارنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس سے دشمن ہلاک ہوتا ہے نہ شکار ہوتا ہے لیکن اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۴' الکشف والبیان للثعلبی ج ۵ ص ۵۴)

علامہ عبد الرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی مالکی متوفی ۸۷۵ ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا ان کے مرد مردوں کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بدکاری کرتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وہ اپنی مجالس میں گوز لگاتے تھے اور ایک دوسرے کو تھپڑ مارتے تھے۔

(الجواہر الحسان للثعالبی ج ۴ ص ۲۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا وہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔

مکحول نے کہا قوم لوط کے اخلاق میں سے یہ چیزیں تھیں وہ دنداسہ چباتے تھے' انگلیوں پر مہندی لگاتے تھے' تہبند کھول دیتے تھے' سیٹیاں بجاتے تھے اور ہم جنس پرستی کرتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۶۔۵۵۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے' ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے' مجلس میں گوز لگاتے تھے' گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے' چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے' رنگدار کپڑے پہنتے تھے' مرغ لڑاتے تھے' مینڈھے لڑاتے تھے' انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے' مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں' ہر گزرنے والے سے ٹیکس لیتے تھے' ان تمام کاموں کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے' اور ہم جنس پرستی کی ابتداء سب سے پہلے ان میں ہوئی تھی' جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان برے کاموں سے منع کیا تو انہوں نے کہا آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں۔ اور انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو حضرت لوط علیہ السلام کے دعویٰ رسالت کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا' پھر حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس عذاب کے فرشتے بھیج دیئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۰۴۔۳۰۳' دار الکتاب العربی' جز ۱۳ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے' تو انہوں نے کہا ہم بے شک اس بستی والوں کو

مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱

ہلاک کرنے والے ہیں' یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں O

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا

ابراہیم نے کہا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں' فرشتوں نے کہا ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں

لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۤ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲

ہیں' ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہ جانے والوں میں سے ہے O

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کو فرشتوں کا آنا ناگوار ہوا' اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا'

ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ

فرشتوں نے کہا آپ نہ خوف کریں اور نہ غمگین ہوں' یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو (عذاب سے) بچانے

اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ

والے ہیں سوا آپ کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے O بے شک ہم اس بستی والوں پر

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۴

آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے O

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۳۵ وَاِلٰى

اور بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے (عبرت کی) واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا O اور ہم نے

مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا' انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو

وَّارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۳۶

اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں

جٰثِمِيْنَ ۝۳۷ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ

کے بل پڑے رہ گئے ○ اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا، اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت بنا دیا تھا سو ان کو صراط مستقیم (پر چلنے) سے روک

وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ

دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے ○ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہلاک کر دیا، اور بے شک ان کے پاس

جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا

موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے پس انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم پر سبقت

سٰبِقِيْنَ ۝۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

کرنے والے نہ تھے ○ سو ہم نے ہر ایک (سرکش) کی اس کی سرکشی پر گرفت کی تو ہم نے ان

حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

میں سے بعض پر پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان

بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ

میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے

وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے ○ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ

اور مددگار بنا لیے ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا' اور بے شک

اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

سب سے کمزور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے' کاش یہ لوگ جانتے ○

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ

بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا

اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں' اور ان مثالوں

يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کو صرف علماء سمجھتے ہیں ○ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا' بے شک

بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ ع

اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے○

وقف لازم

ع ۴ ۱۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا ہم بے شک اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں○ ابراہیم نے کہا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں' فرشتوں نے کہا ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں' ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے○ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کو فرشتوں کا آنا ناگوار گزرا' اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہوا' فرشتوں نے کہا آپ نہ خوف کریں اور نہ غمگین ہوں' یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو (عذاب سے) بچانے والے ہیں سوا آپ کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے ہے○ بے شک ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے○ بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے عبرت کی واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا○ (العنکبوت: ۳۵۔۳۱)

قوم لوط پر نزول عذاب کا پس منظر و پیش منظر

وہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس حضرت سارہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہونے کی بشارت لے کر آئے تھے' اثناء گفتگو میں انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں' اس بستی کا نام سدوم تھا' اور یہ قوم لوط کی بستیوں میں سب سے بڑی بستی تھی اور مردم پرستی اور مردوں کے ساتھ بے حیائی کا سب سے پہلے اسی بستی میں ظہور ہوا تھا' فرشتوں نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بستی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بستی اس بستی کے نزدیک تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں' یہ ان کی حضرت لوط پر کمال شفقت تھی' وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ نزول عذاب کے وقت حضرت لوط اسی بستی میں ہوں گے یا پہلے ان کو اس بستی سے نکال لیا جائے گا پھر اس بستی پر عذاب نازل کیا جائے گا۔

اس بستی والوں سے مراد وہ لوگ تھے جو اس بستی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت لوط اور ان کے گھر والے دوسرے علاقہ سے آ کر اس بستی میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور جو لوگ حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ بھی ان کے اہل اور گھر والوں میں شامل تھے۔

قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو منع کیا تھا کہ وہ کسی مہمان کو اپنے گھر میں نہ ٹھہرائیں اور جب فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں ان کے ہاں بہ طور مہمان آ گئے تو حضرت لوط علیہ السلام پریشان ہو گئے' ادھر ان کی قوم کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر خوب صورت بے ریش لڑکے آئے ہیں انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر دھاوا بول دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کر لو مگر ان کی قوم اپنے مطالبہ پر بضد رہی' تب فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا: ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ ہمارے متعلق پریشان نہ ہوں یہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے' فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں' ماسوا آپ کی بیوی کے کیونکہ وہ کافرہ ہے۔ ادھر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر کے اندر داخل ہو گئے فرشتوں نے ان پر اپنے پر مارے تو وہ اندھے ہو گئے اور چیختے چلاتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے اور جیسے ہی صبح ہوئی تو ان کو عذاب نے آ لیا۔

اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر اس بستی کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں اور کنکریوں کو برسایا۔ زمین کو ان کے اوپر اس لیے پلٹ دیا کیونکہ یہ بھی شہوت رانی کے وقت لڑکوں کو پلٹ دیتے تھے اور ان پر کنکریاں اس لیے برسائیں کیونکہ یہ بھی لوگوں کو کنکر مارتے تھے' اور فرمایا بے شک ہم نے اس بستی کے بعض آثار کو عقل والوں کے لیے (عبرت کی) واضح نشانی بنا کر چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد ان کے ویران اور اوندھے گرے ہوئے مکانوں کے کھنڈرات ہیں' مجاہد نے کہا اس سے مراد سیاہ پانی ہے جو زمین میں نکل آیا تھا' قتادہ نے کہا اس سے مراد ان پر برسائے ہوئے پتھر ہیں اور اس امت کے بعض متقدمین کو وہ پتھر ملے بھی تھے' ابوسلیمان الدمشقی نے کہا اب بھی ان کے گھروں کی بنیادیں اوپر ہیں اور چھتیں نیچے ہیں۔

آیا جنت میں عمل قوم لوط ہو گا یا نہیں؟

ان آیات میں عمل قوم لوط کی قباحت اور مذمت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے' اور اس کی بھی تصریح ہے کہ اس کی حرمت زنا سے زیادہ ہے' شرح المشارق میں مذکور ہے کہ یہ عمل عقلاً شرعاً اور طبعاً حرام ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد اس لیے واجب نہیں ہے کہ ان کو اس پر دلیل نہیں ملی' یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک یہ زنا سے کم گناہ ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اس پر تغلیظاً حد نہیں ہے کیونکہ حد گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ جنت میں یہ فعل ہو گا یا نہیں؟ علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ نے کہا اگر اس کی حرمت عقلاً اور شرعاً

ہے تو یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا اور اگر اس کی حرمت فقط شرعاً ہو تو پھر یہ فعل جنت میں ہو سکتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مستبعد اور قبیح قرار دیا ہے اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ (العنکبوت: ۲۸) بے شک تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو خبیث فرمایا كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ (الانبیاء: ۷۴) اس بستی کے لوگ خبیث کام کرتے تھے اور جنت خبیث کاموں سے منزہ ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ حموی نے اس دلیل پر اعتراض کیا ہے کہ کسی چیز کا خبیث ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ جنت میں اس کا وجود نہ ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ خمر (انگور کی شراب) دنیا میں ام الخبائث ہے اس کے باوجود خمر جنت میں ملے گی اور اس میں بحث ہے کیونکہ خمر کا خبث دنیا میں اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے اور عقل ہی ہر برے کام سے روکتی ہے اور جنت کی خمر میں یہ وصف نہیں ہوگا اور قوم لوط کا یہ فعل اس طرح نہیں ہے۔

جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر علامہ آلوسی کے دلائل

الفتوحات المکیہ میں یہ لکھا ہوا کہ اہلِ جنت کی صفت یہ ہے کہ ان کی دُبُر (سرین) نہیں ہوگی کیونکہ دُبُر پاخانہ نکلنے کا راستہ ہے اور جنت نجس چیزوں کا محل نہیں ہے اس بناء پر جنت میں اس فعل کا نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور میرا گمان نہیں ہے کہ کوئی سچا اور غیور آدمی جنت میں یہ فعل چھپ کر یا ظاہراً کروائے گا اور اگر اس فعل کے وقوع کو ممکن مانا جائے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ جب کسی شخص کو اس فعل کے کرنے کی خواہش ہو دوسرا شخص خوشی سے یہ کام کروائے یا وہ شخص جبراً اس کے ساتھ یہ کام کرے اور کوئی غیور شخص خوشی سے تو یہ فعل کرائے گا نہیں اور جنت میں کسی پر جبر ہو نہیں سکتا ہر چند کہ یہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر قطعی دلیل نہیں ہے مگر اس سے عدم وقوع کا قول مستحکم ہوتا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰ ص ۲۳۴۔ ۲۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع کی قطعی دلیل یہ ہے کہ یہ فعل ناجائز اور حرام ہے اور تمام ناجائز اور حرام کاموں کی تحریک اور ترغیب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ لعین اس وقت دوزخ میں ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱) اور جنت میں تم کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قبیح اور غیر فطری فعل کی خواہش فساق اور فجار کرتے ہیں اور جنت میں فساق اور فجار نہیں ہوں گے بلکہ پاک صاف اور نیک لوگ ہوں گے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ہر جائز خواہش اور ہر جائز طلب پوری کی جائے گی اور اگر اس کو عموم پر محمول کیا جائے کہ ان کی ہر خواہش پوری ہوگی خواہ جائز ہو یا ناجائز تو اگر بالفرض کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ جنت میں اس کا مقام نبی کے مقام سے بڑھ کر ہو یا یہ خواہش کرے کہ اولیاء اور انبیاء کی ازواج مطہرات اس کو مہیا کی جائیں (العیاذ باللہ) تو کیا اس کی یہ ناپاک خواہشیں پوری کی جائیں گی اس لیے ماننا پڑے گا کہ جنت میں صرف جائز خواہش پوری کی جائے گی اور یہ فعل جائز نہیں ہے بلکہ ناجائز اور حرام ہے اس لیے اولاً تو یہ ناجائز خواہش کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوگی اور ثانیاً بالفرض اگر کسی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو بھی تو اس کو پورا نہیں

کیا جائے گا اور یہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع کی قطعی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت کی توقع رکھو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھروO پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلہ نے پکڑ لیا' سو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئےO (العنکبوت: ۳۷۔۳۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنا

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کی پوری تفصیل الاعراف: ۹۳۔۸۵ اور ھود: ۹۵۔۸۴ میں گزر چکی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۳۰۔۲۲۰ اور تبیان القرآن ج ۵ ص ۶۱۴۔۶۰۴۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا تم صرف ایک اللہ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرو' اور روزِ قیامت کی توقع رکھو کیونکہ اس دن نہایت ہولناک امور پیش آئیں گے اس دن کے دہشت ناک حوادث کو دیکھ کر حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے' اس دن ہر شخص اپنے انجام کے متعلق فکر مند اور خوف زدہ ہوگا' سو تم ایسا نیک عمل کرو جو تمہیں اس دن کی ہولناک پریشانیوں سے نجات دے اور اللہ کے عذاب سے بچائے اور تمہیں جنت کے ثواب تک پہنچائے' اور تم اپنی موت کے دن کو یاد رکھو' اور ناپ اور تول میں کمی کر کے اس دن کی مشکلات میں اضافہ نہ کرو' عثو اور فساد عربی میں دونوں کا معنی زمین میں فتنہ اور بغاوت کرنا ہے اور یہاں تاکیداً دونوں لفظ ذکر کیے ہیں کیونکہ بعض فساد میں اصلاح بھی مضمر ہوتی ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا تھا یا ایک لڑکے کی گردن توڑ دی تھی یا جیسے ڈاکٹر اور سرجن کسی عضو کو کاٹ دیتا ہے کیونکہ ایک عضو کو کاٹ دینے میں پورے جسم کی صلاح مضمر ہوتی ہے لیکن ناپ اور تول میں کمی کرنا یہ ایسا فساد ہے جس میں کسی قسم کی خیر اور صلاح نہیں ہوتی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ناپ اور تول میں کمی کرنے اور شرک کرنے سے باز نہیں آئے تو ان پر شدید زلزلہ آیا جس سے ان کے گھر منہدم ہو گئے اور پورا شہر کھنڈر بن گیا۔ اس آیت میں ان کے عذاب کے لیے الرجفة کا لفظ ہے جس کا معنی زلزلہ ہے اور سورۃ ھود میں اس کے لیے الصیحة کا لفظ ہے جس کا معنی ہولناک چنگھاڑ ہے اور یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی اور ان کی چیخ کے نتیجہ میں زلزلہ پیدا ہو گیا' اور وہ اپنے شہروں میں اور گھرون میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے یعنی وہ اپنے گھروں میں مردہ پڑے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قوم عاد اور قوم ثمود کو ہلاک کیا' اور (اے مکہ والو!) تم پر (سفر میں) ان کی بستیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوب صورت بنا دیا تھا سو ان کو صراط مستقیم (پر چلنے) سے روک دیا حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھےO (العنکبوت: ۳۸)

عاد اور ثمود کی ہلاکت

عاد قوم کی بستی حضر موت (یمن) کے قریب ہے اور ثمود کی بستی حجر ہے اس کو آج کل مدائن صالح کہتے ہیں یہ علاقہ حجاز کے شمال میں ہے' عربوں کے لیے ان کی بستیاں انجان نہیں تھیں' ارشاد فرمایا: اور ہم نے (حضرت) ھود (علیہ السلام) کی قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور (حضرت) صالح (علیہ السلام) کی قوم ثمود کو ہلاک کر دیا اور اے اہل مکہ تم نے اپنے سفر کے دوران قوم عاد کے گھروں کے کھنڈرات اور قوم ثمود کے ویران مکانوں کے آثار دیکھے ہوں گے' شیطان نے ان کے کفر اور دیگر ناجائز کاموں کو ان کی آنکھوں میں خوبصورت اور خوش نما بنا دیا تھا اور ان کو اس سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا جس پر چلنا ان پر واجب تھا اور

یہ وہ صراط مستقیم ہے جس کی انبیاء علیہم السلام دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ کو ایک مانیں اور صرف اس کی اطاعت اور عبادت کریں' حالانکہ وہ سمجھ دار لوگ تھے' ان میں عقل تھی' غور وفکر کرنے اور نظر اور استدلال کرنے کی صلاحیت تھی' لیکن شیطان کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنی بصیرت اور دیگر صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قارون اور فرعون اور ھامان کو ہلاک کر دیا اور بے شک ان کے پاس موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے پس انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم پر سبقت کرنے والے نہ تھے O (العنکبوت: ۳۹)

قارون کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت مال و دولت عطا کیا تھا اس کے خزانوں کی چابیاں ستر خچروں پر لادی جاتی تھیں' یہ اس مال کثیر کی بناء پر متکبر اور مغرور ہو گیا اور اس مال کو اللہ کا عطیہ قرار دینے کے بجائے اپنی ذہانت کا ثمرہ کہتا تھا' یہ فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اسی لیے اس کا فرعون اور ھامان کے ساتھ ذکر فرمایا ہے' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم قوم اور عم زاد ہونے کے باوجود ان پر حسد کرتا تھا کہ ان کو نبوت کیوں مل گئی اس کے غرور اور تکبر اور حسد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا' اس کی پوری تفصیل القصص: ۸۱۔۷۶ میں گزر چکی ہے۔

فرعون مصر کے ملک کا بادشاہ تھا لیکن اقتدار کے نشہ میں اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا' اس نے بنی اسرائیل کی قوم کو اپنا غلام بنا رکھا تھا' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دے کر اس کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی الوہیت کے دعویٰ سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرے' اور بنی اسرائیل کی قوم کو آزاد کرے جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا لیکن فرعون نے غرور اور تکبر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل تبلیغ اور معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لایا بالآخر ایک صبح کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے پورے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا۔ اس کا تفصیلی قصہ کئی بار گزر چکا ہے۔

ھامان فرعون کا وزیر اور اس کا معاون تھا اور جو کسی ظالم اور متکبر کا اس کے ظلم اور اس کی سرکشی میں معاون اور مددگار ہو اس کا انجام بھی اسی کی طرح عبرت ناک ہوتا ہے۔

ان آیات کے ذکر سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ مشرکین کے سردار اور صنادید قریش آپ پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی کیوں بنا دیا' اگر مکہ کے کسی شخص کو نبی بنانا تھا تو جو زیادہ مالدار تھے اور جن کے اعوان اور انصار بہت زیادہ تھے ان میں سے کسی کو نبی بنایا جاتا' ایک غریب گھرانے کے فرد کو کیوں نبی بنایا گیا' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے حسد سے نہ گھبرائیں' قارون بھی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرتا تھا کہ اس جیسے مال دار شخص کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ ایسے تہی دست شخص کو کیوں نبی بنایا' لیکن اس کا حسد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکا بلکہ اپنے بغض وحسد اور غرور اور تکبر کی وجہ سے وہ خود اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو گیا' سو آپ ان کی معاندانہ کارروائیوں اور حاسدانہ سازشوں سے بے فکر اور بے خوف ہو کر اپنے مشن کو جاری رکھیں انجام کار آپ ہی کامیاب اور کامران ہوں گے اور آپ کے مخالفین ناکام اور نامراد ہوں گے۔

قارون کے ذکر کو فرعون اور ھامان کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجوہ

قارون کے ذکر کو فرعون اور ھامان کے ذکر پر مقدم کیا کیونکہ فرعون اور ھامان کی بہ نسبت وہ پہلے عذاب میں مبتلا ہوا تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ عاد اور ثمود ارباب بصیرت تھے اس کے باوجود اتباع شیطان کی وجہ سے وہ گمراہ

گئے اسی طرح قارون بھی صاحب بصیرت تھا اور عام بنی اسرائیل کی بہ نسبت تورات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن وہ بھی اتباع شیطان کی وجہ سے گم راہ ہو گیا تھا' یا اس وجہ سے کہ قارون' فرعون اور ھامان سے بہتر تھا کیونکہ وہ بہ ظاہر تورات پر ایمان لے آیا تھا اور تورات کا عالم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا' اور اس مقام غضب میں اس کے ذکر کو مقدم کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس قسم کا شرف اور مرتبہ کفر اور شرک کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے نجات نہیں دے سکتا۔ (روح المعانی)

علامہ آلوسی نے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ قارون کے ذکر کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ اس کو فرعون اور ھامان سے پہلے عذاب دیا گیا تھا اس لیے اس کا ذکر ان سے پہلے فرمایا تا کہ ذکر واقع کے موافق ہو' لیکن میرے نزدیک یہ وجہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ قارون تورات کا عالم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق کرنے کے بعد تورات دی گئی تھی۔

اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہم پر سبقت کرنے والے نہ تھے' سبقت کا معنی کسی کام کو دوسروں سے پہلے کر لینا یا دوسروں سے بڑھ چڑھ کر' کرنا ہے اس کا معنی ہے تجاوز کرنا' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے متجاوز ہونے والے یا اس سے بچنے والے نہ تھے' علامہ ابوالحیان اندلسی نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ قارون' فرعون اور ھامان دوسری امتوں سے پہلے یا ان سے بڑھ کر کفر کرنے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے ہر ایک (سرکش) کی اس کی سرکشی پر گرفت کی تو ہم نے ان میں سے بعض پر پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے ○ جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مددگار بنا لیے' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا' اور بے شک سب سے کمزور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ لوگ جانتے ○ (العنکبوت: ۴۱-۴۰)

تمام دنیا کے کافروں کو کس کس نوع کے عذاب دیئے گئے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے پاس اپنے رسول بھیجے اور جب انہوں نے اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان کے پہنچائے ہوئے پیغام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کیے' اور یہ آیت اور اس کے بعد والی آیتیں ان آیات سابقہ کا خلاصہ ہیں جو اس سورت میں اور اس سے پہلی سورتوں میں کافروں اور منکروں پر عذاب کرنے کے سلسلے میں بیان فرمائی ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

انسان کو چار عناصر سے پیدا فرمایا ہے آگ' ہوا' پانی اور مٹی اور انسانوں میں سے کافروں اور منکروں پر جو عذاب نازل کیے گئے ہیں وہ بھی ان ہی چار عناصر کی نوع سے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حاصب کا ذکر فرمایا یہ آگ میں تپائی ہوئی کنکریاں ہیں جو مجرموں کے اجسام میں نفوذ کر جاتی تھیں اور آر پار ہو جاتی تھیں جیسا کہ قوم لوط پر کنکریاں برسائی گئیں اور اس میں آگ کے عذاب کی طرف اشارہ ہے' اور اللہ تعالیٰ نے الصیحۃ کا ذکر فرمایا اس کے معنی آواز ہے ان کو ہولناک چنگھاڑ سے عذاب دیا گیا اور چیخ و چنگھاڑ دراصل ایک متموج ہوا ہے کیونکہ آواز ایک ہوا کے ساتھ نکلتی ہے اور فضاء میں جو ہواؤں کا موجیں مارتا ہوا سمندر ہے اس سے ٹکراتی ہوئی کان کے پردوں تک پہنچتی ہے اور اس میں ہوا کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ہود اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قوم میں سے کافروں کو اسی سے عذاب دیا گیا تھا' اور اللہ تعالیٰ نے خسف کا ذکر فرمایا

یعنی ان کو زمین میں دھنسا کر عذاب دیا گیا اور اس میں مٹی کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے غرق کرنے کا ذکر فرمایا اس میں پانی کے ساتھ عذاب دینے کی طرف اشارہ ہے' جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کافروں اور منکروں کو طوفان میں غرق کر دیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو بحر قلزم میں غرق کر دیا تھا۔

سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عناصر اربعہ سے پیدا فرمایا اور ان میں سے ہر عنصر اس کے وجود اور اس کی بقا کا سبب تھا پھر ان ہی عناصر اربعہ میں سے ہر ہر عنصر کے ساتھ اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور جس چیز کو اس کے وجود کا سبب بنایا تھا اسی چیز کو اس کے عدم کا سبب بنا دیا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کوئی اپنی ذات میں مؤثر نہیں ہے' مؤثر حقیقی صرف اللہ عزوجل ہے وہ چاہے تو آگ' ہوا' مٹی اور پانی سے انسان کو موجود کر دے اور جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دے اور وہ چاہے تو ان ہی چیزوں سے انسان کو فنا کر دے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ (العنکبوت: ۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے ان پر ظلم نہیں کیا خود انہوں نے شرک کر کے اپنی جانوں کو عذاب کا مستحق بنایا ہے' اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا ولقد کرمنا بنی ادم (الاسراء: ۷۰) ہم نے بنو آدم کو عزت دی ہے' اس نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا اپنے ہاتھوں سے اپنی صورت کے موافق اس کی صورت بنائی اس کو اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا' اس کے سر پر عزت اور کرامت کا تاج رکھا ناموس وحی سے اس کو سرفراز فرمایا اور اس انسان نے مٹی کے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا' جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر عزت اور کرامت دی تھی اس نے ذلت کے ساتھ بتوں کے آگے اپنا سر جھکا دیا اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی کے بے جان بتوں کو اپنا حاجت روا اور نفع اور ضرر کا مالک مان لیا' سو اللہ تعالیٰ نے تو اس کو عزت دی تھی اس نے خود اپنے آپ کو ذلیل کر لیا اس لیے فرمایا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۷۔ ۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مکڑی کے گھر کا سب سے کمزور گھر ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مددگار بنا لیے' ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے جس نے (جالوں کا) گھر بنایا اور بے شک سب سے کمزور گھر ضرور مکڑی کا گھر ہے۔ (العنکبوت: ۴۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے دنیا میں شرک کیا اور اس کے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کی اور اسی پر اصرار کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمانی عذاب بھیجا اور جن باطل خداؤں کو وہ اللہ عزوجل کا شریک قرار دیتے تھے اور ان کو اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کو ہر قسم کے ضرر سے بچالیں گے وہ ان کے کسی کام نہ آ سکے اور وہ لوگ اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو گئے' اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو اور معبود بنا رکھے ہیں' وہ بالکل بے بس اور لاچار ہیں وہ کسی کے بھی کام نہیں آ سکتے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو اس مثال سے واضح کیا ہے کہ مشرکین کے خود ساختہ مددگار تو مکڑی کے جالوں کی طرح کمزور ہیں اور وہ کسی کے کام نہیں آ سکتے۔

مکڑی کا گھر سب سے کمزور گھر حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) گھر میں دیواریں' چھت اور دروازے ہوتے ہیں' چھت کی وجہ سے گھر والے بارش اور دھوپ سے محفوظ رہتے ہیں' دیواروں کی وجہ سے وہ سرد ہواؤں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہتے ہیں اور دروازوں کی وجہ سے وہ اجنبی لوگوں کے آنے

اور دشمنوں اور مخالفوں سے محفوظ رہتے ہیں اور مکڑی جو جالوں سے گھر بناتی ہے اس میں ان میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی اس لیے وہ سب سے کمزور اور سب سے زیادہ غیر محفوظ گھر ہوتا ہے' سورج کی شعاعیں اس سے آر پار گذر جاتی ہیں اور تیز آندھی یا ہواؤں کے تھپیڑوں سے وہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

(۲) اینٹوں' ریت' بجری' سیمنٹ اور لوہے سے جو گھر بنایا جائے وہ سب سے زیادہ مضبوط ہے' وہ انسان کو آگ سے بارش سے اور آندھیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر لکڑی کا گھر بنایا جائے تو وہ انسان کو آگ سے تو محفوظ نہیں رکھتا لیکن دھوپ' بارش اور آندھیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۳) تیسرے درجہ کا گھر وہ ہے جو کپڑے کا خیمہ ہو وہ انسان کو سایہ فراہم کرتا ہے ہر چند کہ وہ آگ' بارش اور تیز ہواؤں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔

(۴) اور ان گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے جو نہ صرف یہ کہ کسی آفت سے بچا نہیں سکتا ہے بلکہ اس کو ثبات اور قرار بھی نہیں ہوتا جس گھر میں مکڑی کے جالے لگے ہوں جب گھر والا اپنے گھر کی صفائی کرتا ہے تو دیواروں سے مکڑی کے جالوں کو صاف کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کو مکڑی کے گھر سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح تیز آندھی مکڑی کے جالوں کو اڑا کر لے جاتی ہے اور اس کو بکھرے ہوئے غبار کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی ہے اسی طرح کفار نے بتوں کی خاطر جو عمل کیے ہیں وہ بھی قیامت کے دن ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان:۲۳)

اور ہم ان کے کیے ہوئے کاموں کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم ان کو بکھرے ہوئے ذرات کی طرح بنا دیں گے۔

غارِ ثور کے منہ پر مکڑی کا جالا بنانا

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ (الانفال:۳۰)

اور یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں' وہ سازشیں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ایک رات قریش نے مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہمی مشورہ کیا' بعض نے کہا جب آپ صبح کو اٹھیں تو آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا جائے' بعض نے کہا آپ کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا آپ کو مکہ سے نکال دیا جائے' اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس سازش سے مطلع کر دیا' سو اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر غار میں چلے گئے اور مشرکین رات بھر حضرت علی کا پہرہ دیتے رہے وہ حضرت علی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کر رہے تھے' جب صبح ہوئی تو وہ گھر میں گھس گئے جب انہوں نے حضرت علی کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش ان پر الٹ دی' انہوں نے پوچھا تمہارے پیغمبر کہاں ہیں؟ حضرت علی نے کہا میں نہیں جانتا' پھر وہ آپ کے پاؤں کے نشانات پر چلتے رہے' حتیٰ کہ وہ غار (ثور) تک پہنچ گئے' اور یہاں انہیں اشتباہ ہو گیا وہ پہاڑ پر چڑھے اور غار کے پاس سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بنایا ہوا تھا' انہوں نے کہا اگر وہ اس غار میں ہوتے تو اس کے منہ پر جالا نہ ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں تین راتیں رہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۳۸۹ رقم الحدیث: ۹۷۴۳، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷ دار الکتاب العربی بیروت، مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۸ طبع قدیم، اس حدیث کی سند پر عثمان جزری کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے، حافظ احمد شاکر نے کہا امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی سند کے باقی راوی حدیث صحیح کے رجال ہیں حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۲۵۱، دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۱۵۵، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۲۳۹۵، الکشف والبیان للثعلبی ج ۴ ص ۳۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۴۲، الدر المنثور ج ۴ ص ۴۷، فتح القدیر للشوکانی ج ۲ ص ۴۳۲، فتح البیان ج ۳ ص ۲۹، ان تمام مفسرین نے الانفال: ۳۰ کی تفسیر میں اس حدیث کو درج کیا ہے)۔

مکڑی کے جالوں کے متعلق احادیث اور ان کے شرعی احکام

یزید بن المرثد المرعی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العنکبوت (مکڑی) شیطان ہے اس کو قتل کر دو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۰)

عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عنکبوت نے دو مرتبہ جالا بنایا ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اور ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۲۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ عنکبوت سے مراد وہ (کیڑا) ہے جو فضا میں جالے سے اپنا گھر بناتا ہے اور اس سے مراد وہ کیڑا نہیں ہے جو زمین کو کھود کر اپنا گھر بناتا ہے (دیمک) اور یہ زہریلے کیڑوں میں سے ہے اس لیے اس کو قتل کرنا مسنون ہے نہ کہ اس روایت کی وجہ سے جس کو امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں یزید بن المرثد سے روایت کیا ہے کہ عنکبوت شیطان ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا ہے سو جو شخص اس کو پائے وہ اس کو قتل کر دے، علامہ دمیری کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو قتل کرنا مسنون نہیں ہے، کیونکہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار (ثور) میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر غار پر جالا بنا دیا سو تم ان کو قتل نہ کرنا، اس حدیث کو حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور (ج ۶ ص ۴۱۰، دار احیاء التراث العربی بیروت) میں ذکر کیا، اس حدیث کی صحت کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے اور اس بات کا کہ یہ استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں، ہاں فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا بنایا ہوا جالا طاہر ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک اور صاف رکھنا مستحسن ہے حدیث میں ہے:

امام ابواسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک رکھو کیونکہ گھروں میں مکڑی کے جالوں کو چھوڑ دینے سے فقر پیدا ہوتا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۸۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ نقل صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے پاک کرنا، صفائی اور ستھرائی کے زیادہ قریب ہے لہٰذا مکڑی کے جالوں کو زائل کرنے کے مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۰ ص ۲۴۱۔۲۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں اور ان مثالوں کو صرف علماء سمجھتے ہیں ○ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ (العنکبوت: ۴۴۔۴۲)

پچھلے زمانے کے نیک لوگوں کی عبادت کرنے کا بطلان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے معبودوں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی تھی تو مشرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ درحقیقت ہم اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی پتھر کی مورتیوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ہم درحقیقت ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی ہم نے صورتیں بنائی ہیں یہ صورتیں پچھلے زمانے کے نیک لوگوں اور ستاروں کی ہیں جو نفع اور ضرر اور خیر اور شر کے مالک تھے اور ہم ان ہی کی عبادت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا بے شک یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ پچھلے زمانے کے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندے تھے۔ وہ موحد تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت نہیں گردانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی لیکن ان کو نفع اور ضرر اور خیر اور شر کا مالک نہیں بنایا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نفع اور ضرر اور خیر اور شر کا مالک نہ بنایا ہو اس کو بلا دلیل نفع اور ضرر کا مالک قرار دینا اور اس کو عبادت کا مستحق قرار دینا محض شرک اور کفر ہے۔

قرآن مجید میں بیان کردہ مثالوں کی فہم صرف علماء کو حاصل ہے

فرمایا: اور ہم لوگوں کے لیے ان مثالوں کو بیان فرماتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)

مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے تو مچھر' مکھی اور مکڑی ایسی چھوٹی حقیر اور بے وقعت چیزوں کی مثالیں دینا اسے کب زیب دیتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مثال میں مثال دینے والے کی نہیں بلکہ جس چیز کی مثال دی جائے اس کی رعایت کی جاتی ہے اگر کسی عظیم چیز کی مثال دی جائے تو عظیم چیز کا ذکر کیا جائے گا اور اگر حقیر چیز کی مثال دی جائے تو حقیر چیز کا ذکر کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو کہا جائے گا تم مردار کا گوشت کھا رہے ہو اس قول میں غائب شخص کو مردے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح مردہ کسی بات کو سنتا ہے نہ سمجھتا ہے نہ اس بات کا جواب دے سکتا ہے اس طرح تم جس غیر موجود اور غائب شخص کا عیب بیان کر رہے ہو وہ نہ اس وقت اس بات کو سن رہا ہے نہ سمجھ رہا ہے نہ اس بات کا جواب دے سکتا ہے وہ ایک مردے کی طرح ہے اور تم اس کا گوشت کھا رہے ہو' اور اس کو پتا نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو اور وہ اپنی مدافعت کرنے پر قادر نہیں ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردار کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ (الحجرات: ۱۲)

اور تم میں کوئی کسی کی غیبت نہ کرے' کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ سو تم کو اس سے گھن آئے گی!

اس کے بعد فرمایا: اور ان مثالوں کو صرف علماء سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے کو اور اس کو اپنا مددگار بنانے کو تار عنکبوت کی طرح کمزور اور ناپائیدار قرار دیا ہے اور اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ یہ جہان خود سے نہیں بن گیا اس کا کوئی خالق ضرور ہے اور تمام جہانوں میں صرف ایک نظام کا جاری ہونا یہ بتاتا ہے کہ اس کا ناظم واحد ہے اور وہ خالق اور ناظم واجب اور قدیم ہے اس جہان کو بنانے میں کوئی اس کا شریک ہے نہ اس کو چلانے میں کوئی اس کا شریک ہے' وہی سب کو پیدا کرتا ہے اور وہی سب کی مدد کرتا ہے' اس کے سوا کسی اور کو مددگار سمجھنا اور ماننا اور اس کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا تار عنکبوت سے زیادہ کمزور اور باطل ہے' رہے اولیاء اللہ تو وہ من دون اللہ نہیں ہیں بلکہ ماذون من اللہ ہیں' ان کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگنا شرعاً جائز ہے ہر چند کہ اصل یہی

ہے کہ اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے لیکن اگر اولیاء اللہ کو بھی غیر مستقل اور ماذون سمجھ کر پکارا جائے تو وہ خلاف اصل اور خلاف اولیٰ ہے لیکن شرک اور ناجائز نہیں ہے' اس کی مدلل اور باحوالہ بحث الفاتحہ: ۵ اور یونس: ۲۳ میں تفصیل سے گزر چکی ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

علماء ہی قرآن مجید میں دی گئی مثالوں کی صحت' حسن اور فائدہ کو سمجھتے ہیں کیونکہ مثالوں اور تشبیہات کے ذریعہ ان معانی کو دریافت کیا جاتا ہے جو پردوں میں مستور ہوتے ہیں جیسا کہ تار عنکبوت کے ضعف کی مثال سے موحد اور مشرک کے حال کے فرق کو واضح فرمایا ہے۔ اور عالم وہ شخص ہے جو اپنی عقل سے اللہ کو جانے اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۴۵۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عالم کی یہ تعریف صحیح ہے لیکن اس کو بہ طور حدیث بیان کرنا صحیح نہیں ہے' اس حدیث کی سند موضوع ہے۔

عالم دین کی تعریف اور اس کی شرائط

عالم دین وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے' اسی طرح اس کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے مراتب اور ان کی صفات کا علم ہو اور اس کو علم ہو کہ مکلف پر کیا چیزیں فرض ہیں اور کیا چیزیں واجب ہیں اور اس کو سنن اور مستحبات اور مباحات کا علم ہو' اور اس کو معلوم ہو کیا چیزیں حرام ہیں اور کیا مکروہ تحریمی ہیں اور کیا مکروہ تنزیہی ہیں اور کیا خلاف اولیٰ ہیں' اور وہ علم کلام اور عقائد' علم تفسیر' علم حدیث اور علم فقہ واصول فقہ پر عبور رکھتا ہو' علم صرف' علم نحو' علم معانی اور علم بیان میں ماہر ہو اور بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ ہو اور اس میں اتنی صلاحیت ہو کہ اس سے دین کے جس مسئلہ کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے خواہ وہ جواب اس کو مستحضر ہو یا وہ کتب متعلقہ سے از خود اس کو تلاش کر سکے۔ اور جو شخص ان صفات کا حامل نہیں ہے وہ عالم دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو صرف اور نحو پر عبور نہیں ہے تو وہ احادیث کی عربی عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتا اور اگر عبارت غلط پڑھے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کو منسوب کرے گا جو آپ نے نہیں فرمایا' اور اگر وہ بہ قدر ضرورت مفردات لغت کا حافظ نہیں ہے اور علم معانی اور بیان پر دسترس نہیں رکھتا تو وہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا اور اگر اس کو علم کلام اور علم تفسیر اور حدیث پر عبور نہیں ہے تو وہ عقائد کو صحیح بیان کر سکتا ہے اور نہ صحیح عقائد پر دلائل قائم کر سکتا ہے' اور نہ باطل فرقوں کا رد کر سکتا ہے اور اگر اس کو فقہ پر عبور نہیں ہے تو وہ حلال اور حرام کے احکام کو جان سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے' سو ایسا شخص عالم دین کس طرح ہو گا' اور اس پر عالم دین کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ ہر چند کہ عالم دین کے مصداق کے لیے ان امور کو جان لینا کافی ہے لیکن کامل عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہو ورنہ وہ اس آیت کا مصداق ہو گا:

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا۔ (الجمعہ: ۵)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

عالم دین کے لیے علم شرعی ضروری ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم اور نقائص سے اس کی تنزیہ کا علم اور مکلف پر اس کے دین میں جو اللہ تعالیٰ کی عبادات اور معاملات میں اس کے احکام واجب ہیں ان کا علم' اور ان کا مدار تفسیر' حدیث اور

... کے علم پر ہے۔ (محصلہ فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

ملاعلی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ علم نافع کے بیان میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' اس کے افعال اور اس کے فرشتوں کا علم ہے اور اس میں علم کلام اور اس کی کتابوں کا علم بھی داخل ہے اور علم تفسیر' علم حدیث' علم فقہ اور علم اصول فقہ بھی داخل ہے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۶۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

نیز ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

علم شرعی کتاب اور سنت سے عام ہے' اور علم ایک نور ہے جو مؤمن کے قلب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور احوال سے حاصل ہوتا ہے اور اسی علم سے مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' اس کے افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر یا کتاب سے حاصل ہو تو یہ علم کسبی ہے اور اگر بغیر واسطہ کے حاصل ہو تو یہ علم لدنی ہے اور علم لدنی کی تین قسمیں ہیں' وحی' الہام اور فراست' وحی انبیاء کے ساتھ خاص ہے' الہام اولیاء اللہ کے ساتھ خاص ہے اور فراست وہ ہے جس کے ذریعے ظاہری صورتوں سے امور غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں۔ (محصلہ مرقات ج ۱ ص ۲۶۴ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۴۰ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ ہر مسلم مرد اور ہر مسلم عورت پر علم کا طلب کرنا فرض ہے' اس علم سے کون سا علم مراد ہے' اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

حدیث **طلب العلم فريضة على كل مسلم** کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے اوس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد و عورت پر طلب علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اوس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر اون علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں پھر علم مسائل نماز یعنی اوس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم' مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ۔ صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج۔ نکاح کیا چاہے تو اوس کے متعلق ضروری مسئلے۔ تاجر ہو تو مسائل بیع وشرا۔ مزارع پر مسائل زراعت۔ موجر ومستاجر پر مسائل اجارہ وعلیٰ ہذا القیاس ہر شخص پر اوس کی حاجت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انہیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہا اور اون کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریا وعجب وحسد وغیرہا اور اون کے معالجات کہ ان کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یوں ہی بعینہ ریا سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ **نسئل الله العفو والعافية** تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس (الی ان قال) ہاں آیات واحادیث دیگر کہ فضیلت علما وترغیب علم میں وارد وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہو سکتا اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اوس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط' خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان کہ فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کے لئے وسیلہ ہیں' اور فقیر غفر اللہ تعالیٰ اس کے لئے عمدہ معیار عرض کرتا ہے مراد متکلم جیسے خود اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے

نہیں ہو سکتی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے علم وعلماء کے فضائل عالیہ وجلائل عالیہ ارشاد فرمائے انھی کی حدیث میں وارد ہے کہ علما وارث انبیاء کے ہیں انبیاء نے درم ودینار ترکہ میں نہ چھوڑے علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے جس نے علم پایا اوس نے بڑا حصہ پایا اخرج ابو داؤد والترمذی وابن ماجه وابن حبان والبیهقی عن ابی درداء رضی الله تعالی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فذکر الحدیث فی فضل العلم وفی اخره ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر بس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی کہ آیا یہ وہی عظیم دولت نفیس مال ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا جب تو بے شک محمود اور فضائل جلیلہ موعودہ کا مصداق اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم ومولوی کا استحقاق۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ ا ص ۱۶ ' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

اعلیٰ حضرت کی موخر الذکر عبارت میں یہ تصریح ہے کہ عالم اور مولوی کے لقب کا مستحق وہ شخص ہو گا جس کو تفسیر' حدیث و فقہ پر عبور ہو اور جن علوم پر تفسیر وحدیث وفقہ کا علم موقوف ہے مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان' ان کے علوم پر بھی اس کو عبور ہو۔

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ اس زمانہ میں بہت لوگ تفسیر وحدیث بے خواندہ وبے اجازت اساتذہ برسر بازار ومسجد وغیرہ میں بہ طور وعظ ونصائح بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی ومطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ (ترمذی) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ اول ص ۱۸۸ ' مطبوعہ دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

سند حاصل کرنا تو کچھ ضروری نہیں' ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے' مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا الخ۔

نیز فرماتے ہیں:

اگر عالم ہے تو اوس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ حصہ دوم ص ۳۰۸ ' دار العلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

عالم دین کے فرائض اور نیکی کا حکم دینے کی تفصیل اور تحقیق

عام آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو ان احکام کا علم ہو جن کا وہ مکلّف ہے اور عالم دین کے لیے ضروری ہے کہ اس کو عقائد صحیحہ اور ان کے دلائل' عقائد باطلہ اور ان کے رد کے دلائل اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو حتیٰ کہ اس سے عقائد اور احکام سے متعلق جس چیز کا بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دینے پر قادر ہو' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہو ورنہ دنیا میں اس کی تبلیغ میں اثر نہیں ہو گا اور آخرت میں وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ تم ولید کی شراب نوشی کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان سے نہیں کہتا! میں ان سے تنہائی میں کہتا ہوں اور لوگوں کے سامنے کہہ کر امیر کے خلاف شکایات کا دروازہ نہیں کھولتا اور میں اس حدیث کے سننے کے بعد کسی کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ وہ سب سے نیک

ہے خواہ وہ شخص میرا امیر ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی آنتیں تیزی سے نکل جائیں گی اور وہ اس طرح گردش کر رہا ہو گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گردش کرتا ہے' دوزخ والے اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں شخص کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور ہم کو برائی سے نہیں روکتے تھے وہ کہے گا میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تم کو بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۸۔ ۳۲۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۸۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث (۷۰۹۸) کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہلب نے کہا ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے الولید بن عقبہ کے معاملہ میں بات کریں کیونکہ اس سے شراب کی بو آتی تھی اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا اور حضرت عثمان نے اس کو کوفے کا گورنر بنایا ہوا تھا' حضرت اسامہ نے کہا میں نے حضرت عثمان سے تنہائی میں بات کی ہے اور برسر عام بات نہیں کی' میں نہیں چاہتا کہ ائمہ سے لوگوں کے سامنے بات کی جائے اور فتنہ پیدا ہو اور اتحاد ملت کا شیرازہ بکھر جائے' پھر ان کو یہ بتایا کہ وہ کسی سے مداہنت نہیں کرتے خواہ وہ سربراہ مملکت ہو۔ بلکہ تنہائی میں خیر خواہی سے اس کو نصیحت کرتے ہیں اور ان کے سامنے حدیث سنائی کہ ایک شخص لوگوں کو نصیحت کرتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا تو اس کو دوزخ میں ڈال دیا گیا تا کہ وہ حضرت عثمان سے برسر عام بات کرنے سے جو احتراز کر رہے ہیں اس وجہ سے لوگ ان کے متعلق بدگمانی نہ کریں' مہلب کا کلام ختم ہوا' مہلب نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت اسامہ نے حدیث اس لیے سنائی کہ لوگ ان کے سکوت کی وجہ سے ان کے متعلق بدگمانی نہ کریں یہ واضح نہیں ہے' بلکہ اس حدیث کو سنانے سے حضرت اسامہ کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص کسی علاقہ کا گورنر یا والی ہو' خواہ وہ چھوٹا علاقہ ہی ہو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو برائی سے روکے اور میں اس امیر (ولید بن عقبہ) کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ یہ سب لوگوں سے نیک ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس کی نیکیاں اور برائیاں برابر سرابر ہو جائیں گی۔

قاضی عیاض نے کہا حضرت اسامہ کی مراد یہ تھی کہ وہ امام کے خلاف برسر عام شکایت کرنے کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتے کیونکہ ان کو اس کے برے نتائج کا خدشہ تھا' بلکہ وہ نرمی اور خیر خواہی سے تنہائی میں نصیحت کرتے ہیں اور یہ طریقہ اثر اور قبول کے زیادہ قریب ہے اور کسی کی پردہ دری اور اس کی غیرت کو جوش میں لانے سے زیادہ بعید ہے' اور انہوں نے جو یہ کہا کہ میں کسی شخص کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ وہ سب سے نیک ہے خواہ وہ میرا امیر اور حاکم ہو' یہ حدیث حق بات میں امراء کی مداہنت کرنے کی مذمت پر حجت ہے' اور جو شخص خوشامد کرتا ہے اور اپنے باطن کے خلاف اظہار کرتا ہے اس کے معیوب اور ممنوع ہونے پر بھی دلیل ہے یہ چیز مذموم ہے' اور پہلی صورت یعنی لوگوں کے سامنے حاکم کو ملامت نہ کرنا اور تنہائی میں اس کو نصیحت کرنا یہ مدارات محمودہ ہے کیونکہ اس میں دین کا نقصان نہیں ہے اور نرمی سے کلام کرنا ہے اور دین اور دنیا کی بہتری کے لیے اسباب دنیا کو حاصل کرنے کا جائز اور مستحسن طریقہ ہے' اور مداہنت کا معنی ہے دنیا کے اسباب اور آسائش کو حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بول کر حق کو چھپایا جائے اور بُرے کام کو اچھا کہا جائے اور ناجائز کام کو جائز کہا جائے۔ اور مدارات کا معنی ہے دینی مفاد کی وجہ سے کسی فاسق و فاجر کے ساتھ نرمی سے کلام کیا جائے اور اس کی غلط روش کی برسر عام مذمت نہ کی جائے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۵۳۸' دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: طبری نے کہا امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینے) میں اختلاف ہے' ایک جماعت نے کہا یہ مطلقاً واجب ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظالم بادشاہ کے خلاف

کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۴۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱) اور آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اس کو بدل ڈالے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹) اور بعض علماء نے کہا برائی کا رد کرنا واجب ہے بہ شرطیکہ اس سے کسی مصیبت اور آزمائش مثلاً قتل کیے جانے کا خطرہ نہ ہو اور بعض علمائے نے کہا اس پر صرف یہ لازم ہے کہ وہ دل سے برائی کو برا جانے کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم پر کچھ حاکم مسلط کیے جائیں گے جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بری ہو گیا اور جس نے ان کا رد کیا وہ سلامت رہا لیکن جو ان سے راضی رہا اور جس نے ان کی اتباع کی (وہ عذاب کا مستحق ہو گا) مسلمانوں نے پوچھا کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں! جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۶۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۶۵) اور صحیح یہ ہے کہ حکام کو نیکی کو حکم اسی وقت دیا جائے جب عالم دین کو کسی آزمائش میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے، مسلمانوں نے پوچھا وہ اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۶ مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۵ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۱)

اور طبری کے غیر نے کہا جو شخص نیکی کا حکم دینے پر قادر ہو اور اس کو اپنے اوپر ضرر کا خطرہ نہ ہو اس پر نیکی کا حکم دینا واجب ہے خواہ وہ حکم دینے والا (عالم دین) معصیت میں مبتلا ہو کیونکہ اس کو نیکی کا حکم دینے پر اجر ملے گا خصوصاً جب کہ وہ اطاعت شعار ہو، رہا اس کا خاص گناہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے اور ہو سکتا ہے کہ اس پر گرفت فرمائے، اور جس شخص نے یہ کہا کہ جو شخص خود گناہوں میں ملوث ہو وہ نیکی کا حکم نہ دے تو اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اس کے لیے نیکی کا حکم نہ دینا اولیٰ ہے تو یہ ٹھیک ہے ورنہ اگر اس کے علاوہ اور کوئی عالم دین نہیں ہے تو پھر امر بالمعروف کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

پھر طبری نے کہا کہ حضرت اسامہ کی اس حدیث میں ہے کہ جن کو نیکی کا حکم دیا گیا تھا وہ بھی دوزخ میں تھے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور ان کے امیر کو بھی اس لیے عذاب دیا گیا کہ اس نے جس نیکی کا حکم دیا تھا اس پر وہ خود عمل نہیں کرتا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکام کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان کا ادب کرنا چاہیے اور لوگوں کو ان سے جو شکایات ہوں وہ ان تک حکمت اور خیر خواہی سے پہنچانی چاہئیں تا کہ وہ ان شکایات کا ازالہ کریں۔

(فتح الباری ج ۱۴ ص ۵۵۴۔۵۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی نے بھی حدیث: ۳۲۶۷ میں تقریباً یہی تقریر کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے حدیث: ۳۲۶۷ میں اس پر کلام نہیں کیا اور حدیث: ۷۰۹۸ میں اس کی شرح کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

کائنات کی ہر چیز کا برحق ہونا

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ (العنکبوت: ۴۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو تنہا بغیر کسی کی شرکت کے پیدا فرمایا ہے اور ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، عبث اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا اور نہ ان کو محض لعب اور بہ طور مشغلہ کے پیدا فرمایا ہے، ان کو پیدا کرنا برحق ہے اور ان میں اللہ

تعالیٰ کی بہت حکمتیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور ان میں مومنین کے لیے حق کو مستور رکھا ہے کیونکہ مومنین کاملین اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں ان کو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال کا عکس نظر آتا ہے وہ اس کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔

علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے خنفساء (گبریلا' بھونرے کی طرح ایک سیاہ پروالا کیڑا) کو دیکھا تو کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے اس کیڑے کو کیوں پیدا کیا ہے نہ اس کی شکل اچھی ہے نہ اس کی بو اچھی ہے' پھر اس شخص کے ایک پھوڑا نکل آیا اور کسی دوا سے اس کا علاج نہ ہو سکا' ایک دن کوئی حاذق حکیم آیا اس نے اس پھوڑے کو دیکھ کر کہا گبریلا لاؤ' سو گبریلے کو لایا گیا اس نے اس کو جلا کر اس کی راکھ اس پھوڑے پر لگائی تو وہ ٹھیک ہو گیا' تب اس شخص کے منہ سے بے ساختہ نکلا بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ناحق پیدا نہیں کی ہر چیز کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے (حیات الحیوان ص ۲۷۹' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۵ھ) پھر فرمایا بے شک اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے' ہر چند کہ اس میں سب لوگوں کے لیے نشانی ہے لیکن مومن ہی اس کو مانتے ہیں اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں مومنوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ

(اے رسول مکرم!) آپ اس کتاب کی تلاوت کرتے رہیے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم رکھیے'

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَ

بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے' اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور

اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ

ھِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ

طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں

اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ

جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور

لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ

ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں ○ اور (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس جن کو ہم

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ

نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لے آتے ہیں

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ

اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں ○ اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب

مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸

نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے ○

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینوں میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے، اور ظالموں کے

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

سوا ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا ○ اور کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ

نہیں نازل کیے گئے! آپ کہیے معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں میں تو صرف برسرعام عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ کیا

اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ

ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے، بے شک

ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ ع

اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور رحمت اور نصیحت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے رسول مکرم!) آپ اس کتاب کی تلاوت کرتے رہیے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم رکھیے، بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ (العنکبوت: ۴۵)

انبیاء سابقین کے احوال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کو اس بات سے رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ آپ کے پیہم تبلیغ کرنے کے باوجود اہل مکہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس کتاب کی تلاوت کیجیے اس میں حضرت نوح، حضرت ہود حضرت صالح

اور حضرت ابراہیم علیہم السلام وغیرھم کے قصص نازل کیے گئے ہیں' انہوں نے اللہ کا پیغام آپ سے بہت زیادہ عرصہ تک لوگوں کے پاس پہنچایا' معجزات پیش کیے اور دلائل بیان کیے اس کے باوجود ان کی قوم سے بہت کم لوگ ایمان لائے اور وہ اپنی گمراہی' جہالت اور کفر وشرک سے باز نہیں آئے' اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہونے کے بعد جب آپ ان آیات کی تلاوت کریں گے تو آپ کا غم دور ہوگا اور آپ کو تسلی ہوگی کہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ پیش نہیں آیا بلکہ تاریخ حسب سابق اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ نماز بُرے کاموں سے روکتی ہے..... پھر بعض نمازی بُرے کام کیوں کرتے ہیں؟

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ پابندی سے نماز بھی پڑھتے ہیں اور بے حیائی اور برائی کے کام بھی کرتے ہیں اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) نماز جو ان کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں انواع واقسام کی عبادات ہیں نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام ہے' تکبیر ہے' تسبیح ہے' تلاوت قرآن ہے' رکوع اور سجود ہے صلوٰۃ النبی ہے اور دعا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عاجزی اور خضوع اور خشوع پر دلالت کرتے ہیں' گویا کہ نماز زبان حال سے نمازی سے کہتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس قدر تعظیم بجالاتا ہے اس قدر ادب کے ساتھ اس کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے اپنے قول اور فعل سے اس کی عبادت کا اظہار کرتا ہے اور پھر تو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور بے حیائی اور برائی کے کام کرتا ہے سو نماز کے اندر اور نماز کے باہر تیرا حال متضاد اور متناقض ہے اور یہ منافق کی روش ہے کہ اس کے باطن اور ظاہر میں تخالف ہوتا ہے سو تو خارج از نماز کے حال کو نماز کے موافق کر لے۔

(۲) جب انسان خضوع اور خشوع کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے اور ہر روز پانچ مرتبہ اس طرح نماز پڑھے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے تو اس کو ہر وقت خیال رہے گا کہ وہ اپنے رب کے سامنے ہے اور اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے اور عین حالت معصیت میں بھی اس کو یہ خیال آئے گا کہ اس کا رب اس کو دیکھ رہا ہے تو پھر وہ اس معصیت سے باز آ جائے گا' معصیت کے ارتکاب کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب سے غافل ہوتا ہے اور جب اس کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کا خیال ہوگا تو پھر وہ معصیت پر جرأت نہیں کرے گا۔

(۳) جب انسان پابندی سے نماز پڑھتا رہے گا تو اس پر نماز کی برکات اور اس کے ثمرات مرتب ہوں گے اور وہ گناہوں سے باز آ جائے گا' امام بغوی اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ایک آدمی ساری رات قرآن پڑھتا ہے اور صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا عنقریب اس کی قرأت اس کو چوری سے روک دے گی۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۹۔۵۵۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۷۲۲۔۲۱۷' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۶۰)

(۴) جس طرح کوئی شخص خاک روب ہو یا مٹی کھودنے والا ہو اور ہر وقت مٹی اور گندگی میں ملوث رہتا ہو لیکن جب وہ صاف ستھرے اور نئے کپڑے پہن لے تو وہ اس لباس میں مٹی اور گندگی سے مجتنب رہتا ہے اور اس کا وہ صاف ستھرا لباس اس کو مٹی اور گندگی میں تلوث سے مانع ہوتا ہے اسی طرح جو شخص معصیت میں مبتلا رہتا ہے وہ بھی حالت نماز میں معصیت سے مجتنب رہتا ہے اور اس کو نماز معصیت میں تلوث سے منع کرتی ہے' اسی وجہ سے حضرت ابن عباس' ابن جریج اور حماد

بن ابی سلیمان وغیرہم نے کہا ہے کہ جب تک نمازی نماز میں مشغول رہتا ہے نماز اس کو ۔۔۔
روکتی رہتی ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۳۵۹)

(۵) جس شخص نے نماز پڑھی اور اس نے بے حیائی اور برائی کے کام بھی کیے اس نے صرف صورۃً اور ظاہراً نماز پڑھی ہے
حقیقۃً نماز نہیں پڑھی۔

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں روکا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں روکا' اس نماز سے اس کو صرف اللہ سے دوری حاصل ہوگی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۰)

ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ نماز کے تین اوصاف ہیں اور جس نماز میں ان تین اوصاف میں سے کوئی وصف بھی نہ ہو وہ نماز نہیں ہے (۱) اخلاص (۲) خشوع (۳) اللہ کا ذکر' پس اخلاص اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور خشوع اور خشیت اس کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر یعنی قرآن پڑھنا اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۴)

(۶) حضرت ابن عباس نے فرمایا الفحشاء (بے حیائی) سے مراد زنا کرنا ہے اور المنکر سے مراد شرکیہ کام کرنا ہے سو جو شخص یہ کام کرے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۴۷)

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ: ۱۴) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھو اور جو شخص اللہ کو یاد رکھنے والا ہوگا وہ اللہ کا ناپسندیدہ کام نہیں کرے گا' اور ہر وہ شخص جو بے حیائی اور برائی کے کام کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے تو اگر وہ بے نمازی ہوتا تو ایسے برے اور بے حیائی کے کام بہت زیادہ کرتا اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کے برے کاموں میں کمی آ جاتی ہے۔

(۸) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص کو روکتی ہے' سو اگر بعض لوگ نماز پڑھنے کی وجہ سے برائی اور بے حیائی کے کاموں سے رک گئے تو اس آیت کے صدق کے لیے کافی ہے۔

(۹) نماز دو کیفیتوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہے ایک کیفیت یہ ہے کہ نماز کو اس کے تمام فرائض' واجبات' سنن' آداب اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے اور جب وہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرے یا تلاوت سنے تو اس کے معانی میں تدبر کرے' تشہد میں محبت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرے اور محبت سے درود شریف پڑھے' اخلاص' حضور قلب اور تضرع کے ساتھ اپنے لیے دعا کرے تو جو شخص ایسی نماز پڑھتا ہے اس کی نماز مقبول ہوتی ہے اور یہی نماز اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے' اور دوسری کیفیت یہ ہے کہ انسان غفلت اور بے توجہی سے نماز پڑھتا ہے' اس کی نماز قرآن میں تدبر کرنے اور خضوع اور خشوع سے خالی ہوتی ہے وہ اعتدال کے ساتھ رکوع اور سجود نہیں کرتا' اس کے سلام اور صلاۃ میں اخلاص ہوتا ہے نہ دعا میں استحضار ہوتا ہے اور ایسی نماز کا برائیوں سے روکنا بہت کمزور ہوتا ہے اور نہ

ہونے کے برابر ہوتا ہے' یہ نماز رد کردی جاتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو پھٹا پرانا اور گندہ کپڑا تحفہ میں دے تو وہ اس کپڑے کو دینے والے کے منہ پر مار دیتا ہے' اور نماز زبان حال سے کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے اللہ بھی تجھے اسی طرح ضائع کر دے' اور بعض امامیہ نے حضرت ابوعبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ جاننا چاہتا ہو کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہے یا نہیں وہ یہ دیکھے کہ آیا اس کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے یا نہیں' وہ جس قدر برائی سے دور ہو گا اسی قدر اس کی نماز مقبول ہو گی۔

(۱۰) اس اشکال کا اصل جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نمازی کو روکتی ہے اور منع کرتی ہے یہ نہیں فرمایا کہ نماز کے روکنے اور منع کرنے سے نمازی ان کاموں سے رک جاتا ہے' یہاں تو بندہ کو نماز کے برائیوں سے روکنے اور منع کرنے کا ذکر ہے خود اللہ عزوجل بھی تو بندہ کو بے حیائی اور برائی سے منع کرتا ہے تو جب اللہ کے منع کرنے سے تمام بندے برائیوں سے نہیں رکتے تو نماز کے منع کرنے سے اگر تمام بندے برائیوں سے نہ رکیں تو کیا اعتراض کی بات ہے اور کیا اشکال ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ عدل کرنے اور نیکی کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے وہ تم کو خود نصیحت فرما رہا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتا ہے تو اگر بعض بندے بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں رکتے تو یہ اللہ تعالیٰ کے بے حیائی اور برائی سے روکنے کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے تو اگر بعض نمازی بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں رکتے تو یہ نماز کے بے حیائی سے روکنے کے خلاف نہیں ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس سے زیادہ بڑا ہے جو تم اس کا ذکر کرتے ہو۔ امام ابن جریج نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ اللہ کا نماز میں بندے کا ذکر کرنا بندے کی نماز سے زیادہ بڑا ہے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بندہ نماز میں جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کی نماز کے تمام ارکان سے زیادہ بڑا ہے' اور ایک معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ کا جو ذکر کرتا ہے وہ اس کے تمام نیک اعمال سے زیادہ بڑا ہے اور اس کا ایک معنی ہے اللہ کا ذکر ہر ذکر سے بڑا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ تمہارے رب کے نزدیک تمہارا کون سا عمل سب سے اچھا' سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ والا ہے اور جو تمہارے سونے اور چاندی کے صدقہ کرنے سے زیادہ اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا ہے کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا اللہ کا ذکر کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵' شعب الایمان رقم الحدیث ۵۱۹' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۲۴۷' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۵۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ کے نزدیک کون سے بندوں کا درجہ سب سے بلند ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے ہیں' صحابہ نے کہا یارسول اللہ! ان کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ بلند ہوگا؟ آپ نے فرمایا اگر وہ اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کو قتل کردے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے کا درجہ اس سے افضل ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۴۰۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۴۹' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۶۰)

حضرت عبداللہ بن یسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں آپ مجھے بتایئے کہ میں کس عمل کو زیادہ کروں؟ آپ نے فرمایا تمہاری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۱۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ میں جارہے تھے' آپ کا ایک پہاڑ سے گزر ہوا جس کو جمدان کہتے ہیں' آپ نے فرمایا چلتے رہو یہ جمدان ہے' مفردون سبقت لے گئے' صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۵)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر اطمینان اور سکون نازل ہوتا ہے اور اللہ ان کا ذکر ان میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے اطاعت شعار ہیں ○ اور (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں ○ (العنکبوت: ۴۷۔۴۶)

اہل کتاب کے ساتھ بحث میں نرمی اور سختی کرنے کے محمل

اس آیت میں مفسرین کا اختلاف ہے' مجاہد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے یعنی غیر منسوخ ہے اور قتادہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے' مجاہد نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب کو نرمی کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کے ساتھ سختی نہ برتی جائے اور ان کے اسلام لانے کی امید رکھی جائے' اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' یعنی اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا ہے' ورنہ تمام اہل کتاب ظالم ہیں' اور ان ظالموں سے تم بحث میں سخت لب و لہجہ اختیار کر سکتے ہو۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اس کے رفقاء اگر وہ تمہارے سامنے سابقہ امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان کریں تو ان سے بحث نہ کرو اور ان کی موافقت کرو' ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں' اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اپنے کفر پر قائم

رہے اور انہوں نے عہد شکنی کی جیسے بنی قریظہ اور بنی النضیر' اس صورت میں بھی یہ آیت محکمہ ہے۔

اور قتادہ نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ: ۲۹)

ان اہل کتاب سے قتال کرو جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ وہ دین حق کو قبول کرتے ہیں (ان سے قتال کرتے رہو) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اور یہ جو فرمایا ہے ماسوا ان کے جو ان میں ظالم ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے اولاد کے قائل ہیں جیسے یہود نے کہا عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور یہودیوں نے کہا يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ: ۶۴) اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (آل عمران: ۱۸۱) بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' سو یہ لوگ مشرک ہیں انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور جزیہ ادا نہیں کیا۔

النحاس وغیرہ نے کہا جن مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت مکہ میں قتال اور جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور نہ جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا' اور ان دونوں قولوں میں مجاہد کا قول بہتر ہے کیونکہ بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی آیت کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علامہ آلوسی نے کہا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ اہل کتاب کے ساتھ نرمی سے بحث کرو ماسوا ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں اس سے مراد وہ ہیں جنہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی سو ان کے خلاف تلوار سے جہاد کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں یا جزیہ دیں' یعنی ہر چند کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس کی یہ آیت مدنی ہے اور اس سورت کو اس کی اکثر آیات کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔

(ملخصلہ روح المعانی جز ۲۱ ص ۴-۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

جب دلائل متعارض ہوں تو توقف کیا جائے یا کسی ایک صورت کو ترجیح دی جائے

اس کے بعد فرمایا اور تم کہو ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے پھر مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۵-۷۳۶۲-۷۵۴۲' دار ارقم بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو ہوسکتا ہے کہ واقع میں ان کی بات غلط ہو اور ان کی تکذیب بھی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ان کی بات واقع میں صحیح ہو' اس ارشاد کا تعلق ان احکام کے ساتھ نہیں ہے جو ہماری شریعت کے موافق ہیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جن مسائل میں دلائل کے متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کیا جاتا ہے یہ حدیث ان میں توقف کرنے کی اصل اور دلیل ہے' جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جو دو بہنیں باندیاں ہوں ان کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں' حضرت عثمان نے فرمایا ان کو ایک آیت نے حلال کر دیا اور وہ یہ ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء: ۲۴)

اور شوہر والی عورتیں تم پر حرام کی گئی ہیں' ماسوا باندیوں کے جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں۔

اور ایک آیت [illegible] ان [illegible] م کر [illegible] اور وہ یہ آیت ہے:

وَاَنْ [illegible] لْاُخْتَ [illegible] (النساء:۲۳) اور تم پر دو بہنوں کو جمع کرنا حرام کیا گیا ہے۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے منت مانی کہ وہ ہر پیر کے دن روزہ رکھے گا پھر اتفاق سے ایک پیر کو عید کا دن تھا تو اب وہ اس دن روزہ رکھے یا نہیں؟ حضرت ابن عمر نے کہا اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج:۲۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ ان علماء کا طریقہ ہے جو احتیاط کرتے ہیں' اگرچہ دوسرے علماء اجتہاد کرتے ہیں اور اصول اور قواعد کا اعتبار کر کے کسی ایک صورت کو دوسری صورت پر ترجیح دیتے ہیں اور ان میں سے ہر فریق خیر پر ہے اور اس کا طریقہ مشکور ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اصول یہ ہے کہ جب حلت اور حرمت کے دلائل مساوی ہوں تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے' لہٰذا پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب دو بہنیں باندیاں ہوں تو ان کو وطی میں جمع نہ کیا جائے' اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نذر پوری کرنے کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی ہے اور عید کے دن روزے کی ممانعت خبر واحد سے ہے جو ظنی ہے لہٰذا یہ مساوی دلائل نہیں ہیں پس اس صورت میں عید کے دن بھی روزہ رکھ کر نذر پوری کی جائے گی۔

اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے ہی اہل کتاب کے لقب کے مستحق ہیں

اور فرمایا (اے رسول مکرم!) ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے' پس ہم نے جن کو کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف کفار ہی انکار کرتے ہیں O (العنکبوت:۴۷)

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ان اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اس قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس دین کے متعلق پیش گوئی پڑھی تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو آپ کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان ہی لوگوں کی تخصیص کی ہے کہ ان کو کتاب دی گئی ہے حالانکہ جو یہودی اور عیسائی ایمان نہیں لائے وہ بھی اہل کتاب ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ جن یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کی بعثت سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں آپ کی تصدیق کی اور قرآن مجید پر ایمان لائے وہی درحقیقت اہل کتاب ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں کی پیش گوئی کی تصدیق کی اور اس کے تقاضے پر عمل کیا' اور رہے ایمان نہ لانے والے اور منکرین تو وہ صرف نام کے اہل کتاب ہیں' درحقیقت اہل کتاب نہیں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ اب ان کی کتاب کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں' رہا یہ سوال کہ یہ سورت تو مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے اس کا جواب ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس سورت کو اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے مکی کہا گیا ہے۔

اور فرمایا ہے: اور بعض ان (مشرکین) میں سے بھی ایمان لاتے ہیں' اس سے مراد عرب اور اہل مکہ ہیں اور فرمایا اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کفار ہی کرتے ہیں' اس آیت میں انکار کے لیے جحد کا لفظ فرمایا ہے اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کے برحق ہونے کے علم کے باوجود اس کا انکار کرنا' اس سے مراد وہ اہل مکہ بھی ہو سکتے ہیں جو متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور وہ یہود بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی کتاب میں آپ کی نبوت کی پیش گوئی پڑھنے کے باوجود آپ کی

نبوت کا انکار کرتے تھے' جیسے کعب بن اشرف اور ابورافع وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے O بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے' اور ظالموں کے سوا کوئی ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا O (العنکبوت: ۴۹۔۴۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے کا ثبوت اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے

یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ نزول قرآن سے پہلے نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے اور نہ علماء اہل کتاب کی مجلس میں بیٹھتے تھے جس سے آپ پہلی امتوں کی خبریں سن لیتے' بلکہ آپ نے جو قرآن مجید لوگوں کے سامنے پیش کیا یہ اللہ کا کلام ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے' اور اگر آپ پہلے سے لکھتے پڑھتے ہوتے تو باطل پرست شبہ میں پڑ جاتے' مشرکین کہتے کہ انہوں نے انبیاء سابقین کی جو خبریں بیان کی ہیں وہ انہوں نے تورات میں پڑھ لی ہیں غیب کی خبریں نہیں ہیں اور ان پر اللہ کا کلام نازل نہیں ہوا' اور اہل کتاب یہ کہتے کہ ہماری کتاب میں جس آخری نبی کی پیش گوئی کی ہے وہ اُمّی ہے اور یہ تو پڑھے لکھے ہیں۔ تاہم محققین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ قید ہے کہ آپ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے اور لکھتے نہیں تھے اور نزول قرآن کے بعد جو آپ نے لکھا یا پڑھا وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ کسی مخلوق سے پڑھنا لکھنا سیکھے بغیر آپ کا لکھنا اور پڑھنا ایک الگ معجزہ ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے کے ثبوت میں متعدد احادیث ہیں ان میں سے ایک صریح اور واضح حدیث یہ ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح کی شرائط لکھنے کا حکم دیا اور یہ لکھوایا بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ نے صلح کی' مشرکین نے اعتراض کیا کہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کرتے لیکن آپ محمد بن عبداللہ لکھیں' آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ آپ اس کو مٹا دیں' حضرت علی نے کہا نہیں' اللہ کی قسم! میں اس کو نہیں مٹاؤں گا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دکھاؤ یہ کہاں ہے' حضرت علی نے وہ جگہ دکھائی تو آپ نے اس کو مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھ دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا کیونکہ امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے پس آپ نے لکھ دیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۵۱) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر اس لکھنے کو جاری کر دیا' آپ کو علم نہیں تھا کہ کیا لکھنا ہے اور قلم نے لکھ دیا یا اس وقت اللہ سبحانہ نے آپ کو لکھنا سکھا دیا حتیٰ کہ آپ نے لکھ دیا اور یہ آپ کا زائد معجزہ ہے کہ آپ نے امی ہونے کے باوجود لکھ دیا' سو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا علم عطا کیا جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ سے اس چیز کو پڑھوایا جس کو آپ نے نہیں پڑھا تھا' اور ان چیزوں کی تلاوت کرائی جن کی آپ نے تلاوت نہیں کی تھی اسی طرح آپ کو لکھنا سکھایا جب کہ پہلے آپ نے نہیں لکھا تھا' اور اعلان نبوت کے بعد لکھنے کو آپ کے ہاتھوں پر جاری کر دیا اور یہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے' اور انہوں نے شعبی اور بعض متقدمین کے اقوال سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک لکھا نہیں آپ فوت نہیں ہوئے' علامہ باجی کا یہی مذہب ہے اور اس کو انہوں نے شیبانی اور ابوذر وغیرہما سے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء نے اس تقریر پر اس آیت سے اعتراض کیا ہے اور آپ نزول قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اس سے پہلے آپ لکھتے تھے' ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے ○ (العنکبوت: ۴۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہم امی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸۰) انہوں نے یہ زعم کیا کہ اگر آپ کے لکھنے کو مان لیا جائے تو آپ کے امی ہونے کا معجزہ باطل ہو جائے گا۔ اور علامہ باجی اور ان کے موافقین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے پہلے لکھا ہے نہ تلاوت کی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''نزول قرآن سے پہلے'' پھر جس طرح نزول قرآن کے بعد آپ کا تلاوت کرنا جائز ہے اسی طرح نزول قرآن کے بعد آپ کا لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آپ کا صرف امی ہونا معجزہ نہیں ہے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ پہلے آپ امی تھے پھر آپ نے علوم کثیرہ بیان فرمائے جن کو امی لوگ نہیں جانتے' پس جس طرح آپ کا ان علوم کو بیان کرنا آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے اسی طرح آپ کا لکھنا بھی آپ کے امی ہونے کے مناقض نہیں ہے' بلکہ یہ ایک زائد معجزہ ہے اور بخاری کی حدیث میں آپ کی طرف لکھنے کا اسناد ہے اور اس کو مجاز پر محمول کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا تھا بلا ضرورت ظاہر سے عدول کرنا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج۶ ص ۱۵۲۔۱۵۱ مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے قاضی عیاض مالکی کی اس پوری عبارت کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۴۹۶۶۔۴۹۶۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ہم نے یہاں پر اختصاراً لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول قرآن کے بعد لکھنا پڑھنا ثابت ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے اور شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۴۴۶۔۴۳۳ میں اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کی ہے اسی طرح ہم نے الاعراف: ۱۵۷ کی تفسیر میں بھی اس کی بہت زیادہ تحقیق کی ہے' دیکھئے تبیان القرآن ج ۴ ص ۳۶۸۔۳۵۷۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی متعدد آیات کے مصداق ہیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے' اور ظالموں کے سوا کوئی ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتا۔ (العنکبوت: ۴۹)

حسن بصری نے کہا اس امت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حفظ کرنے کی نعمت عطا کی ہے' اس سے پہلی امتیں اپنی کتاب کو دیکھ کر پڑھتی تھیں' اس وقت دنیا میں تورات' انجیل اور زبور آسمانی کتابیں مختلف زبانوں میں موجود ہیں' ہندوؤں کی وید بھی ہے لیکن کسی کتاب کا دنیا میں ایک بھی حافظ نہیں ہے یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ دنیا میں اس کے لاکھوں بلکہ کروڑوں حافظ موجود ہیں۔

یہ قرآن ان کے سینوں میں ہے جن کو علم دیا گیا ہے وہ حکماء اور علماء اور تفقہ میں انبیاء کی مثل ہیں' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں (کتاب العلم باب: ۱۰) کافروں کے قول کے موافق یہ قرآن سحر یا شعر نہیں ہے بلکہ اس میں ایسی آیات ہیں جن سے اللہ کے دین اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے' اور یہ قرآن اسی طرح اہل علم کے سینوں میں ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور مومنین ہیں جو قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں اور اس کی قرأت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت میں علم کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے کلام اور انسانوں اور شیاطین کے کلام میں فرق کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا آیات بینات (واضح آیتوں) سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی اہل کتاب اپنی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات لکھی ہوئی پاتے ہیں کہ آپ نبی امی ہیں لیکن انہوں نے اپنی

جانوں پر ظلم کیا اور ان آیتوں کو چھپا لیا' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیات بینات کے مصداق ہیں آپ ایک آیت نہیں ہیں بلکہ آیات ہیں' کیونکہ آپ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی ایک نشانی نہیں ہے بلکہ آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کی بہ کثرت نشانیاں ہیں' نیز آیات سے دین کے احکام کا علم ہوتا ہے اور آپ سے دین کے تمام احکام کا علم حاصل ہوا' اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صاحب آیات بینات ہیں اور اس کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق بتایئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا بے شک نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۱)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے احکام پر عمل کو انسانی پیکر میں دیکھنا چاہو تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے اور اگر سیرتِ مصطفیٰ کو نظم اور عبارت میں دیکھنا چاہو تو وہ متن قرآن ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ
لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبد آب گینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ان پر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں نازل کیے گئے! آپ کہیے معجزات تو اللہ ہی کے پاس ہیں میں تو صرف برسرعام عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے' جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے! بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور رحمت اور نصیحت ہے ○ (العنکبوت: ۵۱۔۵۰)

معجزہ کا حصول نبی کے اختیار میں نہیں اور معجزہ کا دکھانا نبی کے اختیار میں ہے

مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کو ایسے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے معجزات انبیاء سابقین کو دیئے گئے تھے' مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کے لیے پہاڑ سے اونٹنی نکالی گئی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردے زندہ کیے گئے' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے معجزات تو اللہ کے پاس ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے نبیوں اور رسولوں کو معجزات عطا فرماتا ہے۔ معجزہ کو وجود میں لانا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو معجزہ عطا فرما دے تو پھر وہ اس کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جب چاہے اس معجزے کو لوگوں کے سامنے دکھائے اور پیش کر دے' علماء دیو بند کہتے ہیں اس میں بھی نبی کا اختیار نہیں ہوتا' معجزہ نبی کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے' قلم کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا' اختیار کاتب کے ہاتھ میں ہوتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ معجزہ کو وجود میں لانا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ عطا فرما دیتا ہے تو پھر نبی کو اختیار دیتا ہے کہ وہ حسب ضرورت اس معجزہ کو پیش کر دے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

قَالَ فَأْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ (الشعراء: ۳۲۔۳۱)

فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر ○ موسیٰ نے اسی وقت اپنا عصا ڈال دیا تو وہ برسرعام اژدھا بن گیا ○

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے فرمائشی معجزات عطا نہیں فرمائے کیونکہ ان کی فرمائش اور طلب کا سلسلہ تو کہیں

ختم نہیں ہوتا' اور اگر وہ اپنے مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے تو پھر ان پر ایک ایسا عذاب آتا جس سے منکرین کی قوم ہلاک ہو جاتی اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ان کی قوم پر عذاب بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔

تورات وغیرہ پڑھنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ناراض ہونا

اس کے بعد فرمایا: کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے (مطلوبہ) معجزات کیوں نہیں نازل کیے گئے' جواب کی تقریر یہ ہے کہ کیا ان مشرکین کے لیے قرآن مجید کا معجزہ کافی نہیں ہے! جس کے ساتھ ان کو چیلنج کیا گیا کہ تم اس کی نظیر لے آؤ اور وہ اس کی نظیر نہیں لا سکے' پھر ان سے کہا گیا کہ تم اس کی کسی ایک سورت کی نظیر لے آؤ تو یہ بھی نہیں لا سکے' اور اب چودہ سو سال سے زائد گزر چکے ہیں اسلام کے منکرین اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور علوم اور فنون بھی بہت ترقی کر چکے ہیں پھر بھی کوئی منکر اور مخالف قرآن مجید کی نظیر آج تک نہیں پیش کر سکا۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن جعدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہڈی پر لکھی ہوئی ایک کتاب لائے اور فرمایا کسی قوم کی حماقت اور اس کی گمراہی کے لیے یہ کافی ہے کہ ان کا نبی ان کے پاس ایک کتاب لے کر آئے اور وہ اس سے اعراض کر کے کسی اور کتاب کا مطالعہ کریں پھر یہ آیت نازل ہوئی: کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر الکتاب نازل کی ہے۔ الآیۃ۔ (اگر کوئی شخص تورات وغیرہ سے احکام حاصل کرنے کے لیے ان کو پڑھے تو یہ ممنوع ہے اور اگر دین اسلام کی حقانیت اور آپ کی نبوت کے اثبات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرے تو پھر جائز ہے بلکہ مستحسن ہے)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۷۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۸۴' الکشف والبیان للثعلبی ج ۷ ص ۲۸۶)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ ایک ہڈی پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ لکھا ہوا لائیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ متغیر ہونے لگا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر میرے ہوتے ہوئے تمہارے سامنے حضرت یوسف خود بھی آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ان کتابوں کا پڑھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ اسلام سے اعراض کر کے ان کا پڑھنا ممنوع ہے)

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۱۰ قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۰ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۵)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیسے سوال کر سکتے ہو جب کہ تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تازہ خبریں ہیں' اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ اس میں تبدیلی کرتے ہیں اور آیات کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور وہ اس کے معاوضہ میں تھوڑی قیمت لیتے ہیں کیا تم کو اللہ کے دین کے متعلق ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کیا' اللہ کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو تم سے تمہارے دین کے متعلق سوال کرتا ہو۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ص ۱۱۰۔۱۰۹ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۲۸ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۴)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا' حضرت عمر نے اس کو غور سے سنا وہ ان کو اچھی لگی انہوں نے اس سے کہا کیا تم مجھ کو بھی یہ کتاب لکھ دو گے؟ اس نے کہا ہاں! پھر حضرت عمر نے ایک چمڑے کا پترا خریدا اور اس کی دونوں طرف اس کو لکھوایا۔ پھر وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور آپ کو سنانا شروع کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا پھر ایک انصاری نے اس مکتوب پر ہاتھ مار کر کہا اے ابن الخطاب! تم پر تمہاری ماں روئے کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے اور تم حضور کو یہ پڑھ کر سنا رہے ہو! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے پاس صرف شریعت کا افتتاح کرنے والا اور شریعت کو ختم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع الکلم اور فواتح الکلم عطا کیے گئے ہیں' سو تم کو مشرکین ہلاک نہ کر ڈالیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ص ۱۱۰ قدیم' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۲)

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت عمر' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف جگہوں سے تورات کو پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سخت متغیر ہو رہا تھا' حضرت عبداللہ بن حارث نے حضرت عمر سے کہا کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے! حضرت عمر نے کہا میں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں! تب آپ کے چہرے سے غصہ کی کیفیت دور ہوئی اور آپ نے فرمایا اگر اب موسیٰ نازل ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم گم راہ ہو جاتے نبیوں سے میں تمہارا حصہ ہوں اور امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۰۱)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' اس کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ

اور زمینوں میں ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ

اٹھانے والے ہیں ○ یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور اگر عذاب کے لیے ایک

مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا

وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا اور ان پر ضرور عذاب اچانک آئے گا اس حال میں

یَشْعُرُوْنَ ۝۵۳ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ

کہ ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو گا ○ یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اور (یہ مطمئن رہیں) یقیناً دوزخ کافروں

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

کا احاطہ کرنے والی ہے ○ اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ

اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

لے گا اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزہ چکھو ○ اے میرے ایمان دار بندو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ

بے شک میری زمین وسیع ہے سو تم میری ہی عبادت کرو ○ ہر جاندار موت کو

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

چکھنے والا ہے' پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اعمال کیے ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جس کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے ○ جن لوگوں نے صبر کیا

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے'

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ○ اور اگر آپ ان سے سوال

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ

کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے کام پر لگایا تو وہ ضرور کہیں گے

اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

کہ اللہ نے' تو وہ کہاں الٹے پھر رہے ہیں ○ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَلَئِنْ

دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ○ اور اگر

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ

آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ

بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے' آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں'

يَعْقِلُوْنَ ۝ ع

بلکہ ان کے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں ○

ع ۱۲ ۶ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' اس کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ کے ساتھ کفر کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ○ یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' اور اگر عذاب کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا' اور ان پر ضرور عذاب اچانک آئے گا اس حال میں کہ ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا ○ یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں اور (یہ مطمئن رہیں) یقیناً دوزخ کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے ○ اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا' اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزا چکھو ○ (العنکبوت: ۵۵۔۵۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے پر دلائل

آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان بہ طور گواہ اللہ کافی ہے' یعنی تم جو میرے رسول ہونے کی تکذیب کر رہے ہو وہ اس کو جانتا ہے' اور اس کو یہ بھی معلوم ہے جو میں تم سے کہتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں' اگر میں نے تم سے جھوٹ بولا ہوتا اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہوتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقۃ: ۴۷۔۴۴)

اور اگر یہ کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے ○ تو ہم ضرور ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے ○ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی ان کی طرف سے مدافعت کرنے والا نہ ہوتا ○

اور جب اللہ تعالیٰ نے میرے دعویٰ رسالت پر کوئی گرفت نہیں کی اور کوئی انتقام نہیں لیا تو معلوم ہو گیا کہ میرا دعویٰ رسالت سچا ہے' اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روشن معجزات اور قوی اور قطعی دلائل سے میری نبوت اور رسالت کی تائید فرمائی' اور اللہ کی گواہی برحق ہے کیونکہ اس کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کا علم ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے' اور جن لوگوں نے باطل کو مانا یعنی بتوں کی شیطان کی اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کی اور اللہ کے ساتھ کفر کیا یعنی جس کا

انکار کرنا چاہیے تھا اس پر ایمان لائے اور جس پر ایمان لانا چاہیے تھا اس کا انکار کیا' اس طرح انہوں نے اپنی فطرت اصلیہ اور فطری ہدایت کو بھی ضائع کیا اور ان کو جو دلائل پہنچائے گئے تھے ان کو بھی انہوں نے ضائع کیا' یہی لوگ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کاموں کی سزا دے گا۔

کفار مکہ کے عذاب میں تاخیر کی وجہ

اس کے بعد فرمایا یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں' قرآن مجید میں **یستعجلونک** کا لفظ ہے اس کا مصدر استعجال ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔ نضر بن الحارث نے کہا تھا یہ عذاب کی وعید کب پوری ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اگر عذاب کے لیے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آ چکا ہوتا' اور ان پر عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی قوم پر ایسا عذاب نازل نہیں کرے گا جس سے آپ کی پوری قوم نیست اور نابود ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے منکروں اور کافروں کے عذاب کو روز قیامت تک مؤخر کر دے گا' اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ قیامت کے دن ان پر اچانک عذاب آئے گا' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کی موت کے فوراً بعد ان پر عذاب آ جائے گا' کیونکہ انسان کے مرتے ہی اس پر قیامت آ جاتی ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اس کی قیامت آ جاتی ہے سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرتے رہو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۷۱۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۷۴۸)

کیونکہ برزخ میں عذاب ہوتا ہے اور یہ عذاب روح کو اور جسم کے اجزاء اصلیہ کو ہوتا ہے' اور موت اچانک آتی ہے اور ان کافروں کے مرتے ہی ان پر قیامت آ جائے گی اور ان پر اچانک وہ عذاب آ جائے گا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ بعض آثار میں ہے جو شخص درست کام کرتا رہتا ہو اور اپنی موت کے لیے تیار رہتا ہو' اس کی موت اچانک نہیں ہوتی خواہ نیند میں اس کی روح قبض کر لی جائے اور جس شخص کے کام درست نہ ہوں اور نہ وہ موت کے لیے تیار ہو تو اس کی موت اچانک آتی ہے خواہ وہ ایک سال سے بستر علالت پر ہو۔ (روح البیان ج ۶ ص ۶۱۷)

زمین پر دوزخ کے وجود کے متعلق روایات اور بحث ونظر

اس کے بعد فرمایا: یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں (یہ مطمئن رہیں) دوزخ کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے۔ (العنکبوت: ۵۴)

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جہنم سے مراد یہ سمندر ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جہنم یہی سبز رنگ کا سمندر ہوگا اسی میں ستارے ٹوٹ کر گریں گے اسی میں سورج اور چاند ہوں گے' پھر اسی میں آگ بھڑکا دی جائے گی تو یہی جہنم ہوگا۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۴)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر ہی جہنم ہوگا' ان سے کسی نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی۔ (الکہف: ۲۹)

حضرت یعلیٰ نے اس سے جواب میں کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے میں اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گا' حتیٰ کہ میں اللہ عزوجل کے سامنے پیش کیا جاؤں اور جب تک میں اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤں مجھے اس آگ کے سمندر کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا۔ (مسند احمد ج ۴ص ۲۲۳طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۸۸۳' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے یہ بہت غریب ہے اور حضرت یعلیٰ نے جو اس کی تفسیر کی ہے وہ بھی بہت غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۴۵۹-۴۵۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ زین نے مسند احمد کے حاشیہ میں لکھا ہے اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے رجال موثق ہیں یعنی اس کے راوی قوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۸۶' دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۴ص ۳۳۴' مطبوعہ ملتان)

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج' عمرہ یا جہاد کے سوا سمندر میں سفر نہ کیا جائے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی بشیر بن مسلم ہے' امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے (یعنی ضعیف ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا سمندر کا پانی وضو یا غسل جنابت کے لیے کافی نہیں ہے سمندر کے نیچے آگ ہے' پھر پانی ہے پھر آگ ہے' سات سمندر اور سات آگ ہیں۔ (سنن کبریٰ ج ۴ص ۳۳۴' مطبوعہ ملتان)

بشیر بن مسلم کی روایت کو امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۹)

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی التوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث مضطرب ہے' امام بخاری نے اپنی تاریخ میں کہا یہ حدیث مضطرب ہے اور صحیح نہیں ہے۔

(التاریخ الکبیر ج ۲ص ۹۰' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ) (مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ص ۳۵۹' دارالمعرفۃ بیروت)

علامہ حمد بن محمد ابوسلیمان الخطابی التوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے فرمایا اس حدیث کی سند ضعیف ہے' سمندر کے نیچے آگ ہونے کی تاویل یہ ہے کہ اس میں سفر کرنے والا آفات اور مصائب سے مامون نہیں ہے اور قریب ہے کہ وہ آگ میں جل جائے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ص ۳۵۹ دارالمعرفۃ' بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی ان دونوں حدیثوں کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے ان حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور سورۃ ق کی تفسیر میں وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ذوالقرنین نے ق نامی پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھا تو انہیں کوہ قاف کے نیچے چھوٹے چھوٹے پہاڑ دکھائی دیئے' انہوں نے اس پہاڑ سے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں قاف ہوں' انہوں نے پوچھا یہ تمہارے گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ کیسے ہیں' اس نے کہا یہ میری رگیں ہیں اور ہر شہر میں میری رگوں میں سے کوئی نہ کوئی رگ ہے اور جب اللہ تعالیٰ زمین میں زلزلہ لانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دیتا ہے تو میں اپنی ان رگوں کو حرکت دیتا ہوں اور زمین میں زلزلہ آجاتا ہے' ذوالقرنین نے کہا اے قاف! مجھے اللہ کی عظمت کے متعلق کوئی خبر سنایئے' قاف نے کہا ہمارے

رب کی شان ہمارے وہم و گمان سے بہت بلند ہے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا کم از کم کوئی وصف بتائیں' قاف نے کہا میرے پیچھے ایک زمین ہے جس کی مسافت پانچ سو در پانچ سو سال کی ہے وہ برف کا پہاڑ ہے جو تہہ در تہہ ہے اگر وہ نہ ہوتا تو جہنم کی فضا سے زمین جل جاتی۔

علامہ قرطبی نے کہا یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہنم روئے زمین پر ہے اور وہ زمین میں کس جگہ پر ہے اس کا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔ (التذکرہ ج ۲ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹ مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ ۱۴۱۷ھ)

کوہ قاف کے متعلق جو روایات ہیں ان کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایات ہیں اور ہم پر ان کی تصدیق یا تردید واجب نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ کس جگہ پر واقع ہے یہ کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہے البتہ جنت کے متعلق حدیث صحیح سے معلوم ہے کہ وہ سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۵ المستدرک ج ۱ ص ۸۰)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا اور (اللہ) فرمائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اب اس کا) مزا چکھو O (العنکبوت: ۵۵)

جس طرح دنیا میں ان کو حرص نے اور شہوت نے اور تکبر اور حسد نے اور غضب نے اور کینہ نے ڈھانپ رکھا تھا اور ان کے تمام اقوال' افعال اور احوال نفس کی ان صفات ذمیمہ کے تابع ہوتے تھے' تکبر' غضب' حسد اور کینہ ان کے اوپر سے ان پر حاوی تھا اور حرص اور شہوت نیچے سے ان پر غالب تھی اس کی سزا میں دوزخ کی آگ ان کو ان کے اوپر اور ان کے نیچے سے ڈھانپ لے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے ایمان دار بندو! بے شک میری زمین وسیع ہے' سو تم میری ہی عبادت کرو O ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے O جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے! O جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے O (العنکبوت: ۶۰۔ ۵۶)

کن صورتوں میں کفار کے ملک سے ہجرت کرنا فرض ہے اور کن میں نہیں

سعید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب کسی زمین میں گناہوں کا ارتکاب کیا جائے تو وہاں سے نکل جاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی زمین وسیع ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۷)

عطاء نے کہا جب تم کو گناہ کی دعوت دی جائے تو وہاں سے بھاگ جاؤ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۳۹۸)

زید بن اسلم نے کہا اس آیت میں ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن پر مشرکین ان کے ایمان کی وجہ سے ظلم کر رہے تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۰۲)

اگر ایمان' فرائض' واجبات اور دیگر نیک اعمال کو کافروں کے ملک سے ہجرت کیے بغیر بچانا ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا فرض ہے' ورنہ مستحب ہے۔

مطرف بن عبد اللہ نے کہا اس کا مطلب ہے کہ میرا رزق تم پر وسیع ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۰۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے ملک میں رہنا درست نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ انسان کافروں کے ملک سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اللہ کے نیک بندے ہوں' اور اگر کسی علاقہ میں تمہارے لیے اپنے ایمان کا اظہار کرنا مشکل ہو تو تم پر اس جگہ سے ہجرت کرنا واجب ہے اور جس جگہ ظلم اور فسق و فجور ہو وہاں سے بھی ہجرت کر کے پر امن اور نیک لوگوں کے علاقے میں چلا جائے' اسی طرح اگر کسی جگہ روزگار نہ ملے تو کسی دوسری جگہ چلا جائے' بعض علماء نے کہا زمین سے مراد جنت کی زمین ہے یعنی جنت کی زمین بہت وسیع ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ہر جاندار موت کو چکھنے والا ہے۔ (العنکبوت: ۵۷)

اس کی مکمل تفسیر آل عمران: ۱۸۵ میں گزر چکی ہے' یہاں مراد یہ ہے کہ دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے کیونکہ ایک دن بہر حال مرنا ہے اس لیے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ مکہ اگرچہ ان کا وطن ہے لیکن اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے ان کو اگر مکہ چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیں اور ہجرت کر لیں کیونکہ یہ زندگی فانی ہے اور انہوں نے بہر حال مر کر اللہ کے پاس جانا ہے۔

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حسین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کی وجہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں گیا خواہ وہ ایک بالشت کے فاصلہ پر گیا ہو تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما السلام کا رفیق ہوگا۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

جنت کے بالا خانوں کا کون مستحق ہوگا

اس کے بعد فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم ان کو ضرور اس جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے۔ (العنکبوت: ۵۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم لوگ آسمان میں ستاروں کو دیکھتے ہو' حضرت ابوسعید نے کہا جس طرح تم آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے میں روشن ستارے کو دیکھتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنت میں ایک بالا خانہ ہے اس کی ظاہری چیزیں اس کی باطنی چیزوں سے نظر آئیں گی اور اس کی باطنی چیزیں اس کی ظاہری چیزوں سے نظر آئیں گی۔ ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بالا خانہ کس کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بالا خانہ اس کے لیے ہے جو شیریں گفتگو کرے' کھانا کھلائے' ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو اٹھ کر اللہ کے لیے نماز پڑھے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۲۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگ اپنے اوپر بالا خانے کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے میں دور سے چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھتے ہو' کیونکہ بعض کے درجات بعض سے زائد ہیں' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا وہ انبیاء کے درجات ہوں گے؟ جن تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۲-۲۸۳۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۷)

مستقبل کے تحفظ کے لیے مال جمع کرنے یا نہ کرنے کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق

اس کے بعد فرمایا: جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو (بھی) اور وہ بہت سننے والا بے حد جاننے والا ہے O (العنکبوت: ۶۰-۵۹)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا اور ہم ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے' آپ پھل توڑ کر کھا رہے تھے آپ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عمر! کیا بات ہے تم کیوں نہیں کھا رہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بھوک نہیں ہے' آپ نے فرمایا میں ضرور کھاؤں گا مجھے بھوک لگی ہوئی ہے' یہ چوتھی صبح ہے میں نے کوئی طعام چکھا ہے نہ مجھے ملا ہے' اور اگر میں چاہوں تو میں اپنے رب سے دعا کروں تو وہ مجھے قیصر و کسریٰ جیسا ملک عطا فرما دے' اے ابن عمر! اس وقت کیا حال ہو گا جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو اپنا ایک سال کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان کا یقین کمزور ہو گا پس اللہ کی قسم ابھی ہم اس باغ سے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہو گئی: اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی! الآیہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے خزانہ جمع کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ اپنی خواہش پوری کرنے کا' آپ کی مراد تھی باقی زندگی میں' اور بے شک زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' سنو میں دینار اور درہم کو جمع نہیں کرتا اور نہ کبھی رزق کو چھپا کر رکھوں گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۱۴' اسباب النزول للواحدی ص ۳۵۳' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۹)

ان احادیث کی بناء پر بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ کل کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کر کے رکھنا جائز نہیں ہے اور مستقبل کے لیے مال کو پس انداز کر کے رکھنا بھی صحیح نہیں ہے' لیکن ان کا یہ قول باطل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا غلہ ازواج مطہرات کو فراہم کر دیتے تھے' اور حضرات صحابہ کرام بھی مال جمع کرتے تھے اور وہی ہمارے لیے نمونہ اور مقتدا ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم رئیس المتوکلین ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد والوں کے لیے متقین اور متوکلین کے امام ہیں' یہ احادیث ابتدائی دور کی ہیں جب مسلمانوں پر بہت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس وقت کا شانۂ رسالت میں کئی کئی دن کھانا نہیں پکتا تھا' جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تنگی اور وسعت کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو دن مسلسل جَو کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۹' مسند احمد ج ۶ ص ۴۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۰۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل مدینہ میں آئی ہے انہوں نے مسلسل تین دن گندم نہیں کھائی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۶-۶۴۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۴۴)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا کئی کئی دن بھوکا رہنا مشکل ہے۔ جب کہ یہ ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ایک سال کی روزی (طعام اور غلہ وغیرہ) فراہم کر دیتے تھے اور آپ نے مال فئی میں سے چار آدمیوں کو ایک ہزار اونٹ عطا کیے' اور آپ اپنے عمرہ میں ایک سو اونٹوں کو لے

گئے' آپ نے وہ اونٹ ذبح کیے اور مسکینوں کو کھلائے اور آپ نے ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرنے کا حکم دیا' علاوہ ازیں آپ کے ساتھ مال دار صحابہ تھے' مثلاً حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرھم اور یہ صحابہ اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو آپ کے سامنے خرچ کرتے تھے' آپ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابو بکر اپنا تمام مال لے آئے' حضرت عمر آدھا مال لے آئے' آپ نے غزوۂ تبوک کے لشکر کی امداد کی ترغیب دی تو حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ پیش کیے' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے احوال مختلف ہوتے تھے' ان کا کم خوراک کھانا کسی احتیاج' فقر یا تنگی کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ وہ کبھی ایثار کی وجہ سے کم کھاتے تھے اور کبھی سیر ہو کر کھانے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یا بسیار خوری سے اجتناب کی وجہ سے' (امام طبری کا کلام ختم ہوا' اب علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:) امام طبری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے مطلقاً تنگی کی جو نفی کی ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں اس کا ذکر ہے' امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا کہ جو شخص تم سے یہ حدیث بیان کرے کہ ہم سیر ہو کر کھجوریں کھاتے تھے اس نے تم سے جھوٹ بولا' کیونکہ جس سال بنو قریظہ مفتوح ہو گئے اس سال ہم کو کچھ کھجوریں اور چربی ملی' اور غزوۂ خیبر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے' اور کتاب الاطعمۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے' اور حضرت ابن عمر نے فرمایا جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ہجرت سے پہلے زیادہ تر تنگی کے حال میں رہے تھے جب وہ مکہ میں تھے' اور جب انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تب بھی ان میں سے اکثر اسی حال میں تھے حتیٰ کہ انصار نے ان کی مدد کی اور اپنے گھر اور اپنے عطیات دیئے' اور جب بنو النضیر مفتوح ہو گئے اور اس کے بعد ان پر خوش حالی آئی تو انہوں نے ان کے عطیات واپس کیے' جیسا کہ کتاب الھبۃ میں تفصیل سے گزر چکا ہے' اور اسی کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے مجھے اللہ کی راہ میں اس قدر دھمکیاں دی گئیں کہ کسی کو اتنی دھمکیاں نہیں دی گئیں۔ اور مجھے اللہ کی راہ میں اس قدر اذیت دی گئی ہے کہ کسی کو اتنی اذیت نہیں دی گئی اور مجھ پر اور بلال پر تین ایسے دن رات آئے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی ماسوا اس چیز کے جو بلال نے بغل میں چھپالی تھی (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۶۰) ہاں باوجود اس کے کہ آپ کو دنیا میں وسعت اور خوش حالی حاصل ہو گئی تھی پھر بھی آپ اپنے اختیار سے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ وہ میرے لیے مکہ کی وادی کو سونے کی بنا دے' میں نے کہا نہیں اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے گڑگڑا کر طلب کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر ادا کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷)

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۸۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

لوگوں کی ضرورت اور ان کے ضرر کے وقت ذخیرہ اندوزی کی ممانعت .....
اور حالت توسع میں اس کا جواز

ہم نے اس بحث میں یہ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کو ایک سال کا طعام اور غلہ فراہم کر دیتے تھے' اس کے ثبوت میں یہ حدیث ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر کے کھجور کے باغ

فروخت کر دیتے تھے اور اپنے اہل کے لیے ایک سال کا رزق محفوظ کر کے رکھتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۶۵' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۱۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۵۷۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں یا غلہ کی نصف پیداوار کے عوض خیبر کی زمین دی' آپ ہر سال ازواج مطہرات کو سو وسق طعام دیتے تھے (ایک وسق ۱۵۵ کلو گرام کے برابر ہے) جس میں سے اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جَو ہوتے تھے' حضرت عمر جب خلیفہ ہوئے اور انہوں نے اموال خیبر کی تقسیم کی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زمین اور پانی میں سے ایک حصہ لے لیں یا وہ ہر سال مقررہ وسق لے لیں' ازواج مطہرات میں اختلاف ہوا' بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض ازواج نے مقررہ وسق طعام لینے کو اختیار کیا' حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ان میں سے تھیں جنہوں نے زمین اور پانی لینے کو اختیار کیا۔

(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب:۱ رقم الحدیث:۲ رقم الحدیث بلا تکرار ۱۵۵۱ رقم الحدیث المسلسل:۳۸۸۸)

علامہ ابی الحسین علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہلب نے کہا ہے اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم کے لیے اپنے اہل اور عیال کے لیے ایک سال کے رزق کو ذخیرہ کرنا اور جمع کرنا جائز ہے' اور یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے اور انسان اپنے باغ کے پھلوں میں سے جو اپنی روزی کے لیے جمع کرلے اور محفوظ کرلے وہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ امام طبری نے کہا اس میں صوفیاء کے اس قول کا رد ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آج کے دن کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر رکھ لے' اور ایسا کرنے والا اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے اور اپنے رب پر اس طرح توکل نہیں کرتا جو توکل کرنے کا حق ہے' اور اس قول کا فساد بالکل ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کے لیے ایک سال کی روزی جمع کر کے محفوظ رکھتے تھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۴۴' مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ایک سال کی روزی کو ذخیرہ کرنے کے جواز کی دلیل ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اپنے نفس کے لیے بالکل نہیں تھا بلکہ اپنے اہل وعیال کے لیے تھا' اور اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کہ انسان اپنی زمین اور اپنی زراعت میں سے اپنی پیداوار کو ذخیرہ کرلے' جب کہ اس نے اس غلے کو بازار سے نہ خریدا ہو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کے لیے جس طعام کا ذخیرہ کیا تھا وہ اپنی زراعت سے کیا تھا' اور بازار سے طعام خرید کر اس کو ایک سال کے لیے ذخیرہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے' ایک قوم نے اس کو بھی جائز کہا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث میں اس کی دلیل نہیں ہے' اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر بازار سے اتنا غلہ خریدنے سے لوگوں کو نقصان نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر بازار میں طعام کی کمی ہو تو حسب ضرورت ایک ماہ یا ایک دن سے زیادہ طعام خرید کر جمع نہ کرے' اور جب طعام کی وسعت کی امید ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے اور دوسرے علماء نے منع کیا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ذخیرہ اندوزی صرف خطا کار کرتا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ایک سال کی روزی خرید کر جمع کرنا ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۷۶' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں مہلب اور طبری کے اقوال ذکر کیے ہیں اور یہ کہا ہے کہ اپنی زراعت کی پیداوار سے ایک سال کے غلہ کو جمع کرنا ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کے پاس ایک سال کا طعام ہونے کے...... باوجود ان کی تنگی اور عسرت کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سنن الترمذی کے حوالے سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے' اور ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال کا رزق ازواج مطہرات کو فراہم کر دیتے تھے' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ اپنی ذات کی خاطر کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے' اور اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا طعام ذخیرہ کرتے تھے' ہر چند کہ جب آپ اپنے اہل کے لیے ایک سال کا طعام ذخیرہ کرتے تھے تو اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے لیکن آپ کا مقصد صرف اپنے عیال کے لیے ذخیرہ کرنا تھا اور اپنے لیے ذخیرہ کرنا آپ کا مقصد نہ تھا' اور جب پورے سال کے لیے گھر میں طعام کا ذخیرہ ہوتا تھا تو اس میں سے آپ ضرورت مندوں پر خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات اتنا خرچ ہو جاتا تھا کہ آپ کے اہل و عیال کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچتا تھا' اسی وجہ سے حدیث میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور آپ کی زرہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۳۶' ایک صاع چار کلو گرام کا ہوتا ہے)

توکل کا صحیح معنی اور مفہوم

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی (العنکبوت: ۶۰) اور اس سے پہلی آیت میں توکل کا بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ حریص اور متوکل کو اور دنیا میں رغبت کرنے والے اور زاہد اور قناعت گزار دونوں کو رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح قوی اور ضعیف اور سخت کوشش کرنے والے اور سست اور عاجز سب کو رزق عطا فرماتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۵)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ توکل میں سعی اور جد و جہد اور حصول اسباب کو ترک نہیں کیا جاتا' بلکہ توکل میں اسباب کی ایک نوع کا حصول ضروری ہے کیونکہ پرندوں کو بھی ان کی کوشش اور طلب کے بعد رزق دیا جاتا ہے' اسی لیے امام احمد نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ترک عمل کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں حصول رزق کے لیے سعی اور جد و جہد کی دلیل ہے' اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے آنے جانے اور تمام کاموں میں اللہ پر توکل کرتے اور یہ یقین رکھتے کہ ہر قسم کی خیر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو وہ پرندوں کی طرح اپنی ہر مہم میں کامیابی کے ساتھ لوٹتے' اور جو شخص اللہ پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنی قوت اور اپنے عمل پر اعتماد کرنے تو یہ توکل کے منافی ہے۔

بعض صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے بدن سے کسب کو ترک کرنا اور دل سے کسی کام کی تدبیر نہ کرنا اور مردوں کی طرح زمین پر پڑے رہنا یہ جاہلوں کی سوچ ہے اور شریعت میں حرام ہے۔ امام قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے توکل کی تعریف میں یہ حدیث ذکر کی ہے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ آیا میں اونٹنی کو چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔ (ترمذی قیامت: ۶۰) (الرسالۃ القشیریہ ص ۲۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے

کام پر لگایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو وہ کہاں الٹے پھر رہے ہیں O اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، بلکہ ان کے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں O (العنکبوت: ۶۳۔۶۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر روزمرہ کے مشاہدات سے استدلال

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ اہل مکہ سے سوال کریں کہ مخلوق کی مصلحت اور فائدہ کے لیے آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو تمہاری ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے کس نے ایک مقرر نظام کا پابند کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! تو پھر تم اس کی توحید کا کیوں اقرار نہیں کرتے اور کیوں اس کے شریک قرار دیتے ہو!

رزق کی تنگی اور کشادگی اسی کے ہاتھ میں ہے، رزق کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری رزق ہے وہ طعام اور مشروب ہے اور ایک باطنی رزق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور حقائق اشیاء کا ادراک ہے۔ پھر فرمایا: بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، اور ان میں یہ چیز بھی ہے کہ کسی شخص کو کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کو کتنی مقدار میں وہ چیز دینے سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی، اور اس کو اس کی ضرورت کے مطابق دینا حکمت اور مصلحت ہے یا اس کی ضرورت سے کم دینا اس کے حق میں حکمت اور مصلحت ہے یا اس کی ضرورت سے زائد دے کر اس کو آزمائش میں مبتلا کرنا حکمت اور مصلحت ہے۔

اس آیت میں فرمایا وہی رزق میں کمی اور زیادتی کرتا ہے اس کا معنیٰ ہے وہی زندہ ہے اور علم والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے علم اور قدرت کے موافق کلام کرنے والا ہے، اور اپنی مخلوق کو دیکھنے والا ہے اور ان کی فریاد کو سننے والا ہے اور وہی چاہنے والا ہے، اور جس چیز کو چاہے اس کو کرنے والا ہے اور اسی کی سلطنت ہے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں، وہ جس کو چاہے تونگر بنا دے اور جس کو چاہے نان شبینہ کا محتاج بنا دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں سب اس کے مملوک اور اس کے بندے ہیں سو وہی تمام کائنات کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے، پھر اس پر ایک اور دلیل قائم کی اور فرمایا: اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو زندہ فرمایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ آیت کے اس حصہ میں یہ دلیل ہے کہ تم بار ہا دیکھتے ہو کہ وہی مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اور قحط اور خشک سالی کے بعد خوش حالی، تروتازگی اور فصلوں کی زرخیزی لاتا ہے تو جو مردہ زمینوں کو زندہ کر رہا ہے اور جو زمینوں کو بار بار مردہ کرتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے وہ اس پوری کائنات اور تمام انسانوں کو مردہ کر کے ان کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا، اس نے ابتداءً اس کائنات کو بنایا پھر اس کائنات کو اور خصوصاً تمہیں باقی اور زندگی پر قائم رکھنے کے لیے زمین کی فصلیں اگانے اور بارش نازل کرنے کا نظام بنایا اور تمہارے رزق کا سبب بنایا، سو وہی ہر نعمت پر ہر انسان سے ہر زمانہ میں حمد اور تعریف کا مستحق ہے اور جو محمود ہے وہی معبود ہے، اس لیے آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے کوئی بتوں کی پرستش کرتا ہے، کوئی حضرت عیسیٰ کی عبادت کر رہا ہے اور کوئی اپنی خواہشوں کے آگے سر جھکا رہا ہے اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنے نفس کے حکم کی بڑائی ظاہر کر رہا ہے، پھر زبان سے کہتا ہے اللہ اکبر، اللہ ہر چیز سے بڑا ہے سو یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، اسی طرح یہ مشرکین کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ نے بنایا اسی نے چلایا ہے پھر اس کی مخلوق کے آگے سر جھکاتے ہیں اور شرک کرتے ہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ

اور دنیا کی یہ زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت

الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ

کا گھر ہی اصل زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے O سو جب وہ کشتیوں میں سوار

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ

ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں‘ پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ وقفة فَسَوْفَ

اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ

فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے حالانکہ ان

مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

کے گردونواح سے لوگوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے O

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے

لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ

تو اس کو جھٹلائے‘ کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہو گا O اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں (اور

جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

مشقت اٹھاتے ہیں) ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے O

وقف لازم

ع ۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دنیا کی یہ زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے‘ کاش وہ جانتے ہوتے O سو جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں (سمندر سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں O تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم

نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے ○ (العنکبوت: ۶۶-۶۳)

دنیا کا معنی اور دنیا کے خسیس اور گھٹیا ہونے کے متعلق احادیث

لھو کا معنی ہے وہ کام جو انسان کو کسی اہم کام سے غافل کر دے موسیقی کے آلات کو ملاہی کہتے ہیں' اور لعب کا معنی ہے عبث' بے کار اور بے مقصد کام۔

حیات دنیا کو دنیا دو اعتبار سے کہا جاتا ہے ایک یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ہے حیات دنیا پہلی زندگی ہے اور حیات آخرت دوسری زندگی ہے اور دنیا کا معنی اولیٰ ہے یعنی پہلی زندگی' اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ حیات آخرت دور اور بعید ہے اور حیات دنیا قریب ہے اور دنیا' دنو سے بنا ہے پس دنیا کا معنی قربیٰ ہے' یعنی دنیا کی زندگی قریب ہے' اس میں ایک تیسرا اعتبار بھی ہے کہ دنیا' دنی سے بنا ہے اور دنی کا معنی ذلیل اور گھٹیا ہے اور دنیا آخرت کے مقابلہ میں ذلیل اور گھٹیا ہے اور آخرت افضل اور اعلیٰ ہے۔

دنیا کے دنی اور گھٹیا ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے جس کو اس کے گھر والوں نے پھینک دیا تھا' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال اس سے زیادہ آسان ہے جتنا اس مردار بکری کے گھر والوں کے نزدیک اس کو پھینکنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۲۲۵' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کا کوئی گھر نہ ہو دنیا اس کا گھر ہے اور جس کا کوئی مال نہ ہو دنیا اس کا مال ہے اور جس کے پاس عقل نہ ہو وہ دنیا کے مال کو جمع کرتا ہے (یہ حدیث صحیح ہے۔ سیوطی)

(مسند احمد ج ۶ص ۷۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۶۳۸' الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۲۹۳۱' الترغیب ج ۴ص ۱۰۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی اے داؤد! دنیا کی مثال اس مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو کر اس کو گھسیٹ رہے ہوں! (اے مخاطب!) کیا تو پسند کرتا ہے کہ تو بھی ان کی طرح کتا بن کر دنیا کو ان کے ساتھ گھسیٹے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۰۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۷۹۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۲۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا پر لعنت کی گئی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس پر بھی لعنت کی گئی ہے' سوا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور اس کے جو اس کے ذکر کے قائم مقام ہے یا عالم یا متعلم کے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۲' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۳۱۱۱' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۱۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۰۸۴' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۰۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا مردار ہے' سو جو شخص دنیا کا ارادہ کرے اس کو کتوں کے ساتھ مخلوط ہونے پر صبر کرنا چاہیے۔ (الدر المنتثر ہللسیوطی ص ۱۶۹' رقم الحدیث: ۲۴۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

"دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں" ان کا معنی صحیح ہے لیکن یہ حدیث نہیں ہے' امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ہر روز ایک منادی تین بار یہ ندا کرتا ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دو' جس نے ضرورت سے زیادہ دنیا کو لیا اس نے بے خبری میں اپنی موت کو لیا ہے' اس معنی میں اور متعدد احادیث ہیں (ان کو ہم نے باحوالہ ذکر کر دیا ہے) ہمارے

امام شافعی نے اپنے اشعار میں دنیا کو مردار کہا ہے اور خوب کہا ہے:

ومن یامن الدنیا فانی طعمتها — وسیق الینا عذبها وعذابها

اور دنیا سے کون بچے گا میں اس کو چکھ چکا ہوں — اس کی مٹھاس اور اس کا عذاب ہم تک پہنچ چکا ہے

فما هی الا جیفة مستحیلة — علیها کلاب همهن اجتذابها

دنیا تو صرف ایک متغیر مردار ہے — جس پر کتے ہیں جو اس کو کھینچنا چاہ رہے ہیں

فان تجتنبها کنت سلما لاهلها — وان تجتذبها نازعتک کلابها

اگر تم دنیا سے اجتناب کرو گے تو دنیا داروں (کے شر) سے سلامت رہو گے — اگر تم دنیا کو کھینچو گے تو اس کے کتے تم سے جھگڑا کریں گے

(الکشف الخفاء ومزیل الالباس ج ا ص ۴۱۰ ـ ۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق)

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشا فرمانے کی وجہ

دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشے کے ساتھ دو وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشا بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور دائمی نہیں ہوتا' اسی طرح دنیا کی زیب و زینت اور اس کی باطل خواہشیں بھی جلد ختم ہو جاتی ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ کھیل اور تماشے میں مشغول رہنا بچوں اور کم عقلوں کا کام ہے نہ کہ عقل والوں کا' اسی طرح عقل والے دنیا کی رنگینیوں اور دل چسپیوں سے دور رہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انا من دد ولا الدد منی. — نہ میں کھیل کود سے ہوں اور نہ کھیل کود مجھ سے ہے۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر للجزری ج ۲ ص ۱۰۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حکمت اور مصلحت کی بناء پر پیدا فرمایا ہے پھر اس آیت میں اس کو لہو ولعب کیوں فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اعم اور اغلب کے اعتبار سے فرمایا ہے کیوں کہ اکثر لوگوں کی غرض دنیا کے حصول سے لہو ولعب ہوتی ہے اور جب انسان دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے تو پھر وہ اللہ سے غافل ہو جاتا ہے' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید: ۲۰)

یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے اور زیب و زینت ہے اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر ہے اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر کثرت کو ظاہر کرنا ہے' جیسے بارش سے زرخیزی کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ فصل خشک ہو جاتی ہے پس تم دیکھتے ہو وہ زرد ہو جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے' اور (کافروں کے لیے) وہ آخرت میں عذاب شدید ہے اور (مومنوں کے لیے) وہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی پونجی ہے۔

دار آخرت کا حقیقی زندگی ہونا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔

دار آخرت سے مراد ہے جنت' یعنی جنت ہی حقیقی زندگی کا گھر ہے' کیونکہ جنت میں موت کا آنا اور فنا کا طاری ہونا ممتنع

ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا موت کا گھر ہے کیونکہ کافر اگر دنیا میں زندہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مردہ فرمایا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. (النمل: ۸۰) بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ (یٰسین: ۷۰) تاکہ قرآن ہر اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔

پس معلوم ہوا کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں مردہ ہیں جیسا کہ ہم نے اس کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے زندہ کر دیا سو وہ زندہ ہیں۔ اس آیت میں آخرت کو فرمایا ہے یہی حیوان ہے حیوان اس کو کہتے ہیں جو اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ زندہ ہو اور آخرت میں ارواح ہیں اور فرشتے ہیں اور جنت ہے اور جنت کے درخت اس کے پھل اس کے بالا خانے اس کے باغات اس کے دریا اور اس کی مٹی اس کے حور و قصور ان میں سے کسی چیز پر فنا نہیں آئے گی سو آخرت اپنے تمام اجزاء کے ساتھ زندہ ہے اور حیات حقیقی وہ ہے جس میں کوئی بدمزگی نہ ہو کسی قسم کا رنج اور خوف نہ ہو کوئی بیماری نہ ہو کسی نعمت کے زوال کا خدشہ نہ ہو سو جنت ایسی ہی ہے اور جنت آخرت میں ہے سو آخرت ہی حیات حقیقی ہے اور فرمایا اگر وہ جانتے ہوتے یعنی اگر کفار یہ جانتے کہ دنیا تو مردہ ہے اور موت ہے اور حقیقی حیات تو آخرت میں ہے اور آخرت میں کامیابی اور سر[illegible]ئی ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے سے حاصل ہو گی تو وہ ایمان لے آتے اور اس فانی اور عارضی حیات کے تقاضوں کو ترک کر کے دائمی اور حقیقی حیات کے تقاضوں کو اپنا لیتے۔

اخلاص کا معنی اور مومن اور کافر کے اخلاص کا فرق

اس کے بعد فرمایا: سو جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں سمندر سے بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں○ (العنکبوت: ۶۵)

اخلاص کا معنی ہے دل کو اللہ کے ماسوا ہر چیز سے خالی کر لیا جائے اور اللہ کے سوا کسی چیز پر انسان کا اعتماد نہ ہو اور اس کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو اور ذہن میں اس کے سوا اور کسی کا قصد نہ ہو اور انسان کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نفع اور ضرر پر قادر نہیں ہے اور جب انسان پر کوئی افتاد پڑے یا کوئی مصیبت آئے تو اس سے نجات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی طرف نظر نہ کرے اور جب وہ اس کی عبادت کرے تو صرف اسی کے حکم پر عمل کرنا اس کا مقصود ہو اور اس کی رضا مندی کا حصول اس کا مطلوب ہو تو وہ اپنی عبادت میں اور اپنی دعا میں اور اپنی فریاد اور پکار میں مخلص ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کافر کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں جب کافر کا اللہ پر ایمان ہی نہیں ہے تو اس کے اخلاص کا کیسے وجود ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کے اخلاص سے مراد یہ ہے کہ جب ان کو کوئی حاجت پیش آتی ہے یا ان پر کوئی بلا نازل ہوتی ہے تو اس سے نجات کے لیے وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کے سوا اور کسی سے نجات کی آس نہیں لگاتے اور یہ عزم مصمم کرتے ہیں کہ آئندہ وہ شرک نہیں کریں گے اور اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے پھر جب ان کی کشتی سمندروں اور دریاؤں کے طوفان سے نجات پا کر ساحل پر آ لگتی ہے تو ان پر پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اپنے پاس سے اس کو نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے

قَلِيْلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ○ (الزمر: ۸) اس سے دعا کرتا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے شریک بنالیتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گم راہ کرے' آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے چند روز فائدہ اٹھالو (انجام کار) تم یقیناً دوزخ والوں میں سے ہو گے۔

مومن کے اخلاص اور کافر کے اخلاص میں یہ فرق ہے کہ مومن کا اخلاص اللہ کی تائید سے مؤید ہوتا ہے وہ مصائب کے نازل ہونے سے پہلے راحت کے ایام میں بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے صرف اسی سے دعا کرتا ہے اور اسی سے فریاد کرتا ہے اسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر گڑ گڑاتا ہے اپنی خطاؤں پر لغزشوں پر معافی مانگتا ہے اور آخرت میں سے جنت کو طلب کرتا ہے' سو مومن کا اخلاص سختی اور آرام میں مصیبت اور راحت میں مختلف نہیں ہوتا وہ ہر حال میں اسی کی طرح رجوع کرتا ہے اور اسی کو یاد کرتا ہے' اور کافر کا اخلاص طبعی ہوتا ہے وہ صرف مصائب میں' جب اس کو اور کوئی نجات کی صورت نظر نہیں آتی تو ہر طرف سے مایوس ہو کر صرف اسی کو پکارتا ہے اور اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے اور جب اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ اسی وقت اپنے شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ وہ ان تمام نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں اور (اس دنیا سے عارضی) فائدہ اٹھائیں پس وہ عنقریب جان لیں گے ○ (العنکبوت: ۶۶)

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ لام "کَیْ" ہے' یعنی وہ شرک اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے راستے پر چلیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لام امر ہے یعنی انہوں نے شرک کیا ہے تو اب انہیں چاہیے کہ وہ اللہ کی ناشکری کریں اور یہ امر تہدید اور وعید کے لیے ہے جیسے فرمایا:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ تم جو چاہو کرو' وہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

(حٰم السجدۃ: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گردونواح سے لوگوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے' تو کیا وہ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کو نہیں مانتے ○ اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اس کو جھٹلائے کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہو گا! ○ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں (اور مشقت اٹھاتے ہیں) ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے ○ (العنکبوت: ۶۹۔۶۷)

مشرکین کی ناشکری اور ان کا ظلم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین جب دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرتے ہیں اور جب طوفانی ہوائیں چلتی ہیں اور ان کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ گڑ گڑا کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور شرک کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ ان کو سلامتی سے پار لے آتا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ جس اللہ نے سمندروں میں تم پر زندگی دینے کا احسان کیا تھا وہی اللہ مکہ کی سرزمین میں بھی تم پر سلامتی اور زندگی کی حفاظت کرنے کا احسان فرما رہا ہے' کیونکہ تم جس شہر مکہ میں رہتے ہو اس کے آس پاس کے علاقوں میں قتل اور اغواء کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور مفسدین لوگوں کو پکڑ کر اور اغواء کر کے لے جاتے ہیں پھر ان کو غلام بنا کر دوسرے علاقوں میں فروخت کر دیتے ہیں' اور ہم نے سرزمین مکہ کو حرم بنا دیا ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو قتل کیے جانے اور اغوا کیے جانے سے محفوظ کر دیا ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ سمندروں میں تم کو غرق

ہونے کا خطرہ ہو تو تم صرف اللہ کو پکارتے ہو اور خشکی میں اللہ تم کو قتل و غارت گری اور اغواء اور پکڑ دھکڑ سے محفوظ رکھے تو تم اس کا احسان نہیں مانتے پھر تم بتوں کو کیوں مانتے ہو اور ان پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے!

اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یعنی جو اللہ عزوجل کا شریک قرار دے یا کسی کو اس کا بیٹا کہے یا کسی کو اس کی بیٹیاں کہے اور جب ان کو اس شرک سے منع کیا جائے تو پھر کہے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور ہم کو اللہ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر صریح بہتان ہے اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام اور قرآن مجید اور اسلام کی دعوت لے کر آئے تو آپ کو انہوں نے جھٹلا دیا اس لیے فرمایا اور اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا جب اس کے پاس حق آ جائے تو اس کو جھٹلائے کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہوگا! یعنی ضرور ہوگا کیونکہ کافروں کو سزا دینا اور ان کو عذاب میں مبتلا کرنا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

والذین جاھدوا فینا کے دس محامل

اس کے بعد اس سورت کی آخری آیت میں فرمایا: اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں اور مشقت اٹھاتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔ اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جو لوگ ہماری نشانیوں سے ہم تک پہنچنا چاہتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی ذات کی معرفت کی ہدایت دیں گے یہ نشانیاں اس کے اپنے اندر بھی ہیں اور اس خارجی کائنات میں بھی ہیں انسان کے اندر اس کے جسمانی اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں جگر غذا سے خون بنا کر رگوں میں پہنچا رہا ہے اور فاضل تلچھٹ کو مثانہ میں بھیج رہا ہے معدہ غذاء کو ہضم کر رہا ہے اور فاسد مادہ بڑی آنت میں بھیج رہا ہے یہ کس کا بنایا ہوا نظام ہے؟ سورج طلوع ہو کر دن کی روشنی پہنچا رہا ہے تاکہ لوگ کاروبار حیات کو انجام دے سکیں اور غروب ہو کر رات کو لا رہا ہے تاکہ لوگ دن کی تھکاوٹ اتار کر آرام کر سکیں سو یہ کس کا نظام ہے! اللہ تعالیٰ نے غور و خوض کے لیے انسان کے اندر اور اس کے باہر اس کائنات میں یہ نشانیاں رکھی ہیں کہ انسان کے اندر اور اس کے باہر سب ایک ہی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں اور اس کے اندر کے نظام کی وحدت اور اس کے باہر نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے اس لیے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ (حٰم السجدۃ: ۵۳)

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس کائنات میں بھی اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سو جو لوگ اپنے اندر اور اپنے باہر کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں اپنی راہ دکھاتا ہے۔

(۲) جو لوگ اپنی جسمانی طاقت کو خرچ کر کے جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں کفار سے جنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں فتح اور کامرانی کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۳) جو لوگ صدقہ و خیرات کر کے اور دین کو پھیلانے کے لیے مال خرچ کر کے دین کی ترویج اور اشاعت کی جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دین کی ترویج اور اشاعت کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۴) جو علماء دین عقائد فاسدہ اور بدعات سیئہ کو رد کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لیے قرآن اور حدیث میں غور و فکر کر کے

دلائل تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کی ان دلائل کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے۔

(۵) جو علماء عقائد صحیحہ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کو عقائد صحیحہ کی راہیں دکھاتا ہے۔

(۶) جو علماء احکام شرعیہ کے استخراج اور مسائل کے استنباط کے لیے قرآن اور سنت میں غور و فکر کرتے ہیں اللہ جل مجدہ ان کو ضرور ان عقائد کے اثبات کی طرف راہیں دکھاتا ہے۔

(۷) جو علماء علم میں وسعت کی طلب کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں اور خوف خدا سے گناہوں سے باز رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو وسعت علم کی راہیں دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۔ (البقرہ: ۲۸۲) اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں علم عطا فرماتا رہے گا۔

اس حدیث کی تحقیق کہ جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا .... اللہ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے جن کا اس کو علم نہیں

حافظ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے ذکر کیا کہ از یزید بن ہارون از حمید الطویل از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اس کو اللہ اس علم کا وارث کر دے گا جس کو اس کا علم نہیں ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۱۵ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۱۳' رقم الحدیث: ۱۴۳۲۰ طبع جدید' احیاء العلوم ج ۱ ص ۷۱' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۳۳۶' الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷۲ طبع قدیم' روح البیان ج ۶ ص ۶۳۲' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۱۵۷۲' تفسیر بیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۳۶۸' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۳۸۳)

نیز حافظ ابونعیم اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ اس کلام کو بعض تابعین نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے روایت کیا ہے سو بعض راویوں نے یہ وہم کیا کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تو انہوں نے ایک اسناد گھڑ کر یہ حدیث بنا دی اور یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ امام احمد بن حنبل سے محتمل نہیں ہے۔

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰' دار احیاء التراث العربی)

شیخ محمد علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الفوائد المجموعۃ ج ۲ ص ۳۶۷' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض)

علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو حافظ ابونعیم نے ضعیف کہا ہے (بلکہ موضوع کہا ہے) اور صاحب القوت نے اس کو بلا سند ذکر کیا ہے' حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کا ایک شاہد ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں بے رغبتی کی اس کو اللہ تعالیٰ بغیر علم سیکھے علم عطا فرمائے گا اور بغیر ہدایت حاصل کیے ہدایت دے گا اور اس کو صاحب بصیرت بنائے گا اور اس پر نامعلوم باتیں منکشف کر دے گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے لیکن اس کا معنی ثابت ہے اور جو شخص مزید علم کے حصول کی نیت سے علم کے تقاضوں پر عمل کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کی راہوں کو کشادہ کر دے گا۔

(۸) جو شخص علم دین کی طلب میں محنت اور کوشش کرے گا' اللہ تعالیٰ اس پر علم دین کی راہیں کشادہ کر دے گا۔

جہاد بالنفس کے جہاد اکبر ہونے کی تحقیق

(۹) جو شخص اپنی شہوت کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معصیت سے اجتناب کرنے کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے گا تو

اللہ اس کے لیے اس جہاد کی راہوں کو آسان کردے گا۔

حافظ ابونعیم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ عزوجل کی ذات میں (یعنی اس کی رضا کے لیے) اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۴۹ قدیم ج ۲ ص ۲۸۲ رقم الحدیث: ۲۲۳۲ جدید)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۔۲۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۴۔۴۷۰۶ المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۸۰۳۔۸۰۲ المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴۔۷۲)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے' جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۱۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳)

نفس کے جہاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے نفس پر قہر کر کے عبادات کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اجتناب کیا جائے' اور اس کو جہاد اکبر اس لیے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے جہاد نہیں کر سکے گا اس کے لیے خارجی دشمن سے جہاد کرنا ممکن نہیں ہوگا اور یہ کیوں کر ہو سکے گا کہ وہ دشمن جو اس کے دو پہلوؤں میں ہے اور وہ اس پر قاہر اور مسلط ہے' سو جب تک وہ باہر کے دشمن سے لڑنے کے لیے اس اندر کے دشمن سے جہاد نہیں کرے گا اس کے لیے خارجی دشمن سے جہاد ممکن نہیں ہوگا اور خارجی دشمن کے مقابلہ میں باطنی دشمن سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۳۷۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی التوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

لوگوں کی زبان پر یہ حدیث مشہور ہے کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے اور جہاد اکبر قلب سے جہاد کرنا ہے' حافظ ابن حجر نے تسدید القوس میں لکھا ہے کہ یہ ابراہیم بن عیلہ کا کلام ہے (یعنی حدیث نہیں ہے) عراقی نے کہا ہے کہ امام بیہقی نے اس کو سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں خوش آمدید ہو تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو' صحابہ نے کہا اور جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بندہ کا اپنی خواہش سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۷۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۱۰۷ حافظ سیوطی نے لکھا ہے یہ حدیث ضعیف ہے' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۲۶۰۔۱۱۷۷۹' الدر المنتشر ہ ص ۱۷۵' رقم الحدیث ۲۵۲' الاسرار المرفوعۃ ص ۱۲۷' رقم الحدیث: ۴۸۰' تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۱) اور لوگوں کی زبان پر یہ حدیث اس طرح مشہور ہے' ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۱ ص ۴۲۵۔۴۲۴' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

(۱۰) جو شخص اللہ کی رضا کے لیے' اس کے دیدار اور جنت کے حصول کے لیے محنت اور مشقت سے عبادت کرے ہم اس کے لیے جنت کی راہوں کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو جنت کے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں میں نے غور و فکر کر کے اس آیت کے دس محمل تلاش کیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے تلامذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کے لیے یہ دس محامل مہیا فرما دے۔ (آمین)

محسنین کا معنی اور مصداق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک اللہ ضرور محسنین (نیکی کرنے والوں) کے ساتھ ہے۔
محسنین کا لفظ احسان سے بنا ہے اور احسان کا مادہ حسن ہے' اور ہر اچھی اور مرغوب چیز میں حسن ہوتا ہے' اور اس کی تین قسمیں ہیں جو عقلاً حسین ہو جیسے دقائق اور معارف' قرآن اور حدیث کے نکات' عمدہ اجتہاد' کسی اعتراض کا مسکت جواب اور جو حسی طور پر حسین ہو جیسے لہلہاتے ہوئے کھیت اور مہکتے ہوئے باغات' خوب صورت چہرے اور بلند و بالا عمارتیں' اور جو نفسانی خواہش کے اعتبار سے حسین ہو جیسے کھانے پینے کی لذیذ اور مرغوب چیزیں اور شہوت کے تقاضے پورے کرنے کی اجناس' قرآن مجید میں ان چیزوں پر زیادہ تر مستحسن کا اطلاق ہے جو بصیرت کے لحاظ سے مستحسن ہوں جیسے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ. جو لوگ غور سے بات سنتے ہیں پھر جو اچھی اور مستحسن بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔ (الزمر: ۱۸)

یعنی جو بات معصیت اور اس کے شبہ سے بعید ہو اس پر عمل کرتے ہیں' حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کی کیا علامت ہے؟ فرمایا جب تمہیں اپنی نیکی سے خوشی ہو اور برائی سے غم ہو تو تم مومن ہو' اس نے پوچھا یا رسول اللہ! اور گناہ کی کیا علامت ہے فرمایا جس چیز سے تمہیں شبہ ہو اور جو تمہارے دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

اور احسان کا اطلاق دو اعتبار سے کیا جاتا ہے ایک ہے کسی شخص پر انعام کرنا' اور دوسرا قول اور فعل کا عمدہ ہونا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ. (النحل: ۹۰) بے شک اللہ عدل کرنے اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کا درجہ عدل سے زیادہ ہے' عدل یہ ہے کہ کسی کا حق ادا کر دیا جائے اور اپنا حق وصول کر لیا جائے اور احسان یہ ہے کہ حق سے زائد دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے' عدل کرنا واجب ہے اور احسان کرنا مستحب ہے' اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو ادا کرنا عدل ہے اور فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور نوافل کو ادا کرنا احسان ہے اور فرائض اور واجبات کو عمدگی سے ادا کرنے والے اور ان کے علاوہ سنن اور نوافل کو بھی عمدگی سے ادا کرنے والے محسنین ہیں۔
(المفردات ج ۱ ص ۱۵۶-۱۵۵ ملخصاً موضحاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰-۹-۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴)

اس حدیث کے اعتبار سے محسنین وہ ہیں جو حسن الوہیت کی تجلیات میں اس طرح ڈوب کر نماز پڑھتے ہیں گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہے ہیں جیسا کہ ایک انصاری صحابی نماز پڑھ رہے تھے' نماز میں ایک کافر نے ان پر تاک کر تیر مارے' خون بہتا رہا اور وہ نماز میں منہمک رہے' ان کو پتا بھی نہ چلا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸) امام بخاری کو نماز میں بھڑ نے ستر ڈنک لگائے اور نماز سے ان کی توجہ نہ ہٹی (ہدی الساری ص ۶۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام اعظم نماز پڑھ رہے تھے' مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا' لوگ نکل کر بھاگے اور وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے (تفسیر کبیر' ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی) اسی طرح غوث اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ وعظ فرما رہے تھے' سانپ چھت سے گرا اور آپ کے جسم پر رینگنے لگا اس کی دہشت سے سب اہل مجلس بھاگ گئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اطمینان وسکون میں کوئی فرق نہیں آیا (قلائد الجواہر ص ۲۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر) یہ کامل درجہ کے محسنین ہیں' اور عام محسنین وہ ہیں جو نماز کم از کم اس یقین سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے' اور جب مجرم کو علم ہو کہ وہ حاکم کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ اس کے جلال اور ہیبت سے کس قدر لرزہ براندام ہوگا اور خوف سے کانپ رہا ہوگا اسی طرح اللہ سے ڈرتے ہوئے وہ خضوع اور خشوع سے نماز پڑھے تو یہ عام محسنین کا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ احسان کا معنی ہے اخلاص' یعنی محسنین وہ ہیں جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں وہ صرف اس نیت سے عبادت کریں کہ وہ صرف اللہ عزوجل کے حکم پر عمل کر رہے ہیں اور ان کا مطلوب اور ان کی غرض صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

احسان کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی بھی عبادت کو اس کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ بجا لانا اور اس عبادت میں کسی طور سے بھی کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ عمل نہ آنے دینا' اس لحاظ سے محسنین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ان کی شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کریں اور کسی طور سے بھی ان میں مکروہ پہلو نہ آنے دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ محسنین وہ ہیں (۱) جو اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن' مستحبات اور نوافل کو بھی ادا کریں (۲) جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو عمدگی سے ادا کریں (۳) جو حسن الوہیت میں ڈوب کر عبادت کریں (۴) جو بہت ادب' احترام' خضوع' خشوع اور خوف خدا سے لرزتے ہوئے اس کی عبادت کریں (۵) جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (۶) جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ان کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کریں اور ان میں کوئی مکروہ عمل نہ آنے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ محسنین کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے وہ دنیا میں ان کی نصرت اور اعانت فرماتا ہے اور ان کو دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے' اور آخرت میں ان کی مغفرت فرمائے گا' ان کو اپنے فضل سے اجر و ثواب' جنت' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائے گا۔

سورۃ العنکبوت کا اختتام

آج بہ روز جمعرات مورخہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء بعد نماز فجر سورۃ العنکبوت کی تفسیر مکمل ہوگئی فالحمد للہ رب العلمین' ۲۳ جون ۲۰۰۲ کو اس سورت کی تفسیر کی ابتدا کی تھی' اس طرح چھبیس دنوں میں اس کی تفسیر اختتام کو پہنچ گئی۔

الٰہ العلمین! اس تفسیر کے لکھنے میں مجھ سے جو کوئی لغزش اور کوتاہی ہوگئی ہو اس کو معاف فرمانا اور اس کی اصلاح کی توفیق دینا' اور آئندہ کے لیے سہو اور نسیان سے محفوظ رکھنا' موافقین کے لیے اس کو استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دینا اور محض اپنے فضل سے اس کو قبول فرمالینا' جس طرح محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی محض اپنے فضل سے مکمل کرا دینا' تا حیات اسلام پر قائم رکھنا' عزت اور کرامت سے ایمان پر خاتمہ فرمانا' سکرات موت کو آسان فرمانا' مرنے سے پہلے اپنے حبیب اور میرے مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شاد کام کرنا اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمانا' دنیا اور آخرت کی ہر بلاء اور ہر عذاب سے محفوظ رکھنا اور دارین کی سعادتوں سے نوازنا' جنت الفردوس' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمانا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ نبیک سیدنا محمد خاتم النبیین ' قائد المرسلین ' شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین وعلی اصحابہ الراشدین وعلی ازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین.

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

(۳۰)

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ

(۳۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الرّوم

سورت کا نام

اس سورت کا نام الرّوم ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے عہد میں اس سورت کا یہی نام تھا' اور یہ نام اس سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے:

الٓمٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ (الروم: ۳۔۱) الف' لام' میم ○ رومی مغلوب ہو چکے ہیں ○ قریب کی سر زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہو جائیں گے۔

اس سورت کا نام روم اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کے شروع میں یہ خبر دی گئی ہے کہ رومی مجوسیوں سے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سالوں میں مجوسیوں پر غالب آ جائیں گے' اور یہ قرآن مجید کے عظیم معجزات میں سے ہے کہ اس نے رومیوں کی فتح کی پہلے سے پیش گوئی کر دی تھی' جب کہ ظاہر حالات کے اعتبار سے رومیوں کا مجوسیوں پر غالب آنا بہت مشکل اور مستبعد تھا' اور پھر وہی ہوا جس کی قرآن مجید نے پیش گوئی کی تھی اور یہ اسلام کی صداقت پر بہت قوی دلیل ہو گئی۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور جس طرح بالعموم مکی سورتوں کا موضوع عقائد اسلام کا بیان ہوتا ہے اس سورت کا موضوع بھی توحید' رسالت' حیات بعد الموت' قیامت اور جزاء اور سزا پر دلائل قائم کرنا ہے۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۰ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۴ ہے یہ سورت الانشقاق کے بعد اور العنکبوت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

مشہور روایت کے مطابق رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد ساتویں سال میں ہی رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے' اسی سال ۲ھ میں مسلمانوں نے جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے خلاف فتح حاصل کی تھی' اور بعض روایات کے مطابق صلح حدیبیہ کے دن ۶ھ میں رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد نویں سال میں رومیوں نے ایرانیوں کے خلاف فتح حاصل کی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۵۔۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الرّوم کے متعلق احادیث

امام ابن الضریس' امام النحاس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ روم مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بزار نے اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورت روم پڑھی۔

امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور امام احمد اور ابن القانع نے ابو روح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورت روم پڑھی' اور اس کے پڑھنے میں آپ کو کچھ تردد ہوا' نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا جو لوگ اچھی طرح وضو کیے بغیر نماز پڑھنے آتے ہیں ان کی وجہ سے ہمیں نماز میں اشتباہ ہو جاتا ہے' جو شخص نماز پڑھنے آئے تو وہ اچھی طرح وضو کر کے آئے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الرّوم کی سورۃ العنکبوت سے مناسبت

(۱) سورۃ العنکبوت اور سورۃ الرّوم دونوں کو الٓمّٓ سے شروع کیا گیا ہے اور ان حروف مقطعات کے بعد ان دونوں سورتوں میں قرآن' کتاب اور تنزیل کا ذکر نہیں کیا گیا' ورنہ سورت القلم کے علاوہ ہر سورت میں حروف مقطعات کے بعد قرآن' کتاب اور تنزیل میں سے کسی ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) سورۃ العنکبوت کا اختتام جہاد کے ذکر پر ہوا ہے والذین جاھدوا فینا' اور سورۃ الرّوم کی ابتداء غلبہ اور نصرت کے ذکر سے کی گئی ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) سورۃ العنکبوت میں اجمالی طور پر توحید پر دلائل بیان کیے گئے تھے اور اس سورت میں توحید پر دلائل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الرّوم کے مشمولات

(۱) سورت الرّوم کو غیب کی خبر اور قرآن مجید کی پیش گوئی سے شروع کیا گیا ہے کہ رومی' ایرانیوں سے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے' یہ پیش گوئی پوری ہوگئی اور یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت پر زبردست دلیل ہے۔

(۲) پھر الرّوم: ۹۔۸ میں توحید پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۳) اس کے بعد الرّوم ۱۲۔۱۱ میں قیامت' حیات بعد الموت اور حشر و نشر پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۵) یہ بتایا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے جو شخص اسلام پر قائم رہے گا وہ فطرت پر قائم رہے گا اور جو شخص اسلام سے انحراف کرے گا وہ فطرت سے انحراف کرے گا۔

(۶) ان نیک خصال کا بیان فرمایا ہے جن کی اسلام دعوت دیتا ہے اور ان بری خصال کا ذکر فرمایا ہے جو مشرکین کا خواص ہیں۔

(۷) بعث بعد الموت کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

سورۃ الرّوم کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں' الٰہ العلمین! اے رب کریم! مجھے ان امور پر مطلع فرمانا جو حق اور صواب ہوں اور ان ہی کو لکھوانا' اور جو امور غلط اور باطل ہیں ان کے بطلان کو مجھ پر منکشف کرنا اور ان کا مجھ سے رد کرا دینا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ نبیک سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین'

قائد الغر المحجلين وعلى اصحابه الراشدين وعلى آله الطيبين وعلى ازواجه امهات المومنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته اجمعين.

غلام رسول سعیدی
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۔ ۳۸
۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ/ ۱۹ جولائی ۲۰۰۲ء
فون: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

آیاتها ۶۰ رکوعاتها ۶ — بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — سورة الروم مکیة ۳۰ / ۸۴

سورۃ الروم مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ اس میں ساٹھ آیات' چھ رکوع ہیں

الٓمٓ ۝١ غُلِبَتِ ٱلرُّومُ ۝٢ فِيٓ أَدۡنَى ٱلۡأَرۡضِ وَهُم مِّنۢ بَعۡدِ

الف لام میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ○ قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد

غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُونَ ۝٣ فِي بِضۡعِ سِنِينَۗ لِلَّهِ ٱلۡأَمۡرُ مِن

عنقریب دوبارہ غالب ہوں گے ○ چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی

قَبۡلُ وَمِنۢ بَعۡدُۚ وَيَوۡمَئِذٖ يَفۡرَحُ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ۝٤ بِنَصۡرِ ٱللَّهِۚ

کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○ اللہ کی مدد سے'

يَنصُرُ مَن يَشَآءُۖ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ۝٥ وَعۡدَ ٱللَّهِۖ لَا يُخۡلِفُ

وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے

ٱللَّهُ وَعۡدَهُۥ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ ۝٦ يَعۡلَمُونَ

وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ ظاہری دنیاوی

ظَٰهِرٗا مِّنَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ ٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ غَٰفِلُونَ ۝٧

زندگی کا علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں ○

أَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُواْ فِيٓ أَنفُسِهِمۗ مَّا خَلَقَ ٱللَّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ

کیا وہ اپنے نفسوں میں (اس پر) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو

وَمَا بَيۡنَهُمَآ إِلَّا بِٱلۡحَقِّ وَأَجَلٖ مُّسَمّٗىۗ وَإِنَّ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلنَّاسِ

اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ اور مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے' اور بے شک اکثر لوگ

بِلِقَآيِٕ رَبِّهِمۡ لَكَٰفِرُونَ ۝٨ أَوَلَمۡ يَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَيَنظُرُواْ

اپنے رب سے ملاقات کے ضرور منکر ہیں ○ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے

وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ

اور انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا' اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' تو اللہ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود

يَظْلِمُوْنَ ۝۹ۭ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ۧ

وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم ○ رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہو گئے ○ قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے ○ چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے ○ اللہ کی مدد سے' وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ ظاہری دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں ○ (الروم: ۷۔۱)

رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کی پیش گوئی کی احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الروم: ۳۰ کی تفسیر میں فرمایا: مشرکین یہ پسند کرتے تھے کہ اہل فارس (ایرانی جو کہ آتش پرست تھے) اہل روم (عیسائی جو کہ الوہیت' رسالت اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے تھے) پر غلبہ پالیں' کیونکہ مشرکین اور ایرانی دونوں بت پرست تھے' اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ رومی' ایرانیوں پر غالب آجائیں کیونکہ مسلمان اور رومی دونوں اہل کتاب تھے' مسلمانوں نے اس بات کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا' حضرت ابوبکر نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا عنقریب رومی غالب آجائیں گے' حضرت ابوبکر نے اس بات کا مشرکین سے ذکر کیا' مشرکین نے کہا آپ ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کر لیں' اگر ہم غالب ہو گئے تو ہمیں اتنی اور اتنی چیزیں مل جائیں گی اور اگر تم غالب ہو گئے تو تمہیں اتنی اور اتنی چیزیں مل جائیں گی' حضرت ابوبکر نے پانچ سال کی مدت مقرر کر لی' اور پانچ سال میں

رومی ایرانیوں پر غلبہ نہ پاسکے' حضرت ابوبکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا تم نے اتنی کم مدت کیوں مقرر کی! (قرآن مجید نے فرمایا وہ بضع سنین میں غلبہ پائیں گے اور بضع سنین کا اطلاق تین سے نو سال تک پر ہوتا ہے)' پھر اس کے بعد رومی غلبہ پا گئے۔ سفیان نے کہا میں نے سنا ہے کہ غزوہ بدر کے دن رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ پایا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۷۶' التاریخ الکبیر للبخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۳۷۷' المستدرک ج ۲ص ۴۱۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۳۳۱۔۳۳۰)

نیار بن مکرم الاسلمی روایت کرتے ہیں جس زمانہ میں سورۃ الروم کی ابتدائی چار آیات نازل ہوئیں' اس زمانہ میں ایرانی رومیوں پر غالب تھے' اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں پر رومیوں کا تسلط اور غلبہ ہو' کیونکہ مسلمان اور رومی دونوں اہل کتاب تھے اور اسی کے متعلق یہ آیت ہے: اس دن مومنین خوش ہوں گے O اللہ کی مدد سے' وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے' اور وہ بہت غالب' بے حد مدد فرمانے والا ہے O (الروم: ۵۔۴) اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں کا رومیوں پر غلبہ ہو' کیونکہ قریش اور ایرانی دونوں آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے' اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان رکھتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا تو صبح کو حضرت ابوبکر مکہ کے اطراف میں گئے اور بلند آواز سے سورۃ الروم کی ابتدائی چار آیتیں پڑھنے لگے' قریش کے لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا یہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے' تمہارے پیغمبر کا دعویٰ ہے کہ عنقریب رومی بضع سنین (چند سالوں) میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے' کیا ہم اس کے اوپر شرط نہ باندھ لیں' حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں! اور یہ شرط باندھنے اور جواء کھیلنے کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ تھا' پس حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط باندھی اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے کہا بضع سنین کا اطلاق تین سال سے نو سال تک پر ہوتا ہے تم اس کی ایک متوسط مدت کو اختیار کرلو کہ اتنے سال میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوں گے' پھر انہوں نے چھ سال مدت مقرر کرلی' پھر چھ سال گزر گئے اور رومی غالب نہ آئے' تو مشرکین نے حضرت ابوبکر کی شرط جیت لی' پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہوگئے' اور مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کی مذمت کی کہ انہوں نے چھ سال کیوں مقرر کیے' اللہ تعالیٰ نے تو بضع سنین میں رومیوں کے غلبہ کی خبر دی تھی اور اس کا اطلاق نو سال تک پر ہوتا ہے اس موقع پر بہت لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۷۔۱۶۶' الاسماء والصفات للبیہقی ج ۱ص ۳۷۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ روم اور فارس (ایران) نے قریب کی سرزمین میں ایک دوسرے سے قتال کیا (قریب کی سرزمین سے مراد شام اور اس کے اطراف کے علاقہ یعنی اردن اور فلسطین وغیرہ مراد ہیں جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی) رومی مغلوب ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں یہ خبر پہنچی تو ان پر یہ خبر بہت شاق گزری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ایران کے ان پڑھ مجوسی روم کے اہل کتاب پر غالب ہوں اور مکہ کے کافروں نے اس خبر سے بہت خوشیاں منائیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے کہا' تم بھی اہل کتاب ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں اور ہم امی اور ان پڑھ ہیں' اور ایران کے ہمارے مجوسی بھائی تمہارے اہل کتاب بھائیوں پر غلبہ پاگئے ہیں' اور بے شک اگر تم ہم سے قتال کرو گے تو ہم بھی تم پر غلبہ پالیں گے' تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں: الف لام میم O رومی (ایرانیوں سے) مغلوب ہوگئے O قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے O چند سالوں میں' پہلے (بھی) اور بعد (بھی) حکم اللہ ہی کو زیبا ہے اور اس دن مومنین خوش ہوں گے O الایات۔ تب حضرت ابوبکر صدیق کفار کی طرف گئے اور ان سے کہا تم اس پر خوش ہو رہے ہو کہ تمہارے بھائیوں نے ہمارے بھائیوں پر غلبہ پالیا ہے' تم

خوشیاں نہ مناؤ' اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کو برقرار نہیں رکھے گا' اللہ کی قسم رومی ایرانیوں پر ضرور غلبہ پائیں گے' ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے' ابی بن خلف نے کھڑے ہو کر کہا اے ابو فضیل تم نے جھوٹ بولا۔ حضرت ابو بکر نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن تم زیادہ جھوٹے ہو' میں تم سے دس اونٹنیوں کی شرط لگاتا ہوں' تین سال کے بعد رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے' اگر رومی غالب آ گئے تو میں تم سے دس اونٹنیاں لوں گا ورنہ تم مجھے دس اونٹنیاں دینا' پھر حضرت ابو بکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس کی خبر دی' آپ نے فرمایا میں نے اس طرح ذکر نہیں کیا تھا' بضع سنین کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے تم شرط میں اونٹنیوں کی تعداد بھی بڑھا دو اور مدت میں بھی اضافہ کر دو پھر حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف سے ملاقات کی' اس نے کہا کیا اب تم اپنی شرط پر پچھتا رہے ہو' حضرت ابو بکر نے کہا نہیں' بلکہ میں شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کر رہا ہوں تم شرط سو اونٹنیوں کی باندھو اور مدت نو سال تک کر لو' ابی نے کہا میں نے کر دیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۲۲۷' معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۶۹ ۔ ۵۶۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸۹)

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹے (۶ ہجری میں) تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تھے' اور مسلمان اپنی صلح سے بھی خوش ہوئے اور اہل کتاب کے مجوسیوں پر غلبہ سے بھی خوش ہوئے۔ (ایک قول یہ ہے کہ یہ غلبہ غزوہ بدر کے دن حاصل ہوا)

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۲۲۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۶۱' الکشف والبیان للثعالبی ج ۷ ص ۳۰۶' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: الم غلبت الروم تو مشرکین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے نبی نے کیا کہا ہے' وہ کہتے ہیں کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے' حضرت ابو بکر نے کہا میرے نبی نے سچ کہا ہے' مشرکین نے کہا کیا تم اس پر شرط لگاؤ گے' پھر حضرت ابو بکر نے ایک مدت مقرر کر دی اور رومیوں کے غلبہ سے پہلے وہ مدت پوری ہو گئی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ رنجیدہ ہوئے اور حضرت ابو بکر سے پوچھا تمہیں اس شرط پر کس نے برانگیختہ کیا' انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نے' آپ نے فرمایا ان سے پھر بات کرو اور شرط اور مدت دونوں میں اضافہ کر دو' حضرت ابو بکر نے مشرکین سے بات کی اور دوبارہ شرط لگائی' ابھی وہ مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور انہوں نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے' حضرت ابو بکر اپنی جیت کی اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے' آپ نے فرمایا ان کو صدقہ کر دو' یہ سحت (حرام مال) ہے تو حضرت ابو بکر نے ان کو صدقہ کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۵۸' الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۲)

جوئے میں جیتی ہوئی رقم کو صدقہ کرنے کے حکم پر اشکال کے جوابات

ان روایات میں یہ اختلاف ہے کہ رومیوں کو یہ غلبہ غزوہ بدر کے دن ۲ ھ میں حاصل ہوا تھا یا حدیبیہ کے دن ۶ ھ میں حاصل ہوا تھا' بہر حال یہ دونوں مسلمانوں کی فتح اور کامرانی کے دن تھے' بعض مفسرین نے غزوہ بدر کے دن کی روایت کو ترجیح دی ہے اور اکثر مفسرین نے حدیبیہ کے دن کو ترجیح دی ہے۔ قاضی بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

حدیبیہ کے دن رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا اور حضرت ابو بکر نے ابی بن خلف کے وارثوں سے اپنی شرط کی جیت کو وصول کر لیا اور ان اونٹنیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ نے فرمایا ان کو صدقہ کر دو' اور اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ دار الحرب میں فاسد معاملات منعقد ہو جاتے ہیں اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ جوئے کو حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے اور یہ آیت آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے' کیونکہ اس میں غیب کی خبر ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۱۷۱' ۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر چہ یہ واقعہ جوئے کو حرام قرار دینے کے بعد کا ہے لیکن یہ واقعہ مکہ میں ہوا ہے اور فتح مکہ سے پہلے مکہ دارالحرب تھا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دارالحرب میں عقودِ فاسدہ جائز ہیں جیسا کہ ان کے نزدیک دارالحرب میں حدود ساقط ہو جاتی ہیں' اور حدیث میں جو جیتی ہوئی شرط کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کا بعض احادیث میں ذکر نہیں ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ سحت (مال حرام) کو صدقہ کرنے کی کیا دلیل ہے اور جس چیز کا انسان مالک نہیں ہے اس کو صدقہ کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مال حرام کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے' اور بعض علماء نے اس کو جائز کہا ہے اور اس میں بحث ہے کیونکہ کسی حرام مال کے مالک کا علم ہو تو وہ مال اصل مالک کو لوٹا دینا چاہیے سو یہ مال ابی بن خلف کے وارثوں کو لوٹا دینا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے آپ نے کسی اور مصلحت کی وجہ سے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہو' اگر یہ کہا جائے کہ یہ حربی کا مال ہے اور اس کا مال مباح ہوتا ہے حرام نہیں ہوتا' لہٰذا یہ مال حرام کا صدقہ نہیں ہوگا۔ اور ہمارے مذہب میں جب تک مال حرام دوسرے کے مال سے مخلوط نہ ہو جائے اس کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے' اس کا جواب ہے کہ یہاں صدقہ کرنے کے حکم سے مقصود یہ ہے کہ مال حرام کو اپنے پاس رکھنے سے بری ہوا جائے۔ (حاشیۃ الخفاجی علی البیضاوی ج ۷ ص ۲۷۳' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط میں جیتی ہوئی اونٹنیوں کے متعلق فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کر دو' اس پر یہ اشکال ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور خمر اور جوئے کو حرام قرار دینے کی آیت قرآن مجید کے آخر میں نازل ہوئی ہے تو اس کو حرام فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر جوئے کو حرام قرار دینے کے بعد آپ نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو جب اس کے مالک (ابی بن خلف کے ورثاء) معلوم تھے اور موجود تھے اور ایسی صورت میں مال اصل مالک کو لوٹا دیا جاتا ہے تو پھر صدقہ کرنے کے حکم کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کے متعلق فرمایا یہ سحت ہے اور اس حدیث میں سحت کا معنی مال حرام نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے وہ مال جو عار کا باعث ہو اور مروت اور نیک نامی میں نقص اور خلل کا سبب ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا فصد لگانے کا کسب سحت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ کسب حلال نہیں ہے' اسی طرح آپ کا مطلب یہ تھا کہ جوئے میں جیتا ہوا مال ہر چند کہ حلال ہے کیونکہ اس کا عقد دارالحرب میں ہوا ہے' اور یہ جوئے کی تحریم سے پہلے کا عقد ہے لیکن ابوبکر کی نیک نامی اور ان کی شرافت کی جو شہرت ہے اس کے یہ منافی ہے کہ وہ جوئے میں جیتا ہوا مال اپنے پاس رکھیں۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

زیر تفسیر آیات کے مسائل اور فوائد

علامہ منصور بن محمد التمیمی المروزی السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے ہجرت کرنے کا قصد کیا تو ان کے پاس ابی بن خلف آیا' اور ان سے کہا کہ آپ اپنی اونٹنیوں پر کفیل فراہم کریں' تو حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبد الرحمٰن بن ابوبکر کو کفیل اور ضامن مقرر کیا' پھر جب ابی بن خلف جنگ احد میں لڑنے گیا تو عبد الرحمٰن بن ابوبکر نے اس سے کفیل کو طلب کیا تو ابی بن خلف نے اپنے بیٹے کو اونٹنیاں ادا کرنے کا ضامن بنایا پھر جب رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے تو حضرت ابوبکر نے وہ اونٹنیاں لے لیں۔

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس غیب کی خبر دی جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور بعد میں آپ کی خبر اور پیش گوئی کے مطابق پیش آیا۔ (تفسیر السمعانی ج ۴ ص ۱۹۷' مطبوعہ دار الوطن ریاض' ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی ان آیات سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے:

(۱) یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل اور آپ کا معجزہ ہیں' کیونکہ ان آیات میں مستقبل کی ان خبروں کو بیان فرمایا جن کو علام الغیوب کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے باطل کے ذریعہ مال کھانے کو حرام کر دیا ہے' اور ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ جوا ہے۔ جوا اس عقد کو کہتے ہیں جس میں کسی ایک فریق کو معین نفع اور دوسرے فریق کو معین نقصان لازم ہو مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہے اگر فلاں کام اس طرح ہو گیا تو تم مجھے سو روپے دو گے ورنہ میں تم کو دو سو روپے دوں گا' یہ ابتداء اسلام میں مروج تھا جیسا کہ اور کئی احکام حلال اور حرام کے بیان سے پہلے مروج تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل میں آیات نازل فرما دیں' اب صرف یہ جائز ہے کہ ایک شخص گھوڑے سواروں کا مقابلہ کرائے اور آگے نکلنے والے کے لیے کوئی انعام مقرر کر دے تاکہ مسلمانوں کو شہسواری کی مشق ہو' لیکن گھوڑے سواروں کا باہم شرط لگا کر مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ لوگ از خود اس شرط پر رقم لگائیں کہ فلاں گھوڑا آگے نکلے گا۔

(۳) ان آیات میں فرمایا ہے اس دن مومنین خوش ہوں گے' اللہ کی مدد سے' اگر مسلمان مشرکوں کے خلاف کامیابی پر خوش ہوں تو یہ بالکل ظاہر ہے' کیونکہ اس میں اسلام کی سربلندی اور دین کا غلبہ ہے' لیکن رومیوں کی کامیابی پر مسلمان اس وجہ سے خوش ہوئے تھے کہ رومی اہل کتاب تھے اور وہ بہر حال نبوت کے قائل تھے' اور ان کو اس قوم کے خلاف غلبہ حاصل ہوا تھا جو آسمانی کتاب اور نبوت کی منکر تھی اور چونکہ مسلمانوں اور رومیوں میں یہ قدر مشترک تھی اس وجہ سے مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے تھے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ ص ۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم نے لکھا ہے کہ قدیم مفسرین میں سے زیادہ تر کی رائے یہ ہے کہ رومی صلح حدیبیہ کے دن ۶ ہجری کو ایران پر غالب ہوئے لیکن بعض متاخرین نے لکھا ہے کہ ایرانیوں پر رومیوں کی فتح اور جنگ بدر میں مشرکین پر مسلمانوں کی فتح کا زمانہ ایک ہی تھا' اس لیے مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی' یہی بات ایران اور روم کی تاریخوں سے بھی ثابت ہے ۶۲۴ء ہی وہ سال ہے جس میں جنگ بدر ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں قیصر روم نے زرتشت کا مولد تباہ کیا اور ایران کے سب سے بڑے آتش کدہ کو مسمار کر دیا۔

اللہ کے وعد اور وعید کا معنی اور ان کی خلاف ورزی کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کا وعدہ ہے' اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الروم: ۶)

وعد کا معنی ہے کسی مفید اور نافع کام کی اس کے وقوع سے پہلے خبر دینا اور وعید کا معنی ہے کسی مضر اور ہلاکت خیز کام کی اس کے وقوع سے پہلے خبر دینا۔ یہ صرف رومیوں کی فتح کی خبر میں منحصر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے امور میں سے جس چیز کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور جس چیز کے وقوع کی خبر دی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرتا' کیونکہ کسی چیز کا خبر کے خلاف واقع ہونا کذب ہے اور اللہ سبحانہ پر کذب محال ہے۔

وعدہ کی خلاف ورزی کرنا بالاتفاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ کسی شخص سے انعام کا وعدہ کرنا اور پھر اس کو انعام نہ دینا باعث ملامت ہے اور نقص اور عیب ہے سو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے کہ وہ کسی شخص سے انعام اور اکرام یا اجر وثواب کا وعدہ فرمائے اور اس کو اجر وثواب نہ دے۔ اور وعید کے خلاف کرنے کو کرم اور رحم سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کہے اگر تم نے چوری کی تو میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا' پھر جب وہ چوری کرے تو وہ شخص اس کو معاف کر دے اور اس کو سزا نہ دے تو اس کو کرم اور رحم کہا جاتا ہے اور یہ باعث ملامت نہیں ہے بلکہ لائق تحسین ہے' سو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو کفر اور شرک پر جس دائمی عذاب اور سزا کی خبر دی ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے' لیکن گنہ گار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جس سزا کی خبر دی ہے ان میں سے اللہ تعالیٰ بعض گناہگار مسلمانوں کو معاف کر دے گا اور ان کو سزا نہیں دے گا اور یہ اس کا کرم ہوگا' اور گنہ گار مسلمانوں کو اس کا سزا نہ دینا اس کی وعید کی صرف ظاہری اور صوری خلاف ورزی ہے حقیقی خلاف ورزی نہیں ہے' کیونکہ جو بھی وعید کی آیتیں ہیں ان میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں چاہوں یا اگر میں معاف نہ کروں (تو سزا دوں گا) مثلاً سود کھانے پر زکوٰۃ نہ دینے پر' نماز نہ پڑھنے پر اور جھوٹ بولنے پر قرآن مجید میں وعید کی آیات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کاموں پر سزا کی خبر سنائی ہے مگر ان تمام سزاؤں میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر میں چاہوں (تو یہ سزا دوں گا) یا اگر میں معاف نہ کروں (تو یہ سزا دوں گا) اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جن گنہ گار مسلمانوں کو معاف کر دے گا وہ اس کی وعید کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور اس کو کذب یا جھوٹ نہیں کہا جائے گا' اور یہ قید اس لیے ملحوظ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ آیت ہے یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء المائدہ: ۱۸ وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور متعدد آیات میں مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور کتنی ہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کتنی ہی آیات میں فرمایا ہے کہ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' بے شک وہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

سو اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کی سزا کو معاف نہ فرمائے تو ایسی تمام آیات کا خلاف لازم آئے گا' اس لیے مسلمانوں کی وعید کی تمام آیات میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اگر اللہ معاف نہ فرمائے یا اگر اللہ ان کو سزا دینا چاہے تو ان کو سزا ملے گی ورنہ نہیں' اور اس قید کو صراحۃً ذکر نہیں فرمایا تا کہ مسلمان معصیت کے ارتکاب پر دلیر نہ ہو جائیں' اور جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو معاف فرمائے گا تو یہ ظاہری اور صوری طور پر آیات وعید کے خلاف ہوگا حقیقی طور پر آیات وعید کی خلاف ورزی نہیں ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کی آیات وعید کی بہ ظاہر خلاف ورزی ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کی آیات وعید کی مطلقاً خلاف ورزی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کو مطلقاً معاف نہیں فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے وعد کی خلاف ورزی کرنا مطلقاً محال ہے اور گناہ گار مسلمانوں کی آیات وعید کی ظاہری اور صوری طور

پر مخالفت فرمائے گا اور اس کی حقیقی خلاف ورزی کرنا محال ہے' اور کفار کی جو آیات وعید ہیں ان کی خلاف ورزی مطلقاً محال ہے۔

دنیا دار لوگوں اور دین دار لوگوں کی سوچ اور فکر کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ظاہری دنیاوی زندگی کا علم رکھتے ہیں' اور وہ آخرت سے وہی غافل ہیں O (الروم: ۷)

یعنی اکثر لوگ کفار ہیں اور ان کو صرف دنیا کا علم ہے اور ان کو دنیا کا علم بھی کامل نہیں ہے' ان کو دنیا کا علم صرف ظاہری ہے' وہ دنیا کی رنگینیوں' اس کی زیبائشوں' اس کی لذتوں اور دنیا میں کھیل کود کی انواع اور تجارت اور حصول آمدنی کے ذرائع اور عیش وعشرت کی اقسام کا علم رکھتے ہیں اور وہ دنیا کے باطن کو نہیں جانتے' دنیا میں مستغرق ہونے کے ضرر کو اور دنیاوی عیش و عشرت' شکوہ اور سلطنت کے وبال کو نہیں جانتے وہ دنیا کی فنا سے غافل ہیں اور اس وجہ سے وہ آخرت اور قیامت اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کے بھی منکر ہیں۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ دنیا داروں میں سے لوگوں کو کوئی سکہ دیا جائے تو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا ہے اور اس میں کوئی خطا نہیں کرتے۔

ضحاک نے کہا دنیا دار اپنے محلات (بنگلوں اور کوٹھیوں) کے بنانے کے طریقوں کو' نہریں نکالنے کو اور فصلوں اور باغات اگانے اور ان کی کاشت کے طریقوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اکثر لوگ نہیں جانتے اس کا محمل ہے وہ امور دین کو نہیں جانتے اور اس آیت میں فرمایا ہے وہ جانتے ہیں اور اس کا محمل بیان فرمادیا ہے' وہ ظاہری دنیاوی امور کو جانتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا اور یہی لوگ غافل ہیں یعنی یہ لوگ دنیا کے ظاہری امور میں اس قدر زیادہ مستغرق اور منہمک رہتے ہیں کہ انہیں قیامت کا' مرنے کے بعد اٹھنے کا اور آخرت کا اور جزاء اور سزا کا کوئی خیال نہیں آتا' اور یہ تو حیوانوں کی زندگی ہے جو صرف دنیا کی ظاہری چیزوں میں مشغول رہتے ہیں اور انہیں آخرت کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔

دنیا دار لوگ صرف ظاہری چیزوں اور ظاہری کاموں میں مشغول رہتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کے اسرار منکشف نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر اللہ عزوجل کے دیدار اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت انہیں دنیا کے معاملات اور دنیا کے کاموں کی تدبیر اور اس کے حصول کے منصوبوں اور طریقوں سے غافل کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ اپنے نفسوں میں (اس پر) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ ہی مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے' اور بے شک اکثر لوگ اپنے رب سے ملاقات کے ضرور منکر ہیں O کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا پس وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے' انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے' تو اللہ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے O (الروم: ۱۰۔۸)

انسان کے اپنے نفس اور خارجی کائنات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے الروم: ۸ میں توحید اور حشر پر دلیل قائم کی ہے' اور یہ دلیل دو اعتبار سے قائم کی ہے ایک انسان کے اپنے نفس کے اعتبار سے اور دوسری دلیل خارج کے اعتبار سے قائم فرمائی ہے' انسان کے اپنے نفس میں اور اس کے جسم کے اندر ایسے شواہد موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید اور حشر پر دلالت کرتے ہیں۔ انسان اپنے جسم کے اندر غور کرے' اس

کے جسم میں معدہ ہے' معدہ کے اوپر ایک منفذ ہے اور معدہ کے نیچے بھی ایک منفذ ہے' اوپر والے منفذ سے غذا معدہ کے اندر داخل ہوتی ہے' اور اس وقت نیچے والے منفذ کا منہ بند ہو جاتا ہے' پھر جب غذا معدہ میں حاصل ہو جاتی ہے تو معدہ اس میں ہضم کا عمل کرتا ہے اور غذا کو پیستا ہے' اور اس کا جوہر مصفی جگر کی طرف روانہ کر دیتا ہے اور جو تلچھٹ اور فضلہ رہ جاتا ہے وہ نچلے منفذ سے بڑی آنت کی طرف روانہ کر دیتا ہے' پھر جگر میں اس کا دوسرا ہضم ہوتا ہے' جگر اس غذا کے جوہر مصفی کو خون کی شکل میں منتقل کرتا ہے اور اس کے تلچھٹ کو گردوں کی طرف روانہ کرتا ہے جس میں کچھ خون بھی ہوتا ہے اور خون کو بڑی رگوں کی طرف روانہ کرتا ہے' پھر گردے عمل کرتے ہیں اور خون کو باریک رگوں کی طرف بھیجتے ہیں اور خالص پانی کو مثانہ کی طرف روانہ کر دیتے ہیں' معدہ کے منہ پر ایک غدود بنا ہوا ہے جس کو لبلبہ کہتے ہیں اس سے ایک سیال مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جس کو انسولین کہتے ہیں خون میں جو ضرورت سے زیادہ شکر ہوتی ہے وہ اس سیال مادہ سے جل جاتی ہے' اگر لبلبہ کمزور ہو تو یہ سیال مادہ کم مقدار میں خارج ہوتا ہے اور خون میں شکر کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے اور اس سے ذیابیطس کا مرض ہو جاتا ہے۔

تمام انسانوں کے جسموں میں یہ واحد نظام ہے جو غذا کو خون اور گلوکوز کی شکل میں تبدیل کرتا ہے' اور اسی خون اور گلوکوز سے انسان کی اور اس کے تمام اعضاء کی حسب ضرورت نشوونما ہوتی رہتی ہے اور اسی خون سے اس میں حرارت قائم رہتی ہے اور اس میں حرکت کرنے کی توانائی برقرار رہتی ہے' اور تمام انسانوں میں اس نظام کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا خالق بھی واحد ہے' کیونکہ اگر انسان کی بقا اور اس کی نشوونما کے خالق متعدد ہوتے تو وہ اس کی بقاء اور نشوونما کے اپنے اپنے حساب سے اسباب بناتے' لیکن جب انسان اپنے اندر دیکھتا ہے تو اس کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک اس کی بقاء اور اس کی نشوونما کا ایک ہی نظام ہے جس کے ذریعہ اس کی کھائی ہوئی غذا ہضم کے مراحل طے کر کے خون اور گلوکوز میں تبدیل ہوتی ہے اور تاحیات اس نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی ایک نظام اس کو زندہ اور متحرک رکھتا ہے تو اس سے واضح ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا بھی ایک ہے' اس کے متعدد خالق نہیں ہیں سو جب انسان اپنے اندر غور و فکر کرے تو وہ نظام واحد کے تحت جی رہا ہے اسی طرح جب وہ اپنے نفس سے خارج اور باہر دیکھے تو خارج اور باہر کی دنیا میں نظام واحد کارفرما ہے جس طرح اس کے اندر غذا کو خون بنانے کا نظام واحد ہے اسی طرح اس کے باہر اس غذا کے حصول کا نظام بھی واحد ہے' مٹی میں بیج ڈالا جاتا ہے پھر پانی' ہوا' سورج کی شعاعیں اور چاند کی کرنیں اس بیج کو غذا کی شکل میں ڈھالنے کے لیے اپنا اپنا رول ادا کرتی ہیں۔ اور اس بکھری ہوئی اور پھیلی ہوئی عظیم کائنات میں ایک نظام جاری ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا خالق بھی واحد ہے سو انسان اپنے اندر دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی توحید نظر آتی ہے اور اپنے باہر دیکھے تو اس کی توحید دکھائی دیتی ہے اسی لیے فرمایا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حم السجدہ: ۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں اس کائنات میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھائیں گے' حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ ہی برحق ہے۔

اور زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے: کیا وہ اپنے نفسوں میں اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ ہی مقرر مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے۔ (الروم: ۸)

الروم: ۸ میں پہلے انسان کے اپنے نفسوں کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور پھر کائنات کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور حم السجدہ: ۵۳ میں پہلے کائنات کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور پھر انسان کے نفسوں کے دلائل کا ذکر کیا ہے' کیونکہ انسان کا اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کو جاننا کائنات کی معرفت حاصل کرنے اور اس کو جاننے سے زیادہ قریب ہے اور سورۃ الروم' سورۃ حم السجدہ

پر ترتیب مصحف میں مقدم ہے' اس لیے قریب کی دلیل کو پہلے ذکر کیا اور بعید کی دلیل کو بعد میں ذکر کیا۔

قیامت اور حشر ونشر پر دلائل

انسان اپنے جیسے اجسام کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنی عمر طبعی پوری کر کے مر جاتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری کائنات بھی ایک دن فنا ہو جائے گی' پھر اگر انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے ان کے اعمال کا محاسبہ نہ کیا جائے اور ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کو جزاء اور سزا نہ دی جائے تو پھر لازم آئے گا کہ انسانوں کو پیدا کرنا محض عبث اور بے فائدہ تھا' اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد ان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نیک عمل کریں یا نہ کریں اور بُرے کاموں کو ترک کریں یا نہ کریں' پھر اگر وہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان سے یہ حساب نہ لے کہ انہوں نے نیک کام کیا ہے اور برے کام کو ترک کیا ہے یا نہیں تو پھر ان کو آزادی عمل کے اختیار دینے کا اور رسولوں کو نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دینے اور برے کاموں پر عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ سارا سلسلہ عبث اور رائگاں ہوگا' نیز انسانوں کو نیک عمل کرنے کی ترغیب اور برے کاموں کو ترک کرنے کی تحریک اسی وقت ہوگی جب انہیں نیک کاموں پر کسی اجر اور ثواب کی توقع ہو اور برے کاموں پر کسی گرفت اور سزا کا خطرہ ہو اور یہ اسی وقت ہوگا جب انسان کا قیامت اور حشر ونشر اور جزاء اور سزا پر ایمان ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بعض انسان دوسرے انسانوں پر ساری عمر ظلم کرتے رہتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض انسان ساری عمر ظلم سہتے رہتے ہیں اور ان کو ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی' پس اگر اس جہان کے بعد اور کوئی جہان نہ ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کی جزا ملے اور ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزاء کے رہ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہو جہاں ظالم کو سزا اور مظلوم کو جزا ملے اور یہ عالم آخرت' حشر ونشر اور جزاء اور سزا کی دلیل ہے۔

اور وقوع قیامت پر دلیل یہ ہے کہ انسان کی نیکی یا بدی کا سلسلہ اس کی موت پر ختم نہیں ہو جاتا' انسان نے نیکی کے مظاہر اور مشاعر جو بنا دیئے ہیں جب تک وہ باقی رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہے گا مثلاً ایک مسلمان نے کوئی مسجد بنا دی ہے' کوئی دینی لائبریری یا دینی مدرسہ بنا دیا ہے' کوئی ہسپتال بنا دیا ہے تو جب تک ان میں نیکی کے کام ہوتے رہیں گے اس کے اعمال نامہ میں نیکیوں کو لکھا جاتا رہے گا' اسی طرح اگر کسی انسان نے کوئی بت خانہ بنا دیا ہے' یا فحاشی کا کوئی اڈہ بنا دیا ہے تو جب تک ان میں گناہ ہوتے رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہوں کو لکھا جاتا رہے گا' اور جب تک اس کا اعمال نامہ مکمل نہیں ہو جاتا اس کو جزا اور سزا نہیں ملے گی اور جب تک اس جہان میں کسی کی نیکی یا برائی کا ایک اثر بھی باقی ہوگا اس کا اعمال نامہ مکمل نہیں ہوگا' اس لیے تمام انسانوں کے اعمال ناموں کو مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس تمام جہان کو ختم کر دیا جائے اور اس تمام جہان کو ختم کر دینا ہی قیامت ہے' اس لیے ہر مظلوم کی دادرسی اور ہر ظالم کو سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس جہان میں قیامت برپا کی جائے اور اس جہان کے بعد دوسرا جہان قائم کیا جائے۔

انبیاء کا انکار کرنے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور عذاب دوزخ کے مستحق ہوئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا' پس وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے' انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا' ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے O (الروم: ۹)

یعنی کیا اہل مکہ نے اپنی آنکھوں سے سفر کے دوران ان لوگوں کے آثار کو نہ دیکھا جو زمین میں ہل چلاتے تھے اور اہل مکہ سے زیادہ بلند عمارتیں بناتے تھے' رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے اور احکام شرعیہ لے کر آئے انہوں نے ان رسولوں کو نہیں مانا اور ان کے احکام کا انکار کیا' اور اللہ نے ایسا نہیں کیا کہ بغیر کسی رسول کو بھیجے اور بغیر دلائل قائم کیے اور ان کے کسی گناہ کے بغیر ان قوموں کو عذاب بھیج کر ہلاک کر دیتا جس کو بہ ظاہر ظلم کہا جاتا (کیونکہ حقیقت میں اگر وہ اس طرح کرتا بھی تو یہ اس کا ظلم نہ ہوتا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک ہیں) لیکن وہ لوگ شرک اور نافرمانی کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے O (الروم:۱۰)

اس آیت میں السوای فرمایا ہے یہ صیغہ فعلی کے وزن پر ہے اور اسوا کی تانیث ہے یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اسم تفضیل نہیں ہے کیونکہ اس میں عیب کا معنی ہے اور جو لفظ افعل کے وزن پر ہو اور اس میں رنگ اور عیب کا معنی ہو وہ صفت مشبہ ہوتا ہے۔ اس کا معنی برا اور قبیح ہے' جس طرح حسنیٰ' احسن کی تانیث ہے یہ معنیٰ اس کی ضد ہے' السّوء اسم مصدر ہے اس کا معنی ہے برا کام کرنا' بے جا سلوک کرنا' اور السُّوء اسم جامد ہے اس کا معنی ہے برا الرجل السّوء کا معنی ہے بدکار آدمی۔ اس آیت میں السُّوای کا معنی ہے شرک کرنا' کیونکہ وہ سب سے برا کام ہے' نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی' اللہ کی آیات سے مراد قرآن مجید ہے' یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات ہیں یا خود آپ کی ذات مقدسہ مراد ہے' کفار مکہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے' آپ کا انکار کرتے تھے اور شرک کرتے تھے اور یہ سب سے برے کام ہیں اس وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ سابقہ امتیں اپنے نبیوں کا انکار کر کے کفر کی مرتکب ہوئیں اور عذاب کی مستحق ہوئیں اور اس آیت میں بتایا ہے کہ کفار مکہ بھی ان کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر کے کفر کے مرتکب ہوئے اور دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔

اَللّٰہُ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ

اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جس دن

السَّاعَۃُ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ مِّنۡ شُرَکَآئِہِمۡ شُفَعٰٓؤُا

قیامت قائم ہو گی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے O اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے

وَ کَانُوۡا بِشُرَکَآئِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳﴾ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ

والا نہیں ہو گا اور وہ (خود) اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے O اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن لوگ منتشر

یَّتَفَرَّقُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَہُمۡ فِیۡ

ہو جائیں گے O رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو

رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ

جنت میں خوش وخرم رکھا جائے گا ○ اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات

لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ

کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا ○ پس شام

اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ

کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اور جب تم صبح کو اٹھو ○ اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

اور زمینوں میں اور پچھلے پہر اور دوپہر کو ○ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے' اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے

وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے ○ اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا اور وہ (خود) اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے ○ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ منتشر ہو جائیں گے ○ (الروم: ۱۴۔۱۱)

قیامت کے دن مشرکین کے احوال اور ابلیس کے صیغہ کی تحقیق

عکرمہ نے بیان کیا کہ کفار اس پر تعجب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتایا ہے کہ کسی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اس کو پہلی بار پیدا کرنے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۴۸۴)

دنیا میں پہلی بار اللہ تعالیٰ انسان کو نطفہ سے پیدا فرماتا ہے اور پھر آخرت میں اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا' اس کے بعد سب کو مخاطب کر کے فرمایا پھر حساب اور جزاء اور سزا کے لیے تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اس آیت میں حصر ہے یعنی تم کو کسی اور کی طرف نہیں پیش کیا جائے گا تم سب کو صرف اسی ایک احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن مجرمین مایوس ہو جائیں گے ○ (الروم: ۱۲)

اس آیت میں مایوس ہونے کے لیے "یبلس" کا لفظ ہے: علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سخت خوف کے بعد جو غم طاری ہو اس کو ابلاس کہتے ہیں' اسی سے ابلیس ماخوذ ہے' کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف بہت دلائل قائم کر دیئے جاتے ہیں تو اس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور وہ حیران اور پریشان ہو کر بھول جاتا ہے کہ اس کو کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا ایسے موقع پر کہا جاتا ہے اَبْلَسَ فلان یعنی جب وہ اپنی حجت منقطع ہونے کے بعد خاموش ہو گیا۔ (المفردات ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ راغب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ابلیس بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ابلیس منصرف ہوتا حالانکہ قرآن مجید میں ابلیس غیر منصرف ہے۔ اور اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے اور علم ہے اور اگر اس کو عربی کہا جائے اور ابلاس سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا غیر منصرف ہونا شاذ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ الآیۃ (الروم: ۱۴۔۱۲)

قیامت کے دن بت مشرکین سے بے زاری کا اظہار کریں گے اور مشرکین بتوں سے بے زاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے نہ یہ ہمارے خدا ہیں نہ یہ ہماری شفاعت کرنے والے ہیں' پھر مومنین اور کافرین الگ الگ ہو جائیں گے' جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ. (یٰس: ۵۹)　　اے مجرمو! آج (نیکوکاروں سے) الگ ہو جاؤ۔

اور یہ حالت ان کی مایوسی پر مترتب ہے گویا پہلے وہ مایوس ہوں گے' پھر ان کو نیکوکاروں سے الگ کھڑا کر کے ان سے مایوس کیا جائے گا پھر مومنوں کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' اور قیامت کا ذکر مکرر فرمایا ہے تا کہ لوگ قیامت سے ڈریں' کفار ایمان لے آئیں اور فساق برے عمل ترک کر کے نیک عمل کرنا شروع کر دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے کس طرح الگ الگ ہوں گے۔

جنت میں سماع کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا○ اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا○ (الروم: ۱۶۔۱۵)

قیامت کے دن لوگ منتشر ہوں گے یہ اجمال تھا اب اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں۔

ان کو جنت میں خوش و خرم رکھا جائے گا اس کے لیے اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: فهم فى روضة يحبرون۔

ضحاک نے کہا الروضۃ کا معنی جنت ہے یعنی باغ اور اس کی جمع ریاض ہے یعنی جنان' بعض علماء نے کہا جو باغ اونچی جگہ پر ہو' اس کو الروضۃ کہتے ہیں' اور بعض علماء نے کہا جو باغ پست زمین پر بنا ہو اس کو الروضۃ کہتے ہیں' امام قشیری نے کہا جس تالاب کے اردگرد سبزہ ہو اس کو الروضۃ کہتے ہیں۔

ضحاک نے کہا یحبرون کا معنی ہے ان کی تعظیم اور تکریم کی جائے گی اور مجاہد اور قتادہ نے کہا ان کو نعمتیں دی جائیں گی السدی نے کہا وہ خوش اور مسرور ہوں گے' اور عرب کے نزدیک الحبرہ کے معنی فرح اور خوشی ہے' اسی طرح جوہری نے بھی کہا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا وہ جنت میں سماع کریں گے' یعنی گانے کی آوازیں سنیں گے' اور جنت کے ہر درخت سے تسبیح اور تقدیس کے غنا کی آوازیں سنائی دیں گی' امام اوزاعی نے کہا اللہ کی مخلوق میں حضرت اسرافیل سے زیادہ کسی کی حسین آواز نہیں ہے' اور جب وہ غنا شروع کرتے ہیں تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی تسبیح اور نماز منقطع ہو جاتی ہے اور جنت کا ہر درخت ان کے غنا کو دہراتا ہے اور جنت کی حوریں بھی نغمہ سرا ہوتی ہے اور مزامیر بجاتی ہیں اور پرندے بھی خوش الحانی سے گاتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی کرتا ہے اس نغمہ کو دہراؤ اور میرے ان بندوں کو سناؤ جنہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو مزامیر شیطان سے محفوظ رکھا تھا' تو وہ خوش الحانی اور روحانی آوازوں کے ساتھ نغمہ سرا ہوں گے اور حوروں اور فرشتوں کی آوازیں مل کر ایک ہو جائیں گی' پھر اللہ تعالیٰ حضرت داؤد سے فرمائے گا کہ آپ عرش کے پائے کے پاس کھڑے ہو کر میری تمجید کریں اور وہ نہایت خوش گوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمجید کریں گے جس سے سننے والوں کی لذت دوبالا ہو جائے گی۔

(التذکرہ فی احوال الموتی' وامور الآخرۃ ج ۲ ص ۳۱۶۔۳۱۵' دار البخاری المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۷ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۳' دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ' علامہ قرطبی نے اس روایت کو حکیم ترمذی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کا حال ہمیں معلوم نہیں)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشا پوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں' ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان میں اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند اور افضل درجہ ہے' اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور قیامت کے دن اسی پر عرش رکھا جائے گا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۱' المستدرک ج ۱ ص ۸۰) یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! مجھے اچھی آوازیں پسند ہیں' کیا جنت میں اچھی آوازیں ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں ایک درخت کی طرف وحی فرمائے گا! میرے وہ بندے جو میری عبادت اور میرے ذکر کی وجہ سے سارنگیوں اور مزامیر کو نہیں سنتے تھے ان کو سناؤ' پھر وہ درخت بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں اتنی خوش آوازی سے نغمہ سرا ہو گا کہ مخلوق نے اس طرح کا نغمہ اس سے پہلے نہیں سنا ہو گا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے' آپ نے جنت کا ذکر کیا اور جنت میں جو حوریں ہیں اور دوسری نعمتیں ہیں ان کا ذکر کیا' ایک اعرابی لوگوں میں سب سے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' اس نے گھٹنے کے بل کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا جنت میں سماع ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اے اعرابی جنت میں ایک دریا ہے اس کے دونوں کناروں پر خوب صورت لڑکیاں ہوں گی جو اس قدر خوش آوازی کے ساتھ گا رہی ہوں گی کہ مخلوق نے ایسی آواز کبھی نہیں سنی ہو گی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابو الدرداء سے پوچھا وہ کیا گا رہی ہوں گی؟ انہوں نے کہا یہ اہل جنت کی سب سے افضل نعمت ہو گی۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ جنت میں ایسے درخت ہیں جن پر چاندی کی گھنٹیاں لٹکی ہوئی ہیں' جب اہل جنت کو سماع کی خواہش ہو گی تو اللہ عزوجل عرش کے نیچے سے ایک ہوا بھیجے گا اور اس ہوا کے چلنے سے وہ گھنٹیاں بجنے لگیں گی اگر زمین والے ان کی آوازوں سے سن لیں تو وہ فرط مسرت اور وجد سے مر جائیں۔

سلمان کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا گیا آیا اہل جنت کے لیے سماع ہو گا؟ انہوں نے کہا ہاں ایک درخت ہے جس کی جڑ سونے کی ہے اور اس کے پتے چاندی کے ہیں اور اس کے پھل موتی' زمرد اور یاقوت ہیں' اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک

ہوا بھیجے گا جس سے وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور کسی شخص نے اس سے زیادہ حسین آواز کبھی نہیں سنی ہوگی۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۹۷۔۲۹۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

یہ تمام چیزیں نعمتوں سرور اور اکرام پر مشتمل ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ‌ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ (السجدہ: ۱۷) کسی شخص کو معلوم نہیں کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں یہ ان کے (نیک) اعمال کی جزا ہے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے بلکہ یہ وہ ہیں جن کی میں نے تم کو اطلاع دی ہے اور جن کی میں نے تم کو اطلاع نہیں دی وہ اس سے بہت عظیم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۸)

السجدۃ: ۱۷ اور اس حدیث سے جنت میں سماع کی نعمت کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (دنیا میں) غنا سنا وہ جنت میں اس کے سننے سے محروم رہے گا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۸۷ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۷ یہ حدیث ضعیف ہے)

اور چونکہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد دوسری ضد بیان فرماتا ہے اس لیے قیامت کے دن مومنوں کا حال بیان کرنے کے بعد کافروں کا حال بیان فرمایا: اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری ملاقات اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان (سب) کو عذاب میں پیش کیا جائے گا○ (الروم: ۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس شام کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اور جب تم صبح کو اٹھو○ اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمینوں میں اور پچھلے پہر اور دوپہر کو○ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے○ (الروم: ۱۹۔۱۷)

پانچ نمازوں کے اوقات

اس آیت میں مسلمانوں کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور ان اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نمازوں کے اوقات کو بیان فرمایا مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت اس آیت کے اس حصہ میں ہے پس شام کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اور فجر کا وقت اس حصہ میں ہے۔ اور جب تم صبح کو اٹھو اور دوسری آیت میں فرمایا اور پچھلے پہر اس میں عصر کا وقت ہے اور فرمایا: اور دوپہر کو اس میں ظہر کا وقت ہے۔ اور دوسری آیت کے شروع میں جو فرمایا ہے: اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمینوں میں یہ جملہ معترضہ ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۲۶۱ جز ۲۱ ص ۳۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کا معنی اس طرح ہے ان پانچ اوقات کی نمازوں میں اللہ سبحانہ کی تسبیح کرو نماز کو تسبیح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ تسبیح نماز کا جز ہے کیونکہ ثناء میں پڑھا جاتا ہے سبحانک اللھم اور رکوع میں پڑھا جاتا ہے سبحان ربی العظیم سجدہ میں پڑھا جاتا ہے سبحان ربی الاعلی اور اس آیت میں کل پر جز کا اطلاق کیا گیا ہے اور کل کو جز کا نام دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی اور آیتوں میں بھی نماز پر تسبیح کا اطلاق کیا گیا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ○ (طٰہٰ: ۱۳۰)

اور (نماز میں) اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے' آفتاب کے طلوع سے پہلے (نماز فجر میں) اور آفتاب کے غروب سے پہلے (نماز عصر میں) اور رات کے بعض اوقات میں (مغرب اور عشاء کی نمازوں میں) اور دن کے درمیانی کناروں میں اس کی تسبیح کیجئے (ظہر کے وقت میں) تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔

اور حدیث میں بھی نفل نماز پر سبحۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی ہے جن کو میں بالکل ترک نہیں کرتا (۱) مجھے ہر ماہ تین روزے رکھنے کی وصیت کی ہے (۲) میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں (۳) اور یہ کہ میں سفر میں اور حضر میں تسبیحۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کو ترک نہ کروں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۵' ج ۶ ص ۴۵۱-۴۴۰)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبحۃ (نفل نماز) کبھی بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وفات سے ایک سال پہلے آپ سبحۃ (نفل نماز) کو بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۵۷' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۵)

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح یہ آیت: وکذالک تخرجون تک پڑھی اس کی دن کی تقصیرات کی تلافی ہو جائے گی اور جس نے شام کو یہ آیت پڑھی اس کی رات کی تقصیرات کی تلافی ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۷۶)

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۲۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس کے بعد فرمایا: وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے ○ (الروم: ۱۹)

اس آیت میں بھی حشر ونشر پر دلیل ہے جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرمائے گا' اس کی مزید تفسیر آل عمران: ۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر

تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

ہو کر پھیلتے جا رہے ہو ○ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے

لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِىْ

تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی‘

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

بے شک اس میں غوروفکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے‘ بے شک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے‘ بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لیے

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ

ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید پر قائم رکھنے

يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْىٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

کے لیے بجلیوں کی چمک دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ

کرتا ہے‘ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اس کی نشانیوں میں سے

تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ ق

یہ ہے کہ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں‘ پھر جب تم کو وہ زمین سے بلائے گا تو

مِّنَ الْاَرْضِ ۖ ق اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ

تو تم فوراً (قبروں سے) باہر نکل آؤ گے ○ اور آسمانوں اور زمینوں

وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ

میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت شعار ہیں O اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار

ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی

پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٢٧﴾

سب سے بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ اور بہت حکمت والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو کر پھیلتے جا رہے ہو O (الروم: ٢٠)

انسان اور بشر کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرمائے گا' اور اس رواں رکوع میں جتنی آیات ہیں ان سب میں بھی یہی دلائل دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے بعد تمام مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور اس کے ساتھ یہ دلائل بھی ہیں کہ یہ پوری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ بہت سے خداؤں کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے بلکہ یہ کائنات اس خدائے واحد کی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے' اس مطلوب پر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا ہے۔

اس نے ارشاد فرمایا کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس نے تم کو چلتا پھرتا بشر بنا کر کھڑا کر دیا' اور مٹی ایک بے جان عنصر ہے جس میں حیات اور حرکت کا کوئی اثر نہیں ہے' جو چیزیں عناصر سے مرکب ہیں ان میں پہلا مرتبہ معدنیات کا ہے پھر نباتات ہیں' پھر حیوانات ہیں' اور اس کے بعد انسان اور بشر ہے' اللہ تعالیٰ نے معادن کی تمام خوبیاں نباتات میں رکھ دیں اور نباتات کے تمام خواص حیوان میں رکھ دیئے اور حیوانات کے تمام کمالات انسان میں رکھ دیئے' پھر انسان اور بشر کو حیوانات سے ایک زائد وصف عطا کیا اور وہ عقل سے ادراک کرنا ہے' پھر اس عظیم خالق کا یہ کتنا زبردست کمال ہے کہ اس نے بے جان اور ساکن مٹی سے ایک جیتا جاگتا متحرک انسان اور بشر بنا کر کھڑا کر دیا جو صرف حیوانات کی طرح چلنے پھرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ملائکہ کی طرح غور و فکر کرنے والا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے حالانکہ مٹی سے تو صرف حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا ہم کو تو اس نے نطفہ سے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ O (المرسلات: ٢٠)

کیا ہم نے تم کو حقیر پانی (منی) سے نہیں پیدا کیا!

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ. (الحج: ٥)

سو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے' پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی صورت اور شکل واضح

نبی ہو یا نہ نبی ہو۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ ہمارے باپ اور ہماری اصل حضرت آدم ہیں اور جب ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا تو گویا ہم سب کو مٹی سے پیدا کیا گیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم کو نطفہ سے پیدا کیا گیا اور نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا خواہ سبزیوں پر مشتمل ہو خواہ گوشت پر اس کا مآل زمین کی مٹی ہے تو انجام کار ہمیں بھی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی ناف کی مٹی کو چھڑکا جاتا ہے۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود کے اوپر اس کی ناف کی اس مٹی کو چھڑکا جاتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے اور جب اس کو اس کی ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس کو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے اس کو پیدا کیا گیا تھا حتیٰ کہ اسی مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے تھے اور اسی میں دفن کیے جائیں گے۔ (خطیب) (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۳_۳۲۷۶۶ فتاوی افریقہ رقم الحدیث: ۱۰۰_۹۹' فردوس الاخبار رقم الحدیث: ۶۴۸۶_۲۷۷۵' اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۸۶_۲۸۴)

عطا خراسانی نے کہا فرشتہ انسان کی اس جگہ کی مٹی کو لاتا ہے جہاں اس کو دفن کیا جائے گا اور اس کو نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی (کو گوندھ کر اس) سے اس انسان کو پیدا کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے اسی سے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو (دفن کے وقت) لوٹائیں گے اور اسی سے (حشر کے دن) تم کو دوبارہ نکالیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵)

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۵' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن حمید اور امام ابن منذر سے روایت کیا ہے' الدر المنثور ج ۵ ص ۵۱۴)

اللہ تعالیٰ نے مٹی اور چند دیگر عناصر سے جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے اندر شعور اور عقل کے ادراکات پیدا کیے' خیالات' احساسات اور جذبات پیدا کیے اور یہ چیزیں یعنی قوت نمو' احساس' حرکت بالا رادہ اور عقل اور شعور' مٹی' پانی' ہوا اور آگ میں سے کسی عنصر میں بھی نہیں ہیں اور برس ہا برس سے انسان ان ہی خواص کے ساتھ پیدا ہوتا چلا آ رہا ہے' اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان صفات کے ساتھ انسان کی پیدائش محض ایک اتفاقی حادثہ ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کئی خداؤں کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے' کیونکہ متعدد موجد کسی ایک طریقہ پر متفق نہیں ہو سکتے اور ہزاروں برس سے انسان کی اس منضبط اور واحد طریقہ سے مسلسل پیدائش یہ بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے ورنہ اس کی پیدائش کے طریقہ میں ہزاروں سال سے یہ نظم وضبط اور تسلسل نہ ہوتا' پھر کیا عقل یہ باور کرتی ہے کہ جو ہزاروں سال سے انسان اور بشر کو لگاتار ایک سرشت سے پیدا کر رہا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۱)

مردوں اور عورتوں کے متناسب جنسی تقاضوں اور ان کی متوازن .... شرح پیدائش سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تمہارے نفسوں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ حضرت

کے جسم سے حضرت حوا کو پیدا کر دیا' لیکن یہ محمل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ نشانی تمام انسانوں میں جاری نہیں ہوگی اس لیے اس کا صحیح محمل یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے' جس طرح فرمایا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۸) تحقیق تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول آ گئے' نیز اس کے بعد فرمایا تاکہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو' اور جب دو مختلف جنسوں کے افراد ہوں تو ان کا ایک دوسرے کی طرف میلان نہیں ہوتا اور وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل نہیں کر سکتے اور جب ایک جنس کے دو افراد ہوں تو وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہیں' نیز فرمایا اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہم دردی قائم کر دی۔

نسل انسانی کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ مرد عورت کی کشت میں تخم ریزی کرے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے درمیان غیر معمولی محبت پیدا کر دی حالانکہ یہ عمل اس قدر حیاء سوز ہے کہ عام حالات میں انسان یہ عمل نہ کرتا' لیکن نسل انسانی کی افزائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو اس قدر پرکشش بنا دیا ہے کہ انسان اس عمل کو ترک نہیں کر سکتا' اور مرد اور عورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمدردی بھی رکھ دی یہی وجہ ہے کہ جب دونوں ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس عمل کے قابل نہیں رہتے تو وہ ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

پھر جب عورت کے رحم میں نطفہ کا استقرار ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کمال ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ بہ تدریج نشوونما پاتا ہے اور نو ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے' اگر بالفرض مرد اور عورت کے اختلاط اور ملاپ کے فوراً بعد عورت کے پیٹ میں سات آٹھ پونڈ کا بچہ بن جاتا تو عورت کے لیے مشکل ہو جاتی اور وہ اس کو سہار نہ سکتی سو اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ بچہ کی نشوونما کرتا ہے اور اس کا وزن بڑھاتا ہے حتیٰ کہ عورت کے لیے وہ وزن نامانوس نہیں ہوتا اور سہل اور آسان ہو جاتا ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ سخت گرمی کے بعد اچانک سخت سردی نہیں لاتا اور سخت سردی کے بعد فوراً سخت گرمی نہیں لاتا بلکہ موسم میں بہ تدریج تبدیلی لاتا ہے تاکہ انسان کا جسم موسم کے ساتھ مانوس ہو جائے اسی طرح اللہ عزوجل نے ماں کے پیٹ میں بچہ کو بھی نو ماہ میں مکمل کیا ہے تاکہ ماں اس کے وزن کے ساتھ بہ تدریج عادی اور ہم آہنگ ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے اس عالم کبیر کو بھی بہ تدریج چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ ایک لفظ کن سے دفعۃً اس عالم کو پیدا کر دے' اور انسان عالم صغیر ہے وہ اس کو بھی چشم زدن میں لفظ کن سے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن جس طرح اس نے عالم کبیر کو تدریجاً پیدا کیا ہے اسی طرح اس نے عالم صغیر کو بھی تدریجاً پیدا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا جسم' دوسرے کے جنسی تقاضوں اور طلب کے موافق بنایا ہے' پھر ایک متوازن اور متناسب تعداد میں ہر ایک کی پیدائش ہو رہی ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قبیلہ یا کسی قوم میں صرف لڑکے پیدا ہوں اور دوسری قوم یا قبیلہ میں صرف لڑکیاں پیدا ہوں' ہزاروں سال سے یہ سلسلہ یونہی جاری ہے اور ایک معروف اور منضبط طریقہ سے انسانوں کی پیدائش کا یہ سلسلہ کوئی بخت و اتفاق کا کرشمہ ہے اور نہ کئی خداؤں کی مشترکہ کاوش ہے بلکہ اسی قادر و قیوم کی قدرت کا شاہکار ہے جو واجب اور قدیم ہے اور واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے' بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۲)

اس خارجی کائنات اور انسان کی زبانوں اور رنگوں کے اختلاف سے توحید پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر وہ نشانیاں بتائی تھیں جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اب اپنی توحید کی وہ

نشانیاں بتا رہا ہے جو اس خارجی کائنات میں ہیں' اس نے اس قدر وسیع اور بلند آسمان بنائے اور طویل و عریض زمینیں بنائیں' پھر آسمانوں میں بعض ستاروں کو مرکوز اور ثابت کر دیا' جو رات کو روشن نظر آتے ہیں اور آسمان کی زینت ہیں۔ اور بعض ستارے رواں اور متحرک بنائے' زمین کو ٹھوس بنایا اس میں پر ہیبت پہاڑ نصب کر دیئے' وسیع و عریض میدان بنائے' گھنے جنگلات بنائے' ریت کے ٹیلے بنائے' دریا اور سمندر جاری کر دیئے اور نباتات کا سلسلہ قائم کیا ان میں لہلہاتے ہوئے زرخیز کھیت ہیں' پھلوں اور پھولوں کے مہکتے ہوئے باغات ہیں۔ کیا یہ سب چیزیں از خود وجود میں آ گئی ہیں یا چند خداؤں کی اجتماعی سعی کا نتیجہ ہیں تو پھر ان میں ہزار ہا سال سے اس قدر نظم اور تسلسل کیوں ہے' کبھی اختلاف کیوں نہیں ہوتا۔

تم اپنی زبانوں کے اختلاف پر غور کرو عربوں کی زبان اور ہے' افریقیوں کی زبان اور ہے' انگریزی' جرمن' فارسی اور ہسپانوی زبان اور ہے' کرہ ارض پر بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں' ان زبانوں کا خالق کون ہے؟ تم اپنے رنگوں پر غور کرو' جسمانی ساخت پر سوچو! کسی کا رنگ دوسرے کے رنگ سے نہیں ملتا' کسی کا چہرہ دوسرے کے چہرے سے نہیں ملتا' حتیٰ کہ کسی کے ہاتھ کی لکیریں دوسرے کے ہاتھ کی لکیروں سے نہیں ملتیں کسی انسان کے انگوٹھے کی لکیریں دوسرے انسان کے انگوٹھے کی لکیروں سے نہیں ملتیں' ہزار ہا سال سے ارب ہا انسان پیدا ہو رہے ہیں اور کسی کا نقش دوسرے کے نقش سے' رنگ' رنگ سے اور لکیریں لکیروں سے نہیں ملتیں' اتنی باریکی اور بوقلمونی کس کی تخلیق ہے! کیا یہ محض اتفاق ہے یا پتھر کی مورتیوں کا کارنامہ ہے یا کسی دیوی یا دیوتا کی صناعی ہے' تم کہتے ہو کہ اس عالم کو بنانے میں خدا کے کچھ شریک ہیں' وہ شریک خود کیوں نہیں کہتے کہ اس عالم کی تخلیق پر کسی فرد واحد کا اجارہ نہیں ہے' اس میں ہمارا بھی حصہ ہے' حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی زبان سے اللہ تعالیٰ یہ کہلوا تا رہا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اگر واقع میں اس کے کچھ شریک تھے تو انہوں نے اس کا رد کیوں نہیں کیا' وہ بھی اپنا کوئی نمائندہ بھیجتے' کوئی آسمانی کتاب نازل کرتے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہاری نیند ہے' اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے' بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۳)

انسان کی نینداور طلب رزق کی صلاحیت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی صفات لازمہ سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور وہ اس کے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے' اور اب اس کی صفات مفارقہ سے اپنی توحید پر استدلال فرما رہا ہے اور وہ دن اور رات میں انسان کی نیند اور اس کا سونا ہے' دن میں دوپہر کے کھانے کے بعد سونے کو قیلولہ کہتے ہیں اور رات میں عشاء کی نماز کے بعد سونے کو لیلولہ کہتے ہیں۔

نیند اور سونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے' نیند موت کی بہن ہے جب انسان سو جاتا ہے تو وہ مردہ کی طرح گردو پیش سے بے خبر ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد بیدار کرنا ایسے ہے جیسے موت کے بعد زندگی ہے اور اس میں یہ نشانی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نیند کے بعد بیدار کر دیتا ہے' اسی طرح وہ تمہیں موت کے بعد پھر زندہ کر دے گا۔

انسان اپنی بقاء حیات کے لیے جو رزق تلاش کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تعبیر فرمایا ہے' جس طرح فرمایا:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (الجمعہ: ۱۰) جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا بے شک اس میں عالموں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے اس میں

غور سے سننے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں' کیونکہ بعض ایسی نشانیاں ہوتی ہیں جن کا پتا بغیر غور وفکر کے نہیں چلتا اور بعض ایسی نشانیاں ہوتی ہیں کہ محض توجہ دلانے سے ان کا پتا چل جاتا ہے اور رات اور دن میں سونا اور رزق کی صورت میں اس کے فضل کو تلاش کرنا ایسی ہی نشانی ہے۔

انسان رات اور دن میں جو نیند کرتا ہے اور برسہا برس سے نیند کر رہا ہے تو اس کی نیند کا یہ معمول کس نے بنایا ہے اور تلاش رزق کی جو صلاحیت اس میں ہے یہ کس کی دی ہوئی ہے' اگر انسان ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لے تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ ہزار ہا برس سے ارب ہا انسانوں کا یہ معمول اور اس کا فطری نظام صرف اسی خدائے واحد کا پیدا کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید پر قائم رکھنے کے لیے بجلیوں کی چمک دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے' پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کرتا ہے' بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الروم: ۲۴)

زمین کی روئیدگی سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان پر بجلی کوندتی ہے' جسے دیکھ کر کبھی تم دہشت سے خوف زدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یا تمہارے کسی سامان پر بجلی گرے اور وہ ہلاک ہو جائے' اور کبھی تم کو یہ امید ہوتی ہے کہ بجلی چمک رہی ہے' اب بارش ہوگی پیاسی زمین سیراب ہوگی اور خشک سالی دور ہو جائے گی' اور وہ زمین جس پر کوئی سبزہ نہ تھا بارش کے بعد وہ لہلہانے لگتی ہے اور کھیتیاں پھلنے پھولنے لگتی ہیں اور باغوں میں درخت پھلوں سے لد جاتے ہیں اور عقل والے اس نشانی سے صاحب نشان تک پہنچتے ہیں کہ ہزاروں برس سے زمین کی سیرابی کا یہی نظام ہے اس میں سر مو کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اس نظام کا تسلسل اور اس کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا ممکن نہیں ہے واجب ہے ورنہ وہ خود کسی ناظم کا محتاج ہوتا' اور وہ حادث نہیں ہے قدیم ہے اور متعدد نہیں ہے واحد لاشریک ہے' اور اس میں یہ نشانی بھی ہے کہ جس طرح وہ مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اسی طرح ایک دن مردہ انسانوں کو بھی زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں' پھر جب تم کو وہ زمین سے بلائے گا تو تم فوراً (قبروں سے) باہر نکل آؤ گے O اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت شعار ہیں O اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اس کی سب سے بلند صفات ہیں' اور وہی بہت غلبہ اور بہت حکمت والا ہے O

(الروم: ۲۷-۲۵)

زمین اور دیگر سیاروں کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال

زمین اپنے محور پر گردش کر رہی ہے اور باقی سیارے بھی اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں' اور زمین اور سیاروں کی اپنے اپنے محوروں کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ کسی تخصیص مخصص اور ترجیح مرجح کے بغیر نہیں ہو سکتی' اسی طرح افلاک جس وضع کے ساتھ قائم ہیں اس وضع کے لیے کسی مخصص اور مرجح کی ضرورت ہے اور وہ مخصص اور مرجح ممکن نہیں ہو سکتا ورنہ وہ بھی ان ہی کی طرح حادث ہوتا' اس لیے ضروری ہے کہ ان کا مرجح واجب ہو اور قدیم ہو اور واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء محال ہے' پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس زمین اور آسمان کو بدل دے گا' پھر اللہ تعالیٰ کی ایک آواز پر تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے باہر نکل آئیں گے:

اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا وہ صرف ایک آواز ہوگی پھر سب کے سب ہمارے سامنے

مُحْضَرُوْنَ ○ (یٰس: ۵۳)   حاضر کر دیئے جائیں گے۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ○   وہ صرف ایک ڈانٹ کی آواز ہوگی ○ کہ سب میدان حشر
(النٰزعٰت: ۱۴-۱۳)   میں جمع ہو جائیں گے۔

سب اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں

زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے' اور ملکیت کسی چیز کو خریدنے سے ہوتی ہے' اس نے اس زمین و آسمان کو کسی سے نہیں خریدا' یا ملکیت کسی چیز کے وراثت میں ملنے سے ہوتی ہے' اس کا کوئی مورث نہیں ہے جس کے مرنے کے بعد یہ کائنات اس کو ملی ہو' یا ملکیت کسی چیز کو ہبہ کرنے یا تحفہ میں دینے سے ہوتی ہے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے بلکہ وہی سب کو دینے والا ہے' پھر ملکیت کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے کوئی شخص اس کا مالک ہوتا ہے' سو اس نے اس تمام کائنات کو بنایا ہے سو وہی اس کا خالق اور مالک ہے اور خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہوا تو اس کو پھر کسی خالق کی ضرورت ہوگی' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو ورنہ تعدد و جباء لازم آئے گا اور یہ محال ہے' اور جب وہ سب کا خالق اور مالک ہے تو سب اس کے مملوک ہوئے اور مملوک کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالک کا اطاعت شعار ہو' سو ساری کائنات اس کی اطاعت گزار ہے۔

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بلند صفات

توحید کی ان دلیلوں سے واضح ہو گیا کہ اسی نے اس تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور جب وہ اس کائنات کو ایک بار پیدا کر چکا ہے تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے' آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سب سے بلند صفات ہیں' سب سے بلند صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اس کی ذات اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں' اور وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے' آسمانوں میں اور زمینوں میں صرف وہی سب کی عبادت کا مستحق ہے' سب اسی کے محتاج ہیں وہی سب کی حاجتیں پوری کرنے والا ہے' اسی کو ہر چیز کا علم ہے' غیب اور شہادت میں سے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے' وہ فعال لما یرید ہے وہ جس چیز کو چاہے' جس کا ارادہ کرے ایک کلمہ کن فرما کر اس کو وجود میں لے آتا ہے' وہ حکیم ہے ہر کام کو حکمت سے کرتا ہے وہ اپنے کسی فعل پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے' اور ہر شخص اس کے سامنے جواب دہ ہے' وہ متکلم ہے اور اس کا کلام حروف سے مرکب نہیں ہے' وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے' اور ہر بات کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ

اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے (ہی) ایک مثال بیان فرمائی' کیا تمہارے غلاموں میں

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

سے کوئی تمہارا اس رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے' کہ تم اور وہ (غلام)

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اس (رزق) میں برابر ہوں، تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے، ہم عقل والوں

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان فرماتے ہیں O بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہش کی پیروی کی،

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ

سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے O سو آپ

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر قائم رکھیں (اے لوگو!)

عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ ق وَلٰكِنَّ

اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قلا مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا

ہے، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (اسی دین پر قائم رہو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے، اور اللہ سے

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ لا مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

ڈرتے رہو، اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ O ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ)

دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہو O

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں، پھر جب وہ

اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لا لِيَكْفُرُوْا

اپنی طرف سے ان کو رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O تاکہ وہ

بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا

ہماری ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے ان کو دی ہیں، سو تم (عارضی) فائدہ اٹھالو پھر تم عنقریب جان لوگے O کیا ہم نے ان پر

فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا

کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو ان کے شرک کی تصدیق کرتی ہے؟ O اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے

بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

خوش ہوتے ہیں، اور جب ان کے پہلے سے کیے ہوئے بُرے کاموں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں O

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے رزق) تنگ کر

ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ

دیتا ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق

الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ

ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا

اللّٰهِ ٙ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ

کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تاکہ

فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور تم اللہ کی

تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ

رضا جوئی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں O اللہ نے ہی تم کو

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں

مَنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے' اللہ ان تمام چیزوں سے پاک

يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○

ع ۴ / ۱۴ / ۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے تمہارے لیے تم میں سے (ہی) ایک مثال بیان فرمائی' کیا تمہارے غلاموں میں سے کوئی تمہارا رزق میں شریک ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ (غلام) اس (رزق) میں برابر ہوں' تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے' ہم عقل والوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیات بیان فرماتے ہیں ○ بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی' سو جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ (الروم: ۲۹۔۲۸)

انسان اپنے نوکروں کو اپنا شریک کہلوانا پسند نہیں کرتا تو وہ اللہ کی مخلوق کو اس کا شریک کیوں کہتا ہے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ابطال پر متعدد دلائل قائم فرمائے تھے اور اب ان آیتوں میں شرک کے رد پر ایک واضح حسی دلیل بیان فرما رہا ہے' اس مثال کا معنی یہ ہے کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ جو شخص اس کا نوکر اور غلام ہو وہ اس کے مال اور کاروبار میں اس کا شریک بن جائے' تو جب تم اپنے لیے اس کو ناپسند کرتے ہو کہ تمہارے نوکروں اور غلاموں کو تمہارے اموال اور کاروبار میں شریک کہا جائے تو تم اللہ کے مملوک اور اس کی مخلوق کو اللہ کا شریک کیوں کہتے ہو اور جو چیز تمہیں اپنے لیے ناپسند ہے اس کو اللہ کے لیے پسند کیوں کرتے ہو! پھر فرمایا تم کو ان سے اس طرح خوف ہو جس طرح تم کو اپنے ہم مثلوں سے خوف ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اپنے غلاموں اور نوکروں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم آزاد لوگ ایک دوسرے سے ڈرتے ہو یعنی جس طرح تم مشترکہ کاروبار یا مشترکہ املاک میں تصرف کرتے ہوئے ڈرتے ہو کہ دوسرے شرکاء تم سے باز پرس کریں گے کہ تم نے ان کو بتائے بغیر کیوں تصرف کیا' کیا تم اپنے نوکروں اور غلاموں سے بھی اسی طرح ڈرتے ہو' یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ جب تم نے اپنے نوکروں اور غلاموں کو اپنے کاروبار اور املاک میں شریک بنایا ہی نہیں تو پھر ان سے ڈرنے کا کیا سبب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہش کی پیروی کی' یعنی کفار جو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں یہ کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کفار اپنی خواہش سے ان بتوں کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں ان کی پرستش کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: سو جس کو اللہ نے گم راہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے! بعض لوگ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب مشرکین کو اللہ نے گم راہ کیا ہے تو پھر ان کی گم راہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے شرک پر اصرار کرتے ہوئے ضد اور عناد میں ایسے گستاخانہ کلمات کہے کہ اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگا دی جیسا کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ . (النساء:۱۵۵) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر قائم رکھیں (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے‘ اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے‘ یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (الروم:۳۰)

ایک انسان کے اعضاء کے ساتھ کسی دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری کی تحقیق

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنا چہرہ دین مستقیم یعنی دین اسلام کی طرف قائم اور متوجہ رکھیں چہرے کو قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی پوری قوت کے ساتھ دین اسلام کے احکام پر عمل کریں اور چہرے کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ وہ انسان کے حواس کا جامع ہے اور اس کے اعضاء میں سب سے اشرف ہے‘ اور تمام مفسرین کے نزدیک اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے اور حنیف کا معنی ہے تمام ادیان محرفہ اور شرائع منسوخہ سے اعراض کرتے ہوئے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے O (الروم:۳۰)

فطرت کا لغوی معنی

فطر کا معنی ہے پھاڑنا‘ پیدا کرنا‘ شروع کرنا‘ فطر العجین کا معنی ہے گندھے ہوئے آٹے کے خمیر ہونے سے پہلے روٹی پکانا‘ فطر ناب البعیر کا معنی ہے اونٹ کے دانت کا ظاہر ہونا‘ فطر الرجل الشاۃ کا معنی ہے انگلیوں کے اطراف سے بکری کو دوہنا‘ فطر الصائم کا معنی ہے روزہ دار کا روزہ افطار کرانا‘ تفطر کا معنی ہے پھٹنا۔
(المنجد ص ۵۸۸۔۵۸۷‘ ایران‘ ۱۳۷۹ھ)

امام لغت خلیل بن احمد فراھیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:
فطر اللہ الخلق کا معنی ہے مخلوق کو پیدا کیا‘ اور اشیاء بنانے کی ابتداء کی اور فطرت کا معنی ہے وہ دین جس پر ان کو پیدا کیا گیا‘ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ربوبیت کی معرفت پر پیدا کیا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۴۰۴‘ مطبعہ باقری قم‘ ۱۴۱۴ھ)
امام محمد بن ابی بکر الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے ابتداء اور اختراع۔
(مختار الصحاح ص ۲۹۹‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)
علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: فطر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا۔
(القاموس المحیط ج ۲ ص ۱۵۷‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۲ھ)

فطرت کا شرعی معنی

علامہ الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا (الروم:۳۰) میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کو مرکوز کر دیا‘ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے“ (الزخرف:۸۷) اور قرآن مجید میں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر:۱) تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے اور فرمایا اَلَّذِیْ فَطَرَهُنَّ (الانبیاء:۵۶)

جس نے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کیا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۸۳ھ لکھتے ہیں:

الفطر کا معنی ہے ابتدا اور اختراع، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فاطر السموات والارض کا معنی مجھ پر اس وقت منکشف ہوا جب دو اعرابی میرے پاس ایک مقدمہ لے کر آئے ہر ایک کا ایک کنویں کے متعلق یہ دعویٰ تھا انا فطرتھا یہ کنواں میں نے ابتداءً کھودا ہے۔ فطرت کا معنی ہے جس نوع کی پیدائش پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ اللہ کی فطرت ہے، یعنی انسان کو خوشی سے دین حنیف کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت پر پیدا کیا گیا اور یہ چیز اس میں طبعاً ہے تکلفاً نہیں ہے، اگر انسان کو بہکانے والے شیاطین جن وانس سے الگ رکھا جائے تو وہ صرف اسی دین کو قبول کرے گا اور اس کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا، اور اس کی مثال جمعاء سے دی گئی ہے، یعنی وہ جانور جو سلیم الاعضاء پیدا ہوا بعد کے کسی حادثہ سے جس کا کوئی عضو ٹوٹا نہ ہو، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو حنفاء (ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے) پیدا کیا، پھر شیاطین نے ان کو ان کے دین سے پھیر دیا اور میں نے ان کو جو رزق عطا کیا تھا وہ حلال تھا، پھر شیطان نے ان پر وہ رزق حرام کر دیا جس کو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۶۵) یعنی انہوں نے بحیرہ اور سائبہ (بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور) وغیرہ بنا لیے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں اور اللہ کی خلقت (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔

(الفائق ج ۳ ص ۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ، الکشاف ج ۳ ص ۴۸۵-۴۸۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ، اور علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(النہایہ ج ۳ ص ۴۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

علامہ طاہر پٹنی نے فطرت کے معنی میں مزید لکھا ہے:

علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ فطرت سے مراد وہ عہد ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے، یا فطرت سے مراد لوگوں کی سعادت یا شقاوت کی تقدیر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے، اور علامہ طیبی نے شرح المشکوٰۃ میں کہا ہے کہ فطرت سے مراد یہ ہے کہ اگر انسان پیدا ہونے کے بعد اسی حال پر رہے تو وہ دین اسلام پر ہوگا، علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں کہا حدیث میں ہے کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں یعنی سنت سے ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کی وہ دس سنتیں ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، علامہ کرمانی نے کہا فطرت سے مراد انبیاء علیہم السلام کی قدیم سنتیں ہیں۔ جن کو انہوں نے اختیار کیا اور جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں گویا یہ جبلی (طبعی) امر ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے، ان میں سے مونچھوں کو کم کرنا اور ڈاڑھی کو بڑھانا ہے اور ختنہ کرنا ہے، نیز جب شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو ترک کر کے دودھ کو پیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا، یعنی آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا، نیز حدیث میں ہے تم فطرت پر مرو گے یعنی اسلام اور دین حق پر۔

(مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۵۹-۱۵۸ ملخصاً مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ، ۱۴۱۵ھ)

ہر بچہ کی فطرت پر پیدائش کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے ایک جانور سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی ٹوٹ پھوٹ دیکھتے ہو؟ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا. (الروم: ۳۰)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۸۱ عالم الکتب بیروت)

اس پر اعتراض ہے کہ اس آیت میں ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰) اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' حالانکہ تبدیلی تو ہو جاتی ہے بعض بچے بڑے ہو کر یہودی یا نصرانی ہو جاتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ صورۃً خبر ہے اور معنیً نہی ہے اس کا معنی ہے اس سرشت کو تبدیل نہ کرو جس پر اللہ نے پیدا کیا ہے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ فطرت سے مراد اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اگر فطرت سے مراد دین حق یا اسلام ہو تو پھر یہ حدیث عموم پر نہیں رہے گی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے مراد عموم نہیں ہے اور اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ بنو آدم کے تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں خواہ ان کے ماں باپ کافر ہوں' سو جب بچے نابالغ ہوں تو ان پر وہی حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے ماں باپ کا ہے۔ اگر ان کے ماں باپ یہودی ہوں تو وہ یہودی ہوں گے اور اگر ان کے ماں باپ نصرانی ہوں تو وہ نصرانی ہوں گے اور ان کے وارث ہوں گے' اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کے متعلق فرمایا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا' جس دن وہ پیدا ہوا' اللہ تعالیٰ نے اس پر کفر کی مہر لگا دی تھی (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۱) اور امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! جب بنو آدم کو پیدا کیا گیا تو ان کے کئی طبقات تھے ان میں سے بعض ایمان پر پیدا ہوتے ہیں' ایمان پر زندہ رہتے ہیں اور ایمان پر مرتے ہیں' اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں' کفر پر زندہ رہتے ہیں اور کفر پر مرتے ہیں' اور بعض کفر پر پیدا ہوتے ہیں' کفر پر زندگی گزارتے ہیں اور ایمان پر مرتے ہیں' پس اس حدیث میں اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس حدیث میں عموم مراد نہیں ہے کیونکہ بعض بچے فطرت پر پیدا نہیں ہوتے' اسی طرح قرآن مجید کی بعض آیات میں کل کا لفظ ہے اور وہاں عموم مراد نہیں ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا. (الاحقاف: ۲۵) وہ (عذاب کی ہوا) اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔

حالانکہ اس ہوا نے آسمان اور زمین کو ہلاک نہیں کیا تھا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ پھر جب وہ کفار ان چیزوں کو بھولے رہے جس کی ان کو

شَيْءٍ. (الانعام: ۴۴) نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

حالانکہ ان پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔

(۱) دوسرے علماء نے یہ کہا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا اور فرشتوں نے اس کی تعبیر بتائی انہوں نے کہا آپ نے جو دراز قامت انسان دیکھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے' اور آپ نے ان کے گرد جو بچے دیکھے تو یہ ہر وہ بچہ ہے جو فطرت پر مر گیا' بعض مسلمانوں نے پوچھا' یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد بھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵)

اور امام سعید بن منصور کی حدیث دو وجہوں سے ضعیف ہے اول اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جدعان ہے' ثانی اس وجہ سے کہ یہ حدیث دعویٰ عموم کے معارض نہیں ہے کیونکہ چاروں قسمیں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف راجع ہیں کیونکہ کبھی کوئی بچہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور العیاذ باللہ' اللہ کے علم میں وہ مسلمان نہیں ہوتا' اور حضرت خضر نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اس کا یہی محمل ہے' اسی طرح کبھی کوئی بچہ کافروں کے ہاں پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے علم میں وہ کافر نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر ہوتا ہے لیکن اس سے وہ بچے مستثنیٰ ہیں جو اللہ کے علم میں مسلمان نہیں ہیں جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا تو پھر مآل تو یہی نکلا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ فتدبر (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ عینی نے علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں کیا لیکن اس حدیث کو صرف امام سعید بن منصور نے روایت نہیں کیا بلکہ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے: سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۰۔۲۸۷۳' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۲' مسند احمد ج ۳ ص ۷' میں یہ حدیث ہے' اور علی بن زید بن جدعان سے امام بخاری نے الادب المفرد میں' امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور چاروں اصحاب سنن نے استدلال کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں فطرت کا معنی ایمان یا دینِ اسلام کیا جائے تو یہ عموم پر نہیں رہے گی الا یہ کہ اس حدیث میں فطرت کا معنی یہ کیا جائے کہ ہر بچہ صحیح و سالم عیوب سے خالی اور کامل خلقت اور ہیئت پر پیدا ہوتا ہے۔

الروم: ۳۰ اور اس حدیث میں فطرت سے مراد کامل ہیئت اور صحیح و سالم خلقت ہے

حافظ یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ فطرت کا معنی خلقت ہے اور فاطر کا معنی خالق ہے' اور انہوں نے اس کا انکار کیا کہ مولود کو کفر یا ایمان یا معرفت یا انکار پر پیدا کیا جائے انہوں نے کہا اعم اور اغلب طور پر مولود' جسم کی سلامتی کے ساتھ خلقۃً اور طبعاً پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایمان ہوتا ہے نہ کفر' نہ انکار اور نہ معرفت' پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کرنے کا اہل ہوتا ہے تو پھر وہ کفر یا ایمان کا اعتقاد رکھتا ہے' اور ان کا اس موقف پر استدلال اس سے ہے کہ حدیث میں ہے ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے' جیسے جانور صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی کٹی ہوئی یا ٹوٹی ہوئی چیز دیکھتے ہو یعنی کیا اس کے کان کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپ نے بنو آدم کی جانوروں کے ساتھ مثال دی کیونکہ جب جانور پیدا ہوتے ہیں تو ان کی خلقت کامل ہوتی ہے ان میں کوئی کمی نہیں ہوتی پھر بعد میں ان کی ناک یا کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بحیرہ ہے اور یہ سائبہ ہے۔ اسی طرح جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو ولادت کے وقت ان میں کفر ہوتا ہے نہ ایمان' نہ انکار ہوتا ہے نہ معرفت جیسے صحیح و سالم جانور پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں تو شیطان ان کو گمراہ کر دیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر

کرتے ہیں اور کم کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر بچے ابتداءً کفر یا ایمان پر پیدا ہوتے تو وہ اس سے کبھی منتقل نہ ہوتے' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایمان لاتے ہیں پھر کفر کرتے ہیں' اور انہوں نے کہا یہ محال ہے کہ بچہ ولادت کے وقت کفر یا ایمان کو سمجھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس حال میں پیدا کیا اس حال میں وہ کچھ نہیں سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا. (النحل: ۷۸) اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

اور جو اس وقت کچھ بھی نہ جانتا ہو اس کا اس وقت کفر یا ایمان یا انکار یا معرفت پر ہونا محال ہے۔

امام ابو عمر ابن عبد البر مالکی نے کہا فطرت کے معنی میں جتنے اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہ صحیح ترین قول ہے' یعنی ہر مولود کو صحیح اور سالم جسم کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ (التمہید ج ۷ ص ۲۳۰۔ ۲۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

محققین کے نزدیک فطرت کا معنی کامل خلقت ہی ہے

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے فطرت کے جس معنی کو اختیار کیا ہے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں بہ کثرت محققین کا وہی مختار ہے' ان میں سے قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ ہیں وہ لکھتے ہیں فطرت کی معتمد تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد بچہ کی وہ خلقت اور ہیئت ہے جس میں استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو باہم ممتاز اور ممیز کر سکے اور ان مصنوعات سے اپنے رب کے وجود پر استدلال کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی شرائع کو پہچانے اور ان پر ایمان لائے' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: اپنے چہرے کو دین حنیف کے رخ کی طرف قائم رکھیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے یعنی وہ صلاحیت جس پر اس نے بشر کو پیدا کیا ہے' لیکن ان کو عوارض پیش آجاتے ہیں اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں آپ نے ان عوارض کا بہ طور مثال ذکر کیا ہے ورنہ عوارض بہت ہیں۔ (المحرر الوجیز ج ۱۲ ص ۲۵۸' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکۃ المکرمہ' ۱۴۰۸ھ)

اور ہمارے شیخ حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے قلوب کو حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے جیسے ان کی آنکھوں کو اور کانوں کو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے' پس جب تک ان میں یہ صلاحیت رہے گی وہ دین حق اور اسلام کا ادراک کر سکیں گے اور حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت پر پیدا کیا' پھر شیاطین نے ان کو گمراہ کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۵) (اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت کی استعداد اور صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے' النحل: ۷۸' پس پیدائش کے وقت ان میں بالفعل اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں تھی بلکہ اس کی معرفت کی استعداد اور صلاحیت تھی) اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جیسے جانور سے صحیح سالم جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو' یعنی جانور کامل خلقت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور تمام آفتوں سے سلامت ہوتا ہے' اگر اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے تو وہ تمام عیوب سے سلامت اور کامل رہے گا لیکن اس جانور میں تصرف کیا جاتا ہے اس کے کان کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کے چہرے پر داغ لگا دیا جاتا ہے' پھر اس میں آفات

نقائص آ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل سے نکل جاتا ہے' اور اسی طرح انسان ہے (یعنی اس کو اس کے تمام اعضاء کے ساتھ مکمل اور عیوب سے خالی پیدا کیا جاتا ہے پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اور اشیاء میں تمیز کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ماں باپ کی اتباع اور تقلید یا کسی اور عارضہ اور سبب سے کفر یا ایمان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے) پس یہ تشبیہ واقع کے مطابق ہے اور اس کی وجہ بالکل واضح ہے۔ (المفہم ج ۶ ص ۶۷۶' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۸۔۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی فطرت کے اسی معنی کو برقرار رکھا ہے جس کو حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۵۹۔۲۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اپنے جسم کے بعض اعضاء نکلوا کر کسی کو دے دینا' اللہ کی تخلیق کو بدلنا ہے

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' قاضی ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ' حافظ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے فطرت کے معنی پر بحث کی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ جس خلقت اور جس ہیئت پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحیح اور سالم اور تمام جسمانی نقائص اور عیوب سے خالی پیدا کیا وہی فطرت ہے' اس کے بعد فرمایا لا تبدیل لخلق اللہ یعنی اللہ کی خلقت اور بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہ صورۃً خبر ہے اور معنیً نہی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلقت اور ہیئت میں تبدیلی نہ کرو' اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی اور تغیر نہ کرو جو لوگ اپنے بعض اعضاء مثلاً گردہ وغیرہ نکلوا کر کسی کو دے دیتے ہیں ان کا یہ فعل بھی اس آیت کی رو سے ممنوع اور حرام ہے۔ اس پر مزید دلائل اور بحث و تمحیص ہم آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں' ہر چند کہ کتب لغت' کتب تفسیر اور شروح حدیث میں فطرت کے دیگر معانی کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن وہ تمام معانی اس آیت کی تفسیر اور اس حدیث کی تشریح میں درست نہیں ہیں' قرآن مجید میں فاطر کا معنی خالق اور فطر کا معنی خلق ہے اور فطرت کا معنی خلقت ہے اور ''لا تبدیل لخلق اللہ '' اس پر قرینہ ہے' اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد'' جانور کی جانور سے صحیح و سالم پیدائش ہوتی ہے'' اس معنی پر واضح دلیل ہے' اپنے جسم کے اعضاء نکلوانے کے حرام ہونے پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

اپنے جسم کے بعض اعضاء کو نکلوانا یا کٹوانا تغییر خلق اللہ ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ (النساء: ۱۱۹)

اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کر دوں گا اور میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے' اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں' عورتوں کی طرح چوٹی رکھتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں' یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں پر سیاہ خضاب لگاتے ہیں اور جو مرد خصی ہو جاتے ہیں یا کسی کو دینے کے لیے اپنے بعض اعضاء

نکلواتے ہیں یہ سب شیطان کے حکم پر عمل کر کے تغییر خلق اللہ کر رہے ہیں اور اللہ کی تخلیق کو تبدیل کر رہے ہیں' سو یہ تمام افعال ناجائز اور حرام ہیں' سفید بالوں کو عنابی' زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت ہے اور مطلوب اور مستحسن ہے۔

تغییر خلق اللہ کے حرام ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم کو گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتی ہیں اور اللہ کی تخلیق کو بدلتی ہیں' ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کیوں لعنت کرتے ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے' اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے' مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی' حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی' کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا اور رسول تم کو جو احکام دیں وہ لے لو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۶۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۲' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۸۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۳۴۳ عالم الکتب)

انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کاری کی تحریم اور ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کا پیوند لگانے والی اور اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کو پیوند لگوانے والی اور گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی ہوئی وہ بیمار ہوگئی اور اس کے بال جھڑ گئے' اس کے گھر والوں نے ارادہ کیا کہ اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورت کے بالوں کو پیوند کر دیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا: بالوں میں پیوند کرنے والی اور بالوں میں پیوند کرانے والی پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۹۵)

انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کاری کی تحریم اور ممانعت کے متعلق فقہاء مذاہب کی تصریحات

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

واصلہ کا معنی ہے وہ عورت جو کسی عورت کے بالوں میں دوسرے بالوں کا پیوند لگائے اور مستوصلہ کا معنی ہے وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کا پیوند لگوائے۔

ہمارے اصحاب نے اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے اور یہ کہا کہ اگر عورت نے اپنے بالوں کے ساتھ کسی آدمی کے بالوں کو پیوند کیا ہے تو یہ بالاتفاق حرام ہے' خواہ وہ مرد کے بال ہوں یا عورت کے اور خواہ وہ اس کے محرم کے بال ہوں یا شوہر کے یا ان کے علاوہ کسی اور کے' اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ احادیث میں عموم ہے اور اس لیے بھی کہ آدمی کے بالوں اور اس کے سارے اجزاء سے اس کی تکریم کی وجہ سے نفع حاصل کرنا حرام ہے' بلکہ اس کے بالوں' ناخنوں اور اس کے تمام اجزاء کو دفن کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۹ ص ۵۷۶۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بالوں کے ساتھ بالوں کا پیوند لگانا حرام ہے (الی قولہ) البتہ عورتیں جو کنگھی چوٹی کرتے وقت رنگین ریشمی چٹلے (پراندے) بالوں کے ساتھ باندھتی ہیں وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔

(المفہم ج ۵ص ۴۴۳' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ص ۲۷۶' مکمل اکمال الاکمال ج ۷ص ۲۷۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بالوں کے بالوں کے ساتھ پیوند لگانے کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ وہ فاجرات (بدکار عورتوں) کے بال ہوتے ہیں یا اس لیے کہ وہ تدلیس کرتی ہیں (لمبے بالوں کا وہم ڈالتی ہیں اور دھوکا دیتی ہیں) اور یا یہ تغییر خلق اللہ کی وجہ سے حرام ہے' ابو عبید نے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ بالوں کے علاوہ اور دیگر چیزوں کے ساتھ بالوں کو جوڑنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ص ۲۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

جو عورتیں کسی عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بال پیوند کرتی ہیں یا جو عورتیں اس فعل کو طلب کرتی ہیں ان پر اس لیے لعنت کی گئی ہے کہ یہ فعل صورۃً جھوٹ ہے۔ (مرقات ج ۸ص ۳۱۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

بالوں کو بالوں کے ساتھ پیوند کرنا ممنوع ہے اور اون یا ریشمی دھاگوں کے ساتھ بالوں کو جوڑنا جائز ہے' اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ بالوں کا بالوں کے ساتھ پیوند کرنا مطلقاً ممنوع ہے' خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بغیر ضرورت کے ہو' یا شادی کی وجہ سے ہو اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے (کیونکہ اس حدیث میں اس لڑکی کا ذکر ہے جس کے بال بیماری کی وجہ سے جھڑ گئے تھے اور اس کی شادی ہونی تھی)۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ص ۶۵۲' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں انسان کے اجزاء کی دوسرے انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی گئی ہے خواہ کسی مرض کی ضرورت کی وجہ سے یہ پیوند کاری کی جائے' اور فقہا مذاہب نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور جب انسان کے بالوں کے ساتھ دوسرے انسان کے بالوں کی پیوند کاری ممنوع ہے تو پھر انسان کے اعضاء کے ساتھ دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری بہ طریق اولیٰ ممنوع اور حرام ہوگی' البتہ سونے کی دھات سے یہ پیوند کاری ہو سکتی ہے' حدیث میں ہے:

عبدالرحمٰن بن طرفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کاٹ دی گئی تھی انہوں نے چاندی کی ناک لگائی وہ سڑ گئی اور اس سے بدبو آنے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی جگہ سونے کی ناک لگالیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷۶)

انسان کے بالوں سے پیوند کاری کی ممانعت پر ایک شبہ کا جواب

جدید طبی مسائل کے مؤلف[1] نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ امام ترمذی نے اس باب میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے

[1] ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر صاحب

جس سے اس حدیث کا معنی واضح ہو جاتا ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرے کے بال کو چنتی ہیں حسین بننے کے لیے اور اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں (جامع ترمذی ابواب الاستیذان) پھر لکھتے ہیں: اس حدیث مبارک میں للحسن کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدل اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و زینت اور حسن و جمال کے لیے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۶۴-۶۳)

یہ جواب تین وجہ سے مردود ہے اول اس لیے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' ثانیاً اس وجہ سے کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ایک لڑکی کے بیماری کی وجہ سے بال جھڑ گئے اس کی شادی ہونی تھی اس کے گھر والوں نے ارادہ کیا کہ اس کے بالوں کے ساتھ کسی دوسری عورتوں کو بالوں کو پیوند کر دیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا بالوں کو پیوند کرنے والی اور بالوں میں پیوند کرانے والی پر اللہ نے لعنت کی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۹۵) اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ (مرض کی) ضرورت کی وجہ سے بھی انسان کے بالوں کے ساتھ پیوند کاری جائز نہیں ہے (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۶۵۲) علاوہ ازیں یہ بخاری کی حدیث ہے اور معترض کی پیش کردہ روایت ترمذی کی ہے اور بخاری ترمذی پر مقدم ہے۔ ثالثاً اس وجہ سے کہ جسم گودنے اور گدوانے والی عورت پر حسن کی طلب کی وجہ سے لعنت نہیں کی گئی عورت کے لیے حسن اور زیب و زینت کو طلب کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ جائز اور مستحسن ہے اسی وجہ سے عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات اور ریشم پہننے کو حلال کیا گیا ہے اور انہیں مہندی لگانے اور اپنے خاوند کے لیے بننے سنورنے کی ترغیب دی گئی ہے' بلکہ اس حدیث میں ان پر لعنت اس لیے کی گئی ہے کہ انہوں نے طلب حسن کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے تغییر خلق اللہ لازم آتی ہے اور یہ شیطان کے حکم پر عمل کرنا ہے' شیطان نے اللہ کو چیلنج کر کے کہا تھا اور میں ان کو ضرور ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی تخلیق کو تبدیل کر دیں گے (النساء: ۱۱۹) اور ان مجوزین نے بھی اپنے جواب میں اعتراف کیا ہے کہ یہ جسم میں تغیر و تبدل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کرنے کی بھی وجہ بیان فرمائی ہے کہ یہ جسم گودوا کر یا چہرے کے بال نوچ کر اللہ کی تخلیق میں تغیر کرتی ہیں' سو واضح ہو گیا کہ اللہ کی تخلیق میں تغیر کرنا شیطان کے حکم پر عمل کرنا ہے' اور لعنت کا مستحق بننا ہے اور جو شخص اپنے جسم کا کوئی عضو کٹوا کر دوسرے کو دے رہا ہے وہ بھی اللہ کی تخلیق میں تغیر کر رہا ہے' شیطان کے حکم پر عمل کر رہا ہے اور زبان رسالت سے اللہ کی لعنت کا مصداق بن رہا ہے' العیاذ باللہ! پھر جو شخص مسلمانوں کو اعضاء کٹوانے کی ترغیب دے اس کا کیا حکم ہوگا!

مثلہ کی تحریم سے استدلال پر ایک اعتراض کا جواب

ہم نے شرح صحیح مسلم میں یہ لکھا تھا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور پیوند کاری کے لیے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶۵-۸۶۴)

مؤلف مذکور نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مثلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں ملے گی کہ "اعضاء کا کاٹنا" لیکن احادیث مبارکہ میں جس انسانی مثلہ سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ

بجھانے کے لیے اس کے اعضا کاٹ کر اس کی لاش کو مسخ کرنا۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۸)

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا ان کی لغت' حدیث اور فقہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ لغت حدیث کے امام مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجذری المتوفی ۶۰۶ ھ مثلہ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منه الحديث من مثل بالشعر فليس عند الله خلاق يوم القيامة مثلة الشعر حلقه من الخدود وقيل نتفه او تغييره بالسواد.

مثلہ کے متعلق حدیث ہے جس نے بالوں کا مثلہ کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس (اس کے اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہوگا' بالوں کے مثلہ کا معنی ہے بالوں کو چہرے سے مونڈنا' ایک قول ہے بالوں کو چہرے سے نوچنا یا بالوں پر سیاہ خضاب لگانا۔

(النہایہ ج ۴ ص ۲۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

امام ابن اثیر نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ ان کتابوں میں ہے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۰' المعجم الکبیر ج ۱۱ رقم الحدیث: ۱۰۹۷۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۲۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۷۵۔

فقہاء کرام نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۵۵' مطبوعہ ملتان' البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵۵' مطبوعہ مصر' النہر الفائق ج ۲ ص ۹۹ مطبوعہ کراچی' رد المحتار ج ۳ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

اب جو لوگ روز صبح ذوق و شوق سے اپنی ڈاڑھی مونڈتے ہیں یا جو ہر ہفتہ دل چسپی کے ساتھ اپنے بالوں پر کالا خضاب لگاتے ہیں آیا وہ اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے اپنی لاش کو مسخ کر رہے ہیں یا اپنے زعم میں بننے سنورنے اور خوب صورت نظر آنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں!

انسان کی اپنے جسم پر عدم ملکیت سے استدلال پر اعتراض کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں' مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیونکہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور دلیل کے طور پر وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: ۱۱۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا لہٰذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہوگئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں (الیٰ قولہ) اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لیے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہوگیا ہے (بلکہ وہ پہلے سے ہی حقیقی مالک ہے۔ سعیدی غفرلہ) لیکن اس نے ہمیں یہ چیزیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنا دیا ہے اور اس میں تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے (الیٰ قولہ) لہٰذا عدم ملک سے النفس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

(جدید طبی مسائل ص ۶۳۔۶۰ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر ہمیں اپنی جان و مال کا مالک بنا دیا ہے لیکن ہمارا اپنی جان و مال میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہے علی الاطلاق نہیں ہے' ہم اپنی جان و مال کے مالک ہیں لیکن ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ نماز جمعہ کے وقت دکان پر بیٹھ کر سودا بیچیں یا نماز کے اوقات میں دنیاوی کاموں میں مشغول رہیں اور نماز نہ پڑھیں' یا اپنے پیسے کو سودی کاروبار میں لگائیں' بدکاری کریں' جوا کھیلیں اور شراب پئیں' مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم وہی کام کر سکتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے' اور اپنے اعضاء کٹوا کر کسی کو دینے

کا ہمیں حکم دیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے بلکہ اس سے منع فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنا ہے اور اس کو شیطان کی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اللہ کی لعنت کی ہے۔

ہم بہ ظاہر اپنے مال کے مالک ہیں لیکن ہم تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتے' اپنے اعضا کی وصیت کرنے کا کیا سوال ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے اس وقت میں مکہ میں بیمار تھا' میں نے عرض کیا میرے پاس مال ہے آیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! میں نے پوچھا: آدھے مال کی' فرمایا نہیں! میں نے پوچھا پھر تہائی کی' آپ نے فرمایا تہائی کی! اور تہائی مال بہت ہے' اگر تم اپنے ورثاء کو خوش حال چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں' اور تم جس جگہ بھی خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے حتیٰ کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۶۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۴۵۳)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

میت نے وصیت کی تھی کہ میری نماز فلاں پڑھائے یا مجھے فلاں شخص غسل دے تو یہ وصیت باطل ہے۔ یعنی اس وصیت سے ولی کا حق جاتا نہ رہے گا ہاں ولی کو اختیار ہے کہ خود نہ پڑھائے اس سے پڑھوا دے۔

(بہار شریعت حصہ چہارم ص ۸۵' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' عالم گیری ج ۱ ص ۱۶۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

میت کو تو شرعاً یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے یا غسل دینے کے لیے کسی کی وصیت کر دے تو اس بے چارے کو یہ اختیار کہاں سے ہوگا کہ وہ اپنی آنکھیں یا کسی اور عضو کو نکلوا کر کسی کو دینے کی وصیت کرے؟

ایک صحابی کے ہاتھ کاٹنے پر مواخذہ سے اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر استدلال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت طفیل بن عمر دوسی بھی اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے' حضرت طفیل کا ساتھی بیمار ہو گیا اور جب بیماری اس کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے جس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا اور اسی سبب سے اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل نے خواب میں اسے اچھی حالت میں دیکھا لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے۔ حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا حضرت طفیل نے پوچھا ہاتھوں کو کیوں لپیٹے ہوئے ہو؟ اس نے کہا مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے' حضرت طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب بیان کیا خواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۴' مطبوعہ کراچی)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے اور ان کو کاٹ نہیں سکتا' پورا عضو کاٹنا تو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کاٹنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا اور فرمایا: ''لن نصلح منک ما افسدت جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو

درست نہیں کریں گے"۔ جو لوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ دیئے ہوئے اعضاء کو کٹوا دیتے ہیں یا مرنے کے بعد کاٹ دیئے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کر دیئے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔ جب صحابیٔ رسول نے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ دیئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کٹے ہوئے جوڑوں کو ٹھیک نہیں کیا تو ماوشما اگر اپنے پورے اعضاء کٹوا دیں تو کیا وہ اس خطرہ میں نہیں ہیں کہ آخرت میں ان کا ان اعضاء کی محرومی کے ساتھ حشر ہو؟ اللہ تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق دے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ص ۸۶۶ مطبوعہ لاہور)

استدلال مذکور پر اعتراض کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیونکہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خودکشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی عطا کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خودکشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز پر کیسے استدلال درست ہو سکتا ہے ایک اعضاء کا کاٹنا مذموم ہے اور ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۴۵)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھی سے خودکشی کا جو فعل سرزد ہوا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم از خود معاف فرما دیا تھا' اور جس فعل کو از خود نہیں معاف فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے معاف فرمایا وہ ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹنا تھا جس کو مؤلف مذکور نے بھی اپنے ہاتھوں کو بگاڑنے سے تعبیر کیا ہے' اور ان کا یہی فعل اللہ کی تخلیق کو بدلنا اور شیطان کی اتباع تھا اور خودکشی کو معاف کرنے کے باوجود اس فعل کے متعلق فرمایا لن نصلح منک ما افسدت "جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے' ہم اس کو ہرگز درست نہیں کریں گے" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کرم فرمایا اور اس کو بھی معاف کر دیا۔ اب جو لوگ کسی کو گردہ دینے کے لیے اپنا گردہ کٹوائیں گے کیا وہ اس خطرہ میں نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق کو بگاڑ کر اور شیطان کی اطاعت کر کے اور پیوند کاری میں معاونت کر کے اپنے اوپر اللہ کی لعنت کا طوق ڈال رہے ہیں۔

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ "ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے" نہ صرف فعل حرام کو حلال لکھنا ہے بلکہ حرام کی تحسین کرنا ہے' العیاذ باللہ! مؤلف مذکور نے اس عبارت میں پیوند کاری کے لیے گردہ کٹوانے والے کو زندگی عطا کرنے والا لکھا ہے' زندگی عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ہر چند کہ اس عبارت میں اسناد مجازی کی تاویل کی گنجائش ہے لیکن ایسے مشتبہ الفاظ سے احتراز لازم ہے۔

تکریم انسانیت سے اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر استدلال

اور یہ عمل تکریم آدمیت کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولقد کرمنا بنی ادم اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو تکریم دی ہے' اس کو احسن تقویم میں بنایا ہے اور اعضاء کٹوانے سے انسان کی احسن تقویم کو بگاڑ دیا جاتا ہے اور اس کی تکریم کی مخالفت ہوتی ہے' رہا یہ کہنا کہ دوسرے اندھے آدمی کو بینائی دینا یا جو گردوں سے محروم ہو اس کو گردہ دینا یہ بھی آدمیت کی تکریم ہے محض مغالطہ آفرینی ہے' اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اختیار نہیں دیا کہ ہم اپنے اعضاء بانٹتے پھریں' اپنی آنکھیں نکلوا کر خود مثلہ کرا کر اور

تکریم بنو آدم اور احسن تقویم کو بگاڑ کر دوسرے شخص کے لیے بینائی یا دوسرے اعضاء کے حصول کا موقع فراہم کرنے کے ہم مکلف ہیں نہ مجاز' یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا طاسین صاحب کے استدلال کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری سے لاکھوں روپے کمائے اور ان پیسوں سے یتیم خانے اور دارالامان کھول لے اور کہے کہ میں انسانیت کی خدمت کر رہا ہوں' اور اگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ جن ذرائع سے انسانیت کی یہ خدمت انجام دے رہا ہے وہ ناجائز ہیں تو بعینہٖ جو شخص اپنے اعضاء سے کسی کو بینائی اور گردے فراہم کر رہا ہے اور انسانیت کی خدمت کر رہا ہے اس کی اس خدمت کا ذریعہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اپنے اعضاء کٹوانے کی اجازت دی ہے نہ دوسروں کے مال لوٹنے اور قتل و غارت گری کی۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶۵ مطبوعہ لاہور)

استدلال مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اس پر مؤلف مذکور نے ایک اعتراض تو یہ کیا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے اس بچہ کو نکال لیا جائے گا' اس کا مفصل جواب ہم اضطرار کی بحث میں پیش کریں گے' دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ بعض حنفی اور شافعی علماء نے یہ کہا ہے کہ زندہ اپنی جان بچانے کے لیے مردہ انسان کا گوشت کھا سکتا ہے یہ دونوں صورتیں بھی احترام آدمیت کے خلاف ہیں' اس کا مفصل جواب بھی ہم اضطرار کی بحث میں دیں گے' تیسرا ایک لغو اعتراض کیا ہے کہ عرف کے بدلنے سے احترام کی علامت بھی بدلتی رہتی ہے کہ مغرب میں ننگے سر رہنا احترام کے خلاف نہیں ہے اور مشرق میں ہے' اس کا رد بھی عنقریب آئے گا اور چوتھے اعتراض کی عبارت یہ ہے:

آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حیثیت ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لیے اس میت کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے اور اگر کسی شخص نے کسی کا مال نگل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا۔ فتح القدیر (جدید طبی مسائل ص ۵۳)

مؤلف مذکور نے علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی کی پوری عبارت نہیں لکھی اور جو عبارت ان کے خلاف تھی اس کو چھوڑ دیا' علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ جرجانی نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور مر گیا اور اس کا کوئی ترکہ نہیں ہے تو وہ شخص ظالم ہے اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کر کے وہ موتی اس کے پیٹ سے نکالا جائے گا' اور یہ میت کے احترام کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس نے ظلم کر کے اور حد سے تجاوز کر کے اپنے احترام کو خود ساقط کر دیا ہے' رد المحتار میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۵۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' ردالمحتار ج ۱ ص ۸۴۰ طبع قدیم)

احیاء نفس سے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب

جدید طبی مسائل کے مؤلف لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدہ: ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقال مجاهد فی روایة ومن احیاها ای انجاها من غرق او حرق او هلکة. یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ''ومن احیاھا'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج۲ص۸۰)

ذرا غور فرمائیے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا' ایک کو زندگی بخشا پوری نوع انسانی کو زندگی بخشا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جا رہا ہے' اور ایک کو نہ بچا کر ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جا رہا ہے' اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز تساہل نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فوقیت دینا یہ تمام فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیہ مبارکہ کے باوجود جو مفتیان کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں! جو شخص مرتا ہے تو اس کو مرنے دو لیکن گردہ لگا کر اس کو نہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشو وہ نہ صرف یہ کہ اس آیہ مبارکہ کا صریح انکار کر رہے ہیں بلکہ اس آیہ میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ ساری انسانیت کے قاتل ہیں! (جدید طبی مسائل ص ۳۳۔۳۲ ملخصاً)

جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے ہوں وہ اس مرض سے فوراً مر نہیں جاتا بلکہ اپنی حیات طبعی پوری کرتا ہے' اور ڈائی لیسز کے ذریعہ زندگی گزارتا ہے اس لیے پیوند کاری سے منع کرنے والوں کو ساری انسانیت کا قاتل اور اس آیت کا منکر قرار دینا درست نہیں ہے۔

ثانیاً حضرت مجاہد نے احیاء نفس کا معنی بیان کیا ہے کسی شخص کو ڈوبنے سے یا جلنے سے یا ہلاک ہونے سے بچانا' اور ظاہر ہے ڈوبنے سے بچانا اس شخص کے حق میں مستحب اور مستحسن ہے جس کو تیرنا آتا ہو اور جس کو تیرنا نہ آتا ہو وہ کسی ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے دریا یا سمندر میں کود پڑے تو وہ خود ہی ڈوب کر ہلاک ہو جائے گا اور اس کا یہ فعل بجائے خود ناجائز اور حرام ہو گا۔ اسی طرح کسی بھی مرتے ہوئے شخص کو موت سے بچانا اس وقت مستحسن ہے جب اس میں اس کو کسی ضرر کا خطرہ نہ ہو' اور جو شخص اپنا گردہ کٹوا کر دوسرے کو دے دے گا وہ خود اس ضرر کے خطرہ میں مبتلا ہو گا کہ ہوسکتا ہے کسی وقت اس کا یہ باقی ماندہ گردہ ناکارہ ہو جائے۔ ثالثاً جواب یہ ہے کہ کسی کی جان بچانے کی کوشش کرنا اس وقت درست ہے جب یہ کوشش کسی حرام قطعی پر موقوف نہ ہو اور اپنا گردہ کٹوانا' اللہ کی تخلیق کو متغیر کرنا اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے' اور انسان کے اجزاء کے ساتھ کسی انسان کی پیوند کاری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے تو یہ لعنتی بننے کی کوشش کرنا ہے' اور یہ فعل حرام قطعی ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے' اس کا اس بیماری سے فوراً مر جانا یقینی اور قطعی نہیں ہے' وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ عرصہ دراز تک زندہ رہتا ہے' خود مؤلف کے استاذ [1] گرامی مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ جو اس

---

[1] ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر صاحب کے استاذ گرامی مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ کے متعلق باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۹۹۴ء میں اس عارضہ میں مبتلا ہوئے' ان کو علاج کے لیے حیدر آباد سے کراچی لایا گیا تو ابتداء میں ایک ہفتہ میں دو بار ڈائی لیسز کراتے تھے' پھر کبھی مہینہ میں چار بار' کبھی دو بار ڈائی لیسز کراتے تھے' چھ ماہ بعد انہوں نے تقریر اور درس وغیرہ شروع کر دیا تھا' اور ہر ماہ کی آخری جمعرات کو تقریر کرتے تھے۔ اور شہر میں بھی خطابات کے لیے جاتے تھے۔ ایک سال بعد وہ حیدر آباد گئے اور جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد متعدد بار حیدر آباد گئے' مفتی سعید احمد کی نماز جنازہ پڑھانے اور ان کے چہلم کے جلسہ میں شرکت کے لیے کراچی سے حیدر آباد گئے اور تقریر کی' دار العلوم نعیمیہ کراچی میں بھی ہم سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عارضہ میں مبتلا تھے جن کو گردہ دینے کی ترغیب میں یہ رسالہ لکھا گیا اس عارضہ کے بعد پانچ سال تک زندہ رہے اور بغیر کسی سے گردہ لے کر لگوائے تندرست بھی ہوئے اور ہم سے ملاقات کرنے دارالعلوم میں بھی آئے' اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مؤلف مذکور' جو گردہ کٹوا کر کسی کو دینے سے منع کرنے والے علماء کو ساری انسانیت کا قاتل قرار دیتے ہیں خود انہوں نے اپنے استاذ گرامی کو اس بیماری کے دوران اپنا گردہ نہیں دیا اور خود اپنے فتویٰ پر عمل نہیں کیا اور ان کے بہ قول تمام فرائض سے اہم اس فرض کو ترک کر دیا اور صرف ہمیں کوسنے پر اکتفا کر لیا۔ (ڈائی لیسز کی تشریح اس بحث کے اخیر میں آ رہی ہے)۔

نیز مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کے نیکیوں کے پلہ کو بھاری کر کے اس کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا۔
(جدید طبی مسائل ص ۳۰)

کسی مخصوص عمل پر مخصوص ثواب کا اعلان یا بشارت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو سزاوار نہیں ہے' حیرت ہے کہ خود مؤلف مذکور نے اپنے بیان کردہ اجر و ثواب کے حصول کا موقع گنوا دیا اور اپنے استاذ گرامی کو اپنا گردہ کٹوا کر نہیں دیا۔

انسان کے اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کے جواز پر ایثار نفس سے استدلال

مؤلف مذکور لکھتے ہیں ارشاد پروردگار ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔ (الحشر: ۹)

اس آیہ مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق تحسین اور قابل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطیہ یا وصیت کر دیتے ہیں وہ اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔ (الی قولہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخموں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں آپ نے ان کو پینے کے لیے پانی دیا تاکہ ان کی جان بچ جائے ابھی انہوں نے پانی پینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹا دیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن

(سابقہ حاشیہ) ملاقات کے لیے آئے ان کو یہاں تدریس کی بھی پیش کش کی گئی تھی' ۱۴ جون ۱۹۹۹ء ۱ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کو ان کا انتقال ہو گیا' ڈاکٹر صاحب کا یہ رسالہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا' اور اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ان کے استاذ محترم تقریباً چار سال زندہ رہے اور گردہ دینے کی تمام تر ترغیب اور زور بیان کے باوجود موصوف نے ان کے لیے اپنے گردہ کی قربانی نہیں دی۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں گردوں کا فیل ہو جانا بہر حال ایسا اضطرار نہیں ہے کہ اگر اس کو گردہ نہ دیا جائے تو انسان فوراً مر جائے گا۔ اس کا مریض اپنی طبعی حیات کو پورا کرتا ہے اور اپنے وقت پر مرتا ہے اور اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے نہ وہ مضطر ہے' ڈائی لیسز کے ذریعہ اس کا علاج ہوتا رہتا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاؤ یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی تھے جو زخموں سے چور اس جہاں میں چند لمحوں کے مہمان تھے حضرت شرجیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تا کہ یہ پی کر اپنی جان بچالیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آ گئی اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پئے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ تا کہ اس کی جان بچ جائے چنانچہ جب حضرت شرجیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرما چکے تھے پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے پھر وہ اسی پانی کو لے کر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایثار کا بڑا بلند مقام اور محبوبیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا زریں سبق ہے۔ (الیٰ قولہ)

ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرض ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لیے اپنی جان دینے کے ''حرام فعل'' کا ارتکاب کر کے معاذ اللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے؟ معاذ اللہ استغفر اللہ۔ (جدید طبی مسائل ص ۳۸۔۳۰ ملخصاً)

استدلال مذکور کا ابطال

قرآن مجید کی آیت حشر: ۹ میں جو ایثار کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ہے اپنی ضرورت کی جائز اور حلال چیزوں میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دینا مثلاً کھانے' پینے کی چیزوں' کپڑوں اور مکان وغیرہ میں اپنی ضرورت پر اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضرورت کو مقدم رکھنا' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اپنے جسم کے اعضاء کو کٹوا کر دوسرے انسانوں کو دے دئیے کیونکہ اپنے اعضاء کو کٹوانا اللہ کی تخلیق کو متغیر کرنا ہے اور النساء: ۱۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان کی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر لعنت فرمائی ہے' اور یہ فعل حرام ہے اور حرام چیز دینے کو ایثار نفس کی تفسیر میں داخل کرنا خالص تفسیر بالرائے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۱)

مہاجرین پر انصار مدینہ کے ایثار کی تفصیل

اب ہم اس پوری آیت کا ترجمہ اور اس کی معتمد تفسیر پیش کر رہے ہیں جس سے اس آیت کا مطلب واضح ہو جائے گا اور آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ مؤلف مذکور نے اس آیت سے جو مطلب کشید کیا ہے وہ قطعاً باطل اور مردود ہے۔

پوری آیت اس طرح ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ (الحشر: ۹)

اور جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دار الھجرت اور دار الایمان (مدینہ منورہ) میں مقیم ہو گئے تھے وہ اپنی طرف ہجرت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ (مال فے سے) دیا گیا ہے اس کی اپنی دلوں میں کوئی طلب نہیں پاتے' اور وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو شدید ضرورت

کیوں نہ ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے جاتے ہیں

وہی لوگ کامیاب ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ایثار نفس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی' اور اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہوئے ان کو اپنے اموال دیئے خواہ ان کو خود ان مکانوں اور اموال کی ضرورت کیوں نہ ہو۔

(جامع البیان جز ۲۸ص ۵۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں اس کی تفسیر میں دو روایتیں ہیں:

(۱) مجاہد اور ابن حیان نے بیان کیا کہ انصار نے مال فے (کفار کا چھوڑا ہوا مال) اور مال غنیمت (میدان جنگ میں کفار سے حاصل کیا ہوا مال) میں اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی حتیٰ کہ وہ مال مہاجرین کو دیا گیا اور ان کو نہیں دیا گیا۔
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالنضیر کا مال فے مہاجرین میں تقسیم کیا' اور بنوقریظہ سے حاصل شدہ مال مہاجرین کو دے کر فرمایا انصار نے اپنے اموال جو تم کو دیئے تھے تم ان کے اموال واپس کر دو' انصار نے کہا نہیں ہم ان کو ان اموال پر برقرار رکھیں گے اور اموال فے میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔

(۲) ابن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تمہارے بھائی (مکہ میں) اپنے اموال اور اولاد کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم اپنے اموال میں ان کو شریک کر لیں گے' آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور! انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کھیتی باڑی نہیں آتی' تم ان کی جگہ کام کرو اور پیدا شدہ کھجوریں آپس میں تقسیم کر لینا' یعنی بنونضیر سے حاصل شدہ کھجوروں کو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ٹھیک ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۵۰۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

صرف اصحاب صبر کے لیے تنگی میں اپنے اوپر ایثار کی اجازت ہے' ہر شخص کے لیے نہیں

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تنگ دست ضرورت مند کا صدقہ سب سے افضل ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷) اور یہ مقام سب سے بلند ہے' کیونکہ ان صحابہ نے اس چیز کو خرچ کیا جس کی ان کو خود سخت ضرورت تھی اور یہی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے اپنے تمام مال کا صدقہ کر دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی رکھا ہے' انہوں نے کہا میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول کو باقی رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۵) (تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۳۷۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تمام مال قبول فرما لیا' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصف مال قبول فرما لیا' اور جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے' آپ نے ہر ایک سے اتنا مال لیا جتنے مال کی سخاوت کو اس کا دل برداشت کر سکتا تھا اور آپ کو علم تھا کہ حضرت ابولبابہ اپنے تمام مال کے خرچ ہونے پر صبر نہیں کر سکیں گے جس طرح حضرت ابوبکر اپنے تمام مال کے راہ خدا میں صرف ہونے پر صبر کر لیں گے اور جس طرح حضرت عمر اپنے نصف مال کے خرچ ہونے پر صبر کر لیں گے' اس لیے آپ نے

حضرت ابولبابہ کو صرف تہائی مال کے صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۱۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اس حال میں صدقہ کیا کہ وہ خود ضرورت مند تھا' یا اس کے اہل وعیال ضرورت مند تھے' یا اس پر قرض تھا تو صدقہ کرنے' غلام کو آزاد کرنے یا ہبہ کرنے کی بہ نسبت قرض کی ادائیگی کا استحقاق ہے' اور اس نے جو صدقہ کیا ہے یا غلام آزاد کیا ہے یا ہدیہ دیا ہے وہ واپس لیا جائے گا' اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ضائع کرنے کے لیے لوگوں کے اموال لیے اللہ اس کو ضائع کر دے گا' ماسوا اس شخص کے جس کا صبر کرنا معروف اور مشہور ہو جو اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو' خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو' جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا تھا اور جس طرح انصار نے اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صدقہ کرنے کے بہانے سے لوگوں کے اموال کو ضائع کر دے' اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو اللہ اور رسول کی طرف صدقہ کر دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے تو میں نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب: ۱۸' لاصدقة الا عن ظهر غنی' اسی وقت صدقہ کرے جب صدقہ کرنے کے بعد اس کا پاس خوش حالی رہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اور اپنے عیال سے ابتدا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

تنگی میں دوسروں کے لیے ایثار کرنے کا ضابطہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری وغیرہ نے کہا ہے کہ جس شخص کا بدن تندرست ہو' اس کی عقل صحیح ہو' اس پر کسی کا قرض نہ ہو اور وہ شخص فقر و فاقہ پر صبر کر سکتا ہو اور اس کے عیال نہ ہوں' یا عیال ہوں اور وہ بھی مال نہ ہونے پر صبر کر سکتے ہوں' تو جمہور کے نزدیک اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے' اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کے لیے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا اس کا وہ صدقہ واپس لیا جائے گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق (رجعی) دے کر اپنا تمام مال اپنے بیٹوں میں صدقہ کر دیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ تم یہ طلاق واپس لو' تقسیم کیا ہوا مال بھی واپس لو ورنہ میں حکم دوں گا کہ تمہاری قبر پر بھی رجم کیا جائے جیسا کہ ابورغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا (مسند ج ۲ ص ۱۴' ملخصاً) اور ایک محتاج شخص نے اپنے غلام کو مدبر کر دیا (یعنی اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گا) تو آپ نے اس غلام کو فروخت کر کے اس کی قیمت اس محتاج شخص کو واپس کر دی' امام طبری نے کہا ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مذکور الصدر شرائط کے ساتھ اپنے تمام مال کو صدقہ کرنا جائز ہے لیکن مختار اور مستحب یہ ہے کہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے' تا کہ حضرت ابوبکر کے عمل اور حضرت کعب بن مالک کے فعل میں تطبیق رہے (علامہ عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ) اور جس حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے اس کا معنی یہ ہے کہ اتنا زیادہ صدقہ نہ کرے کہ صدقہ کے بعد وہ خود اور اس کے اہل وعیال محتاج ہو جائیں اور اس کے پاس اتنا مال رہے کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کر سکے' یعنی وہ بھوک دور کرنے کے لیے کھانا کھا سکیں' کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا' اور اپنی ستر

پوشی کر سکیں، اور ان کو کوئی اذیت پہنچے تو اس کو دور کر سکیں، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کے پاس ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال نہ بچے تو پھر اپنی ضروریات پر کسی کے لیے ایثار کرنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے، کیونکہ اس صورت میں اگر وہ دوسروں کو ترجیح دے گا تو لازم آئے گا کہ وہ بھوک سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے یا اپنے آپ کو ضرر میں مبتلا کرے یا اپنے آپ کو برہنہ کرے، اور اپنے حقوق کی رعایت کرنا ہر حال میں راجح ہے اور جب یہ واجبات ساقط ہو جائیں تو پھر ایثار کرنا جائز ہے اور اس وقت اس کا صدقہ کرنا افضل ہوگا کیونکہ وہ فقر اور مشقت کی شدت کو برداشت کرے گا، اور اس طرح دلائل میں جو تعارض ہے وہ دور ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۴۸ ۔ ۴۷ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنا حق دوسروں پر مقدم ہے، اولاد اور بیوی کا خرچ بالاتفاق فرض ہے اور خادم کا خرچ بھی واجب ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اپنے اوپر اپنے عیال پر اور دوسروں پر خرچ کرنے کی ترتیب

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی "اپنے عیال سے ابتدا کرو" کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام النسائی نے طارق محاربی کی سند سے روایت کیا ہے: ہم جب مدینہ منورہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، آپ فرما رہے تھے دینے والے کا ہاتھ اوپر ہے، اپنے عیال سے (دینے کی) ابتدا کرو، تمہاری ماں، تمہارا باپ، تمہاری بہن اور تمہارا بھائی پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو، جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۱)

اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرو، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ نے فرمایا تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵، اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے، اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اس کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا، چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا، کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا، (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے' علامہ نودی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہیں اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔۴۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان: ۱۵) دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

ترتیب مذکور کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی ہو' اور اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے عیال سے دینے کی ابتدا کرو' عورت کہے گی مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دے دو' اور غلام کہے گا مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو اور (نابالغ) بیٹا کہے گا مجھے کھلاؤ' تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷ے' عالم الکتب)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تم میں سے کسی کو خیر عطا فرمائے تو وہ اپنے نفس سے اور اپنے گھر والوں سے ابتدا کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے' اس وقت ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا' اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ معدن (کان) سے ملا ہے' آپ اس کو لے لیں' یہ صدقہ ہے' میرے پاس اس کے سوا اور مال نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا' وہ پھر دائیں جانب سے آیا' آپ نے اس سے اعراض کیا وہ پھر بائیں جانب سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا وہ پھر پیچھے سے آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر پھینک دیا اگر وہ اس کو لگ جاتا تو وہ زخمی ہو جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ایک شخص کوئی چیز لے کر آتا ہے جس کا وہ مالک ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے' پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد محتاجی نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوگا' اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو فروخت کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تم اس کی قیمت کے زیادہ حق دار ہو اور اللہ اس سے غنی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۴' اس کی سند امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے)

جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ کے جاں بلب اور پیاسے ہونے ..... کے باوجود پانی دوسروں کو دے کر مر جانے کا جواب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹) اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' اس حکم کی وجہ سے انسان کے لیے کوئی ایسا فعل کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی موت پر منتج ہو' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی (صحیح البخاری کتاب تیمم باب: ۷) اس لیے یہ سوال ہوگا کہ مؤلف مذکور نے جو بیان کیا ہے کہ جنگِ یرموک میں حضرت عکرمہ اور چند دوسرے زخمی جاں بلب صحابہ کے سامنے جب پانی لایا گیا تو انہوں نے خود پانی پینے کے بجائے دوسرے ساتھی کو کیوں دیا' جب کہ اپنی

جان بچانا فرض ہے تو انہوں نے اس فرض کو ترک کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤلف مذکور نے اس واقعہ کو سیرت ابن ہشام کے مہمل حوالہ سے ذکر کیا ہے (جلد اور صفحہ کا ذکر نہیں کیا) سیرت ابن ہشام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے اور آپ کی وفات اور تکفین اور تدفین کے ذکر کے بعد وہ ختم ہو گئی اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تین سال بعد ۱۳ھ کا ہے، حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے امام واقدی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج۵ص۷۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ) اور امام واقدی کی کتاب المغازی میں اس کا ذکر نہیں ہے سو یہ حافظ ابن کثیر کا وہم ہے اور نہ ہی سیرت ابن ہشام میں اس کا ذکر ہے۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام محمد بن سعد نے کہا میں نے اس کا محمد بن عمر سے ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ وہم ہے، ہم نے اہل علم اور اہل سیرت سے روایت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے تھے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (الاستیعاب ج۳ص۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے لکھا ہے حضرت عکرمہ بن ابی جہل، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام گئے اور وہاں اجنادین کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج۶ص۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام ابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اجنادین میں شہید ہوئے، پھر تمریض کے صیغہ کے ساتھ یرموک اور صفر کے دو قول بھی نقل کیے ہیں۔ (اسد الغابہ ج۳ص۶۹ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عکرمہ اجنادین کے دن شہید ہو گئے جمہور کا قول اسی طرح ہے، حتیٰ کہ امام واقدی نے کہا ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الاصابہ ج۴ص۴۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ تہذیب التہذیب ج۷ص۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن کثیر نے جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ کے پیاسے شہید ہونے کی روایت کی جو امام واقدی کی طرف نسبت کی ہے یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام واقدی نے کہا ہمارے اصحاب کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عکرمہ جنگ اجنادین میں شہید ہوئے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل القرشی المخزومی یوم اجنادین میں شہید ہوئے، اور یہ حضرت عمر کے عہد کا واقعہ ہے۔ (التاریخ الکبیر ج۶ص۳۵۸، رقم الحدیث: ۹۵۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ بن ابی جہل القرشی صحابی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

(الجرح والتعدیل ج۷ص۷۔۶، رقم: ۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۲ھ)

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ بن ابی جہل ۱۳ھ میں اجنادین میں شہید ہوئے۔

(تاریخ دمشق ج۴۳ص۱۹۸، رقم: ۴۸۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اجنادین کا واقعہ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں ہوا اور اسی جنگ میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل شہید ہوئے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۷۶ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ صرف حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں اپنے اصحاب کے ساتھ پیاسے شہید ہوئے' اور یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ' امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' امام ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ' امام ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ' امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ' امام ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ' حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ سب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ اجنادین کی جنگ میں شہید ہوئے' اور امام محمد بن سعد نے یہ تصریح کی ہے کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے یہ اس کا وہم ہے' پس واضح ہو گیا کہ یہ کہنا کہ حضرت عکرمہ جنگ یرموک میں زخمی جان بلب اور پیاسے تھے پھر بھی جب ان کو پانی پیش کیا گیا تو وہ انہوں نے اپنے ساتھی کو دے دیا اور خود پیاسے شہید ہو گئے محض ایک افسانہ ہے' جس کو وضاعین نے گھڑ لیا ہے' اور حضرت عکرمہ اور ان کے اصحاب کی طرف **ولا تقتلوا انفسکم** کے حکم کی مخالفت کی نسبت کی اور اس جھوٹے افسانے کے بل بوتے پر مؤلف مذکور نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسان اپنا گردہ نکلوا کر دوسرے کو دے سکتا ہے اور اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے' خواہ شیطان کی اتباع کر کے اللہ کی تخلیق کو بدلنا پڑے اور انسانی اجزاء کی پیوند کاری کی وجہ سے لعنت کا طوق گلے میں لٹکانا پڑے' اور ہم کو جی بھر کے کوسا اور کہا یہ شخص آیت کریمہ **ویؤثرون علی انفسھم** کا منکر ہے اور ان عظیم صحابہ کو حرام موت پر مرنے والا کہتا ہے اور ساری انسانیت کا قاتل ہے **فالی اللہ المشتکی**۔

ایک کتے کو پانی پلانے سے مغفرت کے حصول سے پیوند کاری پر استدلال اور اس کا جواب

مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

ترجمہ: ایک بدکار عورت صرف اس لیے بخش دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری تھی جو ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا' اس عورت نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھ کر اس کے لیے اس سے پانی نکالا بس اس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی' صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے۔

غور فرمائیے ایک کتا جو مرنے کے قریب ہو اس کی اگر کوئی جان بچالے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف المخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا؟ پھر صحابہ کرام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہو گا وہ بیان سے باہر ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۴۰-۳۹)

کتے کو پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی مخالفت لازم نہیں آتی اور اپنا گردہ کٹوانے سے اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کے حکم کی اطاعت لازم آتی ہے اور انسانی اجزاء کے ساتھ پیوند کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ آپ نے اس فعل پر اللہ کی لعنت کی ہے۔ لہٰذا کتے کو پانی پلانے پر اعضاء کی پیوند کاری کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' نیز اپنی طرف سے کسی فعل پر جنت کی بشارت دینا بھی بہت سنگین بات ہے' کسی مخصوص فعل پر جنت کی بشارت دینا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اور ان کا منصب ہے' اور جس فعل کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہو اس پر جنت کی بشارت دینا اور حرام قطعی کو حلال کرنا' اس کا کیا

حکم ہے؟ مؤلف مذکور خود مفتی ہیں اس پر غور کریں اور یہ سوال بہرحال قائم ہے کہ مؤلف مذکور نے اپنے ضرورت مند استاذ محترم کو خود گردہ دے کر جنت کیوں نہ حاصل کی وہ اس رسالہ کی تالیف کے بعد تقریباً چار سال تک زندہ رہے تھے۔

مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے اور اضطرار کی بنیاد پر پیوند کاری سے استدلال کا جواب

عام طور پر انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے مجوزین اضطرار سے استدلال کرتے ہیں ہم نے اس کے متعلق لکھا تھا:

باقی یہ جو کہا گیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے اس سے پیوند کاری کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ جو شخص اعضاء کٹوا رہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار' تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لیے مباح ہو گی۔

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۶)

مؤلف مذکور اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطر ہے اور اس کو ضرورت ہے اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور و لاچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہو جائے گی جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لیے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے' اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی' ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو کہ اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جا سکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جا رہا ہے' ''یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہو رہی ہے'' اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانبین میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دیں حالانکہ اس کے تو وہ بھی قائل نہیں! لہٰذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے جو آدمی بیمار ہے وہ مضطر ہے اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کاٹ کر اسے دینا جائز ہو جائے گا اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والی کی حرمت ختم ہو جائے گی جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔ (جدید طبی مسائل ص ۲۷۔۲۶)

فقہاء کرام کا یہ جزئیہ دراصل پوسٹ مارٹم کی اصل ہے کہ جس طرح کسی ضرورت کی بناء پر زندہ کے جسم کی سرجری اور اس کا آپریشن کرنا جائز ہے اسی طرح ضرورت کی بناء پر مردہ کے جسم کی سرجری اور اس کا آپریشن کرنا بھی جائز ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو اور حرکت کر رہا ہو تو اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس زندہ بچے کو نکال لیا جائے گا' لیکن فقہاء کرام کا یہ جزئیہ انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کی اساس اور اصل نہیں بن سکتا اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) مردہ حاملہ کے پیٹ سے زندہ بچہ کو جو نکالا جاتا ہے اس میں صرف سرجری کا عمل کیا جاتا ہے' بچہ نکالنے کے بعد عورت کے پیٹ کو سی دیا جاتا ہے اس عمل سے عورت کی جسمانی ساخت اور اس کی صورت میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی اس کے

کسی عضو کو کاٹ کر نکالا نہیں جاتا' نہ اس کے کسی جز کو دوسرے جسم کے ساتھ پیوند کیا جاتا ہے' اس کے برخلاف انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے عمل میں' ایک شخص اپنے جسم سے گردہ کٹوا کر یا آنکھیں نکلوا کر اللہ کی تخلیق میں تغیر اور تبدیلی کرتا ہے اور یہ شیطان کے حکم پر عمل ہے' اور دوسرے شخص کے جسم میں پیوند کرنے کے لیے دیتا ہے اور انسان کے اجزاء کے ساتھ پیوند کاری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے' مردہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کرنے کی طرح یہ صرف سرجری کا عمل نہیں ہے۔

(۲) حاملہ مردہ عورت اور اس کے پیٹ میں جو زندہ بچہ ہے یہ دو الگ الگ شخص نہیں ہیں' اول تو اس لیے کہ کسی شخص کی اولاد اس کے اجزاء کے بہ منزلہ ہے اور خصوصاً اس صورت میں تو وہ بچہ صورۃً اور حساً بھی اس حاملہ عورت کا جز ہے اور سرجری کا یہ عمل ایک ہی شخص میں ہو رہا ہے' اور اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں اپنا گردہ کٹوا کر دینے والا اور اس گردہ کو اپنے جسم میں لگوانے والا حقیقتہً' صورۃً اور حساً دو الگ الگ اور مغائر شخص ہیں۔

(۳) سرجری کے عمل سے اس بچہ کی زندگی کا حصول یقینی ہے جب کہ پیوند کاری کے ذریعہ مریض کی صحت کا حصول یقینی نہیں ہے۔

(۴) مردہ عورت اب احکام شرعیہ کی مکلفہ نہیں ہے' اس کے پیٹ کو چاک کیے جانے پر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی' اور جو شخص اپنا گردہ کٹوا رہا ہے اس سے بہرحال وہ آخرت میں باز پرس کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی تخلیق کو کیوں تبدیل کیا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں شیطان کی کیوں اطاعت کی اور انسان کے اجزا کے ساتھ پیوند کاری پر لعنت ہونے کے باوجود پیوند کاری کیوں کروائی۔

(۵) جس طرح اس عورت کے بدن کی اصلاح اور منفعت کے لیے اس کی زندگی میں اس عورت کی سرجری اور اس کا آپریشن جائز تھا اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کی منفعت کے لیے اس کے پیٹ کی سرجری کر کے اس بچہ کو زندہ نکال لینا جائز ہے اور بچہ کو زندہ نکال لینے میں اس عورت کی منفعت ظاہر ہے' کیونکہ اغلب یہ ہے کہ وہ بچہ بڑا ہو کر نیک کام کرے گا اور اپنی ماں کے لیے دعا کرے گا تو اس سے آخرت میں ماں کو ثواب پہنچے گا' اس کے برخلاف جو شخص پیوند کاری کے لیے اپنا گردہ کٹوا رہا ہے یا آنکھیں نکلوا رہا ہے اس کو اس عمل سے کوئی منفعت نہیں ہوگی' بلکہ دنیا اور آخرت میں اس کو نقصان ہوگا' آخرت میں اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب اور لعنت کا مستحق ہے اور دنیا میں اس لیے کہ جب اس کے جسم میں دو گردے ہیں تو اگر کسی حادثہ یا مرض کی وجہ سے اس کا ایک گردہ فیل ہو جائے تو دوسرے گردہ سے اس کا جسمانی نظام کام کرتا رہے گا' اور جب اس نے ایک گردہ نکلوا دیا اور بالفرض کسی مرض یا حادثہ کی وجہ سے وہ گردہ فیل ہو گیا تو اس کو ساری عمر ڈائی لیسز پر گزارہ کرنا پڑے گا' اور یہ پیش گوئی کرنا کہ اس کا گردہ کبھی خراب نہیں ہوگا غیب کا دعویٰ کرنا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس کے زندہ بچے کو نکالنے میں اس کی سراسر منفعت ہے اور پیوند کاری کے لیے گردہ کٹوانے والا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔

(۶) ہم کہتے ہیں کہ مردہ حاملہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے اس کے پیٹ سے زندہ بچہ کو نکالنا علی التعیین فرض ہے کیونکہ اگر زندہ بچے کو نکالے بغیر اس عورت کو یوں ہی بچے سمیت دفن کر دیا جائے تو اس بچہ کو زندہ درگور کرنا لازم آئے گا' اور بچہ کو زندہ درگور کرنا حرام ہے اور حرام کو ترک کرنا فرض ہے تو مردہ عورت کے پیٹ سے زندہ بچے کو نکالنا فرض ہوا' اور پیوند کاری کے مجوزین کے نزدیک بھی کسی شخص پر گردہ کٹوانا علی التعیین فرض نہیں ہے۔

(۷) مردہ حاملہ عورت کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ کو نہ نکالا جائے یونہی دفن کر دیا جائے تو بچہ مر جائے گا لہٰذا یہاں اضطرار ہے' لیکن جو شخص نابینا ہے اگر اس کے لیے آنکھوں کا عطیہ نہ کیا جائے تو وہ مر نہیں جائے گا' زندہ ہی رہے گا' اسی طرح جس کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہیں وہ اس سے مر نہیں جائے گا زندہ ہی رہے گا' بس ہر ہفتہ ڈائی لیسز کرانا پڑے گا' لہٰذا یہ اضطرار نہیں ہے اور اس فقہی جزئیہ کی مثل نہیں ہے اور اعضاء کی پیوند کاری کے لیے اساس' اصل اور مقیس علیہ نہیں بن سکتا' خود مؤلف نے پیوند کاری کے لیے اس بے تابی اور بے قراری کے باوجود اپنے استاذ محترم کو گردہ نہیں دیا اور وہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی چار سال تک زندہ رہے اور ہر ہفتہ ڈائی لیسز کرا کر ٹھیک ٹھاک زندہ رہے اور یہاں ہم سے ملنے آئے۔ ہم نے جس طرح اس فقہی جزئیہ اور پیوند کاری میں سات وجوہ سے فرق بیان کیے ہیں شاید کسی اور جگہ یہ نہ مل سکیں۔ وللہ الحمد۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں لکھا تھا کہ حالت اضطرار میں بھی کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے شخص سے یہ کہے کہ تم اپنی جان بچانے کے لیے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو وہ کسی مریض کے علاج کے لیے اسے گردہ دینے کی شرعاً پیش کش کب کر سکتا ہے! اور اس پر حسب ذیل مذاہب اربعہ کے فقہاء کی عبارات سے استدلال کیا تھا:

علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں:

مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة فکلها لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به کما لا یصح للمضطر ان یقطع قطعة من لحم نفسه فیاکل.

کسی شخص کو حالت اضطرار میں کھانے کے لیے مردار بھی نہیں ملا اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور اس سے ایک شخص کہے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھا لے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۴۰۴' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ ابن بزاز کردری حنفی فرماتے ہیں:

خاف الهلاک جوعا فقال له اخر اقطع یدی وکله لیس له ذلک لان لحم الانسان لا یباح حال الاضطرار لکرامته.

کسی شخص کو بھوک کی بناء پر موت کا خوف ہو اس سے دوسرا شخص کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ انسان کے گوشت کو کھانا اس کی تکریم کی وجہ سے حالتِ اضطرار میں بھی جائز نہیں ہے۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۶۶' عالم گیری ج ۵ ص ۳۳۸' مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ' شرح المہذب ج ۹ ص ۴۵ (فقہ شافعی) المغنی ج ۹ ص ۳۳۵' (فقہ حنبلی) الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۶' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۶ (فقہ مالکی) میں بھی اسی طرح مذکور ہے)۔

مذاہب اربعہ کی ان صاف اور صریح عبارت کا مؤلف سے کوئی جواب نہیں بن پڑا پہلے انہوں نے لکھا کہ عرف اور عادات کے بدلنے میں حسن اور قبح کی علامات بدلتی رہتی ہیں جیسے مشرقی ممالک میں ننگے سر پھرنا معیوب ہے اور مغربی ممالک میں معیوب نہیں ہے' اسی طرح انسانی اعضاء کی قطع و برید پہلے انسانیت کی توہین شمار ہوتی تھی' اور اب یہ انسانیت کی تکریم کہلاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں وزیر نے اپنی آنکھ کا عطیہ کر دیا تو لوگ اس کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں (جدید طبی مسائل ص ۴۹-۴۸ ملخصاً) گویا اب حلت اور حرمت کا مدار عام لوگوں کی تحسین اور تقبیح پر ہے' اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ پہلے عورتوں کے پردہ کی تحسین ہوتی تھی اور اب عورتوں کے پردہ کو معیوب سمجھا جاتا ہے' پہلے عام مسلمان ڈاڑھی رکھنے کی تحسین کرتے تھے اب عام لوگ ڈاڑھی منڈانے کو حسن

سمجھتے ہیں اور اکثر وزراء اور سرکاری افسران ڈاڑھی منڈاتے ہیں' لہٰذا عورتوں کا بے پردہ پھرنا اور مردوں کا ڈاڑھی منڈانا نہ صرف جائز بلکہ شرعاً قابل تحسین ہوگیا کیونکہ آپ کے بقول شرعی احکام اب لوگوں کی تحسین اور تقبیح کے تابع ہوگئے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ پہلے آپ ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات کیجئے پھر اس کی تکریم کی بات آپ کو زیب دے گی (جدید طبی مسائل ص ۵۰ ملخصاً) اس کا جواب ''احیاء نفس سے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب'' کے زیر عنوان آچکا ہے' اس جواب کی شق ثانی میں مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ نکالنے کے فقہی جزئیہ سے معارضہ کیا ہے' اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے' تیسرے جواب میں لکھا ہے:

ایک اور فقہی جزئیہ ہے کہ کوئی مضطر انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیونکہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے۔ (المغنی ج۹ ص ۳۳۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم وتکریم سے زیادہ انسانی جان کی اہمیت ہے لہٰذا اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۲)

اور چوتھے جواب میں لکھا ہے:

فقہاء نے یہ بھی ایک مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مضطر کو کوئی ایسا شخص مل جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا سنائی گئی ہو تو وہ مضطر ایسے شخص کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ (المغنی ج۹ ص ۳۳۵)

یہ جزئیہ بھی ہمارے اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں ''حرمت آدمیت'' کا خیال نہیں کیا جائے گا حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۳)

یہ بعض فقہاء کے اقوال ہیں جمہور کا نظریہ نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے مذاہب اربعہ کے مسلّم فقہاء کے حوالہ سے لکھا تھا کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے جو بھوک سے مر رہا ہو یہ کہے تم میرا گوشت کاٹ کر کھاؤ' اور مؤلف بعض فقہاء کی ان عبارات سے معارضہ کر رہے ہیں جن میں مردہ انسان کے گوشت کھانے کی اجازت دی ہے' واضح رہے کہ عموماً زندہ آدمی کے اعضاء سے پیوند کاری ہوتی ہے اور مردہ کے اعضاء سے نہیں ہوتی' تیسرا جواب یہ ہے کہ مؤلف بار بار لکھتے ہیں یہ انسانی زندگی بچانے کا مسئلہ ہے اور ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ جس کے دونوں گردے فیل ہوجائیں وہ اس سے مر نہیں جاتا' مرے گا تو اپنے وقت پر' وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ زندگی گزار سکتا ہے۔

پانچویں جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کا موتی نگل لے اور مر جائے تو اس کا پیٹ چاک کر کے اس موتی کو نکال لیا جائے گا' لکھتے ہیں:

ذرا غور فرمایئے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں ایک انسان کے مالی حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان جیسی چیز آجائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو کیسے نظر انداز کیا جائے گا' ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت' احترام آدمیت اور احترام میت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۴۔۵۳)

اس کا مفصل جواب تو ہم تکریم انسانیت سے اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر استدلال کے زیر عنوان لکھ چکے ہیں' یہاں پر صرف یہ بتانا چاہتے کہ مصنف نے یہاں پھر جان بچانے اور زندگی بچانے کا ذکر کیا ہے حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ جس کے دونوں گردے فیل ہو جائیں وہ فوراً نہیں مرجاتا' اس کا علاج ہوتا رہتا ہے اور وہ ڈائی لیسز کے ذریعہ زندہ رہتا ہے۔

گردوں کے کام کی توضیح

انسان کے جسم میں دو گردے جن کا حجم عام طور پر اس کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں جانب پسلیوں سے ذرا نیچے واقع ہوتے ہیں۔ ان کو خون کی فراہمی شریانِ اعظم کے ذریعے ہوتی ہے اور ایک منٹ میں ۱۲۰۰ سی سی یعنی سوا لیٹر خون ان سے گذرتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر گھنٹے تقریباً ۷۲ لیٹر خون اور چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار سات سو پچیس لیٹر خون کا دوران گردوں سے ہوتا ہے۔ گردوں کا کام انتہائی پیچیدہ ہے۔ حقیقتاً گردوں کے کام کی پیچیدگی دل کے کام سے کہیں زیادہ ہے۔ ہر منٹ گردے اس گذرتے ہوئے خون سے ۱۲۰ سی سی رقیق مادہ چھان لیتے ہیں۔ جن میں نہ صرف فاسد اور زہریلے مادے ہوتے ہیں بلکہ بہت سے کار آمد اور زندگی کے لیے انتہائی ضروری مادے بھی ہوتے ہیں۔ یہ رقیق مادہ مختلف اور انتہائی پیچیدہ اور نازک نالیوں سے گذرتا ہے۔ جس کے دوران اچھے اور کار آمد مادے دوبارہ خون میں جذب ہو جاتے ہیں اور صرف فاسد مادے اور وہ اجزاء پانی کی اس مقدار کے ساتھ جس کی ہمارے جسم کو ضرورت نہیں ہوتی پیشاب کی صورت میں خارج ہوتے ہیں۔

گردوں کا دوسرا اہم کام تولید خون ہے۔ اگرچہ براہ راست گردے خون بنانے میں حصہ نہیں لیتے مگر خون کی پیداوار جس خاص کیمیائی مادے کے زیر اثر ہوتی ہے وہ صرف گردے ہی تیار کرتے ہیں۔ اگر یہ مادہ موجود نہ ہو تو ہڈیوں کا گودا خون کی پیدائش میں کام آنے والے تمام تر اجزاء کی موجودگی کے باوجود خون نہیں بنا سکتا اور اس طرح خون کی کمی ہو جائے گی۔

گردوں کا تیسرا اہم کام ہڈیوں کی ساخت کو بہتر حالت میں رکھنا ہے۔ وٹامن ڈی کو کیمیائی عمل کے ذریعے کار آمد بناتے ہیں اور اس طرح وہ جسم میں نہ صرف کیلشیم کی مقدار کو نارمل رکھنے میں مدد دیتے ہیں بلکہ بالواسطہ طور پر ہڈیوں کی مضبوطی اور نشو ونما کے بھی ذمہ دار ہیں۔

انسانی جسم میں گردوں کے فعل کی وضاحت کا مقصد اس کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے کے ۸۰ فیصد افراد کے ذہن میں گردوں کی اہمیت پیشاب کے اخراج سے زیادہ نہیں جب کہ گردے ہی وہ واحد عضلات ہیں جو انسانی جسم کے تمام کیمیائی مرکبات کو نہ صرف کنٹرول کرتے ہیں بلکہ ان کا تناسب بھی برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں حتیٰ کہ خون کا دباؤ بھی گردے ہی کنٹرول کرتے ہیں۔

اس ساری تمہید کا لب لباب یہ ہے کہ گردوں کا کام فاسد مادوں کا اخراج' جسم کی کیمیائی ہیئت کو برقرار رکھنا' تیزابیت سے بچاؤ' خون کی تولید اور ہڈیوں کو اچھی حالت میں رکھنا ہے اس لیے اگر گردے ناکارہ ہو جائیں تو انسانی جسم کے ہر ریشے اور ہر عضو کا کام متاثر ہوتا ہے اور کسی مصنوعی طریقے سے گردوں کے کام کا نعم البدل تلاش نہ کیا جائے تو انسانی زندگی ممکن نہیں رہتی۔ گردوں کے مکمل طور پر ناکارہ ہو جانے کے بعد موت یقینی ہو جاتی ہے۔ زہریلے اور فاسد مادے دماغ پر اثر کرتے ہیں جس سے غشی طاری ہو جاتی ہے۔ جسم میں تیزابیت کی زیادتی خون میں مل کر زندگی کے لیے خطرناک ہو جاتی ہے۔ وہ پانی جو پیشاب کے ذریعے نہیں نکل سکتا پھیپھڑوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ خون کا دباؤ بڑھتا جاتا ہے' خون کی شدید کمی ہو جاتی ہے اور ہڈیوں کا چونا کم ہو جاتا ہے۔ جس سے ہڈیاں نرم ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسانی زندگی کو بچانے کے لیے "تطہیر خون" یعنی خون کی صفائی کی جاتی ہے۔

ساری دنیا میں مکمل طور پر ناکارہ اور وقتی طور پر خراب گردوں کی صورت میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کو دور کرنے کے لیے جو طریقہ کار رائج ہیں۔ طبی زبان میں اسے ''ڈائیلیسس'' (DIALYSIS) کہتے ہیں۔

خون سے فاسد مادوں کی صفائی' دھلائی یا چھان پھٹک کے تین مروجہ طریقہ کار ہیں۔

(۱) پیری ٹونیل ڈائیلیسس (PERITONEAL DIALYSIS)

(۲) سی اے پی ڈی (C.A.P.D.)

(۳) ہیموڈائیلیسس (HEMODIALYSIS)

پیری ٹونیل ڈائیلیسس

گردوں کی صفائی کا یہ طریقۂ کار فی الوقت سب سے سہل گردانا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال انتہائی ایمرجنسی کے وقت یا بالفاظ دیگر موت کے منہ سے نکالنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس طریقۂ کار کو شروع کرنے میں محض چند منٹ لگتے ہیں جبکہ دوسرے طریقہ ڈائیلیسس کو آزمانے میں وقت لگتا ہے۔

خرابی گردہ کے ایسے مریض جن کا یوریا اچانک بہت بڑھ جاتا ہے یا وہ افراد جن کے گردے جسم سے زیادہ مقدار میں پانی یا خون نکل جانے کی صورت میں کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ مثلاً بچے کی پیدائش یا حمل ضائع ہونے کی صورت میں خون کا زیادہ بہہ جانا۔ کسی حادثے کے دوران خون کا ضائع ہو جانا۔

انسانی جسم کا تیسرے درجے تک جل جانا' پانی کی کمی اور ادویات بھی گردوں کا فعل متاثر کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ یہی نہیں بہت زیادہ مقدار میں قے اور دست ہونے کے باعث انسانی جسم میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے۔ وہ بھی وقتی طور پر گردے خراب ہونے کا سبب ہو سکتی ہے۔

ایسی تمام صورتوں میں گردوں کا فعل کارگر بنانے کے لیے اور اس سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کو ختم کرنے کے لیے یہ طریقۂ کار استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک عام طور آدمی گردوں کی صفائی کے اس طریقۂ کار کے بارے میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہے کہ یہ عمل کس طرح ظہور پذیر ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟

جیسا کہ شروع مین آپ کو بتایا گیا ہے کہ گردوں کے افعال میں سب سے اہم فعل خون سے فاسد مادوں کا اخراج اور تازہ خون بنانے میں مدد دینا ہے۔ اس فعل کے متاثر ہونے کی صورت میں بحیثیت متبادل کے جب پیری ٹونیل ڈائیلیسس کا طریقۂ کار استعمال کیا جاتا ہے تو ڈاکٹر مریض کے پیٹ میں زیر ناف حصے کو سن کر کے پلاسٹک کی ٹیوب ڈال دیتا ہے۔ اس ٹیوب کا تعلق پیٹ کی اس اندوزنی جھلی سے ہوتا ہے جو تمام اندرونی اعضاء کو لپیٹے ہوتی ہے اس جھلی یا تھیلی میں خون جسم کے دیگر حصوں کی نسبت زیادہ مقدار میں گردش کرتا ہے۔ اس خوبی کے باعث اس جگہ کو گردوں کی خرابی کی صورت میں خون کی صفائی کے لیے سب سے بہتر مانا جاتا ہے اس عمل کے لیے بذریعہ ٹیوب محلول داخل کیا جاتا ہے۔ جسے پیری ٹونیل ڈائیلیسس سلوشن کہتے ہیں۔ یہ محلول انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام نمکیات کا مرکب ہوتا ہے اس کی تشریح یوں بھی کر سکتے ہیں کہ اس محلول کا فارمولا خون کے فارمولے ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔

اس محلول کو پیٹ میں کم از کم ۲۵ منٹ کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس دوران محلول اور خون کے درمیان نمکیات کا تبادلہ عمل پذیر ہوتا ہے۔ خون میں جن اجزاء کی زیادتی ہوتی ہے وہ محلول جذب کر لیتا ہے۔ اس طرح جو اجزاء خون میں کم ہوتے

ہیں انہیں خون محلول سے جذب کر لیتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق خون جس حساب سے گردش کرتا ہے۔ ۴۰ منٹ کے دورانیہ میں داخل شدہ محلول کی افادیت مکمل ہو جاتی ہے اور بذریعہ ٹیوب اسے واپس نکال لیا جاتا ہے' یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ پیٹ میں داخل کی گئی ٹیوب کا جو حصہ جسم سے باہر ہوتا ہے' اس کا تعلق دو مزید ٹیوب سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک محلول کے داخلے اور دوسری اخراج کے لیے ہوتی ہے۔

صفائی کا یہ سلسلہ مریض کی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ سلسلہ بلا کسی توقف کے کئی کئی دن جاری رہتا ہے لیکن جوں ہی مریض کی حالت سنبھلنے لگتی ہے صفائی کا دورانیہ کم ہوتا جاتا ہے۔ مریض کی حالت بہتر ہوتے ہی ٹیوب نکال دی جاتی ہے۔ مریض کی بہتری کا اندازہ اس عمل کے دوران ہونے والے خون ٹیسٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

جن افراد کے گردے وقتی یا حادثاتی طور پر متاثر ہوتے ہیں وہ اس عمل کے بعد دو سے چھ ہفتے کے دوران دوبارہ معمول کے مطابق کام کرنے لگتے ہیں لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں گردوں کے دوسرے متبادل طریقہ علاج کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ اس تمام کارروائی کے دوران مریض کا داخلِ ہسپتال رہنا لازمی ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں مریض کو حالت سنبھلنے کے بعد گھر بھیج دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ ہفتے میں کم از کم دو بار ڈاکٹر سے ملاقات کرے۔

سی۔اے۔پی۔ڈی

ڈائیلیسس کے اس طریقۂ کار کی آسان الفاظ میں تشریح کچھ یوں بنتی ہے۔ لگاتار ڈائیلیسس۔ چلتے پھرتے ڈائیلیسس' اس طریقہ کار کی بنیاد تو پیری ٹونیل ڈائیلیسس ہی ہے البتہ یہ اس کی بہتر شکل ہے۔ اس میں مریض کو ہسپتال میں داخل نہیں رہنا پڑتا۔ وہ دفتر' اسکول' کالج' گھر' چلتے پھرتے جہاں وقت اور موقع میسر ہوا اپنا ڈائیلیسس خود کر سکتا ہے۔

اس طریقۂ کار میں بذریعۂ آپریشن تقریباً نو انچ لمبی ربڑ کی ٹیوب زیر ناف پیٹ کی اندرونی جھلی سے مستقل طور پر منسلک کر دی جاتی ہے۔ تاکہ مریض کو چلنے پھرنے میں کم سے کم تکلیف ہو۔ یہ پیٹ کا وہی حصہ ہوتا ہے جس کا استعمال پیری ٹونیل ڈائیلیسس میں بھی کیا جاتا ہے۔

اس ٹیوب کا ایک حصہ پیٹ سے باہر ہوتا ہے جسے استعمال کرنے کے بعد والو سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ٹیوب میں دو فلٹر ہوتے ہیں۔ اس طریقۂ صفائی میں بھی پیری ٹونیل ڈائیلیسس سلوشن کا استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ سلوشن کا پیٹ میں رہنے کا دورانیہ ۴ سے ۶ گھنٹے تک کا ہوتا ہے۔ مقررہ وقت کی تکمیل کے بعد پیٹ کا سلوشن نکال کر نیا ڈال دیا جاتا ہے۔

بیرون ملک بلکہ یہ کہا جائے کہ ہندو پاک کے علاوہ ان تمام ممالک میں جہاں ڈائیلیسس کی سہولت میسر ہے' یہ طریقۂ کار بہت مقبول اور فائدے مند ہے۔

اس طریقۂ کار کا اطلاق خرابیٔ گردہ کے ان مریضوں پر کیا جاتا ہے جن کے گردے مستقل طور پر خراب ہو جاتے ہیں اور زندہ رہنے کے لیے تبدیلیٔ گردہ یا ڈائیلیسس میں سے کسی ایک کا اطلاق لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ طریقۂ علاج خرابی گردہ کے مریض بچوں' بوڑھوں یا وہ افراد جن کی نسیں (VESSELS) کسی وجہ سے صحیح نہ ہوں ان کے لیے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے کیوں کہ بچوں کی نسیں چھوٹی اور باریک ہوتی ہیں۔ بوڑھے افراد میں عموماً نسیں سکڑ جانے یا چربی کی مقدار بڑھ جانے کے سبب یہ طریقۂ کار بہتر رہتا ہے۔

مشینی صفائی یا ہیموڈائیلیسس

گردوں کی خرابی سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کو دور کرنے کے طریقۂ کار میں سے ایک ہیموڈائیلیسس ہے۔ اس طریقۂ کار

میں خون میں جمع ہونے والے فاسد مادوں' نمکیات بوجہ پیشاب کی کمی جمع شدہ پانی کو خون سے بذریعہ مشین علیحدہ کیا جاتا ہے۔اسی سبب کو عام فہم زبان میں صفائی کے اس طریقۂ کار کو "مشینی صفائی" بھی کہا جاتا ہے۔ مقصد اس کا بھی وہی ہے یعنی "تطہیر خون" یا "خون کی صفائی"۔

یہ طریقۂ کار خرابی گردہ کے ان مریضوں کے لیے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے جن کے گردے مستقل طور پر خراب ہو جاتے ہیں۔اس کے علاوہ اتفاقی یا حادثاتی طور پر خراب ہونے والے گردوں اور ایمرجنسی میں بھی کارگر رہتا ہے۔گذشتہ سالوں کے دوران پاکستان میں بھی اس طریقۂ کار کا استعمال ایمرجنسی کی صورت میں کافی بڑھ گیا ہے۔

گردوں کی صفائی کا یہ عمل ابھی تک ساری دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب ہے۔خون کی صفائی کے اس فعل کا اطلاق عملی طور پر کچھ یوں ہوتا ہے کہ ہر ڈاکٹر اپنے زیرِ علاج مریضوں کے وقتاً فوقتاً معائنہ کے دوران گردوں کی کارکردگی کا اندازہ بذریعہ ٹیسٹ کرتے رہتے ہیں۔ اس دوران جب گردوں کا فعل کم ہوتے ہوتے 1/8 حصہ رہ جاتا ہے تو مذکورہ مریض کو فسچولا (FISTULA) بنوانے کا مشورہ دیتے ہیں یہ ایک طرح سے متاثرہ مریض کا حق میں حفاظتی اقدام ہوتا ہے۔

مریض کے بائیں یا دائیں بازو میں جلد کے بالکل نیچے آپریشن کے ذریعے خون کی شریانوں اور دریدوں کو ملا کر سی دیا جاتا ہے۔طبی زبان میں اسے فسچولا (FISTULA) کہا جاتا ہے۔

یہ اقدام خون کا دباؤ بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔اس سے خاص مقام پر خون کی گردش بڑھ جاتی ہے۔خون کی نالیاں بڑی اور موٹی ہو جاتی ہیں۔ہاتھ گرم اور تھوڑا موٹا معلوم ہوتا ہے۔

اس مقام پر ڈائیلیسس کے وقت دو سوئیاں لگا دی جاتی ہیں۔ان کے ذریعے خون پلاسٹک کی نالیوں سے ہوتا ہوا مشین سے منسلک مصنوعی گردے یا ڈائیلائزر (DIALYSER) میں آتا اور واپس چلا جاتا ہے۔مصنوعی گردہ پلاسٹک کے خول میں بند باریک' کھوکھلے ریشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔یہ ریشے ایک خاص عنصر سیلی لوز (CELLULOSE) سے بنے ہوتے ہیں۔ اسے ڈائیلائزر (DIALYSER) یا مصنوعی گردہ کہا جاتا ہے۔اس کا نظام ایک مشین سے کنٹرول ہوتا ہے۔اسے ڈائیلیسس مشین کہا جاتا ہے۔مشین کا کنٹرول ہر مریض کی ضرورت کے مطابق منظم کیا جاتا ہے۔اس میں مختلف بٹن لگے ہوتے ہیں جو بوقتِ ضرورت الارم بھی دیتے ہیں۔اسی طرح مصنوعی گردوں کا سائز بھی متاثرہ افراد کے وزن اور جسمانی مناسبت سے الگ الگ ہوتا ہے۔خون کی صفائی کا یہ عمل ۴ گھنٹے کا ہوتا ہے۔البتہ جدید مشینوں میں اس کا دورانیہ ۲ گھنٹے کم ہو گیا ہے لیکن اس میں خون کی روانی بڑھنے کے سبب فسچولا پر کافی دباؤ پڑ سکتا ہے۔ڈائیلیسس کے دوران مریض آرام سے بستر پر لیٹا رہتا ہے' اخبار پڑھتا ہے' میوزک' ٹی وی کی سہولت ہو تو اس سے مستفید ہوتا ہے۔

ڈاکٹر یا طبی عملے کے دیگر افراد اس دوران اس کا بلڈ پریشر اور ایسی ہی دیگر علامات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔۴ گھنٹے کا دورانیہ مکمل ہونے کے بعد خون کی گردش کا سلسلہ مصنوعی گردہ سے منقطع کر دیا جاتا ہے۔تمام خون واپس جسم میں چلا جاتا ہے۔ سوئیاں نکال دی جاتی ہیں۔اس مقام پر چند منٹ تک دباؤ کے ساتھ روئی رکھی جاتی ہے' پھر ٹیپ سے بند کر دیا جاتا ہے' مذکورہ فرد کو اگلے ۲۴ گھنٹے تک روئی اور ٹیپ نہ ہٹانے کی ہدایت کر دی جاتی ہے۔

اس عمل کی تکمیل کے بعد مریض کے خون کا دباؤ اور وزن چیک کیا جاتا ہے اور گھر جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ گھر جانے کی اجازت خرابی گردہ کے ان افراد کو دی جاتی ہے جن کی زندگی کا انحصار ہیمو ڈائیلیسس کے مستقل پروگرام پر ہوتا ہے۔کسی بھی ایمرجنسی کے باعث ہیمو ڈائیلیسس کے مرحلے سے گذرنے والے فرد کو طبیعت کی مکمل بہتری تک ہسپتال میں مقیم

رہنا پڑتا ہے۔ ایمرجنسی میں ہیمو ڈائیلیسس کے جو طریقہ کار استعمال ہوتے ہیں انہیں شنٹ (SHUNT) سب کلوین (SUBCLAVIAN) فیمورول (FEMORAL) کہا جاتا ہے۔

شنٹ

مریض کے بائیں ٹخنہ سے اوپر آپریشن کے ذریعے ٹیوب ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے ذریعے مریض کا خون صاف کیا جاتا ہے۔

سب کلوین (SUBCLAVIAN)

اس میں مریض کی گردن کے نچلے حصے میں بذریعہ آپریشن شریان میں ٹیوب ڈال دی جاتی ہے اور خون کی صفائی کا کام کیا جاتا ہے۔ یہ عموماً دو ہفتہ سے چھ ہفتہ تک استعمال کی جاسکتی ہے۔ اس آپریشن سے پھیپھڑوں میں ہوا بھر سکتی ہے۔ لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

فیمورل (FAMORAL)

انسانی جسم کے اوپری حصے اور ٹانگ کے ملاپ کے مقام پر بذریعہ آپریشن شریان میں ٹیوب ڈال کر صفائی کرنے کے اس طریقے کو فیمورل کہتے ہیں۔ (ڈائیلیسس، دی کڈنی سنٹر، کراچی)

خون اور پیشاب سے قرآن مجید کو لکھنے سے اعضاء کی پیوند کاری پر استدلال اور اس کا جواب

پانچویں جواب میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

شریعت اسلامیہ میں "انسانی جان" کی کتنی قدر و قیمت اور کس قدر اس کو اہمیت حاصل ہے؟ اس کا انداز اس سے لگایئے کہ کلام اللہ یعنی قرآن پاک کی عظمت و حرمت عام آدمی کی عظمت و حرمت سے کہیں زیادہ ہے، جس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جنبی کو اس کا پڑھنا اور بے وضو آدمی کو اس کا ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں لیکن اگر اس کے مقابلہ میں انسانی جان کے بچانے کی بات آجائے تو ترجیح انسانی جان ہی کو دی جائے گی اس سلسلہ میں فقہاء کے بیان کردہ اس مسئلہ کو ملاحظہ فرمایئے:

ترجمہ: اور جس کو نکسیر آئے اور خون بند نہ ہوتا ہو تو اگر وہ اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن سے کچھ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر پیشاب سے قرآن کا کچھ حصہ لکھا جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اگر اس میں اس کی شفاء ہے تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اللہ اکبر! فقہاء نے اس جزئیہ کے ذریعہ بتا دیا کہ دین اسلام میں ایک جان کے بچانے کی بڑی اہمیت ہے اس کے سامنے آدمی کی حرمت تو کیا اگر قرآن جیسی عظیم اللہ کی کتاب کی عظمت و حرمت کو بھی نظر انداز کرنا پڑا تو کرلیں گے لیکن انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیں گے انسانی جان کو ہر حال میں بچانے کی کوشش کریں گے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۵۔۵۴)

بعض فقہاء نے یہ جزئیہ انسان کی جان بچانے کے لیے نہیں بلکہ مرض سے شفاء کے متعلق لکھا ہے اور فقیہ ابوبکر کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے اور جن فقہاء نے اس کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، ہمارے نزدیک قرآن مجید کی عزت اور حرمت بہت زیادہ ہے مرض سے شفاء کی کیا حیثیت ہے اگر مریض کو سو فی صد یقین ہو کہ اس کی پیشانی پر خون یا پیشاب سے کلام اللہ کی آیات لکھنے سے اس کی جان بچ جائے گی تو اس کا سو بار مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب سے قرآن مجید لکھنے کی جسارت کرے اور اس کی توہین کا مرتکب ہو۔ ہمیں یہ پڑھ کر بہت رنج اور افسوس ہوا کہ مؤلف پیوند کاری ثابت کرنے کے جوش میں کلام اللہ کی توہین کے جواز تک اتر آئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مؤلف نے یہاں پھر انسان کی جان بچانے اور اس کو ضائع نہ ہونے دینے کو لکھا ہے اور ہم کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ گردہ کے مریض کو اگر گردہ نہ دیا جائے تو وہ اس سے فوراً مرتا نہیں ہے۔ قرآن مجید کی توہین کے جواز کا فتویٰ دینے کے بعد مؤلف مزید لکھتے ہیں:

قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء تو انسانی جان کو اتنی اہمیت اور وقعت دیں لیکن آج کل کے بعض مفتیوں کی نظر میں یہ انسانی جان اتنی بے قیمت اور بے وقعت ہے کہ ایک آدمی سسک سسک کر جان دے رہا ہے لیکن بغیر کسی نقصان کے اس کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف احترام آدمیت اور احترام میت کے باعث کسی کو اس کی مدد کی اجازت نہیں' اس تڑپتے ہوئے انسان کی بے کسی اور بے بسی کا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہو لیکن قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کر و اس کی زندگی نہ بچاؤ اس کو اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو یہ کون سا اسلام ہے اور کہاں کی شریعت ہے؟ یہ انتہائی سنگدلی' بے رحمی اور سفاکی ہے اس کو اسلامی حکم کہنا اسلام کی توہین اور دین کی حرمت کی پامالی ہے' یہ احترام انسانیت نہیں بلکہ تذلیل انسانیت ہے یہ تکریم آدمیت نہیں بلکہ تحقیر آدمیت ہے۔ (جدید طبی مسائل ص ۵۵)

انداز بیان دیکھئے! کیا علمی اور تحقیقی مسائل میں اسی طرح کی زبان استعمال کی جاتی ہے' اور اجتہادی گرہیں اسی طرح جوش اور جذباتیت سے کھولی جاتی ہیں۔

سرجری کی تعلیم اور مشق کے لیے غیر مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کے جواز اور مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کے عدم جواز کی تحقیق

اس بحث میں ہم نے لکھا ہے: سرجری کی مشق کے لیے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیر پھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۹ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

مؤلف مذکور نے اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں چنانچہ اس پر فقہ کا جز یہ شاہد ہے: اور انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے بوجہ آدمی کی عزت اور کرامت کے اگر چہ کافر ہی ہو۔ (اس جزئیہ کا کوئی حوالہ مذکور نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اس کے بعد لکھتے ہیں:

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی جان قیمتی ہے' انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں' جو مسلمان کی جان کا حکم ہو گا وہی کافر کی جان کا حکم ہو گا' اگر مسلمان کے جسم کی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے' لہٰذا عدم القائل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی (الیٰ قولہ) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ''غیر مسلم اموات'' کی قید لگانا درست نہیں اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہو گا۔ (جدید طبی مسائل ص ۷۶-۷۸ ملخصا' حیدرآباد' ۱۴۱۶ھ)

مؤلف مذکور کا یہ فتویٰ یا ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے' دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ مسلم اموات اور غیر مسلم اموات کی حرمت میں فرق ہے اور غیر مسلم اموات کی توہین شرعاً جائز ہے اس پر احادیث صحیحہ موجود ہیں اور فقہاء کا بھی یہی مختار ہے' جیسا کہ ان شاء اللہ العزیز ہم ابھی وہ احادیث اور عبارات پیش کریں گے' بنا بریں طبی ضرورت اور سرجری کی مشق کے لیے غیر مسلم کو حاصل کرنا

لازم ہے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احادیث اور عبارات فقہاء پیش کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

غیر مسلم اموات کے احترام لازم نہ ہونے اور ان کی اہانت کے جواز میں احادیث

مسجد نبوی بنانے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس جگہ مسجد نبوی بنائی گئی تھی اس جگہ کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس میں کچھ کھجوروں کے درخت' مشرکین کی قبریں اور کھنڈرات تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا وہ کاٹ دیئے گئے اور مشرکین کی قبریں کھود کر ان کے مردوں کو نکال کر پھینک دیا گیا۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہے کافر تو ان کی قبروں کو کھودنے اور ان کی اہانت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ مشرکین کی قبروں کو کھود کر اور ان کی لاشوں کے بقایا جات کو قبروں سے نکال کر وہاں مسجد بنانا اور نماز پڑھنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس سلسلہ میں دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طائف میں گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابورغال کی قبر ہے' وہ اس حرم میں پناہ لیے ہوئے تھا جو اس سے عذاب دور کر رہا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس کو اس عذاب نے پکڑ لیا جو اس کی قوم پر آیا تھا' پھر اس کو اس جگہ دفن کر دیا گیا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن کی گئی تھی اگر تم اس کی قبر کھودو گے تو تم کو وہ شاخ مل جائے گی' مسلمان اس کی قبر کھودنے کی طرف جھپٹے اور وہ شاخ قبر سے نکال لی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۸۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۸۷۵۰)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابورغال قوم عاد کا ایک فرد تھا' اللہ تعالیٰ نے عاد کو ہلاک کر دیا تھا' ان کی کوئی نسل جاری نہیں ہوئی' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مشرکین کی قبروں کو کھودنا جائز ہے' جب کہ اس کی کوئی ضرورت ہو اور مسلمانوں کے لیے کوئی نفع ہو اور یہ کہ مشرکین کے مُردوں اور ان کے اموات کی حرمت مسلمانوں کی اموات کی طرح نہیں ہے۔ (معالم السنن مع مختصر المنذری ج ۴ ص ۲۷۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۰ھ)

اس سلسلہ میں تیسری حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مردہ مومن کی ہڈی کو توڑنا' زندہ مومن کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۵۸ طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۱۸۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۲' الفتح الربانی ج ۸ ص ۸۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے پہلی احادیث سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ مردہ کافروں کا کوئی احترام نہیں ہے' اور ضرورت کی بنا پر اور مسلمانوں کے

کے لیے مردہ مشرکوں کی اہانت کرنا جائز ہے اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مردہ مسلمانوں کا احترام لازم ہے اس لیے غیر مسلم اموات کی سرجری کرنا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے اور مسلم اموات کی سرجری اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء اسلام کی حسب ذیل عبارات ہیں:

غیر مسلم اموات کے احترام لازم نہ ہونے اور ان کی اہانت کے جواز میں فقہاء اسلام کی عبارات

صحیح بخاری وغیرہ کی جس حدیث میں ہے کہ جس جگہ مسجد نبوی بنائی جا رہی تھی وہاں کفار کی قبریں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کفار کی قبروں کو کھود کر ان کی لاشوں اور ہڈیوں کو نکال کر پھینک دیا جائے' اس حدیث کی شرح میں علامہ حمد بن محمد سلیمان خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ علم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت کفار کی قبروں کو کھود کر ان کے مردوں کو نکال کر پھینکنے کو مباح قرار دیا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رغال کی قبر کو کھودنے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۸۸)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص کا خون اس کی زندگی میں محترم نہ ہو اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں بھی محترم نہیں ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنا زندہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنے کی مثل ہے (مسند احمد ج ۶ ص ۵۸' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۲) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کفار کی ہڈیوں کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۸۔۲۵۷ ملخصاً دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء نے مال کی طلب کے لیے مشرکین کی قبروں کے کھودنے کو جائز کہا ہے' اشہب نے کہا مرنے کے بعد ان کی حرمت ان کی زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۸۱' مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس کی زندگی میں اس کی حرمت نہیں ہے اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی حرمت نہیں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنا زندہ مسلمانوں کی ہڈیوں کو توڑنے کی مثل ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۴۳۔۴۴۲' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

آپ نے مشرکین کی قبروں کو کھودنے کا اسی لیے حکم دیا کہ ان کی کوئی حرمت نہیں ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۱۲۲' دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض اور علامہ خطابی کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۱۷' مکمل اکمال الاکمال ج ۲ ص ۴۱۷' دار الباز' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کی قبروں کو کھودنا اور ان کی ہڈیوں کو نکال کر پھینکنا جائز ہے کیونکہ اموات مشرکین کا کوئی احترام نہیں ہے' اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا اس زمانہ میں بھی مشرکین کی قبروں کو کھود کر اس جگہ مسجد بنانا جائز ہے تو میں کہوں گا کہ سنن ابوداؤد میں جو ابو رغال کی حدیث ہے اس کی بناء پر فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے ابو رغال کی قبر کو کھود کر اس سے سونے کی شاخ نکال لی تھی' فقہاء نے کہا جب مشرک کی قبر کو مال کی

طلب کے لیے کھودنا جائز ہے تو کسی نفع کو حاصل کرنے کے لیے یا کسی ضرورت کی وجہ سے اس کی قبر کو کھودنا بہ طریق اولیٰ جائز ہے اور مرنے کے بعد مشرکین کا احترام ان کی زندگی سے زیادہ نہیں ہے' اور ان کی قبر کھودنے والے کو اس کام میں اجر ملے گا' فقہاء احناف' امام شافعی اور اشہب مالکی نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان تمام فقہاء اسلام کی عبارات میں یہ تصریح ہے کہ غیر مسلم اموات کا کوئی احترام نہیں ہے کسی ضرورت کی بناء پر یا کسی فائدے کے حصول کے لیے ان کی قبروں سے ان کی ہڈیوں کو نکال کر پھینکا جاسکتا ہے بنابریں سرجری کی تعلیم کی مشق کے لیے غیر مسلم اموات کا پوسٹ مارٹم کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ وللہ الحمد

مسلم اموات میں سرجری کے عدم جواز اور غیر مسلم اموات میں اس کے جواز کی اصل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۰۵۲ھ مسلم اموات کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض جاہل قبر کھودنے والے غیر بوسیدہ اموات کی قبروں کو کھود کر ان میں اجنبیوں کو دفن کر دیتے ہیں یہ صراحۃً ناجائز ہے خواہ کسی میت سے تبرک حاصل کرنے کے قصد سے اس کی قبر کھود کر اس میں دوسرے کو دفن کیا جائے' اس میں پہلی میت کی توہین ہے اور اس کے اعضاء کو متفرق کرنا ہے اس سے احتراز کرنا لازم ہے' علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ جب میت کا جسم پرانا ہو کر مٹی ہو جائے تو پھر اس کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا جائز ہے' اس کے برخلاف تاتارخانیہ میں مذکور ہے جب میت قبر میں مٹی ہو جائے تب بھی اس کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کا احترام باقی ہے' اور اگر اس کی ہڈیاں ایک طرف کر کے صالحین کے قرب کا تبرک حاصل کرنے کے قصد سے اس میں دوسرے مردہ کو دفن کیا جائے پھر بھی مکروہ ہے کیونکہ اس کا احترام باقی ہے۔

(علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی المتوفی ۷۸۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۱۷۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ)

اور علامہ شامی غیر مسلم اموات کے متعلق لکھتے ہیں:

''الاحکام'' میں مذکور ہے کہ مشرکین کے قبرستان میں مسلمان کو دفن کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ ان کی قبروں میں کوئی علامت باقی نہ رہے اس طرح خزانۃ الفتاویٰ میں ہے' اور اگر ان کی ہڈیوں میں سے کوئی چیز باقی ہو تو اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اور اس کے آثار مٹا دیئے جائیں اور اس جگہ مسجد بنا دی جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی سے پہلے اس جگہ مشرکین کی قبریں تھیں ان کو کھود کر ان کی ہڈیاں پھینک دی گئیں اور اس جگہ مسجد نبوی بنا دی گئی۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شامی اور صاحب تاتارخانیہ کی عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلم اموات کی ہڈیوں کا احترام باقی رہتا ہے لہٰذا ان کا پوسٹ مارٹم کرنا اور ان پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں ہے' اور غیر مسلم اموات اور ان کی ہڈیوں کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا لہٰذا ان پر سرجری کی مشق کرنا اور ان کا پوسٹ مارٹم کرنا بلا کراہت جائز ہے اور یہی بات ہم نے شرح صحیح مسلم میں کہی تھی۔ اور احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام اور خصوصاً فقہاء احناف کی عبارات سے اس کا برحق ہونا واضح ہو گیا وللہ الحمد۔

واضح رہے کہ ہم نے تعلیم کی مشق کے لیے مسلم اموات کی سرجری کو ناجائز کہا ہے لیکن اگر اس کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو مثلاً کسی بے قصور شخص کا سزائے موت سے بچنا مسلم مردہ کے پوسٹ مارٹم پر موقوف ہو تو یہ بھی جائز ہے اس کی تفصیل اور دلائل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲۷-۸۲۶ میں مذکور ہیں۔

مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت اور مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی حدیثوں میں تعارض کا جواب

ہم نے مسند احمد اور موطا امام مالک کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے: ''مردہ مومن کی ہڈی کو توڑنا زندہ مومن کی ہڈی

ڑنے کی مثل ہے' اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دوسری کتب حدیث میں یہ حدیث مطلق ہے' مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۶) اور اس حدیث میں مردہ کے ساتھ مسلم کی قید نہیں ہے اور آپ کی اس تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جائے اور یہ احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جب مطلق اور مقید میں تعارض ہو اور کسی تیسری دلیل کی بناء پر مقید کی ترجیح ہو جائے تو پھر فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے' اصولیین نے اس کی دو نظیریں ذکر کی ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

ملا احمد جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں:

ایک حدیث میں ہے فی خمس من الابل شاۃ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۸) پانچ اونٹوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے' اس حدیث میں اونٹوں کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے اور یہ حدیث مطلق ہے اور ایک اور حدیث میں ہے فی کل خمس من الابل السائمۃ شاۃ (المستدرک ج ۱ ص ۳۹۶ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۴۷ جدید) ہر پانچ ایسے اونٹ جو قدرتی چراگاہ میں چرتے ہوں ان میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اور یہ حدیث مقید ہے اور حدیث مطلق کو ایک تیسری حدیث کی بنا پر مقید کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے: ہل چلانے والے' بوجھ اٹھانے والے اور (خریدا ہوا) چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے (ہدایہ اولین ص ۱۹۲ میں بھی اسی طرح ہے تاہم حدیث میں صرف یہ ہے: لیس فی البقر العوامل صدقۃ' سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۱۰۳) اور اس تیسری حدیث سے حدیث مقید کی تائید ہوتی ہے' نیز سنت معروفہ بھی یہی ہے کہ ان جانوروں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے جو قدرتی چراگاہ میں چرتے ہوں سو اس حدیث اور سنت معروفہ کی بنا پر مطلق کو مقید پر محمول کر دیا گیا۔

(علامہ عبدالعزیز بخاری متوفی ۷۳۰ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے' کشف الاسرار ج ۲ ص ۵۳۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس کی دوسری نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بغیر کسی قید کے گواہ بنانے کا ذکر ہے اور وہ آیت مطلق ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ. تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۸۲)

اور دوسری آیت میں دو نیک گواہوں کو بنانے کا حکم دیا ہے اور یہ آیت مقید ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ. (الطلاق: ۲) اور تم اپنوں میں سے دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ نیک آدمیوں کو گواہ بنایا جائے اور یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کر دیا گیا ہے' اس کا فقہاء احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم نے ایک تیسری آیت کی بناء پر مطلق کو مقید پر محمول کر دیا ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا. اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ (الحجرات: ۶)

اور جب فاسق کی خبر بھی واجب التوقف ہے تو پھر دو نیک آدمیوں کو گواہ بنانا واجب ہے' اور اس تیسری دلیل کی بناء پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔ (نور الانوار ص ۱۶۵' موضحا مخرجا' میر محمد کتب خانہ کراچی)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت ہے' لیکن جب دوسری حدیث میں کافر مردوں کی ہڈیوں کو قبروں سے نکالنے کی تصریح ہے تو ہم نے مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت کو مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے پر محمول کر دیا' اور اس قاعدہ کی بنا پر یہاں بھی

مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں مطلقاً خون کو حرام فرمایا ہے: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ (البقرہ: ۱۷۳) اور دوسری آیت میں بہنے والے (مقید) خون کو حرام فرمایا ہے اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا (الانعام: ۱۴۵) اور فقہاء احناف نے یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے' امام ابو بکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ نے اس کی توجیہ میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ مطلق اور مقید ان میں سے کون سی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور ایسی صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اسی طرح ہم کو معلوم نہیں کہ مطلقاً مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت اور مسلمان مردے کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں سے کون سی حدیث مقدم ہے اس لیے ہم نے یہاں مطلق حدیث کو مقید حدیث پر محمول کر دیا۔

بہ طور جملہ معترضہ کے پوسٹ مارٹم کی تفصیل کے بعد ہم پھر اصل مبحث کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

حرف آخر

صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر صاحب کا یہ رسالہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا' اس کی زبان و بیان کو دیکھ کر اور اس کے دلائل کی ناپختگی کو پڑھ کر اور اس کو غیر اہم سمجھ کر میں نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا' نیز میرا طریقہ ہے کہ میں اپنے کام اور مشن کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور جو لوگ میرے خلاف لکھتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔ تاہم بعض احباب (مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہ وحبہ) نے اصرار کیا کہ آپ اس کا جواب تفسیر تبیان القرآن میں کہیں لکھ دیں تا کہ آنے والی نسلیں انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کو جائز نہ سمجھ لیں اور اس رسالہ کی وجہ سے لوگ گمراہ نہ ہو جائیں' ہر چند کہ اس رسالہ کی اتنی اشاعت اور وقعت نہیں تھی کہ اس کا خطرہ ہوتا اور خود مؤلف پر اپنی تحریر کا اثر نہیں ہوا تھا اور انہوں نے اپنے استاذ محترم مولانا عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ کو اپنا گردہ کٹوا کر نہیں دیا تھا جب کہ وہ اس رسالہ کی اشاعت کے بعد چار سال تک زندہ رہے۔ لیکن بہر حال میں نے حق کو واضح سے واضح تر کرنے کے لیے انسانی اعضاء کے ساتھ پیوند کاری کے حرام اور ممنوع ہونے پر مزید دلائل رقم کیے اور مؤلف مذکور کے شبہات کے جوابات لکھے' اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ہر چند کہ مؤلف کا مرکزی اور بنیادی شبہ صرف ایک ہے کہ جس شخص کے دونوں گردے فیل ہو گئے ہیں اگر اس کو کوئی دوسرا شخص اپنا گردہ کٹوا کر نہ دے تو وہ مر جائے گا لہٰذا اس کی زندگی بچانے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا شخص اپنا گردہ کٹوا کر اس کو دے' اور ہم نے واضح کر دیا ہے کہ جس کے دونوں گردے فیل ہو چکے ہوں اس کو فوری موت کا کوئی خطرہ نہیں ہے وہ اپنی عمر طبعی پوری کرتا ہے ڈائی لیسز کے ذریعہ علاج کرا کر زندگی گزارتا ہے۔ دراصل اس ایک بات سے ہی ان کے پورے رسالہ کا رد ہو جاتا ہے اور باقی شبہات کے ازالہ کی ضرورت نہیں رہتی تاہم' ہم نے تبرعاً اور احساناً ان کے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا۔ وللہ الحمد۔

اب ہم باقی آیات کی تفسیر کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اسی دین پر قائم رہو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ○ ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے ہر گروہ اسی سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے ○ (الروم: ۳۲۔۳۱)

منیب کا معنی

اس آیت کے شروع میں فرمایا منیبین الیہ' یہ لفظ انابت سے بنا ہے' اس کا معنی ہے قطع کرنا' اسی وجہ سے ڈاڑھ کو ناب

کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی قطع کرتی ہے اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو انابت کہتے ہیں' اور جب کوئی شخص ایک بار کے بعد دوسری بار رجوع کرے تو اس کو بھی انابت کہتے ہیں' اور جو شخص بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کو منیب کہتے ہیں۔ اور اس آیت میں اس کا معنی ہے جو لوگ توبہ اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں' یحییٰ بن سلام نے کہا اس کا معنی ہے' اللہ جل مجدہ کی طرف متوجہ ہونے والے' عبدالرحمان بن زید نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے' اور اس کا معنی یہ بھی ہے اپنے گناہوں سے اللہ کی طرف توبہ کرنے والے۔

اور فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو' یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کی اطاعت کرتے رہو۔

نماز کے عمداً ترک کرنے کو کفر اور شرک قرار دینے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور نماز قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے' سو جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۱ص ۴۳' مسند احمد ج۵ ص ۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۵۴' الکامل لابن عدی ج۳ ص ۸۹۶' المستدرک ج۱ ص ۷' سنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ ص ۳۶۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اور شرک کے درمیان صرف نماز کو ترک کرنا ہے' اور جب بندہ نے نماز کو ترک کیا تو اس نے شرک کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۸۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۰۰' اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید بن ابان الرقاشی ضعیف ہے لیکن اس کا متن صحیح ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس نے ظاہراً کفر کیا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۳۴۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ' مجمع الزوائد ج۱ ص ۲۹۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند کی توثیق کی گئی ہے)

اس حدیث میں عمداً نماز کے ترک کرنے کو کفر اور شرک قرار دیا ہے' لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نماز کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر ترک کیا جائے یا نماز کی فرضیت کا انکار کر کے ترک کیا جائے' یا نماز کی اہانت کرتے ہوئے اس کو ترک کیا جائے تو پھر یہ کفر ہے۔

ہر فریق کا اپنے نظریہ سے مطمئن اور خوش ہونا

اس کے بعد فرمایا: ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے۔ (الروم: ۳۲)

حضرت ابو ہریرہ' حضرت عائشہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم نے کہا اس سے مراد اہل قبلہ کے بدعتی فرقے ہیں۔

الربیع بن انس نے کہا اس سے مراد اہل کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ ہیں۔

پھر فرمایا ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے۔

جو لوگ نافرمانیوں میں مستغرق ہیں وہ نافرمانیوں پر خوش ہوتے ہیں' اسی طرح شیطان اور ڈاکو وغیرہ اپنی کارروائیوں سے خوش رہتے ہیں۔

حزب کے معنی لوگوں کی جماعت ہے یعنی لوگ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے' بعض وہ ہیں جن کا آخرت اور جنت کی طرف میلان ہے' بعض وہ ہیں جو دنیا کی رنگینیوں اور عیاشیوں میں مست ہیں اور ہر فریق اپنی سوچ اور نظریہ پر مطمئن

اور خوش ہے۔

فقہ کے چار امام ہیں: امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل' اور ہر ایک کے پیروکار اور مقلد اپنے اپنے امام کی تحقیق اور اجتہاد پر مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح عقائد کے امام' امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی ہیں' اور ان کے ماننے والے ان کے نظریات پر مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح طریقت میں قادری' چشتی' اویسی اور نقشبندی سلسلے ہیں اور ہر ایک کے ماننے والے اپنے طریقہ پر مطمئن ہیں' بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث اور شیعہ مکاتب فکر ہیں اور ہر مکتب فکر سے وابستہ لوگ اپنے اپنے نظریہ سے مطمئن اور خوش ہیں' اسی طرح دنیا میں اسلام' یہودیت اور عیسائیت کے مذاہب ہیں' خدا پرستوں' بت پرستوں' کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے افکار اور ان کے ماننے والے ہیں' بدھ مت کے پیروکار ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہے' اور ہر فریق خود کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں' پھر جب وہ اپنی رحمت سے ان کو رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اس وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے O تاکہ وہ ہماری ان نعمتوں کی ناشکری کرے' جو ہم نے ان کو دی ہیں' سو تم (عارضی) فائدہ اٹھالو پھر تم عنقریب جان لو گے !O (الروم: ۳۴۔۳۳)

نفس اور روح کے تقاضے

ان کفار پر جب بیماری یا کوئی اور آفت آتی ہے تو یہ اس کو دور کرنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں' کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی مصیبت کو دور نہیں کرسکتا' اس لیے وہ مصائب کے وقت اپنے بتوں کو نہیں صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔ تاکہ وہ انجام کار ہماری نعمتوں کی ناشکری کریں' اور مصائب دور ہونے کے بعد وہ پھر شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

اس آیت میں یہ وصف عام لوگوں کا بیان فرمایا ہے اور اس میں یہ ارشارہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں روح کی ہدایت اور اطاعت بھی ہے اور نفس کی گمراہی اس کی نافرمانی اور سرکشی بھی ہے' ان پر جب آفتوں اور مصیبتوں کی یلغار ہوتی ہے تو ان کے نفوس مضمحل ہو جاتے ہیں اور نافرمانی کے محرکات معطل ہو جاتے ہیں پھر ان کی ارواح شہوتوں اور نفسانی تقاضوں کی قیود سے نکلتی ہیں اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کی طرف لوٹ آتی ہیں' پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور ان کے نفوس بھی اپنے طبعی تقاضوں کے خلاف اپنی ارواح کی موافقت کرتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دیتے ہیں' اور جب اللہ ان سے وہ مصائب دور کر دیتا ہے تو اس کے سرکش نفوس اپنی بری عادتوں کی طرف پھر لوٹ آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو تہدید فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور رحمتوں سے عارضی فائدہ اٹھالو پھر تم نے اپنی نافرمانی اور سرکشی کے موافق جو عمل کیے ہیں ان کی سزا پالو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو ان کے شرک کی تصدیق کرتی ہے؟O اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور جب ان کے پہلے سے کیے ہوئے برے کاموں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں O (الروم: ۳۶۔۳۵)

راحت اور مصیبت کے ایام میں مومنوں اور کافروں کے احوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے' یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ایسی حجت اور دلیل نازل نہیں کی جو ان کے شرک کی تصدیق اور تائید کرتی ہو۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال جب اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے دلائل کے موافق ہوں گے تو وہ اعمال ان کے حق میں مفید ہوں گے اور جب ان کے اعمال ان کے سرکش نفوس کے تقاضوں کے موافق ہوں گے تو وہ ان کے حق میں مضر ہوں گے' پس محض اپنی طبیعت کے موافق عمل کرنا گمراہی ہے اور اللہ کی نازل کی ہوئی دلیل کے موافق عمل کرنا ہدایت ہے۔

پھر فرمایا: اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ یحیٰی بن سلام نے کہا اس سے مراد فصلوں کی زرخیزی اور زرعی پیداوار کی کثرت ہے اور صحت اور عافیت ہے' نقاش نے کہا اس سے مراد نعمت اور بارش ہے۔ اور فرمایا جب ان کے برے کاموں کی وجہ سے ان پر مصیبت آتی ہے' اس سے مراد قحط اور دیگر مصائب ہیں' ان کے برے کاموں سے مراد فرائض اور واجبات کو ترک کرنا اور حرام اور مکروہ کاموں کا کرنا ہے۔

اس آیت میں کافروں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اس پر اتراتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں' اس کے برخلاف مومن کو جب کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت اور اس مصیبت کے دور ہونے کی امید رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے رزق) تنگ کر دیتا ہے' بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو' یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں O

(الروم: ۳۸-۳۷)

شکر اور صبر کی تلقین

یعنی کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے وسعت کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے' اس لیے محض فقر کی وجہ سے ان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کو مال دنیا کی نعمتیں دے کر اس کو شکر کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اس پر تنگ دستی طاری کر دیتا ہے اور اس کو صبر کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے' اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مصیبت کے ایام میں صبر سے کام لیں۔ شفیق بلخی نے کہا جس طرح تم اپنی جسمانی بناوٹ کو زیادہ بہتر اور خوب صورت نہیں بنا سکتے اور جس طرح اپنی زندگی کے ایام میں اضافہ نہیں کر سکتے اسی طرح تم اپنے رزق میں بھی زیادتی نہیں کر سکتے سو رزق کی طلب میں اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔ غالباً شفیق بلخی کا یہ مطلب ہے جب تمہاری ضروریات فراغت سے پوری ہو رہی ہوں تو محض رزق میں اضافہ کی طلب میں زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو اور مال و دولت کی حرص میں اپنی توانائی کو ضائع نہ کرو بلکہ اپنی توانائیوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف کرو' ورنہ اگر انسان کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں تو پھر رزق کے حصول کے لیے جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنی چاہیے' اور یہ کوئی ناجائز کام نہیں ہے۔

اپنا مال قرابت داروں کو دینے کی فضیلت

اور فرمایا پس آپ قرابت داروں کو ان کا حق ادا کریں اور مسکینوں کو اور مسافروں کو' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور مراد آپ بھی ہیں اور آپ کی امت بھی' کیونکہ اس کے متصل بعد فرمایا: یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

اس آیت کا پہلی آیت سے اس طرح ربط ہے کہ پہلی آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ کچھ لوگ مال دار ہوتے ہیں اور کچھ

لوگ تنگ دست' تو مال دار لوگوں کو چاہیے کہ وہ تنگ دستوں کی مدد کریں' پھر جب مالدار لوگ غریبوں کی مدد کریں تو اس میں ترجیح یہ ہے کہ پہلے اپنے قرابت داروں کو دیں کیونکہ اس میں صلہ رحم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۲) تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسند کی چیزوں کو خرچ نہ کرو' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گمان ہے کہ ہمارا رب ہمارے مالوں میں سے سوال کر رہا ہے' پس میں آپ کو گواہ کرتا ہوں یا رسول اللہ! میری وہ زمین جو بیر حاء (مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ تھی جہاں حضرت ابوطلحہ کا باغ تھا اب یہ جگہ مسجد نبوی میں آ گئی ہے) میں ہے اس کو اللہ کی راہ میں دیتا ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ زمین اپنے قرابت داروں کو دے دو' تب انہوں نے وہ زمین حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما کو دے دی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث:۳۶۰۲)

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک باندی آزاد کی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا اگر تم وہ باندی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ملتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۹۲' صحیح مسلم الزکوٰۃ رقم الحدیث:۴۴' الرقم المسلسل:۲۲۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۴۹۳۶)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو' خواہ زیورات سے کیا کرو' حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ تم خالی ہاتھ اور مفلس ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو اگر (تمہیں دینا) ادائیگی صدقہ سے کافی ہو تو فبہا ورنہ میں تمہارے سوا کسی اور کو دے دیتی ہوں۔ حضرت زینب کہتی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا تم خود جاؤ! حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں گئی تو دیکھا کہ انصار کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑی ہے اور اسے بھی یہی مسئلہ درپیش تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مرعوب رہتے تھے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے تو ہم نے کہا تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ دو عورتیں دروازے پر یہ معلوم کرنے کے لیے کھڑی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور جوان کی گود میں یتیم بچے ہیں ان کو صدقہ دیں تو ادا ہو جائے گا! اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں' حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے یہ مسئلہ معلوم کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا وہ عورتیں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا ایک انصار کی عورت ہے دوسری زینب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون سی زینب؟ انہوں نے کہا عبد اللہ بن مسعود کی بیوی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں دو اجر ملیں گے ایک اجر قرابت کا اور ایک اجر صدقہ کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۶۳۶۔۶۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۲۳۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم جو مال سود لینے کے لیے دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا' اور تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں O اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا' پھر تم کو موت دے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا' کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے' اللہ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O (الروم:۴۰۔۳۹)

معاوضہ کی طلب سے کسی کو ہدیہ دینا

البقرہ: ۲۷۸۔۲۷۹ میں ربا کی مفصل بحث گزر چکی ہے' ربا (سود) کا معنی' اس کی تعریف اور اس کا حکم' ان تمام امور پر ہم وہاں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اس آیت میں سود سے مراد وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والا اس سے افضل چیز کا طالب ہو یہ حقیقۃً سود نہیں ہے لیکن صورۃً سود کے مشابہ ہے اس لیے اس کو سود فرمایا ہے' یہ جائز ہے اس میں ثواب ہے نہ گناہ ہے' ہمارے عرف میں اس کو نیوتا کہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۷۹ میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حرام ہے اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حلال ہے' اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ایک شخص کسی دوسرے شخص کو' کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں اس سے افضل چیز کو طلب کرتا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

(۲) ایک آدمی اپنے ساتھ سفر میں کسی شخص کو لے جاتا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے وہ آدمی اس شخص کو اس کی خدمت کے معاوضہ کے طور پر کچھ رقم دیتا ہے اور اس سے اللہ کی رضا کے لیے دینے کا ارادہ نہیں کرتا۔ یہ شعبی کا قول ہے۔

(۳) ایک آدمی اپنے قرابت داروں کو کچھ صدقہ دیتا ہے تاکہ اس قرابت دار پر اس کا غنی ہونا ظاہر ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کرتا ہے نہ صلہ رحم کی۔ یہ ابراہیم کا قول ہے۔

جو شخص اپنے قرابت داروں کو اس لیے دے کہ ان پر اس کی دولت مندی ظاہر ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہے اور اگر وہ ان کو اس لیے دے کہ قرابت داری کی وجہ سے ان کا اس پر حق ہے تو یہ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ اس طرح جو شخص سفر میں خدمت کرنے والے کو اس کی خدمت کے عوض رقم دیتا ہے تو یہ اللہ کے لیے نہیں ہے لیکن اس وجہ سے اس کا مال لوگوں کے مال میں نہیں بڑھے گا' اور صریح آیت اس شخص کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کو اپنا مال اس لیے ہبہ کرتا ہے تاکہ اس کو بدلہ میں لوگوں کے مال سے زیادہ ملے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی کو ثواب کی نیت سے ہبہ کرے تو وہ اس کا ہبہ ہی ہے حتیٰ کہ وہ اس سے راضی ہو۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ ہدیہ اللہ کی رضا کے لیے دیا جاتا ہے یا دوستی بڑھانے کے لیے جیسا کہ حدیث میں ہے ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو' اور یہ باطل ہے (یعنی امام شافعی کا قول) کیونکہ عرب میں ہدیہ صرف بدلہ لینے کے لیے دیا جاتا ہے اور اس سے دوستی تبعاً حاصل ہوتی ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۲۳۔۵۲۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا ربا کی دو قسمیں ہیں ایک ربا حلال ہے اور ایک ربا حرام ہے' جو ربا حلال ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دے اور اس سے افضل چیز کا طالب ہو' اس ہدیہ میں اس کو کوئی اجر ملے گا اور نہ اس کو کوئی گناہ ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ ضحاک' ابن جبیر' طاؤس اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے' علامہ ابن عطیہ اور قاضی ابوبکر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثقیف کا وفد آیا اور ان کے پاس ہدیہ تھا' آپ نے پوچھا کیا آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے' اگر یہ ہدیہ ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کیا گیا ہے اور اپنی

کسی حاجت کو پورا کرنے کا قصد کیا گیا ہے' اور اگر یہ صدقہ ہے تو اس سے صرف اللہ عزوجل کی رضا کی طلب کا قصد کیا گیا ہے' انہوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ صدقہ ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صدقہ کو قبول کر لیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے' آپ ان سے سوالات کرتے رہے اور وہ آپ سے سوالات کرتے رہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۶۲' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے قرابت داروں اور بھائیوں کو اس لیے چیزیں دیتے تھے کہ ان کو اس سے نفع ہوگا اور وہ مال دار ہو جائیں گے اور وہ لوگ بدلہ میں ان کو اس سے زیادہ چیزیں دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو ہدیہ کر کے اس سے زیادہ لینا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منع تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ○ (المدثر: ۶) اور احسان کر کے بدلے میں زیادہ لینے کی خواہش نہ کیجئے۔

سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا کہ آپ کسی کو کوئی چیز دیں اور معاوضہ میں اس سے زیادہ لیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہی ربا (سود) مراد ہے جس کو البقرہ: ۲۷۹ میں حرام فرما دیا ہے یعنی تم قرض دے کر جو سود لیتے ہو اور اپنے اموال میں اضافہ کرتے ہو تو اللہ کے نزدیک وہ اضافہ نہیں ہے' سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت ثقیف کے سود کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قریش کے ساتھ سودی معاملہ کرتے تھے۔

معاوضہ کی طلب سے ہدیہ دینے میں مذاہب فقہاء

المھلب نے کہا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کوئی شخص کسی کو' کوئی چیز ہدیہ کرے اور اس سے معاوضہ کا طالب ہو' امام مالک نے کہا وہ جس معاوضہ کو طلب کر رہا ہے اگر وہ اس کے ہدیہ میں مساوی ہے تو پھر جائز ہے' امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے' امام ابوحنیفہ نے کہا اگر اس نے ہدیہ کرتے وقت معاوضہ کی شرط نہیں لگائی تو وہ معاوضہ کا مستحق نہیں ہوگا' اور یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے امام شافعی نے کہا معاوضہ کے لیے ہبہ کرنا باطل ہے' اس سے اس کو نفع نہیں ہوگا' کیونکہ یہ کسی چیز کو ایسی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو نا معلوم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہدیہ کی تین قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا' دوسری قسم وہ ہے جس سے لوگوں کی رضا کا ارادہ کیا گیا اور تیسری قسم وہ ہے جس سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا' پس جس ہدیہ سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا ہے تو وہ معاوضہ لینے سے پہلے اس ہدیہ کو واپس لے سکتا ہے' اور امام بخاری نے ہدیے میں بدلہ لینے کا باب قائم کیا ہے اور اس باب میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے عوض میں ہدیہ دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہبہ کی جو تین قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں کیونکہ ہبہ کرنے والا تین احوال سے خالی نہیں ہے:

(۱) وہ شخص کوئی چیز اللہ کی رضا کے لیے ہبہ کرے اور اسی سے ثواب کا طالب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔

(۲) وہ ریاکاری کے لیے کوئی چیز ہبہ کرے گا اور اس کا طالب ہوگا کہ لوگ ہبہ کرنے کی وجہ سے اس کی تعریف اور تحسین کریں۔

(۳) جس کو اس نے ہدیہ دیا ہے وہ اس سے اس کے بدلہ میں معاوضہ چاہتا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمر ملتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷)

اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو زکوۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔
یعنی جو شخص ریاکاری کے لیے یا معاوضہ کے لیے کوئی ہدیہ دیتا ہے تو اس سے اس کا مال نہیں بڑھتا' اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر آخرت میں دس گنا ملے گا یا اس کو اس کا اجر سات سو گنا ملے گا (البقرہ: ۲۶۱)۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۷۔۳۴ ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی تنزیہ بیان کی کہ کوئی اس کا شریک ہو' یا اس کی کوئی ضد ہو' یا اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو' اور فرمایا اللہ نے تم سب کو پیدا کیا وہ تم سب کو رزق دیتا ہے' پھر تم سب پر موت طاری کرے گا' پھر تم سب کو زندہ کرے گا' پھر یہ چیلنج فرمایا کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے ہو کیا ان میں سے کوئی ان کاموں کو کرسکتا ہے!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ
تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے' شاید وہ باز آ جائیں ○ آپ کہیے

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا

مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
جن میں سے اکثر مشرک تھے ○ آپ اپنا رخ دین مستقیم ہی کی

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ
طرف رکھیں' اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ

يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
متفرق ہو جائیں گے ○ جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہو گا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے

فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
تو وہ اپنے ہی لیے (جنت کو) تیار کر رہے ہیں ○ تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۵ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ

نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۝ اور اس کی بعض نشانیوں

اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ

میں سے خوش خبری دیتی ہوئی ہواؤں کا بھیجنا ہے‘ اور اس لیے کہ وہ تمھیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرے

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ وَ

اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور اس لیے کہ تم اس کے فضل سے رزق تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو ۝

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ

بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا

بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا

وہ ان کے پاس دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا‘ اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا

عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ

(ہمارے فضل سے) واجب ہے ۝ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں

فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ

ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے‘ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے‘ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸ ۚ وَاِنْ

ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۝ اور بے شک

كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝۴۹

وہ اس پانی کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے ۝

فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے'

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ

بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اگر

اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ

ہم تیز ہوا بھیج دیں پھر وہ اپنی کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے ○ پس بے شک

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سناتے ہیں جب وہ (بہرے) پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں○

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں○

ع ۵ ۱۳ ۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے شاید وہ باز آ جائیں○ آپ کہیے تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے○ (الروم: ۴۲-۴۱)

بحر و بر کے فساد کا محمل

فساد سے مراد ہر وہ خرابی اور بگاڑ ہے جس سے انسانی معاشرہ میں امن و سکون تباہ ہو جائے یہ کبھی انسان کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے جیسے نعمتوں کا زائل ہونا' اور آفات اور مصائب کا آنا مثلاً قحط آنا اور زمین میں پیداوار کا نہ ہونا' بارشوں کا رک جانا' یا بہ کثرت سمندری طوفانوں کا آنا' دریاؤں میں سیلاب آنا' فوائد کا کم اور نقصانات کا زیادہ ہونا' زلزلوں کا آنا' آگ لگ جانے' ڈوب جانے' مال چھن جانے' چوری اور ڈاکہ کے واقعات کا زیادہ ہونا' ہمارے زمانے میں دہشت گردی کے واقعات عام ہو رہے ہیں' ہوائی جہاز اغوا کر لیے جاتے ہیں' عمارتیں بموں سے اڑا دی جاتی ہیں' ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ۱۱۰ منزلہ دو ٹاوروں کے ساتھ اغوا کیے ہوئے دو ہوائی جہاز ٹکرائے گئے اور وہ دونوں عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن گئیں' اسی دن واشنگٹن میں پینٹا گون کی ایک عمارت کے ساتھ ایک ہوائی جہاز ٹکرایا اور اس کی عمارت کا بیشتر حصہ تباہ ہو گیا' فلسطین پر اسرائیل کے مظالم جاری ہیں' سری لنکا میں برسوں سے خونی جنگ

ہو رہی ہے' ۱۹۴۴ء میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے یہ واقعہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا' ہمارے شہر کراچی میں اور اسی طرح دوسرے شہروں میں سیاسی' مذہبی' علاقائی اور لسانی اختلاف کی بناء پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں' زندہ جلا رہے ہیں۔ انسان کے جسم سے کھال اتاری جاتی ہے' اس کے جسم کو سگرٹوں سے داغا جاتا ہے اس کے جسم میں ڈرل مشین سے سوراخ کیے جاتے ہیں' روز گاڑیوں کے چھن جانے اور اغوا برائے تاوان کے عام واقعات ہوتے ہیں' البر اور البحر کنایہ ہے تمام دنیا سے' غرض ساری دنیا فساد کی زد میں ہے' ہم جنس پرستی کی بناء پر ایڈز کی بیماری کی وبا پھیل گئی ہے' فحاشی اور بے راہ روی کی وجہ سے لوگوں کا ذہنی سکون ختم ہو گیا لوگ رات کی نیند سے محروم ہو گئے پھر سکون کی تلاش میں لوگوں نے تیز سے تیز نشہ کی پناہ لی' خود کو شراب میں ڈبو دیا' ہیروئن' چرس' راکٹ اور پیتھوڈین کے انجکشنوں سے خود کو تباہ کر لیا اور یہ تمام فساد اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی کا نتیجہ ہے یہ شرک اور بد اعمالیوں کا ثمرہ ہے۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ○ (الشوریٰ: ۳۰) اور تم کو جس قدر مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہیں اور بہت سی باتوں سے' اللہ درگزر فرما لیتا ہے۔

مکہ کے کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور شرک اور کفر کو ترک نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ اہل مکہ سے کہیے تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے یعنی تم زمین میں پچھلی امتوں پر آئے ہوئے عذاب کی نشانیوں پر غور کرو' عاد اور ثمود کی بستیوں میں تباہی کے آثار کو دیکھو' دشت لوط پر غور کرو' اللہ تعالیٰ نے کس طرح سابقہ امتوں کو ان کے کفر اور شرک اور فطرت سے بغاوت کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو کس طرح ملیامیٹ کر دیا گیا' اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا' سو تم ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو' شرک اور کفر سے توبہ کر لو اور ہمارے رسول جس دعوت کو لے کر اٹھے ہیں' جس نظام زندگی پر عمل کرنے کے لیے تم سے کہہ رہے ہیں اور ہمارے جس پیغام کو پہنچا رہے ہیں اس کو قبول کر لو اور ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو برباد ہونے سے بچا لو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اپنا رخ دین مستقیم ہی کی طرف قائم رکھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ متفرق ہو جائیں گے ○ جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے تو وہ اپنے لیے ہی (جنت کو) تیار کر رہے ہیں ○ تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○ (الروم: ۴۵-۴۳)

اللہ پر بندوں کا حق نہ ہونا

اقم وجھک للدین القیم کا لفظی معنیٰ ہے اپنے چہرہ کو دین قیم کے لیے قائم رکھیں' زجاج نے کہا دین قیم سے مراد ہے اسلام اور چہرہ سے مراد ہے جہت اور رخ' یعنی اپنا رخ ہمیشہ دین اسلام کی طرف رکھیں' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنیٰ ہے آپ اپنی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور ان کے اسلام نہ لانے سے غم نہ کریں۔

اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا' اس دن سب لوگ متفرق ہو جائیں گے' اس سے مراد قیامت کا دن ہے اس دن لوگ متفرق ہو جائیں گے' نیک لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کفار دوزخ میں چلے جائیں گے۔

پھر فرمایا جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا' یعنی اس کے کفر کی سزا اسی کو ملے گی' پھر فرمایا اور جنہوں نے

نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی (جنت کو) تیار کر رہے ہیں۔ اس آیت میں "یمھدون" کا لفظ ہے' مہد کا معنی ہے بستر اور مسکن اور قرار کی جگہ' مہد الصبی بچے کے پالنے کو کہتے ہیں اور مہاد بستر کو کہتے ہیں' تمہید الامور کا معنی ہے چیزوں کو ہموار کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور تمہد کا معنی ہے جگہ حاصل کرنا۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں یہ تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی جو جزا دیتا ہے یہ محض اس کا فضل ہے اس میں بندوں کا استحقاق نہیں ہے' بلکہ بندے جو نیک عمل کرتے ہیں وہ بھی اس کے فضل سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بندہ کو طاقت نہ دیتا اور اس کو نیک اعمال کی توفیق نہ دیتا تو وہ کب کوئی نیک عمل کر سکتا تھا' کسی بندہ کے نیک عمل کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کو اتنی زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہوئی ہیں کہ بندہ ان کا حساب بے باق نہیں کر سکتا' انسان کو اس کے بالغ اور عبادت کے قابل ہونے سے پہلے ہی اتنی نعمتیں مل چکی ہوتی ہیں کہ وہ اپنی تمام زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف کر کے بھی ان نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کر سکتا تو اگر اللہ تعالیٰ ان سابقہ نعمتوں کے شکر میں تقصیر اور کوتاہی سے ہی صرف نظر کرے اور اس کو معاف کر دے تو اس کا بڑا کرم ہے اجر و ثواب کے استحقاق کا کیا سوال ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو سو روپیہ روزانہ کی اجرت پر ملازم رکھے اور اس کو پیشگی دس کروڑ روپے دے دے' اور پانچ دس سال کام کرنے کے بعد وہ ملازم اس سے اجرت مانگے تو وہ شخص کہے گا میں پیشگی ہی دس کروڑ روپے دے چکا ہوں تم پہلے ان کا حساب بے باق کرو' سو کسی شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے' خواہ وہ کتنی ہی عبادت کرے وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکوں کو ان کی نیکیوں پر جو بھی اجر عطا فرمائے گا وہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے' بندہ کا اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا' اس لیے قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کو الگ الگ کر دے گا اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز اور ممیز ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی بعض نشانیوں میں سے خوش خبری دیتی ہوئی ہواؤں کا بھیجنا ہے' اور اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں' اور اس لیے کہ تم اس کے فضل سے رزق تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو○ اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا' وہ ان کے پاس دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا' اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا (ہمارے فضل سے) واجب ہے○ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں' پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے' اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے' پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے' پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں○ اور بے شک وہ اس پانی کے نازل کیے جانے سے پہلے ضرور مایوس تھے○ (الروم: ۴۹-۴۶)

بارش کے ذریعہ بندوں پر رحمت نازل فرمانا

اللہ کی قدرت کے کمالات میں سے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کا بھیجنا ہے' اس سے اللہ اپنی رحمت سے آشنا کرتا ہے' بارش ہوتی ہے' زمین سیراب ہوتی ہے اور فصلیں زرخیز ہوتی ہیں' سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں' فرمایا تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو یعنی اس کے واحد ہونے پر ایمان لاؤ اور نیک اعمال کرو تاکہ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ اس آیت کی تفسیر الحجر: ۲۲ میں گزر چکی ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا' وہ ان کے پاس

دلائل لے کر گئے تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔
اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے' کیونکہ آپ کو اس پر غم ہوتا تھا کہ آپ کفار مکہ کے سامنے دلائل اور براہین بیان کرتے تھے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے غم کو زائل کرتے ہوئے فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے کفار رسولوں کی تکذیب کرتے چلے آئے ہیں۔
پھر فرمایا تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا (ہمارے فضل سے) واجب ہے' آیت کے اس جملہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے بشارت ہے۔
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی مدافعت کی تو اللہ عزوجل پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۹' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۶۰۴' دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۱' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۸-۲۵۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۸)
اس کے بعد فرمایا: اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ (الروم: ۴۹-۴۸)
یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے موافق ہواؤں کو چلاتا ہے اور ان سے بادلوں کو جس جہت کی طرف چاہتا ہے روانہ کرتا ہے' پھر ان کو آسمان میں جمع کرتا ہے اور پھیلاتا ہے' پھر وہ بادلوں کو مختلف اقسام کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے' اس سے کبھی بادل ہلکے ہوتے ہیں اور کبھی بھاری ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب سمندر سے اٹھنے والے بخارات پانی کے قطرات کی صورتوں میں بادل میں مجتمع ہو جاتے ہیں تو اس سے بادل بھاری ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان سے پانی نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔
یعنی بارش کے نازل ہونے سے پہلے وہ بارش کے ضرورت مند اور محتاج تھے پھر جب ان پر بارش نازل ہوتی ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے' بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O اور اگر ہم تیز ہوا بھیج دیں پھر وہ اپنی کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے O پس بے شک آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سناتے ہیں جب وہ (بہرے) پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں O اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں' آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی مسلمان ہیں O (الروم: ۵۳-۵۰)
پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل ذکر فرمائے' پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار پر غور کرو یعنی بارش سے اس پر استدلال کرو کہ جو مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر کیوں نہیں قادر ہوگا!
پھر فرمایا: اور اگر ہم تیز ہوائیں بھیج دیں پھر وہ کھیتیوں کو زرد پائیں تو وہ ضرور اس کے بعد ناشکری کریں گے۔
اس سے پہلے فرمایا تھا اگر ان سے بارش روک لی جائے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور جب ان پر بارش نازل ہو تو وہ خوش ہو جاتے ہیں' اب فرمایا اگر ان پر تیز ہوائیں بھیج دی جائیں تو وہ ناشکری کریں گے' چونکہ ان کا اللہ پر ایمان نہیں ہے اس لیے وہ اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں نہ مصائب پر صبر کرتے ہیں نہ نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے' یہ آیت النمل: ۸۰ میں گزر چکی ہے' بعض لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مردے قبر میں نہیں سنتے' ہم نے سماع موتی پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۸۹۔۵۷۶ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا

پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے

یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ

اور وہ بہت علم والا بے حد قدرت والا ہے ○ اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرم قسم

الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

کھا کر کہیں گے ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے' وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے ○

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا وہ کہیں گے بے شک تم لوح محفوظ

كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ

کے موافق حشر تک ٹھہرے رہے ہو' سو یہ یوم حشر ہے لیکن تم جانتے

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

ہی نہ تھے ○ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی

مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ

اور نہ عتاب اور ناراضگی کو زائل کیا جائے گا ○ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے

فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ

ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں' اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں تو کفار

قراءت حفص بضم الضاد وفتحها في الثلاثة لكن الضم مختار ۱۲

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

ضرور کہیں گے کہ آپ تو محض جھوٹے ہیں O اللہ اسی طرح جاہلوں کے

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

دلوں پر مہر لگا دیتا ہے O سو آپ صبر کیجئے' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے'

وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کردیں جو یقین نہیں رکھتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا' پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی' پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا' اور وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اور وہ بہت علم والا بے حد قدرت والا ہے O اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھا کر کہیں گے ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے O (الروم: ۵۵-۵۴)

عذاب قبر کے متعلق احادیث

کمزوری کی حالت میں پیدا کیا اس سے انسان کی پیدائش کی حالت اور اس کے بچپن کی حالت مراد ہے' کیونکہ اس وقت اس کا جسم اور بدن کمزور ہوتا ہے' اور کمزوری کے بعد قوت دی اس سے اس کی جوانی کی حالت مراد ہے پھر بہ تدریج اس میں ضعف پیدا کیا' وہ پہلے ادھیڑ عمری کی حالت میں پہنچا' پھر وہ بڑھاپے میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ قوت کے بعد کمزوری کی حالت ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھا کر کہیں گے' ہم صرف ایک ساعت ٹھہرے تھے' آیت کے اس حصے سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ مشرکین نے عذاب قبر کا ذکر نہیں کیا' اگر انہیں قبر میں عذاب ہوا ہوتا تو وہ اس کا بھی ذکر کرتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرما دیا اور وہ اسی طرح بھٹکتے ہوئے رہے' یعنی جس طرح وہ دنیا میں جھوٹ بولتے تھے اور گمراہی میں مبتلا رہتے تھے اور حق سے منحرف ہوتے تھے اسی طرح اب بھی حق سے منحرف ہو رہے ہیں' اور یہ جھوٹی قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا میں صرف ایک ساعت رہے تھے۔

عذاب قبر کے ثبوت میں متعدد احادیث ہیں' بعض ازاں یہ ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دعا میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! مجھے اپنے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد حضرت ابوسفیان اور اپنے بھائی حضرت معاویہ سے نفع پہنچانا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ سے ان مدتوں اور عمروں کے متعلق سوال کیا جو مقدر ہو چکی ہیں اور ان روزیوں (ارزاق) کے متعلق سوال کیا ہے جو تقسیم کی جا چکی ہیں' لیکن تم اللہ سے یہ سوال کرو کہ وہ تم کو دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اور دوزخ کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۹' سنن ابوداؤد: ۸۸۰)

قیامت کے دن کفار کا جھوٹ بولنا

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار اور مشرکین قیامت کے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار قیامت کے دن جھوٹ نہیں بولیں گے' اس سلسلہ میں مزید آیات یہ ہیں:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ (المجادلہ: ۱۸)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو حشر میں جمع کرے گا تو جس طرح یہ تمہارے سامنے قسم کھاتے ہیں اسی طرح اللہ کے سامنے بھی قسم کھائیں گے کہ ان کے پاس کوئی چیز (دلیل) ہے' سنو! بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ. (الانعام: ۲۴ـ۲۳)

پھر ان کے شرک کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک نہیں کرتے تھے' آپ دیکھئے وہ کس طرح اپنی جانوں پر جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا' وہ کہیں گے بے شک تم لوح محفوظ کے موافق حشر تک ٹھہرے رہے ہو' سو یہ یوم حشر ہے لیکن تم جانتے ہی نہ تھے ○ پس اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ ان سے عتاب اور ناراضگی کو زائل کیا جائے گا ○ (الروم: ۵۷ـ۵۶)

لا ھم یستعتبون کا معنی

اس آیت میں جن علم والوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے مصداق میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ فرشتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ انبیاء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کے علماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اس امت کے علماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام مومنین ہیں' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مسلمان کفار کا قول رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم اپنی قبروں میں حشر تک رہتے رہے ہو' اور یہی وہ حشر کا دن ہے جس کا تم انکار کرتے رہے تھے' اور لوح محفوظ میں پہلے ہی یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ تم حشر تک قبروں میں رہو گے۔

اور جب مسلمان ان پر رد کریں گے تو وہ پھر دوبارہ دنیا میں لوٹائے جانے کا سوال کریں گے اور اپنے پچھلے کفر اور شرک پر معافی طلب کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔

یستعتبون میں ازالہ ماخذ کا معنی مراد ہے یعنی ان سے عتاب اور ناراضگی کو دور نہیں کیا جائے گا وہ اللہ کے عتاب اور ناراضگی کے ازالہ کو طلب کریں گے لیکن ان سے عتاب اور ناراضگی کو زائل نہیں کیا جائے گا (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۴۶) امام رازی المتوفی ۶۰۶ ھ نے اس کا معنی کیا ہے ان سے ازالہ عتاب یعنی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۱۱۲' علامہ آلوسی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے' روح المعانی جز ۲۱ص ۹۲' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں اور اگر آپ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش کریں تو کفار ضرور کہیں گے کہ آپ تو محض جھوٹے ہیں ○ اللہ اسی طرح جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ○ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے ○ (الروم: ۶۰ـ۵۸)

کفار کے مطلوبہ معجزات نہ دینے کی وجہ

یعنی عقائد کی تفہیم کے لیے ہم نے ان کی ضرورت کی ہر مثال بیان کر دی ہے' اور ان کے تمام شبہات اور اعذار کو زائل کر

دیا ہے اور دین کو پہنچانے میں ہمارے رسولوں کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہوئی اس کے باوجود اگر وہ آپ سے کوئی دلیل اور معجزہ طلب کرتے ہیں تو یہ محض ضد اور عناد ہے' اور جو شخص کسی ایک معجزہ کو جھٹلا سکتا ہے اس کے لیے دیگر معجزات کو جھٹلانا بھی آسان ہے' اور اگر آپ ان کے مطالبہ کے موافق کوئی اور معجزہ پیش کریں مثلاً سمندر کو چیر کر راستہ بنا دیں یا پہاڑ سے اونٹنی نکالیں تو اس کو بھی یہ لوگ یہ کہہ کر رد کر دیں گے کہ یہ جادو ہے اور جھوٹ ہے۔ اور جس طرح ان لوگوں کے دلوں پر مہر ہے حتیٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے' سو آپ ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہیں آپ کو وہ لوگ بے صبرا نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے' اس سے مراد النضر بن الحارث ہے' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس میں تعریض ہے' خطاب آپ سے ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔

سورۃ الروم کا اختتام

آج ۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ/۱۳ اگست ۲۰۰۲ء بہ روز منگل قبیل العصر سورۃ الروم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ ۱۹ جولائی کو یہ سورت شروع ہوئی تھی اس طرح چھبیس دنوں میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوگئی' الہ العلمین آپ باقی سورتوں کی تکمیل بھی کرا دیں

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ و اصحابہ وازواجہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورة لقمان

سورت کا نام

اس سورت کا نام لقمان ہے کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں لقمان کا ذکر ہے اور اس سورت میں لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں اور اس کا قصہ بیان کیا گیا ہے' جس آیت میں لقمان کا ذکر ہے وہ یہ ہے:

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ○ (لقمان: ۱۲)

اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے تو وہ صرف اپنے نفس کے فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز' حمد کیا ہوا ہے۔

اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ ان کو لقمان اور اس کے بیٹے کے متعلق بتائیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کر دی۔

سورة لقمان کا زمانہ نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

النحاس نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ لقمان مکہ میں نازل ہوئی ہے ماسوا تین آیتوں کے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں (لقمان: ۲۹۔۲۸۔۲۷)۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ لقمان مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور لقمان اور الذاریات سے ایک سورت کے بعد دوسری سورت سنتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۷۱)

(الدر المنثور ج ۶ ص ۴۴۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

جن تین آیتوں کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں ان کے مدینہ میں نازل ہونے کی روایات ضعیف ہیں' سورۃ العنکبوت اور سورۃ لقمان دونوں کے نزول کا زمانہ تقریباً ایک ہے' جب نئے اسلام لانے والے نوجوانوں کو ان کے

والدین اسلام کو چھوڑنے پر مجبور کرتے تھے' اس موقع پر ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ماں باپ کی خدمت اور اطاعت ضروری ہے لیکن شرک اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی نافرمانی کرنے میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے سورۃ لقمان کا نمبر ۳۱ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۷ ہے' یہ سورت سورۃ الصّٰفّٰت کے بعد اور سورۃ سباء سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ لقمان کی سورۃ الروم سے مناسبت

سورۃ الروم کی آخری آیتوں میں سے یہ آیت ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ. (الروم: ۵۸)

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے۔

اور سورۃ لقمان کی ابتدائی آیتیں یہ ہیں:

الٓمّٓ ۚ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ (لقمان: ۳۔۱)

الف' لام' میم ○ یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں ○ یہ کتاب نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس طرح سورۃ الروم کا آخر اور سورۃ لقمان کا اول دونوں قرآن مجید کی صفات کے بیان میں ہے۔

اسی طرح ان دونوں سورتوں میں فرمایا کہ مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے دلائل اور معجزات سے اثر قبول نہیں کرتے اور ان سے اعراض کرتے ہیں' سورۃ الروم میں فرمایا:

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○ (الروم: ۵۸)

اور اگر آپ ان کے پاس کوئی (نیا) معجزہ لے کر آئیں تو یہ کفار ضرور یہ کہہ دیں گے کہ آپ تو صرف جھوٹے اور جادو کرنے والے ہیں۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا. (لقمان: ۷)

اور جب اس کے اوپر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب مشرکین پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان سے وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہ پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں' سورۃ الروم میں فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (الروم: ۳۳)

اور جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے دعائیں کرتا ہے' پھر جب اللہ اس کو اپنی رحمت چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ○ (لقمان: ۳۲)

اور جب (سمندر کی) موجیں ان پر سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو یہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو مانتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں' پھر جب اللہ ان کو خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو ان میں

سے بعض معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو عہد شکن اور بہت ناشکرے ہیں۔

اسی طرح ان دونوں سورتوں میں فرمایا انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے' سورۃ الروم میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ. (الروم: ۲۷) اور وہی ہے جس نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا' پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

اور سورۃ لقمان میں فرمایا:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ. (لقمان: ۲۸) تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے نزدیک صرف ایک شخص کو زندہ کرنے کی مانند ہے۔

سورۃ لقمان کے مشمولات

اس سورت کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزہ سے شروع کیا گیا ہے' اور وہ قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا دستور ہے اور یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق لوگوں کے مختلف گروہ ہو گئے' مؤمنین نے قرآن مجید کی تصدیق کی اور وہ جنت کے مستحق قرار پائے اور کفار نے قرآن مجید کے ساتھ استہزاء کیا اور اس کا انکار کیا اور اپنی جہالت اور تکبر سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور دائمی دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت پر دلائل قائم کیے اور اس کے بعد لقمان حکیم کا قصہ بیان فرمایا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کیا نصیحتیں کی تھیں اور اس سے مقصود لوگوں کو ہدایت دینا تھی کہ وہ شرک کو چھوڑ دیں' ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے بچیں' اور نماز قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں' تواضع اور انکسار کو اختیار کریں اور تکبر نہ کریں' زمین پر نرمی اور آہستگی سے چلیں اور اپنی آوازیں پست رکھیں۔

اس کے بعد ان مشرکین کی مذمت کی جو شرک پر اصرار کرتے تھے اور توحید کے دلائل کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے' اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر جمے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں کی ناشکری کرتے تھے' اور ان کو یہ خبر دی کہ نجات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر اطاعت کو جھکا دیا جائے اور نیک اعمال انجام دیئے جائیں' اور مشرکین کے عقائد کا تضاد بیان فرمایا کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ بزرگ و برتر ہے اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور سب اس کے مملوک اور غلام ہیں اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اور تمام انسانوں کو پیدا کرنا اس کے لیے صرف ایک انسان کو پیدا کرنے کی مانند ہے' وہی قادر مطلق ہے اور کوئی چیز اس کو عاجز کرنے والی نہیں ہے' اور ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ سختی اور مصیبت میں وہ اسی کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور سختی دور ہونے کے بعد اس کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید پر مزید دلائل قائم کیے کہ وہ رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد وارد کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے اور سمندروں میں کشتیوں کو رواں دواں رکھا ہے' اور اس سورت کو تقویٰ کے حکم پر ختم کیا ہے اور قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے' اور یہ بتایا ہے کہ غیوب خمسہ کا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

سورۃ لقمان کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ لقمان کا ترجمہ اور اس کی

تفسیر شروع کر رہا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر میں مجھ سے وہی لکھوائے گا جو حق اور صواب ہے اور جو چیز باطل اور غلط ہے اس کی مجھ سے تردید اور تغلیط کرادے گا اور اللہ اپنے بندوں کے گمان کے موافق ہوتا ہے اور جو اس پر توکل کرتا ہے اس کی وہ ضرور مدد فرماتا ہے سو میں نے اس تفسیر میں اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ/۱۲ اگست ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۳۴ رُكُوْعَاتُهَا ۴

سورۂ لقمان مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں چونتیس آیات، چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

الف لام میم ○ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں ○ (یہ کتاب) نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر

يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

یقین رکھتے ہیں ○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں ○

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ

اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں، تاکہ بغیر علم کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ

اور جب اس شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے

اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

دونوں کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں ○ ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ اللہ کا برحق

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى

وعدہ ہے، اور وہی بہت غالب حکمت والا ہے ○ اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم

فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ

دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ۝۱۰

اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلے (اور میوے) پیدا کیے O

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ

یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! پس مجھے وہ دکھاؤ جو اللہ کے ماسوا دوسروں نے پیدا

الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۱ ع

کیا ہے بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم O یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں O (یہ کتاب) نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں O وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں O (لقمان: ۵-۱)

بسم اللہ کے اسرار

اس سورت کو باقی سورتوں کی طرح اللہ عزوجل کے نام سے شروع کیا ہے، اللہ کا علم اور اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے وہ رحمٰن ہے اور اس نے اپنی حکمت کے عموم سے اپنی تمام مخلوق کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اور وہ رحیم ہے سو اس کے وہ خواص جو دائما اس کی محبت میں رہتے ہیں ان کے لیے اس نے اپنی جنت کے راستے روشن کر دیے ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری النیشاپوری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

[illegible] جو شخص بھی اس کو سنتا ہے وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے ایسا کوئی اور کلمہ نہیں سنا وہ اس کے [illegible] جو شخص اس کو سن لیتا ہے اس کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اس کی کلفت دور ہو جاتی ہے دنیا میں اس [illegible] اللہ کا نام سن کر پھر کسی اور چیز کی طرف اس کی رغبت نہیں رہتی خواہ وہ چیز کتنی ہی [illegible] اس نام والے مالک و مولیٰ سے ملاقات اور اس کے دیدار کی تمنا رہ جاتی ہے اور اس کے [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible]

[illegible] اللہ سے محبت اور اس کے کلام کی لذت [illegible] ہے جو [illegible] اور عارفین کا حصہ [illegible] قرآن کریم پڑھتے ہیں اور ہر [illegible] کیفیت مرتب ہوتی ہے نہ دل میں کوئی بھی امنگ [illegible]

الف لام میم کے اسرار

[illegible] الف لام میم کے تین حروف سے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے: میں اللہ ہوں تمام صفات کمال [illegible]

ساتھ متصف ہوں' گناہوں کو بخشنا اور اجر و ثواب عطا فرمانا میرا ہی کام ہے' الف سے انا کی طرف اشارہ ہے جس کا معنیٰ ہے میں اور لام سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور میم سے منّی کی طرف اشارہ ہے' اور بعض عارفین نے کہا الف سے عارفین کی الفت کی طرف اشارہ ہے اور لام سے اس لطف و کرم کی طرف اشارہ ہے جو وہ محسنین پر فرماتا ہے اور میم سے اس کے مجد (بزرگی) اور ثناء کی طرف اشارہ ہے' اس نے اپنی نعمتوں کی وجہ سے دوستوں کے دلوں سے انکار کو اٹھا لیا اور اپنی عطا کے لطف کے سبب سے اپنے اصفیاء کے دلوں میں اپنی محبت کو ثابت کر دیا اور اپنی بزرگی اور ثنا کی وجہ سے وہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے۔

قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا اور محسنین کا معنی

فرمایا: یہ سورت اور اس کی آیات' کتاب حکیم کی آیات ہیں' یعنی اس قرآن یا اس سورت کی آیات حکمت والے مضامین پر مشتمل ہیں' یا اس قرآن کی آیات محکم ہیں یعنی تغیر و تبدل سے محفوظ ہیں اور ان میں فساد اور جھوٹ محال ہے' یا اس سورت کے احکام منسوخ نہیں ہوں گے۔

اور فرمایا: یہ کتاب نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے' اس کو ہدایت اس لیے فرمایا کہ اس کتاب میں نیکی اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ہدایت ہے' یا زندگی کے ہر شعبہ کو صحیح اور صالح طریقہ سے گزارنے کی ہدایت ہے یا زندگی کے ہر باب میں عبادت کے طریقہ کی ہدایت ہے یا اس کتاب میں ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ملک کو فساد اور بگاڑ سے دور رکھنے اور صلاح اور فلاح سے مزین کرنے کی ہدایت ہے' اور لوگوں کے عقائد اور اعمال کی صحت اور ثواب اور آخرت میں عذاب سے بچنے اور ثواب کے حاصل کرنے کی ہدایت ہے اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے اور عارفین کے لیے دلیل اور حجت ہے۔

یہ کتاب حق اور صدق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور جو اس کی تصدیق کرے اور اس پر عمل کرے اس کے لیے رحمت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب محسنین کے لیے رحمت ہے' محسنین سے مراد ہے نیک عمل کرنے والے' اور قرآن اور حدیث میں محسنین کا اطلاق صرف نیک عمل کرنے والے مومنین پر کیا جاتا ہے' ہر چند کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لیکن اس آیت میں محسنین کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس کتاب کی ہدایت اور رحمت سے صرف محسنین ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محسن اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کی رسی پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث ۸) سو جو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑے گا اور اللہ کی رسی کو پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس پر اعتماد کرے اس کے کلام کو برحق مانے اور اس کے احکام پر عمل کرے ورنہ اللہ تعالیٰ سمت اور جہت سے پاک ہے۔

نماز قائم کرنے کے معانی

اس کے بعد محسنین اور نیکی کرنے والوں کی صفات ذکر فرمائیں کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں' اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ہر چند کہ محسنین کی اور بھی صفات ہیں لیکن یہ صفات دوسری صفات سے زیادہ اہم اور زیادہ افضل ہیں اس لیے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ نماز کو قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط اور اس کے تمام ظاہری اور

باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا' اور نماز کی شرائط دو قسم کی ہیں ایک اس کے جواز کی شرائط ہیں یعنی نماز کو اس کے فرائض اور واجبات کے ساتھ اس کے وقت میں ادا کرنا' اور نماز کو اس کی سنن اور آداب کے ساتھ پڑھنا' ان شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس کی فرضیت انسان کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے' اور دوسری شرائط ہیں نماز کی مقبولیت کی شرائط یعنی نماز کو اخلاص اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے اور جو نماز اخلاص اور تقویٰ یعنی خوف خدا کے جذبہ سے نہیں پڑھی جائے گی وہ قبول نہیں ہو گی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ○ (المائدہ: ۲۷) اللہ صرف متقین (خوف خدا رکھنے والوں) کے عمل کو قبول فرماتا ہے۔

اور اقامت صلوٰۃ کا دوسرا معنی ہے نماز کو حضور قلب کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا۔

اور اقامت صلوٰۃ کا تیسرا معنی ہے نماز کے اوقات' اس کے ارکان' واجبات سنن اور آداب کی حفاظت کرنا' خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ پڑھنا' نماز کو دائما پڑھنا اور نماز کی حفاظت کرنا۔

ان معانی پر غور کرنے سے اقامت صلوٰۃ کا ایک اور معنی حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے نماز کی ادائیگی کا انتظام قائم کرنا' جو شخص کسی گھر کا بڑا اور سرپرست ہو وہ بچوں کو نماز پڑھنے کی تربیت دے اور مار مار کر ان سے نماز پڑھوائے' حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے بچوں کی عمر سات سال کی ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۰ طبع قدیم' سنن بیہقی ج ۳ ص ۸۴ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۶ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۸)

اور جو افراد اس کے زیر کفالت ہیں ان سے سختی سے نماز پڑھوائے' قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ۶)

اور ملک کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ دفاتر میں' محکموں میں اور تمام اداروں میں نماز پڑھنے کا انتظام قائم کرے اور جو لوگ نماز نہ پڑھیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور (سیدنا) محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' پس جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۸۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا' امام (سربراہ مملکت) محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (عوام) کے متعلق سوال کیا جائے گا' ایک شخص اپنے اہل و عیال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (زیر کفالت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر کی چیزوں) کے متعلق سوال کیا جائے گا اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت

کے متعلق سوال کیا جائے گا' اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا' اور تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹)

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو' لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو' اس کے متعلق امام احمد' اسحاق اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیز لگائی جائے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور مزنی نے یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا نظام قائم کیا جائے اور ہر حاکم اپنے ماتحت افراد سے نماز پڑھوائے اور ان پر نظر رکھی جائے' جو نماز نہیں پڑھتے ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ پھر بھی نماز نہ پڑھیں تو ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری النیشاپوری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کی ظاہری شرائط کے موافق ادا کیا جائے' شرم گاہ کو ڈھانپا جائے' پہلے وضوء کیا جائے' قبلہ کی طرف منہ کیا جائے' نماز کو اس کا وقت داخل ہونے کے بعد شروع کیا جائے' پاک جگہ میں نماز پڑھی جائے اور نماز کی باطنی شرائط کے مطابق نماز پڑھی جائے' اپنے دل و دماغ کو دنیاوی افکار اور تعلقات سے خالی کر لیا جائے' اپنے تمام عیوب اور گناہوں سے توبہ کر کے اپنے دل کو پاک اور صاف کر لیا جائے' کیونکہ وہ جہاں بھی ہو گا اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہو گا' پس اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو نہ دیکھے تو وہ عیوب اور گناہوں کے اقدام سے باز رہے' یہ باطنی شرم گاہ کا چھپانا ہے اور باطنی جگہ کی پاکیزگی یہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی دعویٰ بلا تحقیق نہ ہو' اور باطنی وقت کے دخول کا معنی یہ ہے کہ اس کو علم ہو کہ اس کا دل اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہے اور متذلل اور متواضع ہے اور بڑائی اور تکبر سے خالی ہے' اور اپنے دل کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۱۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۴۲۰ھ)

زکوٰۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

نیز فرمایا: اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' یعنی زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے مطابق مستحقین کو ادا کرتے ہیں' اور اہل سنت و جماعت کے مستحق افراد کو زکوٰۃ دیتے ہیں' کیونکہ الاشباہ والنظائر میں لکھا ہوا ہے کہ اہل بدعت اور بدمذہبوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی' زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے پاکیزہ اور صالح ہونا' قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ (الاعلیٰ: ۱۴) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا مال میل کچیل سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور انسان خود بھی گناہوں سے پاک ہو

جاتا ہے۔

اور زکوٰۃ کا معنی ہے مال کا بڑھنا اور زیادہ ہونا' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ○ (الروم ۳۹) اور تم اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو' سو وہی لوگ اپنے مال کو دگنا کرنے والے اور بڑھانے والے ہیں۔

اور جو لوگ پابندی سے اور اخلاص کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مال کو زیادہ کر دیتا ہے' بڑھا دیتا ہے اور دگنا چوگنا کر دیتا ہے۔

اور زکوٰۃ کا معنی ہے مدح کرنا اور کسی کی تعریف اور ستائش کرنا' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (النساء: ۴۹) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود اپنی مدح اور تعریف کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کی چاہتا ہے مدح اور تعریف کرتا ہے۔

اور جو لوگ فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ ان کی مدح کرتے ہیں اور دیگر لوگ بھی ان کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں کہ یہ نیک لوگ ہیں۔ اور زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: جو مال بہ قدر نصاب ہو اس کی حاجات اصلیہ (خوراک' لباس اور رہائش) سے زائد ہو اور اس مال پر ایک سال گزر چکا ہو اس مال کا چالیسواں حصہ کسی غیر ہاشمی سنی مسلمان فقیر شخص کو دیا جائے جو خود نصاب کا مالک نہ ہو یا نصاب کا مالک تو ہو لیکن مقروض ہو یا مسافر ہو یا اللہ کی راہ (مثلاً جہاد یا دین کی طلب) میں ہو اور نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت پر مشتمل روپیہ یا مال تجارت ہے۔ جو مال زکوٰۃ میں دیا جائے اس کو اپنی ملکیت سے بالکل منقطع کر لیا جائے' جمہور فقہاء احناف کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے' اور ائمہ ثلاثہ' محققین احناف اور غیر مقلدین کے نزدیک مالک زکوٰۃ کا مالک بنانا شرط نہیں ہے اگر کسی مقروض کا قرض اتار دیا جائے یا کسی مسجد یا دینی مدرسہ کسی یتیم خانہ یا کسی ہسپتال میں زکوٰۃ کی رقم لگا دی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کی تفصیل ہم التوبہ: ۶۰ تبیان القرآن ج ۵ ص ۱۸۱-۱۹۶ میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں بیاسی (۸۲) جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ متصل [illegible] (کچھ مدنی بتیس (۳۲) جگہ ہے) اور زکوٰۃ ۲ھ میں رمضان سے [illegible] روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض کی گئی ہے اور [illegible] زکوٰۃ انبیاء پر فرض نہیں ہے۔ [illegible]

انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ کا فرض نہ ہونا

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں
[illegible]

انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس خصوصیت کے اعتبار سے زکوٰۃ مال اور زکوٰۃ بدن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۱۶۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

زکوٰۃ کی تاکید اور اس کے فضائل کے متعلق احادیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دولت مند مسلمانوں پر ان کے اموال میں فقراء کے لیے اتنی مقدار فرض کی ہے جس سے فقراء کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور فقراء اسی وقت بھوک اور لباس کے نہ ہونے کی مشقت میں مبتلا ہوں گے جب دولت مند ان کو ضائع کر دیں گے' سنو اللہ تعالیٰ ایسے مال داروں سے سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۴۵۳' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان مال داروں پر افسوس ہے جن کے متعلق قیامت کے دن فقراء یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمارے جو حقوق ان پر فرض کیے تھے ان مال داروں نے ہمارے ان حقوق پر ظلم کیا' تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! میں تم کو ضرور جزا دوں گا' اور میں ان کو ضرور دور رکھوں گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج: ۲۵-۲۴) اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے مانگنے والوں کا اور محروم کا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۶۹۳' اس حدیث کی سند میں الحارث بن النعمان ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۲)

علقمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۸۷۶' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۸' اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کی نماز (قبول) نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۰۹۵' حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردے تو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس سے اس کا شر دور ہو گیا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۱۶۰۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنے مالوں کی حفاظت کرو اور صدقہ سے اپنے بیماروں کا علاج کرو اور دعا سے مصائب کی تیاری کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۱۹۶' المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۱۹۸۴' اس کی سند میں موسیٰ بن عمیر کوفی متروک ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بنا دیا جائے گا اس کے پھن پر انگور کے برابر دو غدود ہوں گے اس کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا' پھر وہ اس شخص کو اپنے جبڑوں سے پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال

ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (آل عمران: ۱۸۰)

جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ اس (بخل) کو اپنے لیے اچھا گمان نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے بہت بدتر ہے' جس چیز میں انہوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق بنا کر قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۶۳۶ عالم الکتب)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جس نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اور اللہ کی قسم! وہ بکری کا بچہ جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیتے تھے اگر وہ اس کے دینے سے منع کریں تو میں اس کے منع کرنے پر ان سے ضرور قتال کروں گا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پس اللہ کی قسم وہ چیز ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا پس میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۷ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

عوام کی زکوۃ یہ ہے کہ جس مال پر بہ قدر نصاب پر ایک سال گزر چکا ہو اور وہ اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد ہو اس مال میں سے چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے' اور خواص کی زکوۃ یہ ہے کہ اپنے دلوں سے دنیا کی محبت کا زنگ اتارنے کے لیے اور دلوں کو صاف کرنے کے لیے ضرورت سے زائد تمام مال راہ خدا میں دے دیا جائے اور اخص الخواص کی زکوۃ یہ ہے کہ اپنے معبود کے لیے اپنے مقصود کے حصول کے لیے اپنے وجود کو خرچ کر دیا جائے۔

آخرت پر یقین اور ہدایت پر قائم رہنے کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○ وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں ○

آخرت سے مراد ہے دار آخرت جہاں اعمال کی جزاء دی جائے گی' اس کو آخرت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے مؤخر ہے۔ اور فرمایا وہی یقین رکھتے ہیں' یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں اور حساب و کتاب میں کوئی شک نہیں رکھتے' اہل اللہ کے نزدیک دنیا حجابات جسمانیہ ظلمانیہ کا نام ہے اور آخرت حجابات روحانیہ نورانیہ کا نام ہے اور سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسمانی حجاب اتارے اور روحانی حجاب کی طرف متوجہ ہو پھر ان حجابات کو بھی اتارے اور حقیقت کا مشاہدہ کرے۔

اور فرمایا وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ بندہ کو از خود ہدایت حاصل نہیں ہوتی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نہ دے۔ اس آیت میں معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان از خود ہدایت حاصل کرتا ہے' علماء کہتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہونے کی چار علامتیں ہیں' جب اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ اس پر نادم ہو اور توبہ کرے' جب اس پر کوئی دنیاوی مصیبت آئے تو وہ صبر کرے اور کہے انا للہ وانا الیہ راجعون اور جب اس کو کوئی نعمت عطا ہو تو اللہ کی حمد کرے اور اس کا شکر ادا کرے اور جب وہ کسی کو کوئی چیز عطا کرے تو اس پر احسان نہ جتائے اور جب کسی نیکی کو یا کسی برے کام پر افسوس ہو اور نیک کام کرنے کی خوشی ہو تو یہ اس کے ایمان پر قائم رہنے کی علامت ہے۔

مفلحین کا معنی

ان ہدایت یافتہ لوگوں کے متعلق فرمایا یہ مفلحون ہیں' مفلح اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے ہر مطلوب کے حصول میں کامیاب ہو اور اس کو ہر درد اور تکلیف وہ چیز سے نجات حاصل ہو اور یہ اس کا مقام ہے جو عقائد صحیحہ کا حامل ہو' اعمال صالحہ سے دائماً متصف ہو اور اعمال سیئہ (برے اعمال) سے دائماً مجتنب ہو' کامیابی اور مطلوب کے حصول کی دو قسمیں ہیں' دنیاوی کامیابی اور اخروی کامیابی' دنیاوی کامیابی کا حصول ان چیزوں پر موقوف ہے جن سے انسان کی زندگی آسانی اور سہولت کے ساتھ اور عیش و آرام کے ساتھ گزر جائے' اور اخروی کامیابی میں چار چیزیں ہیں بقا ہو اور فنا نہ ہو' عزت ہو اور ذلت نہ ہو' غنا ہو اور فقر نہ ہو' علم ہو اور جہل نہ ہو' بعض روایات میں ہے کہ مومن' قلت' یا علت (بیماری) یا ذلت سے خالی نہیں ہوتا۔

(کشف الخفاء رقم الحدیث: ۲۶۸۰)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللھم ان العیش عیش الاخرۃ. اے اللہ! خوشگوار زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۷' مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۸)

یعنی مومن جب تک دنیا میں رہے گا تو وہ مصائب و آلام' حوادث روزگار اور تکلیفوں اور بیماریوں کا سامنا کرتا رہے گا' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــًٔا. (الحج: ۵) اور تم میں سے بعض کو ارذل عمر (سخت بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ اس کو کسی چیز کے علم کے بعد اس کا بالکل علم نہ رہے۔

یعنی جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا مزاج اور اس کا دماغ بچوں کی طرح ہو جاتا ہے اس کا حافظہ ختم ہو جاتا ہے اور جس طرح وہ اپنے بچپن میں مسائل سے ناواقف اور نابلد تھا اسی طرح بڑھاپے میں ناواقف ہو جاتا ہے لیکن یہ عام دنیا دار لوگوں کے بڑھاپے کی کیفیت ہے لیکن خواص مومنین' علماء کرام اور اولیاء عظام کا حال اس طرح نہیں ہوتا' ان کو جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ کا علم ہوتا ہے وہ دنیا میں' برزخ میں اور آخرت میں قائم رہتا ہے اور یہی لوگ مفلحین ہیں پس صاحب عقل پر لازم ہے کہ وہ اہل فلاح کی جماعت میں داخل ہونے کی کوشش کرے' اور یہ اس وقت ہو گا جب وہ تزکیہ نفس کرے گا اور اپنے دل کو گناہوں کے زنگ اور برے کاموں کے میل کچیل سے پاک اور صاف کرے گا تاکہ وہ مقربین کے مقام کی طرف ترقی کرے اور آخرت میں جنات الفردوس کو حاصل کرے' اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو مفلحین اور ابرار کے ساتھ لاحق کر دے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہکائیں' اور اس کا مذاق اڑائیں' ان ہی لوگوں کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○ (لقمان: ۶)

لہو الحدیث کا محمل غناء کو قرار دینا

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ ھ لکھتے ہیں:

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ تجارت کے لیے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی خبریں خرید کر لاتا ان کو روایت کرتا اور قریش کو سناتا' اور کہتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی

خبریں سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار کی خبریں سناتا ہوں اور عجمی بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں تو لوگ اس کی خبروں اور قصوں کی طرف مائل ہوتے اور قرآن سننا چھوڑ دیتے۔ (علامہ قرطبی نے بھی یہی شان نزول لکھا ہے الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۴۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والیوں کو تعلیم دینا اور ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور اسی کی مثل میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: اور بعض لوگ غافل کرنے والی باتیں خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو بہکائیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۵ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۴ کنز العمال ج ۳ ص ۳۹)

علامہ ثعلبی لکھتے ہیں: جو شخص گانا گاتے وقت اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان بھیج دیتا ہے ایک اس کے ایک کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے دوسرے کندھے پر بیٹھ جاتا ہے اور جب تک وہ گاتا رہتا ہے شیطان اس کو لاتوں سے مارتے رہتے ہیں۔

دوسرے مفسرین نے کہا اس آیت کا محمل وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کو چھوڑ کر لہو معازف، مزامیر اور غنا سنتے ہیں اور انہوں نے کہا اللہ کے راستہ سے مراد قرآن مجید ہے (معازف سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو ہاتھوں سے بجایا جائے اور مزامیر سے مراد وہ آلات غنا ہیں جن کو منہ سے بجایا جائے)۔

ابو الصہباء البکری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر فرمایا اس سے مراد غنا ہے، ضحاک نے کہا غنا مال کو ضائع کرتا ہے، رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو یاد الٰہی سے غافل کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک باندی خریدی جو اس کو دن رات گانا سناتی تھی اور ہر وہ بات جو اللہ کے راستہ سے غافل کرکے اس کے منع کیے ہوئے کام کی طرف لے جائے وہ لہو الحدیث ہے اور گانا بھی اسی قسم سے ہے۔ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ)

غناء کی تحریم اور ممانعت میں قرآن مجید کی آیات

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے غنا کی تحریم میں حسب ذیل آیات پیش کی ہیں:

(۱) غناء کی تحریم میں ایک یہی زیر تفسیر آیت ہے یعنی لقمان: ۶۔ اس آیت سے علماء نے غناء کی کراہت اور ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

(۲) وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ○ (النجم: ۶۱) اور تم کھیل میں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد غنا ہے باندی سے کہا جاتا ہے سمدی لنا اس کا معنی ہے ہمیں گا کر سناؤ۔

(۳) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ تو ان میں سے جس کو بھی اپنی آواز سے بہکا سکتا ہو بہکا لے

(بنی اسرائیل: ۶۴)

[illegible]

[illegible]

غناء کی تحریم و ممانعت میں احادیث اور آثار

[illegible]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آوازیں ملعون اور فاجر ہیں میں ان سے منع کرتا ہوں' مزمار کی آواز اور شیطان کی آواز جو کسی نغمہ اور خوشی کے وقت ہو' اور کسی مصیبت کے وقت رونے پیٹنے اور گریبان پھاڑنے کی آوازیں۔ (امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مزامیر توڑنے کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۸۹' تلبیس ابلیس ص ۲۳۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنا' مسخ اور آسمان سے پتھر برسنا ہوگا' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اور یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابوں کو (کھلے عام) پیا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' علل الترمذی رقم الحدیث: ۶۰۲' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۹۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں ہوں گی تو ان پر بلاؤں کا نزول حلال ہو جائے گا' آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون سی خصلتیں ہیں آپ نے فرمایا (۱) جب مال غنیمت کو ذاتی دولت بنا لیا جائے (۲) اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے (۳) اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے (۴) اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے (۵) اور ماں کی نافرمانی کرے (۶) اور دوست کے ساتھ نیکی کرے (۷) اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے (۸) اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں (۹) اور سب سے رذیل شخص کو قوم کا سردار بنا لیا جائے (۱۰) اور کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے (۱۱) اور شرابیں (برسرعام) پی جائیں (۱۲) اور ریشم پہنا جائے (۱۳) اور گانے والیوں (۱۴) اور آلات موسیقی کو رکھا جائے (۱۵) اور اس امت کے بعد والے پہلوں کو برا کہیں' اس وقت تم سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا انتظار کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۰۳۸۶' تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۵۸' ج ۱۲ ص ۳۹۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال فے (کافروں کا چھوڑا ہوا مال) کو ذاتی دولت بنا لیا جائے اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے' اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے' اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے' اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے' اور اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے' اور مسجدوں میں آوازوں کو بلند کیا جائے' اور فاسق کو قبیلہ کا سردار بنایا جائے اور قوم کا سربراہ رذیل ہو' اور کسی شخص کے شر کی بناء پر اس کی عزت کی جائے' اور گانے والیوں اور آلات موسیقی کا ظہور ہو اور شرابیں پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں' اس وقت تم سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور زمین میں دھنسنے کا اور مسخ کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو اور ان نشانیوں کا انتظار کرو جو پے در پے آئیں گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۱' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۲۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی باندی کے پاس گانا سننے کے لیے بیٹھا اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جائے گا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۴۲۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۲۴۰' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف کی طرف رمز کی ہے)۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گانے کو سنا قیامت کے دن اس کو جنت میں روحانیین کی آواز سننے کی اجازت نہیں ہوگی' آپ سے پوچھا گیا کہ روحانیین کون ہیں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا وہ جنت کے قاری ہیں۔ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے۔

(نوادر الاصول ج۲ ص ۷۰ ، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۳۳۹ ، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۲۷ ، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۶۶۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کے پاس گانے والی تھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱۴ ص ۵۱۔ ۴۹ دار الفکر بیروت' تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۲۴۶۔ ۲۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جس قسم کے اشعار کا دف کے ساتھ یا بغیر دف کے سماع جائز ہے

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ فرماتے ہیں ان احادیث اور ان کے علاوہ دیگر احادیث اور آثار کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ غنا سے مراد وہ معروف غنا ہے جس سے دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے' اس سے عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے' اس قسم کے اشعار میں عورتوں کا اور ان کے حسن کا ذکر ہو اور ان کی خوبیوں کا بیان ہو اور شراب اور دیگر محرمات کا ذکر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ لہو ہے اور مذموم غنا ہے' اور جو اشعار ان چیزوں سے خالی ہوں ان کی قلیل مقدار کو خوشی کے ایام میں گانا جائز ہے' مثلاً شادی اور عید کے ایام میں اور سخت مشقت کے کاموں کی مشقت کو سرور سے زائل کرنے کے قصد سے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر تھا' یا جیسا کہ حبشی غلام انجشہ اور سلمہ بن اکوع نے اونٹوں کو چلاتے وقت غنا کیا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۴ ص ۵۱)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق کے دن مٹی کھود رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا پیٹ خاک آلود ہوگیا اور آپ یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے:

والله لو لا الله ما اهتدينا — ولا تصدقنا ولا صلينا

اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے — اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سكينة علينا — وثبت الاقدام ان لاقينا

پس تو ہم پر طمانیت نازل فرما — اور دشمن کے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولى قد بغوا علينا — ان ارادوا فتنة ابينا

بے شک پہلوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی — اگر وہ ہم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابینا ابینا کا تکرار کرتے اور اس پر آواز کو بلند فرماتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۸۳۷' ۳۰۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۰۳' مسند احمد رقم الحدیث ۱۸۶۸۲' سنن دارمی رقم الحدیث ۲۴۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۸۸۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی پیٹھوں پر مٹی منتقل کر رہے تھے اور یہ منظوم کلام پڑھ رہے تھے

نحن الذين بايعوا محمدا — على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم وہ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے

اللهم انه لا خير الا خير الآخرة — فبارك في الانصار والمهاجرة

اے اللہ! اچھائی تو صرف آخرت کی اچھائی ہے سو تو انصار اور مہاجرین میں برکت نازل فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۱۰۰ 'صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۰۵ 'سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۸۵۷ 'مسند احمد رقم الحدیث:۱۲۷۸۷)

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ان احادیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف شجاعت پر ابھارنے کے لیے اشعار اور رجزیہ کلام پڑھنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ص ۱۸۵' دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۲۱ھ' نیز انہوں نے لکھا ہے کہ مشقت زائل کرنے کے لیے اور کسی کام کو خوشی سے کرنے کے لیے اشعار پڑھنا جائز ہے۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ص ۲۳۸)

امام ابوالفرج عبدالرحمان ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (غزوۂ تبوک سے واپس ہوکر) مدینہ تشریف لائے تو آپ کی نعت میں اہل مدینہ نے یہ اشعار پڑھے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا مدینہ کے جنوب کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع

ہم پر شکر کرنا واجب ہے جب تک کوئی دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا رہے

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۲۷۵' دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس قسم کے اشعار وہ لوگ مدینہ میں پڑھتے تھے' اور بسا اوقات ان اشعار کو دف کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اسی جنس کے اشعار سے یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے' اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو بچیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جنگ بعاث کے گیت گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے' حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو ڈانٹا' اور کہا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مزمار شیطان بجا رہی ہو! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے کو کھولا اور فرمایا: اے ابوبکر ان کو چھوڑ دو' کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں' اور ایک روایت میں ہے اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۵۲' ۹۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۹۸)

امام ابن جوزی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ لڑکیاں کم عمر تھیں کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں اور وہ آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے لکھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت فرمائی کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے جیسے مجوسیوں کی عید نیروز ہے اور یہ دن ہماری عید کا دن ہے' اور شرعاً خوشی کا دن ہے' سو اتنی مقدار میں خوشی کے دن غنا کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وہ غناء نہیں ہے جو دلوں میں فسق و فجور کی آگ بھڑکاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ص ۳۹۱' بیروت '۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سرورِ شرعی کا دن ہے اور اس دن اتنی مقدار میں غنا کا انکار نہیں کیا جاتا جیسا کہ شادی کے موقع پر انکار نہیں کیا جاتا۔ (فتح الباری ج ۳ص ۱۱۶' دارالفکر' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کی شادی انصار کے کسی لڑکے سے کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے فرمایا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا' لوگوں نے کہا جی ہاں' آپ نے پوچھا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا جی نہیں! تب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا انصار ایسے لوگ ہیں جنہیں گانے کا شوق ہے کاش تم اس کے ساتھ اس کو بھیجتے جو یہ گاتا:

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم

ہم تمہارے پاس آئے ہیں' ہم تمہارے پاس آئے ہیں سو اللہ تمہیں بھی زندہ رکھے اور ہمیں بھی زندہ رکھے

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۰۰' مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۲۵۱۴' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۹۴' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۹۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۱۵۵' اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر اس کی تائید صحیح البخاری میں ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک لڑکی کی انصار کے ایک مرد کی طرف رخصتی کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہارے ساتھ لھو (گانا بجانا) نہیں تھا؟ کیونکہ انصار کو لھو اچھا لگتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۲)

حضرت محمد بن حاطب الجمحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام اور حلال کے درمیان فرق دف اور آواز ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۶۹_۳۳۷۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۶' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۸' المستدرک ج ۲ ص ۱۸۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نکاح کا اعلان کرو اور اس کو مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دفوف (دف کی جمع) بجاؤ۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۰)

ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے پاس بیٹھے ہو اس وقت بچیاں دف بجا رہی تھیں اور میرے جو آباء غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کا مرثیہ گا رہی تھیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک نے یہ مصرع پڑھا:

وفینا نبی یعلم ما فی غد اور ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو (ازخود) غیب کو جانتے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس مصرع پر چپ رہو' اور وہی پڑھو جو اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۸۷۸' المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۶۹۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانے کی آواز کو سننا جائز ہے' اور مخلوق میں سے کسی ایک کی طرف بھی علم غیب کی نسبت کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

کیونکہ جب علی الاطلاق کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کی جائے تو اس سے متبادر علم غیب بالذات ہوتا ہے اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح لکھا ہے (الملفوظ ج ۳ ص ۴۷' نوری کتب خانہ لاہور) اسی لیے جو لڑکیاں یہ مصرع پڑھ رہیں تھیں آپ نے انہیں اس مصرع پر خاموش ہونے کا حکم دیا اس لیے حافظ ابن حجر نے اس کو مکروہ لکھا ہے' لیکن بہر حال مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا کفر و شرک نہیں ہے ورنہ آپ ان لڑکیوں کو توبہ کرنے کا اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔

اور حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث سے یہ مستفاد ہوا کہ شادی کی صبح کو دف بجانا اور اس کا سننا جائز ہے اور جو علماء اس کو منع کرتے ہیں وہ اس

ابتداء اسلام پر محمول کرتے ہیں' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کی طرف علم غیب کی نسبت کرے اس کو منع کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ص ۱۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن محمد بن علی بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

عید' شادی اور دیگر خوشی کی تقاریب میں قلیل مقدار میں دف بجا کر اس قسم کے اشعار پڑھنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے' اسی طرح وہ اشعار جو وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوں وہ بھی امام احمد کے نزدیک جائز ہیں' امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا ایسے اشعار جن میں دلوں کو نرم کرنے کا اور جنت اور دوزخ کا ذکر ہو آیا ان کو پڑھنا جائز ہے امام احمد نے کہا کوئی اس قسم کا شعر سناؤ تو سائل نے یہ اشعار پڑھے:

اذا ما قال لی ربی امااستحییت تعصینی
وتخفی الذنب من خلق وبالعصیان تاتینی

جب مجھ سے میرا رب فرمائے گا تجھ کو حیا نہیں آتی تو میری نافرمانی کرتا ہے اور تو میری مخلوق سے گناہ کو چھپاتا ہے اور ان گناہوں کے ساتھ میرے پاس آتا ہے۔

امام احمد نے کہا یہ شعر مجھے پھر سناؤ' وہ بار بار فرمائش کر کے یہ شعر سنتے رہے پھر جب وہ گھر گئے تو خود یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اور رہے وہ اشعار جو کہ مرثیہ پڑھنے والے اور نوحہ کرنے والے پڑھتے ہیں اور خود بھی آواز سے روتے ہیں اور لوگوں کو بھی آواز سے رلاتے ہیں تو ایسے اشعار پڑھنا اور لوگوں کو آواز سے رلانا ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح آلات موسیقی کے ساتھ اشعار کو پڑھنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

آلات موسیقی کے ساتھ سماع کا حرام ہونا

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے حدیث بیان کی اور بہ خدا انہوں نے جھوٹ نہیں کہا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے [جو] زنا' ریشم' شراب اور باجوں (آلات غنا) کو حلال قرار دیں گے' اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ جب شام کو [و]ہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو وہ کہیں گے کہ "کل آنا" اللہ [تع]الی پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (شراب اور باجوں وغیرہ کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت [تک] کے لیے بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۸' [مسند] احمد ج ۵ص ۳۴۲' سنن کبریٰ ج ۱۰ص ۲۲۱)

اس حدیث میں معازف (آلات غنا) کے حلال کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر اور خنزیر کی شکل [میں] مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے' بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کیے جانے سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً بندر اور خنزیر کی [شکل] میں متشکل کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اخلاق یا ان کے قلوب بندر اور خنزیر کے اخلاق اور قلوب کے [سات]ھ تبدیل کر دیئے جائیں۔

آلات غنا کی حرمت کے متعلق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ص ۶۸۴۔ ۶۷۷ میں بہت احادیث بیان کی ہیں۔

[آ]لات موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء احناف کا نظریہ

صحیح البخاری: ۵۵۹۰ کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام سعید بن منصور نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں میری امت کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ گواہی دیتے ہوں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ نماز پڑھتے ہوں گے' روزے رکھتے ہوں گے اور حج کرتے ہوں گے۔ مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ آلات موسیقی اور گانے بجانے والیوں میں مشغول ہوں گے' اور وہ ان شرابوں کو پئیں گے وہ اس لھو میں اور شراب نوشی میں رات گزاریں گے اور جب وہ صبح اٹھیں گے تو مسخ ہو کر بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲) اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں گھبراہٹ ہوگی لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے تو وہ بندر اور خنزیر ہو چکے ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی صحیح البخاری: ۹۴۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

الغنا (گانے بجانے) کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اس لہو ولعب سے ہے جو بالاتفاق مذموم ہے' اور رہا وہ غنا جو محرمات سے خالی ہو تو اس کی قلیل مقدار' عید' شادی اور خوشی کی تقاریب میں جائز ہے' اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے' اور اہل عراق کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی کے مذہب میں یہ مکروہ ہے' امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے' صوفیاء کی ایک جماعت نے عید کے دن لڑکیوں کے دف بجانے کی حدیث سے غنا کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے خواہ وہ آلات موسیقی کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو' اور ان کا یہ استدلال مردود ہے کیونکہ ان لڑکیوں کا یہ غنا صرف جنگ اور بہادری کی نظم سے متعلق تھا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی' لیکن جو غنا معروف اور مشہور ہے وہ بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے محاسن پر مشتمل ہوتا ہے اور دیگر حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے' جو پر سکون آدمی کے دل میں شہوت کا جوش اور ہیجان پیدا کر دیتا ہے اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے' اور صوفیاء نے اس کی جو بدعت نکالی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جب تم ان کے اقوال اور افعال کو دیکھو گے تو اس میں زندیقی کے آثار پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۳۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم: ۸۹۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا وہ لڑکیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں' یعنی گانا بجانا ان کی عادت نہیں تھی اور نہ وہ اس میں مشہور تھیں' اور غنا میں علماء کا اختلاف ہے' اہل حجاز کی ایک جماعت نے اس کو مباح کہا ہے اور یہ امام مالک سے ایک روایت ہے' اور امام ابو حنیفہ اور اہل عراق نے اس کو حرام کہا ہے' امام شافعی کا مذہب اس کی کراہت ہے' امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔

پیشہ ور گانے والیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنے گانے سے عورتوں کا شوق اور ان کی محبت پیدا کرتی ہیں اور بے حیائی کی طرف اپنے کلام میں تعریض اور اشارے کرتی ہیں اور پر سکون دلوں میں حسین عورتوں کی طلب کے جذبات کی آگ بھڑکاتی ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ غنا میں زنا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۵۰۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی کے متعلق ایک قوم نے لکھا ہے کہ ان کی تحریم پر اجماع ہے اور بعض علماء نے اس کے برعکس لکھا ہے' ہم کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی تشریح میں اس پر مفصل لکھیں گے' اور فریقین کے شبہات کا ذکر کریں گے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاشربہ میں حدیث معازف کی شرح میں آلات موسیقی کی تحریم کی جس بحث کا وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کرنا وہ بھول گئے۔

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

صوفیہ نے آلات موسیقی کے ساتھ سماع کی جو بدعت رائج کی ہوئی ہے' اس کی تحریم میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے' لیکن جو لوگ نیکی کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے اوپر نفوس شہوانیہ اور اغراض شیطانیہ غالب ہو چکی ہیں اور اس کا ذکر ان میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ وہ اس کی تحریم اور اس کے فحش سے اندھے ہو چکے ہیں اور ان میں سے بہت لوگوں سے بے حیاؤں' ہیجڑوں اور بچوں کی قبیح حرکات صادر ہوتی ہیں' اور وہ موزون اور منضبط حرکات کے ساتھ رقص کرتے ہیں اور ناچتے ہیں جس طرح جاہل اور بے حیاء کرتے ہیں' اور ان کی بے حیائی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ کام عبادات اور نیک اعمال سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آلات موسیقی کے سماع سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے' اور تحقیق یہ ہے کہ یہ زندیقی کے آثار ہیں اور اہل باطل کے اقوال ہیں' ہم بدعتوں سے اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اللہ سے توبہ کا اور سنت پر عمل کرنے کا سوال کرتے ہیں۔ (المفہم ج ۲ ص ۵۳۴' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آلاتِ موسیقی کے ساتھ سماع میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ سماع اللہ عزوجل کی عبادت ہے' جنید سے منقول ہے کہ ان صوفیاء پر تین وقتوں میں رحمت نازل ہوتی ہے کھانے کے وقت کیونکہ یہ فاقہ کے بعد کھاتے ہیں' اور مذاکرہ کے وقت کیونکہ یہ صدیقین کے مقامات اور انبیاء کے احوال سے متجاوز ہوتے ہیں اور سماع کے وقت کیونکہ یہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اگر جنید سے یہ روایت صحیح ہے تو اس سماع سے ان اشعار کا سماع مراد ہے جو دلوں کو نرم کرتے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں' ابن عقیل نے کہا ہم نے ان صوفیاء سے سنا ہے کہ جب کوئی ساربان اونٹ کو ہنکاتے وقت گانا گاتا ہے اس وقت دعا کی جائے تو مستجاب ہوتی ہے' کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ گانے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے' ابن عقیل نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ جو شخص حرام یا مکروہ کو عبادت اعتقاد کرے وہ اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۲ ملخصاً' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب یہ صوفیا غناء کو سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے ہیں اور کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ کتنے ہی عابد جب قرآن مجید کو سنتے ہیں تو بعض مر جاتے ہیں' بعض بے ہوش ہو جاتے ہیں اور بعض چیختے اور چلاتے ہیں' اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے' حضرات صحابہ سے اس کی مثل نہیں سنی گئی۔

سب سے صاف دل صحابہ کرام کے تھے اور جب ان کو وجد آتا تو وہ صرف روتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کیا تو ایک شخص بے ہوش ہو گیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: یہ ہم پر دین میں کون تلبیس کر رہا ہے اگر یہ سچا ہے تو یہ اپنی شہرت کر رہا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اس کو مٹا دے گا۔

(تلبیس ابلیس ص ۲۵۴۔۲۵۳ بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز امام ابن جوزی لکھتے ہیں: جب صوفیاء پر رقص کے حال میں طرب طاری ہوتا ہے تو یہ ناچتے ناچتے کسی شخص کو مجلس سے اٹھا لیتے ہیں تا کہ وہ بھی کھڑا ہو جائے' اور ان کے مذہب میں یہ جائز نہیں ہے کہ جو شخص جذب سے ناچ رہا ہو تو اہل مجلس بیٹھے رہیں جب وہ کھڑا ہو تو باقی لوگ بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کوئی شخص سر ننگا کرے تو باقی لوگ بھی سر ننگا کر لیتے ہیں' حالانکہ سر ننگا کرنا قبیح ہے اور خلاف ادب ہے اور صرف حالت احرام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار ذلت کے لیے سر ننگا کیا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۲۶۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

آلات موسیقی تین قسم کے ہیں: ستار' بانسری اور منہ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے' سارنگی' طنبور اور ہاتھ سے بجائے جانے والے تمام قسم کے باجے' ان کا بجانا حرام ہے اور جو شخص عادتاً ان باجوں کو سنے اس کی شہادت مردود ہے' اور دوسری قسم دف ہے' خوشی کے مواقع پر عورتوں کا دف بجانا جائز ہے۔ اور مردوں کے لیے دف بجانا ہر حال میں مکروہ ہے۔ کیونکہ عورتیں اور مخنث دف بجاتے ہیں اور مردوں کے دف بجانے میں عورتوں کی مشابہت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں' تیسری قسم چھڑی بجانا ہے یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز ہو جیسے تالی بجانا' گانا یا ناچنا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۴۔۱۷۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۶ھ)

غنا اور آلات موسیقی پر ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت طویل بحث کی ہے اور مجوزین اور مانعین دونوں کے دلائل کو ذکر کیا ہے اور شبہات کو زائل کیا ہے اور حق کو واضح کیا ہے۔ یہ تحقیق شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۷۲۔۷۰۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب اس شخص پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے O (لقمان: ۷)

غناء اور سماع کے متعلق مفسرین احناف کی تصریحات

اور جو لوگ غافل کرنے والی کہانیاں خریدتے ہیں تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں' ان پر جب کتاب اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور حق کو سننے سے اعراض کرتے ہیں' آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔

یہ آیت بھی لھو الحدیث کی مذمت میں ہے اور لھو الحدیث کی تفسیر میں آلات موسیقی اور غنا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص گانے بجانے والی باندیوں کو خریدتا تھا۔ امام ابو اللیث نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانے والیوں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۶۸)

(بحر العلوم تفسیر السمر قندی ج ۳ ص ۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

لھو ہر اس باطل چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر کے خیر سے روک دے' اور ہاں لھو سے مراد رات کو سنائی جانے والی جھوٹی کہانیاں اور غنا ہے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے اس سے مراد غنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ غنا قلب کو خراب کرتا ہے' مال کو ختم کرتا ہے اور رب کو ناراض کرتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص بھی غنا کے ساتھ آواز بلند کرتا ہے اللہ اس کے اوپر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے' ایک اس کندھے پر اور دوسرا اس کندھے پر اور وہ اس وقت تک اس کو لاتیں مارتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ گر جاتا ہے۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۴۶۸ مطبوعہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں مزامیر (منہ سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) اور بربط اور معازف (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلات موسیقی) کو اور ان بتوں کو مٹادوں جن کی زمانہ جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی الحدیث (مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵' المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۸۰۳) نیز حدیث میں ہے مجھے مزامیر کو توڑنے اور خنزیروں کو قتل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

اہل معانی نے کہا اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے جو لھو ولعب کو اور مزامیر اور معازف کو قرآن مجید کے مقابلہ میں ترجیح دے' اور ذمیوں کو مزامیر اور طنابیر کی بیع سے منع کیا جائے گا اور غنا کے اظہار سے بھی روکا جائے گا' اور جن احادیث میں عید کے ایام میں غنا کی رخصت ہے وہ متروک ہیں' اس زمانہ میں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا اسی لیے عید کے دن معازف کو جلانا مستحب ہے (علامہ اسماعیل حقی نے یہ صحیح نہیں لکھا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس سے احادیث کو منسوخ کرے اور صحیح یہ ہے کہ عید' نکاح اور دیگر خوشی کے ایام میں اچھے اشعار کو دف کے ساتھ اور بغیر دف کے قلیل مقدار میں پڑھنا جائز ہے البتہ دیگر آلات موسیقی کو استعمال کرنا مطلقاً ممنوع ہے اسی طرح ان اشعار کا پڑھنا بھی مطلقاً ممنوع ہے جن کا مضمون غیر شرعی ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آلات موسیقی کی حرمت لعینھا نہیں ہے' جیسے خمر اور زنا کی حرمت ہے' بلکہ یہ حرمت لغیرہا ہے' اسی لیے علماء نے اس سے جہاد کے طبل کو مستثنیٰ کیا ہے' پس جب آلات موسیقی کو بہ طور لھو ولعب استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہیں اور جب لھو ولعب نہ ہو تو پھر حرمت زائل ہو جائے گی' (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے صرف عید' نکاح اور خوشی کے ایام میں قلیل مقدار میں بہ طور لھو ولعب دف بجانے کی رخصت ہے جیسا کہ احادیث کے حوالے سے گزر چکا ہے اور ان کے علاوہ دف بجانے کی رخصت نہیں ہے' خواہ لھو ولعب مقصود ہو یا نہ ہو۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

جائز اور ناجائز سماع

طرز اور خوش الحانی کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے' اگر اشعار میں عورتوں کا ذکر ہو اور انسان کے قد اور رخسار کا ذکر ہو جس سے نفس اور شہوت کی آگ بھڑکتی ہو تو دین دار لوگوں کے لیے ان کا سننا جائز نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس کو بہ طور مشغلہ سنا جائے۔ اور اگر ان اشعار میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہو' دوزخ سے ڈرایا گیا ہو اور جنت کی ترغیب دی گئی ہو اور اللہ عزوجل کی نعمتوں کی تعریف کی گئی ہو' اور نیک کاموں کی تحریک ہو تو پھر ان کے سننے پر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے' اور اسی قبیل سے جہاد اور حج کے فضائل کے اشعار ہیں' جن کو سن کر جہاد کرنے اور حج کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر اشعار پڑھنے والا بے ریش

نوخیز لڑکا ہو جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو' یا عورتیں بھی اس مجمع کو جھانک کر دیکھ رہی ہوں تو یہ عین فسق ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

بعض لوگ تکلف سے سماع کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں' ایک قسم یہ ہے کہ لوگ کسی مرتبہ کے حصول یا دنیاوی منفعت کے لیے سماع کرتے ہیں یہ تلبیس اور خیانت ہے' اور حقیقت کی طلب کے لیے تکلف کرنا ہے جیسے کوئی شخص مصنوعی اور بناوٹی وجد خود پر طاری کر کے وجد کو طلب کرتا ہے' فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ور اس کے سامنے پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو اگر وہ سچے جذب سے اپنے آپ کو گرا دے تو فبہا ورنہ صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل کرنے سے ڈرے' اور اس کا سماع کے وقت نعرہ مارنا' یا تالی بجانا یا کپڑے پھاڑنا یا رقص کرنا اگر لوگوں کو دکھانے یا سنانے کے لیے ہو تو اس سے بچنا لازم ہے۔

دکھانے اور سنانے کے لیے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

دکھاوے کے لیے حال کھیلنے کی خرابیاں

(۱) وہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اللہ نے اس پر وجد طاری کر دیا ہے اور بے خودی اور جذب میں رقص کر رہا ہے یا اس پر حال طاری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا' اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بدترین گناہ ہے۔

(۲) وہ حاضرین محفل کو اس فریب میں مبتلا کرتا ہے وہ اس کے متعلق حسن ظن رکھیں اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا خیانت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

(۳) وہ اپنے کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں دوسرے لوگوں کو اپنی موافقت اور اپنا ساتھ دینے پر ابھارتا ہے سو وہ لوگوں کو جھوٹ اور باطل کا مکلف کرتا ہے۔ آج کل محفل سماع میں جو لوگ حال کھیلتے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال ایسا ہی ہوتا ہے (مصنف)

سماع کی طرف میلان کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

سماع کے اسباب

(۱) انسان کی طبیعت خوش آوازی کی طرف مائل ہو اور یہ شہوت ہے اور حرام ہے (یہ وجہ درست نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۲) انسان کے نفس میں نغمات اور خوش الحانی کی طرف میلان ہو یہ بھی حرام ہے کیونکہ یہ لذت شیطانی ہے جو مردہ قلب اور زندہ نفس کو حاصل ہوتی ہے اور دل کے مردہ ہونے کی علامات یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو بھول جائے اور دنیا کے اشغال میں منہمک ہو اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو اور ہر وہ دل جو دنیا کی محبت میں ملوث ہو اس کا سماع طبیعت کا سماع ہے اور تکلف ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے افعال کے نور کے مطالعہ سے اس کے دل میں سماع کی طرف میلان ہو اور یہ عشق ہے اور حلال ہے کیونکہ یہ میلان رحمانی ہے اور زندہ دل اور مردہ نفس کو حاصل ہوتا ہے (زندہ دل سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل اللہ کی یاد سے زندہ ہو اور مردہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اس کی حیوانی اور نفسانی خواہشات مر چکی ہوں' ایسا شخص بغیر آلات موسیقی کے ان ہی اشعار کو سنے گا جن کا مضمون غیر شرعی نہ ہو)۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور کے مشاہدہ سے اس کی روح میں سماع سے انس پیدا ہو جائے اور یہ محبت اور سکون ہے اور یہ بھی

حلال ہے۔

سماع کی حقیقت

شیخ سعدی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے: اے برادر میں نہیں جانتا کہ سماع کیا ہے! میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سماع کرنے والا کون ہے' یہ وہ شخص ہے جس کی روح برج معنی کی طرف پرواز کرتی ہے اور اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز رہتا ہے۔ یہ عاشق صادق کا حال ہے اور اصحاب حال وہ لوگ ہیں جن میں اعمال صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے تو اللہ ان کو دین پر استقامت کے ساتھ حال اور وجد اور ذوق اور کشف اور مشاہدہ اور معائنہ اور معرفت عطا فرماتا ہے' زین الدین الحافی قدس سرہٗ نے کہا جس شخص کے دل میں یہ نور پیدا ہو وہ ان علماء کے قول پر عمل کر کے سماع کرے جو سماع کو جائز کہتے ہیں (یعنی آلات موسیقی کے بغیر ان اشعار کا سماع کرے جو شریعت کے مطابق ہوں) ورنہ ان علماء کے قول پر عمل کرنے میں زیادہ سلامتی ہے جو سماع کو مکروہ کہتے ہیں' اور سماع کا معنی ہے دل کش اور اچھی آواز کو سننا جس کی طرف دل بے اختیار کھنچتا ہو اور یہ انسان کی فطرت میں مرکوز ہے حتیٰ کہ جن میں عقل نہیں ہے وہ بھی اچھی اور سریلی آواز کی طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کی وجہ سے پرندے ان کے پاس آ کر ٹھہر جاتے تھے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۸۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سماع کی انواع' شرائط' آلات موسیقی کے استعمال اور تواجد کی تحریم اور ممانعت پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام غزالی نے فرمایا سماع یا تو محبوب ہوگا بایں طور کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کا غلبہ ہو' تا کہ اس سے اس کو مکاشفات اور ملاطفات حاصل ہوں' یا سماع مباح ہوگا بایں طور کہ اس کو اپنی بیوی سے عشق ہو (اور وہ حسن کو اپنی بیوی کے حسن پر محمول کرے گا) یہ مباح ہے جب کہ اس پر اللہ کی محبت کا غلبہ ہو نہ نفسانی خواہشوں کا' اور یا سماع حرام ہوگا بایں طور کہ اس کے اوپر ناجائز اور حرام خواہشوں کا غلبہ ہو۔

العز بن عبد السلام سے محبت کے اشعار سننے' سر دھننے اور رقص کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا رقص کرنا بدعت ہے' اور وہی شخص رقص کرے گا جس کی عقل ناقص ہوگی' اور رہے عشق و محبت کے اشعار تو اگر وہ امور آخرت پر مشتمل ہوں تو ان کے سننے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ جب انسان کا دل دنیا میں منہمک ہو تو ایسے اشعار کا سننا مستحب ہے' اور جس شخص کے دل میں ناپاک اور ناجائز خواہشیں ہوں وہ سماع نہ کرے کیونکہ اس سے اس کی ناپاک خواہشوں کو تحریک ہوگی' اور انہوں نے کہا کہ سننے والوں اور جن سے سنا جاتا ہے ان کے اختلاف سے سماع کا حکم مختلف ہے۔ پس سننے والے یا تو عارف باللہ ہوں گے اور ان کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں جن پر خوف خدا اور خشیت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے جب وہ سماع کرتے ہیں کہ تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور ان پر غم کے آثار طاری ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں یا ان کو عذاب کا خوف ہوتا ہے یا ثواب کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے یا اللہ کا انس اور قرب ہوتا ہے' اور وہ سب سے افضل ڈرنے والے اور سب سے عمدہ سننے والے ہیں اور جس کلام کو سنا جائے اس میں قرآن مجید کی تاثیر سب سے زیادہ ہے۔

جس شخص پر امید کا غلبہ ہو اس پر نعمتوں کا ذکر سننے سے اثر ہوتا ہے اور اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے انس اور قرب کی امید ہو تو وہ امید رکھنے والوں میں افضل ہے اور اگر اس کو ثواب کی امید ہو تو اس کا سماع دوسرے درجہ میں ہے' اور جو اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی وجہ سے اللہ سے محبت کرتا ہو تو اس کے انعام و اکرام کا سماع اس میں اثر کرتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا سماع اس میں تاثیر کرتا ہے اور یہ سماع پہلے درجات سے افضل ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کا غلبہ ہو اس کا سماع سب سے افضل ہے۔

یہ تو جس نوع کا ذکر سنا جائے اس کے اعتبار سے سننے والوں کے مدارج تھے اور جس سے ذکر کو سنا جائے اس کے اعتبار سے اختلاف مدارج کی تفصیل یہ ہے کہ عام آدمی کی بہ نسبت عالم سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے' عالم کی بہ نسبت اللہ کے ولی سے سماع کرنے میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے' اور ولی کی بہ نسبت اللہ کے نبی سے سماع میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تاثیر خود اللہ عزوجل سے سننے میں ہوتی ہے اور یہ بلاواسطہ سماع صرف کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا یا حبیب اللہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا' اور ان درجات کی وجہ یہ ہے کہ محب کے دل میں سب سے زیادہ تاثیر محبوب کے کلام کی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام' صدیقین اور ان کے اصحاب اور اتباع اور مومنین صالحین آلات موسیقی کے سماع میں مشغول نہیں رہے اور صرف اپنے رب اللہ عزوجل کے کلام کے سننے میں مشغول رہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے سماع کی شرائط ذکر کی ہیں' ان میں سے ایک شرط ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی معرفت' تاکہ صفات ذات' صفات افعال سے ممتاز ہوں اور معلوم ہو جائے کہ کس چیز کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز ہے اور کیا چیز اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے' اور اہل تحقیق کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ صدق مجاہدہ سے اپنے نفس کو فنا کر چکا ہو اور اپنی روح کے مشاہدہ سے اپنے دل کو زندہ کر چکا ہو اور جو اس مرتبہ پر نہیں پہنچا اس کا سماع کرنا وقت کا ضیاع اور اس کا بناوٹی وجد کرنا ریا ہے اور اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے اکثر صوفیاء کا سماع کرنا حرام ہے۔

جو لوگ سماع میں تالیاں بجاتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں اور بے ہوشی اور وجد کا ڈھونگ رچاتے ہیں' یہ سب تصنع اور ریا ہے اسی طرح بال نوچنا سینہ کوبی کرنا اور کپڑے پھاڑنا حرام ہے۔

اور ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ آلات موسیقی کو استعمال کرنا حرام ہے اور امام بخاری' امام احمد' امام ابن ماجہ' امام ابونعیم اور امام ابوداؤد نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ضرور میری امت میں ایسی قوم ہو گی جو ریشم کو شراب کو اور آلات موسیقی کو حلال کرے گی' اور یہ حدیث تمام آلات موسیقی کی تحریم اور ممانعت میں بالکل صریح ہے۔ اور اسی کے مشابہ وہ حدیث ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت انس سے اور امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ میری اس امت میں ضرور زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ ہو گا' اور یہ اس وقت ہو گا جب وہ شرابیں پئیں گے' گانے والیوں کو رکھیں گے اور آلات موسیقی کو استعمال کریں گے۔ امام دوقی نے آلات موسیقی کی تحریم کے دلائل بہت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

بعض صوفیاء نے مزامیر اور دیگر آلات موسیقی کے جواز میں رسائل لکھے ہیں اور ان میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم' تابعین' علماء عاملین اور ان کے مقلدین پر حیرت ناک افتراء باندھا ہے اور بہتان تراشا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان جس کے ساتھ لھو ولعب کرتا ہے اس کو خواہش کے گڑھے میں گرا دیتا ہے' سو وہ حق سے بہت بعید ہوتا ہے اور تصوف سے ہزارہا میل دور ہوتا ہے' لہٰذا اگر بعض اکابر آلات موسیقی کے استعمال کو حلال کہیں تو تم ان کے قول سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ قول ائمہ مذاہب اربعہ اور دیگر مستند فقہاء کبار کے اقوال کے خلاف ہے' اور ہر شخص ان فقہاء کے قول پر عمل کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کو ترک کر دے گا' اور جس شخص کو عقل سلیم دی گئی ہے اور اس کا دل باطل

خواہشوں سے پاک ہے اس کو اس میں کوئی شک نہیں ہوگا کہ آلات موسیقی سے ساز اور آواز کو سننا دین میں سے نہیں ہے اور یہ سید المرسلین وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقاصد سے کوسوں دور ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۱۷۔۱۰۸ ملخصاً وموضحاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

غناء اور سماع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیق

مسئلہ: راگ یا مزامیر کرانا یا سننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ اس فعل کا مرتکب فاسق ہے یا نہیں۔

جواب: مزامیر یعنی آلات لہو ولعب بروجہ لہو ولعب بلاشبہ حرام ہیں جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح اون کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلۂ عالیۂ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا بہم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافترا ہے حضرت سیدی فخر الدین زراوی قدس سرہٗ کہ حضور سیدنا محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدنیا والدین محمد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلۂ خلفا سے ہیں جنہوں نے خاص عہد کرامت مہد حضور ممدوح میں بلکہ خود بحکم حضور والا مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا اپنے اسی رسالہ میں فرماتے ہیں سمع بعض المغلوبين السماع مع المزامير في غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضي الله تعالى عنهم فبرئ عن هذه التهمة وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من كمال صنعة الله تعالى یعنی بعض مغلوب الحال لوگوں نے اپنے غلبۂ حال وشوق میں سماع مع مزامیر سنا اور ہمارے پیران طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سننا اس تہمت سے بری ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی جل وعلا سے خبر دیتے ہیں انتہیٰ۔ بلکہ خود حضور ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ملفوظات شریفہ فوائد الفواد وغیرہا میں جابجا حرمت مزامیر کی تصریح فرمائی۔ بلکہ حضور والا صرف تالی کو بھی منع فرماتے کہ مشابہ لہو ہے بلکہ ایسے افعال میں عذر غلبہ حال کو بھی پسند نہ فرماتے کہ مدعیان باطل کو راہ نہ ملے واللہ یعلم المفسد من المصلح فرضی اللہ عن الائمة ما انصحهم للامة یہ سب امور ملفوظات اقدس میں مذکور و ماثور' فوائد الفواد شریف میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ مزامیر حرام است كما نقل احمد عنه رضي الله تعالى عنه سيدي الشيخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوي رحمة الله تعالى عليهم وعلينا بهم آمين حضور ممدوح کے یہ ارشادات عالیہ ہمارے لیے سند کافی اور ان اہل ہوا و ہوس مدعیان چشتیت پر حجت وافی۔ ہاں جہاد کا طبل سحری کے نقارہ حمام کا بوق اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہیں کہ یہ آلات لہو ولعب نہیں' یو ہیں یہ بھی ممکن کہ بعض بندگان خدا جو ظلمات نفس وکدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہو کر فانی فی اللہ و باقی باللہ ہو گئے کہ لا يقولون الا الله ولا يسمعون الا الله بل لا يعلمون الا الله بل ليس هناك الا الله اون میں کسی نے بحالت غلبہ حال خواہ عین الشریعۃ الکبریٰ تک پہنچ کر از انجا کہ اون کی حرمت بعینہا نہیں وانما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى بعد وثوق تام واطمینان کامل کہ حالاً ومآلاً فتنہ منعدم احیاناً اس پر اقدام فرمایا ہو ولہٰذا فاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی رد المحتار میں زیر قول درمختار ومن ذلك (اي من الملاهي) ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبه فلا باس به كما اذا ضرب في ثلثة اوقات لتذكير ثلاث نفخات الصور الخ فرماتے ہیں هذا يفيد ان الة اللهو ليست بحرمة بعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا ترى ان ضرب تلك الالة بعينها حل تارة و حرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بسماعها امورا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض

بالانکار کہے لا یحرم برکتھم فانھم السادۃ الاخیار امدنا اللہ تعالی بامداداتھم واعاد علینا من صالح دعواتھم وبرکاتھم.

اقول بلکہ یہاں ایک اور وجہ ادق واعمق ہے صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب العزۃ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے پھر جب میں اوسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اوس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اوس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اوس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اوس کا وہ پاؤں جس سے چلتا ہے انتہیٰ۔ اب کہیے کون کہتا اور کون سنتا ہے آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہ کہا انی انا اللہ رب العلمین۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود یہی حال سننے کا ہے وللہ الحجۃ البالغۃ مگر اللہ اللہ یہ عباد اللہ کبریت احمر وکوہ یاقوت ہیں اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو اون کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہو سکتا کما افادہ المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ تعالی علیہ فی اخر الحج من فتح القدیر فی مسئلۃ الجواز نہ یہ مدعیان خامکار اون کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز فانھا اکذب ما یکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہر الینا صحیح ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ جہاں اوس کا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات فاعل سے بحث نہ کیجئے ھذا ھو الانصاف فی امثال الباب واللہ الھادی الی سبیل الصواب. سماع مجرد بے مزامیر اوس کی چند صورتیں ہیں اول: رنڈیوں ڈومنیوں محل فتنہ امردوں کا گانا۔ دوم: جو چیز گائی جائے معصیت پر مشتمل ہو مثلاً فحش یا کذب یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو یا شراب وزنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالتعیین تعریف حسن یا کسی معین عورت کا اگرچہ مردہ ہو ایسا ذکر جس سے اوس کے اقارب احبا کو حیا وعار آئے۔ سوم: بطور لہو ولعب سنا جائے اگرچہ اوس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو تینوں صورتیں ممنوع ہیں الاخیرتان ذاتا والاولی ذریعۃ حقیقۃ ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث کل لعب ابن ادم حرام الا ثلثۃ کافی ہے ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ نہ لہو ولعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام گائیں بلکہ سادے عاشقانہ گیت غزلیں ذکر باغ و بہار و خط و خال و رخ و زلف و حسن و عشق و ہجر و وصل و وفائے عشاق و جفائے معشوق وغیرہا امور عشق و تغزل پر مشتمل سنے جائیں تو فساق و فجار و اہل شہوات دنیہ کو اس سے بھی روکا جائے گا وذلک من باب الاحتیاط القاطع والنصح الناصح وسد الذرائع المخصوص بہ ھذا الشرع البارع والدین الفارع اسی طرح حدیث الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل ناظر. رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاھی عن ابن مسعود والبیھقی فی شعب الایمان عن جابر رضی اللہ تعالی عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہیے تو دور نہیں گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو ابھارتا ہے جب دل میں بری خواہش بے ہودہ آلائشیں ہوں تو انہیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا و رسول سے مملو ہیں اون کے اس شوق محمود و عشق مسعود کو افزائش دے گا وحکم المقدمۃ حکم ما ھی مقدمۃ لہ انصافا ان بندگان خدا کے حق میں اوسے ایک عظیم دینی کام ٹھہرانا کچھ بے جا نہیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے لیس فی القدر المذکور من السماع ما یحرم بنص ولا اجماع

وانما الخلاف فی غیر ماعین والنزاع فی سوی ما بین وقد قال بجواز السماع من الصحابة والتابعین جم غفیر (الی ان قال) اما سماع السادۃ الصوفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فبمعزل عن ھذا الخلاف بل و مرتفع عن درجۃ الاباحۃ الی رتبۃ المستحب کما صرح بہ غیر واحد من المحققین یہ اوس چیز کا بیان تھا جسے عرف میں گانا کہتے ہیں اور اگر اشعار حمد و نعت و منقبت و وعظ و پند و ذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں بلکہ پڑھنا کہتے ہیں تو اس کے منع پر تو شرح سے اصلاً دلیل نہیں حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے خاص مسجد اقدس میں منبر رکھنا اور اون کا اوس پر کھڑے ہو کر نعت اقدس سنانا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کا استماع فرمانا خود حدیث صحیح بخاری شریف سے واضح اور عرب کے رسم حدی زمانہ صحابہ وتابعین بلکہ عہد اقدس رسالت میں رائج رہنا خوش الحانی رجال کے جواز پر دلیل لائح انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حدی پر حضور والاصلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے انکار نہ فرمایا بلکہ بلحاظ عورات رویدک یا انجشہ لا تکسر القواریر ارشاد ہوا کہ اون کی آواز دلکش ودل نواز تھی عورتیں نرم نازک شیشیاں ہیں جنہیں تھوڑی ٹھیس بہت ہوتی ہے' غرض مدار کار تحقق وتوقع فتنہ ہے جہاں فتنہ ثابت وہاں حکم حرمت جہاں توقع واندیشہ وہاں بنظر سد ذریعہ حکم ممانعت جہاں نہ یہ نہ وہ بلکہ بہ نیت محمود استحباب موجود۔ بحمد اللہ یہ چند سطروں میں تحقیق نفیس ہے کہ انشاء اللہ العزیز حق اس سے متجاوز نہیں نسال اللہ سوی الصراط من دون تفریط ولا افراط واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/اص ۵۶۔۵۴ مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عبارت ہر چند کہ کافی دقیق اور علمی ہے اور ہم ایسے عام لوگوں کی ذہنی سطح سے بلند ہے' تاہم اعلیٰ حضرت نے وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے قرآن مجید کی آیات' احادیث صحیحہ اور مفسرین' محدثین' ائمہ مذاہب اور دیگر فقہاء کی عبارات کو آسان انداز میں پیش کر چکے ہیں' عوام کے لیے یہ کافی ہے اور اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ سے اقتباس پیش کر دیا ہے' شرح صحیح مسلم جلد ثانی ص ۷۰۷۔۶۷۲ میں بھی اس مسئلہ پر لکھا ہے لیکن یہاں اس سے مختلف انداز میں اور زیادہ جامعیت کے ساتھ لکھا ہے' اللہ تعالٰی قبول فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں O ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے اور وہی بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O (لقمان: ۹۔۸)

کفار کی سزا کے ذکر اور مومنوں کی جزا کے ذکر کا تقابل

اس سے پہلی دو آیتوں میں سے اللہ تعالٰی نے کافر معاند کے حال کا بیان فرمایا تھا کہ جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتا ہوا پیٹھ موڑ لیتا ہے' اور ان دو آیتوں میں اللہ تعالٰی نے مومنوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ جب ان پر اللہ تعالٰی کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا استقبال کرتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' کفار ان آیتوں سے پیٹھ موڑ لیتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں مومنین ان آیتوں کو قبول کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں' جو شخص ان آیات کو سن کر قبول کرے اور ان پر عمل کرے تو اس کا درجہ اس شخص سے زائد ہوگا جو ان آیتوں کو قبول تو کرے لیکن ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرے۔

پھر اللہ تعالٰی نے کافروں کے عذاب کا ذکر کیا تو واحد کا صیغہ ذکر فرمایا کہ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے اور مومنین کے ثواب کا ذکر کیا تو جمع کے صیغہ کے ساتھ کیا کہ ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں' اور عذاب کے ساتھ صراحۃً دوام اور خلود کا ذکر نہیں فرمایا اور مومنوں کے ثواب میں دوام اور خلود کا ذکر فرمایا: کہ ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' پھر اس کی مزید

تاکید فرمائی کہ یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے۔ کافروں کے عذاب کے ساتھ بشارت کا ذکر فرمایا اور بشارت اس چیز کی دی جاتی ہے جو بہت عظیم ہو یعنی کافروں کو بہت عظیم عذاب دیا جائے گا' اور مومنوں کے اجر وثواب میں نعمت والی جنتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ بشارت کا ذکر نہیں فرمایا' یعنی ہر چند کہ جنت بھی بہت بڑا اجر وثواب ہے لیکن بشارت اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور رضا کی دی ہے فرمایا:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ (التوبہ: ۲۱)

ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور اپنی رضا کی بشارت دیتا ہے اور ان جنتوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف جنت کے ساتھ بھی بشارت کا ذکر فرمایا ہے:

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۰)

اور اس جنت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا ذکر ہے اور بشارت کا تعلق اس مہمانی کے ساتھ ہے' وہ آیتیں یہ ہیں:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (حٰم السجدۃ: ۳۲-۳۱)

تمہاری دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے کارساز تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے' جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا اور جس کو تم طلب کرو گے ○ یہ غفور رحیم کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۱۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے' اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے ○ یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! پس مجھے وہ دکھاؤ جو اللہ کے ماسوا دوسروں نے پیدا کیا ہے بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ○ (لقمان: ۱۱-۱۰)

آسمانوں کا مستدیر (گول) اور ایک دوسرے سے منفصل ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا فرمایا ہے' آسمانوں کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا آسمان صفحہ قرطاس کی طرح چپٹے ہیں جیسے کوئی ہموار سطح ہو' اور اکثر علماء نے کہا آسمان گول ہیں یہ آسمان جو ہمیں نظر آ رہا ہے یہ زمین پر محیط ہے اور اس پر دوسرا آسمان جو اس کو محیط ہے علیٰ ہذا القیاس سات آسمان ہیں اور ہر اوپر والا آسمان نچلے آسمان کو محیط ہے جیسے پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کو محیط ہوتے ہیں' لیکن پیاز کے چھلکے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور ساتوں آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے اوپر ایک بادل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ بادل ہے! یہ زمین پر پانی برسانے والا ہے' اللہ تعالیٰ اس بادل کو اس قوم کی طرف بھیج دیتا ہے جو اس کا شکر ادا کرتی ہے نہ اس کو پکارتی

ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ آسمان دنیا ہے' محفوظ چھت ہے اور (گرنے سے) روکی ہوئی موج ہے' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے اوپر ایک اور آسمان ہے اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمانوں کو گنا' اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے' انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے' اس کے اور (ساتویں) آسمان کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے' پھر آپ نے پوچھا کیا تم جانتے کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا اس کے نیچے زمین ہے' پھر آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور ان دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات زمینوں کو گنا اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' اگر تم سب سے نچلی زمین کی طرف رسی لٹکاؤ تو اللہ تعالیٰ پر اترے گی (یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت ہر جگہ کو محیط ہے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (الحدید:۳)

وہی اول ہے اور وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۵۷۸' کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۴۳' العلل المتناہیہ رقم الحدیث: ۹)

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سات زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہیں اور یہ ساتوں زمینیں اسی کرۂ ارض میں ہیں اور چونکہ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اس لیے پہلی زمین سے ساتویں زمین تک کی مسافت پانچ سو سال میں قطع ہونی چاہیے' اب اس پر اشکال یہ ہے کہ ہوائی جہاز اس پورے کرۂ ارض کے گرد زیادہ سے زیادہ دو دن میں چکر لگا لیتا ہے' کیونکہ انسان دو دن سے کم کی مسافت میں پاکستان سے امریکا پہنچ جاتا ہے حالانکہ اس حدیث کے اعتبار سے یہ مسافت پینتیس (۳۵) سو سال میں قطع ہونی چاہیے' یا اوپر اور نیچے کا کوئی اور معنی ہو جو فی الحال ہماری علمی دسترس سے باہر ہے کیونکہ کائنات کے بارے میں دن بدن نت نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔

آسمانوں کے مستدیر (گول) ہونے پر اس آیت میں دلیل ہے:

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ (الانبیاء: ۳۳)

ان میں سے ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے (گردش کر رہا ہے)۔

اور فلک اس چیز کو کہتے ہیں جو مستدیر ہو' علامہ جار اللہ محمد بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اور علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے:

الفلک: ستارے کے گردش کرنے کی جگہ۔ (الفائق ج ۳ص ۵۱ النہایہ ج ۳ص ۳۲۴ مجمع بحار الانوار ج ۴ص ۱۷۸)

المنجد کے مترجمین نے لکھا ہے: ستاروں کے چکر لگانے کی جگہ' ہر چیز کا گول اور بڑا حصہ' موج دریا' جہاں پانی ہر طرف سے چکر کھا کر جمع ہونے لگے' الفلکۃ ایک آسمان' ہر وہ چیز جو ابھری ہوئی بلند اور گول ہو' فلکۃ المغزل چرخے کا تکلہ' سوت کاتنے کی جگہ۔ (المنجد اردو ص ۷۶۲)

زمین کا متزلزل نہ ہونا اس کی حرکت کے منافی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو۔

یعنی آسمان کسی ایسی چیز پر قائم نہیں ہیں جو ان کو اپنی جگہ سے زائل ہونے سے روک رہی ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے۔

یعنی زمین کو بھی اپنے مدار پر قائم رکھا ہے اور وہ بھی دیگر سیاروں کی طرف اپنے مدار پر گردش کر رہی ہے۔

اور فرمایا: اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔

یعنی زمین کا اپنے مدار میں گردش کرتے رہنا اور اس کا متزلزل نہ ہونا اس میں مختلف جانداروں کے سکون اور ان کے چلنے پھرنے کا سبب ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب زمین گردش کر رہی ہے تو ہم ہلتے جلتے کیوں نہیں؟ اور چکر کھا کر گر کیوں نہیں جاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ بہت بڑے بحری جہاز میں جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ بھی اس میں پرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور ان کو اس کی حرکت کا پتا نہیں چلتا بلکہ ہوائی جہاز میں جو لوگ سفر کرتے ہیں وہ بھی اس میں پُرسکون بیٹھے رہتے ہیں اور ان کو اس کی حرکت کا پتا نہیں چلتا تو زمین تو بحری جہاز اور ہوائی جہاز سے کروڑھا اور ارب ھا درجہ بڑی ہے اس کو حرکت اور گردش سے زمین والوں کے سکون اور ان کے چلنے پھرنے میں کب فرق آ سکتا ہے!

اس کے بعد فرمایا: اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے O

اللہ تعالیٰ نے زمین' آسمان اور پانی کا ذکر کیا ان کی حرکت طبعی ہے اختیاری نہیں ہے اور حیوانوں کا ذکر کیا ان کی حرکت اختیاری اور ارادی ہے' یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے خواہ اس کی حرکت طبعی ہو یا اختیاری ہو!

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلائل

جب اللہ تعالیٰ کی صناعی اور اس کی قدرت میں غور کیا جائے تو عقلاء کی عقلیں اور اذکیاء کی فہمیں حیران رہ جاتی ہیں' جب انسان درختوں کے عجائبات اور ان کے خواص' ان کے فوائد اور ان کے نقصانات' ان کے پتوں' پھولوں اور پھلوں کے مختلف رنگوں' ان کی مختلف خوشبوؤں اور ان کے مختلف ذائقوں پر غور کرتا ہے تو اس کو بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب یونہی اتفاق سے نہیں پیدا ہو گیا ہے' ان سب کو ایک زبردست مدبر اور حکیم نے بنایا ہے' اور ان تمام چیزوں کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ ان چیزوں کا بنانے والا واحد ہے اگر ان کے بنانے والے متعدد ہوتے تو ان میں یکسانیت اور نظم نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور حیوانات اور نباتات کا جو ذکر فرمایا ہے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ہے اللہ کا پیدا کیا ہوا! تو اے مشرکو! مجھے دکھاؤ کہ جن کو تم نے عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا ہے انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

توحید کی فضیلت اور شرک کی مذمت

جاننا چاہیے کہ عقائد میں سب سے افضل عقیدہ توحید کا ہے' اور تمام بدعقیدگیوں میں سب سے بری بدعقیدگی شرک کی

ہے' اسی طرح تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے اور تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے' توحید کا ایسا نور ہے جو موحدین کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور شرک ایک ایسی آگ ہے جو مشرکین کی تمام نیکیوں کو جلا ڈالتی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کہا لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے) وہ جنت میں داخل ہو جائے گا' میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو! میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو' اور خواہ اس نے چوری کی ہو! میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو' آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو' ابوالدرداء کی ناک کو خاک آلود کرتے ہوئے! پھر میں باہر نکلا تاکہ لوگوں میں اس کا اعلان کروں' تو میری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' حضرت عمر نے کہا واپس جاؤ' اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تو وہ صرف اسی قدر کہنے پر تکیہ کرلیں گے' میں نے واپس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی آپ نے فرمایا عمر نے سچ کہا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۲ طبع قدیم' رقم الحدیث: ۲۷۵۵۹' دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۳۶۴' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث سے اللہ کو واحد ماننے اور شرک نہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ اس کی جزاء جنت ہے' اس حدیث میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے کا ذکر نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو برحق مانا جائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے محمد رسول اللہ (الفتح: ۲۹) اسی طرح اس حدیث میں باقی احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا بھی ذکر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو برحق ماننا ان تمام احکام کے ماننے کو مستلزم ہے' اور یہ جو فرمایا کہ موحد خواہ زنا کرے خواہ چوری کرے وہ جنت میں داخل ہو گا یہ عام ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے فضل محض یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ابتداءً جنت میں داخل ہو خواہ اپنی بداعمالیوں کی سزا پا کر بعد میں تاخیر سے جنت میں داخل ہو' نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اوقات اکابر' اصاغر کے قول کی طرف رجوع کر لیتے ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے قول کی طرف رجوع فرمالیا' اور یہ کہ عام لوگوں کے سامنے بشارت کے بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہیے تاکہ وہ کسی بشارت کا غلط مفہوم نہ سمجھ لیں یا وضاحت کر کے بشارت کو بیان کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ

فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے' حمد کیا ہوا ہے ○ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے

لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا' بے شک شرک کرنا ضرور سب سے

عَظِيۡمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى

بڑا ظلم ہے ○ اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری

وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ؕ اِلَىَّ

برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا

الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ

(تو نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اور اگر وہ تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے

بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۖ وَّاتَّبِعۡ

علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور اس کے طریقہ

سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ

کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو، پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے سو میں تم کو ان کاموں کی خبر

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَىَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ

دوں گا جو تم کرتے تھے ○ (لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی

فَتَكُنۡ فِىۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِى السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِى الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا

چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمینوں میں، تو اللہ اس کو لے آئے گا بے شک اللہ

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاۡمُرۡ

ہر باریکی کا جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ○ اے میرے پیارے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ

حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا،

اِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۚ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں ○ اور لوگوں سے تکبر کے ساتھ اپنا چہرہ نہ پھیرنا

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾

اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا' بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا O

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ

اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں

لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

سب سے بُری آواز گدھے کی ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو' اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے' اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۱۲)

حکیم لقمان کا تعارف

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

امام النحاس اور امام محمد بن اسحاق نے لقمان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: لقمان بن باعوراء بن ناحور بن تارح (تارح حضرت ابراہیم کے والد ہیں)۔

اور سہیلی نے اس طرح بیان کیا ہے: لقمان بن عنقاء بن سرون۔ یہ ایلہ کے رہنے والے تھے۔

وہب بن منبہ نے کہا یہ حضرت ایوب کے بھانجے تھے' مقاتل نے کہا یہ حضرت ایوب کے خالہ زاد بھائی تھے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آزر کی اولاد سے تھے' یہ ایک ہزار سال زندہ رہے' انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا' حضرت داؤد علیہ السلام کے اعلان نبوت سے پہلے یہ فتویٰ دیا کرتے تھے' جب حضرت داؤد علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے تو انہوں نے فتویٰ دینا بند کر دیا۔

امام واقدی نے کہا کہ لقمان بنی اسرائیل میں قاضی تھے' سعید بن مسیب نے کہا لقمان مصر کے سیاہ فام حبشیوں میں سے تھے ان کے ہونٹ موٹے موٹے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی اور نبوت کو ان سے روک لیا (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۳۰) اور جمہور علماء اور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ لقمان ولی تھے اور نبی نہیں تھے (اور حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور صرف ولی نہ تھے) البتہ عکرمہ اور شعبی کا یہ قول ہے کہ لقمان نبی تھے (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۳۵) اور صحیح یہ ہے کہ لقمان حکیم تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی تھی' عقائد' فقہ فی الدین اور عقل کے نزدیک یہی صحیح ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لقمان بنی اسرائیل میں قاضی تھے' سیاہ فام تھے' دونوں پیر پھٹے ہوئے تھے اور موٹے موٹے ہونٹ تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لقمان نبی نہ تھے لیکن وہ بہت غور وفکر کرنے والے بندے تھے۔ ان کا عقیدہ عمدہ تھا وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا محبوب بنا لیا (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۳۸۴) اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا خلیفہ بنا دے جو حق کے ساتھ فیصلہ کرے' تو انہوں نے کہا اے میرے رب جب تو نے مجھے اختیار دیا ہے تو میں عافیت کو قبول کرتا ہوں اور آزمائش کو ترک

کرتا ہوں اور اگر تو نے مجھے اپنا خلیفہ (نبی) بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تیرا حکم سنوں گا اور تیری اطاعت کروں گا' بے شک تو عنقریب میری حفاظت فرمائے گا' فرشتوں نے لقمان سے پوچھا (جب کہ وہ فرشتوں کی آواز سن رہے تھے اور ان کو دیکھ نہیں رہے تھے) اے لقمان اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا حاکم کا کام سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہوتا ہے اس کو ہر طرف سے مظلوم گھیر لیتے ہیں۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرے تو نجات پا لیتا ہے اور اگر وہ خطاء کرے تو جنت کے راستہ سے خطا کرتا ہے' اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے اس کو دنیا ملتی ہے نہ آخرت' فرشتوں کو ان کے کلام سے بہت تعجب ہوا پھر وہ سو گئے تو ان کو حکمت دی گئی اور جب وہ بیدار ہوئے تو حکمت کے ساتھ کلام کر رہے تھے' پھر اس کے بعد حضرت داؤد کو ندا کی گئی تو انہوں نے خلافت کو قبول کر لیا اور انہوں نے لقمان کی طرح کوئی شرط عائد نہیں کی' سو انہوں نے کئی مرتبہ فیصلہ میں (اجتہادی) خطاء کی اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اور ان کو معاف فرما دیا اور لقمان ان کو اپنے علم اور حکمت سے مشورے دیتے تھے' ان سے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے لقمان تم کو مبارک ہو تم کو حکمت دی گئی اور تم سے آزمائش دور کر دی گئی ہے' حضرت داؤد کو خلافت دی گئی اور ان کو آزمائش کو مبتلا کر دیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۲' رقم الحدیث: ۴۱۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' تفسیر الثعالبی ج ۴ ص ۳۱۹)

سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ لقمان درزی کا کام کرتے تھے۔

(الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۵۷۔۵۵' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۶۔۴۸۵)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو حکمت اور نبوت کے درمیان اختیار دیا تو انہوں نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کو اختیار کیا جس وقت وہ سوئے ہوئے تھے ان کے پاس جبریل آئے اور ان پر حکمت القاء کر دی' وہ صبح حکمت کے ساتھ کلام کر رہے تھے' ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کو کیوں اختیار کیا' حالانکہ آپ کو آپ کے رب نے اختیار دیا تھا' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ مجھے بلا اختیار نبوت عطا فرماتا تو مجھے امید تھی کہ میں فرائض نبوت کی ادائیگی میں کامیاب رہتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید میں بار نبوت کو نہ اٹھا سکوں تو پھر میرے نزدیک حکمت زیادہ پسندیدہ ہوئی۔ (رقم الحدیث: ۱۷۵۴۳)

وہب بن منبہ سے سوال کیا گیا آیا: لقمان علیہ السلام نبی تھے؟ انہوں نے کہا نہیں ان کی طرف وحی نہیں کی گئی لیکن وہ نیک شخص تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۵۴۴)

حکمت کے معانی' اس کی تعریفات اور اس کے اطلاقات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حکمت سے مراد عقل' فہم اور ذہانت ہے' الفریابی' امام احمد' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے: عقل' فقہ اور درست بات کہنا حکمت ہے' امام راغب اصفہانی نے کہا موجودات کی معرفت اور نیکیوں کا کام حکمت ہے' امام رازی نے کہا علم کے مطابق عمل کی توفیق حکمت ہے' ابوالحیان اندلسی نے کہا: جس کلام سے نصیحت حاصل ہو اور انسان اس کلام سے متنبہ ہو' اور لوگ اس کلام کو نقل کریں وہ حکمت ہے' ایک قول ہے علم اور عمل میں پختگی حکمت ہے' ایک اور قول یہ ہے کہ علوم نظریہ کے حصول کے بعد نفس کے کمال کا حصول اور بہ قدر طاقت اچھے کاموں کرنے کی مہارت' یہ حکمت ہے' اور حکماء نے کہا بہ قدر طاقت بشریہ' واقع کے مطابق حقائق اشیاء کی معرفت یہ حکمت

حکمت کی اور بھی بہت تعریفیں ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۶۔ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

بعض علماء نے کہا حکمت یہ ہے کہ انسان کو اس چیز کی معرفت ہو کہ کون سی چیز اس کے لیے مفید ہے اور کون سی چیز اس کے لیے مضر ہے، مفسرین نے کہا حکمت یہ ہے کہ انسان کو احکام شرعیہ کی معرفت ہو، محدثین نے کہا وہ نور جس سے الہام اور وسوسہ میں فرق ہو وہ حکمت ہے یا سرعت کے ساتھ صحیح جواب دینا حکمت ہے، یا بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو، نفس کی اصلاح کا علم ہو اور اس کے تقاضے پر عمل کرے اور نفس کے بگاڑ اور فساد سے بچے یہ حکمت ہے، صوفیاء نے کہا نفس اور شیطان کی آفات کی معرفت حکمت ہے، یا ایسی قوت عقلیہ عملیہ جو چالاکی اور حماقت کے درمیان متوسط ہو۔

قرآن مجید میں حکمت کا اطلاق حسب ذیل معانی پر کیا گیا ہے:

نصیحت پر: حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ. (القمر: ۵) یہ جامع نصیحت ہے، پس عذاب سے ڈرانے والی آیات نے (ان کو) کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

سنت پر: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (البقرہ: ۱۵۱) وہ تم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

عقل و فہم پر: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ. (لقمان: ۱۲) اور ہم نے لقمان کو عقل اور فہم عطا کی۔

نبوت پر: وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ. (ص: ۲۰) اور ہم نے داؤد کو نبوت عطا کی تھی اور مقدمات کے فیصلہ کی صلاحیت۔

حکمت کا اطلاق دلائل پر، عام فہم مثالوں پر، ثواب کی بشارت دینے اور عذاب سے ڈرانے پر بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (النحل: ۱۲۵) دلائل دے کر، مثالوں سے سمجھا کر اور ثواب کی بشارت دے کر اللہ کے راستہ کی دعوت دیجئے۔

علوم قرآن اور تفقہ فی الدین پر:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. (البقرہ: ۲۶۹) اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے، اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی۔

ذہانت، فقہ، علم، سکون اور اطمینان، غور و فکر اور بصیرت، ان سب پر حکمت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حماقت، طیش، عجلت، خواہش کی پیروی، غفلت، جہالت اور غباوت یہ سب حکمت کی ضد ہیں۔

حکیم لقمان کی حکمت آمیز باتیں

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کا لقمان کے پاس سے گزر ہوا اور لوگ اس کے گرد جمع تھے اس نے کہا تم وہ سیاہ فام شخص نہیں ہو جو فلاں علاقے میں بکریاں چرایا کرتا تھا، لقمان نے کہا، ہاں! کیوں نہیں! اس نے پوچھا پھر تم کو یہ حکمت اور دانائی کیسے ملی؟ انہوں نے کہا سچ بولنے سے، امانت داری سے اور فضول اور غیر متعلق باتوں کو چھوڑنے سے۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ لقمان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بدتر کون ہے؟ لقمان نے کہا وہ شخص جس کو اس کی پروانہ ہو کہ لوگ اس کو برا کام کرتے ہوئے دیکھ لیں گے! اور لقمان سے کہا گیا کہ تم کتنے بدصورت ہو! لقمان نے کہا تم نقش

میں عیب نکال رہے ہو یا نقاش میں؟ (الکشف والبیان ج ۷ ص ۳۱۸_۳۱۶ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اے بیٹے! یہ دنیا گہرا سمندر ہے اور اس میں بہت لوگ غرق ہو چکے ہیں' تم اس میں خوف خدا کو' ایمان اور احکام شرعیہ کو اور اللہ پر توکل کو اپنی کشتی بنالو تو نجات پالو گے' ورنہ مجھے تمہاری نجات کی توقع نہیں' جو شخص اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہے تو اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے' جو شخص خود اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرتا رہے تو اللہ اس کی عزت بڑھاتا ہے' اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ذلت اٹھانا اس کی معصیت میں عزت سے بہتر ہے' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اللہ تم کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرے گا' جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے' جس آدمی کا خلق اچھا نہیں ہوتا اس کی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں' کسی چٹان کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا کسی بے وقوف کو مسئلہ سمجھانے سے زیادہ آسان ہے' میں نے بھاری چیزوں کو برداشت کیا لیکن بد اخلاق پڑوسی سے زیادہ ناقابل برداشت کوئی چیز نہیں' جنازوں میں جاؤ اور شادیوں میں نہ جاؤ' کیونکہ جنازہ تم کو آخرت کی یاد دلائے گا اور شادی تم میں دنیا کی خواہش پیدا کرے گی' شکم سیری سے زیادہ کھانے سے بہتر ہے کہ تم فالتو کھانا کتے کو ڈال دو' اتنے میٹھے نہ بنو کہ نگل لیے جاؤ اور اتنے کڑوے نہ بنو کہ اگل دیئے جاؤ' اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنے معاملات میں علماء سے مشورے کرو' جب تک تم علم کے تقاضے پر عمل نہ کرو تمہارے علم حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں' اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھالے اور اس کو اتارنے سے پہلے ایک اور گٹھا اٹھالے' اس کو بوجھ سے ہانپنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا' تم لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور کشادہ روئی اور ہنستے چہرے کے ساتھ ان سے ملاقات کرو تو لوگوں کے محبوب بن جاؤ گے' تم لوگوں سے اس طرح ملو جیسے تم کو ان سے کوئی غرض نہیں ہے' لوگوں سے اپنی تحسین چاہو نہ ان کی مذمت کی پرواہ کرو' آرام سے رہو گے' اپنا منہ بند رکھو' جب تک خاموش رہو گے سلامت رہو گے' تم صرف وہی بات کرو جو تمہارے لیے مفید ہو۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۷_۱۲۹ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت آمیز احادیث

ہم نے اس سے پہلے حکیم لقمان کی حکمت آمیز باتوں کا ذکر کیا ہے' اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ایسی احادیث ذکر کریں جو سراسر حکمت ہیں فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

(۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے' اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو زیادہ تر لوگ نہیں جانتے' سو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا' اور جس شخص نے مشتبہ چیزوں میں ہاتھ ڈال دیا اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سرکاری چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے' خطرہ ہے کہ اس کے جانور سرکاری چراگاہ میں گھس جائیں گے' سنو ہر بادشاہ کی ایک خاص چراگاہ ہوتی ہے' اور اس زمین میں اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں' اور سنو جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے' سنو وہ دل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۴۴۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۸۴' مسند احمد رقم الحدیث ۱۸۵۵۸' عالم الکتب بیروت)

(۲) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس چیز کا ضامن ہو

جائے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کا ضامن ہو جائے جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی فرج) تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۴)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا' وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا ہو وہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا ہو وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمیوں پر اللہ اس دن اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہو گا (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے جوانی کو پہنچا (۳) وہ شخص جس کا دل مساجد میں لٹکا رہتا ہے (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں' وہ اللہ کی محبت میں ملتے ہوں اور اللہ کی محبت میں الگ ہوتے ہوں (۵) وہ شخص جس کو ایک اقتدار والی اور حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ آدمی جس نے چھپا کر صدقہ دیا حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے ہجرت کرے (دور رہے) جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۱۵' عالم الکتب)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اسلام کا کون سا وصف سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا ہر واقف اور ناواقف کو کھانا کھلائے اور سلام کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۳)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تمام امت معاف کر دی جائے گی سوا ان کے جو علانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے' اور علانیہ گناہ یہ ہے کہ ایک آدمی رات کو کوئی گناہ کرتا ہے اور جب وہ صبح اٹھتا ہے تو اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ کیا ہوا ہوتا ہے اور وہ شخص خود اپنا پردہ فاش کر کے کسی کو کہتا ہے کہ اے فلاں شخص رات کو میں نے یہ یہ کام کیے تھے' حالانکہ رات کو اس کے رب نے اس پر ستر کیا ہوا تھا اور وہ صبح کو اللہ کا کیا ہوا پردہ فاش کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۰)

(۸) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھے' جب وہ راستہ میں ملیں تو ایک اس طرف منہ موڑ لے اور دوسرا اس طرف منہ موڑ لے' اور ان دونوں میں افضل وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۲)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر بڑھائی جائے وہ رشتہ داروں میں میل جول رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۳)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے' اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے عزت کرے' اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں رہتا ہے' اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور فرمادے گا' اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۲۹۱)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی مدد تو کرتے ہیں ظالم کی کیسے مدد کریں' آپ نے فرمایا تم اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو' (یعنی اس کو ظلم نہ کرنے دو)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۱۶۷)

(۱۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ہر کام کے رئیس اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی کی خبر نہ دوں' میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تمام کاموں کا رئیس اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے' پھر فرمایا کیا میں تم کو ان تمام چیزوں کے مدار کی خبر نہ دوں! میں نے کہا کیوں نہیں! اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: تم اس کو روک کر رکھو' میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ باتیں کرتے ہیں کیا اس کی وجہ سے ہماری گرفت کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہیں تمہاری ماں روئے! جو چیز لوگوں کو دوزخ میں مونہوں کے بل یا نتھنوں کے بل گرائے گی وہ ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصل ہی تو ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث' حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸)

(۱۳) حضرت ابوکبشہ الانماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں' جو بندہ صدقہ دے گا اس کا مال کم نہیں ہوگا' جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ عزوجل اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے' اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے' اور میں تم کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں تم اس کو حفظ کر لو' دنیا صرف چار آدمیوں کے لیے ہے' ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دیا ہو اور وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہو' اور اس میں صلہ رحم کرتا ہو' اور اللہ تعالیٰ کے لیے برحق کام کرتا ہو' یہ منازل میں سب سے افضل ہے' اور ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور مال نہ دیا ہو اور وہ صدق نیت سے یہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس سے فلاں کام کرتا تو اس کو اپنی نیت سے اجر ملے گا اور وہ دونوں اجر میں برابر ہیں' اور ایک وہ بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور علم نہیں دیا اور وہ اس مال کو خرچ کرنے میں مخبوط الحواس ہے' اپنے رب سے ڈرتا ہے نہ صلہ رحم کرتا ہے اور نہ اللہ کے لیے برحق کام کرتا ہے تو یہ منازل میں سب سے اخبث ہے' اور ایک وہ

بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے نہ علم دیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس سے فلاں (برا) کام کرتا' جیسے فلاں نے کام کیا ہے تو اس کو اس کی نیت کے اعتبار سے گناہ ہوگا اور یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۴۰' الترغیب للمنذری ج۱ص۵۸' کنز العمال رقم الحدیث:۶۱۸۹' ۴۳۲۳۲' کامل ابن عدی ج۵ص۱۷۸۲)

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی اور ان کا مذاق بھی سنجیدگی ہے' نکاح' طلاق اور طلاق سے رجوع کرنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۱۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳۹' المستدرک ج۲ص۱۹۷' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۳۲۸۴' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث:۱۶۰۳)

(۱۵) حضرت نافع بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دنیا میں مسلمان شخص کی سعادت سے تین خصلتیں ہیں: نیک پڑوسی' وسیع گھر اور اچھی سواری۔

(کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۲۳۴' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۴۶)

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دعائیں قبول ہوتی ہیں' روزہ دار کی دعا' مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۳۶' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۶۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۴۰۶' کنز العمال رقم الحدیث:۳۳۲۰' ۳۳۲۲' الترغیب والترہیب ج۴ص۸۴)

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کاموں میں کسی ایک شخص کے لیے بھی رخصت نہیں ہے' والدین کے ساتھ نیکی کرنا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر' عہد کو پورا کرنا' خواہ مسلمان سے عہد ہو یا کافر سے' امانت کو ادا کرنا' خواہ مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۰' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۷۹۱)

(۱۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کے اخلاق میں سے ہیں جب کوئی شخص غضب میں آئے تو وہ غضب کی وجہ سے کوئی ناجائز کام نہ کرے اور جب کوئی شخص خوش ہو تو خوشی کی وجہ سے وہ حق سے تجاوز نہ کرے اور جب کسی شخص کو اقتدار ملے تو وہ کوئی ناجائز کام نہ کرے۔

(مجمع الزوائد ج۱ص۵۹' اتحاف ج۸ص۲۶' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۲۲۵)

(۱۹) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان سے ہیں' تنگ دستی میں خرچ کرنا' عام لوگوں کو سلام کرنا اور اپنے نفس سے انصاف کرنا۔

(مجمع الزوائد ج۱ص۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۵' کنز العمال رقم الحدیث:۸۸۔۴۳۱۲۹۔۴۳۲۳۶)

(۲۰) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگ فقر میں مبتلا ہونے والے ہیں: ایسا امام کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو تو وہ شکر نہ کرے' اگر تم غلطی کرو تو وہ معاف نہ کرے' اور ایسا پڑوسی کہ اگر وہ اچھائی دیکھے تو اس کو چھپائے اور اگر وہ کوئی برائی دیکھے تو اس کا چرچا کرے' اور ایسی بیوی کہ اگر تم حاضر ہو تو وہ تم کو ایذاء پہنچائے اور اگر تم اس سے غائب ہو تو وہ تمہاری خیانت کرے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث:۱۰۷۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۴۳۷۸۵)

(۲۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو تین اوصاف دیئے گئے گویا

کہ اس کو آلِ داؤد کے اوصاف دیئے گئے جو غصہ اور خوشی کی حالت میں عدل کرنے' فقر اور غنا کے حال میں میانہ روی سے رہنے' اور خلوت اور جلوت میں اللہ سے ڈرتا ہو۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۷۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۲۳)

(۲۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ میرا برحق دوست ہے اور جس نے ان تین چیزوں کو ضائع کیا وہ میرا برحق دشمن ہے' نماز' روزہ اور جنابت۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۲۱)

(۲۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی' اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اپنی رحمت سے اس کو جنت میں داخل کر دے گا (وہ خصلتیں یہ ہیں:) جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو' جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو' جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۳۵' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۴' ج ۹ ص ۱۸۹' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۳۰۸' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۸' کامل ابن عدی ج ۳ ص ۱۱۲۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۱۵)

(۲۴) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ابدال میں سے ہے: وہ تقدیر پر راضی ہو' جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان پر صبر کرے اور اللہ عزوجل کی ذات کی وجہ سے غضب ناک ہو۔ (اتحاف ج ۸ ص ۳۸۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۵۹۹)

(۲۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ منافق ہے' خواہ وہ روزے رکھے' نماز پڑھے' حج کرے اور عمرہ کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں' وہ شخص جو بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کے خلاف کرے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۶' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۸۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۵۵' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۵۹۴' تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۳۷' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۷۹۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۸۵۵)

(۲۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں میں تاخیر مت کرو' وقت آنے کے بعد نماز کی ادائیگی میں' جنازہ آنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنے میں' جب کفو مل جائے تو بے نکاح عورت کا نکاح کرنے میں۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۲)

(۲۷) حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سے تین چیزوں کا حساب نہیں لیا جائے گا: وہ جھونپڑی جس میں وہ سایا حاصل کرے' وہ روٹی کا ٹکڑا جس کو اپنی کمر قائم رکھنے کے لیے کھائے' وہ کپڑے کا ٹکڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۰۵)

(۲۸) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کاموں کا کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے' ایک آدمی کسی قوم کا امام ہو اور وہ صرف اپنے لیے دعا کرے' اگر وہ ایسا کرے گا تو ان کی خیانت کرے گا' اجازت طلب کرنے سے پہلے کسی کے گھر میں نہ جھانکے اگر اس نے ایسا کیا تو وہ ان کے گھر میں ... خل ہو گیا' اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب یا پاخانہ کو روک رہا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۰۷۰' الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۴۳۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۳۹۸)

(۲۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کی آنکھوں کو دوزخ کا

عذاب نہیں چھوئے گا' وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکال دی گئی' وہ آنکھ جو اللہ کی راہ کی حفاظت میں بیدار رہی' وہ آنکھ جو اللہ کے عذاب کے ڈر سے روئی۔

(المستدرک ج ۲ص ۸۲' الترغیب ج ۲ص ۲۵۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۱۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۳۸)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ (شعب الایمان ج ۱ص ۴۷۴' الفردوس للدیلمی ج ۲ص ۳۰۷۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۸۷۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۱' اس کی سند صحیح ہے)

(۳۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین کا رئیس حکم پر ہیز گاری ہے۔

(الکامل لابن عدی ج ۲ص ۱۵۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۲۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۳)

(۳۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا لوگوں سے محبت کرنا ہے اور ہر نیک اور بد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۰۶۷' حلیۃ الاولیاء ج ۳ص ۲۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۱' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۶۴)

(۳۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا لوگوں کے ساتھ نرم گفتگو کرنا ہے' دنیا کے نیک لوگ آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور دنیا کے برے لوگ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ص ۱۰۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۷۰)

(۳۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان باللہ کے بعد عقل کا بڑا تقاضا حیاء اور اچھے اخلاق ہیں۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی ج ۲ رقم الحدیث: ۳۰۷۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۳۳۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۳۷۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۷۵)

(۳۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی دی تو اس کے نصف دین پر اس کی اعانت کر دی اب اس کو باقی نصف دین میں اللہ سے ڈرنا چاہیے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ص ۱۶۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۸۷' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۴)

(۳۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی قلیل رزق پر اللہ سے راضی ہو جائے' اللہ قلیل عمل پر اس سے راضی ہو جاتا ہے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۸۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۵)

(۳۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے راضی ہو جائے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۰۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۵۶)

(۳۸) حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۹۸' المعجم الکبیر ج ۲۲ص ۶۰)

(۳۹) حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بغیر فقر کے

سوال کیا، وہ گویا انگارے کھا رہا ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۶۵، صحیح ابن خزیمہ ج ۴، رقم الحدیث: ۲۴۴۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۷۲۹، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۳۰)

(۴۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے کسی چیز کے علم کا سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپا لیا اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۶، المستدرک ج ۱ ص ۱۰۱، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۳۲)

حکیم لقمان کے حکمت آمیز کلمات ذکر کرنے کے بعد میں نے چاہا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت آمیز احادیث کا بھی ذکر کروں، سو میں نے اس نوع کی چالیس احادیث ذکر کیں، حالانکہ اس نوع کی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث حکمت آمیز ہیں اور آپ کی کوئی حدیث حکمت سے خالی نہیں ہے، لیکن میں نے چالیس احادیث پہنچانے کی بشارت میں دخول اور شمول کی نیت سے یہ چالیس احادیث ذکر کی ہیں، چالیس احادیث کو پہنچانے کی بشارت کی احادیث میں نے تفصیل سے تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۸۴۔۱۸۳ میں ذکر کی ہیں تبرکاً اور تیمناً ایک حدیث کا یہاں بھی ذکر کر رہا ہوں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کو ان کے دین کے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں، اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔ حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۲۵، تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۴ ص ۱۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۸۳۸، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۰۷۶، الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۳۴۴، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۶۳۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۰۵۶۳، ۲۰۵۶۲، کنز العمال رقم الحدیث ۲۸۸۱۷۔۲۹۱۸۲، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۵۸، لعلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۱۸، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۰)

میں نے شفاعت کی امید پر شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں متعدد موضوعات پر چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے حظ وافر عطا فرمائے اور اپنی مغفرت سے نوازے۔ (آمین)

حکیم لقمان کو شکر کرنے کی تلقین

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان سے فرمایا: تم اللہ کا شکر ادا کرو اور جو شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے۔ (لقمان: ۱۲)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان سے فرمایا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو، اور زجاج نے اس کی تفسیر میں کہا اس کا معنی ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور ایک تفسیر یہ ہے کہ لقمان کی حکمت ہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا، شکر کا معنی، حمد اور شکر کا فرق، شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور شکر کے متعلق احادیث اور آثار وغیرہ دیگر مباحث ہم تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۵۲۔۱۴۶ میں بیان کر چکے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی اجر و ثواب کے لیے کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے یعنی اس کو واحد نہیں مانتا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے وہ خود اپنی صفات پر حمد کرتا ہے' فرشتے حمد کرتے ہیں' انبیاء علیہم السلام اور نیک بندے حمد کرتے ہیں' اس کی مزید تفصیل کے لیے تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۵۳-۱۵۲ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا' بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے O اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا (تو نے) میری ہی طرف لوٹنا ہے O (لقمان: ۱۴-۱۳)

حکیم لقمان کے بیٹے کا نام اور اس کا دین

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

حکیم لقمان کے بیٹے کے متعلق تین قول ہیں کلبی نے کہا ان کے بیٹے کا نام مشکم تھا' نقاش نے کہا ان کے بیٹے کا نام انعم تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے بیٹے کا نام بابان تھا' حکیم لقمان نے جس وقت اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی اس وقت وہ مشرک تھا۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۳۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حکیم لقمان کا بیٹا اور اس کی بیوی دونوں کافر تھے' حکیم لقمان ان دونوں کو مسلسل نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے' اس کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی بیوی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مسلمان ہو گئیں تھیں اور ان کی بیوی مسلمان نہیں ہوئی تھی۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی حکیم لقمان کے بیٹے اور بیوی کے متعلق اسی قول کو نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شرک کے ظلم عظیم ہونے کی توجیہ

نیز فرمایا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا حکیم لقمان کا قول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ شرک کو سب سے بڑا ظلم اس لیے فرمایا کہ ظلم کا معنی ہے کسی کا حق دوسرے کو دے دینا جو اس حق کا مستحق نہ ہو' اور مستحق عبادت ماننا اللہ تعالیٰ کا حق ہے' اسی طرح اللہ ہی کا یہ حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے' پس اگر مخلوق میں سے کسی کا حق دوسرے غیر مستحق کو دے دیا جائے تو یہ بھی ظلم ہے' لیکن سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ کسی غیر مستحق کو دے دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو عبادت کا مستحق مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔

اسی کی دوسری توجیہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اس کی حکم عدولی کر کے انسان اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اس وجہ سے انسان عذاب کا مستحق ہوتا ہے لیکن دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا سو یہ انسان کا اپنی جان پر ظلم ہے لیکن سب سے بڑا ظلم نہیں ہے' اور جب انسان شرک کرتا ہے تو وہ دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے' لہٰذا شرک کرنا انسان کا اپنی جان پر سب سے بڑا ظلم کرنا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا ہم میں سے کون ہے جو ظلم نہیں کرتا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان: ۱۳) بے شک شرک ضرور سب سے بڑا ظلم ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۳۹۰)

لفظ عام سے عموم اور خصوص مراد لینے کا ضابطہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ نے الانعام: ۸۲ میں عام کو اپنے عموم پر قرار دیا تھا' اور ظلم سے ظلم کی تمام انواع کو مراد لیا تھا حتیٰ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں معمولی سی کمی کو بھی ظلم قرار دیا تھا اس لیے انہوں نے کہا ہم میں سے کون ظلم نہیں کرتا' اور اس پر قرینہ یہ تھا کہ اس آیت میں نکرہ حیّز نفی میں ہے' اور نفی کے بعد نکرہ مفید عموم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس آیت میں ظلم سے مراد اس کی خاص نوع ہے اور وہ شرک ہے کیونکہ وہ ظلم عظیم ہے' اور اس پر دلیل ہے کہ ظلم پر تنوین تعظیم کے لیے ہے اور اس سے مراد ظلم عظیم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۴۲۔۳۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ماں کے ساتھ زیادہ نیکی کرنے کی وجوہات

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ (لقمان: ۱۴)

اس سے پہلی آیت میں شرک کی ممانعت فرمائی تھی' اور عبادت کے قریب اطاعت ہے' تو بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت ہے' اور اگر والدین مشرک بھی ہوں پھر بھی ان کی خدمت اور اطاعت کی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں والدین یا کسی کی بھی اطاعت نہیں کی جائے گی اس وقت ان کے احکام کی خلاف ورزی کرنا واجب ہے۔

نیز فرمایا: اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کے تین درجے بیان فرمائے' اس نے کمزوری پر کمزوری برداشت کی' اس کو پیٹ میں رکھا' اور اس کو دودھ پلایا' اس وجہ سے ماں کو باپ پر تین درجہ فضیلت حاصل ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ماں کی تین درجہ زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا میرے حسن خدمت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے فرمایا تمہارا باپ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں لیکن اس پر قدرت نہیں رکھتا' آپ نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس

نے کہا میری ماں زندہ ہے! آپ نے فرمایا تم ماں کے ساتھ نیکی کرو یہی اللہ کی راہ میں قتال ہے' جب تم یہ کر لو گے تو حج کرنے والے ہو' عمرہ کرنے والے ہو اور جہاد کرنے والے ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۴۶۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۶ھ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا میں نے سخت گرمی میں اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے دو فرسخ (نو انگریزی میل) سفر کیا وہ اتنی سخت گرمی تھی کہ اگر اس میں کچے گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جاتا تو پک جاتا' تو کیا میں نے اس کا شکر ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا یہ تمہاری طرف ایک دفعہ کشادہ روئی سے دیکھنے کا بدلہ ہوا۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۵۵' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے آپ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت اللہ میں جا کر اس کی نچلی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا' آپ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دے دو' تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

(اس حدیث کو تمام نے روایت کیا ہے' عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے اہل و عیال بھی ہیں' میرا باپ ہے' میری ماں ہے' میرے حسن سلوک کا ان میں سے کون سب سے زیادہ مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اور تمہارا باپ اور تمہاری بہن اور تمہارا بھائی' پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو پھر جو تمہارے زیادہ قریب ہو۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۷۲۴' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۶ھ)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پوچھا یا رسول اللہ! میں اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کی طلب کے لیے آپ کے ساتھ جہاد کرنا چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے! کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو' میں آپ کے پاس پھر دوسری جانب سے آیا اور میں نے آپ سے دوبارہ وہی سوال کیا' آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو' جب تیسری بار اسی طرح سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اپنی ماں کے پیروں کے پاس لازم رہو۔ اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۶۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۲۴' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۹۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (القضاعی ج ۱ ص ۱۱۹' الجامع للخطیب ج ۲ ص ۲۸۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۱۱۲۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۶۴۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۴۳۹' ج ۱۶ ص ۴۶۱)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ماں کا حق باپ کے حق پر مقدم ہے' کیونکہ حمل' وضع حمل اور دودھ پلانے کی مشقت اور صعوبت صرف ماں اٹھاتی ہے باپ نہیں اٹھاتا' اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے تین درجہ کے بعد باپ کا ذکر کیا' اس پر علماء کا اجماع ہے کہ نیکی کرنے میں اور اطاعت کرنے میں ماں کا مرتبہ اور حق باپ سے زیادہ ہے' ماں اگر بلائے تو نفل نماز توڑ دینا مستحب ہے' فرض نماز کو نہیں' اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ماں' باپ یا کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وجوہات

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میرا شکر ادا کرو کیونکہ میں نے تم کو وجود عطا کیا اور خلق کیا' اور اللہ کا شکر ادا کرنا اس کی تعظیم تکبیر اور عبادت اور اطاعت سے ہوگا' اور ماں باپ کا شکر ادا کرو کیونکہ وہ اس دنیا میں تمہارے ظہور کا سبب ہیں اور ان کا شکر ان کی توقیر ان کی خدمت اور ان پر شفقت سے ہوگا' اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کو انسان کے والدین کے شکر کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے کیونکہ انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے وجود کا مجازی سبب اس کے والدین ہیں' اور انسان کو جس واسطے سے نعمت ملی ہے جب تک اس کا شکر ادا نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کو شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۰۷)

سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لیے دعا کی اس نے ماں باپ کا شکر ادا کر دیا' علامہ آلوسی نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا شکر ہے اسی طرح ماں باپ کے بعض احسانات کا شکر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۳۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا تو میرے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے' انہوں نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا نہیں! انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلہ رحم کرنا چاہتا ہو وہ اپنے باپ کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحم کرے' اور بات یہ ہے کہ میرے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمہارے باپ کے درمیان اخوت اور دوستی تھی اس لیے میں نے صلہ رحم کرنا پسند کیا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری کی شرط کے موافق ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۲' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کی شب بارہ رکعات نماز پڑھی اور اس میں ہر رکعت میں ایک بار سورۃ فاتحہ پڑھی اور پانچ بار آیت الکرسی پڑھی اور پانچ بار سورۃ اخلاص پڑھی اور پانچ پانچ بار سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد پندرہ بار استغفار کیا' اور اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا تو اس نے اپنے والدین کا حق ادا کر دیا خواہ وہ ان کا نافرمان ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو صدیقین اور شہداء کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ عراقی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے اس حدیث کو ابو موسیٰ المدینی اور ابو منصور الدیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

سید محمد بن محمد الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث قوت القلوب اور مسند الفردوس میں ہے اور اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۳ ص ۳۸۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے' اس حدیث میں فوت شدہ رشتہ داروں کو ایصال ثواب کا بھی ثبوت ہے۔ والدین کے حقوق کے بارہ میں ہم البقرہ: ۸۳' النساء: ۳۶' الانعام: ۱۵۱ اور العنکبوت: ۸ میں زیادہ تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور ان کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۔ (لقمان: ۱۴) یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

پیر و استاذ علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے وہ مربی بدن ہیں اور یہ مربی روح' جو نسبت روح سے بدن کو ہے' وہ نسبت استاذ و پیر سے ماں باپ کو ہے جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں اس کی تصریح کی ہے' قرآن عظیم میں ماں باپ کا ذکر فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ ان کے برابر کسی کا حق نہیں بلکہ وہ آیہ کریمہ (ان اشکرلی ولوالدیک) جس میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو فرمایا' مربیان دین کا مرتبہ ماں باپ سے بہت زائد ہونے کی طرف اشارہ فرماتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تربیت دین نعمت عظمیٰ ہے اور اس کا شکر قطعاً فرض مگر ان کا شکر بعینہ شکر الٰہی عزوجل ہے اس واسطے انہیں ان اشکرلی (میرا شکر ادا کرو) میں داخل فرمایا ان کے بعد والدین کا ذکر ارشاد ہوا' ورنہ والدین کا حق نبی سے بھی بڑھ جائے گا کہ یہاں جس طرح استاذ و پیر کا ذکر نہیں نبی کا بھی ذکر نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۴۱' دارالعلوم امجدیہ' مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے حصول تعلیم کے لیے ادب سے درخواست کرنا

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ (الکہف: ۷۰۔ ۶۶)

موسیٰ نے کہا آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم میں سے مجھے بھی کچھ تعلیم دیں ۝ اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ۝ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا ۝ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا ۝ اس بندہ نے کہا اگر تم میری پیروی کرو گے تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی لطیف پیرائے میں کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں' اس طریقہ سے سوال کرنے میں انتہائی ادب و احترام ہے اور استاذ کو اپنے سے بہت بلند مقام پر فائز کرنا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے؟ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۸۔ ۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست میں ادب کی وجوہ

حضرت موسیٰ نے جو یہ کہا تھا: آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم سے مجھے بھی تعلیم دیں' اس قول میں ادب کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تابع قرار دیا' کیونکہ انہوں نے کہا آیا میں آپ کی

اتباع کروں۔

(۲) حضرت خضر کی اتباع کرنے میں حضرت موسیٰ نے ان سے اجازت طلب کی گویا کہ انہوں نے یوں کہا کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں' اور اس میں بہت زیادہ تواضع ہے۔

(۳) کیا میں حصول تعلیم کے لیے آپ کی اتباع کروں' اس قول میں اپنے لیے جہل کا اور اپنے استاذ کے لیے علم کا اعتراف ہے۔

(۴) انہوں نے کہا آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھ بھی (کچھ) تعلیم دیں' یہ من تبعیض کے لیے ہے یعنی انہوں نے یہ طلب کیا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بعض کی تعلیم دیں گویا کہ انہوں نے کہا میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آپ مجھے علم میں اپنے برابر کر دیں' بلکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ اپنے علم کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے بھی عطا کر دیں جیسا کہ فقیر غنی سے کہتا ہے کہ تم اپنے مال کے اجزاء میں سے چند اجزاء مجھے عطا کر دو۔

(۵) انہوں نے کہا آپ کو جو اللہ کا علم دیا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا کر دیں گویا کہ وہ اللہ کے طلب گار تھے۔

(۶) حضرت موسیٰ نے کہا آپ کو جو اللہ کا علم دیا گیا ہے' اس میں یہ اعتراف ہے کہ آپ کو اللہ نے علم عطا کیا ہے۔

(۷) انہوں نے یہ کہا آپ کو جو علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے علم دیں یعنی آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ مجھے تعلیم دینے سے آپ کا مجھ پر اسی طرح انعام ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر انعام کیا ہے' اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف کی بھی تعلیم دی میں اس کا بندہ اور غلام ہوں۔

(۸) متابعت کا معنی یہ ہے کہ تابع اس وجہ سے وہ کام کرے کہ متبوع نے وہ کام کیا ہے اگر متبوع وہ کام نہ کرتا تو وہ اس کام کو نہ کرتا جیسے ہم کعبہ کی طرف منہ کر کے صرف اس لیے نماز پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اگر آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے تو ہم بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے' اسی طرح استاذ کی اتباع کرنے کا معنی یہ ہے کہ تلمیذ استاذ کے کیے ہوئے کام کو صرف اس وجہ سے کرے گا کہ وہ کام اس کے استاذ نے کیا ہے اس طرح اتباع کرنے میں اول امر سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ استاذ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کرے گا۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مطلقاً کہا آیا میں آپ کی پیروی کروں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمام کاموں میں حضرت خضر کی اتباع کرنے کی درخواست کی کسی خاص کام کے ساتھ اتباع کو مقید نہیں کیا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر نے ابتداءً پہچان لیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ ہیں گویا انہوں نے جان لیا تھا یہ وہی نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ شرف کلام سے نوازا ہے اور ان کو کثیر معجزات عطا فرمائے اس کے باوجود حضرت موسیٰ نے اتنی وجوہ سے تواضع کی اس سے معلوم ہوا کہ جس کا مرتبہ جتنا زیادہ ہوتا ہے وہ اہل علم کے سامنے اتنی زیادہ تواضع کرتا ہے اور ان کا اتنا زیادہ ادب اور احترام کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں' پہلے انہوں نے اپنی اتباع پیش کی اس کے بعد انہوں نے ان سے حصول تعلیم کو طلب کیا' گویا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے استاذ کی خدمت کرو پھر اس سے علم طلب کرو۔

(۱۲) انہوں نے کہا آیا میں اس بناء پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے تعلیم دیں۔ یعنی انہوں نے اس اتباع کا کوئی معاوضہ

طلب نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ ان کو تعلیم دیں۔

حضرت خضر کے تعلیم دینے سے احتراز کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اس بندہ نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا O

متعلم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جس نے پہلے بالکل کچھ نہ پڑھا ہو ظاہر ہے استاذ اس کے سامنے مسئلہ کی جو بھی تقریر کرے گا اس کا شاگرد اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لے گا' دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھا ہوا ہو اور اس کو اپنے پڑھے لکھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو' یہ شخص استاذ کی اس بات کو تسلیم کرے گا جو اس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہو گی اور جو اس کے مخالف ہو گا اس کے قبول کرنے میں اس کو تامل ہو گا اور اس پر وہ اعتراض کرے گا' حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے مخالف ہو گی اس پر وہ اعتراض کریں گے' جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور ان کو معلوم تھا کہ ان کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے اور اس طرح تعلیم اور تعلم کا یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا' اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے O اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ صبر کا تعلق تو مستقبل کے ساتھ ہے اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں صبر ہو سکے گا یا نہیں اس لیے اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے' لیکن حضرت خضر کی نافرمانی نہ کرنے کا عزم تو انہوں نے اسی وقت کر لیا تھا اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا صحیح نہ تھا' کیونکہ اسی چیز کے ساتھ ان شاء اللہ کہا جاتا ہے جس کا حصول غیر یقینی ہو' اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اس وقت معصیت نہ کرنے کا عزم نہیں تھا ورنہ وہ اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ ملاتے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت بھی ان کا عزم تھا کہ وہ معصیت نہیں کریں گے یعنی اپنے مقصد اور ارادہ سے ان کی معصیت نہیں کریں گے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ بھول جائیں یا ان سے خطا سرزد ہو جائے اور اس پر وہ قادر نہیں تھے کہ وہ نسیان اور خطا کو روک لیں اور انہوں نے حضرت خضر پر جو اعتراضات بھی کیے تھے وہ نسیان ہی کی وجہ سے کیے تھے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر کا تقاضا وجوب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں آپ کے امر کی معصیت نہیں کروں گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ (الجن: ۲۳)

اور یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے بہت زیادہ تواضع ہے اور بہت بڑے تحمل اور حوصلہ کا اظہار ہے۔

تعلیم اور تعلم کے آداب

یہ تمام آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تلمیذ اور متعلم پر واجب ہے کہ استاذ کے سامنے انتہائی ادب اور احترام کا اظہار کرے اور اگر استاذ کو یہ اندازہ ہو کہ متعلم پر تشدید اور سختی کرنا اس کے حق میں مفید ہو گا تو وہ ضرور اس کے اوپر تشدید اور سختی

کرے ورنہ ہوسکتا ہے کہ تشدید نہ کرنے کی وجہ سے متعلم غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور یہ اس کے حق میں مضر ہے۔

اس کے بعد حضرت خضر نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔

یعنی جب آپ کے نزدیک میرا کوئی کام قابل اعتراض ہو تو جب تک میں خود اس کی توجیہ نہ کروں آپ اس کے اوپر اعتراض نہ کریں اور یہی تعلیم اور تعلم کا ادب ہے' سبق میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی آگے چل کر خود بہ خود وضاحت ہو جاتی ہے اس لیے متعلم پر لازم ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور جو بات بہ ظاہر غلط معلوم ہو اس پر نہ ٹوکے حتیٰ کہ آگے چل کر استاذ خود اس کی وضاحت کر دے گا۔ اگر حضرت موسیٰ حضرت خضر کی نصیحت پر کاربند رہتے تو ان کی صحبت طویل ہوتی اور' اور بھی کئی عجیب وغریب واقعات پیش آتے' لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکے اور جب بھی کوئی بات بہ ظاہر خلاف شرع ہوتی تو اس پر ضرور ٹوکتے' اور یوں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور ان کے حقوق کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۱۹' المستدرک ج ۱ ص ۱۲۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۰۹۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۷' مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۹۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں کی تخفیف صرف منافق کرتا ہے' جو شخص اسلام میں سفید ریش ہو' عالم اور امام عادل۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۳۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۵۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۵۳۳' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کی تعلیم دی تو وہ اس بندہ کا مولیٰ ہے' وہ بندہ اس استاذ کو نا امید کرے نہ اس پر اپنے آپ کو ترجیح دے اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اسلام کی گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دی۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲۸' الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۸۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸' تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۴۶۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۴' فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۸' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت حماد انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی کو قرآن کی تعلیم دی تو وہ اس کا مولا ہے' وہ اس کو نامراد کرے نہ اس پر اپنے آپ کو فضیلت دے۔

(جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۴۶۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم سیکھو اور علم کے لیے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کیا ہے ان کے سامنے تواضع اور انکسار کرو۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۸۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۱۸۰' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم سیکھو اور علم کے لیے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے ڈکٹیٹر نہ بنو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۲۷۵' جامع بیان العلم ج ا ص ۵۰۱' رقم الحدیث ۸۰۳' دار ابن الجوزیہ سعودیہ ۱۴۱۹ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے عاجزی کرو اور جو تم سے علم حاصل کرتے ہیں وہ تمہارے سامنے عاجزی کریں اور تم اساتذہ پر حکم نہ چلاؤ اور تمہارے علم کے ساتھ جہالت کے کام نہ ہوں۔

(حاشیہ جامع بیان العلم وفضلہ ج ا ص ۵۰۲' المدخل الی السنن للبیہقی ص ۳۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عالم کا تم پر یہ حق ہے کہ تم مجلس میں لوگوں کو بالعموم سلام کرو اور عالم کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ سلام کرو' تم ان کے سامنے بیٹھو' ان کے سامنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرو اور نہ آنکھوں سے اشارے کرو' جب وہ کوئی مسئلہ بتائے تو یہ نہ کہو کہ فلاں نے اس کے خلاف کہا ہے۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو نہ اس کی مجلس میں کسی سے سرگوشی کرو' اس کے کپڑے کو نہ پکڑو' جب وہ اکتا جائے تو اس کے پاس نہ جاؤ' اس کی لمبی معیت سے احتراز نہ کرو' کیونکہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے' تم منتظر رہو کہ تم پر کب اس سے کوئی پھل گرتا ہے' کیونکہ مومن عالم کا اجر روزہ دار اور قیام کرنے والے عابد اور اللہ کی راہ میں مجاہد سے زیادہ ہے' اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز بند نہیں کرسکتی۔ (جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث: ۹۹۴' ج ا ص ۵۸۰' الجامع للخطیب رقم الحدیث: ۳۴۷' کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۵۵' احیاء العلوم ج ا ص ۵۳)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ایک جنازہ میں گئے جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہونے لگے' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی' حضرت زید بن ثابت نے کہا اے میرے بھتیجے! ایک طرف ہٹ جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا علماء کے ساتھ اسی طرح کیا جاتا ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۲۸' طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۵۸۰۸' طبع جدید' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ چار آدمیوں کی تعظیم اور توقیر کی جائے' عالم کی' سفید ریش کی' سلطان کی اور والد کی اور یہ جفا سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کو اس کا نام لے کر بلائے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۳۷' طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۰۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایوب بن القریہ نے کہا سب سے زیادہ تعظیم کے مستحق تین ہیں' علماء' بھائی اور سلطان' جس نے علماء کی بے ادبی کی اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور بھائیوں کی توہین سے اس کی مروت فاسد ہو جاتی ہے اور سلطان کے استخفاف سے اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور عاقل ان میں سے کسی کی توقیر میں کمی نہیں کرتا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ رقم الحدیث: ۹۹۶' ج ا ص ۵۸۱' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ السعودیہ' ۱۴۱۹ھ)

اساتذہ اور علماء کی تعظیم اور توقیر کے متعلق فقہاء اور علماء کے اقاویل

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

شاگرد کو چاہیے کہ استاذ کو کسی چیز کا حکم نہ دے بلکہ اپنے تمام معاملات کی لگام استاذ کو بالکلیہ سونپ دے' اور جس طرح جاہل مریض مشفق اور حاذق طبیب کی خیر خواہی پر یقین رکھتا ہے اسی طرح استاذ کی خیر خواہی پر یقین رکھے۔ اور اپنے استاذ کے سامنے عاجزی کرے اور اس کی خدمت کر کے شرف اور ثواب کو حاصل کرے۔ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت کی رکاب تھام لی تھی' اور استاذ کے سامنے تکبر نہ کرے' اور اس سے استفادہ کرنے کو عار نہ سمجھے' وہ جو کچھ کہے اس کو توجہ سے سنے' اس سے خوش رہے' اس کا شکر ادا کرے اور اس کا احسان مانے' استاذ کے نظریات کی تقلید کرے' اس کے سامنے اپنی رائے کو چھوڑ دے کیونکہ استاذ کی خطاء اس کی صحت سے زیادہ نفع آور ہے' کیونکہ باریک بینی اور تجربہ کی

باتیں زیادہ مفید ہوتی ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں متنبہ فرمایا ہے' اس لیے استاذ سے استفادہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کے سامنے خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے' جب تک استاذ خود اس کو نہ بتائے۔ پھر امام غزالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کو لکھا جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۵۳۔۵۲ ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

مرید کے لیے اپنے شیخ سے' شاگرد کے لیے اپنے استاذ سے اور عام آدمی کے لیے عالم اور مفتی سے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ مجھے آپ کے قول سے' یا آپ کی رائے سے یا آپ کے فتویٰ سے اختلاف ہے۔

(لطائف الاشارات ج ۲ ص ۲۲۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جو استاذ کامل اور متبحر ہو اس کے سامنے شاگرد کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے اگر اس نے تین مرتبہ سے زیادہ اعتراض کیے تو پھر ان میں انقطاع ہو جائے گا جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں ہوا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۸۴' مطبوعہ دارالکتب احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

استاذ کا سفر میں خدمت کے لیے اپنے کسی شاگرد کو ساتھ لے جانا درست ہے اور یہ تعلیم کا عوض نہیں ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون کو لے گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر حال میں تواضع کو لازم رکھنا چاہیے' اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم اللہ ہونے کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے علم کو طلب کیا تاکہ ان کی امت بھی ان کی سیرت پر عمل کرے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے التاویلات النجمیہ میں فرمایا ہے: شاگرد اور مرید کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ تواضع اور انکسار کرتے ہوئے اور اپنے شیخ اور استاذ کی تعظیم کرتے ہوئے اس سے استفادہ کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے اجازت طلب کرے' اور اس کا استاذ اور شیخ جس چیز کا حکم دے اس پر عمل کرے اور جس سے منع کرے اس سے باز رہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے' نبی اور رسول تھے' حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس آتے تھے' ان پر تورات نازل کی گئی تھی وہ اللہ سے کلام کرتے تھے' بنی اسرائیل ان کی اقتداء کرتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے حضرت خضر کی اتباع کی' اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا' اپنے اہل اور متبعین کو چھوڑا اور اپنے تمام مناصب اور مناقب کو ترک کیا اور حضرت خضر علیہ السلام کی ارادت کے دامن کو پکڑ لیا اور ان کے اوامر اور نواہی کی اطاعت کی۔

نیز امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا شاگردی کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر استاذ اس کو بار بار رد کرے اور اپنی شاگردی میں لینے سے انکار کرے پھر بھی اس کے دامن کو نہ چھوڑے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے ○ اور آپ اس چیز پر صبر کیسے کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں

کیاO موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گاO

(روح البیان ج ۵ ص ۳۲۷٬۳۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی لکھتے ہیں:

اسکندر سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں' اسکندر نے جواب دیا میرے والد مجھے آسمان سے زمین کی طرف لائے اور میرے استاذ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔

بزرجمہر سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں؟ اس نے کہا کیونکہ میرے والد میری حیات فانی کے سبب ہیں اور میرے استاذ میری حیات باقی کے سبب ہیں۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

عالم اور استاذ کے ساتھ ادب کا استعمال کرنا اور مشائخ کا احترام کرنا' اور ان کے اقوال' افعال اور ان کی حرکات پر اعتراض نہ کرنا اور ان کی مناسب تاویل کرنا مستحب ہے۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۳۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ محمد بن محمد ابن البزار الکردری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

نوجوان عالمِ دین بوڑھے غیر عالم پر مقدم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ. (المجادلہ:۱۱) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجات بلند کردے گا۔

پس جن کے درجات کو اللہ بلند کرنے والا ہے جو ان کو پست اور نیچا کرے گا اللہ اس کو جہنم میں گرا دے گا' اور عالم غیر عالم قرشی پر مقدم ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اور عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی پر مقدم ہیں' حالانکہ داماد کا رشتہ خسر سے زیادہ قریب ہے' اور علامہ الزندویستی نے کہا عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر برابر ہے' اور وہ یہ ہے کہ شاگرد استاذ سے پہلے کلام نہ کرے اور استاذ خواہ غائب ہو اس کی جگہ پر نہ بیٹھے' اس کی بات کو رد نہ کرے' چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور شوہر کا حق بیوی پر اس سے بھی زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر جائز کام میں اس کی اطاعت کرے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۵۲' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ خیر الدین رملی حنفی متوفی ۱۰۸۱ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقیہ کو تصغیر کے ساتھ فُقَیہ پڑھنا کفر ہے۔ (فتاویٰ خیریہ علی ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ ص ۶۳' ۳ المکتبہ الحسبیبیہ کوئٹہ)

علامہ عثمان بن علی الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

علماء کو غیر علماء پر کیوں نہیں مقدم کیا جائے گا جب کہ قرآن مجید میں علی الاطلاق وارد ہے:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ. (الزمر:۹) آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بغیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے نماز میں عالم کو مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳) (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۹' مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے اور علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے بھی ان عبارات کا خلاصہ لکھا ہے۔(الدر المختار رد المحتار ج ۱۰ ص ۴۰۵۔۴۰۴' دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۹ھ)

استاذ کی تعظیم و تکریم کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دلائل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ استاذ کے حقوق اور اس کی تعظیم و تکریم کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴) اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور استاذ نے شاگرد کو جو تعلیم کی نعمت دی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کی خدمت اور اس کی تعظیم و تکریم کی جائے اور اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔

(۲) استاذ کے حقوق سے انکار کرنا' نہ صرف مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے بلکہ تمام عقل والوں کے اتفاق کے خلاف ہے۔

(۳) استاذ کی تعظیم اور اس کی خدمت نہ کرنا اس کے احسان کا انکار کرنا ہے' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی نیکی کو حقیر نہ جانو خواہ وہ تم سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملتا ہو (یعنی اس کی اس نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو)۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۶)

(۴) استاذ کی نیکیوں کو حقیر جاننا قرآن' حدیث اور فقہ کو حقیر جاننا ہے جن کی اس نے تعلیم دی ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر ہے۔

(۵) استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے کیوں کہ ماں باپ سے بدنی حیات ملی اور استاذ سے روحانی حیات ملی۔

(۶) حضرت علی نے فرمایا جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا خواہ وہ مجھے فروخت کردے یا آزاد کردے اور استاذ کی نافرمانی کرنا غلام کے بھاگنے کے مترادف ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲۸' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۸' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۸۱۸)

(۷) امام طبرانی اور امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم حاصل کرو' طمانیت اور وقار کے لیے علم حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو ان سے عاجزی کرو (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۵۲۸' الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۷۸) کتنے شاگرد استاذ کی برکت اور اس کا فیض حاصل کرنے کے لیے اس کے پیروں کی خاک اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

(۸) استاذ کا شاگرد پر حق یہ ہے کہ استاذ کی غیر موجودگی میں بھی شاگرد اس کی جگہ پر نہ بیٹھے' اس کے کلام کو رد نہ کرے اس کے آگے نہ چلے' اس کو علامہ شامی نے بزازیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

(۹) جب استاذ سے آگے چلنا بھی جائز نہیں ہے تو استاذ کی نافرمانی کرنا اور اس کی تحقیر کرنا کب جائز ہوگا۔

(۱۰) استاذ کی دل آزاری کرنا اور اس کو رنج پہنچانا حرام ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو ایذا دینا ہے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا حرام' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے

اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ○ ایذاء پہنچاتے ہیں وہ ان پر بہتان باندھتے ہیں اور صریح گناہ کا (الاحزاب:۵۸) بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۶۳۲، ریاض)

(۱۱) استاذ کی بے توقیری کرنا ایک مسلمان کے لیے موجب تذلیل ہے اور مسلمان کی تذلیل حرام ہے، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا گیا اور اس نے اس کی مدد نہیں کی جب کہ وہ اس کی مدد پر قادر تھا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سامنے ذلیل کر دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۷)

(۱۲) عالم اور استاذ کی بے توقیری کرنے کی ایک وجہ اس سے حسد کرنا ہے اور حسد حرام ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۱۰، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۶۵۶)

(۱۳) استاذ کی بے توقیری کرنا ظلم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (ھود:۱۸) سو ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(۱۴) جو شخص استاذ کی عزت نہیں کرتا وہ اپنے بڑوں کی بے توقیری کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۸۱۹)

(۱۵) جو شخص بزرگ عالم دین کی عزت نہ کرے اس پر وعید فرمائی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۸۱۹)

(۱۶) وہ علماء اور اساتذہ جو بالخصوص سادات ہوں ان کی تعظیم اور تکریم واجب ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے اہل بیت، انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانا یا تو وہ منافق ہوگا یا ولد الزنا ہوگا، یا وہ ہوگا جس کا حمل اس کی ماں کو ناپاکی کی حالت میں ہوا ہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۵۹۵۵)

(۱۷) جو عالم دین سید اور متقی ہو وہ تعظیم اور تکریم کا مستحق ہے اور اس کی بے توقیری اللہ کی حدود سے تجاوز کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (الطلاق:۱) جس شخص نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/۱ ص ۲۲۔۱۹ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، مطبوعہ دارالعلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ کراچی، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا، اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو، پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو ان کاموں کی خبر دوں گا جو تم کرتے تھے ○ (لقمان:۱۵)

کافر ماں باپ کی خدمت کرنے کا استحسان

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہوں اور تنگ دست ہوں تو اس کو چاہیے کہ جہاں تک اس کے لیے ممکن ہو وہ ان کی مالی امداد کر کے ان کی خدمت کرتا رہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ان کی ماں آئیں اور وہ مشرکہ تھیں' اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے معاہدہ کیا ہوا تھا اور ان کی ماں کے والد سے بھی معاہدہ تھا' وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کیا اور میں نے کہا میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہے! آپ نے فرمایا تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳)

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری ماں بوڑھی ہو گئی ہے' میں اس کو اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں اور اپنے ہاتھ سے پلاتا ہوں اور اپنے ہاتھ سے وضو کراتا ہوں' اور اس کو اپنے کندھے پر سوار کر کے لے جاتا ہوں' آیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا نہیں! یہ تو سو میں سے ایک بھی نہیں ہے' اس نے پوچھا کیوں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس لیے کہ اس نے تمہاری خدمت اس وقت کی جب تم کمزور تھے اور وہ یہ چاہتی تھی کہ تم زندہ رہو اور تم اس کی خدمت کرتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ وہ مر جائے! لیکن بہر حال تم نیک عمل کر رہے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کم عمل پر زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

(روح البیان ج ۷ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کا مصداق

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو۔

یہ آیت بھی انسان کو وصیت کرنے کے سیاق میں ہے' اور اس میں تمام جہان کے انسانوں کے لیے وصیت ہے' اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ہے وہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین ہیں۔ نقاش نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں حضرت سعد کو حکم دیا گیا ہے' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکر اسلام لے آئے تو ان کے پاس حضرت عبد الرحمان بن عوف' حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت سعید اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم آئے اور حضرت ابو بکر سے پوچھا: آپ نے اسلام قبول کر لیا؟ حضرت ابو بکر نے کہا ہاں! اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآىِٕمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَیَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ (الزمر: ۹)

بھلا جو شخص رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہو' آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو!

جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر یہ چھ افراد اسلام لے آئے اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ (الزمر: ۱۷)

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا' ان ہی کے لیے بشارت ہے' سو آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جنہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ہے اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۶۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمینوں میں تو اللہ اس کو لے آئے گا' بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O اے میرے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں O

(لقمان: ١٧۔١٦)

تلاش رزق میں اعتدال چاہیے

اس رکوع کو اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان کی' ان نصیحتوں سے شروع کیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اور پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ اے بیٹے تم شرک نہ کرنا' اس کے بعد دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حکیم لقمان کی نصیحتوں کے درمیان اپنے کلام کا ذکر فرمایا اور ان آیتوں میں انسان کو یہ نصیحت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تاہم اگر وہ اس کو کسی ناجائز کام کرنے کا حکم دیں اس میں ان کی اطاعت نہ کرے' اس کے بعد پھر حکیم لقمان کی نصیحتوں کا سلسلہ شروع کیا:

رائی کا دانہ بہت باریک ہوتا ہے اور انسان اس کا وزن محسوس نہیں کر سکتا اور وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا نہیں سکتا' اس کے باوجود اگر انسان کا رزق رائی کے دانے کے برابر ہو اور وہ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں چھپا ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ اس رزق کو اس بندے تک پہنچا دے گا جس کا وہ رزق ہے' اس لیے بندے کو اپنے رزق کی تلاش میں سرگرداں ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادات سے غافل نہیں ہونا چاہیے' بلکہ پہلے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور پھر حصول رزق اور کسب معاش کے لیے جدوجہد کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (الجمعہ: ١٠)

پھر جب نماز پڑھ لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (کاروبار میں) اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر بہ کثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان یہ یقین کر کے بیٹھ جائے کہ اس کے لیے جو رزق مقدر ہو چکا ہے وہ اس تک ہر حال میں پہنچے گا اور وہ حصول رزق کے لیے کوئی سعی اور کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو تجارت اور کاروبار کرنے کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں:

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (المزمل: ٢٠)

اور دوسرے لوگ زمین میں سفر کرتے ہیں اور (کاروبار میں) اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا رزق جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ خواہ کہیں ہو اور خواہ ایک رائی کے دانہ کے برابر ہو وہ اس کو ملے گا اس لیے رزق کی طلب میں ڈوب کر اور دنیاوی مشغلوں میں منہمک ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد کو اور اس کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کو فراموش نہ کرے۔

انسان کا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ انسان کے نیک اعمال یا برے اعمال خواہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہوں اور انسان خواہ وہ عمل کسی پہاڑ کے غار میں چھپ کر کرے' یا کسی زمین دوز تہ خانے میں' یا کسی کھلی جگہ پر وہ عمل کرے' اللہ کے علم سے اس کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے' اور اس کے تمام اعمال چھوٹے ہوں یا بڑے سب قیامت کے دن حاضر کر دیئے جائیں گے اور انسان کو اس کے ان اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھ لے گا' اور جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) برائی کی وہ اس (کی سزا) کو دیکھ لے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص ایسی بند چٹان میں کوئی عمل کرے جس میں کوئی کھڑکی ہو نہ روشن دان تو اس کا وہ عمل جیسا بھی ہو اللہ اس کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۸ طبع قدیم' ج ۳ ص ۳۵' رقم الحدیث: ۱۱۲۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ لطیف اور باریک بین ہے' اس کا علم سب سے پوشیدہ چیز کو بھی محیط ہوتا ہے' وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اندھیری رات میں چلنے والی چیونٹی کی حرکات و سکنات سے بھی باخبر ہے۔

صبر اور عزیمت کی تفصیل

اس کے بعد حکیم لقمان نے نصیحت کی: اے میرے بیٹے! تم نماز کو قائم رکھنا اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ (لقمان: ۱۷)

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک حکم یہ دیا کہ نماز پڑھو' اور دوسرا حکم یہ دیا کہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کی اپنی ذات کامل ہو اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ دوسروں کو کامل بنائیں۔

امام ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے جو کہا نیکی کا حکم دو' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کا حکم دو' اور یہ جو فرمایا ہے برائی سے روکو اس کا معنی ہے شرک کرنے سے منع کرو۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ نیکی کا حکم دینے سے مراد صرف توحید کا ماننا اور برائی سے روکنے سے مراد صرف شرک سے ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد تمام فرائض اور واجبات کا حکم دینا ہے اور تمام کبائر اور صغائر سے منع کرتا ہے اور تمام اچھے کاموں کا حکم دینا اور تمام برے کاموں سے منع کرنا ہے' خصوصاً اس لیے کہ شرک سے اجتناب کا حکم تو حکیم لقمان ان کو پہلے دے چکے تھے' اس کے بعد فرمایا: اور تم کو جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ حوادث روزگار اور آفات اور مصائب اور بیماریاں اگر تم کو پہنچیں تو تم اللہ سے شکوہ اور شکایت نہ کرنا اور جزع اور فزع نہ کرنا' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھنے اور احکام شرعیہ کی تبلیغ سے تم کو جو مشقت ہو اس پر صبر کرنا' کیونکہ بعض اوقات انسان کو نماز پڑھنے میں بھی مشقت اٹھانی پڑتی ہے' جیسے سخت گرمی اور دھوپ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے جانا یہ بھی نفس کے لیے بار خاطر ہوتا ہے۔

صبر کا ایک معنی ہے' کسی کی موت' یا کسی نقصان یا کسی بیماری اور تکلیف کے وقت جزع' فزع اور رونے پیٹنے سے اپنے نفس کو روکنا یا حالت غضب اور جوش انتقام کے وقت اپنے نفس کو تجاوز اور حد سے بڑھنے سے روکنا' یا غلبہ شہوت کے وقت اپنے نفس کو فسق و فجور سے روکنا' اور اس کا جامع معنی یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تمام منع کیے ہوئے کاموں سے روکنا۔

اس کے بعد فرمایا یہ عزم الامور سے ہے' اور یہ عزیمت کے معنی میں ہے جو رخصت کے مقابلہ میں ہے' بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے' جیسے سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنا اور جیسے مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہو تو تیمم کرنا یا روزہ نہ رکھنا' اور بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا مستحب ہوتا ہے جیسے اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا' اور بعض اوقات عزیمت پر

عمل کرنا مستحب ہوتا ہے جیسے اگر سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ قضا کرنے کے بجائے عزیمت پر عمل کرنا اور روزہ رکھ لینا' یا جیسے مرض اور بیماری کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا' تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں **عزم الامور** سے مراد وہ کام ہوں جن کا رخصت کے مقابلہ میں عزیمت پر عمل کرنا مستحب ہو۔

اور عزیمت کا دوسرا معنی ہے جو کام اصالۃً فرض یا واجب ہیں تو توحید پر قائم رہنا اور فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اس اعتبار سے عزیمت ہیں' اور عزیمت کا تیسرا معنی ہے مکارم اخلاق اچھے اور پسندیدہ کام' اور اپنی ضروریات پر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دینا اور بلاشبہ یہ ہمت والوں کے کام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حکیم لقمان نے مزید نصیحت کی) اور لوگوں سے تکبر کے ساتھ اپنا چہرہ نہ پھیرنا اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا' بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا O اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے O (لقمان: ۱۹۔۱۸)

لا تصعر کا معنی

لا تصعر کا لفظ صعر سے بنا ہے' تصعیر کا معنی ہے تکبر سے گردن پھیر لینا۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۹۹)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

لا یلی الامر بعد فلان الا إصعر او ابتر. فلاں کے بعد اس حکومت کا والی ہر وہ شخص ہوگا جو ازراہ تکبر اپنا چہرہ پھیرنے والا ہوگا۔

نیز حدیث میں ہے: **کل صعار ملعون** ہر وہ شخص جو تکبر کے ساتھ لوگوں سے رخ پھیرتا ہو وہ ملعون ہے۔

حضرت کعب بن مالک نے کہا **فانا الیه اصعر** میں اسی کی طرف مائل ہوں۔ (صحیح مسلم' التوبہ: ۵۳' مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۷)

(النہایہ ج ۳ ص ۲۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

اسی معنی میں یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو' ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو' اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۰)

ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے سے مراد ہے' دشمنی رکھنا' یا ایک دوسرے سے تعلق منقطع کرنا' کیونکہ ایسی صورت میں انسان ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرتا ہے' اور حسد کا معنی ہے کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا' اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اس کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہو' نرمی اور دوستی رکھو اور خیر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اور جو شخص تکبر کی وجہ سے کسی سے چہرے پھیرے اس میں بھی تکبر کے ساتھ پیٹھ پھیرنے کا معنی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اس آیت کا معنی ہے بغیر ضرورت کے انسان اپنے نفس کو ذلت میں نہ ڈالے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے نفس کی تحقیر نہ کرے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے نفس کی تحقیر کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ یہ جانتا ہو کہ اللہ

کی رضا کے لیے اس نے ایک بات کہنی ہے پھر وہ اس بات کو نہ کہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے فرمائے گا: تم کو میرے متعلق' فلاں' فلاں بات کہنے سے کس نے منع کیا؟ وہ کہے گا لوگوں کے خوف نے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تم مجھ سے ڈرتے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے' صحابہ نے پوچھا وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۴' العلل رقم الحدیث: ۲۲۲۸)

اور فرمایا: اور نہ زمین میں اکڑتے ہوئے چلنا۔

ابن عائذ الازدی غضیف بن الحارث سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن عبید بن عمیر بیت المقدس گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے اے ابن آدم! تجھے کس چیز نے مجھ سے دھوکے میں رکھا' کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں تنہائی کا گھر ہوں! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں اندھیروں کا گھر ہوں! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں برحق گھر ہوں! اے ابن آدم! تجھے کس چیز نے مجھ سے دھوکے میں رکھا' تو مجھ پر فداد کی طرح چلتا تھا۔ ابن عائذ نے کہا میں نے غضیف سے پوچھا: اے ابوالسماء! فداد کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے! جس طرح تم کبھی کبھی چلتے ہو یہ فداد کی طرح چلنا ہے' ابوعبید نے کہا فداد اس کو کہتے ہیں جو بہت مال دار اور بہت تکبر کرنے والا ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۶۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے کپڑے کو از راہِ تکبر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کبھی کبھی میرے تہبند کا ایک پلڑا (ٹخنوں سے نیچے) لٹک جاتا ہے سوا اس کے کہ میں اس کا خیال رکھوں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو جو از راہِ تکبر ایسا کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۴۸۸۴' عالم الکتب)

آہستگی سے چلنے کی فضیلت اور بھاگ کر چلنے کی مذمت

اس کے بعد فرمایا: اور اپنی رفتار درمیانہ رکھنا' اور اپنی آواز پست رکھنا' بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ (لقمان: ۱۹)

اس آیت میں قصد کا لفظ ہے اور قصد کا معنی ہے متوسط' اسی لفظ سے اقتصاد بنا ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ بہت تیز چلو نہ بہت آہستہ چلو' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی جلدی چلنے سے مومن کی رونق (اور وقار) چلی جاتی ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۹۰' مسند الفردوس ص ۳۳۲۵' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۱۶۲۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۶۸۹' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۹۶۵)

اس حدیث میں جو جلدی جلدی چلنے کی مذمت کی گئی اس سے مراد ہے اتنا تیز چلنا جو بھاگنے کے مشابہ ہو' کیونکہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تیز تیز چلنے کا ذکر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا' آپ کا

چہرہ آفتاب کی مانند تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا کہ آپ کے لیے زمین کو لپیٹا جا رہا ہو ہم (تیز چلنے سے) اپنے آپ کو تھکا دیتے تھے اور آپ کو پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸، ۳۶۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۰۔۳۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۰۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۴۹، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۱۳، قدیم)

گدھے کی آواز کی مذمت اور مرغ کی بانگ کی فضیلت

نیز فرمایا اور اپنی آواز کو پست رکھنا' یعنی ضرورت سے زیادہ آواز بلند کر کے مشقت نہ اٹھانا' اور گلا پھاڑ کر نہ چلانا' کیونکہ اس سے تمہیں بھی تکلیف ہوگی اور سننے والے کو بھی تکلیف ہوگی' بعض اوقات بہت بلند آواز اور ہولناک چیخ کانوں کے پردوں کو پھاڑ دیتی ہے۔

پھر فرمایا: بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

جب کسی کو بہت ملامت کی جائے اور اس کی زیادہ مذمت کی جائے تو اس کی گدھے کے ساتھ مثال دی جاتی ہے' بعض لوگ گدھوں پر سواری کرنے کی بہ نسبت پیدل چلنے کو ترجیح دیتے ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دراز گوش پر سواری کرتے تھے وہ آپ کی تواضع اور انکسار پر محمول ہے اور جو آپ کی سواری کو کم تر خیال کرے وہ گدھے سے زیادہ ذلیل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے' اور جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۹۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۰۵۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

چونکہ مرغ بانگ دیتے ہوئے فرشتے کو دیکھتا ہے اسی لیے یہ حکم ہے کہ مرغ کی بانگ سن کر دعا کرو تاکہ فرشتے اس دعا پر آمین کہیں' اور اس کے لیے استغفار کریں' اور اس کے عجز اور اخلاص کی شہادت دیں' اور اس کی دعا قبول ہو اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کے آنے کے وقت جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے' اور امام ابن حبان نے حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت کی ہے: کہ مرغ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ نماز کی طرف بلاتا ہے (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۳۱) اور امام بزار نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرغ نے بانگ دی تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو یہ نماز کی طرف بلا رہا ہے' اور مرغ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ نماز فجر سے پہلے بانگ دیتا ہے خواہ رات لمبی ہو یا چھوٹی' اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرغ میں ادراک پیدا کیا ہے کہ وہ فرشتہ کو دیکھ لیتا ہے اور گدھے میں ادراک پیدا کیا ہے وہ شیطان کو دیکھ لیتا ہے' گدھے کے چیخنے کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا' کیونکہ اس وقت وہاں شیطان موجود ہے لہٰذا اس کے شر سے پناہ طلب کی جائے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گدھا اس وقت تک نہیں چیختا جب تک کہ شیطان کو نہ دیکھے یا اس کے لیے شیطان متمثل نہ ہو' اور جب ایسا ہو تو تم اللہ کو یاد کرو اور مجھ پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھو۔

داؤدی نے کہا ہے کہ انسان کو مرغ سے پانچ چیزیں سیکھنی چاہئیں' خوش آوازی' سحری کے وقت اٹھنا' سخاوت' غیرت اور کثرت نکاح۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

(اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ

ہے اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ

مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَ

بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں ○ اور

إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی

عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾

کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو ○

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اور جس شخص نے اپنے چہرہ کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو تو اس نے ایک مضبوط

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾ وَمَن كَفَرَ فَلَا

دستہ پکڑ لیا، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ○ اور جس نے کفر کیا تو اس کا

يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ

کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے، انہوں نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم ان کو خبر دیں گے کہ انہوں نے کیا عمل کیے ہیں؛

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ

بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو جبراً سخت

عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

عذاب کی طرف لے جائیں گے ○ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا

ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّمَا

کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، بے شک اللہ ہی بے پرواہ، حمد کیا ہوا ہے ○ اور اگر تمام

فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں، اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

کا اور اضافہ ہو، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والا ہے ○

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ○

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ

ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

کر رہا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے ○ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے

مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۱۲ — ۳

اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند بہت بزرگ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے

نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو O (۲۱-۲۰)

ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اس سے استدلال فرمایا تھا کہ: اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلّے (اور میوے) پیدا کیے O (لقمان: ۱۰) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر اپنی دی ہوئی مزید نعمتوں سے استدلال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو آدم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ آسمانوں میں جو سورج' چاند اور ستارے ہیں اور ان پر فرشتے مقرر ہیں اور وہ ان ثوابت اور سیاروں کے فوائد انسانوں تک پہنچاتے ہیں' اور اسی طرح زمینوں میں جو پہاڑ' درخت' دریا' سمندر اور معدنیات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے منافع انسانوں تک پہنچائے ہوئے ہیں کیا یہ نعمتیں اس کی الوہیت اور اس کی توحید کی معرفت کے لیے کافی نہیں ہیں۔

پھر فرمایا اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں' ان ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تفصیل میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا ظاہری نعمت سے مراد اسلام ہے اور باطنی نعمت سے مراد اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کا پردہ رکھنا ہے۔
(۲) مجاہد اور وکیع نے کہا ظاہری نعمت سے مراد زبان ہے اور باطنی نعمت سے مراد دل ہے۔
(۳) نقاش نے کہا ظاہری نعمت سے مراد لباس ہے اور باطنی نعمت سے مراد گھر کا ساز و سامان ہے۔
(۴) ظاہری نعمت اولاد ہے اور باطنی نعمت لذت جماع ہے۔
(۵) ظاہری نعمت دنیا کی زیب و زینت ہے اور باطنی نعمت آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار ہے۔
(۶) ظاہری نعمت مال و دولت اور صحت و عافیت ہے اور باطنی نعمت عبادت اور ریاضت کی توفیق ہے۔
(۷) ظاہری نعمت حسن صورت ہے اور باطنی نعمت اچھے اخلاق اور نیک سیرت ہے۔
(۸) ظاہری نعمت تقویٰ اور پرہیز گاری ہے اور باطنی نعمت اس کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کا قبول کرنا ہے۔
(۹) ظاہری نعمت علماء کی تبلیغ اور تصنیف و تالیف ہے اور باطنی نعمت وہ علم اور حکمت ہے جس کے نتیجہ میں یہ کام انجام پائے۔
(۱۰) ظاہری نعمت ماں باپ ہیں اور باطنی نعمت اساتذہ اور مشائخ ہیں۔
(۱۱) ظاہری نعمت حکام اور سلاطین کی حکومت ہے اور باطنی نعمت اولیاء اور اتقیاء کی ولایت ہے۔

یہ چند نعمتیں ہیں اور اللہ کی نعمتیں تو غیر متناہی ہیں وہ فرماتا ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ۔ (ابراہیم: ۳۴) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد فرمایا: اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر الحج: ۸ میں گزر چکی ہے۔

یہ آیت ایک یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ بتایئے آپ کا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے؟ پھر ایک بجلی کی کڑک آئی جس نے اس کو ہلاک کر دیا' اس کی تفصیل الرعد: ۱۳ میں گزر چکی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تقلید اور عقیدہ کا فرق

اور فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو O (لقمان: ۲۱)

یعنی جب کفار اور مشرکین سے کہا جاتا ہے' اللہ کو واحد مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت کرنے کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان ہی کی عبادت کریں گے جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے رہیں گے جیسا کہ ہمارے باپ دادا بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: خواہ ان کے باپ دادا کو شیطان بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف دعوت دے رہا ہو' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ O (البقرہ: ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان احکام کی پیروی کرو' جن کو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے' خواہ ان کے باپ دادا بے عقل اور گمراہ ہوں۔

ان آیتوں میں یہ تصریح ہے کہ عقائد اور اصول دین میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ عقائد اور اصول دین میں غور و فکر کر کے دلائل کی اتباع کرنی لازم ہے' البتہ فروعی مسائل اور احکام عملیہ میں ائمہ کی تقلید کرنی جائز ہے' واضح رہے کہ تقلید اس جزم (پختہ ادراک) کو کہتے ہیں جو تشکیک مشکک سے زائل ہو جاتا ہے اور عقیدہ اور یقین اس جزم کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو' مثلاً ہمیں اللہ کے واحد ہونے کا یقین ہے اور یہ ہمارا عقیدہ ہے اب کوئی شخص اللہ کے شریک کے ثبوت میں لاکھ دلائل دے تو ہمارے توحید کے عقیدہ میں کوئی شک نہیں ہوگا اور ہمارا اس پر جزم اور یقین زائل نہیں ہوگا' اس کے برخلاف ہم جو امام ابو حنیفہ کی تقلید میں کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کرنا یا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے اس پر ہم کو جزم ہے لیکن اگر کسی عالم نے اس کے خلاف بہت احادیث صحیحہ پیش کر دیں تو ہمارا یہ جزم زائل ہو جائے گا' تقلید میں غالب جانب یہ ہوتی ہے کہ ہمارے امام کا قول صحیح ہے اور مغلوب جانب یہ ہوتی ہے کہ ہو سکتا ہے دوسرے امام کا قول صحیح ہو' اس لیے عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے اور احکام فرعیہ عملیہ میں تقلید کرنا جائز ہے۔

عقائد میں تقلید کے جواز یا عدم جواز کی بحث

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ عقائد اور اصول دین میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے امام رازی اور علامہ آمدی کا بھی یہی مختار ہے کہ عقائد میں غور و فکر کر کے استدلال کرنا ضروری ہے اور اصول دین میں کسی کے اجتہاد کی تقلید کرنا حرام ہے' تاہم جو شخص برحق عقائد میں سے کسی کی تقلید کرے اس کا ایمان صحیح ہے جیسے آج کل کے مسلمان ہیں' ہر چند کہ دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اور غور و فکر اور نظر و استدلال نہ کرنے کے سبب سے وہ گنہ گار ہوں گے' اور امام اشعری یہ کہتے ہیں کہ

ان کا ایمان صحیح نہیں ہے' اور استاذ ابوالقاسم القشیری نے کہا یہ قول مردود ہے' کیونکہ اس سے عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آتی ہے' اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اگر مقلد کا ایمان درجہ تقلید میں ہو یعنی وہ کسی کے کہنے کی وجہ سے توحید کو مانتا ہو اور اس میں اس کو شک یا وہم کا احتمال ہو بایں طور کہ مقلد کو توحید پر یقین نہ ہو اور اس کا توحید کا علم جازم اور ثابت نہ ہو' یعنی تشکیک مشکک سے زائل ہو سکتا ہو تو پھر ایسی تقلید سے ایمان لانا بالکل کافی نہیں ہے کیونکہ تردد اور شک کے ساتھ ایمان بالکل صحیح نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کا ایمان خواہ کسی کے کہنے سے ہو لیکن جازم اور ثابت ہو اور تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو تو امام اشعری کے نزدیک بھی اس کا ایمان صحیح ہے' اور علامہ خفاجی نے ذکر کیا ہے کہ جس شخص کو یہ علم نہ ہو کہ جس چیز کو وہ مان رہا ہے وہ کس برحق دلیل پر مبنی ہے اس کی تقلید جائز نہیں ہے اور یقین میں جس طرح برحق عقلی دلیل معتبر ہے اسی طرح برحق نقلی دلیل بھی معتبر ہے' اور کفار کی مذمت اس وجہ سے کی جا رہی ہے کہ وہ جو اپنے باپ دادا کی تقلید میں شرک کرتے تھے تو ان کا شرک پر جزم اور اعتماد کسی برحق عقلی دلیل پر مبنی تھا نہ کسی برحق نقلی دلیل پر مبنی تھا ان کو جو شرک پر جزم تھا وہ جہل مرکب تھا یعنی ادراک جازم ثابت غیر مطابق للواقع۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۴۳' موضحا مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس شخص نے اپنے چہرے کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو تو اس نے ایک مضبوط دستہ پکڑ لیا' اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے O اور جس نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے' انہوں نے ہماری ہی طرف لوٹنا ہے' پھر ہم ان کو خبر دیں گے کہ انہوں نے کیا عمل کیے ہیں' بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے' پھر ان کو جبراً سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے O جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' بے شک اللہ ہی بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۲۶-۲۲)

اللہ کے پاس حسن انجام کا پانا

یعنی جو شخص اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور اسی کی اطاعت کا قصد کرتا ہو اور وہ اپنی عبادت میں محسن ہو اور اس قدر خوف سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو' حدیث میں ہے حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مجھے بتائیے احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو' اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو (یہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳) اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ وہ تمام شرائط' ارکان' واجبات' سنن اور آداب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

اور فرمایا: اس نے ایک مضبوط دستہ کو پکڑ لیا' حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد ہے لا الہ الا اللہ ' بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص نے اپنے چہرے کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو' اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کے حوالے کر دیا جس طرح بیچنے والا کسی چیز کو فروخت کر کے خریدار کے حوالے کر دیتا ہے' اور اس سے یہ بھی مراد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر پورا پورا توکل کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے' سب سے مضبوط رسی اور سب سے مضبوط دستہ' اللہ کی جانب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی اور منقطع ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور اس کا کوئی انقطاع نہیں ہے'

اور جو شخص اللہ کے دستہ اور اس کے سہارے کو پکڑ لے گا تو وہ اس کو اللہ تک پہنچا دے گا اور جو اللہ تک پہنچ جائے گا اس کا انجام بہت اچھا ہو گا' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے معاملات کا رجوع صرف ایک ذات کی طرف ہو پھر وہ اس کے پاس پہنچنے سے پہلے اس کی طرف ہدیے بھیجتا رہے تو جب وہ اس ذات کے پاس پہنچے گا تو اس کو اس ذات کے فوائد حاصل ہو جائیں گے' اس معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:۱۱۰) اور تم نے اپنے نفع کے لیے جو کچھ پہلے بھیجا ہے' تم اس (کے اجر وثواب) کو اللہ کے پاس پالو گے۔

کافروں کی تکذیب سے آپ کو غم کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور جس نے کفر کیا تو اس کا کفر آپ کو غم زدہ نہ کرے۔الایۃ (لقمان:۲۴۔۲۳)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے احوال ذکر فرمائے تھے اب ان آیتوں میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے' کیونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں' آپ کافروں کے کفر اور ان کی تکذیب پر اس لیے افسوس اور غم نہ کریں' کیونکہ جس شخص کی تکذیب کی جائے اور اس کو یقین ہو کہ عنقریب اس کا صدق ظاہر ہو جائے گا تو اس کو کوئی غم نہیں ہوتا' بلکہ تکذیب کرنے والا دشمن جب غیر ہدایت یافتہ ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ جس کی وہ تکذیب کر رہا ہے وہ صادق اور برحق ہے تو وہ بہت جلد شرمندگی اور رسوائی سے دوچار ہوتا ہے' پس غم اور افسوس تو ان کافروں کو کرنا چاہیے جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں نہ کہ آپ کو غم اور افسوس کرنا چاہیے' کیونکہ وہ شرمندگی اور رسوائی کے خطرہ میں ہیں۔

پھر فرمایا: بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' یعنی لوگوں کا باطن اور ظاہر اور ان کی خلوت اور جلوت اس سے پوشیدہ نہیں وہ ان کے دلوں کے ارادوں اور منصوبوں کو جاننے والا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کو اس کی خبر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ہم ان کو (دنیا میں) تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے' پھر ان کو جبراً سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے○

یعنی دنیا میں وہ اپنی مقررہ زندگی پوری کریں گے اور تھوڑا عرصہ رہیں گے' پھر بتایا ان کو اپنی تکذیب اور کفر کا خمیازہ بھگتنا ہو گا اور ہم ان پر سخت ترین عذاب مسلط کر دیں گے اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا' اور وہاں فرشتے ان پر آگ کے گرز ماریں گے۔

ایک اور توجیہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت میں ان پر منکشف ہو گا کہ رسول تو سچی خبریں دے رہے تھے اور وہ جو ان کو جھٹلا رہے تھے وہی غلط اور باطل تھے' اس وقت وہ خجل اور شرمندہ ہوں گے اور اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے گھبرائیں گے تو فرشتے ان کو گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے' اس لیے فرمایا آپ ان کے کفر اور تکذیب سے غم نہ کریں' ہم روز قیامت ان کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے۔

آپ کو الحمد للہ کہنے کے حکم کی توجیہ

نیز فرمایا: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (لقمان:۲۵)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور فرمایا تھا اس نے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر ستونوں کے

پیدا کیا اور تمام انسانوں کو ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں' اب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق اور آفرینش کا اور اس کی ظاہری اور باطنی نعمتوں اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے خالق اور رازق ہونے کا یہ کفار بھی انکار نہیں کرتے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے' لیکن وہ اس کو نہیں جانتے' اور اگر ان کو بالفرض علم ہو بھی تو وہ علم کے تقاضے پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا کہ کفار جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر آپ غم نہ کریں کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتا دے گا کہ آپ سچے ہیں اور یہ جھوٹے ہیں۔ اور اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ کفار مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس اعتراف سے آپ کے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے کہ اللہ واحد ہے' اور یہ جو شرک کرتے ہیں اس کا جھوٹ اور باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے تو آپ اس نعمت پر کہیے الحمد للہ' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کیونکہ آپ کے دعویٰ کا صدق اور آپ کے مکذبین کا کذب ظاہر ہو گیا' اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے کذب اور آپ کے صدق کے ظہور کو نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کی وجوہ

پھر فرمایا جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' بے شک اللہ ہی بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے O (لقمان: ۲۶)

جو شخص کسی چیز کو بنانے والا ہو وہ اس چیز کا مالک ہوتا ہے' اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ کفار کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے اور جب وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے تو وہی ان کا مالک ہے۔

اور فرمایا: اللہ غنی ہے' کیونکہ جب تمام چیزیں اس نے پیدا کی ہیں تو وہ ان چیزوں میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے' اس لیے وہ ہر چیز سے غنی ہے' یعنی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' یعنی وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے' کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے' سب کچھ اس کا پیدا کیا ہوا ہے' اور ہر چیز کا حسن اور کمال اس کا بنایا ہوا ہے' اور حمد کا معنی ہے اظہار صفات کمالیہ تو جب اس نے اس کائنات کو بنا کر اس میں محاسن اور کمالات اور وجوہ ستائش اور خوبیاں رکھ دیں تو اس کی حمد ہو گئی کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے وہ ہر حامد کی ہر حمد سے غنی ہے۔

اور اس کے غنی ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی حمد خود کرتا ہے' مخلوق میں سے جس نے بھی اس کی حمد کی پیدا ہونے کے بعد کی' اور اللہ تعالیٰ اپنی حمد ازلاً ابداً کر رہا ہے' سو وہ مخلوق کی حادث اور فانی حمد سے غنی ہے کیونکہ اس کی حمد قدیم اور لافانی ہے۔

نیز مخلوق کا علم محدود اور ناقص ہے وہ اس کے غیر متناہی کمالات کا اور اس کی لامحدود خوبیوں اور نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی' کوئی مخلوق اس کی ایسی حمد نہیں کر سکتی جیسی حمد وہ خود اپنی کرتا ہے' لہٰذا وہ ہر حامد کی ہر حمد سے غنی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں فرما رہے تھے:

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک. میں تیری ایسی حمد و ثنا نہیں کر سکا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنی فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۰' سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث:۳۸۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۰ص۱۹۳' مسند احمد ج۳ص۴۲۹' مسند ابویعلی رقم الحدیث:۱۴۷۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۴۴۵' المستدرک ج۱ص۵۳۴)

بعض واعظین کا اللہ کے ذکر کو فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو باقی قرار دینا

بعض واعظین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور آپ کا ذکر کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد وثنا مخلوق کرتی ہے اور مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ختم ہو جائے گا' اور اللہ تعالیٰ دائم اور باقی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی دائم اور باقی رہے گا' خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر ختم ہو جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ختم نہیں ہوگا۔

ہم ایسی نکتہ آفرینیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی حمد وثناء فرماتا ہے اور اپنا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے متعدد کتب احادیث کے حوالوں سے بیان کیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تیری ایسی حمد وثنا نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی حمد وثنا فرماتا ہے اور النمل :۸۷ اور الزمر:۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے صور پھونکے جانے کے بعد بعض افراد کا استثناء کیا ہے جو بے ہوش نہیں ہوں گے' ان میں ملائکہ مقربین' شہداء اور انبیاء داخل ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد وثناء کرتے رہیں گے۔

نیز قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے جیسے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر:۲۳) اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے سو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی قدیم ہے' سو اللہ تعالیٰ کا ذکر ازلی' ابدی' دائمی اور سرمدی ہے' غیر فانی اور لازوال ہے' اللہ تعالیٰ کے ذکر کو فانی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو باقی کہہ کر مخلوق کو خالق سے بڑھانے کی مذموم کوشش کرنا ہے' کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی تعریف سے خوش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں' اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بے شک اللہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے O تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے' بے شک اللہ خوب سننے والا' خوب دیکھنے والا ہے O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے' اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے' ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش کر رہا ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند بہت بزرگ ہے O (لقمان:۳۰۔۲۷)

کلمات اللہ کا غیر متناہی ہونا

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں لقمان:۲۷ کی آیت کے دو شان نزول ہیں:

(۱) قتادہ نے بیان کیا کہ مشرکین نے کہا قرآن ایک کلام ہے اور یہ عنقریب ختم ہو جائے گا' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر خشکی کے ہر درخت کی قلمیں بنالی جائیں اور اس سمندر کو سیاہی بنا لیا جائے اور اس کے ساتھ سات سمندر اور بھی ملا لیے جائیں' تب بھی یہ قلم ٹوٹ جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے عجائبات' اور اس کی حکمت اور اس کے علم کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں گئے تو آپ سے علماء یہود

نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۵)

اس آیت سے آپ کی قوم مراد ہے یا ہم مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ہو یا وہ ہوں جس کو بھی جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔ تب انہوں نے کہا آپ نے اللہ کی طرف سے یہ بتایا ہے کہ ہمیں تورات دی گئی ہے اور تورات میں ہر چیز کا واضح بیان ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں وہ بھی بہت کم ہے اور اس کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۳۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو جنت میں اہل جنت کو دی جائیں گی' یا اس سے مراد وہ امور ہیں جو لوح محفوظ میں مذکور ہیں یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہیہ ہیں۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی دو آیتوں میں تعارض ہے' ایک آیت میں ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۵)

اور دوسری آیت میں ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ○ اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

(البقرہ: ۲۶۹)

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ علم کم دیا گیا ہو اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو کثیر علم دیا گیا' سوان کو علم کم بھی دیا گیا ہو اور زیادہ بھی' یہ اجتماع ضدین ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو فی نفسہ کثیر علم دیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے یہ بہت کم علم ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہے' بلکہ یہ نسبت بھی نہیں کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور مخلوق کے علم کی اللہ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے۔ (لقمان: ۲۸)

یہ آیت ابی بن خلف' ابی الاشدین اور منبہ اور نبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ تعالیٰ نے کئی مراحل میں ہماری تخلیق کی ہے' پہلے نطفہ بنایا' پھر جما ہوا خون بنایا' پھر گوشت کی بوٹی بنایا پھر ہڈیاں بنائیں اور آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک ساعت میں دوبارہ پیدا کر دے گا! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو چیزیں بندوں پر دشوار ہوتی ہیں وہ اللہ پر دشوار نہیں ہوتیں' اس کے لیے تمام عالم کو پیدا کرنا ایک جان کو پیدا کرنے کے برابر ہے۔

رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کے معانی

اس کے بعد فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔ (لقمان: ۲۹)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کا محمل یہ ہے کہ سردیوں کے دنوں کا کچھ حصہ گرمیوں کے دنوں میں داخل کر دیتا ہے اور گرمیوں کی راتوں کا کچھ حصہ سردیوں کی راتوں میں داخل کر دیتا ہے۔ سو گرمیوں کے دن بڑے ہوتے ہیں اور سردیوں کی راتیں۔ حسن' عکرمہ' ابن جبیر اور قتادہ نے کہا دن کو کچھ کم کر کے رات میں داخل کر دیتا ہے اور رات کو کچھ کم کر کے دن میں داخل

-کر دیتا ہے۔

ابن الشجرہ نے کہا روشنی کے راستوں میں اندھیروں کو داخل کر دیتا ہے اور اندھیروں کے راستوں میں روشنی کو داخل کر دیتا ہے' اس طرح ہر ایک دوسرے کی جگہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش کر رہا ہے۔

یعنی سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے اور وہ ایک مقرر نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم دن اور رات میں کیا کر رہے ہو۔

اور اس کے بعد فرمایا: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے۔ (لقمان: ۳۰)

(۱) ابن کامل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(۲) ابو صالح نے کہا اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم حق ہے۔

(۳) اللہ عزوجل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۴) اللہ عزوجل کی اطاعت کرنا حق ہے۔

پھر فرمایا: اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔

مجاہد نے کہا شیطان باطل ہے۔ ابن کامل نے کہا انہوں نے جن بتوں اور دوسری چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیا ہوا ہے وہ سب باطل ہیں۔ (النکت والعیون ج ۴ص ۳۴۶۔۳۴۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان آیات کی مزید تفسیر آل عمران: ۲۷ اور الحج: ۶۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی نعمت سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں تاکہ وہ تم لوگوں

مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا

کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے' بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور

غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

جب انہیں کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں' اور جب اللہ

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا

انہیں (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل رہتے ہیں اور ہماری

كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بد عہد اور سخت ناشکرا ہے ○ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ

کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا

عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ

اپنے باپ کی طرف سے کوئی فدیہ دے سکے گا' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' پس تم کو دنیا کی

الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ

زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں شیطان کا فریب اللہ کے متعلق دھوکے میں ڈالے O بے شک قیامت کا علم

عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ

اللہ ہی کے پاس ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ

اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا

بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی نعمت سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں' تا کہ وہ تم کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے' بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے' بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں O اور جب انہیں کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ انہیں (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل رہتے ہیں' اور ہماری آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بدعہد اور سخت ناشکرا ہے O (لقمان: ۳۲۔۳۱)

صبر اور شکر کی فضیلت میں احادیث اور آثار

لقمان: ۳۱ میں صبار اور شکور کے الفاظ ہیں' یہ صبر اور شکر کے مبالغہ کے صیغے ہیں' یعنی بہت صبر کرنے والا اور بے حد شکر کرنے والا' صبار وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر صبر کرے اور شکور وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرے' صبر اور شکر ایمان کی افضل صفات ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صبر نصف ایمان ہے اور یقین (کامل) ایمان ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۸۵۴۴' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۷' دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں' ایک نصف صبر میں

ہے اور ایک نصف شکر میں ہے۔ حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۱۵' الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۷۸۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۰۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۴۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱)

انسان اپنی قوت بدنیہ کے اعتبار سے صبر میں مشقت اٹھاتا ہے جیسے مسجد کی تعمیر میں بنیادیں کھودنے کے لیے مشقت برداشت کرنا یا دیواریں بنانے کے لیے بھاری پتھر یا اینٹیں اٹھا اٹھا کر لانا یا مثلاً سر میں یا کمر میں شدید درد ہو تو اس کو برداشت کرنا' اس قسم کے صبر میں بھی فضیلت ہے لیکن زیادہ فضیلت اس میں ہے کہ اس کا دل کسی کام کے لیے چاہ رہا ہو اور اس کی طبیعت اس کام کے لیے مچل رہی ہو لیکن وہ خوف خدا سے نفس کے منہ زور گھوڑے کے منہ میں قوت سے لگام ڈال کر اس کو روک لے' مثلاً صبح کی نماز کی جماعت کے وقت اس کو زبردست نیند آ رہی ہو اور باہر سردی ہو اور اس کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ اسی طرح گرم گرم بستر میں دیر تک سوتا رہے لیکن وہ صرف خوفِ خدا سے نیند اور گرم بستر کو چھوڑ کر اپنی طبیعت کے خلاف مشقت برداشت کرے اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جائے' یا جیسے کمرہ کی تنہائی میں کوئی حسین اور مقتدر عورت اس کو گناہ پر اکسائے اس کا دل بھی گناہ پر آمادہ ہو لیکن وہ صرف خوف خدا سے اپنے نفس پر قابو پائے اور گناہ سے اپنا دامن چھڑائے' صبر کی اس پُر مشقت وادی کے امام حضرت سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جنہوں نے فرمایا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ اے میرے رب! جس چیز کی طرف مجھے یہ عورتیں دعوت دے رہی ہیں اس کی بہ نسبت مجھے قید خانہ زیادہ محبوب ہے۔ (یوسف: ۳۳)

اور شکر میں دل سے نعمت کا تصور کیا جاتا ہے اور زبان سے نعمت دینے والے کی تعریف اور تحسین کی جاتی ہے اور جسمانی اعضاء کے ساتھ اس کی خدمت کی جاتی ہے' اس میں اختلاف ہے کہ صبر افضل ہے یا شکر افضل ہے' بعض نے کہا بلا اور مصیبت پر صبر کرنا افضل ہے' بعض نے کہا نعمت ملنے پر شکر کرنا افضل ہے' بعض نے کہا بلاء اور مصیبت پر بھی شکر کرنا افضل ہے۔

بعض صوفیاء یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں عبد صابر نہ بنانا عبد شاکر بنانا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص یوں دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں! آپ نے فرمایا تم نے اللہ سے بلاء (مصیبت) کا سوال کیا ہے' تم اللہ سے عافیت کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۶۹' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱' المعجم الکبیر ج ۲۰' رقم الحدیث: ۱۰۰-۹۹-۹۸-۹۷' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۰۴' کتاب الاسماء والصفات ج ا ص ۲۲۴)

صوفیاء کے نزدیک صبر کی تعریفات

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس طرح جسم میں سر کا مقام ہے' اسی طرح ایمان میں صبر کا مقام ہے۔

جنید نے کہا ناگواری کا اظہار کیے بغیر تلخی کے گھونٹ پینا صبر ہے۔

ذوالنون نے کہا مخالفات شرعیہ سے دور رہنا اور سکون کے ساتھ مصائب کے گھونٹ بھرنا صبر ہے۔

بعض نے کہا اظہار شکایت کیے بغیر مصائب میں فنا ہونا صبر ہے۔

ابوعثمان نے کہا جس نے اپنے آپ کو مصائب برداشت کرنے کا عادی بنا لیا ہو وہ صبار ہے۔

عمرو بن عثمان نے کہا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قضا پر ثابت قدم رہنا اور مصائب کا خوشی سے استقبال کرنا صبر ہے۔

الخواص نے کہا کتاب اور سنت کے احکام کی تعمیل میں ثابت قدم رہنا صبر ہے۔

محمد بن الحسین نے کہا میں نے علی بن عبداللہ البصری سے سنا کہ شبلی سے ایک شخص نے پوچھا صبر کرنے والوں پر کس سے صبر کرنا زیادہ سخت ہوتا ہے؟ شبلی نے کہا اللہ کی اطاعت اور عبادت میں صبر کرنا' اس نے کہا نہیں! شبلی نے کہا اللہ کی خاطر صبر کرنا! اس نے کہا نہیں! شبلی نے کہا اللہ کے ساتھ صبر کرنا! اس نے کہا نہیں' شبلی نے کہا پھر کس چیز پر صبر کرنا سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے؟ اس نے کہا اللہ کے فراق پر صبر کرنا' یہ سن کر شبلی نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ لگتا تھا کہ ان کی روح نکل گئی ہے۔

بعض نے کہا اپنے نفسوں کو اللہ کی اطاعت پر صابر رکھو' اپنے دلوں کو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی مصیبتوں پر صابر رکھو اور اپنی روحوں کو اللہ سے ملاقات کے شوق پر صابر رکھو۔ (الرسالۃ القشیر یہ ص ۲۲۱۔ ۲۱۹ ملتقطا' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صوفیاء کے نزدیک شکر کی تعریفات

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تعریف اور تحسین کی جائے' پس بندہ اللہ کا شکر ادا کرے تو اس کے احسان کا ذکر کر کے اس کی حمد و ثناء کرے' اور اللہ سبحانہ بندہ کا شکر کرے تو اس کے احسان کا ذکر کر کے اس کی تحسین فرمائے اور بندہ کا احسان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے اور اللہ سبحانہ کا بندہ پر احسان یہ ہے کہ وہ اس پر انعام اور اکرام کرے اور اس کو شکر ادا کرنے کی توفیق دے۔

زبان سے شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے' اعضاء سے شکر یہ ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کرے' دل سے شکر یہ ہے کہ ہر وقت اس کی صفات کے مطالعہ اور ذات کے مشاہدہ میں حاضر رہے۔

علماء کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام پہنچائیں' عابدوں کا شکر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادت میں زیادہ مشغول رہیں' عارفین کا شکر یہ ہے کہ وہ ہر حال میں استقامت پر رہیں۔

ابوبکر وراق نے کہا نعمت کا شکر ہے منعم کا مشاہدہ کرنا اور اپنے آپ کو محروم ہونے سے محفوظ رکھنا۔

ابوعثمان نے کہا اپنے آپ کو شکر کی ادائیگی سے عاجز پانا شکر ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ شکر کی ادائیگی پر شکر کرنا بڑا شکر ہے۔ پھر اس شکر کی ادائیگی پر شکر کرنا اس سے بھی بڑا شکر ہے' علیٰ ہذا القیاس۔

جنید نے کہا شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس کی نعمت کا اہل نہ پاؤ۔

بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو موجود پر شکر کرتا ہے' اور شکور وہ ہے جو نعمت کے مفقود ہونے پر شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو اللہ سے ملاقات پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو مسترد ہونے پر بھی شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو نفع پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو منع پر شکر کرتا ہے' اور بعض نے کہا شاکر وہ ہے جو عطا پر شکر کرتا ہے اور شکور وہ ہے جو بلا پر شکر کرتا ہے۔ ابوعثمان نے کہا عام لوگ کھانے پینے اور پہننے کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور خواص دلوں پر وارد ہونے والے معانی پر شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے اللہ! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں کیونکہ تیری نعمت پر شکر ادا کرنا یہ بھی نعمت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا: اے اللہ! تو نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور ان پر متعدد انعامات فرمائے انہوں نے تیرا شکر کیسے ادا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے یہ جان لیا کہ انعامات میں نے کیے ہیں' سو میرا شکر ادا ہو گیا۔

سہل بن عبداللہ سے کسی نے کہا رات کو چور میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا مال و متاع لے گیا' سہل نے کہا اللہ کا شکر کرو' اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو کر تمہارا ایمان چرا لیتا تو تم پھر کیا کرتے!

جنید نے کہا ایک دن سری نے مجھ سے پوچھا شکر کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا اللہ کی کسی نعمت سے اس کی کسی نافرمانی پر مدد نہ لی جائے۔ حسن بن علی حجر اسود سے لپٹ کر کہہ رہے تھے: اے اللہ تو نے مجھے نعمت دی اور مجھے شکر گزار نہ پایا اور مجھ پر مصیبت طاری کی تو مجھے صبر کرنے والا نہ پایا' تو نے شکر نہ کرنے کی بناء پر مجھ سے نعمت چھینی نہیں اور صبر نہ کرنے کی وجہ سے سختی نہیں کی' اے اللہ! تو کریم ہے اور کریم کرم کرنے کے سوا اور کیا کرتا ہے! حضرت نوح علیہ السلام کو عبد شکور اس لیے فرمایا کہ وہ بیت الخلاء سے آتے وقت یہ دعا کرتے تھے **الحمد لله الذی اذا قنی لذته و ابقی فی جسدی منفعته و اخرج عنی اذاه** ۔(الرسالۃ القشیریہ ص ۲۱۳-۲۱۱ ملتقطاً' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

معتدل لوگوں کا بیان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب کوئی موج انہیں سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے۔ الآیۃ (لقمان: ۳۱)

موج واحد ہے اور اس کو سائبانوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ وہ جمع ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر موج کے بعد دوسری موج آتی ہے' اور وہ بھی سائبانوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔

اور فرمایا جب اللہ انہیں خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض معتدل ہیں' یعنی انہوں نے سمندری طوفان میں گھرتے وقت اللہ سے جو نذر مانی تھی اور جو عہد و پیمان کیا تھا اس کو پورا کرتے ہیں اور وہ توحید کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

جب مکہ فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ چار آدمیوں کے سوا کسی کو قتل نہ کریں' عکرمہ بن ابی جہل' عبد اللہ بن خطل' قیس بن ضبابہ اور عبد اللہ بن ابی سرح' رہے عکرمہ تو وہ سمندر کے سفر پر روانہ ہو گئے' سمندر میں طوفان آ گیا تو کشتی والوں نے کہا اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کیونکہ یہاں تمہارے معبود کسی کام نہیں آ سکتے' عکرمہ نے دل میں سوچا جب سمندر میں صرف اللہ دعائیں سنتا ہے تو خشکی میں بھی وہی معبود ہے' اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے اس طوفان سے سلامتی کے ساتھ نکال لیا تو میں سیدھا جا کر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا' سو میں ان کو ضرور معاف کرنے والا کریم پاؤں گا پھر وہ آپ کے پاس جا کر مسلمان ہو گئے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۲' الوسیط ج ۳ ص ۴۴۷' الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۲۴۸' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۰)

پھر فرمایا اور ہماری آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بد عہد اور سخت ناشکرا ہے' اس آیت میں ختار کا لفظ ہے:

ختر کا معنی عہد شکنی کرنا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۸۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے فدیہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کوئی فدیہ دے سکے گا' بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' پس تم کو دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں شیطان کا فریب اللہ کے متعلق دھوکے میں ڈالے O (لقمان: ۳۳)

اولاد کی وجہ سے والدین کی مغفرت کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: اے لوگو! اور اس آیت میں کافر اور مومن دونوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کے کام نہیں آ سکے گا اور نہ کوئی بیٹا باپ کے کام آ سکے گا' جب کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی وجہ سے ماں باپ کی بخشش ہو جائے گی اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں وہ دوزخ میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ (مریم:۷۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ میں داخل ہونے والا ہے' یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کن بات ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۳۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۰۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۸۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۶۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں وہ سوال کر رہی تھی اور میرے پاس اس کو دینے کے لیے ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہیں تھا' میں نے وہ کھجور اس کو دے دی' اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں میں تقسیم کر دیئے اور خود نہیں کھائی' پھر وہ کھڑی ہوئی اور چلی گئی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا آپ نے فرمایا جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش کرنے میں مبتلا ہوا وہ اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کا یہ محمل ہے کہ باپ کے گناہ بیٹے پر نہیں ڈالے جائیں گے اور نہ بیٹے کے گناہ باپ پر ڈالے جائیں گے اور نہ ایک کے گناہوں کا دوسرے سے مواخذہ کیا جائے گا' اور ان احادیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے بچوں کی موت پر صبر کرے گا اور بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کرے گا وہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی' اور بچوں کی سفارش سے وہ شخص جنت میں چلا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' یعنی قیامت کا آنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا برحق ہے' پھر فرمایا اور تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یعنی تم دنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں منہمک ہو کر آخرت کو نہ بھول جانا' اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کو ترک نہ کر دینا' کیونکہ شیطان انسان کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے وہ اس کے دل میں دنیا کے حصول کی تمنائیں ڈالتا ہے اور اس کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے' وہ شیطان کے کہنے میں آ کر گناہ کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھتا ہے' اور وہ مغفرت کی توقع دلا کر گناہوں پر اکساتا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور شیطان کے مکر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' وہی بارش نازل فرماتا ہے' اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے ○ (لقمان:۳۴)

علوم خمسہ کی نفی کی آیت کا شان نزول

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

یہ آیت دیہاتیوں میں سے الحارث بن عمرو بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر قیامت اور اس کے وقت کے متعلق سوال کیا اور کہا ہماری زمین قحط زدہ ہے' پس بارش کب نازل ہو گی؟ اور میں نے اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہے' اس کے ہاں بچہ کب پیدا ہو گا؟ اور مجھے یہ معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا ہوں' سو میں کس جگہ مروں گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے الخ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مفاتیح الغیب (غیب کی چابیاں) پانچ ہیں' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی (ازخود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۷۷' روح البیان ج ۷ ص ۱۲۳' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۶۴)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی

اس آیت میں ان علوم خمسہ کا اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ میں انحصار بیان فرمایا ہے' سو بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ ان پانچ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان پانچ چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے' ان کو' کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی مرسل' اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی کو جانتا ہے' اس نے قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا' کیونکہ اس نے قرآن مجید کی مخالفت کی' پھر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بہ کثرت غیب کا علم ہے اور اس آیت سے کاہنوں اور نجومیوں کے قول کو باطل کرنا مقصود ہے' اور زیادہ تجربہ سے انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کے پیٹ میں مذکر کا حمل ہے یا مؤنث کا' اور کبھی تجربہ اور عادت کے خلاف ہو جاتا ہے اور صرف اللہ عزوجل کا علم باقی رہ جاتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک یہودی ستاروں کے حساب کو جانتا تھا اس نے حضرت ابن عباس سے کہا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو آپ کے بیٹے کا ستارہ بتاؤں اور یہ کہ وہ دس دن بعد مر جائے گا' اور آپ موت سے پہلے نابینا ہو جائیں گے اور میں اس سال کے مکمل ہونے سے پہلے مر جاؤں گا' حضرت ابن عباس نے اس سے پوچھا اے یہودی تم کس جگہ مرو گے؟ اس نے کہا یہ میں نہیں جانتا! حضرت ابن عباس نے فرمایا اس نے سچ کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون کس جگہ مرے گا' حضرت ابن عباس جب لوٹ کر آئے تو ان کے بیٹے کو بخار چڑھا ہوا تھا' اور وہ دس دن بعد فوت ہو گیا اور سال پورا ہونے سے پہلے وہ یہودی فوت ہو گیا اور جب حضرت ابن عباس فوت ہوئے تو اس سے پہلے نابینا ہو چکے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کی احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح الغیب پانچ ہیں ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے' اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہو گا' اللہ کے سوا ان پیٹوں کو کوئی نہیں جانتا جو گھٹتے (یا بڑھتے) ہیں اور اللہ کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا کہ بارش کب ہو گی اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی شخص نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہو گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۹۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۱۳۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' بے شک وہی بارش کو نازل کرتا ہے' وہی جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا' بے حد خبر رکھنے والا ہے۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۸۲' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں' بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے' بے شک وہی بارش کو نازل کرتا ہے' وہی جانتا ہے کہ (ماؤں کے) پیٹوں میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا' بے شک اللہ بہت جاننے والا' بے حد خبر رکھنے والا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۸۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۷۹)

عبداللہ بن مسلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت پڑھی (لقمان: ۳۴)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۱۸' ج ۶ ص ۳۲۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کا محمل اور مفاتیح الغیب کا معنی

تحقیق یہ ہے کہ بعض فرشتوں' نبیوں اور خصوصاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان پانچ میں سے چار چیزوں کا علم ثابت اور واقع ہے' اس لیے اس آیت کا محمل یہ ہے کہ بغیر تعلیم کے اور بغیر کسی واسطے کے ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے' اور جن احادیث میں مخلوق سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا بھی یہی محمل ہے' اور جن احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے سو مفاتیح الغیب سے مراد ہے ان پانچ چیزوں کا کلی علم بایں طور کہ ان پانچ چیزوں کی ہر ہر جزی کا علم ہو اور ان پانچ چیزوں کی کوئی جزی بھی اس علم سے خارج نہ ہو' مثلاً ابتداء آفرینش سے قیامت تک تمام ہونے والی بارشوں کا علم ہو' اور تمام انسانوں' حیوانوں' چرندوں' پرندوں' درندوں اور حشرات الارض کی ماداؤں کے پیٹ میں کیا ہے اس کا علم ہو' اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کل کیا کرے گا' اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کس جگہ مرے گا' ایسا علم محیط صرف اللہ عزوجل کو ہے اور یہ علم کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں اسی طرح حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا: پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے' اس کا یہی محمل ہے' اور ان پانچ چیزوں کی چابیوں سے یعنی ان پانچ چیزوں کے علم کلی سے بعض جزئیات کا علم مخلوق کو بھی عطا کیا گیا ہے اور جس مخلوق کا جتنا زیادہ مرتبہ ہے اس کو اتنی زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے۔

بارش کے نزول کا علم

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی اس کا علم بھی صرف اللہ کو ہے اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے' ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے:

ثُمَّ يَأْتِي مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيهِ يَعۡصِرُوۡنَ ۝ (یوسف: ۴۹)

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی اور اس سال انگور کا رس بھی خوب نچوڑیں گے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں:

امام شافعی نے کتاب الام میں اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر میں المطلب بن حنطب سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔ (مسند شافعی' بیروت ص ۸۲' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' دار احیاء التراث العربی' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا

نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے۔ (یہ حدیث ہر چند کہ صراحتاً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے)۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۰۳' الدر المنثور ج ۱ ص ۹۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہو گی جب تک کہ اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۲ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۱)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور یاجوج ماجوج کا تفصیل سے ذکر فرمایا اس کے اخیر میں ہے: پھر اللہ کے نبی اور ان کے اصحاب دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو صبح کو وہ یک لخت مرجائیں گے' پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی گندگی اور بدبو سے خالی نہیں ہوگی' پھر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند پرندے بھیجے گا یہ پرندے ان لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پھینک دیں گے' پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جو زمین کو دھو دے گی اور ہر گھر خواہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہو یا کھال کا خیمہ ہو وہ آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۶-۴۰۷۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸' ج ۴ ص ۱۸۱)

ماؤں کے رحم کا علم

قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی بشارت دی اور حضرت سارہ کے پیٹ میں لڑکے کی خبر دی:

قَالُوْا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ (الذاریات: ۲۸)

فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں اور ان کو علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

اس بشارت کا ذکر الحجر: ۵۳ میں بھی ہے۔

اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحیٰی کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى. (آل عمران: ۳۹)

پس فرشتوں نے زکریا کو ندا کی جب کہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کو اللہ یحیٰی کی بشارت دیتا ہے۔

اور حضرت جبریل نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (مریم: ۱۹)

جبریل نے کہا میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

اور فرشتوں کو بتلا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ کہتا ہے اے رب! یہ نطفہ ہے' اے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے' پھر جب وہ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے یہ مذکر ہے یا مونث؟ یہ بد بخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کی مدت حیات کتنی ہے' پھر وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴۶)

اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن پیدا ہوں گے۔

قابوس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں آپ کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے' آپ نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے' عنقریب فاطمہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی' پھر حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسین یا حضرت حسن پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت قثم بن عباس کے ساتھ ان کو دودھ پلایا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۹۲۳' مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث:۶۱۸۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی پیٹ کی خبر دی کہ ان کی بنت خارجہ سے ایک بیٹی پیدا ہونے والی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو اپنے غابہ کے مال سے بیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں' پھر جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا: اے بیٹی! مجھے اپنے بعد تمام لوگوں کی بہ نسبت تمہارا خوش حال ہونا سب سے زیادہ پسند ہے' اور اپنے بعد تمہارا تنگ دست ہونا مجھ پر سب سے زیادہ شاق ہے' اور میں نے تم کو درخت پر لگی ہوئی کھجوروں میں سے بیس وسق کھجوریں دی تھی' اگر تم ان کھجوروں کا اندازہ کر کے درختوں سے توڑ لیتیں تو وہ تمہاری ہو جاتیں' اب آج کے دن وہ وارث کا مال ہے' (وفات کے وقت) اور اب تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں' اب تم اس مال کو کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا' حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے کہا: اے میرے ابا جان! اگر یہ مال اس سے بہت زیادہ بھی ہوتا تو میں اس کو چھوڑ دیتی مگر میری بہن تو صرف ایک ہے' اور وہ حضرت اسماء ہیں تو دوسری بہن کون سی ہیں؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا وہ ان کی زوجہ بنت خارجہ سے پیدا ہوں گی۔ (موطاء امام مالک رقم الحدیث:۱۵۰۳' تنویر الحوالک ص ۵۶۰' القبس ج ۳ ص ۴۷۰)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی ۱۱۲۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق کے گمان کے مطابق ان کی زوجہ بنت خارجہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام ام کلثوم تھا۔

(شرح الزرقانی علی الموطاء ج ۴ ص ۶۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابوعمر ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی لکھا ہے کہ بنت خارجہ ان کی زوجہ تھی اس سے ایک لڑکی ام کلثوم پیدا ہوئی۔

(الاستذکار ج ۲۲ ص ۲۹۸' مطبوعہ دار قتیبہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

کل کا اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کاری کر کے غلہ جمع کریں' پھر اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ○ (یوسف: ۴۸۔۴۷)

یوسف نے کہا تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوا اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے ○ اس کے بعد سات سخت قحط کے سال آئیں گے وہ تمہارے ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے سوا اس تھوڑے سے غلے کے جس کی تم حفاظت کرو گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق بتایا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ (یوسف: ۴۱)

اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے، تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قیامت تک بلکہ دخول جنت اور دخول نار تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہم کو ابتداء آفرینش سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲)

اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

لا عطين الراية غدا يفتح الله على يديه.

کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۰۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶)

اور آپ نے بدر میں کفار کے مقتول ہونے کے متعلق فرمایا:

هكذا مصرع فلان ان شاء الله غدا.

ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ گرے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

اور آپ نے فرمایا:

منزلنا غدا ان شاء الله بخيف بني كنانه.

کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بن کنانہ میں ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱)

مرنے کی جگہ کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا تمہیں سولی دی جائے گی (یوسف: ۴۱) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی، اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا۔

نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے گزرے، ان کی مجلس میں ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے وہ

ان میں سے ایک شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے' اس شخص نے حضرت سلیمان سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ ملک الموت ہے' اس نے کہا لگتا ہے کہ یہ میری روح قبض کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے اڑا کر لے جائے اور ہندوستان کے کسی شہر میں پہنچا دے' حضرت سلیمان نے ایسا کر دیا' پھر ملک الموت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا جو اس شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس پر تعجب تھا کہ مجھے ہندوستان کے ایک شہر میں اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ یہاں آپ کے پاس موجود تھا۔

(الکشاف ج ۳ص ۵۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو البرکات نسفی متوفی ۷۱۰ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور شیخ قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ' نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے' علامہ آلوسی نے اس روایت کا مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے لیکن مصنف میں یہ روایت نہیں ہے۔

(مدارک علی حامش الخازن ج ۳ص ۴۷۴' روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰' فتح البیان ج ۵ص ۳۱۲)

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے متعلق فرمایا یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳)

قیامت کا علم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں مہدی کا ظہور ہو گا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰) اور فرمایا قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دآبۃ الارض کا ظہور ہوگا' سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی' اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱) اور آپ نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہو گی (فضائل الاوقات للبیہقی ص ۴۴۱) اور یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے دن قیامت آئے گی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴) اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ (الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۲)

آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا' حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۔ (الاعراف: ۱۸۷) قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ (الشعراء: ۲۰۲) ان کے سروں پر قیامت اچانک آجائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مصدق بن کر آئے تھے اس کے مکذب بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات' بلا واسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے' اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں کو بھی ہے اور نبیوں اور رسولوں

کو بھی ہے اور اولیاء اللہ کو بھی ہے' اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

علوم خمسہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا کرنے کے منافی نہیں ہے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ جاننا چاہیے کہ ہر غیب کا علم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے' اور مغیبات کا حصر ان پانچ چیزوں میں نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ کے غیر سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی اس لیے کی ہے کہ کفار اور مشرکین ان کے متعلق بہ کثرت سوال کرتے تھے۔

اور لوگوں کو ان کے جاننے کا اشتیاق تھا' علامہ قسطلانی نے کہا کہ ان پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا حالانکہ غیب تو غیر متناہی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ کی تخصیص دوسرے عدد کی نفی نہیں کرتی۔

علامہ قسطلانی کی بیان کردہ توجیہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض پسندیدہ بندوں کو ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کے علم پر مطلع فرمادے' اور یا اللہ تعالیٰ اس کو ان پانچ چیزوں کا اجمالی علم عطا فرمادے اور جو علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے وہ علم محیط ہے جو ان پانچ چیزوں کے ہر ہر احوال کو مکمل تفصیل کے ساتھ شامل ہے۔

الجامع الصغیر میں یہ حدیث ہے پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۹۶۳) علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے اس کی شرح میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا ان پانچ چیزوں کا علم کسی کو علیٰ وجہ الاحاطہ والشمول نہیں ہے' یعنی ایسا علم جو ان پانچ چیزوں کی تمام جزئیات کو محیط اور شامل ہو' اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خواص کو ان پانچ چیزوں کی بعض جزئیات کا علم عطا فرمادے کیونکہ وہ قابل شمار جزئیات ہیں اور معتزلہ جو اس کا انکار کرتے ہیں وہ محض ہٹ دھرمی ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۶ ص ۳۰۹۷-۳۰۹۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' ۱۴۱۸ھ)

فیض القدیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں' ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان پانچ چیزوں اور دیگر غیوب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غیوب کی خبریں دینے میں کوئی تعارض نہیں ہے' اسی طرح علامہ قسطلانی نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ بارش نازل فرمانا چاہتا ہے تو جو فرشتے بارش نازل کرنے پر مامور ہیں ان کو مطلع فرماتا ہے اور وہ ان جگہوں پر بادلوں کو ہانک کرلے جاتے ہیں اور ان کو علم ہوتا ہے کہ بارش کب ہو گی اور کس جگہ ہو گی' اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو یہ جان لیتا ہے کہ یہ بچہ مذکر ہے یا مونث ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں لکھ دیتا ہے اس کا رزق کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے اور یہ شقی ہے یا سعید ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبریں دینا اور فرشتوں کو ماؤں کے رحموں کا علم ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ غیب کا علم اور خصوصاً ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور اسی میں منحصر ہے' کیونکہ اللہ عزوجل کے ساتھ وہ علم خاص ہے جو علم کلی ہے اور ہر ہر جزئی کو محیط اور شامل ہے' لہٰذا فرشتوں کو جو علم ہے اور بعض خواص کو جو علم دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے' اور ملا علی قاری نے شرح شفا میں کہا ہے کہ ہر چند کہ اولیاء اللہ پر بعض چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں لیکن ان کا علم یقینی نہیں ہوتا اور ان کا الہام ظنی ہوتا ہے' اور نجومیوں کا علم تو بہت بعید ہے

(اسی طرح الٹرا ساؤنڈ اور دیگر آلات سے جو ماں کے پیٹ کا حال معلوم ہو جاتا ہے اس کا بھی اس آیت سے معارضہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ علم آلات کے واسطے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم بلا واسطہ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قیامت کا علم عطا فرمایا ہے وہ غایت اجمال میں ہے اگرچہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں آپ کا علم بہت کامل ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کا علم کامل طریقہ پر عطا فرمایا ہو لیکن آپ نے کسی کو اس پر مطلع نہ فرمایا ہو اور اللہ سبحانہ نے کسی حکمت کی وجہ سے آپ پر یہ واجب کر دیا ہو کہ آپ اس علم کو مخفی رکھیں اور یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو لیکن میرے پاس اس بات کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰۔۱۶۸ ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۸۴۔۴۶۹ میں علم غیب پر مفصل بحث کی ہے اور آپ کے علم غیب علم ما کان و ما یکون اور علم قیامت کے متعلق چھیاسی احادیث ذکر کی ہیں اور ہر ہر حدیث کو متعدد کتب حدیث کے حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب عطا فرمایا تھا وہ علم کا ایسا عظیم سمندر ہے جس کا تصور بھی ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

نیز علوم خمسہ کے متعلق بھی ہم نے تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۶۱۔۴۴۱ میں مفصل بحث کی ہے تاہم اس مقام کی اہمیت اور اس کی خصوصیت کے پیش نظر ہم اس مبحث کے بعض اقتباسات کو قارئین کی ضیافت طبع کے لیے دوبارہ پیش کر رہے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم خمسہ و علم روح وغیرہ دیئے جانے کے متعلق جمہور علماء اسلام کی تصریحات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم المالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

فمن ادعی علم شئی منها غیر مسند الی رسول الله صلی الله علیه وسلم کان کاذبا فی دعواه. (المفہم ج ۱ ص ۱۵۶ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر ان پانچ چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی، علامہ ابن حجر عسقلانی، ملا علی قاری اور شیخ عثمانی نے بھی اپنی شروح میں علامہ قرطبی کی اس عبارت کو ذکر کیا ہے: (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰ فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۴ ارشاد الساری ج ۱ ص ۱۳۸ مرقات ج ۱ ص ۶۵ فتح الملہم ج ۱ ص ۱۷۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

قال بعضهم لیس فی الآیة دلیل علی ان الله لم یطلع نبیه علی حقیقة الروح بل یحتمل ان یکون اطلعه ولم یامره انه یطلعهم وقد قالوا فی علم الساعة نحو هذا والله اعلم.

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ (سورۃ بنی اسرائیل کی) آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا، بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو، قیامت کے علم کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ احمد قسطلانی الشافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ زرقانی ''المواہب'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقد قالوا فی علم الساعة وباقی الخمس المذكورة فی اية ان الله عنده علم الساعة (نحو هذا) يعنى انه علمها ثم امربكتمها.

(شرح المواہب اللدنیہ ج۱ص۲۶۵)

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورہ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم الى انه صلى الله عليه وسلم اوتى علم الخمس ايضا وعلم وقت الساعة والروح وانه امربكتم ذالك.

اور بعض علماء نے یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(شرح الصدور ص۳۱۹' مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ ج۲ص۳۳۵' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ صاوی مالکی لکھتے ہیں:

قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من الدنيا حتى اطلعه الله على تلك الخمس ولكنه امره بكتمها. (تفسیر صاوی ج۳ص۲۱۵)

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی' جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرما دیا' لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔

اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

لم يقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى علم كل شئ يمكن العلم به.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ (روح المعانی ج۱۵ص۱۵۴)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ويجوز ان يكون الله تعالى قد اطلع حبيبه عليه الصلوة والسلام على وقت قيامها على وجه كامل لكن لاعلى وجه يحاكى علمه تعالى به الا انه سبحانه اوجب عليه صلى الله تعالى عليه وسلم كتمه لحكمة ويكون ذلك من خواصه عليه الصلوة والسلام وليس عندى ما يفيد الجزم بذلك.

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقوع وقت قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الٰہی کا اشتباہ ہو' لاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو' لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی ج۲۱ص۱۱۳)

امام رازی لکھتے ہیں:

عالم الغيب فلا يظهر على غيبه المخصوص وهو قيام القيامة احد اثم قال بعده لكن من ارتضى من رسول. (تفسیر کبیر ج۱۰ص۶۷۸)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

علامہ علاؤ الدین خازن نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ (تفسیر خازن ج ۴ص ۳۱۹)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

والجواب ان الغيب ههنا ليس للعموم بل مطلق او معين هو وقت وقوع القيمة بقرينة السياق ولا يبعدان يطلع عليه بعض الرسل من الملئكة او البشر. (شرح المقاصد ج ۵ص ۶' طبع ایران)

اور جواب یہ ہے کہ یہاں غیب عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ مطلق ہے یا اس سے غیب خاص مراد ہے یعنی وقت وقوع قیامت' اور آیات کے سلسلہ ربط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے خواہ وہ رسل ملائکہ ہوں یا رسل بشر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وحق آنست کہ در آیت دلیلے نیست بر آنکہ حق تعالی مطلع نگر دانیده است حبیب خود راصلی الله علیه وسلم بر ماهیت روح بلکه احتمال دارد که مطلع گردانیده باشد و امرنکرد اورا که مطلع گرداند ایں قوم راو بعضی از علماء در علم ساعت نیز ایں معنی گفته اندالی ان قال ولے گوید بنده مسکین خصه الله بنور العلم و الیقین وچگونه جرات کند مومن عارف که نفی علم به حقیقت روح سید المرسلین و امام العارفین صلی الله علیه وسلم کند و داده است اورا حق سبحانه علم ذات و صفات خودوفتح کرده بروے فتح مبین از علوم اولین و اخرین روح انسانی چه باشد که درجنب حقیقت جامعه وے قطره ایست از دریائے ذره از بیضائے فافهم وبالله التوفيق. (مدارج النبوۃ ج ۲ص ۴۰)

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا حکم آپ کو نہ دیا ہو۔ اور بعض علماء نے علم قیامت کے بارے میں بھی یہی قول کیا ہے' اور بندہ مسکین (اللہ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی کیسے نفی کر سکتا ہے وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں' ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حیثیت ہے۔ آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

سید عبدالعزیز دباغ عارف کامل فرماتے ہیں:

وكيف يخفى امر الخمس عليه صلى الله عليه وسلم والواحد من اهل التصرف من امته الشريفة لا يمكنه التصرف الا بمعرفة هذه الخمس.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہوگا' حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحب تصرف نہیں ہو سکتا جب تک اس کو ان پانچ چیزوں کی معرفت نہ ہو۔ (الابریز ص ۴۸۳)

علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

لا يعلم متى تقوم الساعة الا الله الا من ارتضى من رسول فانه يطلعه على من يشاء من

کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دے

غیبه والولی تابع له یاخذ عنه. دیتا ہے۔ (یعنی وقت قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں) رہے اولیاء
(ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۷۸) وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی کے تفحص اور تتبع سے حسب ذیل حوالہ جات ہیں:

علامہ بیجوری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

لم یخرج صلی الله علیه وسلم الدنیا الا بعد ان اعلمه الله تعالی بهذه الامورای الخمسة.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچوں غیبوں کا علم دے دیا۔

علامہ شنوانی نے جمع النہایہ میں اسے بطور حدیث بیان کیا ہے کہ:

قد وردان الله تعالی لم یخرج النبی صلی الله علیه وسلم حتی اطلعه علی کل شئی.

بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزماں سید شریف عبد العزیز مسعود حسنی رضی اللہ عنہ سے راوی:

هو صلی الله تعالی علیه وسلم لا یخفی علیه شئی من الخمس المذکورة فی الایة الشریفة وکیف یخفی علیک ذالک والاقطاب السبعة من امته الشریفة یعلمونها وهم دون الغوث فکیف بالغوث فکیف بسید الاولین والاخرین الذی هو سبب کل شئی ومنه کل شئی.

یعنی قیامت کب آئے گی' مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے' کل کیا ہوگا۔ فلاں کہاں مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آیہ کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہیں اور کیونکر یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ ہیں حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے۔ غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(خالص الاعتقاد ص ۴۳' مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی' کراچی)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں علوم خمسہ کے انحصار کی خصوصیت کا باعث

سورۃ لقمان کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان: ۳۴)

بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم' اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو رحموں میں ہے' اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا' اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا' بے شک اللہ ہی جاننے والا' (جسے چاہے) خبر دینے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہر چیز کا ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ مشرکین ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے اس لیے بتایا گیا کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کے کاہنوں اور نجومیوں کو ان کا علم ہے اس لیے بتایا گیا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان پانچ چیزوں کا شمار کیا گیا ہے' حالانکہ تمام مغیبات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے' روایت ہے کہ دیہاتیوں میں سے حارث بن عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا اور یہ کہ ہماری زمین خشک ہے میں نے اس میں بیج ڈالنے ہیں' بارش کب ہوگی؟ اور میری عورت حاملہ ہے اس کے پیٹ میں مذکر ہے یا مؤنث' اور مجھے گزشتہ کل کا تو علم ہے لیکن آئندہ کل میں کیا کروں گا؟ اور مجھے یہ علم تو ہے کہ میں کس جگہ پیدا ہوا ہوں لیکن میں کہاں مروں گا؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز اہل جاہلیت نجومیوں کے پاس جا کر سوال کرتے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ نجومیوں کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے' اور اگر کاہن غیب کی کوئی خبر دے اور کوئی شخص اس کی تصدیق کرے تو یہ کفر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ دین کا کفر کیا۔

اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام غیب کی خبریں دیتے ہیں تو ان کا یہ خبر دینا' وحی' الہام اور کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم دینے سے ہوتا ہے' لہٰذا ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ان غیوب پر انبیاء' اولیاء اور ملائکہ کے سوا اور کوئی مطلع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ . (جن: ۲۷۔۲۶)

(اللہ) غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو اس نے پسند فرما لیا' جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اور بعض غیوب وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ خاص کر لیا' جن کی اطلاع کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو' جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ . (الانعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں' اس کے سوا (بذات خود) انہیں کوئی نہیں جانتا۔

قیامت کا علم بھی انہی امور میں سے ہے' اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے علم کو مخفی رکھا' لیکن صاحب شرع کی زبان سے اس کی علامتوں کو ظاہر فرما دیا' مثلاً خروج دجال' نزول عیسیٰ اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' اسی طرح بعض اولیاء نے بھی الہام صحیح سے بارش ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے' اسی طرح ابوالعزم اصفہانی شیراز میں بیمار ہو گئے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے طرطوس میں موت کی دعا کی ہے اگر بالفرض شیراز میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ (یعنی ان کو یقین تھا کہ ان کی موت طرطوس میں آئے گی) وہ تندرست ہو گئے اور بعد میں طرطوس میں ان کی وفات ہوئی' اور میرے شیخ نے بیس سال پہلے اپنی موت کا وقت بتا دیا تھا اور وہ اپنے بتائے ہوئے وقت پر فوت ہوئے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۰۵۔۱۰۳' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ' کوئٹہ)

حرفِ آخر

آج مورخہ ۳ رجب ۱۴۲۳ھ/ گیارہ ستمبر ۲۰۰۲ء بہ روز بدھ بعد نماز ظہر سورۃ لقمان کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۲ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی گئی تھی اور گیارہ ستمبر ۲۰۰۲ء کو یہ مکمل ہو گئی' اس طرح ۲۹ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوئی' اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد اور بے پناہ احسان ہے کہ میری کمزوری ناتوانی اور خرابی صحت اور مختلف النوع مصروفیات کے باوجود کم وقت میں اس سورت کی تفسیر کو مکمل کروا دیا۔ الٰہ العلمین! آپ اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائیں اور اس کو عام مسلمانوں کے لیے فیـ

آفریں اور نفع آور بنا دیں اور قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی اپنے فضل و احسان سے مکمل کرا دیں' میرے تمام گناہوں کو معاف فرما دیں اور محض اپنے فضل سے جنت' اپنا دیدار اور اپنی رضا عطا فرمائیں اور دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين شفيع المذنبين سيدنا محمد وعلى آله واصحابه وازواجه وذريته اجمعين.

سُورَةُ السَّجدَةِ

(۳۲)

سُورَةُ الاَحزَابِ

(۳۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

سورة السجدة

سورت کا نام

اس سورۃ کا نام السجدۃ ہے کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں اس بات پر مومنین کی تعریف اور تحسین کی گئی ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (السجدہ: ۱۵)

ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کو جب بھی ان آیتوں کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

سورۃ السجدہ کے فضائل میں احادیث

امام ابن الضریس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (الم) السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام النحاس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے سورۃ السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے سوا افمن کان مومنا (۲۰-۱۸) تین آیتوں کے۔ (الدر المنثور ج ٦ ص ٤٧٠' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں (الم تنزیل) السجدۃ اور هل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۲۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیده الملک پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۲' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۱' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۰۵۴۲)

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ المنجیہ (نجات دینے والی سورت) کی تلاوت کیا کرو' اور وہ الم تنزیل ہے' کیونکہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کی تلاوت کرتا تھا اور اس کے علاوہ اور کسی سورت کی تلاوت نہیں کرتا تھا' اور وہ گناہ بہت کرتا تھا' اس سورت نے اس شخص کے اوپر اپنے پر پھیلا دیئے اور کہا اے میرے رب! اس کی مغفرت فرما دے' یہ میری

قرأت بہت کرتا تھا' تو رب نے اس سورت کی شفاعت اس شخص کے متعلق قبول کرلی' اور فرمایا اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۰۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

خالد بن معدان بیان کرتے ہیں کہ الم تنزیل اپنے پڑھنے والے کی قبر میں وکالت کرے گی اور کہے گی اے اللہ! اگر میں تیری کتاب سے ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما' اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور یہ سورت ایک پرندہ کی مانند ہو گی اور اپنے پر اس شخص پر پھیلا دے گی' اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جائے گا اور تبارک الذی کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے' اور خالد بن معدان ان دونوں سورتوں کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۱' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ السجدہ کی سورۃ لقمان سے مناسبت

(۱) سورۃ لقمان میں توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اس کے بعد قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا تھا اور یہ عقائد کی پہلی دو اصلیں ہیں اور اس سورت کی ابتداء عقائد کی تیسری اصل سے کی گئی ہے وہ رسالت ہے:

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (السجدة: ۳-۱)

الف لام میم ۝ بلاشبہ اس کتاب کا نازل کرنا رب العلمین کی جانب سے ہے ۝ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے بلکہ وہ آپ کے رب کی جانب سے برحق ہے تاکہ آپ اس قوم کو (عذاب سے) ڈرائیں جس کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔

(۲) سورۃ لقمان کی بعض آیتوں کی سورۃ السجدہ میں تشریح ہے' سورۃ لقمان میں فرمایا تھا اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے (لقمان: ۳۴) اور اس سورت میں قیامت کے دن کی مدت بیان فرمائی:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (السجدة: ۵)

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس دن اس کی طرف رجوع کرتا ہے جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

(۳) سورۃ لقمان میں فرمایا تھا وینزل الغیث (لقمان: ۳۴) اور اس سورت کی تشریح فرمائی:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۚ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (السجدة: ۲۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر اس سے نباتات پیدا کرتے ہیں جس کو ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود (بھی) کھاتے ہیں کیا وہ غور نہیں کرتے۔

(۴) نیز سورۃ لقمان میں فرمایا تھا ویعلم ما فی الارحام (لقمان: ۳۴) اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے رحموں میں ہے اور اس سورت میں فرمایا:

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ (السجدة: ۷)

جس نے ہر چیز کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی۔

سورۃ السجدۃ' سورۃ النمل کے بعد اور سورۃ نوح سے پہلے نازل ہوئی ہے' اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر

(۷۵) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر بتیس (۳۲) ہے۔

سورۃ السجدۃ کے مشمولات

(۱) اس سورت کی ابتداء اس سے کی گئی ہے کہ قرآن مجید' اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت برحق ہے۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی تخلیق اور اس کی ربوبیت پر تفصیل سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

(۳) مجرموں اور کافروں اور اطاعت گزار مومنوں کی دنیا اور آخرت کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) یہ بتایا ہے کہ نافرمانوں اور اطاعت گزاروں کا انجام مساوی نہیں ہوسکتا۔

(۵) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں مشابہت بیان کی گئی ہے' اور اس سے آپ کی رسالت پر متنبہ کیا گیا ہے۔

(۶) پچھلی امتوں کے منکروں پر جو عذاب نازل کیا گیا تھا اس سے اس زمانہ کے منکروں کو ڈرایا گیا ہے۔

(۷) اس سورت کے اول اور آخر میں توحید' رسالت اور حشر ونشر کے عقائد پر بحث کی گئی ہے۔

سورۃ السجدۃ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے اس دعا کے ساتھ اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برحق چیزوں کو مجھ پر منکشف فرمائے اور ان کی تحریر اور تقریر عطا فرمائے' اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان کا غلط اور باطل ہونا مجھ پر منکشف فرمائے اور ان کو رد کرنے کا حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' کراچی۔ ۳۸

۴ رجب ۱۴۲۳ھ/۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء

فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

سورۃ السجدۃ مکیۃ ۳۲ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — آیاتہا ۳۰ رکوعاتہا ۳

سورۃ السجدہ مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے — اس میں تیس آیتیں، تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ اَمْ

الف، لام، میم ○ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے ○ کیا یہ

یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ۚ بَلْ ہُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ

منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ

اَتٰىہُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّہُمْ یَہْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰہُ الَّذِیْ

(اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت قبول کرلیں ○ اللہ ہی ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ

جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا،

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ

پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا، اسے چھوڑنے کے بعد نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنے والا،

اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴﴾ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ

پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○ وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، پھر

یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾

وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ○

ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶﴾ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ

وہی عالم الغیب ہے اور عالم الظاہر ہے، بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اسی نے ہر چیز

کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ

کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی ○ پھر ایک حقیر

نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۞۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ

پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی O پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے

رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا

روح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم

تَشْكُرُوْنَ ۞۹ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ

شکر ادا کرتے ہو O اور انہوں نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری

خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۞۱۰

از سر نو پیدائش ہو گی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں O

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے،

تُرْجَعُوْنَ ۞۱۱ ع

پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

ع ۱ / ۱۱ ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام میم O یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے O کیا یہ منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت قبول کرلیں O (السجدہ: ۳۔۱)

الف لام میم کے نکات

الف لام میم O کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف کا مخرج حلق کا آخر ہے، اور لام اوسط مخارج ہے اور میم شفوی ہے اور یہ ہونٹوں سے نکلتا ہے اور اول مخارج ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو اپنی عمر کے اول، اوسط اور آخر تمام ادوار میں اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار رہنا چاہیے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف سے اعلام کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی خبر دینا، اور لام سے لزوم کی طرف اشارہ ہے اور میم سے اللہ کی ملکیت کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ سب پر اس کی عبادت لازم ہے اور سب اس کے مملوک ہیں اور سب پر اس کی اطاعت لازم ہے خواہ وہ اس کی اطاعت خوشی سے کریں یا ناخوشی سے۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الف سے الفت کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نے اپنے احباء کے دلوں میں اپنے

قرب کی الف ت ڈال وی ہے اور لام سے اپنی لقاء اور ملاقات کی طرف اشارہ ہے یعنی اس نے اپنے احباء اور دوستوں کے لیے اپنی لقاء اور ملاقات کا ذخیرہ کر رکھا ہے اور میم سے ان کی مراد کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کے احباء نے اپنی مراد کو اللہ تعالیٰ کی مراد میں فنا کر رکھا ہے' ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں' ان کی وہی خواہش ہوتی ہے جو اللہ کی مشیت اور اس کی مرضی ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی مختلف النوع ہدایات

یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے' یعنی اس کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل کی کہ لوگوں پر اس کی تلاوت کی جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ اگر وہ اس کتاب کے احکام پر عمل کریں گے تو دنیا میں ان کی تعریف اور تحسین ہوگی اور آخرت میں ان کو اجر و ثواب ملے گا' اور اگر وہ اس کتاب کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو دنیا میں ان کو ملامت کی جائے گی اور ان کی مذمت ہوگی اور وہ ایک صالح معاشرہ کے رکن نہیں بن سکیں گے اور آخرت میں ان پر عتاب اور عذاب ہوگا' اور جو عباد خواص ہیں وہ اس کتاب کے اسرار پر عمل کر کے اپنے دلوں کو تجلیات الٰہیہ کے لیے آئینہ بنالیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔

اس اشکال کا جواب کہ اہل عرب کے پاس تو پہلے بھی کئی ...... رسول اور عذاب سے ڈرانے والے آئے تھے

اور فرمایا تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت کو قبول کرلیں۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اہل مکہ کے پاس حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی نہیں آیا اور کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تو یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طویل عرصہ تک اس قوم کے پاس کوئی ڈرانے والا اور کوئی نبی اور رسول نہیں بھیجا' نیز یہ مفروضہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ (الفاطر: ۲۴)

اور کوئی امت ایسی نہیں تھی جس میں کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

نیز فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۗ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ (النحل: ۳۶)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو' پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی' سو تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب والوں کی طرف بھی ڈرانے والے اور رسول بھیجے گئے تھے۔

عرب کے لوگوں کو شرک اور کفر پر عذاب سے ڈرانے کے لیے سب سے پہلے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھیجا گیا تھا' پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مبعوث کیا گیا جن کا زمانہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی

ہزار برس پہلے ہے' ان کے بعد جو آخری پیغمبر سرزمین عرب میں مبعوث کیے گئے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے' وہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو ہزار برس پہلے تھے۔

اس لیے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک سرزمین عرب میں کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافی مدت سے عرب والوں کے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

اس طویل عرصہ میں ہر چند کہ عرب والوں کے پاس عمل کرنے کے لیے کوئی مکمل شریعت نہ تھی اور ان کے پاس ایک صالح حیات گذارنے کے لیے دستور عمل نہ تھا' لیکن یہ حقیقت انہیں معلوم تھی کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' وہ الوہیت اور تخلیق میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں مانتے تھے وہ عبادت اور پرستش میں بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے' عرب والوں کا اصل دین' دین ابراہیم تھا' عمرو بن لحی نام کے ایک شخص نے عرب میں بت پرستی کی بدعت شروع کی تھی' اس کے باوجود عرب کے مختلف علاقوں میں ایسے لوگ تھے جو بت پرستی کے مخالف تھے اور توحید کا پرچار کرتے تھے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل زمانے میں قس بن ساعدہ الایادی' امیہ بن ابی الصلت' سوید بن عمرو المصطلقی' زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور ایسے کئی حضرات موحد تھے ان کو حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ اگر آپ صرف قریش مکہ کے رسول ہیں ..... تو پھر اہل کتاب کے لیے رسول نہیں ہیں

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف قریش مکہ اور امیین کے رسول ہیں جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی رسول نہیں آیا تھا اور آپ ان اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے رسول نہیں ہیں کیونکہ ان کے پاس تو اللہ کے عذاب سے بہت ڈرانے والے انبیاء بنی اسرائیل آچکے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کی تخصیص کرنے سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۴) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اور کسی کو نہ ڈرائیں یا ان کو ڈرانے کا حکم نہیں دیا گیا' اس طرح جب یہ فرمایا'' آپ (اللہ کے عذاب سے) اس قوم کو ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا'' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اہل کتاب کو نہ ڈرائیں یا ان کو وعظ اور نصیحت نہ کریں' اور قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ آپ نے اہل کتاب کو بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کو وعظ فرمایا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ (المائدہ: ۱۸)

اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' آپ کہیے پھر وہ تم کو تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دے گا؟ بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو' وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا' اور تمام آسمان اور زمینیں اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المائدہ:۱۹)

ملکیت ہے اور اس کی طرف (تم سب نے) لوٹنا ہے۔

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس رسولوں کی آمد منقطع ہونے کے بعد ہمارے رسول آ گئے ہیں جو تمہارے لیے (احکام) بیان کر رہے ہیں' تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر (ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا) نہیں آیا تو اب تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ پہنچا ہے' اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ (آل عمران:۷۰)

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں کفر کر رہے ہو حالانکہ تم ان کی گواہی دیتے تھے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران:۷۱)

اے اہل کتاب! تم حق اور باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور حق کو چھپا رہے ہو! حالانکہ تم جانتے ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا' اسے چھوڑنے کے بعد نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنے والا' پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ۝ (السجدہ:۴)

جن چھ دنوں میں دنیا بنائی گئی ان کی تفصیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا' اور اتوار کے دن زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور پیر کے دن درختوں کو پیدا کیا اور منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور زمین پر چلنے والے جانداروں کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور تمام مخلوق کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا' حضرت آدم کو جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات کے وقت کے درمیان میں پیدا کیا گیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

منگل کے دن کو منحوس سمجھنے کی تحقیق

اس حدیث میں ہے منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا' قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ التقن کو منگل کے دن پیدا کیا (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

التقن سے مراد ہے سخت اور مضبوط چیزیں' مثلاً لوہا اور دیگر معدنیات جن سے کار معاش میں مدد حاصل ہوتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کی اصلاح اور مضبوطی ہو اس کو تقن کہتے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۲۱' مطبوعہ دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے' ان دونوں چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا گیا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۱ ص ۶۹۶۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

چونکہ اس حدیث میں ہے کہ منگل کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا گیا ہے اسی وجہ سے بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ منگل کا دن منحوس ہوتا ہے اور وہ اس دن میں کام کاج شروع کرنے میں بدشگونی لیتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا: منگل کے دن کی نسبت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا

چوری ہو جائے گا۔

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں علامہ حامد آفندی سے سوال کیا گیا کہ:

آیا دن اور رات میں سے کوئی دن یا رات سفر کرنے کے لیے یا کہیں منتقل ہونے کے لیے کوئی ساعت منحوس یا نا مبارک ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا جو شخص کسی دن کے منحوس ہونے کے متعلق سوال کرے اس کو جواب دینے کے بجائے اس سے اعراض کیا جائے' اور اس کے اس فعل کو جہالت قرار دیا جائے اور اس کی مذمت کی جائے' کیونکہ یہ یہود کا طریقہ ہے اور مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے' جو اپنے خالق اور پیدا کرنے والے پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں بعض دنوں کے مایوس کن ہونے کے متعلق روایات ہیں وہ سب باطل اور جھوٹ ہیں' اس سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۲ص ۳۶۷' المطبعہ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

بعض ایام کو منحوس اور نا مبارک سمجھنے کو یہودیوں کا طریقہ اس لیے قرار دیا ہے کہ جب بنی اسرائیل پر کوئی مصیبت آتی تو وہ اس کو حضرت موسیٰ کی نحوست کہتے تھے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱)

پس جب ان پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے' سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ کے نزدیک (ثابت) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

کسی چیز کو منحوس سمجھنے اور اس سے بدشگونی لینے کے متعلق احادیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا بدشگونی شرک ہے' حضرت ابن مسعود نے کہا ہم میں سے ہر شخص کو بدشگونی عارض ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس سے سخت ناپسندیدگی آتی ہے لیکن اللہ پر توکل اس کو زائل کر دیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۰' مسند احمد ج ۱ص ۳۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸' جامع الاصول رقم الحدیث: ۵۸۰۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ کوئی مرض (از خود) متعدی ہوتا ہے نہ (کسی چیز میں) کوئی بدشگونی ہے اور مجھ کو فال پسند ہے' صحابہ نے پوچھا فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھی بات۔ نیک بات۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱' مسند احمد ج ۳ص ۱۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۵۸۰۳)

نحوست اور بدشگونی کے متعلق ہم نے مفصل بحث تبیان القرآن ج ۴ص ۲۷۹۔۲۷۰ میں کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ○ وہی عالم الغیب اور عالم الظاہر ہے' بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (السجدۃ: ۶۔۵)

اللہ تعالیٰ کے تدبیر کرنے کا معنی

اس آیت میں یدبر کا لفظ ہے اور وہ تدبیر سے بنا ہے' تدبیر کا معنی ہے کسی کام کے نتیجہ اور انجام میں غور و فکر کرنا' اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے کسی کام کو مقدر کرنا اور اس کے اسباب مہیا کرنا' علامہ قرطبی نے عبد

الرحمان بن سابط سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی تدبیر کرنے والے چار فرشتے ہیں: جبریل' میکائیل' ملک الموت اور اسرائیل صلوات اللہ علیہم اجمعین' رہے جبریل تو وہ ہواؤں اور لشکروں پر مامور ہیں' اور میکائیل رزق کی فراہمی اور بارش نازل کرنے پر مقرر ہیں' اور ملک الموت کے ذمہ روحوں کو قبض کرنا ہے' اور رہے اسرافیل تو ان کا کام حوادث کو نازل کرنا ہے' ایک قول یہ ہے کہ تدبیر کا مقام عرش الٰہی ہے اور عرش کے نیچے اس تدبیر کے مطابق کارروائی ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۸۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات کی اسباب سماویہ مثلاً فرشتوں کے ذریعہ تدبیر کرتا ہے' اور تدبیر کی اپنی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلہ میں بندوں کی تدبیر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الا لہ الخلق و الامر (الاعراف: ۵۴) ''سنو چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کے لیے احکام کو نافذ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے'' اور پیدا کرنے اور احکام نافذ کرنے سے ہی عظمت ظاہر ہوتی ہے' کیونکہ جس سلطان کی کئی ملکوں پر حکومت ہو اور ان ملکوں میں اسی کے حکم پر عمل کیا جاتا ہو اس کی سطوت' شوکت اور ہیبت دلوں پر بیٹھ جاتی ہے۔

ایک ہزار سال میں اللہ تعالیٰ کی طرف کاموں کے چڑھنے کے محامل

اس کے بعد فرمایا: پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔ آیت کی اس حصہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ عرش اور لوح محفوظ سے قضاء و قدر کے احکام زمین پر نازل فرماتا ہے اور زمین پر وہ احکام نافذ ہوتے ہیں' جیسے موت اور حیات' صحت اور مرض' عطا اور منع کرنا' غنا اور فقر' جنگ اور صلح' عزت اور ذلت وغیرہ' اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں کرتا ہے اور اپنے تصرفات کو نافذ فرماتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ عرش سے زمین پر فرشتوں کی وساطت سے اپنے احکام شرعیہ کو نافذ فرماتا ہے' پھر فرشتے ان احکام کے مطابق بندوں کے کیے ہوئے اعمال کو مقبول کرانے کے لیے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں' اور زمین سے آسمان دنیا کی مسافت پانچ سو سال کا عرصہ ہے اور ان کے اترنے اور چڑھنے کی مسافت دنیا والوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اگرچہ فرشتے یہ مسافت ایک دن سے بھی کم میں طے کر لیتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ روزانہ حادث ہونے والے معاملات کی تدبیر لوح محفوظ میں مقرر فرما دیتا ہے پھر فرشتے ان کو لے کر زمین پر اترتے ہیں پھر اس کی رپورٹ لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں جو فی نفسہٖ ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن وہ بہت کم وقت میں چڑھتے ہیں۔

(۴) فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور ان پر اخلاص سے عمل کرنے والے چونکہ بہت کم ہوتے ہیں اس لیے کافی مدت کے بعد ان کے اعمال کو لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔

(۵) اہم اور عظیم امور کے متعلق عرش عظیم سے حکم صادر ہوتا ہے اور فرشتے اس حکم کو لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور فرشتے اس کو انجام دینے کے انتظامات میں لگ جاتے ہیں اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی اسباب کو مہیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق وہ عظیم امور مدت طویلہ تک باقی رہتے ہیں' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کسی اور عظیم کام کے اسباب مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۶) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہزار سال کی تدبیریں فرشتوں کو القاء فرما دیتا ہے اور یہ اس کے نزدیک ایک دن

ہے' پھر جب فرشتے ان کو انجام دے کر فارغ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آئندہ ایک ہزار سال کی تدبیریں القا فرما دیتا ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنا ہوتا ہے اس کے مبادی اور اسباب کا سلسلہ ایک ہزار سال پہلے شروع فرما دیتا ہے پھر وہ کام اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا ہوا بہ تدریج اپنے منتہائے کمال تک پہنچتا ہے پھر اس کے جو نتائج اور آثار مرتب ہوتے ہیں وہ بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لیے چڑھتے ہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ اس کائنات کی جو تدبیر فرماتا ہے اگر انسان اور بشر اس کی تدبیر کرتے تو اس میں ایک ہزار سال لگتے۔

(۹) حضرت جبریل آسمان سے زمین کی طرف وحی لے کر آتے ہیں' پھر واپس اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں سے وحی قبول کی تھی اور یہ درحقیقت ایک ہزار سال کی مسافت ہے' کیونکہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن حضرت جبریل امین اس مسافت کو ایک دن میں طے کر لیتے ہیں۔

(۱۰) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد یوم قیامت ہو' یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے زمینوں تک تمام کائنات کی تدبیر فرماتا ہے' پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور تمام انسانوں کے اعمال آخری فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے اور یہی قیامت ہے اور یہ دن ایک ہزار سال کا ہو گا۔

پچاس ہزار سال کے دن اور ایک ہزار سال کے دن کی آیتوں میں تطبیق

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہو گا' حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج: ۴)

فرشتے اور جبریل اس کی طرف اس دن میں چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہٖ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہو گا' لیکن وہ اپنی شدت اور ہولناکی کے اعتبار سے کفار پر پچاس ہزار اور مومن پر اپنی خفت اور آسانی کے اعتبار سے صرف اتنے وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں ایک فرض نماز پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ السجدہ میں دن کی مقدار ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال فرمائی ہے اور سورۃ المعارج میں اس کی مقدار پچاس ہزار سال فرمائی ہے' مفسرین نے ان میں اس طرح تطبیق فرما دی ہے کہ زمین سے آسمان دنیا کی مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اور زمین کے آخری طبقہ سے لے کر پہلے آسمان تک یہ مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے۔

رہا یہ کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ مومن کے اوپر یہ وقت اتنی دیر میں گزرے گا جتنے وقت میں فرض نماز پڑھی جاتی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن کس قدر طویل ہو گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے یہ وقت مومن پر بہت خفیف ہو کر گزرے گا' حتیٰ کہ مومن جتنے وقت میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا یہ اس سے بھی کم وقت میں گزر جائے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۶۵۷' حافظ الہیثمی نے بھی کہا

اس کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۳۳۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۲۱۴' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰_۶۰۲۵)

امام الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں عطا اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام مخلوق کا حساب قیامت کے دن بندوں کے ذمہ کیا جاتا تو اس میں پچاس ہزار سال لگتے لیکن اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے آدھے دن میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔

محمد بن الفضل نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کا حساب فرشتوں اور جن وانس کے ذمہ لگاتا تو وہ پچاس ہزار سال میں بھی یہ حساب نہ لے پاتے' اور اللہ تعالیٰ ایامِ دنیا کی ایک ساعت میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ۵ص ۱۵۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے یہ لکھا ہے کہ مومن پر یہ وقت بہت خفیف ہو کر گزرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہو اس پر صدیاں بھی گھڑیوں کی طرح گزر جاتی ہیں اور مومن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کر رہے ہوں گے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور خوش وخرم ہوں گے' اپنے رب کی طرف محو دید ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۳_۲۲)

اور کفار پر یہ دن سخت مشکل' دشوار اور عذاب میں گزرے گا کیونکہ جو محبوب سے فراق میں ہو اس پر گھڑیاں بھی صدیوں کی طرح گزرتی ہیں اور کفار قیامت کے دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ہرگز نہیں یہ لوگ اپنے رب سے اس دن حجاب میں رکھے جائیں گے۔ (المطففین: ۱۵)

عالم الغیب کا معنی' اس کا ربط اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہی عالم الغیب اور عالم الظاہر ہے بہت غالب اور بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝ (السجدہ: ۶)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ وہ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بتایا ہے کہ وہ صرف مخلوق کی تدبیر نہیں فرماتا بلکہ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کا علم بھی رکھتا ہے اور صرف علم ہی نہیں رکھتا وہ بہت غالب بھی ہے لوگ جلوت میں کوئی عمل کریں یا خلوت میں کوئی عمل کریں اس سے کسی مخلوق کا کوئی عمل مخفی نہیں ہے' اگر وہ اس کی نافرمانی کریں یا اس سے بغاوت کریں تو وہ ان کا مواخذہ کرنے اور ان کی گرفت کرنے پر قادر ہے وہ غالب ہے ان کو ہر طرح کی سزا دے سکتا ہے' اور وہ بے حد رحم فرمانے والا ہے' اس لیے اگر بندوں سے کوئی خطا ہو جائے تو وہ مایوس نہ ہوں وہ رحیم و کریم ہے ان کی خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

اور جو بندے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی حکم عدولی نہیں کرتے وہ ان پر رحم فرمائے گا اور ان کو اپنے فضل و کرم سے اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اور کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے لیکن آپ کو بھی عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عزیز وجلیل ہیں لیکن آپ کو محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عرف میں عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو چکا ہے' اسی طرح اس کے باوجود کہ آپ کو بہت بلکہ سب سے زیادہ علوم غیبیہ عطا کیے گئے ہیں' آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے' اس

لیے آپ کو عالم الغیب کے بجائے مطلع علی الغیب کہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے ہر چیز کو حسین بنایا اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی O پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی O پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (۹۔۷)

ہر چیز اور ہر مخلوق کو حامل حسن بنانا

اس آیت میں احسن کا لفظ ہے' جس کا مصدر احسان ہے' احسان کے دو معنی ہیں' ایک معنی ہے کسی پر انعام اور افضال کرنا' اور دوسرا معنی ہے کسی انسان کا حامل حسن ہونا' خواہ یہ حسن اس کے اقوال میں ہو یا اس کے افعال میں ہو۔ یا اس کی صورت میں ہو یا اس کی حقیقت میں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حسین بنایا اس کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے تقاضے کے مطابق بنایا۔ اور ہر چیز کو حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے بنایا جانوروں کے پیر اور ان کی گردنیں لمبی بنائیں تا کہ ان پر رزق کا حصول دشوار نہ ہو' اسی طرح انسان کے تمام اعضاء اس طرح بنائے جس میں اس کی مصلحت ہو اور انسان کی تخلیق کو سب سے افضل قرار دیا۔ فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O بے شک ہم نے انسان کا حسین قوام بنایا (اس کے اجزاء (التین: ۴) ترکیبی اور اعضاء سب سے اچھے بنائے)۔

تمام جانداروں میں انسان کے جسم کی فضیلت ہے۔ انسان کے علاوہ اور کسی کی قامت سیدھی نہیں ہے' سب منہ نیچا کر کے کھاتے ہیں انسان طعام اٹھا کر منہ تک لے جاتا ہے منہ کھانے تک نہیں لے جاتا' اور یوں ہر مخلوق کو اس کی مصلحت اور اس کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت اچھا اور بہت حسین بنایا ہے۔

جو جاندار بہ ظاہر بدصورت ہیں وہ بھی اس لحاظ سے حسین ہیں کہ وہ اللہ کی تخلیق ہیں' بعض چیزیں بہ ظاہر مضر ہوتی ہیں لیکن ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے منفعت رکھی ہے' ان میں سے بعض چیزوں کی مصلحت اور ان کی افادیت کا پہلے علم نہ تھا ان کا اب علم ہو گیا ہے۔ جیسے انسان کی پنڈلیوں میں کچھ زائد اور فالتو شریانیں ہوتی ہیں اور جب انسان کے دل کی شریانیں کولیسٹرول اور چربی سے بلاک (بند) ہو جاتی ہیں اور ان سے خون کا دوران نہیں ہوسکتا تو سرجری کے ذریعہ ان ناکارہ شریانوں کے ساتھ پنڈلی کی زائد شریانوں کو نکال کر ان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے' سو ان شریانوں کی افادیت کا اب علم ہو گیا ہے اسی طرح کائنات کے اور سربستہ راز ہیں جو بہ تدریج کھل رہے ہیں اور قیامت تک اسی طرح ان کا علم ہوتا رہے گا سو اللہ نے ہر چیز میں اور ہر مخلوق میں حسن رکھا ہے' کسی چیز کا حسن آنکھوں سے نظر آتا ہے اور کسی چیز کے حسن کا عقل ادراک کرتی ہے اس کی پیدا کی ہوئی کوئی چیز حسن اور خوبی سے خالی نہیں خواہ ہم کو وہ حسن نظر آئے یا نہ آئے۔

انسان کو مٹی سے بنانا

اور فرمایا: اور انسان کی تخلیق مٹی سے کی۔ اس ارشاد کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔ اور ان کو مٹی سے بنایا ہے' دوسرا یہ کہ اس سے مراد عام انسان ہے' اور عام انسان بہ ظاہر نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے مٹی سے پیدا ہونے کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ عطا خراسانی سے روایت ہے کہ فرشتہ انسان کے مدفن سے مٹی اٹھا کر لاتا ہے اور اس کو انسان کے نطفہ پر چھڑک دیتا ہے اس سے اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۶۵' الدر المنثور ج ۵ ص ۵۱۳)۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا زمین اور مٹی کی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے تو اس طرح نطفہ کا

مآل بھی مٹی ہے اور یوں ہر انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

پانی کی ایک حقیر بوند سے انسان کو بنانا

اس کے بعد فرمایا: پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی (السجدہ:۸)
یہ نطفہ انسان کی پشت سے نچڑتا ہے اور نسل کا معنی ہے اولاد یعنی اس نچڑی ہوئی حقیر بوند سے انسان کا سلسلہ نسب چ
ہے۔

پھر فرمایا: پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور د
بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو O (السجدہ:۹)

اللہ کی طرف روح کی اضافت کا معنی

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں ضمیریں حضرت آدم کی طرف لوٹ رہی ہیں، یعنی حضرت آدم کے پتلے
کو ہموار اور معتدل کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی، اور اس کے بعد حضرت آدم کی اولاد کا ذکر کیا اور تمہارے لیے
کان آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۸۵)

اور اس کا دوسرا محمل ہے کہ یہ ضمیریں، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور انسان کی طرف لوٹ رہی ہیں اور اس آیت کا
معنی یہ ہے کہ پھر اس نطفہ کو معتدل کیا اور ماں کے رحم میں اس کے اعضاء کو مکمل کیا اور اس کی تصویر اس کی صلاحیت کے مطابق
جیسی چاہیے تھی ویسی بنائی، اور اس میں اپنی روح پھونکی، روح کی اپنی طرف اضافت اس کو مشرف کرنے کے لیے ہے جیسے بیت
اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ بہت عظیم مخلوق ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۸۸)

روح کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں روح پھونکنے کا جو ذکر ہے وہ اطلاق مجازی ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ روح کو بدن کے متعلق کر دیا، او
یہ ان کے مذہب کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ روح بدن سے مجرد ہے، اور بدن میں داخل نہیں ہے، یہ فلاسفہ اور بعض متکلمین ک
مذہب ہے، امام غزالی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اطلاق حقیقی ہے اور جو فرشتہ رحم کے ساتھ مقرر ہو
ہے اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ چار ماہ بعد جب نطفہ جسمانی صورت میں بنا دیا جائے تو پھر اس میں روح پھونک دی جائے، اور ا
طرف وہ لوگ گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ روح ہوا کی طرح جسم لطیف ہے اور اس کا بدن میں اس طرح حلول ہے، جس طر
گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے، اور ظاہر احادیث بھی اسی پر دلالت کر
ہیں اور علامہ ابن قیم جوزی نے اس پر سو دلیلیں قائم کی ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
قرآن اور حدیث میں روح کا کئی بار ذکر آیا ہے، اور اس کا کئی معانی پر اطلاق کیا گیا ہے، اور اس کا غالب اطلاق اس
پر ہے جس کے ساتھ جسم قائم ہے اور جس کے سبب سے جسم میں حیات ہے، اس کے علاوہ اس کا اطلاق، قرآن، وحی، رحمت
جبریل پر بھی کیا گیا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)
علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر انباری نے کہا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے البتہ عربی زبان میں روح کا لفظ مذکر ہے اور نفس کا لفظ مؤنث ہے' فرا نے کہا روح وہ چیز ہے جس کے سبب سے انسان زندہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی روح کا علم نہیں دیا' اور ابوالہیثم نے کہا روح انسان کا سانس ہے اور جب سانس نکل جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے' اور انسان کی آنکھیں اس کو دیکھتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۱۴۷' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ خون ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں' اشعری نے کہا وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۹۴۔۳۹۳' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا روح خون ہے' اور اس کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں یا نہیں! زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح اور نفس متغایر ہیں' نفس انسانی وہ چیز ہے جس کی طرف ہم میں سے ہر شخص "میں" یا "ہم" سے اشارہ کرتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے روح اور نفس میں فرق نہیں کیا' انہوں نے کہا نفس لطیف بخاری جوہر ہے (اسٹیم اور بھاپ کی طرح ہے) جو حیات' حس اور حرکت ارادیہ کی قوت کا حامل ہے وہ اس کا نام روح حیوانی رکھتے ہیں اور یہ نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے' امام غزالی نے کہا روح ایک جوہر حادث ہے جو بنفسہٖ قائم ہے غیر متحیز ہے (یعنی وہ جگہ نہیں گھیرتا) وہ جسم میں نہ داخل ہے نہ خارج ہے وہ جسم سے متصل ہے نہ منفصل ہے' ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کی طرح ایک لطیف عضو ہے اس کی دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں' اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک لطیف عضو ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک لطیف جسم ہے اور اس کا انسان کے جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے' حکماء اور علماء متقدمین اور متاخرین کا روح کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے' وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں' اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔ (التعریفات ص ۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

روح کے مصداق میں مختلف اقوال

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ بن قیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے کہ انسان اس جسم مخصوص کا نام ہے جو اس جسم کے اندر ہے' اور اس کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) انسان ان اخلاط اربعہ (سوداء' صفراء' خون اور بلغم) کا نام ہے جن سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

(۲) انسان خون ہے۔

(۳) جسم کی بائیں جانب دل کے پاس روح لطیف ہے جو تمام اعضاء کی شریانوں میں نفوذ پذیر ہے' وہی انسان ہے۔

(۴) انسان وہ روح ہے جو قلب میں دماغ کی طرف چڑھ رہی ہے اور وہ قوت حفظ' فکر اور ذکر کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۵) وہ دل میں ایک غیر منقسم جز ہے۔

روح کی صحیح تعریف

روح ایک ایسا جسم ہے جس کی ماہیت اس جسم محسوس کی مخالف ہے' وہ جسم نورانی علوی خفیف ہے' زندہ ہے متحرک ہے جو تمام اعضاء میں نفوذ کرتا ہے اور اس کا ان اعضاء میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا گلاب میں حلول ہے اور تیل کا زیتون میں' اور آگ کا انگارہ میں حلول ہے۔ اور جب تک اس جسم لطیف کا ان اعضاء میں حلول رہتا ہے ان اعضاء سے حس اور حرکت ارادیہ کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' اور جب اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے یہ اعضاء فاسد ہو جائیں اور حس اور حرکت ارادیہ کے آثار قبول نہ کر سکیں تو روح بدن سے نکل جاتی ہے اور عالم ارواح کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مذکور الصدر روح کے متعلق چھٹا قول ہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں' کتاب' سنت' اجماع صحابہ' دلائل عقلیہ اور فطریہ سے روح کی یہی تعریف ثابت ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے' بدن میں حلول کرنے' منتقل ہونے اور درد اور لذت ..... کا ادراک کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت' اور جنہیں موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے' پھر جن کی موت کا فیصلہ فرما چکا ہے' ان (کی روحوں) کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک میعاد معین تک چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے' ان کو روک لیتا ہے اور ان کو چھوڑ دیتا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم ہے اس کو پکڑا' روکا اور چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ ایک لطیف جسم ہے جو پہلے جسم میں تھی پھر اس کو پکڑ کر جسم سے نکال لیا گیا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ۔ (الانعام: ۹۳)

اور اگر آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اب اپنی روح کو نکالو! آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح کو پکڑنے کے لیے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائیں گے اور یہ تب ہو گا جب روح جسم ہو' اور کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو' اور یہ جب ہو گا کہ روح کا جسم میں حلول ہو اور روح کو اس دن عذاب ہو گا اور عذاب درد کے ادراک کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح میں ادراک کی صلاحیت ہے۔ نیز اس آیت کے بعد میں فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (الانعام: ۹۴) آج تم ہمارے پاس الگ الگ آئے ہو' اس سے معلوم ہوا کہ روحیں آتی جاتی ہیں' یہ کل سات دلائل ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۔ (الانعام: ۶۰)

اور وہی ہے جو رات میں تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے اور اس کو علم ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر وہ تم کو دوبارہ اٹھائے تاکہ میعاد معین پوری کی جائے۔

نیز فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ۝ (الانعام: ۶۱)

حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ بالکل کوتاہی نہیں کرتے۔

ان آیتوں میں تین دلیلیں ہیں (۱) فرشتے رات کو روحوں کو عارضی طور پر قبض کرتے ہیں (۲) دن میں ان روحوں کو واپس جسموں میں لوٹا دیتے ہیں (۳) موت کے وقت فرشتے روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ اور یہ تبھی ہو گا جب روح جسم لطیف ہو اور اس کا جسم میں حلول ہو اب یہ دس دلیلیں ہو گئیں۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۝ (الفجر: ۳۰۔۲۷)

اے مطمئن روح○ تو اپنے رب کی طرف اس کیفیت میں لوٹ جا کہ تو اس سے خوش ہو' وہ تجھ سے خوش ہو○ سو تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا○ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ان آیتوں میں بھی چار دلیلیں ہیں (۱) روح کو لوٹنے کا حکم دیا (۲) خاص بندوں میں داخل ہونے کا حکم دیا (۳) اور اس کو خوش ہونے کا حکم دیا (۴) اور اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ یہ چودہ دلیلیں ہو گئیں کہ روح جسم ہے وہ آتی جاتی ہے' حکم سنتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے اور مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ روح کو قبض کیا جاتا ہے اور آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ یہ اس کے جسم ہونے کی دلیل ہے اور کل سولہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک روح' دوسری روح سے (خواب میں) ملاقات کرتی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۵۔۲۱۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۷)

اس حدیث میں خواب میں روح کی روح سے ملاقات کا ذکر ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زندوں کی روحیں اور مُردوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتی ہیں۔ یہ سترہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب چاہے تمہاری روحیں (نیند میں) قبض فرما لیتا ہے اور جب چاہے واپس فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸۵' عالم الکتب)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں روحوں کو قبض کرنا اور ان کو واپس کرنا' یہ ان کے جسم ہونے اور جسم میں حلول کی دلیلیں ہیں اب انیس دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۷۔۴۵۶ طبع قدیم)

(۴) انسان وہ روح ہے جو قلب میں دماغ کی طرف چڑھ رہی ہے اور وہ قوت حفظ' فکر اور ذکر کی صلاحیت رکھتی ہے۔
(۵) وہ دل میں ایک غیر منقسم جز ہے۔

روح کی صحیح تعریف

روح ایک ایسا جسم ہے جس کی ماہیت اس جسم محسوس کی مخالف ہے' وہ جسم نورانی علوی خفیف ہے' زندہ ہے متحرک ہے جو تمام اعضاء میں نفوذ کرتا ہے اور اس کا ان اعضاء میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا گلاب میں حلول ہے اور تیل کا زیتون میں' اور آگ کا انگارہ میں حلول ہے۔ اور جب تک اس جسم لطیف کا ان اعضاء میں حلول رہتا ہے ان اعضاء سے حس اور حرکت ارادیہ کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں' اور جب اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے یہ اعضاء فاسد ہو جائیں اور حس اور حرکت ارادیہ کے آثار قبول نہ کر سکیں تو روح بدن سے نکل جاتی ہے اور عالم ارواح کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔
مذکور الصدر روح کے متعلق چھٹا قول ہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں' کتاب' سنت' اجماع صحابہ' دلائل عقلیہ اور فطریہ سے روح کی یہی تعریف ثابت ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے' بدن میں حلول کرنے' منتقل ہونے اور درد اور لذت ..... کا ادراک کرنے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت' اور جنہیں موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے' پھر جن کی موت کا فیصلہ فرما چکا ہے' ان (کی روحوں) کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک میعاد معین تک چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے' ان کو روک لیتا ہے اور ان کو چھوڑ دیتا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم ہے اس کو پکڑا' روکا اور چھوڑا جا سکتا ہے اور یہ ایک لطیف جسم ہے جو پہلے جسم میں تھی پھر اس کو پکڑ کر جسم سے نکال لیا گیا۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ۔ (الانعام: ۹۳)

اور اگر آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اب اپنی روح کو نکالو! آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح کو پکڑنے کے لیے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائیں گے اور یہ تب ہوگا جب روح جسم ہو' اور کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو' اور یہ جب ہوگا کہ روح کا جسم میں حلول ہو اور روح کو اس دن عذاب ہوگا اور عذاب درد کے ادراک کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح میں ادراک کی صلاحیت ہے۔ نیز اس آیت کے بعد میں فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی (الانعام: ۹۴) آج تم ہمارے پاس الگ الگ آئے ہو اس سے معلوم ہوا کہ روحیں آتی جاتی ہیں' یہ کل سات دلائل ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۔ (الانعام: ۶۰)

اور وہی ہے جو رات میں تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے اور اس کو علم ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر وہ تم کو دوبارہ اٹھائے گا تاکہ میعاد معین پوری کی جائے۔

نیز فرمایا:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ○ (الانعام: ۶۱)

حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی ایک کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ بالکل کوتاہی نہیں کرتے۔

ان آیتوں میں تین دلیلیں ہیں (۱) فرشتے رات کو روحوں کو عارضی طور پر قبض کرتے ہیں (۲) دن میں ان روحوں کو واپس جسموں میں لوٹا دیتے ہیں (۳) موت کے وقت فرشتے روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ اور یہ تبھی ہو گا جب روح جسم لطیف ہو اور اس کا جسم میں حلول ہو' اب یہ دس دلیلیں ہو گئیں۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ (الفجر: ۳۰۔۲۷)

اے مطمئن روح ○ تو اپنے رب کی طرف اس کیفیت میں لوٹ جا کہ تو اس سے خوش ہو' وہ تجھ سے خوش ہو ○ سو تو میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ان آیتوں میں بھی چار دلیلیں ہیں (۱) روح کو لوٹنے کا حکم دیا (۲) خاص بندوں میں داخل ہونے کا حکم دیا (۳) اور اس کو خوش ہونے کا حکم دیا (۴) اور اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ یہ چودہ دلیلیں ہو گئیں کہ روح جسم ہے وہ آتی جاتی ہے' حکم سنتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔

روح کے جسم لطیف ہونے اور مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۸۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ روح کو قبض کیا جاتا ہے اور آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ یہ اس کے جسم ہونے کی دلیل ہے اور کل سولہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک روح' دوسری روح سے (خواب میں) ملاقات کرتی ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۵۔۲۱۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۷)

اس حدیث میں خواب میں روح کی روح سے ملاقات کا ذکر ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زندوں کی روحیں اور مُردوں کی روحیں خواب میں ملاقات کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتی ہیں۔ یہ سترہ دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب چاہے تمہاری روحیں (نیند میں) قبض فرما لیتا ہے اور جب چاہے واپس فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸۵' عالم الکتب)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں روحوں کو قبض کرنا اور ان کو واپس کرنا' یہ ان کے جسم ہونے اور جسم میں حلول کی دلیلیں ہیں اور اب انیس دلیلیں ہو گئیں۔

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۷۔۴۵۶ طبع قدیم)

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں مومن کی روح کو پرندہ فرمایا اور درخت کے ساتھ لٹکا ہوا فرمایا۔ اب اکیس دلیلیں ہوگئیں۔

شہداء کی روحوں کو جنت کا رزق ملنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آل عمران: ۱۶۹ کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا: آپ نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں' وہ جہاں سے چاہتے ہیں جنت میں چرتے ہیں' پھر ان قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے' تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے' وہ کہتے ہیں کس چیز کی خواہش کریں' ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہاں جا کر چر لیتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۱)

اس حدیث میں چھ دلیلیں ہیں (۱) روحیں پرندوں کے پیٹ میں ہیں (۲) وہ جنت میں چرتی ہیں (۳) جنت کا پھل کھاتی ہیں اور جنت کے دریا سے پانی پیتی ہیں (۴) وہ قندیلوں میں لوٹ جاتی ہیں اور وہیں بسیرا کرتی ہیں (۵) اللہ تعالیٰ ان سے کلام فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا جواب دیتی ہیں (۶) وہ دنیا میں واپس جانے کو طلب کرتی ہیں تا کہ پھر شہید ہوں۔

یہ ستائیس دلیلیں ہوئیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مقام الغابہ میں اپنا مال لینے کے لیے گیا' مجھے رات ہوگئی تو میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچا میں نے قبر سے اتنی حسین آواز سنی کہ اس سے پہلے میں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی' یہ قرآن پڑھنے کی آواز تھی میں اس آواز سے مانوس ہوگیا اور میں صبح تک قرأت سنتا رہا' پھر میں نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا یہ عبداللہ بن عمرو تھے' اے طلحہ! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل نے شہداء کی روحوں کو قبض کیا اور ان کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھا اور اس قندیل کو جنت کے وسط میں رکھ دیا جب رات آتی ہے تو ان کی روحیں وہیں لوٹا دی جاتی ہیں جہاں پر وہ تھیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۶۱)

اس حدیث میں مزید چار دلیلیں ہیں (۱) روحوں کا قندیل میں ہونا (۲) ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا (۳) قبر کے پاس قرآن پڑھنا (۴) ان کا کسی مکان میں پہنچنا۔

مومن اور کافر کی روحوں کو قبر میں ان کے جسموں میں داخل کرنا

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم ایک قبر کے پاس بیٹھے' اس کی لحد بنائی جا رہی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کھرچ رہے تھے' آپ نے سر اٹھا کر فرمایا عذاب قبر سے پناہ طلب کرو' یہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا' پھر آپ نے فرمایا جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے' اس سے کہا جاتا ہے اے شخص! تیرا رب کون ہے' تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے۔ ھناد نے کہا اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے' وہ اس سے پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے! وہ پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! وہ پوچھتے ہیں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے کتاب اللہ میں پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑ

کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آتی ہے اور اس کے لیے وہ جگہ منتہائے نظر تک کھول دی جاتی ہے اور فرمایا کافر کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے لیے دوزخ کا فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوا اور اس کی تپش آئے گی' اور اس پر قبر تنگ کر دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کر دیا جائے گا اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہو گا کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی کا ڈھیر ہو جائے' پھر وہ اس کو اس گرز سے مارے گا اور اس کی چیخ کو جن اور انس کے سوا تمام مشرق اور مغرب والے سنیں گے' وہ مردہ مٹی ہو جائے گا اور اس میں اس کی روح پھر لوٹا دی جائے گی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ روح کو جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔

مومن اور کافر کی روحوں کی ان کے جسموں سے نکلنے کی کیفیت اور ان کے برزخی حالات اور ان کا باہمی فرق

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت زیادہ تفصیل سے مسند احمد میں ہے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے' ہم قبر تک پہنچے' جب لحد بنائی جا رہی تھی' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے' گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے تھے' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے' آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو' پھر آپ نے فرمایا: جب بندہ مومن کے دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف روانہ ہونے کا وقت آتا ہے تو سفید چہرے والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں' گویا کہ ان کے چہروں میں آفتاب ہو' ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ منتہائے بصر تک اس بندہ مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں' اور کہتے ہیں اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل۔ پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں' پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے' پھر پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو فرشتے نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کو کفن میں رکھ دیتے ہیں' اور اس میں خوشبو لگا دیتے ہیں' اور اس سے مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو آتی ہے اور روئے زمین پر ایسی خوشبو نہیں ہوتی' پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' پھر وہ جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے' تو دنیا میں اس روح کا جو سب سے اچھا نام لیا جاتا تھا وہ نام ذکر کر کے فرشتے اس روح کا تعارف کراتے ہیں' حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں' پھر اس آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اسی طرح وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں' تب اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے اس بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو' اور اس روح کو زمین پر لوٹا دو' کیونکہ میں نے اس کو زمین (مٹی) سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے اس کو دوبارہ اٹھاؤں گا' آپ نے فرمایا: پھر اس کی روح دوبارہ اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی' پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور

اس سے کہیں گے تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے' پھر فرشتے اس سے کہیں گے تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے' پھر فرشتے اس سے کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' فرشتے کہیں گے تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہے گا میں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے سو میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دو' آپ نے فرمایا پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی' اور اس کے لیے قبر میں منتہاء بصر تک وسعت کر دی جائے گی' پھر اس کے پاس ایک حسین شخص خوب صورت کپڑے پہنے ہوئے اور اچھی خوشبو لگائے ہوئے آئے گا اور کہے گا جس دن سے تم کو ڈرایا جاتا تھا آج تمہیں اس دن کی آسانی مبارک ہو! وہ بندہ مومن کہے گا! تم کون ہو اور تم کتنے حسین چہرے والے ہو' وہ شخص کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں' وہ بندہ مومن کہے گا: اے میرے رب! ابھی قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں! آپ نے فرمایا اور جب بندہ کافر پر دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس سخت موٹا ٹاٹ ہوتا ہے' وہ منتہاء بصر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور اس بندہ کافر سے کہتا ہے: اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف نکل' پھر وہ روح اس کے جسم میں متفرق جگہ بکھر جاتی ہے' فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم سے اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں جس طرح بھیگے ہوئے اون سے سلاخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' ملک الموت اس کی روح کو پکڑ لیتا ہے اور فرشتے اس کو پکڑتے ہی پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتے اور فوراً اس کو اس موٹے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں وہ روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ سخت بدبو ہوتی ہے' وہ اس روح کو لے کر جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ کیسی خبیث روح ہے! تو فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام لیتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے برا نام تھا' حتیٰ کہ اس کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔(الاعراف: ۴۰)

کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے صحیفہ اعمال کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ دو پھر اس روح کو پھینک دیا جائے گا' پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۔(الحج: ۳۱)

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس وہ گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اس کو پرندے جھپٹ کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو کسی دور دراز جگہ پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے پس وہ اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر وہ اس سے کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر وہ کہیں گے یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا' وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا! پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس

دوزخ کی تپش اور اس کی گرم ہوا آئے گی اور اس پر قبر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جائیں گی۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا۔ جس کے کپڑے بھی بہت برے ہوں گے اور وہ سخت بدبو دار ہوگا وہ کہے گا تم کو مبارک ہو آج وہ برا دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا وہ کافر کہے گا تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ کتنا بدصورت ہے؟ وہ کہے گا میں تمہارا خبیث عمل ہوں! تو وہ کہے گا: اے میرے رب ابھی قیامت قائم نہ کرنا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۳۷، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲۔۳۸۰، مطبوعہ کراچی، ۱۴۰۶ھ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۵۸۸، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷ طبع قدیم، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۴۴۳، جدید دارالحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ، الشریعۃ للآجری رقم الحدیث ۸۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ابوداؤد الطیالسی رقم الحدیث: ۷۵۳۰، المستدرک ج ۱ ص ۵۳ قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۳۰۲، جدید۔ حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۴۔۲۷۰، دار ابن کثیر ۱۴۱۴ھ، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۸ قدیم، علامہ قرطبی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، التذکرہ ج ۱ ص ۱۹۳۔۱۹۱، دارالبخاری ۱۴۱۷ھ، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۴۴، قدیم، حافظ ابن قیم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، کتاب الروح ص ۴۱۔۳۹، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔۴۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۶۳۰، شرح الصدور ص ۵۶۔۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۴ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۹۳۶، ۴۲۵۱۲۔۴۲۵۱۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ریشم کے کپڑے میں مشک اور پھولوں کا گلدستہ لاتے ہیں اور اس کے جسم سے روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف نکلو تم اس سے خوش وہ تم سے خوش، پھر اس روح کو اس کپڑے میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۴ قدیم، رقم الحدیث: ۳۴۱۰ جدید)

علامہ ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ اس حدیث کے فوائد کے بیان میں لکھتے ہیں:

(۱) ملک الموت مومن کی روح سے کہتا ہے یایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة اس سے معلوم ہوا کہ روح خطاب کو سنتی اور سمجھتی ہے (۲) اس حدیث میں ہے اے روح تو اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل (۳) اس حدیث میں ہے وہ روح جسم سے اس طرح بہتی ہوئی نکلتی ہے جس طرح پانی کا قطرہ مشک سے نکلتا ہے (۴) اس میں ہے کہ فرشتے پلک جھپکنے کے لیے بھی اسے نہیں چھوڑتے اور فوراً اس روح کو پکڑ لیتے ہیں (۵) اس میں ہے کہ وہ مشک سے معطر کیے ہوئے کفن میں اس کو رکھ دیتے ہیں اور اس پر خوشبو لگاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ روح کو کفن میں رکھا جاتا ہے اور اس پر خوشبو لگائی جاتی ہے (۶) اس میں ہے کہ پھر اس روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے (۷) پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس سے ملاقات کرتے ہیں (۸) اس میں ہے کہ اس روح سے مشک سے زیادہ اچھی خوشبو آتی ہے (۹) اس میں ہے کہ اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (۱۰) ہر آسمان پر مقرب فرشتے اس روح کا استقبال کرتے ہیں حتیٰ کہ اسے اس کے رب کے پاس پہنچا دیتے ہیں (۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو زمین کی طرف لے جاؤ (۱۲) پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی (۱۳) کافر کی روح کے متعلق فرمایا پھر اس کی روح اس کے جسم میں بکھر جائے گی اور فرشتے اس کی روح کو کھینچ کر نکالیں گے (۱۴) اس روح سے جو بدبو آئے گی وہ روئے زمین پر سب سے سخت بدبو ہوگی (۱۵) اس روح کو آسمان سے اٹھا کر زمین کی طرف پھینک دیا جائے گا (۱۶) جب فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کے

پاس سے گزریں گے تو فرشتے کہیں گے کہ یہ کیسی سخت بدبو ہے(۱۷) فرشتے اس کو قبر میں بٹھا کر پوچھیں گے کہ تم اس شخص کو کیا کہتے تھے' اگر وہ روح سے یہ کہیں گے تو پھر یہ روح سے کلام کا ثبوت ہے اور اگر وہ بدن سے کہیں گے تو یہ آسمان سے روح کے لوٹائے جانے کے بعد ہوگا(۱۸) فرشتے اس روح کے متعلق اپنے رب سے کہیں گے کہ یہ تیرا فلاں بندہ ہے(۱۹) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا اس روح کو لے جاؤ اور اس کو دکھاؤ میں نے اس کے لیے کیا معزز چیزیں تیار کی ہیں پھر مومن کی روح کو جنت اور کافر کی روح کو دوزخ دکھائی جائے گی (۲۰) مومن کی روح پر آسمان کا ہر فرشتہ صلاۃ پڑھے گا۔ پس بنو آدم جسم پر صلاۃ پڑھتے ہیں اور فرشتے روح پر صلاۃ پڑھتے ہیں (۲۱) روح قیامت تک جنت یا دوزخ کو (قبر کی کھڑکی سے) دیکھتی رہے گی' بدن تو بوسیدہ ہو کر گل جائے گا اور ان دونوں ٹھکانوں کو روح دیکھتی رہے گی' اور یہ روح کے آثار اور افعال پر ترپن دلیلیں ہوگئیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوتی ہے' جو فرشتے اس مومن پر وفات طاری کرتے ہیں وہ اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' ان کی آسمان کے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے' وہ پوچھتے ہیں تمہارے ساتھ کون ہے؟ وہ بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کے نیک اعمال بتاتے ہیں' وہ کہتے ہیں اللہ تم کو بھی زندہ رکھے اور جو تمہارے ساتھ ہے اس کو بھی زندہ رکھے' پھر اس روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس مومن کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے' پھر وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوتا ہے' اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوتی ہے' اس پر موت طاری کرنے والے فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' پھر آسمان کے نزدیک ان کی دوسرے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے' وہ پوچھتے ہیں یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ وہ بتاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے برے اعمال کا ذکر کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں اس کو واپس لے جاؤ' اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا' پھر حضرت ابوموسیٰ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔ (الاعراف: ۴۰) اور کافر جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نہ گزر جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۳۔۳۸۲' مطبوعہ کراچی' ۱۴۰۶ھ' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۰۶۰' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' کتاب الروح ص ۱۷۵' شرح الصدور ص ۶۶۔۶۵)

علامہ ابن قیم جوزی نے کہا ہے اس حدیث میں دس دلیلیں ہیں:

(۱) روح کا نکلنا (۲) اس کا خوشبو دار ہونا (۳) فرشتوں کا اس کو لے کر چلنا (۴) فرشتوں کا اس کی تعظیم کرنا (۵) فرشتوں کا روح کو پکڑنا (۶) فرشتوں کا اس کو لے کر چڑھنا (۷) اس کے نور سے آسمانوں کا روشن ہونا (۸) اس کو لے کر عرش پر پہنچنا (۹) فرشتوں کا اس کے متعلق سوال کرنا یہ کون ہے (۱۰) کافر کی روح کے متعلق فرشتوں کا یہ کہنا اس کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں لے جاؤ۔ یہ تریسٹھ دلیلیں ہوگئیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوتی ہے' آسمان والے کہتے ہیں تو پاکیزہ روح ہے زمین کی طرف سے آئی ہے' اللہ تیری مغفرت کرے' اور اس جسم کی مغفرت کرے جس میں تو آباد تھی' پھر فرشتہ اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جاتا ہے' اللہ فرماتا ہے اس کو اس کی آخری مدت تک لے جاؤ' (یعنی اس کو علیین کی طرف لے جاؤ) اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو سخت بدبو آتی ہے اور آسمان والے کہتے ہیں یہ خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۲، مشکوٰۃ شریف رقم الحدیث: ۱۶۲۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱۷۰)

اس حدیث میں روح کے جسم لطیف ہونے پر چھ دلیلیں ہیں:

(۱) روح سے فرشتے ملاقات کرتے ہیں (۲) روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں (۳) فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے (۴) فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں (۵) اس کی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے (۶) اس کو اللہ عزوجل کے پاس لے جاتے ہیں۔ اس حدیث سمیت یہ انہتر دلیلیں ہیں۔

اس نوع کی مزید احادیث ذکر کر کے علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے تیس مزید دلیلیں نکالی ہیں اور ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ روح ایک لطیف جسم ہے جس کا جسم عنصری میں حلول ہوتا ہے، اس کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے، اس کو منتقل کیا جاتا ہے یہ دیکھتی ہے، سنتی ہے، کلام کرتی ہے، مومن کی روح خوشبودار ہوتی ہے اور کافر کی روح بدبودار ہوتی ہے، اور ان میں اور بھی امتیازات ہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۸۱۔۱۷۱، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۰ھ)

روح کے مزید مباحث اور نفس اور روح کے فرق کی تحقیق کے لیے تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۹۳۔۷۸۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری از سر نو پیدائش ہوگی؟ بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں O آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے O (السجدۃ: ۱۱۔۱۰)

ضلال کے معانی

کفار قریش میں سے جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر ہماری از سر نو پیدائش ہوگی، اس آیت میں ضـلـلـنـا کا لفظ ہے اور اس کا مصدر ضلال ہے، اور ضلال کے حسب ذیل معانی ہیں۔

ضلال جب ہدایت کے مقابلہ میں ہو تو اس کا معنی ہے صراط مستقیم سے انحراف کرنا، قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ (یونس: ۱۰۸) سو جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے فائدے ہی کے لیے ہدایت کو اختیار کیا اور جس نے گم راہی کو اختیار کیا تو اس نے (انجام کار) اپنے ضرر کے لیے گم راہی کو اختیار کیا۔

شدت شوق اور زیادہ محبت کو بھی ضلال کہتے ہیں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے کہا:

اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ O (یوسف: ۹۵) بے شک آپ اپنی اسی پرانی محبت میں ہیں۔

سہو اور اجتہادی خطا پر بھی ضلال کا اطلاق کیا جاتا ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الزام دیا کہ تم نے ایک بے قصور شخص کو قتل کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا:

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ O (الشعراء: ۲۰) یہ کام میں نے سہو اور اجتہادی خطا سے کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس قبطی کو گھونسا مارا تھا جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا اس لیے آپ نے اس کو سہو اور اجتہادی خطا قرار دے کر ضلال سے تعبیر فرمایا، تاہم کسی اور شخص کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل کو ضلال کہنا جائز نہیں ہے۔

نسیان کو بھی ضلال کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے، دو عورتوں کو گواہ بنانے کی وجہ ذکر فرمائی:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى. تا کہ دو گواہ عورتوں میں سے ایک بھولے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ (البقرہ: ۲۸۲)

ضلال غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ (طٰہٰ: ۵۲) میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔

جس طرح اللہ نے ہدایت کے اسباب پیدا کیے ہیں اسی طرح اس نے گمراہی کے اسباب بھی پیدا کیے ہیں اور جب انسان خود گمراہی کے اسباب کو اختیار کرے تو ان اسباب کی تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ○ (المومن: ۷۴) اللہ اسی طرح کافروں میں گم راہی پیدا فرماتا ہے۔

یعنی جب انسان نے اپنے اختیار اور ارادہ سے گم راہی کے اسباب کو چن لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں گمراہی کو پیدا کر دیا۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۰۔ ۳۸۸ ملخصاً مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ' ملک الموت اور دیگر فرشتوں کے موت دینے کے محامل

آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ (السجدہ: ۱۱)

قرآن مجید میں وفات دینے کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کیا گیا ہے' اور ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف بھی اس کا اسناد کیا گیا ہے اور عام فرشتوں کی طرف بھی اس کا اسناد کیا گیا ہے۔

اللہ کی طرف موت طاری کرنے کا اسناد ان آیتوں میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ (الزمر: ۴۲) اللہ ہی روحوں کی موت کے وقت ان کو قبض فرمالیتا ہے' اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو ان کی نیند میں قبض فرمالیتا ہے۔

اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ. (الملک: ۲) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ. (البقرہ: ۲۵۸) وہی زندہ کرتا ہے وہی موت طاری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف موت طاری کرنے کی جو نسبت کی گئی ہے وہ خلق کے اعتبار سے ہے یعنی وہ موت کو پیدا کرتا ہے' یا اس اعتبار سے ہے کہ وہ حضرت عزرائیل اور دیگر فرشتوں کو روح قبض کرنے کا اذن دیتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل کی طرف بھی موت طاری کرنے کی نسبت کی گئی ہے' جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے:

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ. (السجدہ: ۱۱) آپ کہیے تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

ملک الموت کی طرف روح قبض کرنے کی نسبت بہ اعتبار کسب کے ہے یا اس کا روح قبض کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے تابع ہے' اور اللہ تعالیٰ کا روحوں کو قبض کرنا اور موت طاری کرنا اصالۃً اور استقلالاً ہے۔

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ملک الموت کے نزدیک تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے' وہ بغیر کسی مشقت کے جس شخص کو چاہے پکڑ لیتا ہے' وہ مشارق اور مغارب سے' مخلوق کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے' اور رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس کے مددگار ہیں' سو رحمت کے فرشتے مومنوں کے لیے ہیں اور عذاب کے فرشتے کافروں کے لیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ملک الموت کا قدم مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔
مجاہد نے کہا تمام روئے زمین ملک الموت کے سامنے ایک تھال کی طرح ہے وہ اس میں سے جو چیز چاہتے ہیں جہاں سے چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں۔
بعض روایات میں ہے کہ ملک الموت آسمان اور زمین کے درمیان ایک سیڑھی پر ہیں' ان کے مددگار انسان کی روح کو کھینچتے ہیں اور جب اس کی روح اس کے سینہ اور گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اس کو قبض کر لیتے ہیں۔
(معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹۶' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اور قرآن مجید میں فرشتوں کی طرف بھی موت طاری کرنے اور روح قبض کرنے کی نسبت کی گئی ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ○ (الانعام: ۶۱)
حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ (النحل: ۲۸)
جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں۔

ان فرشتوں کی طرف جو روح قبض کرنے کی نسبت کی گئی ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ اس معاملہ میں ملک الموت کی مدد کرتے ہیں جیسا کہ بعض آثار سے ابھی گزرا ہے کہ حضرت عزرائیل کے مددگار فرشتے انسان کی روح کو کھینچتے ہیں حتیٰ کہ جب روح نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو پھر ملک الموت اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔
ان آیات میں اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے کہ بعض انسانوں کی روح کو اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتا ہے اور بعض انسانوں کی روح کو ملک الموت قبض کرتے ہیں اور بعض کی روح کو فرشتے قبض کرتے ہیں۔

آیا ملک الموت تمام مخلوق پر موت طاری کرتے ہیں یا خاص مخلوق پر

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
امام ابن جویبر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ملک الموت علیہ السلام کو صرف مومنین کی روحیں قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے' اور ایک فرشتہ جنات میں ہے' اور ایک فرشتہ شیاطین میں ہے' اور ایک فرشتہ پرندوں اور وحوش میں' درندوں' مچھلیوں اور چیونٹیوں میں ہے' سو یہ چار فرشتے ہیں اور جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب فرشتے مر جائیں گے اور ملک الموت ان کی روحوں کو قبض کریں گے پھر وہ خود بھی مر جائیں گے اور جو سمندر کے شہداء ہیں ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتا ہے' اور ان کی کرامت کی وجہ سے اس کو ملک الموت کے سپرد نہیں کرتا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۷۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)
علامہ آلوسی نے بھی حافظ سیوطی کا حوالہ دیئے بغیر اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۹۰' دار الفکر بیروت)
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کے شہداء کے سوا تمام روحوں کو قبض کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام کو مقرر کیا ہے تو سب کی روحوں کو قبض کرنے کے وہی متولی ہیں۔ الحدیث (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۸' المسند الجامع رقم الحدیث: ۵۳۳۵)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چار ملک الموت کی روایت صحیح نہیں ہے۔
حارث بن خزرج بیان کرتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے

ملک الموت علیہ السلام کو ایک انصاری کے سرہانے بیٹھے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا اے ملک الموت! میرے صاحب کے ساتھ نرمی کرنا یہ مومن ہے' ملک الموت نے کہا آپ خوش رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں کیونکہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں' اے محمد! آپ یقین رکھیں! میں ابن آدم کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے گھر والوں میں سے کوئی چیخ کر روتا ہے تو میں اس کی روح کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہوں' اور میں سوچتا ہوں کہ یہ کیوں چیخ رہا ہے! اللہ کی قسم! ہم نے اس پر کوئی ظلم کیا ہے نہ وقت سے پہلے اس کی روح قبض کی ہے' اگر یہ اللہ کی تقدیر پر صبر کریں گے تو ان کو اجر دیا جائے گا اور اگر یہ چیخ و پکار اور واویلا کریں گے تو یہ گنہ گار ہوں گے' اور ہم نے آپ کے پاس بار بار آنا ہے سو آپ احتیاط کریں اور میں ہر دن اور ہر رات کو' ہر قسم کے گھر پر' ہر خشکی اور ہر سمندر پر اور ہر نرم جگہ اور ہر پہاڑ پر نظر رکھتا ہوں اور میں ان جگہوں کے ہر چھوٹے اور بڑے کو پہچانتا ہوں' اور اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایک مچھر کی روح بھی قبض نہیں کرتا۔ جعفر نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص نمازوں کا پابند ہو جب اس پر موت کا وقت آئے تو اس سے شیطان کو دور کر دیا جاتا ہے اور ملک الموت اس کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے اور یہ بہت عظیم حال ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۱۸۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۷۸۴' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۶)

ملک الموت پر موت کا آنا

روایت ہے کہ جب تمام مخلوق مر جائے گی اور کوئی جاندار باقی نہیں رہے گا تو ملک الموت اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے میرے رب! اب تیرے اس عبد ضعیف ملک الموت کے سوا اور کوئی زندہ نہیں بچا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ملک الموت! تو نے میرے نبیوں' رسولوں' میرے ولیوں اور میرے خاص بندوں کو موت کا مزہ چکھایا ہے اور میں عالم الغیب ہوں اور میرے علم قدیم میں یہ ہے کہ میری ذات کے سوا ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور اب تمہارے مرنے کی باری ہے' ملک الموت کہیں گے: اے اللہ! اپنے بندہ ملک الموت پر رحم اور لطف فرمانا وہ بہت کمزور ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر جنت اور دوزخ کے درمیان لیٹ جاؤ اور مر جاؤ' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک الموت مر جائیں گے۔

(روح البیان ج ۷ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ

اور اگر آپ دیکھ لیتے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب!

اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ

(اب) ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں لوٹا دے' ہم نیک عمل کریں گے اور ایمان لائیں گے (تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھتے) ○

لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے' لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا

میں ضرور جہنم کو انسانوں اور جنات سے بھر دوں گا ○ تم نے جو اس

نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينٰكُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا

دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اب تم اس کا مزہ چکھو، بے شک ہم نے (بھی) تم کو فراموش کر دیا ہے، اور تم جو کچھ کرتے تھے اس کی

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا

سزا میں دائمی عذاب چکھو ○ ہماری آیتوں پر صرف وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں جن کے سامنے جب (ہمارا) ذکر کیا جاتا ہے تو

سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰى

وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○ ان کے پہلو

السجدة ۱۵

جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۙ وَّمِمَّا

اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں، اور وہ

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ

ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں ○ سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک

أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ

کے لیے، اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے ○ تو کیا کوئی مومن کسی فاسق کی مثل ہو سکتا ہے!

فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوُونَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

وہ برابر نہیں ہیں ○ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی

وقف غفران
وقف غفران

جَنّٰتُ الْمَأْوٰى ۡ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا

مہمانی میں ان کے رہنے کے لیے جنتیں ہیں جو کچھ انہوں نے عمل کیے تھے اس کی جزا میں ○ رہے وہ لوگ جنہوں

فَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَ

نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب بھی وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو اسی آگ میں لوٹا دیا جائے

قِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾

گا، اور ان سے کہا جائے گا اب اس آگ کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے ○

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ

اور ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے، بڑے عذاب کے سوا

الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ

تاکہ وہ (کفر و نافرمانی سے) رجوع کر لیں O اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کو

بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ ع

اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے، پھر وہ ان سے اعراض کرے، بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیںO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ دیکھ لیتے جب مجرمین اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب! (اب) ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں لوٹا دے، ہم نیک عمل کریں گے اور ایمان لائیں گے (تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھتے)O اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے، لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گاO تم نے جو اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اب تم اس کا مزہ چکھو، بے شک ہم نے (بھی) تم کو فراموش کر دیا ہے، اور تم جو کچھ کرتے تھے اس کی سزا میں دائمی عذاب چکھوO (السجدہ: ۱۴-۱۲)

قیامت کے دن کفار کے ایمان لانے کا ثمر آور نہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے: یا رسول اللہ! اگر آپ منکرین حشر کا حال قیامت کے دن دیکھ لیں تو آپ بہت تعجب خیز امر دیکھیں گے۔ جب ان کا رب ان کا حساب لے گا تو وہ ندامت اور رسوائی سے اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور اس وقت یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اب ہم نے اس چیز کی صداقت کو دیکھ لیا جس کی ہم تکذیب کرتے تھے اور ہم نے تیری وعید کے صادق ہونے کو جان لیا اور ہم جن باتوں کا انکار کرتے تھے ان کو سن لیا، انہوں نے ان چیزوں کی صداقت کو اس وقت دیکھا جب اس کے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور انہوں نے اس وقت ان چیزوں کو غور سے سنا جب ان کے سننے کا کوئی فائدہ نہ تھا، پھر وہ کہیں گے اب تو ہمیں دنیا میں بھیج دے، ہم اس دین اور اس پیغام کی تصدیق کریں گے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے پاس سے لے کر آئے ہیں، اب ہمارے تمام شکوک اور شبہات زائل ہو چکے ہیں، اب ہم تیرے رسول پر ایمان لے آئیں گے، وہ کفار دنیا میں بھی سنتے اور دیکھتے تھے، لیکن وہ اس پر تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے تھے، اور اس وقت یوں لگتا تھا جیسے وہ نہ سنتے ہوں نہ دیکھتے ہوں، اور جب انہیں آخرت میں متنبہ کیا گیا تو ایسا لگا جیسے انہوں نے ابھی سنا ہو اور ابھی دیکھا ہو۔

اس کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تیری حجت برحق ہے! اب ہم نے تیرے رسولوں کی حقیقت معرفت حاصل کر لی ہے اور اب ہم نے ان کا کلام بھی غور سے سن لیا ہے، اور اب ہمیں شرح صدر ہو گیا ہے کہ ان کی صداقت کے خلاف ہمارے پاس کوئی حجت نہ تھی اور اس طرح وہ دنیا میں اپنے کفر اور باطل پر ہونے کا اعتراف کر لیں گے، لیکن اب ان کا اعتراف کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اب وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیں گے اور ایمان وہ معتبر ہے جو بن دیکھے اور غیب پر ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس پیش کش اور مطالبہ کو رد کر دے گا جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الانعام: ٢٨-٢٧)

اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب کفار دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے (تو آپ ہولناک منظر دیکھتے) جب وہ کہیں گے اے کاش ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور (پھر) ہم اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم مؤمنوں میں سے ہو جائیں گے ۝ بلکہ قرآن مجید کی وہ تصدیق ظاہر ہو جائے گی جس کو وہ پہلے (اپنے پیروں سے) چھپاتے تھے اور اگر (بالفرض) ان کو واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا ہے اور بے شک یہ ضرور جھوٹے ہیں۔

تمام جنات اور انسانوں کو ہدایت یافتہ نہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا ۝ (السجدہ: ١٣)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ہر شخص کو جبراً ہدایت دینا چاہتے تو ہم ہر شخص کو نیک اور صالح بنا دیتے' اور دنیا میں کوئی شخص کافر اور فاسق نہ ہوتا' لیکن ایسا کرنا ہماری حکمت کے خلاف تھا' ہم نے جمادات' نباتات' حیوانات اور فرشتوں میں جبری اطاعت اور عبادت رکھی ہے' اب ہم ایسی مخلوق بنانا چاہتے تھے جو اپنے اختیار اور ارادہ سے ہماری اطاعت اور عبادت کرے' اس لیے ہم نے تمہیں اختیار اور ارادہ دیا' اور دنیا میں ایمان اور کفر اور نیکی اور بدی پر ترغیب دینے والی چیزیں پیدا کر دیں اور ایمان اور نیکی کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء اور رسل کو پیدا کیا اور کفر اور معصیت کی طرف بلانے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کر دیا اور انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے' قرآن مجید میں ہے:

وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝ (البلد: ١٠)

اور ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے۔

نیز فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ١٠-٧)

نفس (انسان) اور اس کو درست بنانے کی قسم! ۝ پھر نفس (انسان) کو بدی اور نیکی کی سمجھ عطا کر دی ۝ جس نے نفس کو (گناہوں سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے نفس کو گناہوں میں ملوث کر دیا وہ ناکام ہو گیا ۝

سو جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے نیکی کا راستہ منتخب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیک افعال پیدا کر دے گا اور جو شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے برائی کا راستہ منتخب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے برے افعال پیدا کر دے گا' اور نیک افعال پر اس کو نیک جزا ملے گی اور برے افعال پر اس کو سزا ملے گی۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ زیادہ انسان اور زیادہ جنات کفر اور برے کاموں کو اختیار کریں گے اور اس کے نتیجہ میں جہنم انسانوں اور جنات سے بھر جائے گا اس لیے اس نے ازل میں ہی فرما دیا تھا میں ضرور جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ اور اللہ کا کلام واجب الصدق ہے اس کے خلاف ہونا محال ہے' اس لیے انسانوں اور جنات کے زیادہ افراد کفر اور معصیت کو اختیار کریں گے اور ایسا اس وجہ سے نہیں ہو گا کہ ازل میں اللہ کا علم اس طرح تھا بلکہ ایسا اس لیے ہو گا کہ دنیا میں زیادہ

افراد نے ایسا ہی کرنا تھا اس لیے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا علم تھا کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔

جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم کے سامنے تین چیزوں کے متعلق عذر پیش فرمائے گا (۱) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! اگر میں نے جھوٹوں پر لعنت نہ فرمائی ہوتی اور وعدہ خلافی اور جھوٹ سے بغض نہ رکھا ہوتا' اور اس پر عذاب کی وعید نہ سنائی ہوتی تو آج میں تمہاری تمام اولاد پر اس عذاب کی شدت سے رحم فرما دیتا جو میں نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے لیکن میرا یہ قول برحق ہو چکا ہے کہ اگر میرے رسولوں کی تکذیب کی گئی اور میری نافرمانی کی گئی تو میں جنات اور انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا' (۲) اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم! یقین رکھو میں تمہاری اولاد میں سے کسی ایک کو بھی دوزخ میں داخل نہیں کروں گا اور نہ کسی ایک کو دوزخ کا عذاب دوں گا مگر اس شخص کو جس کے متعلق مجھے یہ علم ہو کہ اگر میں نے اس کو دنیا میں بھیج دیا تو وہ پہلے سے زیادہ برے حال کی طرف لوٹ جائے گا اور نہ رجوع کرے گا اور نہ توبہ کرے گا' (۳) اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! میں نے تم کو اپنے اور تمہاری اولاد کے درمیان حکم بنا دیا ہے' تم میزان کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو ان کے اعمال سے کون سا پلڑا بلند ہوتا ہے' اگر ان کی خیر ان کے شر کے اوپر ایک ذرہ کی مقدار بھی بھاری ہو گئی تو ان کے لیے جنت ہو گی حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے گا کہ میں ان میں سے صرف ظالم شخص کو ہی دوزخ میں داخل کروں گا۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۸۶۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۵۵۸' اتحاف السادة المتقین ج ۱۰ ص ۵۵۹' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸' اس حدیث کی سند میں الفضل بن عیسیٰ الرقاشی کذاب ہے (الہیثمی)

اللہ تعالیٰ جس طرح جنت کو کمزوروں سے بھر دے گا اسی طرح دوزخ کو جابرہ سے بھر دے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ نے ایک دوسرے پر فخر کیا' دوزخ نے کہا اے میرے رب! میرے اندر جبابرہ' متکبرین' بادشاہ اور سردار داخل ہوں گے' اور جنت نے کہا میرے اندر کمزور' فقراء اور مساکین داخل ہوں گے' تب اللہ تعالیٰ دوزخ سے فرمائے گا: تم میرا عذاب ہو میں جس کو چاہوں گا تم سے عذاب دوں گا' اور جنت سے فرمائے گا: تم میری رحمت ہو اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے' اور تم میں سے ہر ایک کے لیے پُر ہونا اور بھرنا ہے' پھر دوزخ میں دوزخ کے لائق لوگ ڈال دیئے جائیں گے' پھر دوزخ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں؟ اس میں اور لوگ ڈال دیئے جائیں گے وہ پھر کہے گی کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آ کر اس میں اپنا قدم داخل کر دے گا تو پھر دوزخ کہے گی بس! بس! اور دوزخ کا بعض حصہ بعض سے مل جائے گا اور رہی جنت تو اس میں اتنی جگہ باقی رہ جائے گی جتنی اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ جتنی مخلوق چاہے گا پیدا فرما دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳)

دوزخ میں اللہ کے قدم ڈالنے کی توجیہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا' اللہ تعالیٰ کے قدم کے سلسلہ میں علماء کے دو مذہب ہیں:

(۱) جمہور متقدمین اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے ہمارا اس کے قدم ہونے پر ایمان ہے لیکن اس کی کیا کیفیت ہے اور اس سے کیا مراد ہے اس کا اسی کو علم ہے۔

(۲) جمہور متکلمین نے ملحدین کے اعتراضات کو دور کرنے کے لیے قدم کے معنی میں تاویل کی ہے اوران کی تاویلات حسب ذیل ہیں:

(ا) قدم سے مراد متقدم ہے یعنی جن کو اللہ تعالیٰ پہلے عذاب دے چکا تھا ان کو پھر دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ب) اس سے مراد ہے مخلوق کا قدم' یعنی کسی مخلوق کا قدم دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ج) قدم نام کی کوئی مخلوق ہے اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا۔

(د) قدم کسی جگہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جگہ کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

(ہ) قدم سے مراد وہ ہیں جو کفر اور عناد میں مقدم اور پیش رو ہیں۔

(و) قدم رکھنا ڈانٹ ڈپٹ اور توہین سے کنایہ ہے' جیسے کہتے ہیں فلاں چیز میرے قدموں کے نیچے ہے یا فلاں چیز کو میں نے اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ (یہ توجیہ سب سے عمدہ ہے)

(ز) قدم انسان کے اعضاء میں آخری عضو ہے' سو اس سے مراد ہے اہل عذاب میں سے آخری لوگوں کو دوزخ میں ڈال دیا۔

نیز اس حدیث میں ہے کہ جب جنت میں جگہ بچی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس جگہ کو بھرنے کے لیے ایک نئی مخلوق کو پیدا کر دے گا' اور اس مخلوق کو جنت کی فاضل جگہ میں رکھے گا' اس میں یہ دلیل ہے کہ ثواب اور جنت کا ملنا' اعمال پر موقوف نہیں ہے' کیونکہ وہ لوگ اسی وقت پیدا کیے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ان کو بغیر کسی عمل کے جنت دی جائے گی اور ان کو محض اللہ عزوجل کے رحم اور اس کے فضل سے جنت دی جائے گی' اسی طرح نابالغ بچوں اور مجنونوں کو بغیر کسی عمل کے جنت میں داخل کیا جائے گا' اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنت بہت وسیع ہے' کیونکہ ایک شخص کو جنت میں دنیا کی دس گنا جگہ دی جائے گی پھر بھی جنت میں جگہ باقی ہوگی تو اس کے لیے اور مخلوق پیدا کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی مختلف شارحین سے قدم کی توجیہ میں مذکور الصدر اقوال نقل کیے ہیں' نیز انہوں نے ایک یہ جواب بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہر مسلمان کو یہود اور نصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائے اور اس سے کہا جائے گا یہ تمہارا دوزخ سے فدیہ ہے' اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہی قدم ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا' ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد ابلیس کا قدم ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ پھر جبار اس میں اپنا قدم ڈال دے گا' اور ابلیس جبار اور متکبر ہے۔ لیکن یہ بعید توجیہ ہے۔

(فتح الباری ج ۹ص ۵۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ کے قدم ڈالنے کی زیادہ تفسیر ان شاء اللہ ہم سورۃ ق: ۳۰ میں بیان کریں گے۔

نسیان کے دو معنی

اس کے بعد فرمایا: تم نے جو اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا' اب تم اس کا مزہ چکھو۔ (السجدہ: ۱۴)

نسیان کے ایک معنی ہے' کسی چیز کا یاد نہ آنا اور اس کو بھول جانا' اس معنی میں نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتا' اور نسیان کا دوسرا معنی ہے کسی چیز کو بالکل ترک کر دینا اور اس کام کو کبھی نہ کرنا' اس معنی میں نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتا ہے اور اس آیت میں نسیان کا یہی معنی مراد ہے۔ حدیث میں ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے ضحاک سے روایت کیا ہے اس آیت کا معنی ہے آج ہم تم کو اس طرح ترک کر دیں گے جس طرح

دنیا میں تم نے ہمارے احکام کو ترک کر دیا تھا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۸۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)
ضحاک نے کہا اگر انہوں نے نسیان سے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کو ترک کیا ہوتا تو کبھی تو کسی حکم پر عمل کرتے۔
اس آیت کا معنی ہے تم جو رسوائی سے سر جھکائے کھڑے ہو اور دائمی عذاب میں گرفتار ہو اب اس عذاب کو چکھو یہ اس کفر اور معاصی کی سزا ہے جو دنیا میں تم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہماری آیتوں پر تو صرف وہی لوگ ایمان رکھتے ہیں جن کے سامنے جب (ہمارا) ذکر کیا جاتا ہے تو وہ اپنے رب کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے O (السجدہ: ۱۵)

سجدہ تلاوت کے آداب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مجرمو! تم ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے تقاضوں کے موافق نیک عمل نہیں کرتے' لیکن ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہمارے ایسے بندے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری حمد اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں' سجدہ تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے ایسی دعائیں کرے جو ان آیات کے مناسب ہوں مثلاً اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرے تو سجدہ میں یہ دعا کرے: اے اللہ! محض اپنی رضا کے لیے مجھے سجدہ کرنے والوں اور حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں میں سے بنا دے' اور میں اس سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تیرے حکم پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ لیکن یہ دعائیں اس وقت کرے جب وہ خارج نماز قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اور آیت تلاوت پر سجدہ کرے اور جب وہ فرض یا نفل پڑھ رہا ہو تو یہ دعائیں نہ کرے اور نہ سجدہ میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرے۔

نماز میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کا طریقہ

علامہ طاہر بن عبد الرشید البخاری الدہلوی المتوفی ۵۴۲ھ لکھتے ہیں:
ایک آدمی نے سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی اگر وہ نماز میں ہے اور آیت سجدہ قرأت کے آخر میں پڑھی ہے یا آیت سجدہ کے بعد صرف ایک یا دو آیتیں پڑھی ہیں تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کے بعد رکوع کرے اور اس رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرے' اور اگر وہ چاہے تو الگ سجدہ تلاوت کرے اور پھر قیام کی طرف لوٹ جائے اور سورت کو ختم کرلے اور اگر وہ اس کے ساتھ کوئی اور سورت ملالے تو وہ افضل ہے' اور اگر وہ فوراً سجدۂ تلاوت نہ کرے حتیٰ کہ اس سورت کو ختم کرلے پھر رکوع کرے اور نماز کا سجدہ کرے تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا' اور اگر اس نے فوراً نماز کا رکوع کرلیا اور نماز کا سجدہ کرلیا تو اس کا سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا' خواہ اس نے نماز کے سجدہ میں سجدہ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو' اسی طرح اگر اس نے آیت سجدہ کے بعد دو آیتیں پڑھی ہوں تو اس پر اجماع ہے کہ نماز کے سجدہ سے سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا خواہ اس نے سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی ہو۔ اور رکوع میں اختلاف ہے' امام خواہر زادہ نے کہا کہ رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ رکوع سجدہ کے قائم مقام ہو جائے' اور امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے' اور اگر اس نے آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد تین آیتوں کی تلاوت کرلی اور رکوع کرلیا تو اب الگ سجدہ تلاوت کرے گا اور امام خواہر زادہ نے کہا اب رکوع سجدہ کے قائم مقام نہیں ہوگا' اور شمس الائمہ الحلوائی نے کہا تین آیتیں پڑھنے سے سجدہ تلاوت کی فی الفور ادائیگی ختم نہیں ہوتی اور اس کے بعد رکوع کیا تو وہ سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہو جائے گا' اور اگر آیت سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ لیا تو اب رکوع سجدہ تلاوت کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۷۔۱۸۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یہ آیت سجدہ تلاوت ہے اور یہ قرآن مجید میں سجدہ تلاوت کی نویں آیت ہے۔اس آیت میں یہ الفاظ ہیں خروا سجدا یعنی وہ سجدہ میں جاتے ہوئے گر گئے' حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کی ہے" رکعا" یعنی وہ رکوع کرتے ہوئے گر گئے۔

علامہ مہدوی نے لکھا ہے یہ ان کے مذہب کے مطابق تفسیر ہے جو کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کی ادائیگی میں سجدہ کے بجائے رکوع کرنا چاہیے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۔(ص:۲۴) اور داؤد رکوع کرتے ہوئے گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔

اور اس کی تفسیر سجدہ سے بھی کی گئی اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے' یعنی وہ لوگ اللہ کی تعظیم کے لیے اور اس کے جلال اور اس کے عذاب کے خوف سے سجدہ میں گر گئے۔(الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ص ۹۳۔۹۲' دارالفکر ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہوئے اس کے لیے سجدہ میں گر گئے' اس لیے سجدہ تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کے لیے سبحان ربی الاعلی وبحمدہ پڑھنا چاہیے اور رکوع اور سجدہ میں قرآن مجید کی آیات تلاوت نہیں کرنی چاہئیں۔

رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اس وقت لوگ ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے صرف نیک خواب باقی رہ گئے ہیں جن کو مسلمان دیکھتے ہیں یا ان کے متعلق دیکھے جاتے ہیں' سنو مجھ کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن مجید پڑھوں' سو تم رکوع میں رب عزوجل کی تعظیم کرو' اور سجدہ میں دعا کی کوشش کرو تو قع ہے کہ سجدہ میں تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۰۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۹۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو رکوع میں تین بار کہے سبحان ربی العظیم تو اس کا رکوع پورا ہو جائے گا اور جب سجدہ میں جائے تو تین بار کہے سبحان ربی الاعلی تو اس کا سجدہ مکمل ہو جائے گا' اور یہ کم سے کم مقدار ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۹۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص ۲۵۰)

اس حدیث کی وجہ سے سجدہ میں دعا کرنے کی روایت نفلی نمازوں اور نفلی سجدوں پر محمول ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد للعینی ج۴ص ۸۷۔۸۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رکوع یا سجدہ میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۱۱۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۰۲)

رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔(المغنی ج۱ص ۲۹۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ نے لکھا ہے کہ رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ ص ۱۶۹۵' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ ھ نے لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے کو جائز کہا ہے' اور جمہور کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۹۴' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو جائے گی اور صرف نبوت کی بشارتیں باقی رہیں گی' اور یہ بتایا کہ قرآن مجید کی شان بہت بلند ہے' اور بتایا کہ رکوع اور سجود بندوں کے اظہار تذلل اور اظہار عجز سے ہیں سو رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا کہ اس کو تذلل کے محل میں نہ پڑھا جائے بلکہ محل قیام میں پڑھا جائے جو کہ محل وقار ہے۔ تاکہ اہل علم اس کے معانی پر غور کریں' اگر کوئی شخص رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' خواہ وہ عمداً قرآن پڑھے یا بھول کر' لیکن اگر اس نے بھولے سے رکوع یا سجود میں قرآن پڑھا تو اس پر سہو کے دو سجدے واجب ہوں گے۔

(شرح سنن ابو داؤد ج ۴ ص ۸۶-۸۵' مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے رکوع یا سجود میں قرآن پڑھا تو اس پر سجدہ سہو ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۵۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابراہیم الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی مکروہ ہے کہ نمازی غیر حالت قیام میں مثلاً رکوع' سجود یا قعود کی حالت میں قرآن مجید پڑھے کیونکہ ان حالتوں میں قرآن مجید پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ (حلبی کبیر (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی) ص ۳۵۷' سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ ھ)

اسی طرح لکھا ہے:

اگر نمازی نے اپنے رکوع یا سجود یا تشہد میں قرآن مجید پڑھا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے' یہ اس وقت ہے جب پہلے قرآن مجید پڑھا' پھر تشہد پڑھا اور اگر پہلے تشہد پڑھا' پھر قرآن مجید پڑھا تو پھر اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے' اسی طرح محیط السرخسی میں ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ج ۱ ص ۱۲۶' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ مصر' ۱۳۱۰ ھ)

اگر کوئی شخص بھولے سے رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھے گا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس نے عمداً رکوع یا سجود میں قرآن مجید پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس نے عمداً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور اگر اس نے بھولے سے ایسا کیا تو اس کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے پہلو اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں' وہ خوف اور امید سے اپنے رب کو پکارتے ہیں' اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں O (السجدۃ: ۱۶)

تتجافی اور مضاجع کا معنی

اس آیت میں تتجافی کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ارتفاع اور بلند ہونا' یعنی وہ لیٹنے کی جگہ سے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں' اور مضاجع کا لفظ ہے یہ مضجع کی جمع ہے' مضجع خواب گاہ کو کہتے ہیں' اور جنوب کا لفظ ہے یہ جنب کی جمع ہے اور جنب کروٹ اور

پہلو کو کہتے ہیں۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا وہ نماز اور غیر نماز میں اللہ کے ذکر کے لیے بستروں سے دور رہتے ہیں۔

مجاہد' اوزاعی' امام مالک بن انس اور جمہور مفسرین نے کہا وہ رات کو نوافل پڑھنے کے لیے اپنے بستروں سے دور رہتے ہیں۔

تہجد اور رات کو دیگر نوافل پڑھنے کی فضیلت اور ان کی رکعات کی تعداد میں احادیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا' میں صبح کے وقت آپ کے قریب ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور دوزخ سے دور کردے؟ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایک عظیم چیز کا سوال کیا ہے' بے شک یہ اسی پر آسان ہے جس پر اللہ اس کو آسان کردے' تم اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو' پھر فرمایا کیا میں تم کو نیکی کے ابواب کی رہ نمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح آگ پانی کو بجھا دیتی ہے' اور انسان کا آدھی رات کو نماز پڑھنا بھی' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ. (السجدۃ:۱۶)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۶۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۹۷۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۳۰۳' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدۃ:۱۶) نماز عشاء کے انتظار کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۶)

حضرت ابو الدرداء' حضرت عبادہ اور ضحاک رضی اللہ عنہم نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشاء کی اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا نصف رات تک قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا کہ ساری رات قیام کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۱)

بعض احادیث میں مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنے کی بھی فضیلت بیان کی گئی ہے' قرآن مجید میں ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. (متقین) رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

(الذاریات:۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں صحابہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۲۲)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' اور انہوں نے کہا میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے' اور آپ نے فرمایا جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھیں اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے

جھاگ کے برابر ہوں۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۲۳' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۰۰' حافظ المنذری نے کہا یہ حدیث غریب ہے' الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۸۵۴' حافظ الھیثمی نے کہا اس کی روایت میں صالح بن قطن البخاری متفرد ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۰)

قیام اللیل اور تہجد کی نماز کی فضیلت میں بھی بہ کثرت احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے روزے ہیں' جو اللہ کا مہینہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۴۰)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ' اور رشتہ داروں سے مل جل کر رہو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۱' المستدرک ج ۳ ص ۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر سوج گئے یا پھٹ گئے' میں نے آپ سے عرض کیا آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) بخش دیئے گئے ہیں' آپ نے فرمایا کیا مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اللہ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۰۔۱۸۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سویا ہوا ہوتا ہے تو شیطان اس کی گدی کے اوپر تین گرہیں لگا دیتا ہے ہر گرہ پر یہ پھونک مار دیتا ہے رات بہت لمبی ہے تم سو جاؤ' پس اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے' پس اگر وہ وضو کرے تو اس کی دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور اگر وہ نماز پڑھ لے تو اس کی تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو تر و تازہ ہوتا ہے ورنہ صبح کو سستی کا مارا ہوا نحوست کے ساتھ اٹھتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے' تو فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں! کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں! کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

تہجد کی رکعات کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کیسی (یعنی کتنی رکعت) نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے' آپ چار رکعت نماز پڑھتے ان کے حسن اور طول سے نہ پوچھو' آپ پھر چار رکعات نماز پڑھتے ان کے حسن اور طول سے نہ پوچھو' پھر آپ تین رکعت نماز (وتر) پڑھتے' حضرت عائشہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹'

سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱ 'سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے' ان میں وتر اور صبح کی دو سنتیں بھی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' الرقم المسلسل: ۱۶۹۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۴)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی رکعات کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو سنتوں کے سوا سات رکعات' نو رکعات اور گیارہ رکعات پڑھی ہیں (ان میں تین رکعات وتر شامل ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے آٹھ رکعات سے زیادہ تہجد کی نماز نہیں پڑھی اور کم از کم چار رکعات پڑھی ہیں)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے تو دو رکعت نماز تخفیف سے پڑھے دوسری روایت میں ہے' پھر اس کے بعد جتنی چاہے لمبی نماز پڑھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۴-۱۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے' اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے ○ تو کیا کوئی مومن کسی فاسق کی مثل ہو سکتا ہے! وہ برابر نہیں ہیں ○ (السجدۃ: ۱۸-۱۷)

اہل جنت کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا درجہ

اس آیت کے موافق یہ حدیثیں ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ان نعمتوں کو تیار کر رکھا ہے جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' بلکہ یہ ان نعمتوں کے علاوہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مطلع نہیں فرمایا ہے' پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (السجدۃ: ۱۷)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۵-۲۸۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۰)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ جنت والوں کا سب سے کم درجہ کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو اس وقت آئے گا جب تمام جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے' اس سے کہا جائے گا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے جنت میں جاؤں! سب لوگوں نے جنت کے گھروں پر قبضہ کر لیا ہے اور انہوں نے جنت کی چیزیں لے لی ہیں' اس سے کہا جائے گا کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں دنیا کے بادشاہوں کے ملکوں میں سے کسی ملک کی مثل مل جائے' وہ کہے گا: میں راضی ہوں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہیں وہ ملک بھی مل جائے اور اور اس جیسی تین امثال اور مل جائیں گی' پھر جب پانچ امثال کا کہا جائے گا تو وہ کہے گا اے میرے رب! میں راضی ہوں! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہیں وہ ملک بھی مل جائے گا اور اس جیسی دس امثال اور مل جائیں گی اور تم کو وہ چیز بھی مل جائے گی جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا اور جس چیز سے تمہاری آنکھوں کو لذت ملے گی' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں! حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! پھر جنت میں سب سے بلند درجہ کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو میں نے پسند کر لیا اور ان کی عزت اور کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے' اور میں نے ان کی کرامت پر مہر لگا دی ہے' ان کی کرامت کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان

کا خیال آیا ہے اور اس کا مصداق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدہ:۱۷)
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جس کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا' ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا' کہا جائے گا اس کے اوپر اس کے گناہ صغیرہ پیش کرو اور اس کے گناہ کبیرہ اس سے اٹھالو' پھر اس کے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں گے' اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن یہ کام کیا تھا' اور فلاں دن یہ کام کیا تھا' وہ کہے گا ہاں اور وہ ان گناہوں کا انکار نہیں کر سکے گا اور وہ اس سے خوف زدہ ہوگا کہ ابھی اس کے بڑے بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے' پھر اس سے کہا جائے گا تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے کئی کام اور بھی کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا (یعنی بڑے بڑے گناہ) پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۹۶)

مومن اور فاسق کا دنیا اور آخرت میں مساوی نہ ہونا

مومن فاسق کی مثل نہیں ہے' مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے اور فاسق جو کافر ہو وہ اللہ کی معصیت کرتا ہے اور اللہ کے شریک قرار دے کر ان کی پرستش کرتا ہے' اس لیے اللہ کے نزدیک مومن کے لیے دنیا میں تعریف اور تحسین ہے اور آخرت میں اس کے لیے جنت ہے' اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہے' اور کافر کے لیے اللہ کے نزدیک دنیا میں مذمت اور توہین ہے اور آخرت میں اللہ کے دیدار سے محرومی' اس کی ناراضگی اور دوزخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا بن یسار نے کہا یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور الولید بن عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان دونوں میں مناقشہ ہوا' الولید نے کہا میری زبان تم سے بڑی ہے اور میرے دانت تم سے تیز ہیں' اور میرا جسم تم سے مضبوط ہے' حضرت علی نے فرمایا خاموش رہ تو فاسق ہے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرے اس کا اطلاق مومن پر بھی ہوتا ہے اور کافر پر بھی ہوتا ہے اس آیت میں فاسق کا اطلاق کافر پر ہے۔

ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا یستوٗن O مومن اور فاسق برابر نہیں ہے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قصاص میں مساوات ہوتی ہے اور مومن اور کافر میں مساوات نہیں ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی ذمی کافر کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے' اس کے برخلاف فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مسلمان نے کسی ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' اور قصاص اس وقت لیا جاتا ہے جب قاتل اور مقتول میں مساوات ہو اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ کافر اور مسلمان مساوی نہیں ہیں اس لیے کافر کا مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور یہ آیت احناف کے خلاف حجت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۴ ص۹۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

ائمہ ثلاثہ احناف کے خلاف اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

ولا یقتل مسلم بکافر. اور مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے دلائل

فقہاء احناف اس دلیل کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ نے ذمی کو بھی اس کے عہد ذمہ میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے اگر ذمی کو اس کے عہد کے دوران کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' امام بخاری کی روایت میں جو مذکور ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اس سے مراد کافر حربی ہے اور اس روایت میں پوری تفصیل نہیں ہے' پوری تفصیل اس روایت میں ہے:

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں اور اشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ہم نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد کیا ہے جو عام لوگوں سے نہیں کیا؟ حضرت علی نے فرمایا نہیں سوا ان چیزوں کے جو میری اس کتاب میں ہیں اور وہ کتاب ان کی تلوار کی میان میں تھی اور اس میں مذکور تھا' تمام مومنین کے خون مساوی ہیں' اور وہ اپنے ماسوا پر غالب ہیں' اور ادنیٰ مسلمان بھی کسی مسلمان کے عہد کے لیے کوشش کرے گا اور سنو کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا' اور نہ کسی ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے اور جس نے کوئی جرم کیا تو اس کا وہ ذمہ دار ہے' اور جس نے کسی مجرم کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۵۳۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۷۵۹_۴۷۶۰' مسند احمد ج۱ص۱۲۲_۱۱۹' طبع قدیم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں اور ان کا ادنیٰ فرد بھی اپنے ذمہ کے حصول کی کوشش کرے گا' اور اپنے بعید پر اس کے حق کو لوٹائے گا' اور وہ اپنے ماسوا پر قوی ہیں اور سنو کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے گا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۴۷۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۶۶۰' مسند احمد ج۱ص۱۱۹)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کو قتل کرنے پر سخت اظہار ناراضگی اور وعید فرمائی ہے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی ذمی کو بغیر کنہہ (دلیل شرعی) کے قتل کر دیا اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۷۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۷۶۱' مسند احمد ج۵ص۳۶' سنن داری رقم الحدیث:۲۵۰۷)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو بلا جواز قتل کیا' اللہ اس پر جنت کی خوشبو سونگھنے کو بھی حرام کر دے گا' امام بخاری نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث:۴۷۶۲' مسند احمد ج۵ص۵۰' صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱۶۶)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر دیا' یعنی قتل کرنے کا حکم دیا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا جو لوگ اپنے ذمہ (عہد) کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث:۳۲۳۴_۳۲۳۳_۳۲۳۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے' لیکن انہوں نے اس حدیث کی تین مختلف سندیں ذکر کی ہیں اور تعدد اسانید تقویت کا موجب ہے اور اس وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال ہے۔

متعدد صحابہ سے بھی یہ منقول ہے کہ انہوں نے ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا۔

ابراہیم النخعی بیان کرتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا' حضرت عمر نے اس معاملہ میں یہ لکھا کہ اس قاتل کو اولیاء مقتول کے سپرد کیا جائے وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور وہ چاہیں تو اس کو معاف کر دیں پھر اس شخص کو مقتول کے ولی کے سپرد کیا گیا جو اہل حیرہ (ذمیوں میں) سے تھا اس کا نام حنین تھا اس نے اس (مسلمان) قاتل کو قتل کر دیا۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۴۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲)

الجنوب الاسدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے ایک ذمی شخص کو قتل کر دیا تھا' جب اس مسلمان کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو حضرت علی نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر اس ذمی مقتول کے بھائی نے آ کر کہا میں نے اس مسلمان قاتل کو معاف کر دیا' حضرت علی نے فرمایا شاید مسلمانوں نے تم کو ڈرایا اور دھمکایا ہوگا! اس کے بھائی نے کہا' نہیں لیکن مجھے خیال آیا کہ اس کو قتل کرنے سے میرا بھائی تو واپس نہیں آئے گا اور انہوں نے مجھے خون بہا کی پیش کش کی ہے سو میں راضی ہو گیا' حضرت علی نے فرمایا تم اپنے معاملہ کو بہتر جانتے ہو' ذمی شخص کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۵۰' رقم الحدیث: ۴۸۱۷' السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۴)

امام بیہقی اور امام شافعی نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علی نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا پھر وہ اس کے خلاف کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں!

(معرفۃ السنن والآثار ج ۶ ص ۱۵۴۔۱۵۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے' نیز حضرت علی کی مفصل روایت اس طرح ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور نہ ذمی کو اس کے عہد ذمہ میں قتل کیا جائے جیسا کہ ہم متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی مہمانی میں ان کے رہنے کے لیے جنتیں ہیں' جو کچھ انہوں نے عمل کیے تھے اس کی جزا میں O رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے' جب بھی وہ اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے' ان کو اسی آگ میں لوٹا دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا اب اس آگ کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے O اور ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے بڑے عذاب کے سوا تاکہ وہ (کفر یا نافرمانی سے) رجوع کر لیں O اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے اعراض کرے' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں O (السجدۃ: ۲۲۔۱۹)

عذاب ادنیٰ اور عذاب اکبر کے مصادیق

پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں دونوں کے اخروی ٹھکانوں کا ذکر فرمایا' مومنوں کو ان کے ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے رہائش کے لیے جنتیں دی جائیں گی اور جس طرح مہمانوں کی تکریم اور ضیافت کی جاتی ہے' ان کی تکریم اور ضیافت کی جائے گی' عربی میں مہمانی کے لیے نزل کا لفظ ہے کیونکہ کسی معزز شخصیت کے نزول کے فوراً بعد اس کی خاطر تواضع کی جاتی ہے' پھر اس کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اور اس کے دوسرے معاملات طے کیے جاتے ہیں' اس وجہ سے عربی میں مہمانی

کو نزل کہتے ہیں۔

اور کافروں کو اس آیت میں ''الذین فسقوا '' سے تعبیر فرمایا' فسق کا معنی ہے خروج' کیونکہ یہ لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف خروج کر چکے تھے اس لیے ان کو فاسق فرمایا' ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے' جب بھی یہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے دوزخ کے بلند شعلے ان کو واپس اسی مقام کی طرف دھکیل دیں گے اور دوزخ کے پہرہ داران سے کہیں گے' اب تم اس عذاب کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

السجدہ:۲۱ میں فرمایا: ہم ان کو ضرور چھوٹا عذاب چکھائیں گے' چھوٹے اور ادنیٰ عذاب سے مراد دنیا کے مصائب اور بیماریاں ہیں جن میں بندوں کو اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد حدود اور تعزیرات اور جرائم کی سزائیں ہیں' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد غزوۂ بدر میں کفار کا قتل کیا جانا ہے۔

مقاتل نے کہا اس سے مراد کفار مکہ پر مکہ میں نازل ہونے والے سات سال کا قحط ہے جس میں انہوں نے مردار تک کھا لیے تھے' اور مجاہد نے کہا اس سے مراد عذاب قبر ہے' اور بڑے عذاب سے مراد قیامت کا عذاب ہے اور دوزخ کا عذاب ہے۔

اور یہ جو فرمایا ہے تاکہ وہ رجوع کرلیں۔ اگر اس کا تعلق عذاب ادنیٰ سے ہو تو اس کا معنی ہے تاکہ وہ دنیا میں کفر اور معصیت سے رجوع کرلیں اور اگر اس کا تعلق عذاب اکبر سے ہو تو اس کا معنی ہے تاکہ وہ آخرت میں پھر دنیا کی طرف لوٹ جانے کی تمنا کریں۔

السجدہ:۲۲ میں فرمایا' اور اس سے بڑا اور کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے اعراض کرے' بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

اس آیت میں ظلم پر وعید سنائی گئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ظلم کا معنی اور اس کی انواع واقسام اور اس کی سزاؤں کے متعلق احادیث بیان کریں اور ان کی مختصر تشریح کریں۔

ظلم کا لغوی اور عرفی معنی

لغت میں ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے محل مخصوص کی بجائے کسی اور جگہ میں رکھنا' خواہ وہ جگہ اس سے کم ہو یا زیادہ ہو' یا کسی چیز کو اس کے مخصوص وقت میں ادا نہ کرنا' اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو اپنے ذکر اور فکر کے لیے بنایا ہے اگر انسان اپنے دل میں کسی اور کی یاد بسالے' کسی اور کا ذکر وفکر کرے یا اللہ تعالیٰ سے غافل اور اس سے دور کرنے والی چیزوں کی یاد اپنے دل میں رکھے یا جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کی محبت اپنے دل میں رکھے تو یہ اس کا ظلم ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم اور اس کے اعضاء کو جو طاقت اور توانائی عطا کی ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرے' اگر انسان اپنے جسم اور اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنے نفس یا دوسرے لوگوں کی اطاعت میں خرچ کرے تو یہ اس کا ظلم ہے' اس لیے انسان اگر ظلم سے بچنا چاہتا ہے تو وہ اپنے دل اور اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رکھے۔

ظلم کی سزاؤں اور عذاب کے متعلق احادیث اور ان کی ضروری تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰)

اس حدیث میں ظلم سے مراد عام ہے خواہ مومن فاسق سے صادر ہو یا کافر فاجر سے' اور ظلم کی تمام انواع اور اقسام ظلم

کرنے والے کے لیے اندھیروں کا سبب ہیں' یا ظلم کی وجہ سے قیامت کے دن شدت' سختی اور صعوبت ہوگی یا ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے قیامت کے دن جنت کی طرف راہ نہیں پا سکے گا' اس کے برعکس مومن کے نیک اعمال کا نور اس کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا جس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کے راستے روشن اور تابناک ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ. (التحریم: ۸) ان کا نور ان کے سامنے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۸)

اس حدیث میں فی الحال مظلوم کے لیے تسلی ہے اور ظالم کے لیے وعید ہے کہ وہ اس مہلت سے دھوکا نہ کھائے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ. (ابراہیم: ۴۲) ظالموں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ گمان کرو' وہ تو ان کو اس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہے جب ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت پر یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس دن کے آنے سے پہلے اس کو حلال (معاف) کرالے' جس دن کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا' اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کو اس کے ظلم کے برابر وصول کرلیا جائے گا' اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۸۰' عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں جو فرمایا ہے ظالم کی نیکیوں سے اس کے ظلم کی مقدار کے برابر وصول کرلیا جائے گا' اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے نیک اعمال کو جو اجسام میں متمثل کیا جائے گا اور اس کے ظلم کے برابر اجسام مظلوم کو دے دیئے جائیں گے' اور اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظالم کے صحائف اعمال سے اتنی نیکیوں کو کاٹ کر مظلوم کے صحائف اعمال میں لکھ دیا جائے گا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اتنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب ہو وہ مظلوم کو عطا کر دیا جائے' اسی طرح مظلوم کے جو گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے ان کے بھی یہی تین محامل ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کی مثل عمل نہ کرو' کہ تم کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے' لیکن تم اپنے آپ کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر وہ تم پر ظلم کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۷' المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۳۲۹)

کیونکہ ظلم نہ کرنا بھی احسان ہے' اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کو اخلاق حسنہ کا وطن اور محل بنالو حتیٰ کہ ظلم اور بد اخلاقی تمہارے لیے اس طرح اجنبی ہو جیسے پرایا شہر اجنبی ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور اللہ کسی حق دار کو اس کے حق سے منع نہیں کرتا۔

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ علم ہو کہ فلاں شخص ظالم ہے اور وہ اس کی معاونت کے لیے اس کے ساتھ گیا' وہ اسلام سے نکل گیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۷۶۷۴' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۵۱۳۵)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص کمال اسلام سے نکل گیا کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۰) اور ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! کون سا صاحب اسلام سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۵۰۴' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۹۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے نفس کو ضرر پہنچاتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا نہیں اللہ کی قسم' حتیٰ کہ سرخاب پرندہ جو اپنے گھونسلے میں بھوک اور کمزوری سے مرجاتا ہے وہ بھی ظالم کے ظلم (کے ضرر) سے ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۷۴۷۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۵۱۳۶)

اس کہنے والے کا قول برحق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (البقرہ:۵۷)

اور قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا. جس نے نیک عمل کیا تو اس کا نفع اس کے لیے ہے اور جس نے برا کام کیا تو اس کا ضرر بھی اس پر ہے۔ (حٰم السجدہ:۴۶)

لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ ظالم کے ظلم کا اثر دوسرے انسانوں' حیوانوں بلکہ پرندوں تک بھی پہنچتا ہے کیونکہ جب لوگ بہ کثرت' علی الاعلان گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش روک لیتا ہے اور قحط مسلط کر دیتا ہے' جس کے نتیجے میں دانے اور گھاس پھونس پیدا نہیں ہوتے اور بھوک سے مویشی اور پرندے مرجاتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی پس آپ اس سے ملاقات میں شک نہ

مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳ وَ

کریں' اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا ○ اور

جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛ وَكَانُوْا

جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے بعض کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے' اور وہ

بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے O بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ

ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O کیا انہوں نے اس سے

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے'

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ

بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' کیا پس یہ سنتے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو

الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ

بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں

اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

اور وہ خود کھاتے ہیں' کیا پس وہ نہیں دیکھتے O اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فیصلہ

هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

کب ہو گا اگر تم سچے ہو O آپ کہیے جس دن فیصلہ ہو گا اس دن کافروں کو ان کا ایمان

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ

نفع نہ دے سکے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O آپ ان سے اعراض کیجئے

عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی پس آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا O اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے بعض کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے' اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے O بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان ان

چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O (السجدہ: ۲۵-۲۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے محامل

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور آخرت میں مومنوں کے ثواب اور کافروں کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا' اور اس رکوع کی ابتدائی آیتوں میں رسالت کا ذکر ہے اور رسالت کے ذکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا' حالانکہ جو رسول' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت سے اتفاق نہیں کرتے تھے' اس کے برخلاف عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو مانتے تھے' گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فریقین کے درمیان متفق علیہ رسول تھے' اس لیے اس آیت میں ذکر فرمایا کہ آپ اس سے ملاقات میں شک نہ کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس ملاقات کا اس آیت میں ذکر ہے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا شب معراج آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی ہے آپ اس میں شک نہ کریں۔

(۲) قیامت کے دن آپ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوگی آپ اس میں شک نہ کریں' کیونکہ عنقریب آپ کی ان سے ملاقات ہونی ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی گئی تھی اور انہوں نے جو کتاب سے ملاقات کی تھی آپ اس میں شک نہ کریں۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت آپ کی تسلی کے لیے نازل کی گئی ہو' کیونکہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر ہر طرح کے دلائل اور معجزات پیش کیے' اس کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی نبوت کو نہیں مانا' تو آپ اس سے غمگین ہوئے تو گویا کہ آپ سے کہا گیا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال یاد کریں اور غمگین نہ ہوں' کیونکہ ان کو بھی ایسے حالات پیش آئے اور ان کو بھی اسی طرح ایذاء دی گئی جس طرح آپ کو ایذاء دی گئی ہے' انبیاء سابقین کی ایذاء کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا کیونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو صرف ان لوگوں نے ایذاء پہنچائی تھی جو ان پر ایمان نہیں لائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کافروں کے علاوہ ان کی قوم کے مومنوں نے بھی ایذاء پہنچائی تھی اور ہٹ دھرمی اور کج روی سے انہوں نے کئی چیزوں کو طلب کیا مثلاً انہوں نے کہا:

يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً . اے موسیٰ! جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرہ: ۵۵)

اسی طرح جب ان سے جہاد کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کہا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ O آپ اور آپ کا رب جائیں سو قتال کریں بے شک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ (المائدہ: ۲۴)

پھر یہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت نفع آور تھی' اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا دیا' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے جو ان کے صحیح متبعین تھے ہم نے ان کو امام بنا دیا اسی طرح آپ کی امت میں سے صحابہ امام اور ہدایت یافتہ ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کر لی ہدایت پا جاؤ گے' اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔(مشکوۃ رقم الحدیث:۶۰۱۸)

اب یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے بعض بنی اسرائیل کو امام بنا دیا جو ہدایت دیتے تھے' حالانکہ بنی اسرائیل کے تو بہت فرقے ہیں جب کہ ہدایت یافتہ تو صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اس کے جواب میں فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے O (السجدہ:۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے اس سے ہدایت حاصل نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو اپنے گھروں میں چلتے پھرتے تھے' بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں' کیا پس یہ سنتے نہیں ہیں! O کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں' پھر ہم اس سے فصل اگاتے ہیں' جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں اور وہ خود کھاتے ہیں' کیا پس وہ نہیں دیکھتے! O (السجدہ:۲۷۔۲۶)

بارش کے پانی سے بنجر زمین کو زرخیز کرنے کا انعام تا کہ تمہیں جسمانی خوراک حاصل ہو

پہلی آیت نے کفار مکہ کو خوف دلایا ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید میں شرک کر رہے ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کا انکار کر رہے ہیں' کیا انہوں نے اپنے سفر کے دوران عاد' ثمود اور قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں کو نہیں دیکھا وہ لوگ بھی اپنی دنیاوی زندگی پر مغرور ہو گئے تھے اور انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا' ہمارے رسولوں کا انکار کیا تھا' پھر ان پر کیسا عذاب آیا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔

اس آیت میں القرون کا لفظ ہے' کسی ایک زمانہ میں روئے زمین پر رہنے والوں کو قرن کہتے ہیں اور قرون قرن کی جمع ہے۔

دوسری آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دلانا ہے' وہ بنجر زمین کو زرخیز بنانے کے لیے بارش سے لدے ہوئے بادلوں کو مردہ زمین کی طرف بھیجتا ہے اور وہ زمینیں سرسبز اور شاداب ہو جاتی ہیں' کھیت غلہ سے اور باغات پھلوں سے لد جاتے ہیں' زمین کی اس پیداوار سے ان کے مویشی بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں' مویشیوں کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ مویشی صرف چارا کھاتے ہیں اور انسان زمین کی پیداوار سے سبزیاں بھی کھاتے ہیں اور جانوروں کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔

ہدایت کے پانی سے مردہ دلوں کو زندہ کرنے کا انعام تا کہ تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہو

بعض علماء نے کہا کہ بنجر زمین میں پانی بہانے اور اس سے زرخیز فصل پیدا کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ ہم سخت اور حق سے اعراض کرنے والوں کے دلوں میں وعظ و نصیحت پہنچا دیتے ہیں اور وہ اس سے ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بعض عارفین نے کہا ہم مردہ دلوں میں اپنے بحر معرفت کے پانی اور اس کے جلال کی تجلیات کو پہنچا دیتے ہیں جس سے اس دل کے گلشن میں نرگس اور یاسمین کے پھول کھلنے لگتے ہیں' اور بعض علماء نے کہا ہم گمراہ دلوں میں ہدایت کا پانی پہنچا دیتے ہیں جس سے اس میں ذات اور صفات کے مشاہدات اور واردات کا اجتماع ہو جاتا ہے' واضح رہے کہ ہر ایک کی ہدایت مختلف ہوتی ہے' کافر کی ہدایت ایمان تک پہنچنا ہے اور مومن فاسق کی ہدایت اطاعت اور عبادت تک پہنچنا ہے' اور مومن مطیع کی ہدایت زہد اور تقویٰ تک پہنچنا ہے اور زاہد اور متقی کی ہدایت معرفت صفات تک پہنچنا ہے اور عارف کی ہدایت ذات تک پہنچنا ہے اور یہیں سے انسان کامل حیات باقیہ میں داخل ہوتا ہے۔

طالب حق پر لازم ہے کہ وہ عبادت میں کوشش کرتا رہے‘ کیونکہ عبادت کے طریقوں سے ہی فیض حاصل ہوتا ہے‘ جب انسان فجر کی نماز پڑھتا ہے تو وہ مناجات میں مستغرق ہو جاتا ہے‘ جو انسان ناقص ہو وہ پھر دنیا کے کاروبار اور جھمیلوں میں محو اور مستغرق ہو کر صبح کی عبادت کے آثار گنوا چکا ہوتا ہے پھر جب وہ ظہر کی نماز پڑھتا ہے تو پھر اس کا رجوع اللہ کی طرف ہو جاتا ہے‘ ظہر کے بعد وہ پھر دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور عصر کی نماز اس کو پھر اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہے‘ اور یہ ایسا ہے جیسے کسی خشک اور بے آب و گیاہ زمین میں بار بار پانی دیا جاتا ہے تا کہ وہ فصل اگانے کے قابل ہو جائے‘ حتیٰ کہ ایک دن وہ فصل لہلہانے لگتی ہے‘ اسی طرح رمضان کا مہینہ جب آتا ہے تو مومن روزے رکھتا ہے‘ اور ایک محدود وقت میں فرشتوں کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور جب بار بار یہ عمل ہوتا ہے تو اس میں صفات الٰہیہ منعکس ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ اللہ کی صفات سے متصف اور اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے   یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

یعنی اگر انسان مظہر ملائکہ ہو جائے تو ہنوز معراج انسانیت سے دور ہے کہ اس کا کمال پیکر جبریل ہونا نہیں ہے اس کا کمال مظہر رب جبریل ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو O آپ کہیے جس دن فیصلہ ہوگا اس دن کافروں کو ان کا ایمان نفع نہ دے سکے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O آپ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں O (السجدۃ: ۳۰۔۲۸)

آیا فیصلہ کے دن سے دنیا میں کفار کی شکست کا دن مراد ہے یا روز قیامت؟

مسلمان کفار مکہ سے کہتے تھے ایک دن اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا‘ اور اس سے ان کی مراد قیامت کا دن تھا‘ اور وہ کہتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا‘ اور اس دن نیکوکاروں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا‘ اور بدکاروں کو سزا دے گا‘ تو کفار مکہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے تھے بتاؤ وہ دن کب آئے گا؟ اگر تم سچے ہو‘ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا‘ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جب وہ فیصلہ کا دن آئے گا تو تم کو ایمان لانے کی اور توبہ کرنے کی مہلت نہیں ملے گی‘ علامہ قرطبی نے کہا یوم فتح سے مراد یوم بدر یا یوم فتح مکہ ہے کیونکہ یوم بدر میں ستر کافر قتل کر دیئے گئے تھے اور فتح مکہ کے دن وہ بھاگ گئے تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا پیچھا کر کے ان کو قتل کر دیا تھا (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۰۴) لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں جو کفار لڑنے کے لیے آئے تھے‘ ان میں سے جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے ان میں سے بہت سے ایمان لے آئے‘ اسی طرح فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد تمام کفار مکہ اسلام لے آئے تھے اس لیے اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور اس دن کسی کافر کو ایمان لانے کی مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ کسی کو اس دن ایمان لانے سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

آیا ہر حال اور ہر جگہ میں مشرکین سے جہاد واجب ہے یا نہیں؟

آخری آیت میں فرمایا ہے آپ ان سے اعراض کیجئے‘ اس کا معنی ہے آپ ان کی جاہلانہ باتوں سے اعراض کیجئے اور ان کو جواب نہ دیجئے‘ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا O (المزمل: ۱۱)

اور ان جھٹلانے والے امیروں کو آپ میرے ساتھ چھوڑ دیجئے (میں ان سے نمٹ لوں گا) اور ان کو کچھ مہلت دیجئے۔

بعض علماء نے کہا یہ آیت منسوخ ہے یہ حکم اس وقت تھا جب آپ کو مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور جب جہاد کی آیت نازل ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ . سو آپ مشرکین کو قتل کیجئے جہاں بھی آپ ان کو پائیں۔

(التوبہ: ۵)

اور بعض علماء نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ہر جگہ مشرکین سے قتال واجب نہیں ہے، بعض اوقات کسی علاقے میں مشرکین سے صلح ہو جاتی ہے، بعض اوقات مشرکین یہود، نصاریٰ جزیہ پر تیار ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات مشرکین سے مقابلہ اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس مادی اسلحہ نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل امریکا، روس، برطانیہ، فرانس اور چین ایسی عالمی سپر طاقتیں ہیں اور ان کے خلاف قتال کرنا مسلمانوں پر واجب نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے، صحابہ نے پوچھا وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ ایسی آزمائش کے درپے ہو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۶، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۶۰۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۵، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۰۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار کرنے اور کفار کے انتظار کرنے کا فرق

نیز فرمایا: اور انتظار کیجئے، بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

وہ آپ کے اوپر حوادث زمانہ کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ ان کے اوپر عذاب الٰہی کے نزول کا انتظار کیجئے، وہ اس انتظار میں ہیں کہ بت ان کی مدد کریں گے، آپ اللہ کی مدد کا انتظار کیجئے، وہ استہزاءً قیامت کا انتظار کر رہے ہیں آپ سنجیدگی سے قیامت کا انتظار کیجئے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ وہ قیامت کا کیسے انتظار کریں گے وہ تو قیامت کے انکار کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے بعض قیامت میں شک کرتے تھے اور بعض قیامت کے آنے میں شک کرتے تھے۔

سورۃ السجدہ کا اختتام

آج ۱۸ رجب ۱۴۲۳ھ۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو سورۃ السجدہ کی تفسیر ختم ہوگئی، ۱۲ ستمبر ۲۰۰۲ء کو اس سورۃ کی تفسیر شروع کی گئی تھی اس طرح صرف پندرہ دنوں میں یہ تفسیر ختم ہوگئی۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے سورۃ السجدہ کی تفسیر کو مکمل کرا دیا ہے، باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں، اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دیں اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دیں، عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرما دیں، مرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الاحزاب

سورت کا نام

اس سورت کا نام الاحزاب ہے' احادیث' کتب تفسیر اور آثار میں غزوہ خندق کو الاحزاب سے تعبیر کیا گیا ہے' حزب کا معنی جماعت ہے اور الاحزاب حزب کی جمع ہے' مشرکین مکہ' یہودی اور منافقین کی تمام جماعتیں متحد اور متفق ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف میں خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا تھا اس وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے' اس سورت میں چونکہ غزوۃ الاحزاب کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام الاحزاب ہے' قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں الاحزاب کا ذکر ہے:

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝ (الاحزاب: ۲۰)

منافقین یہ گمان کر رہے ہیں کہ کفار کی حملہ آور جماعتیں ابھی (واپس) نہیں گئیں' اور اگر وہ حملہ آور جماعتیں (دوبارہ) آ جائیں تو وہ (منافقین) یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے رہتے' اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے (تب بھی) بہت کم قتال کرتے۔

[اس] آیت میں منافقین کی بزدلی اور کم ہمتی بیان فرمائی ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگرچہ حملہ آور جماعتیں واپس جا چکی ہیں لیکن [منا]فقین یہ گمان کر رہے ہیں کہ حملہ آور فوجیں ابھی تک ان کے سروں پر موجود ہیں' اور اگر وہ حملہ آور دوبارہ آ جائیں تب بھی [ان] منافقوں کی خواہش یہ ہو گی کہ وہ کسی جنگل میں ہوں' میدان کارزار میں نہ ہوں اور لوگوں سے معلوم کرتے رہیں کہ انجام [کار] تم اس غزوہ میں کامیاب رہے ہو یا ناکام!

[سو]رۃ الاحزاب کا زمانہ نزول

سورۃ الاحزاب بالاتفاق مدنی ہے' البتہ حسب ذیل آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ (الاحزاب: ۳۶)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو اس کام کے متعلق کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا تھا' اس لیے یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے' اور سورۃ الاحزاب کی باقی آیتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔ سورۃ الاحزاب کی ۷۳ آیتیں ہیں یہ سورت الانفال کے بعد اور المائدہ سے پہلے نازل ہوئی ہے' یہ سورت ۵ ہجری میں نازل ہوئی جب کنانہ اور غطفان وغیرہ کے دس ہزار افراد نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ان کی پشت پر بنو قریظہ موجود تھے۔

سورۃ الاحزاب کے مشمولات

(۱) اس سورت کی اکثر آیتیں منافقین کے رد میں نازل ہوئی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

(۲) کفار یہ سمجھتے تھے کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنایا جائے وہ حقیقی بیٹا ہو جاتا ہے' اور جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو انہوں نے طعنہ دیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا پس ان کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۳) اس میں غزوۂ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے متعلق آیات ہیں۔

(۴) اس میں آداب معاشرت' مثلاً خواتین کے حجاب' نکاح کے بعد ولیمہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق ہدایات ہیں۔

(۵) اس میں متعدد احکام شرعیہ کا ذکر ہے: اللہ سے تقویٰ' کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرنا' اتباع وحی کا واجب ہونا' ظہار کا حکم' ہجرت اور دوستی کے حلف کی وجہ سے ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا' رحم اور رشتہ داری کو وارث بنانے کی میراث قرار دینا' ازواج مطہرات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مائیں ہونا' مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا متصرف ہونا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دینا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا دگنا اجر ہونا' اور بالفرض اگر وہ گناہ کریں تو دگنے عذاب کا استحقاق' اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کا حرام ہونا۔

(۶) غزوۃ الاحزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے ضمن میں یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر' منافقوں کی سازشوں کو منکشف کرنا' غزوۂ خندق میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو نصیحت عطا فرمائی ہیں اس کی یاد دلانا' مسلمانوں کے دشمنوں کی سازشوں کو آندھی بھیج کر اور فرشتے نازل کر کے ناکام کرنا۔

بنو نضیر کو جلا وطن کرنا اور غزوۃ الاحزاب کا سبب

امام عبد الملک بن ہشام الحافری المتوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ربیع الاول' ۴ ہجری میں بنو نضیر کو جلا وطن کرنے کا واقعہ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو عامر کے دو افراد جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا' مدینہ منورہ سے اپنے گھر والوں کی طرف جا رہے تھے' راستے میں ان کی حضرت عمرو بن امیہ ضمری سے مڈبھیڑ ہوئی' ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ بنو عامر کے یہ دو فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہیں' انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا' اب معاہدہ کی رو سے ان کی دیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حلیفوں پر تھی اور بنو نضیر آپ کے حلیف تھے' اس لیے آپ نے بنو نضیر سے دیت میں تعاون کا مطالبہ کیا' انہوں نے کہا آپ بیٹھیں ہم آپس میں مشورہ کر

ہیں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں سے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی وغیرہم رضی اللہ عنہم ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے' یہود نے دیت میں تعاون کرنے کے بجائے یہ سازش کی کہ آپ کی بے خبری میں وہ دیوار کے اوپر سے آپ کے اوپر چکی کا پاٹ پھینک کر آپ کو ہلاک کر دیں' حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ کو ان کی اس سازش کی خبر دی' آپ فوراً مدینہ منورہ تشریف لائے' آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل مقرر کیا اور بنو نضیر کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے' یہ ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے آپ نے چھ دن ان کا محاصرہ کیا۔ بنو نضیر قلعہ میں محصور ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے' منافقین نے بنو نضیر کو تسلی دی تھی کہ ہم تمہاری مدد کو پہنچیں گے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ نہیں آئے' پھر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو قتل نہ کریں بلکہ جلاوطن کر دیں اور ان کو یہ اجازت دیں کہ وہ اپنے اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر لے جائیں' چنانچہ وہ مدینہ سے نکل گئے' ان کے سردار خیبر میں چلے گئے اور بعض شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۱۲۔۲۱۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب کا مختصر ذکر

امام ابن ھشام متوفی ۲۱۳ھ نے لکھا ہے غزوۃ الاحزاب شوال ۵ ہجری میں رونما ہوا۔

بنو نضیر کے جو افراد جلاوطن ہو کر خیبر جا رہے تھے' انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا' اور ان کے علاوہ دیگر عرب کے قبائل میں سے غطفان' بنو سلیم' بنو مرہ' اشجع اور بنو اسد وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا' بنو قریظہ پہلے ان کے ساتھ نہیں تھے مگر حیی بن اخطب نے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا' غرض قریش' یہود اور دیگر قبائل عرب بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے' کفار کی تیاری کی خبریں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت کے خلاف ہے' مدینہ کے گرد خندق کھود کے دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے' آپ نے اس رائے کو پسند فرما لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا' اور خود تین ہزار اصحاب کے ساتھ شہر سے نکلے' سلع نام کے پہاڑ کو پشت پر رکھ کر خندق کھودی گئی' اس بناء پر غزوۃ الاحزاب کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں' خندق کھودنے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ شریک تھے' کفار نے ایک ماہ تک محاصرہ برقرار رکھا' وہ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لیے دور سے پتھر اور تیر برساتے تھے' ایک دن قریش کے چند سوار جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا خندق کو عبور کر کے آ گئے' عمرو نے مقابلہ کے لیے للکارا' حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا' اس کا یہ حشر دیکھ کر اس کے باقی ساتھی بھاگ گئے' بالآخر بنو قریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی اور سردی کے موسم کے باوجود ایسی زبردست آندھی آئی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے رسیاں تڑا کر بھاگ گئے' چولہوں پر رکھی ہوئی دیگچیاں بار بار الٹ جاتی تھیں' محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے مشرکین کا سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا اس لیے کفار قریش اور دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے' اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے گئے تھے۔

غزوہ احزاب میں شدت قتال کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بعض نمازیں بھی قضا ہو گئیں تھیں' چھ مسلمان شہید ہو گئے تھے اور ان میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے' تیر لگنے سے ان کے بازو کی ایک رگ کٹ گئی تھی' مسجد نبوی میں حضرت رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس خیمہ میں بھیج دیا تھا' مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے اور ایک ماہ بعد ان کی وفات ہو گئی'

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات ظاہر ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۵۶۔۲۳۶ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں جو نمازیں قضا ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات ظاہر ہوئے غزوہ بنوقریظہ کے بعد ہم ان کا ان شاء اللہ تفصیل سے ذکر کریں گے۔

غزوہ بنوقریظہ کا مختصر ذکر

اسی سال (۵ ہجری) میں غزوہ خندق کے فوراً بعد غزوہ بنوقریظہ برپا ہوا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنوقریظہ سے جنگ کرنے کا حکم آیا' بنوقریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے کفار کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہ کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ان کو پچیس دن محاصرہ میں رکھا' آخر کار انہوں نے یہ منظور کر لیا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملہ میں حاکم بنا دیا جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

سو ایسا ہی کیا گیا مردوں کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی۔

(السیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۲۶۰۔۲۵۷ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں قضا ہونے والی نمازیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے' اور کہا یا رسول اللہ! میں نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے اور سورج غروب ہو گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی' پھر ہم بطحان (مدینہ کی ایک وادی) میں کھڑے ہوئے' پھر ہم نے نماز کے لیے وضو کیا اور آپ نے وضو کیا' پھر آپ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھائی اور پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۃ الاحزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے' جس طرح انہوں نے صلوٰۃ وسطیٰ سے ہمیں (جنگ میں) مشغول رکھا' حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۷۳۔۴۷۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن مشرکین نے ہمیں چار نمازوں (کو پڑھنے) سے مشغول رکھا حتیٰ کہ رات کا اتنا حصہ گزر گیا جتنا اللہ نے چاہا' پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' پھر اقامت کہی' پس آپ نے نماز ظہر پڑھائی' پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز عصر پڑھائی' پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز مغرب پڑھائی پھر اقامت کہی تو آپ نے نماز عشاء پڑھائی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۲۲۔۲۷۲۔۲۷' ج ۱۴ ص ۲۷۲' مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۳۔۳۷۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۶۲۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۴۲۔۱۵۰۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۲۸' المعجم الاوسط رقم

الحدیث: (۱۲۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھنے سے مشغول رکھا' حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور یہ حالت جنگ میں ادائیگی نماز کے طریقہ کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ (الاحزاب: ۲۵) ''اللہ خود ہی مومنین سے قتال میں کافی ہوگیا'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا' انہوں نے ظہر کی اقامت کہی پھر آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ ظہر کے وقت میں نماز پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھاتے تھے' پھر انہوں نے مغرب کی اقامت کہی تو آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی جیسا کہ آپ مغرب کے وقت میں اس کی نماز پڑھاتے تھے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۶۰)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ درحقیقت جنگ الاحزاب میں صرف تین نمازیں قضاء ہوئی تھیں' ظہر' عصر اور مغرب' اور عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا پڑھی گئی تھی لیکن چونکہ اس دن عشاء کی نماز اپنے معروف وقت سے کافی دیر بعد پڑھی گئی تھی اس لیے اس کو بھی قضا ہونے والی نمازوں میں شامل کر لیا گیا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غزوۃ الاحزاب میں وقوع پذیر ہونے والے معجزات

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا' حضرت البراء نے کہا خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی' مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی' عوف نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فالتو کپڑے رکھ کر چٹان کی طرف اتر گئے' آپ نے کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں' آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے ملک شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' اور اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں! آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی' آپ نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں اور آپ نے فرمایا اللہ اکبر! میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۳ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۰۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۵' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۳۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۲۹-۴۲۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھوک کے آثار دیکھے میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شدید بھوک کے آثار دیکھے ہیں! اس نے ایک تھیلا نکالا' جس میں چار کلو جَو تھے اور ہمارے پاس ایک پالتو بکری تھی' میں نے اس بکری کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ فارغ ہوگئی' میں نے بکری کا گوشت کاٹ کر دیگچی میں ڈالا' پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے لگا' میری بیوی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا' میں آپ کے پاس پہنچا اور آپ سے سرگوشی میں کہا: یا رسول اللہ! ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع (چار کلوگرام) جَو پیس لیے ہیں' جو ہمارے پاس تھے' آپ چند اصحاب کو لے کر ہمارے ہاں

چلیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ آواز بلند فرمایا: اے اہل خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے؟ سو تم لوگ چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا: جب تک میں نہ آؤں' تم ہانڈی نہ اتارنا' نہ روٹی پکانا' پھر میں گھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے آئے' میں اپنی بیوی کے پاس گیا اس نے کہا تمہاری ہی رسوائی اور فضیحت ہوگی' میں نے کہا میں نے وہی کیا ہے جو تم نے مجھ سے کہا تھا' پھر اس نے اپنا گندھا ہوا آٹا نکالا' آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا' اور برکت کی دعا کی' پھر آپ نے ہماری دیگچی کا قصد کیا اور اس میں لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا کی' پھر فرمایا ایک اور روٹیاں پکانے والی بلالو' جو تمہارے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے' دیگچی میں سے سالن نکالنا' لیکن اس کو (چولہے سے) نیچے نہ اتارنا' اس موقع پر ایک ہزار صحابہ تھے' اللہ کی قسم ان سب نے کھانا کھایا اور کھانا بچ گیا' اور جس وقت آپ واپس گئے تو ہماری دیگچی اسی طرح جوش کھا رہی تھی اور ہمارا گندھا ہوا آٹا اتنا ہی تھا اور اس سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۲۶۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۷)

امام ابن اسحاق' نعمان بن بشیر کی بہن سے روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ عمرۃ بنت رواحہ نے مجھے بلایا اور ایک مٹھی کھجوریں مجھے ایک کپڑے میں باندھ کر دیں' اور کہا اے بیٹی یہ کھجوریں اپنے باپ اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس ان کے ناشتہ کے لیے لے جاؤ' انہوں نے کہا میں وہ کھجوریں لے کر گئی' پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری اس وقت میں اپنے باپ اور ماموں کو ڈھونڈ رہی تھی' آپ نے فرمایا: اے بیٹی! ادھر آؤ! یہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کھجوریں ہیں میری ماں نے ان کو میرے والد بشیر بن سعد اور میرے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس بھیجا ہے وہ ان کا ناشتہ کریں گے' آپ نے فرمایا یہ کھجوریں مجھے دے دو' وہ کہتی ہیں کہ میں نے وہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں میں ڈال دی' وہ اتنی کھجوریں نہیں تھیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی بھر جاتی' آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس میں وہ کھجوریں ڈال دیں' اس کپڑے کے اوپر وہ کھجوریں بکھر گئیں' پھر آپ نے ایک شخص سے کہا جاؤ اہل خندق میں اعلان کر دو کہ وہ میرے پاس ناشتہ کرنے کے لیے آئیں اور وہ اس سے کھجوریں لے کر کھانے لگے اور کھجوریں اور زیادہ ہو رہی تھیں حتیٰ کہ تمام اہل خندق ناشتہ کر کے چلے گئے اور وہ کھجوریں پھر بھی زیادہ ہو رہی تھیں۔

(السیرۃ النبوۃ ج ۳ ص ۲۴۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۴۲۷' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۴۲۷' سبل الہدی والرشاد ج ۴ ص ۳۷۰-۳۶۹)

سورۃ الاحزاب کے اس مختصر تعارف اور اس کی تمہید کے بعد ہم بسم اللہ پڑھ کر سورۃ الاحزاب کے ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہے ہیں' الٰہ العٰلمین مجھے اس کے ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر مستقیم رکھنا' جو امور حق و صواب ہوں ان کو مجھ پر منکشف کرنا اور اس کی تفسیر میں مجھ سے وہی امور لکھوانا' اور جو امور غلط اور باطل ہوں' ان کو مجھ پر ظاہر فرمانا' اور مجھے ان کا رد کرنے کا علم' حوصلہ اور ہمت عطا فرمانا۔ آمین یا رب العلمین! والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ رجب ۱۴۲۳ھ - ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء

فون: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

(۳۳) سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۰) — اٰیَاتُہَا ۷۳ — رُکُوْعَاتُہَا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الاحزاب مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے○ اس میں تہتر آیتیں نو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں' بے شک اللہ

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ

بہت علم والا بہت حکمت والا ہے○ اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے آپ اسی کی پیروی کیجئے'

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے○ اور اللہ پر توکل رکھیے اور اللہ کافی

وَكِيْلًا ③ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ

کارساز ہے○ اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے' اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار

اَزْوَاجَكُمُ الّٰۗـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاۗءَكُمْ

کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا

اَبْنَاۗءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

(حقیقی) بیٹا بنایا ہے' یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے' اور اللہ حق بات کہتا ہے اور

يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

سیدھا راستہ دکھاتا ہے○ منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک بہت

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ

انصاف کی بات ہے' پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو' تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں' اور اگر

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ

تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہو گی) اور اللہ

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ

بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ۝ نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں اور

اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ

نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں' اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں

كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى

کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی

اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَ اِذْ

نیکی کرو' یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے ۝ اور یاد

اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ

کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے

وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا ۝

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

تاکہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں' اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں' بے شک اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے ۝ اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے' آپ اسی کی پیروی کیجئے' بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ۝ اور اللہ پر توکل رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے ۝ (الاحزاب: ۳-۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی توجیہ

یایھا النبی کا لفظ اس سے پہلے الانفال: ۶۴' الانفال: ۶۵' الانفال: ۷۰ اور التوبہ: ۷۳ میں آ چکا ہے اور اب پانچویں بار الاحزاب: ۱ میں آیا ہے۔

عربی میں لفظ یا کے ساتھ اس وقت ندا کی جاتی ہے جب منادیٰ (جس کو ندا کی جائے) غافل ہو' اور ظاہر ہے کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی گئی ہے اور غافل ہونا آپ کی شان سے بعید ہے' کیونکہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف متوجہ رہتے ہیں' اور دوسری وجہ یا کے ساتھ ندا کرنے کی یہ ہے کہ جس چیز کی خاطر ندا کی گئی ہے وہ بہت عظیم ہے' اور اس

کی عظمت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے لفظ یا کے ساتھ ندا کی جاتی ہے' اس لیے یہاں پر یہی دوسری وجہ مراد ہے۔

نبی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

نبی کا لفظ نبو سے بنا ہے اس کا معنی رفعت اور بلندی ہے اور نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام اپنی امت میں سب سے بلند ہوتا ہے' قرآن مجید میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ (مریم: ۵۷) — اور ہم نے اس کو بلند مقام پر اٹھالیا۔

اور یا یہ لفظ نبأ سے بنا ہے اور نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ہوں (۱) اس سے کوئی عظیم فائدہ حاصل ہو (۲) اس سے یقین حاصل ہو' اور جب تک کوئی خبر ان دو چیزوں کو متضمن نہ ہو اس کو نبأ نہیں کہا جاتا' اور جس خبر کو نبأ کہا جاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ نہ ہو' جیسے خبر متواتر (وہ خبر جس کے بیان کرنے والے ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل کے نزدیک ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو) اور اللہ تعالیٰ کی خبر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر' کو نبأ کہا جاتا ہے اور چونکہ نبأ علم کو متضمن ہے اس لیے اس کا معنی خبر دینا بھی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ ۔ (ھود: ۴۹) — یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نبأ کا لفظ غیب کی خبر دینے کے معنی میں بھی آتا ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا:

وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ ۔ (آل عمران: ۴۹) — میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جن کو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۔ (طٰہٰ: ۹۹) — اور اسی طرح ہم آپ کے سامنے پچھلے گزرے ہوئے واقعات کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔

اور اس اعتبار سے نبی کا معنی ہے غیب کی خبریں بیان کرنے والا' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: اے غیب کی خبریں بتانے والے' اور اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ نے وحی نازل کی ہو اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجا ہو۔

علامہ اسماعیل حقی کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام کے ..... بجائے صفات کے ساتھ ندا کرنے کی توجیہ

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی صفت النبی کے ساتھ ندا کی ہے اور آپ کے اسم کے ساتھ ندا نہیں کی اور یا محمد نہیں فرمایا' جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ندا کرتے ہوئے فرمایا: یا آدم' یا نوح' یا موسیٰ' یا عیسیٰ' یا زکریا اور یا یحییٰ' اور آپ کو معزز اور مکرم القاب مثلاً یایھا النبی اور یایھا الرسول وغیرہ کے ساتھ ندا فرمائی اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمایا' اور آپ کے بہت اسماء اور القاب ہیں' اور کثرت اسماء اور القاب مسمّی کے شرف

اور اس کی قدر و منزلت پر دلالت کرتے ہیں' اور الفتح :۲۹ میں جو فرمایا ہے محمد رسول اللہ اور آپ کے نام کا ذکر فرمایا ہے یہ اس لیے ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور وہ آپ کے رسول ہونے کا عقیدہ رکھیں اور اس کو عقائد حقہ میں شمار کریں۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک آپ کو ذات اور صفات دونوں کے ساتھ نداء کرنے کا جواز

قرآن مجید میں بے شک یا محمد کے ساتھ نداء کرنے کا ذکر نہیں ہے' لیکن احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا محمد کے ساتھ بھی ندا فرمائی ہے' حضرت جبریل نے بھی اور فرشتوں نے بھی اور امت نے بھی۔

اللہ تعالیٰ کے یا محمد فرمانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

یا محمد ارفع راسک وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع.

اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی عرض سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا' اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۱۰' صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸' طبع کراچی' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۹ طبع کراچی' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲' سنن ابن ماجہ ص ۳۲۹' طبع کراچی' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۸ القدیم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ (تجلی الیقین ص ۳۵' حامد اینڈ کمپنی لاہور۔ ۲)

حضرت جبریل کے یا محمد کہہ کر ندا کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

قال جبریل یا محمد اتدری من صلی خلفک قلت لا قال خلفک کل نبی بعثه الله.

(المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۶۴' دار الکتب بیروت ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۶ ص ۴۹' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

حضرت جبریل نے کہا اے محمد! کیا آپ از خود جانتے ہیں کہ کس کس نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں' حضرت جبریل نے کہا آپ کی اقتداء میں ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا۔

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اس حدیث کا حوالہ دیا ہے' تجلی الیقین ص ۸۴' حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۴۰۱ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

امام ابو زکریا یحییٰ بن عائذ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قصہ ولادت اقدس میں فرماتی ہیں مجھے تین شخص نظر آئے' گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے' ان میں سے ایک نے حضور کو اٹھا کر ایک ساعت تک حضور کو اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا' اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے:

ابشر یا محمد فما بقی لنبی علم الا وقد اعطیته فانت اکثرهم علما واشجعهم قلبا.

اے محمد! آپ کو بشارت ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں۔

(المواہب ج ۱ ص ۶۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۱ ص ۱۱۵' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

(تجلی الیقین ص ۸۲۔۸۱' حامد اینڈ کمپنی لاہور' ۱۴۰۱ھ)

قیامت کے دن ہزار ہا لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے:

یا محمد و یا نبی الله انت الذی فتح الله بک وجئت فی هذا الیوم امنا انت رسول الله و خاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربک فلیقض بیننا.

اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے' حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں' اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے۔

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۴۵۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' شرح الزرقانی ج ۸ ص ۳۷۶' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

(تجلی الیقین ص ۲۷۔ ۱۷' حامد اینڈ کمپنی لاہور' ۱۴۰۱ھ)

رہا یہ اعتراض کہ آپ کا نام لے کر آپ کو ندا کرنے میں آپ کی بے ادبی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو بلانے کے لیے آپ کا نام لے کر آپ کو ندا کرنا جائز نہیں ہے' اور آپ کو متوجہ کرنے کے لیے آپ کا نام لے کر آپ کو متوجہ کرنا جائز ہے' اور ان تمام احادیث میں ایسا ہی ہے آپ کے نام کے ساتھ آپ کو ندا کر کے آپ کو متوجہ کیا گیا ہے' آپ کو بلایا نہیں گیا۔

نیز آپ کا نام مبارک محمد ہے' اور یہ ایک اعتبار سے آپ کا عَلَم شخصی اور آپ کا نام ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ آپ کی صفت ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے جس کی بے حد حمد اور تعریف کی گئی ہو یا جس کی بار بار حمد کی گئی ہو اور اس اعتبار سے یا محمد کا معنی ہے اے وہ شخص جس کی بے حد تعریف اور توصیف کی گئی ہے اور اس اعتبار سے یا محمد کہہ کر ندا کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس معنی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ نے قریش کے سب وشتم اور ان کے لعن طعن کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا ہے وہ کسی مذمم (مذمت کیا ہوا) کو سب وشتم کرتے ہیں اور کسی مذمم کو لعن طعن کرتے ہیں اور میں محمد (وہ جن کی حمد کی گئی ہو) ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۳۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۱۸' عالم الکتب)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کیونکہ کفار آپ سے سخت بغض رکھتے تھے' اس لیے وہ آپ کا نام (محمد) نہیں لیتے تھے' جو آپ کی مدح اور تعریف پر دلالت کرتا تھا اس لیے وہ مدح سے اعراض کر کے اس کی ضد یعنی مذمت سے آپ کو پکارتے تھے اور آپ کو مذمم کہتے تھے اور مذمم آپ کا نام نہیں تھا اور نہ مذمم سے آپ معروف تھے' پس جب وہ مذمم کو برا کہتے تھے تو گویا کسی اور کو برا کہتے تھے' آپ نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے اور محمد اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت قابل تعریف صفات ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر والوں کو یہ الہام کیا تھا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آپ کی صفات محمودہ اور موجب تحسین ہوں گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۳۶۔ ۱۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صحابہ کرام اسی وجہ سے آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کرتے تھے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ حدیث ہجرت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ہمارے پاس مدینہ پہنچے' مسلمانوں نے اس میں بحث کی کہ کس کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہریں' آپ نے فرمایا میں بنو النجار کے ہاں ٹھہروں گا جو عبد المطلب کے ماموں ہیں' میں اپنے قیام سے ان کو شرف عطا کروں گا' پس تمام مرد اور عورتیں گھروں کی چھت پر چڑھ گئے اور لڑکے اور خدام راستوں میں پھیل گئے' وہ بلند آواز سے ندا کر رہے تھے (نعرے لگا رہے تھے) یا محمد! یا رسول اللہ! یا محمد! یا رسول اللہ!۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹' الرقم المسلسل: ۷۳۸۷' صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۹' طبع کراچی)

حافظ ابن اثیر الجزری متوفی ۶۳۶ھ اور حافظ ابن کثیر التوفی ۷۷۴ھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے احوال میں لکھتے ہیں:

وکان شعارهم یومئذ یا محمداه. اس زمانہ میں مسلمانوں کا شعار یا محمداہ کہنا تھا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۴۶ بیروت' البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۰' دارالفکر بیروت' طبع جدید)

اوران کا اس ندا سے مقصود آپ کے نام کا نعرہ لگانا تھا نہ کہ آپ کو بلانا' اور آپ کے نام کا قصد کر کے یا محمد کہہ کر آپ کو بلانا جائز نہیں ہے۔

اس مبحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے النور: ۶۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

کفار کا آپ کو پیغام توحید سنانے سے روکنے کی ناکام کوشش کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نبی! آپ اللہ سے ڈرتے رہیں (الاحزاب: ۱)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اور امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری التوفی ۴۲۷ھ اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ آیت ابوسفیان بن حرب' عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور عمرو بن ابی سفیان السلمی کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ یہ لوگ مدینہ میں غزوہ احد کے بعد آئے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عبد اللہ بن ابی سے کلام کرنے کی اجازت دے دی تھی' ان کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طعمہ بن ابیرق بھی کھڑا ہوا' اس وقت آپ کے پاس حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے' انہوں نے آپ سے کہا آپ لات' عزیٰ' منات اور ہمارے دیگر معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں' اور یہ کہیں کہ جو شخص ان بتوں کی عبادت کرے گا اس کو ان بتوں کی شفاعت اور منفعت حاصل ہوگی تو ہم اس کے عوض آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ بات ناگوار گزری' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کو انہیں قتل کرنے کی اجازت دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کو امان دے چکا ہوں! حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ اللہ کی لعنت اور اس کے غضب میں گرفتار ہو کر نکل جاؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال کر آئیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ ص ۱۴۱' الکشف والبیان ج ۸ ص ۶۔۵' اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۶۸۸)

آپ کو ڈرنے کا حکم دینے کی توجیہ

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں' جب کہ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے اور جو شخص کوئی کام کر رہا ہو اس کو یہ حکم دینا کہ تم یہ کام کرو یہ بظاہر عبث معلوم ہوتا ہے' مثلاً کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو تو اس کو یہ حکم دینا کہ تم بیٹھ جاؤ عبث اور بے فائدہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم دوام اور استمرار کے لیے ہے' اور اس کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اسی طرح اپنی آئندہ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں' اور عہد شکنی نہ کریں اور کسی کو امان دے کر امان نہ توڑیں' اور اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے میں مزید اضافہ اور ترقی کریں' کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

تقویٰ کا مادہ ہے وقی اور وقایۃ اور اس کا معنی ہے کسی چیز سے بچنا اور اس سے احتراز کرنا اور اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کی سزا اور عذاب سے بچنا' اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے اور اس کی منع کی گئی چیزوں کے ارتکاب

کرنے سے انسان جس سزا اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اس سے احتراز کرنا اور بچنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجوسیوں' مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنے کا حکم دینا

نیز فرمایا: اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کام آپ کے دین اور آپ کی شریعت کے خلاف ہوں ان میں آپ ان کی موافقت نہ کریں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور منافقین کی اطاعت ہرگز نہیں کرتے تھے اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی عدم اطاعت اور عدم موافقت کے طریقہ پر برقرار رہیں' اور اس پر دوام اور استمرار کریں' نہ صرف یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود کفار اور منافقین کے طریقہ کی موافقت نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ان کے طریقہ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ نے اپنی امت کو بھی ان کے طریقہ کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الیھود والنصاری لا یصبغون فخالفوھم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے' سوتم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۸۷۔۵۰۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۰۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۲۷۴' عالم الکتب بیروت)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا الشیب ولا تشبھوا الیھود.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید بالوں کو متغیر کرو' اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۲۔۵۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۴۷۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزو الشوارب و ارخوا اللحی خالفوا المجوس.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں کم کرو اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس (آتش پرست) کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰)

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفوا اللحی.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو' مونچھیں کم کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۴)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے' آپ نے چند انصاری بوڑھوں کی سفید ڈاڑھیاں دیکھیں' تو آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ یا زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' حضرت ابو امامہ کہتے ہیں ہم نے کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے؟ آپ نے فرمایا تم شلوار بھی پہنو اور تہبند بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' ہم نے کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب چمڑے کے موزے پہنتے ہیں اور (اس کے اوپر) جوتی نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا تم موزے بھی پہنو اور جوتی بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو' ہم نے

کہا یا رسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں لمبی رکھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵ طبع قدیم' حافظ زین نے کہا اس کی سند صحیح ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۴' دار الحدیث قاہرہ' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۲۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱' سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۲۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو' عاشوراء سے ایک دن پہلے بھی روزہ رکھو یا اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۱ قدیم' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۵۴' المنتقی رقم الحدیث: ۲۲۲۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا امام بزار کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۸۹۔۱۸۸)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کے ساتھ جاتے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ میت کو لحد میں نہ رکھ دیا جاتا' آپ کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا یہود کی مخالفت کرو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۷۶' امام ترمذی نے کہا اس کی سند میں بشر بن رافع قوی نہیں ہے' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۴۵' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۲۲' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۳۳)

کفار اور فساق کی مشابہت کے حکم کی تحقیق

کفار اور فساق کی مشابہت کی ممانعت کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰ طبع قدیم' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۹۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہبوں کا لباس پہننے سے اجتناب کرو' کیونکہ جس شخص نے رہبانیت اختیار کی یا راہبوں کے مشابہ بنا وہ میرے طریقہ (محمودہ یا میرے دین کامل) پر نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۳۱' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی علی بن سعید رازی ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱' دار الکتاب العربی بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے' یہود کی مشابہت کرو نہ نصاریٰ کی' انگلیوں سے اشارہ کرنا یہود کا سلام ہے اور ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا نصاریٰ کا سلام ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۵' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۹)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں علامہ مناوی کی تحقیق

علامہ مناوی ''من تشبه بقوم فهو منهم'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو شخص اپنے ظاہری لباس میں کسی قوم کے لباس کی' اپنے افعال اور عادات میں کسی قوم کی عادات کی اور اپنی سیرت اور خصلت میں کسی قوم کی سیرت کی مشابہت اختیار کرے حتیٰ کہ اس کا ظاہر اور باطن اس قوم کے موافق ہو جائے تو اس کا شمار اس قوم سے ہو گا' ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص صالحین کی مشابہت اختیار کرے گا اس کی ان کی طرح عزت کی جائے گا اور جو شخص فساق کی مشابہت اختیار کرے اس کی ان کی طرح رسوائی ہو گی' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اگر

کسی خاص لباس کو اختیار کر لیں تو دوسروں کو اس لباس کے پہننے سے منع کیا جائے گا تا کہ ناواقف شخص ان کو بھی فاسق گمان کرے اور اس بدگمانی کی وجہ سے گناہ میں مبتلاء نہ ہو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ تشبہ امور قلبیہ یعنی اعتقادات میں بھی ہوتا ہے اور امور خارجیہ یعنی اقوال اور افعال میں بھی ہوتا ہے اور اقوال اور افعال کی دو قسمیں ہیں عبادات اور عادات' عادات میں کھانا پینا' لباس کی وضع قطع' جائے سکونت' نکاح' تمدن اور ثقافت (یعنی کسی قوم کے رہن سہن اور طرز معاشرت کے اجتماعی آداب) سفر اور اقامت کے طور طریقے۔ اعتقادات اور عبادات میں تو کفار کا تشبہ اختیار کرنا کفر اور حرام ہے ہی شریعت اسلامیہ نے تمدن اور ثقافت اور دیگر عادات میں بھی کفار کے تشبہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ ظاہر اور باطن میں ربط اور مناسبت ہوتی ہے اور ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے تمدن اور ثقافت کے لیے ایسے امور بیان فرمائے جو کفار کے تمدن اور ثقافت سے الگ اور ممتاز ہیں' اور اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے ظاہری طور طریقہ میں بھی کفار کی مخالفت کریں' کیونکہ اگر مسلمان کفار کی تہذیب اور تمدن کو اختیار کریں گے تو اس کا اثر ان کے اخلاق' عبادات اور عقائد پر بھی پڑے گا' اور اس کا عام مشاہدہ ہے جن لوگوں نے مغربی تہذیب کو اختیار کر لیا' ان کے اخلاق سے پاکیزگی کا عنصر ختم ہو گیا' وہ لوگ عبادات سے دور ہو گئے اور ان کے عقائد کمزور پڑ گئے اور جن لوگوں نے دین داروں کی وضع قطع اختیار کی ان میں خدا خوفی کا غلبہ ہوا اور ان کا دین مستحکم ہو گیا' اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جب مسلمان اپنے ظاہری اطوار میں کفار کے مخالف رہیں گے تو اسباب غضب سے بچے رہیں گے اور گمراہی کے اسباب سے مجتنب رہیں گے' تیسری وجہ یہ ہے کہ جب کفار اور مسلمانوں کا لباس' وضع قطع' ان کی بود و باش اور طرز معاشرت ایک جیسی ہو گی تو ہدایت یافتہ اور گمراہوں میں ظاہری تمیز نہیں رہے گی' اس لیے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار کے تمدن اور ثقافت سے الگ رہیں اور ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کفار کی مشابہت اختیار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **ومن یتولھم منکم فانہ منھم** (المائدہ:۵۱) ''تم میں سے جس شخص نے یہود اور نصاریٰ سے دوستی رکھی اس کا انہی سے شمار ہو گا'' لیکن اس حدیث کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ کفار کی مشابہت حرام ہو' حضرت ابن عمر کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کفار کی سرزمین پر گھر بنایا اور ان کے نیروز اور مہرجان (یعنی ان کے تہواروں سے مثلاً کرسمس اور دسہرہ) کو منایا اور مرتے دم تک ان کے مشابہ رہا تو اس کا قیامت کے دن انہی کے ساتھ حشر ہو گا' اور کفار سے بالکلیہ مشابہ ہونا کفر ہے اور بعض امور میں مشابہ ہونا حرام ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ کفر میں ان کی مشابہت اختیار کرنا کفر ہے اور معصیت میں مشابہت اختیار کرنا معصیت ہے اور ان کے شعار میں ان کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱۱ ص ۵۷۴۴_۵۷۴۳' نزار مصطفیٰ الباز' ریاض ۱۴۱۸ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق دہلوی کی تحقیق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ شخص جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے ہو گا' چونکہ حدیث میں تشبہ کو مطلقاً فرمایا ہے' لہٰذا یہ تشبہ خلق' اعمال اور لباس کو شامل ہے خواہ نیکوں کے ساتھ مشابہ ہو یا بُرے لوگوں کے ساتھ مشابہ ہو' اگر اخلاق اور اعمال میں مشابہ ہو گا تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں جاری ہو گا' اور اگر صرف لباس میں مشابہ ہو گا تو اس کا حکم صرف ظاہر میں ہو گا' اگر کوئی شخص مثلاً سکھوں کا لباس اور ان کی وضع اور قطع اختیار کرے تو اس کا بظاہر سکھوں میں شمار ہو گا وہ حقیقت میں سکھ

نہیں ہو جائے گا' اور نہ قیامت کے دن سکھوں میں اٹھے گا' البتہ اس ظاہر لباس اور وضع قطع کو دیکھ کر دیکھنے والے اس کو سکھ خیال کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) زیادہ تر عرف میں ان مشابہت کو لباس پر محمول کرتے ہیں اسی وجہ سے اس حدیث کو کتاب اللباس میں ذکر کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز جس کے مشابہ ہوگی وہ اس چیز کے حکم میں ہوگی اگر ظاہر میں مشابہت ہے تو ظاہر میں اس چیز کے حکم میں ہوگی اور اگر باطن میں اس کے مشابہ ہے تو باطن میں اس چیز کے حکم میں ہوگی۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۴۷' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلے میں فقہاء احناف کی تحقیق

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

اعلم ان التشبیه باهل الکتاب لا یکره فی کل شیء فانا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام هو التشبه فیما کان مذموما وفیما یقصد به التشبیه کذا ذکره قاضی خان فی شرح الصغیر. (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱' مصر)

جان لو کہ اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے' کیونکہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں' البتہ صرف مذموم کاموں میں ان کے ساتھ تشبہ ممنوع ہے' یا جس کام کو ان کے ساتھ تشبہ کے قصد کے ساتھ کیا جائے وہ ممنوع ہے' اسی طرح قاضی خان نے جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

فان التشبه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد به التشبه

اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے' بلکہ مذموم چیزوں میں تشبہ مکروہ ہے اور جن کاموں میں تشبہ کا قصد کیا جائے۔

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویؤیده ما فی الذخیرة قبیل کتاب التحری قال هشام رایت علی ابی یوسف نعلین مخصوفین بمسامیر' فقلت اتری بهذا الحدید باسا قال لا' قلت سفیان وثور بن یزید کرها ذلک لان فیه تشبها بالرهبان فقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال التی لها شعر وانها من لباس الرهبان فقد اشار الی ان صورة المشابهة فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر فان الارض مما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیها الا بهذا النوع اھ وفیه اشارة ایضا الی ان المراد بالتشبه اصل الفعل ای صورة المشابهة بلا قصد.

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کی تائید میں "ذخیرہ" کی کتاب التحری سے ذرا پہلے یہ مذکور ہے کہ ہشام نے ابو یوسف کو دو ایسی جوتیاں پہنے دیکھا جس میں کیلیں ٹھکی ہوئی تھیں' میں (ہشام) نے پوچھا کیا آپ ان لوہے کی کیلوں میں کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں' میں نے کہا کہ سفیان اور ثور بن یزید اس کو مکروہ کہتے ہیں' کیونکہ اس میں راہبوں کے ساتھ تشبہ ہے' امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں والی جوتیاں پہنتے تھے اور وہ بھی راہبوں کا لباس ہے' امام ابو یوسف نے اپنے اس قول میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جس کام میں صورۃً مشابہت ہو اور اس کام میں لوگوں کا نفع اور فائدہ ہو تو اس مشابہت میں ضرر نہیں ہے' کیونکہ اس قسم کی جوتیوں کے بغیر زمین میں دور دراز کی مسافت کو طے نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف کے اس قول میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس قسم کی مشابہت میں اس وقت حرج نہیں ہے جب اس کام میں کفار کے ساتھ مشابہت کا قصد نہ کیا جائے' صرف صورۃً مشابہت ہو۔

علامہ شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ پر بھی یہی تقریر کی ہے۔

(منحۃ الخالق علیٰ حاشیہ البحر الرائق ج ۲ ص ۱۱ مطبع علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تحقیق

مسئلہ: از پیلی بھیت محلہ محمد واصل مرسلہ مولوی محمد وصی احمد صاحب سورتی ۲۴ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دھوتی لباس ہند ہے یا کہ خاص ہنود کا لباس ہے ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ دھوتی لباس ہنود ہے اور بموجب من تشبہ بقوم فھو منھم کے جو مسلمان دھوتی پہنے وہ ہندو ہے اور نماز روزہ وغیرہ کوئی عمل صالح اوس کا مقبول نہیں مسلمانوں کو دھوتی پہننے والے کے ساتھ مناکحت ونشست برخاست کھانا پینا کھلانا پلانا صاحب سلامت سب منع ہے بلکہ دھوتی پہننے والا اسلام علیک کرے تو اوس کے سلام کا جواب بھی نہ دے پس دھوتی پہننے والے کے ساتھ وہی برتاؤ چاہیے جیسا کہ عالم صاحب کہتے ہیں یا کہ مسلمانوں کا اس بارہ میں جو حکم شریعت ہو ارشاد فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اقول وباللہ التوفیق اس جنس مسائل میں حق تحقیق وتحقیق حق یہ ہے کہ تشبہ دو وجہ پر ہے التزامی ولزومی التزامی یہ کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز وضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ اون کی سی صورت بنائے اون سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے فان معنی القصد والتکلف ملحوظ فیہ کما لا یخفی اور لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعار خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ اوس قوم کو محبوب ومرضی جان کر اون سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفار کے ساتھ معاذ اللہ کفر حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے غمز العیون والبصائر میں ہے اتفق مشائخنا ان من رای امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس او ترک المضاجعۃ عندھم حال الحیض حسن فھو کافر دوم: کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اختیار کرے وہاں اوس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت کا وقت ضرورت یہ تشبہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ بعض فتوحات میں مقتول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کے بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالیٰ برہانہ کے زمانے میں جب کہ تمام کفار یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اوس آتش تعصب کو بجھا دیا خلاصہ میں ہے لو شد الزنار علی وسطہ ودخل دار الحرب لتخلیص الاساری لا یکفر ولو دخل لاجل التجارۃ یکفر ذکرہ القاضی الامام ابو جعفر الاستروشنی. ملتقط میں ہے اذا شد الزنار او اخذ الغل او لبس قلنسوۃ المجوس جادا او عازلا لا کفر الا اذا فعل خدیعۃ فی الحرب منح الروض میں ہے ان شد المسلم الزنار ودخل دار الحرب للتجارۃ کفر ای لانہ تلبس بلباس کفر من غیر ضرورۃ ملجئۃ ولا فائدۃ مترتبۃ بخلاف من لبسھا لتخلیص الاساری علی ما تقدم سوم: نہ تو انھیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لیے یا یوں ہی بطور ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع اون کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنار قشقہ چُٹیا چلیپا تو علما نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا کما سمعت انفا اور فی الواقع صورت استہزاء میں حکم کفر ظاہر ہے کما لا

یخفی اورلزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا انگریزی ٹوپی جاکٹ پتلون
پردہ کہ اگر چہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ ولہذا علماء نے فساق کی وضع
کپڑے موزے سینے سے ممانعت فرمائی فتاوٰی خانیہ میں ہے الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیء من
زی الفساق ویعطی له فی ذلک کثیرا جرلا یستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة مگر اس کے تحقق
اوس زمان و مکان میں اون کا شعار خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور اون میں اور اون کے غیر
مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل' ہاں وہ بات فی نفسہ شرعاً مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبہ کی وجہ
امام علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں دربارۂ طیلسان کہ پوشش یہود تھی فرماتے ہیں اما ما ذکره ابن القیم من قصة
الیهود فقال الحافظ ابن حجر انما یصح الاستدلال به فی الوقت الذی تکون الطیالسة من شعارهم وقد
ارتفع ذلک فی هذه الازمنة فصار داخلا فی عموم المباح وقد ذکره ابن عبد السلام رحمه الله تعالی فی
امثلة البدعة المباحة امام اجل فقیه النفس فخر الملة والدین قاضی خان پھر امام محمد' محمد ابن الحاج حلبی حلیہ شرح
منیہ فصل مکروہات الصلاۃ پھر علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر علامہ محمد بن علی دمشقی درمختار میں فرماتے ہیں التشبه باهل
الکتاب لا یکره فی کل شیء فانا ناکل ونشرب کما یفعلون ان الحرام التشبه بهم فیما کان مذموما او
فیما یقصد به التشبه علامہ علی قاری منح الروض میں فرماتے ہیں انا ممنوعون من التشبه بالکفرة واهل البدع
المنکرة فی شعارهم لا منهیون عن کل بدعة ولو کانت مباحة سواء کانت من افعال اهل السنة او من
افعال الکفرة واهل البدعة فالمدار علی الشعار فتاوٰی عالمگیری میں محیط سے ہے قال هشام فی نوادره رایت
علی ابی یوسف رحمه الله تعالی نعلین محفوفین بمسامیر الحدید فقلت له اتری بهذا الحدید باسا قال لا
فقلت له ان سفین وثور بن یزید کرها ذالک لانه تشبه بالرهبان فقال ابو یوسف رحمه الله تعالی کان
رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس النعال التی لها شعور وانها من لباس الرهبان الخ اس تحقیق سے روشن
ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شیء اون بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی
حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلیے دھوتی باندھنے والے مسلمانوں کا
قصد تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کی سی صورت بنائیں نہ مدعی نے اس پر بنائے کلام کی بلکہ مطلقاً دھوتی باندھنے کو اون کی
شدید اختراعی احکام کا مورد قرار دیا نہ زنہار قلب پر حکم روا نہ بدگمانی جائز قال الله تعالی فلا تقف ما لیس لک به علم
ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا O اور فی نفسہٖ دھوتی کی حالت کو دیکھا جائے تو اوس کی
ذات میں کوئی حرج شرعی بھی نہیں بلکہ ساتر ماموربہ کے افراد سے ہے اصل سنت ولباس پاک عرب یعنی تہ بند سے صرف
چھوڑنے اور پیچھے گھرس لینے کا فرق رکھتی ہے اس میں کسی امر شرعی کا خلاف نہیں تو دو وجہ ممانعت تو قطعاً منتفی ہیں' رہا اس کا
شعار کفار ہونا وہ بھی باطل بنگالہ وغیرہ پورب کے عام شہروں میں تمام سکان ہندو مسلمان سب کا یہی لباس ہے یوں ہی
اضلاع ہند کے دیہات میں ہندو مسلمین یہی وضع رکھتے ہیں رہے وسط ہند کے شہری لوگ اون میں بھی فنائے شہر اور خود شہر کے
اہل حرفہ وغیرہم جنہیں کم قوم کہا جاتا ہے بعض ہر وقت اور بعض اپنے کاموں کی ضرورتوں کی حالت میں دھوتی باندھتے ہیں
یہاں کے معزز شہریوں میں اس کا رواج نہیں مگر اوس کا حاصل اس قدر کہ اپنی تہذیب کے خلاف جانتے ہیں نہ یہ کہ جو باندھے
اوسے فعل کفر کا مرتکب سمجھیں تو غایت یہ کہ ان اضلاع کے شہری وجاہت دار آدمی کو گھر سے باہر اوس کا باندھنا مکروہ ہو

بلا وجہ شرعی عزت و عادت قوم سے خروج بھی سبب شہرت و باعث کراہت ہے' علامہ قاضی عیاض مالکی امام اجل ابو زکریا نووی شافعی شارحان صحیح مسلم پھر عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی شارح طریقہ محمدیہ فرماتے ہیں خروجہ عن العادۃ شہرۃ ومکروہ اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے۔حرج پیچھے گھرسنے میں ہے ورنہ تہ بند تو عین سنت ہے اس سے زائد جو کچھ لفاظیاں شخص مذکور نے کہیں محض بے اصل و باطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاطل ہیں بالفرض اگر دھوتی باندھنا مطلقاً ممنوع بھی ہوتا تاہم اوس میں اوتنا وبال نہ تھا جو شرع مطہر پر دانستہ افترا کرنے میں والعیاذ باللہ تعالیٰ نسئل اللہ ھدیۃ سبیل الرشاد والعصمۃ عن طریق الزیغ والفساد آمین واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱/۱۰ ص ۹۲-۹۰' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

خطاب ولباس ووضع واسباب میں کفار سے مشابہت ممنوع ہے اور عالم ہو کر ایسا کرے تو اور سخت معیوب ہے مگر فھو منھم اوس کے لیے ہے جو کفار کے دینی شعار میں بالقصد معاذ اللہ اوس کی پسند کے طور پر کی جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۲/۱۰ ص ۳۲۰' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی' ۱۴۱۲ھ)

کفار اور فساق کی مشابہت کے سلسلہ میں مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت سے مطلقاً کوئی کام کرنا ممنوع ہے' مثلاً ان سے مشابہت کی قصد سے کھانا پینا' یا سانس لینا بھی ممنوع ہے اور جب کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت نہ ہو بلکہ کسی اور مصلحت اور فائدہ کا حصول مقصود ہو مثلاً فوج اور پولیس' کفار کے مخصوص ہتھیاروں کو ان کی افادیت کی بناء پر استعمال کرے' یا پولیس اور فوج کی وردی کو اس لیے پہنے کہ اس کو پہن کر جسم چاق و چوبند رہتا ہے اور اس لباس کے ساتھ فوجی مشقیں اور دیگر فرائض آسانی کے ساتھ انجام دیئے جاسکتے ہیں (البتہ قمیض پتلون سے باہر نکالیں تاکہ سرین کا ابھار دکھائی نہ دے) اس صورت میں ان چیزوں کا استعمال جائز ہے' اس طرح میز کرسی پر کھانا' چھری کانٹے اور چمچوں کو کھانے میں استعمال کرنا' اگر ان میں کفار کے ساتھ تشبہ کی نیت نہ ہو بلکہ دوسرے فوائد اور سہولتوں کی بناء پر استفادہ کرتے ہوں اور اس میں ہماری نیت کفار سے مشابہت نہیں ہوتی' مثلاً بجلی کی روشنی اور پنکھوں کو استعمال کرنا' موٹر کار' بس' ٹرین اور ہوائی جہاز سے سفر کرنا' ٹیلیفون پر بات کرنا' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلانات اور جائز پروگراموں سے استفادہ کرنا اور تمام صنعتوں اور کارخانوں میں ان کی تکنیک سے استفادہ کرنا یہ سب امور جائز ہیں اور تمام مسلمان بغیر کسی انکار کے ان پر عمل کرتے ہیں۔

کفار کے وہ اعتقادات جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں' اسی طرح ان کی وہ عبادات جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں اسی طرح ان کی وہ تہذیب اور ثقافت جو ان کا مخصوص شعار گردانی جاتی ہے یعنی وہ چیزیں جو ان کی کسی بدعقیدگی پر مبنی ہیں مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا اس لیے وہ گلے میں صلیب ڈالتے ہیں یا رسی کا پھندہ ڈالتے ہیں یا اس کی علامت کے طور پر ٹائی لگاتے ہیں' یہ تمام چیزیں مطلقاً ممنوع اور حرام ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں کفر ہیں۔مثلاً حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے کہ ان کو سولی دی گئی تھی۔

عورتوں کی بے پردگی' مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول' کلبوں میں اجنبی مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا' گپ شپ کرنا رقص و سرود میں حصہ لینا' وڈیو اور سینما کی فلمیں بنانا ان کو دیکھنا موسیقی سننا خواہ بھارت کی موسیقی ہو' پاکستان کی ہو یا مغربی' لڑکیوں کا چست اور نیم عریاں لباس پہننا' ہپیوں کی وضع قطع اختیار کرنا' ان تمام امور میں مغربی تہذیب کی مشابہت ہے' بعض امور میں ہندوؤں کے طریقے اور ان کی رسموں کا رواج ہے ان چیزوں میں تشبہ مطلقاً ممنوع ہے اور ان

کاموں میں خواہی نخواہی تشبہ ہے خواہ تشبہ کی نیت ہو یا نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ان امور میں ممنوع ہے جو امور کفار کے عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ کے ساتھ مخصوص ہوں' یا جو امور کتاب اور سنت کی تصریحات کے خلاف ہوں اور جو امور ہمارے اور کفار کے درمیان مشترک ہوں یا جو امور نافعہ ہوں ان میں اگر کفار کے ساتھ تشبہ واقع ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' بلکہ احادیث میں اس قسم کے امور کو اختیار کرنے کی بہ کثرت مثالیں ہیں' دیکھئے دفاعی جنگ میں شہر کے گرد خندق کھودنا کفار عجم کا طریقہ تھا' لیکن جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غزوہ احزاب کے وقت مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول کرلیا' امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

فلما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فصولهم من مكة ندب الناس واخبرهم خبر عدوهم وشاورهم في امرهم فاشار عليه سلمان الفارسي بالخندق فاعجب ذلك المسلمين.

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو دشمن کی خبر دی' اور ان سے جنگ کے متعلق مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا اور مسلمانوں کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۶۶' دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال سلمان للنبي صلى الله عليه وسلم انا كنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علينا فامر النبي صلى الله عليه وسلم بحفر الخندق حول المدينة وعمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين.

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳' لاہور)

حضرت سلمان فارسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب ہم فارس میں تھے اور ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو رغبت دینے کے لیے آپ نے خود خندق کھودی۔

خندق کھودنا کفار کا طریقہ تھا' لیکن اس کے فائدہ مند ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کرلیا' اسی طرح خط کے اوپر مہر لگانا بھی کفار کا طریقہ تھا' لیکن اس کی افادیت کی بناء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر بنوالی' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك ان نبي الله صلى الله عليه وسلم اراد ان يكتب الى رهط او اناس من الاعاجم فقيل له انهم لا يقبلون كتابا الا عليه خاتم فاتخذ النبي صلى الله عليه وسلم خاتما من فضة نقشه محمد رسول الله.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمیوں کی ایک جماعت کو خط لکھنے کا ارادہ کیا' آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۷۲' کراچی)

اسی طرح پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کرنے سے منع کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ روم اور فارس کے لوگ ایام رضاعت میں جماع کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا تو آپ نے یہ ارادہ ترک کردیا' امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جدامة بنت وهب الاسدية انها سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لقد هممت ان انهی عن الغیلة حتی ذکرت ان الروم والفارس یصنعون ذلک فلا یضر اولادھم.

(صحیح مسلم ج۱ص۴۶۶' کراچی)

جدامہ بنت وہب اسدیہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع سے منع کرنے کا ارادہ کیا پھر مجھے خیال آیا کہ روم اور فارس کے لوگ یہ عمل کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں ہوتا۔

ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ کفار کے طریقوں میں سے کسی نفع دینے والے طریقہ کو اختیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کام ہماری شریعت میں ممنوع نہ ہو یا ان کی کسی بدعقیدگی اور بدعملی کے ساتھ خاص نہ ہو۔

لباس میں مشابہت کی وجہ سے صرف ظاہری اور دنیاوی حکم لاگو ہوگا

لباس کی جو وضع کسی کافر یا فاسق قوم کا شعار ہو یا وہ وضع ان کی کسی بدعقیدگی پر مبنی ہو اس لباس کو پہننا اس قوم کے ساتھ تشبہ ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے ورنہ ظاہری طور پر جو لباس جس گروہ کی علامت ہو اس لباس کے پہننے والے کا ظاہری طور پر اسی گروہ میں شمار ہوگا' مثلاً عمامہ' جبہ اور شلوار پہننا یا ٹوپی' شیروانی اور شلوار اور قمیض پہننا عرف میں علماء کا لباس ہے' اس لباس کے پہننے والے کا علماء میں شمار ہوگا خواہ وہ عالم نہ ہو لیکن اگر وہ جبہ و دستار میں ملبوس ہو تو لوگ اس کو عالم سمجھیں گے' اسی طرح مخصوص قسم کی خاکی وردی فوجی لباس ہے' اگر ایک غیر فوجی بھی اس لباس کو پہن لے تو لوگ اس کو فوجی سمجھیں گے' اسی طرح کوٹ پینٹ اور ہیٹ وغیرہ بابوؤں کا لباس ہے اگر کوئی عالم بھی یہ لباس پہن لے تو لوگ اس کو بابو سمجھیں گے' یہ صرف ظاہری اور دنیاوی حکم ہے اس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے الا یہ کہ وہ صلیب پہنے' اگر کوئی شخص ہندوؤں کی طرز کی دھوتی باندھے اور گاندھی ٹوپی پہنے تو لباس کی اس مشابہت کی وجہ سے لوگ اس کو ہندو سمجھیں گے لیکن محض اس لباس کی وجہ اس کا آخرت میں ہندوؤں میں شمار نہیں ہوگا' البتہ اس لباس سے اس لیے اجتناب لازم ہے کہ لوگ اس کے متعلق ہندو ہونے کی بدگمانی نہ کریں۔

بدعقیدگی' بدعات اور بداعمالیوں میں مشابہت کی وجہ سے کفر' گمراہی اور حرمت کا حکم لاگو ہوگا

مشابہت کی وجہ سے اخروی حکم صرف اس وقت لاگو ہوگا جب کوئی شخص کفار کے باطل عقائد کو اختیار کرے' تو پھر وہ کافر ہو جائے گا اور اگر کسی قوم کی بدعات سیئہ کو اختیار کرے جیسے سیاہ علم اور تعزیہ داری اور سینہ کوبی وغیرہ تو گمراہ ہوگا اور کسی قوم کے ناجائز افعال یا بدعقیدگی پر مبنی اعمال میں مشابہت کو اختیار کرے گا تو حرام کا مرتکب ہوگا۔

لباس کے موضوع پر میں نے کافی تفصیل سے لکھا ہے اور ہمارے زمانہ میں لباس کے متعلق جو غلط نظریات مشہور ہیں اور من تشبه بقوم والی حدیث کے جو غلط سلط معنی بیان کیے جاتے ہیں اس کے ازالہ کی میں نے بھرپور سعی کی ہے' اللہ تعالیٰ ان سطور کو نافع بنائے اور لباس کے معاملہ میں جن لوگوں کے غلط نظریات یا غلط روش ہے ان کی اصلاح فرمائے وما ذلک علی اللہ بعزیز اللھم اجعل ھذا الکتاب مقبولا عندک وعند رسولک واجعله لی صدقة جاریة اے اللہ! اس کتاب کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کردے اور اس کو میرے لیے صدقۂ جاریہ کردے۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین افضل الانبیاء والمرسلین وعلی اله واصحابه وازواجه وعلماء ملته واولیاء امته اجمعین۔

اتباع وحی کے محامل اور بدعت سیئہ کی تعریف

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کے رب کی طرف سے جس چیز کی وحی کی جاتی ہے' آپ اسی کی پیروی کیجئے بے شک اللہ

تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے (الاحزاب:۲) اس کا معنی ہے آپ تمام امور میں وحی کی اتباع کیجئے اور احکام شرعیہ پر عمل کیجئے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ تقویٰ پر اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت کے ترک کرنے پر دائم اور برقرار رہیں یعنی آپ وحی پر عمل برقرار رکھیں نہ کہ کافروں اور منافقوں کی خواہشوں پر' اس آیت میں مسلمانوں کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ سب سے صحیح طریقہ شریعت کی اتباع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے اور اپنی خواہش سے دین میں ایسے نئے نئے طریقے ایجاد کر لینا جن کی دین اور شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور وہ طریقے دین کے مزاج کے خلاف ہوں اور ان کو دین میں لازم قرار دے لیا جائے اور ان کو کار ثواب قرار دیا جائے' اور ان کے ترک پر ملامت کی جائے اس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں جیسے ایام عاشورہ میں نوحہ کرنا' ماتم کرنا اور تعزیے نکالنا' یا بلا دلیل شرعی' سوئم' چہلم' برسی' عرس اور مجالس میلاد کو ناجائز اور حرام کہنا۔

اور یہ جو فرمایا ہے: بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے' اس سے مراد آپ کے کام بھی ہو سکتے ہیں اور کافروں اور منافقوں کے کام بھی ہو سکتے ہیں' اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ کیا کیا عمل کریں گے سو اللہ تعالیٰ آپ کی نیک اعمال کی طرف رہ نمائی فرمائے گا' اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں اور اس کے تقاضوں پر لازماً عمل کریں' اور اس کا چوتھا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کفار آپ کے خلاف کیسی کیسی سازشیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں کے توڑ کے لیے آپ کو وحی فرمائے گا اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں تا کہ ان کے مکر اور ان کی سازشوں کا سد باب ہو' اور اس کا پانچواں محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ کیا عمل کریں گے اور کفار اور منافقین کیا عمل کریں گے سو اللہ تعالیٰ آپ کی خیر خواہی کے لیے آپ کی طرف وحی فرمائے گا اس لیے ضروری ہے کہ آپ وحی کی اتباع کریں اور اس کے تقاضوں پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے' یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے O (الاحزاب:۴)

کسی شخص کے اندر دو دل نہ بنانے کے متعدد محامل

قابوس بن ابی ظبیان کے والد بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا یہ بتایئے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے: "اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے" (الاحزاب:۴) انہوں نے بتایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز پڑھ رہے تھے' تو آپ کے دل میں ایک خیال آیا' جو منافق آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کے دو دل ہیں' ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور ایک دل ان کے ساتھ ہے' تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: اللہ نے کسی شخص کے اندر دو دل نہیں بنائے۔ (الاحزاب:۴)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۷' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۸۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ...)

حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حسن ہے اور ہم نے احکام القرآن وغیرہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس باب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ بلا قصد آپ کی زبان پر جاری ہو گیا تو منافقوں نے کہا ان کے دو دل ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ نے کسی

کے دو دل نہیں بنائے' ہر انسان کے اندر ایک دل ہوتا ہے جس میں احوال اور مقاصد کے اختلاف سے مختلف چیزیں آتی ہیں' کبھی کوئی چیز یاد ہوتی ہے اور کبھی کوئی چیز بھول جاتی ہے' کبھی ذہول ہوتا ہے کبھی سہو ہوتا ہے لیکن ایک حال میں کبھی دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہوتیں۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۱۲ ص ۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اور حافظ ابوبکر ابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جو ایک شخص کا بیٹا ہو وہ دوسرے شخص کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔

(۲) قتادہ نے کہا ایک شخص جو بات بھی سنتا تھا وہ اس کو یاد رکھتا تھا' اس طرح وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دو دل ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے دو دل نہیں بنائے۔

(۳) مجاہد نے کہا بنو فہر میں ایک شخص تھا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں اور میں ان میں سے ہر دل کے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے افضل عمل کرتا ہوں' اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے آپ کے دل میں کوئی خیال آیا' تو جو منافق آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کے دو دل ہیں ایک دل تمہارے ساتھ ہے اور ایک دل ان کے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قلب کے مصداق کے متعلق قدیم اور جدید آراء

قلب صنوبری شکل کا گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمی کے اندر پیدا کیا ہے' اور اس کو علم اور روح کا محل بنایا ہے اور انسان اپنے دل میں اتنے علوم کو محفوظ کر لیتا ہے جن کو کتابوں میں محفوظ نہیں کیا جا سکتا۔

دل دو لمتوں کے درمیان ہے ایک شیطان کا لمۃ ہے (اس کے وساوس کی جگہ) اور ایک فرشتہ کا لمۃ ہے (اس کے القاءات کی جگہ) اور وہ آنے والے خیالات اور وساوس کی جگہ ہے اور کفر اور ایمان کی جگہ ہے اور گناہوں پر اصرار اور گناہوں سے رجوع کی جگہ ہے اور اطمینان اور بے چینی کی جگہ ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ایک دل میں کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی اور اللہ کی طرف رجوع اور اس سے انحراف جمع نہیں ہوتے' خلاصہ یہ ہے کہ دو متضاد چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ جس عضو کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا وہ قلب ہے اور وہی روح کا محل ہے' سب سے پہلے روح کا تعلق قلب کے ساتھ ہوا پھر اس کے بعد جگر اور باقی اعضاء کے ساتھ ہوا اور بعض نے کہا قلب سے مراد نفس ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۲۱۔۲۲۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ قلب تو صرف خون کو پمپ کرنے کا آلہ ہے اور غور و فکر کرنا اور چیزوں کو اپنی یادداشت میں محفوظ رکھنا یہ دماغ کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ یاد کرنے سے دماغ تھکتا ہے دل کو کچھ نہیں ہوتا' اور دماغ پر چوٹ لگنے سے یادداشت چلی جاتی ہے اور دل کی بیماریوں مثلاً انجائنا وغیرہ سے غور و فکر کرنے کی صلاحیت اور یادداشت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' لیکن سرور آمیز خبروں سے دل میں تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے اور دردناک اور افسوس ناک خبروں سے بھی دل

کی کارکردگی پر اثر پڑتا ہے اور بعض اوقات کسی جانکاہ خبر کے سننے سے حرکت قلب بند ہو جاتی ہے' محبوب کی جدائی سے دل پژمردہ ہو جاتا ہے' گناہوں کے ارتکاب سے دل پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرنے سے دل میں طمانیت پیدا ہوتی ہے اور غم اور افسوس زائل ہو جاتا ہے۔

ظہار کی تعریف' اس کا حکم اور اس کا کفارہ

اس کے بعد فرمایا: اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو ان کو اس نے تمہاری مائیں نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں' ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو سے تشبیہ دینا' اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ کفارہ ظہار نہ ادا کرے' اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی مثلاً اپنی بیوی سے کہا تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے' یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن' یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے' تو یہ بھی ظہار ہے' اور اگر اس نے کہا تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے' اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو' تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے' اور اگر اس نے کہا میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۱۰۔۴۰۹ ملخصاً وموضحاً مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

ظہار کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ (المجادلہ: ۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں' وہ حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں' ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن کے بطن سے وہ خود پیدا ہوئے ہیں' بے شک یہ لوگ نا معقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں' اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔

اور کفارہ ظہار کے متعلق یہ آیات ہیں:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المجادلہ: ۴۔۳)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں' پھر اپنے قول سے رجوع کرلیں' تو عمل زوجیت کرنے سے پہلے ان کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے' اس کے ساتھ تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ اور جو شخص غلام کو نہ پائے اس کے ذمہ عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے اور جو روزوں کی طاقت نہ رکھے اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر (کامل) ایمان لاؤ' یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے کا شرعی حکم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا یہ میری بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵۸'۲۲۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۶۶' مسند احمد رقم الحدیث:۹۲۳۰' عالم الکتب)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ص ۴۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا "اے میری بہن!" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۱۱_۲۲۱۰' بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا اور کوئی حکم نہیں بیان فرمایا' اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی' بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے' فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں' بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لا مراته ان فعلت کذا فانت امی ونوی به التحریم فهو باطل لا یلزمه شیء.

(فتاویٰ قاضی خاں علی هامش الھندیہ ج ۱ص ۵۱۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو' تو میری ماں ہے' اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے' اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا' یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہو گی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے' یا کہا تو میری ماں کی مثل ہے' اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی' یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہو گا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۵ص ۱۰۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبیہ فانه باطل وان نوی.

(ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہوگی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الکلیبولی الحنفی التوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبولی نے لکھا ہے:

ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیئے اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے، یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے، اور اس کی بیوی نے وہ کام کر لیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا، خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا، مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں، بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے تو میری ماں، بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے، مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

اولاینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة ویکره قوله انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوه. (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی، یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا، اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے، یا یہ کہنا اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:

حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعله من باب زید اسد منتقی عن القهستانی قلت ویدل علیه ما نذکره عن الفتح من انه لا بد من التصریح من الاداة اسی میں ہے: انت امی بلا تشبیه باطل وان نوی.

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا تو میری ماں ہے، بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے، میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم فتح القدیر سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے حرف کا ذکر کرنا ضروری ہے نیز علامہ شامی نے کہا بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں

باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں بہن کی جگہ ہے' تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے' عورت سے جماع کرنا' یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا' یا بہ نگاہ شہوت اس کی شرم گاہ دیکھنا سب حرام ہوگیا اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے' اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے' اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی' تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہوگا' جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا' درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی و کذا لو حذف علی (خانیہ) برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع مانواه وان لم ینو شیئا او حذف الکاف لغا.

اس نے بیوی سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی' یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہوگا' اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ھندیہ میں خانیہ سے ہے اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱۔۶۳۰' مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے درمختار کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہوگی' اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گذر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے (ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸) یعنی اس سے طلاق نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ' فتاویٰ قاضی خاں' الدرالمختار' ردالمحتار' ملتقی الابحر' مجمع الانھر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی' خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو' اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے۔ ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ عامۃ الوقوع ہے لوگ غصہ میں بیوی کو ماں بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہوگئی۔

منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصل باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارنے کا حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے' یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے' اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے O (الاحزاب: ۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے' ہم ان کو صرف زید بن محمد کہا کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ. اپنے منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپ کی طرف منسوب

کر کے بلاؤ' یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ (الاحزاب:۵)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۴۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۹)

زمانہ جاہلیت میں جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا لوگ اس کو اسی شخص کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے اور وہ اس شخص کی میراث کا وارث ہوتا تھا' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۱۶۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ھشام بن محمد سائب الکلبی اپنے والد سے اور جمیل بن مرثد الطائی وغیرہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ کے والد بنو قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے' جو یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا' ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ کا تعلق بنو معن سے تھا' جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی' ایک بار وہ حضرت زید کو لے کر اپنے میکہ گئیں' اس وقت حضرت زید کم عمر تھے' اس دوران بنو قین کے سوار لوٹ مار کر کے آ رہے تھے' وہ حضرت زید کو خیمہ کے سامنے سے اٹھا کر لے گئے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کر دیا' حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ان کو چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے حضرت زید کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا' ادھر ان کے والد حارثہ بن شراحیل ان کی گم شدگی پر بہت غمگین تھے اور اکثر روتے رہتے تھے۔

قبیلہ کلب کے کچھ لوگ حج کے لیے گئے' انہوں نے حضرت زید کو دیکھ کر پہچان لیا' اور حضرت زید نے بھی ان کو پہچان لیا' انہوں نے یمن جا کر حضرت زید کے والد کو خبر دی اور یہ بتایا کہ حضرت زید کس مقام پر ہیں' پھر حارثہ اور ان کے بھائی کعب فدیہ کی رقم لے کر مکہ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا' انہیں بتایا گیا کہ آپ مسجد میں ہیں' وہ دونوں آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے عبد المطلب کے بیٹے! اے اس قوم کے سردار کے بیٹے! آپ لوگ اللہ کے حرم میں رہنے والے ہیں آپ غلاموں کی گردنیں آزاد کرتے ہیں اور قیدیوں کو قید سے چھڑاتے ہیں' ہم اپنے بیٹے اور آپ کے غلام کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں' آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ ہم سے قبول کر کے اس کو آزاد کر دیں' آپ نے پوچھا' تمہارا بیٹا کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ زید بن حارثہ ہے' آپ نے فرمایا اس کو بلا لو اور اس کو اختیار دو' اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم اس کو کسی فدیہ کے بغیر اپنے ساتھ لے جاؤ اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اللہ کی قسم! جو شخص میرے ساتھ رہنے کو اختیار کرے میں اس پر فدیہ کو اختیار کرنے والا نہیں ہوں' پھر آپ نے حضرت زید کو بلایا' اور فرمایا کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یہ میرے والد اور میرے چچا ہیں' آپ نے فرمایا تم کو علم ہے کہ میں کون ہوں اور تم میرے سلوک کو بھی پہچانتے ہو' پس تم مجھے اختیار کر لو یا ان دونوں کو اختیار کر لو۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۳ص ۴۲)

حضرت زید نے کہا میں آپ کے اوپر کسی شخص کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا' میرے باپ اور چچا تو آپ ہی ہیں' حضرت زید کے والد اور چچا نے کہا اے زید! تم پر افسوس ہے! تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو اور اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو! حضرت زید نے کہا ہاں میں نے ان کی ایسی سیرت دیکھی ہے کہ میں ان پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی اس محبت کو دیکھا تو ان کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: لوگو! گواہ ہو جاؤ بے شک زید میرا بیٹا ہے' یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا' جب حضرت زید کے باپ اور چچا نے یہ دیکھا

دیکھا تو وہ خوش ہو گئے اور واپس چلے گئے' پھر حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا جانے لگا حتیٰ کہ اسلام کا ظہور ہو گیا۔ امام ابن اسحاق نے بھی اس قصہ کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۷۶)

جب یہ آیت نازل ہوئی **ادعوھم لاٰبائھم** تو حضرت زید نے کہا میں زید بن حارثہ ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۴۲۲' تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۷۸)

ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو بیٹا بنایا تو آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے ان کا نکاح کر دیا جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمن سے کر دیا تھا جن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے تھے' پھر جب حضرت زید نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو آپ نے ان کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا' ان سے زید بن زید اور رقیہ پیدا ہوئیں' پھر حضرت زید نے ام کلثوم کو طلاق دے دی اور درۃ بنت ابی لھب بن عبد المطلب سے نکاح کر لیا' پھر ان کو طلاق دے دی اور حضرت زبیر کی بہن ھند بنت العوام سے نکاح کر لیا۔

امام عبد الرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لایا ہو۔

حضرت زید بن حارثہ غزوہ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے' وہ اس لشکر کے امیر تھے اور کئی مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔

امام ابن ابی شیبہ نے سند قوی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لشکر میں بھی حضرت زید کو بھیجا ان کو اس لشکر کا امیر بنایا اور اگر وہ زندہ رہتے تو انہی کو اپنے بعد جانشین مقرر فرماتے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۶)

امام بخاری نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا امیر بنایا تھا۔ امام واقدی نے کہا کہ حضرت زید کا پہلا لشکر القردۃ کی طرف گیا' دوسرا الجموم کی طرف گیا' پھر العیص کی طرف پھر الطرف کی طرف' پھر الحسمیٰ کی طرف' پھر ام قرفہ کی طرف' پھر ان کو غزوہ موتہ کے لشکر کا امیر بنایا گیا' اسی غزوہ میں وہ پچپن سال کی عمر میں شہید ہوئے' حضرت زید کے علاوہ قرآن مجید میں اور کسی کا نام صراحۃً مذکور نہیں ہے۔

امام محمد بن سعد نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زید! تم میرے مولیٰ (آزاد کردہ غلام ہو) ہو' اور تمہاری ابتداء مجھ سے اور میری طرف ہے اور تم تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۸۳)

امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک زید بن حارثہ امارت کے لائق ہیں اور بے شک وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث:۴۵۸۶)

امام ترمذی اور دیگر ائمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تھے' انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا' آپ دروازے کی طرف گئے' ان کو گلے سے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وظیفہ میرے وظیفہ سے زیادہ مقرر کیا' میں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے اور تمہارے باپ کی بہ نسبت حضرت اسامہ کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا' یہ حدیث صحیح ہے۔ (الاصابہ ج ۴ص ۴۹۸۔۴۹۴ ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے اس سے بہت زیادہ تفصیل سے حضرت زید بن حارثہ کا تذکرہ لکھا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۱ص ۲۶۲۔۲۴۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے' اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے (الاحزاب: ۴)

آیت کے اس حصہ میں اس بات کی مزید تاکید فرمائی ہے کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دینا ایک ایسی بات کہنا ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے' یہ محض زبانی کہنا ہے' اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے' جس کی واقعہ میں حقیقت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے' پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں' اور اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے لیکن اگر تم نے عمداً کہا ہے (تو اس پر گرفت ہوگی) اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے (الاحزاب: ۵)

اقسط' خطأ' اور مغفرت اور رحمت کے معانی اور ان کی وضاحت

اقسط کا معنی ہے اعدل' یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات' اور کسی شخص کا خود کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرنا' باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل اور انصاف والی بات ہے' اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر باپ کی طرف خود کو منسوب کرنا بھی انصاف کی بات ہے لیکن زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اصل باپ کی طرف منسوب کرے' حالانکہ خود کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا منصفانہ بات نہیں ہے' بلکہ ظلم اور گناہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اسم تفضیل مجازاً صفت مشبہ کے معنی میں ہے اور یہاں زیادتی کا معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے صرف عادلانہ فیصلہ مراد ہے۔

نیز فرمایا: اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو تم پر کوئی گرفت نہیں ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بزرگ آدمی' یا استاذ یا اپنے مرشد کو تعظیم کے قصد سے اپنا باپ کہے اور اس کا یہ مقصد نہ ہو کہ وہ اس کے نسب اور اس کے نطفہ سے ہے' یا کوئی بڑا اور بزرگ آدمی کسی بچے کو شفقت سے کہے اے بیٹے یا استاذ شاگرد کو یا پیر اپنے مرید کو شفقت سے کہے اے بیٹے! تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ اس کو اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر ہے' مغفرت کا معنی ہے کسی کے جرم کو معاف کر دینا اور رحمت کا معنی ہے کسی پر فضل اور احسان کرنا' اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو عذاب نہ دینا اس کی مغفرت ہے اور ان کو جنت عطا فرمانا اس کی رحمت ہے۔

خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے پر وعید

زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ جب کسی شخص کو' کوئی لڑکا پسند آتا وہ اس کو اپنا بیٹا قرار دیتا' اور اس کو اپنے مال کا وارث قرار دیتا' اور لوگ اس لڑکے کو اس شخص کا بیٹا کہا کرتے تھے' اسلام نے اس رواج کو منسوخ کر دیا اور یہ ہدایت دی کہ ہر شخص کی نسبت اس کے اصل باپ کی طرف کی جائے اور ایسا نہ کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت عذاب کی وعید فرمائی ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے' تو اس پر جنت حرام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۰' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۹۷' عالم الکتب' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۹۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو' سو جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو یہ کفر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا' اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' قیامت کے دن اللہ اس کا کوئی فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲' مسند احمد ج ۱ص ۸۱' سنن دار قطنی ج ۳ص ۴۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ص ۵۳۷' مجمع الزوائد ج ۱ص ۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۹۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نبی ایمان والوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں' اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں' اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار' دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو' یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے O (الاحزاب: ۶)

مومنوں کی جانوں اور مالوں پر ان کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... کو تصرف کرنے کا زیادہ اختیار ہے

اولیٰ کا معنی ہے زیادہ لائق اور زیادہ سزاوار' یعنی مومنوں کو اپنی جانوں پر تصرف کرنے کا اتنا زیادہ استحقاق نہیں ہے جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جانوں پر تصرف کرنے کا حق حاصل ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ان کے دین اور دنیا کے معاملات میں کسی چیز کا حکم دیں اور ان کی خواہش ان معاملات میں کوئی اور کام کرنے کی ہو تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کریں جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا ہو اور اپنی خواہش پر عمل نہ کریں' اور واجب ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور ان کی جان اور مال کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ مالک ہوں' مثلاً فجر کی نماز کے وقت انسان کا دل سونے کے لیے چاہے اور وہ آرام دہ بستر کو چھوڑنا نہ چاہے یا گرمی کی دوپہر میں اور سخت دھوپ میں ظہر کی نماز کے وقت وہ گھر سے باہر نکلنا نہ چاہے لیکن وہ اپنی جان اور آرام کی پرواہ نہ کرے اور آپ کے حکم پر نیند اور آرام چھوڑ کر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جائے' نماز کے اوقات میں دکان پر گاہکوں کا رش لگا ہوا ہو لیکن جماعت کے وقت وہ دکانداری چھوڑ کر نماز کے لیے جائے' وہ اپنا مکان یا اپنی دکان کسی ایسے اجنبی شخص کو فروخت کرنا چاہے' جو زیادہ قیمت دے رہا ہو لیکن اگر اس کا پڑوسی یا شریک اس پر شفعہ کر دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس اجنبی شخص کے بجائے اپنے پڑوسی یا شریک کو فروخت کرے وہ اپنے مال کا مالک ہونے کے باوجود جس کو وہ چاہے فروخت نہ کرے بلکہ جس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اس کو فروخت کرے' وہ اپنی چیز کو جس جگہ فروخت کرنا چاہے وہاں فروخت نہ کرے کیونکہ مسجد میں بیع اور شراء سے آپ نے منع فرما دیا ہے' جس وقت چاہے اس وقت فروخت نہ کرے کیونکہ نماز کے اوقات میں آپ نے خرید و فروخت کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ جس طرح چاہے اس طرح قرض نہ دے کیونکہ سود پر قرض دینے

سے آپ نے منع فرمادیا ہے' وہ جب چاہے کھائے اور جب چاہے نہ کھائے یہ بھی نہ کرے کیونکہ رمضان میں دن کے اوقات میں آپ نے کھانے سے منع فرمادیا ہے اور عید کے دن آپ نے کھانے کو چھوڑنے سے منع کر دیا ہے' اگر طلوع آفتاب یا استواء آفتاب کے وقت وہ نماز پڑھنا چاہے اس وقت نماز نہ پڑھے کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ہر جگہ نماز نہ پڑھے کیونکہ قبر کے سامنے اور مذبح میں نماز پڑھنے سے آپ نے منع فرمادیا ہے' سو مومنوں کو اپنی جانوں اور مالوں پر تصرف کرنے کا اتنا اختیار نہیں ہے جتنا ان کی جانوں اور مالوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے نزدیک اس کی جان' اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۰۱۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۸۴۵' عالم الکتب)

بعض عارفین نے کہا جب تک کسی شخص کو یقین نہ ہو کہ تمام احوال میں اس کی جان اور اس کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں اس وقت تک وہ ایمان کی مٹھاس نہیں چکھ سکتا۔ اور حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں تین اوصاف ہوں وہی ایمان کی مٹھاس پا سکتا ہے (۱) اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (۲) وہ جس شخص سے بھی محبت کرے تو اللہ کے لیے محبت کرے (۳) اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا اس طرح ناپسندیدہ ہو جس طرح آگ میں ڈالا جانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۲)

مومنوں کی جانوں اور مالوں پر ان کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ شفیق ہیں

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مومن خود اپنی جانوں پر اتنے شفیق نہیں ہیں جتنے ان کی جانوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفیق ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ کسی شخص نے آگ روشن کی ہو اور پروانے اور کیڑے مکوڑے اس آگ میں دھڑا دھڑ گر رہے ہوں' سو تم (اپنی خواہشوں کی آگ میں) دھڑا دھڑ گر رہے ہو اور میں تم کو کمر باندھنے کی جگہ سے پکڑ کر کھینچ رہا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۴)

عام مسلمانوں کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے حقوق کے زیادہ کفیل اور ضامن ہیں

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ مومنوں پر جو حقوق ہیں تو دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حقوق کی ادائیگی کے زیادہ قریب ہیں' جیسا کہ ان احادیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اگر کوئی ایسا شخص فوت ہوتا جس پر قرض ہوتو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے تھے آیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے فاضل مال چھوڑا ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ورنہ آپ مسلمانوں سے فرماتے تم خود اس کی نماز جنازہ پڑھ لو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ کثرت فتوح عطا کیں' تو آپ نے فرمایا میں مسلمانوں کی جانوں کا ان کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں' سو مسلمانوں میں سے جو شخص قرض چھوڑ کر مرا اس کو میں ادا کروں گا اور جو شخص مال چھوڑ کر مرا وہ مال اس کے وارثوں کا ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۶۳)

ایک اور روایت اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے روئے زمین پر ہر مومن کا تمام لوگوں کی بہ نسبت میں زیادہ ولی ہوں' تم میں سے جو شخص قرض یا اہل وعیال کو چھوڑ کر مر گیا تو اس کا میں کفیل ہوں اور اگر مال چھوڑ کر مرا ہے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۹' کتاب الفرائض:۱۵)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں' آپ نے فرمایا تم اپنے صاحب پر خود نماز پڑھ لو' کیونکہ اس پر قرض ہے' حضرت ابوقتادہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ قرض میرے ذمہ ہے' آپ نے فرمایا تم وہ پورا قرض ادا کر دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں! میں وہ قرض پورا ادا کر دوں گا' پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۰۶۹' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۱۵۲۵۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۷' سنن الدارمی رقم الحدیث:۲۵۹۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۰۵۸)

سربراہ مملکت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی زندگی اور موت میں ان کا کفیل اور ضامن ہو

ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے ذہنوں میں قرض ادا کرنے کی اہمیت ہو کہ اگر کوئی شخص قرض ادا کیے بغیر فوت ہو گیا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور آپ کی دعا سے محروم ہو گا' دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو علم تھا کہ مسلمان آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر بہت حریص ہیں جب وہ دیکھیں گے کہ قرض کی وجہ سے آپ اس کی نماز نہیں پڑھا رہے تو ان میں سے کوئی اس کا قرض ادا کر دے گا' جیسے حضرت ابوقتادہ نے اس مقروض کا قرض ادا کر دیا تھا' سو اس بہانے سے اس میت کا قرض ادا ہو جائے گا' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا امام اور ان کا خلیفہ اور سربراہ مملکت مسلمانوں کی زندگی میں بھی ان کے حقوق کا محافظ اور ضامن ہے اور بہ وقت ضرورت ان کا کفیل ہے اور مسلمانوں کے مرنے کے بعد بھی ان کا ضامن ہے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ بیت المال سے ان کا قرض ادا کرے۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کا بیت المال میں حق ہے اور جو شخص مقروض ہو تو بیت المال سے اس کے قرض کی ادائیگی لازم ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۳۳۹' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا متولی ہو اس پر لازم ہے کہ اگر کوئی مسلمان قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے تو وہ بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے' اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ گنہ گار ہو گا بہ شرطیکہ میت کا بیت المال میں اتنا حق ہو جس سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۲۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں:

امام اور سربراہ مملکت پر لازم ہے کہ اگر کوئی مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے تو وہ بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے اور اگر امام نے ایسا نہیں کیا تو قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا' اور دنیا میں وہ گنہ گار ہو گا بہ شرطیکہ میت کے گھر میں اتنا اثاثہ باقی نہ ہو جس سے اس کا قرض ادا کیا جا سکے اور اگر پورا قرض ادا نہ کیا جا سکے تو اس کے مال سے جتنا اس کا قرض ادا کیا جا سکے

اتنا قرض ادا کر دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے گھر میں قرض کی ادائیگی جتنا مال ہو تو امام پر لازم ہے کہ اس کے مال سے اس کا قرض ادا کرائے اور اگر مال کم ہو تو اس کے حساب سے اس کا قرض ادا کیا جائے اور اگر اس کے گھر میں بالکل مال نہ ہو تو پھر بیت المال سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔

ازواج مطہرات کے مومنوں کی مائیں ہونے کی وضاحت

اس کے بعد فرمایا: اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو یہ شرف عطا کیا کہ ان کو مومنین کی مائیں قرار دیا' یعنی ان کی تعظیم اور ان کی بزرگی اور ان کا ادب اور احترام مسلمانوں پر اس طرح لازم ہے جس طرح اپنی ماؤں کا ادب اور احترام لازم ہوتا ہے اور جس طرح ماں محرم ہے اور اس سے نکاح حرام ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے نکاح کرنا امت پر حرام ہے'

قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا. (الاحزاب: ۵۳) اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

اور باقی معاملات میں ازواج مطہرات اجنبی عورتوں کی مثل ہیں' اس لیے ان سے خلوت میں ملنا' ان کے ساتھ سفر کرنا' بلا ضرورت شرعی ان سے باتیں کرنا اور ان کے چہروں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. (الاحزاب: ۵۳) اور جب تم نبی کی ازواج سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

مہاجروں اور بنائے ہوئے بھائیوں کی باہمی وراثت کا منسوخ ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔ (الاحزاب: ۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی وجہ سے بعض مہاجرین کو بعض انصار کا بھائی بنا دیا تھا' اور اس بناء پر وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اسی طرح بعض مسلمان دین میں ایک دوسرے کی حمایت کرنے کی وجہ سے اور دوستی کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وارث ہونے کی یہ تمام صورتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کی صورت باقی رہ گئی۔

اور یہ جو فرمایا ہے اللہ کی کتاب میں' اس کا معنی ہے یہ حکم لوح محفوظ میں ثابت ہے' یا اس کا معنی ہے یہ حکم قرآن مجید کی اس آیت میں ہے' یا اس کا معنی ہے یہ حکم اللہ کی سنت میں ہے یا اس کی تقدیر میں ہے۔

نیز فرمایا: مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو۔ یعنی تمہارے دوست تمہارے وارث تو نہیں ہو سکتے' لیکن تم ان کے لیے اپنے تہائی مال سے وصیت کر سکتے ہو' اور ان کو ہدیے اور تحفے وغیرہ دے سکتے ہو' ان پر نفلی صدقہ کر سکتے ہو۔

مسلمانوں اور کافروں کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا

رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وارث اور مورث دونوں مسلمان ہوں کیونکہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) کہا: یا رسول اللہ! کل آپ مکہ میں کس جگہ قیام کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر یا کوئی زمین چھوڑی ہے؟ اور عقیل اور طالب' ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ان کی کسی چیز کے وارث نہیں ہوئے تھے' کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے' اور عقیل اور طالب دونوں کافر تھے' اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا' ابن شہاب زہری نے کہا وہ قرآن مجید کی اس آیت میں تاویل کرتے تھے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا. (الانفال: ۷۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی' یہی لوگ ایک دوسرے کے ولی ہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۴۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۵۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے یا اس سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں ولایت سے مراد وراثت ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیا تھا' اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں ان کو وراثت نہیں ملے گی' اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں فرمایا:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ. (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اور اب قرابت اور رشتہ داری وراثت کا سبب ہے اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔ (جامع البیان جز ۱۰ ص ۶۹۔۶۷' ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

متقدمین اس آیت میں ولایت کی تفسیر وراثت سے کرتے تھے۔

امام عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جو بھائی بنا دیا تھا' اس وجہ سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے' اور وہ اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور جو شخص اسلام لاتا اور ہجرت نہیں کرتا تھا وہ اس کا وارث نہیں ہوتا تھا' اور جب الانفال: ۷۵ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۲۶۔۳۲۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور زیر تفسیر آیت یعنی الاحزاب: ۶ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے: اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار دوسرے مومنوں اور

مہاجروں کی بہ نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں' یعنی وہی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں' اور الانفال: ۷۵ اور الاحزاب: ۶ کا مضمون واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا O تاکہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۸۔۷)

یوم میثاق میں انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کے متعدد محامل

تمام نبیوں سے عالم میثاق میں جو عہد لیا گیا تھا اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی جو ذمہ داری سونپی ہے وہ اس کو پورا کریں' اور بعض نبی دوسرے بعض نبیوں کو بشارت دیں' اور بعض بعض کی تصدیق کریں۔

نیز فرمایا: اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے' تمام نبیوں کے ذکر میں ان پانچ نبیوں کا ذکر بھی آ گیا تھا' لیکن ان کی خصوصیت اور ان کے شرف کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا' اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ یہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان نصرت اور حمایت اور وراثت کی ممانعت کے حکم پر عمل کرانے کا عہد تمام نبیوں سے لیا گیا اور بالخصوص ان پانچ اولوالعزم رسولوں سے بھی یہ عہد لیا گیا۔

(۳) اس عہد کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شریعتیں مختلف ہوں گی لیکن وہ دین میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں' اور دین سے مراد وہ اصول ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی توحید' نبیوں کی رسالت' فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا اور تقدیر پر' قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر اور جزاء اور سزا پر ایمان لانا' اللہ کی اطاعت اور عبادت کا واجب ہونا اور اس کی معصیت کا حرام ہونا' اور شریعت سے مراد عبادات کے وہ مخصوص اور جزوی طریقے ہیں جو ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے مقرر کیے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ (الشوریٰ: ۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا' "واوصیناک یا محمد وایاہ دینا واحدا" "اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے"۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب: ۱)

سو انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شرائع مختلف ہوں گی لیکن ان سب کا دین واحد ہو گا وہ دین میں اختلاف نہ کریں۔

(۴) اس عہد کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ تمام نبیوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا اعلان کریں اور

ان کی بشارت دیں اور اگر آپ ان کے زمانہ میں مبعوث ہوں تو وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت اور حمایت کریں اور سب نبی دنیا والوں کو بتائیں کہ ان کے بعد ایک عظیم الشان نبی آنے والا ہے اور آپ سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ یہ بتائیں کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران: ۸۲-۸۱)

اور (اے رسول) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا' کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں' جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا' فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ○ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں ○

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور ان کی نصرت کرے گا اور پھر وہ نبی اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیتا تھا۔

(جامع البیان جز ۳ ص ۴۵۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک (حضرت) موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۴۲۷-۴۲۶' شعب الایمان ج ۱ ص ۲۰۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی. میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۹' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲)

انبیاء علیہم السلام سے سوال کے متعدد محامل

اس کے بعد فرمایا: تاکہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے' اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۸)

اس آیت میں صادقین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ جو سوال فرمائے گا اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) نقاش نے کہا انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے اپنی قوم کو پیغام پہنچا دیا تھا' اور اس میں یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال کیا جائے گا تو باقی لوگوں کا کیا ٹھکانا ہے۔

(۲) علی بن عیسیٰ نے کہا: انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان کی قوم نے ان کو کیا جواب دیا۔

(۳) ابن الشجرہ نے کہا انبیاء علیہم السلام سے یہ سوال کیا جائے گا کہ ان سے جو عہد اور میثاق لیا گیا تھا آیا انہوں نے اس کو پورا کر دیا۔

(۴) سچے مومنوں سے مخلص دلوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (النکت والعیون ج ۴ص ۳۷۸ 'دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تفسیر کی تصدیق اس آیت میں ہے:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ. (الاعراف: ۶) سو ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر کفار کے لشکر

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

حملہ آور ہوئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا' اور اللہ تمہارے کاموں کو

بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

خوب دیکھنے والا ہے ○ جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے' جب تمہاری

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے

الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

لگے تھے ○ اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھا ○

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا

اور اس وقت منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی' یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ

سے جو بھی وعدہ کیا وہ محض دھوکا تھا ○ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا اے یثرب والو!

يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ

اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ' اور ان کا دوسرا فریق نبی سے

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا

جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے'

فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ

وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے ○ اور اگر مدینہ کے چاروں اطراف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے

لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ

پھر ان سے شرک طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے اور وہ اس میں ذرا دیر نہ کرتے ○ اور وہ اس سے پہلے اللہ سے یہ

مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

عہد کر چکے تھے کہ وہ (میدان جنگ میں) پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے متعلق ضرور باز پرس ہو گی ○

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا

آپ کہیے کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا خواہ تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور اس وقت

لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ

تم کو بہت کم فائدہ پہنچایا جائے گا ○ آپ کہیے اگر اللہ تم کو

اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ

اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے ○ بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (جہاد سے)

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً

روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ' اور وہ بہت کم جہاد کرنے والے ہیں ○ وہ

عَلَيْكُمْ ښ فَاِذَا جَاۗءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

تمہاری مدد میں) بخیل ہیں' پس جب دشمن حملہ آور ہو تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف ایسے دیکھتے ہیں کہ ان کی

مع عند المتقدمین ۱۲

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ

آنکھیں گھومتی ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو' پھر جب (جنگ کا) خطرہ ٹل جائے گا تو وہ

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا

مال غنیمت کی حرص میں تم سے تیزی اور طراری سے باتیں کریں گے' یہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ

سو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے ○ وہ گمان کر رہے ہیں

الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ

کہ ابھی حملہ آور نہیں گئے اور اگر دشمن کے لشکر حملہ کرتے تو وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش وہ

بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا

جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے' اور اگر وہ تمہارے

قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع

درمیان ہوتے تو دشمن سے بہت کم جہاد کرتے ○

ع ۲ ۱۲ ۱۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر کفار کے لشکر حملہ آور ہوئے تو ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا' اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے' جب تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے ○ (الاحزاب: ۱۰-۹)

غزوۃ الاحزاب میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور احسان کا بیان

اس رکوع کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے غزوۃ الاحزاب اور غزوۂ بنو قریظہ کا ذکر فرمایا ہے' ہم سورۃ الاحزاب کے تعارف میں اس کا مختصر ذکر کر چکے ہیں اور اس رکوع کی آیات میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل بھی ان شاء اللہ مستند حوالہ جات کے ساتھ ذکر کریں گے۔ ان آیتوں میں الحناجر کا لفظ ہے یہ الحنجرہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے نرخرہ' سانس کی نالی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر یہ فضل اور احسان فرمایا کہ ان کے دشمن حملہ آوروں کو ان کے شہر مدینہ سے بھگا دیا اور ان کو شکست فاش دی' جب ان دشمنوں کی مختلف جماعتیں ایک ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئی تھیں' یہ پانچ ہجری شوال کا مہینہ تھا اور اس غزوہ کا نام غزوۂ خندق اور غزوۃ الاحزاب رکھا گیا تھا۔

امام موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ غزوۃ الاحزاب کا سبب یہ تھا کہ بنو نضیر کے جن یہودی سرداروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا' ان میں سے سلام بن ابی الحقیق' سلام بن مشکم' اور کنانہ بن الربیع مکہ مکرمہ گئے' اور قریش کے سرداروں سے ملاقات کی' اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا' اور ان کو یہ یقین دلایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی بھرپور مدد کریں گے' قریش نے ان کے ساتھ اتفاق کر لیا' پھر وہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو بھی آپ کے خلاف جنگ پر تیار کر لیا' قریش نے مکہ کے گردونواح سے اپنے موافقین کو اکٹھا کر لیا' ان کے لشکر کا قائد ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور غطفان کا قائد عیینہ بن حصین بن بدر تھا' پھر دس ہزار افراد کا لشکر تیار ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی پیش قدمی کی خبر سنی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کی مشرقی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا' سو مسلمان مدینہ کے گرد خندق کھودنے لگے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ خندق کھودنے اور مٹی نکالنے کے عمل میں شریک تھے' اور خندق کھودنے میں متعدد معجزات کا ظہور ہوا تھا جس کا ہم نے اس سورت کے تعارف میں ذکر کیا ہے' مشرکین مدینہ کی مشرقی جانب احد پہاڑ کے پاس آ کر ٹھہرے تھے یہ مدینہ کا نچلا حصہ تھا اور دشمن کا دوسرا گروہ مدینہ کی زمین کے بالائی حصہ میں ٹھہرا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب کفار تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر حملہ آور ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے' آپ کی پشت پر سلع پہاڑ تھا اور دشمن آپ کے سامنے تھا' آپ کے اور دشمن کے سواروں اور پیادوں کے درمیان خندق تھی' اور خواتین اور بچے مدینہ کے شہر میں تھے' اور مدینہ کی دونوں شرقی جانبوں میں یہود کی ایک جماعت بنو قریظہ تھی' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ اگر دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا تو وہ مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کریں گے' ان میں سات سو جنگ جُو تھے' دشمن کی طرف سے حیی بن اخطب النضری ان کے پاس گیا اور ان کو اس معاہدہ کے توڑنے پر اکسایا' حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا' اب صورت حال یہ تھی کہ باہر سے دس ہزار مشرکین نے مدینہ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا اور اندر سے سات سو یہودی غداری کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ پر کمربستہ تھے' یہ وہ منظر تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقشہ کشی کی ہے' جب تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے' اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا تھا' دشمن نے ایک ماہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا محاصرہ کیے رکھا لیکن ان کو خندق پار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی' اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی جنگ کی نوبت نہیں آئی' البتہ عمرو بن عبد ود العامری زمانہ جاہلیت میں مشہور شہ سوار تھا وہ اپنے ساتھ شہ سواروں کی ایک جماعت لے کر خندق کے پار مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا' کچھ دیر ان میں مقابلہ ہوا بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا اور یہ مسلمانوں کی فتح اور نصرت کی علامت تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دشمن کے لشکر پر زبردست آندھی بھیجی جس سے ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے' ہر چیز تہس نہس ہو گئی' وہ چولہے جلا سکتے تھے نہ کھانا پکا سکتے تھے اور وہ ناکام اور نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باد صبا سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد کو باد دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۰)

مدینہ کے شمال سے مدینہ کے جنوب کی طرف چلنے والی ہوا کو باد صبا کہتے ہیں اور اس کے برعکس چلنے والی ہوا کو

باد دبور کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کی ایک شب کو سخت سردی تھی اور بہت زبردست آندھی چل رہی تھی اس رات میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مجھے مدینہ بھیجا کہ میں کھانا اور لحاف لے کر آؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر روانہ ہوا' آپ نے فرمایا تھا کہ تم کو جو میرے اصحاب ملیں ان سے کہنا کہ وہ میرے پاس آ جائیں' جب میں گیا تو زناٹے کی ہوا چل رہی تھی' مجھ کو جو مسلمان بھی ملا میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے بھی یہ پیغام سنا وہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گیا حتیٰ کہ کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا' آندھی میری ڈھال کو دھکیل رہی تھی' حتیٰ کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جس کو میں نے نیچے پھینک دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوتا تو آپ کے ساتھ جہاد کرتا' اور خوب لڑتا' حضرت حذیفہ نے کہا: تم ایسا کرتے! مجھے وہ منظر یاد ہے کہ غزوۂ احزاب میں ہم ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ ایک سرد رات تھی اور بہت تیز آندھی چل رہی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کوئی ایسا شخص ہے جو کفار کی خبریں حاصل کر کے آئے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا' ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا' آپ نے پھر فرمایا کوئی ایسا شخص ہے جو کفار کی خبریں حاصل کر کے آئے۔ قیامت کے دن اللہ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا' ہم پھر خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہیں دیا' آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! تم جاؤ اور کفار کی خبریں حاصل کر کے آؤ' جب آپ نے میرا نام لے کر پکارا تو میرے لیے اٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا' آپ نے فرمایا جاؤ کفار کی خبریں حاصل کر کے آؤ اور ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا' جب میں ان کی طرف روانہ ہوا تو یوں لگتا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں' جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنی پیٹھ کو آگ سے سینک رہا ہے' میں نے کمان پر تیر چڑھا کر اس کو تیر مارنے کا ارادہ کیا' پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ ان کو میرے خلاف غضب میں نہ لانا' اگر میں اس وقت تیر مارتا تو بلاشبہ وہ نشانے پر لگتا' میں واپس اس حال میں لوٹا کہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں' جب میں آپ کے پاس واپس پہنچا تو میں نے آپ سے کفار کی خبریں بیان کیں' جب میں فارغ ہوا تو مجھے سردی لگنے لگی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چادر کو اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اس کا ایک پلو مجھے اوڑھا دیا' میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سوتا رہا' جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے بہت سونے والے اٹھ جا! (صحیح مسلم کتاب الجہاد: ۹۹' رقم الحدیث: ۱۷۸۸' الرقم المسلسل: ۴۵۵۹)

اس رات سخت سردی تھی اور آندھی چل رہی تھی' لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں جا رہے تھے' اس لیے آپ کو بالکل سردی نہیں لگی اور نہ آندھی کے تھپیڑے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کو یوں لگا گویا کہ وہ گرم حمام میں چل رہے ہیں واپسی میں بھی ان پر سردی اور آندھی کا کوئی اثر نہیں ہوا' حتیٰ کہ وہ آرام اور عافیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور جیسے ہی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی خبریں بیان کر کے فارغ ہوئے ان پر موسم کا اثر ہوا اور سردی لگنے لگی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کمبل اوڑھا دیا' اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔ (شرح النواوی علی صحیح مسلم ج ۸ ص ۴۹۷۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا تھا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان پر فرشتوں کو بھیجا' انہوں نے خیموں کی رسیاں کاٹ دیں

اور خیمیں اکھاڑ دیں' اور دیگچیاں الٹی کر دیں اور ان کی جلائی ہوئی آگ بجھا دی اور ان کے گھوڑے بدک کر بھاگنے لگے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر خوف اور رعب طاری کر دیا اور لشکر کے چاروں طرف فرشتے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے لگے' حتیٰ کہ ہر خیمہ کا سردار بلند آواز سے یہ کہنے لگا: اے بنوفلاں! یہاں میرے پاس آؤ' حتیٰ کہ جب وہ لوگ اس کے پاس آ گئے تو وہ کہنے لگا: نجات کو طلب کرو' نجات کو طلب کرو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا گیا تھا۔

اور فرمایا: اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے' یعنی تم جو خندق کھود رہے تھے اور دشمنوں سے مدافعت کی تدبیریں کر رہے تھے' تو اللہ تمہارے ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۳۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی اور ان کو شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھاO اور اس وقت منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ محض دھوکا تھاO اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے تم واپس جاؤ' اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھےO (الاحزاب: ۱۳۔۱۱)

احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے اقوال سے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جب مدینہ کے گرد دشمن کی فوجیں جمع ہو گئیں اور مسلمان سخت تنگی میں محصور ہو گئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے' اور وہ آزمائش میں مبتلا تھے اور ان کو سختی سے جھنجھوڑا جا چکا تھا' اس وقت منافقوں کا نفاق ظاہر ہوا اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری تھی انہوں نے یہ کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو بھی وعدہ کیا وہ جھوٹا تھا۔

اس وقت ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب! یثرب سے مراد مدینہ ہے' صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں مکہ سے اس جگہ کی طرف ہجرت کروں گا جہاں کھجوروں کے درخت ہیں' میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ جگہ یمامہ ہے' پس وہ جگہ مدینہ یثرب تھی۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب' باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے لکھا ہے کہ یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کا نام ہے اور یہ غیر منصرف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۷ص ۴۹' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب اس وقت فرمایا جب آپ نے اس کا نام طیبہ نہیں رکھا تھا۔ (فتح الباری ج ۷ص ۲۳۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ ہے یہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۰۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شہر میں جانے کا حکم دیا گیا

ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا' لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں' اور وہ مدینہ ہے وہ (برے) لوگوں کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۲۶۱)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرے' یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۸' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۰۰' حافظ زین نے کہا اس کی سند میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے' لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے شواہد ہیں' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۴۲۸' قاہرہ' اور حافظ الھیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

منافق مدینہ کو یثرب کہتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام مدینہ ہے اور یہ طابہ اور طیبہ ہے' اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ مدینہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے' مسند احمد میں بھی مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت ہے' عیسیٰ بن دینار نے کہا جو مدینہ کو یثرب کہے گا اس کا گناہ لکھا جائے گا' مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ تثریب کا معنی جھڑکنا اور ملامت کرنا ہے اور قرآن مجید میں منافقین کا قول نقل کیا ہے جنہوں نے یا اھل یثرب کہا تھا۔ (الاحزاب: ۱۳)

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۶ ص ۳۶۹۸ ۔ ۳۶۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو اچھے نام سے بدل دیتے تھے اس لیے آپ نے یثرب کو طیبہ اور طابہ سے بدل دیا' طیبہ خوشبودار ہوا کو کہتے ہیں اور یہ مدینہ میں موجود ہے' اور مدینہ کی ہوا میں' اس کی مٹی میں اور اس کی تمام چیزوں میں خوش بو ہے' مدینہ کو طیبہ اس لیے فرمایا کہ اس میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ شہر کفر سے پاک کر دیتا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۵۰۱' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

بعض منافقین مدینہ کو یثرب کہتے تھے اور جو نام اس شہر کے لائق ہے وہ مدینہ ہے' اس لیے بعض علماء نے کہا کہ مدینہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے' اور قرآن مجید میں ہے کہ غیر مومنین نے مدینہ کو یثرب کہا تھا' اور امام احمد نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس نے مدینہ کو یثرب کہا تو وہ توبہ کرے یہ طابہ ہے یہ طابہ ہے' اور اس کراہت کا سبب یہ ہے کہ یثرب یا تو تثریب سے بنا ہے جس کا معنی ملامت کرنا ہے اور یا ثرب سے بنا ہے جس کا معنی فساد کرنا ہے' اور یہ دونوں نام قبیح ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے اور برے نام کو ناپسند فرماتے تھے' اور عمر بن شبہ نے ابو ایوب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے اور عیسیٰ بن دینار مالکی نے کہا جس نے مدینہ کو یثرب کہا اس کا گناہ لکھا جائے گا۔ حضرت نوح کے پرپوتے کے پرپوتے یثرب بن قانیہ نے اس شہر کو سب سے پہلے مسکن بنایا تھا اسی کے نام پر اس علاقہ کا نام یثرب پڑ گیا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۵۷۳ ۔ ۵۷۲ ۔ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۳۳۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

علامہ خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(حاشیۃ الخفاجی علی البیضاوی ج ۷ص ۱۶۹ روح المعانی جز ۲۱ص ۲۴۱)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ یثرب تثریب سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے ملامت کرنا پہلے صحت مند لوگ مدینہ جاتے تھے تو بیمار ہو جاتے تھے اس لیے لوگ ملامت کرتے تھے کہ مدینہ کیوں گئے! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد اب وہ جگہ دار الشفاء بن گئی اب وہاں بیمار جائیں تو صحت مند ہو جاتے ہیں پہلے وہاں جانے پر ملامت کی جاتی تھی اب کوئی شخص حج کرنے جائے اور مدینہ ہو کر نہ آئے تو لوگ اس کو مدینہ نہ جانے پر ملامت کرتے ہیں حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج البیت فلم یزرنی فقد جفانی.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا پھر وہ میری زیارت کے لیے نہیں آیا تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

(الکامل لابن عدی ج ۸ص ۲۴۸ طبع جدید الدر المنثور ج ۱ص ۵۳۲ دار احیاء التراث العربی کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۳۶۹)

منافقوں کے اس قول کے محامل اے اہل یثرب! واپس جاؤ

منافقین کے ایک گروہ نے مومنوں سے کہا تھا: اے یثرب والو! اب تمہارا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تم واپس جاؤ۔

منافقین کے اس قول کے حسب ذیل محامل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) تم مدینہ واپس چلے جاؤ تا کہ تم کفار کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جاؤ اور جب تم کفار کے لیے میدان خالی چھوڑ جاؤ گے تو ان کے دلوں میں بھی تمہارے لیے نرم گوشہ ہو گا۔

(۲) ان کی مراد یہ تھی کہ تم مقابلہ سے بھاگ جاؤ لیکن انہوں نے اس کو رجوع سے اس لیے تعبیر کیا تا کہ مسلمان یہ نہ گمان کریں کہ یہ بھاگنا مذموم ہے۔

(۳) اب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر قائم رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے سو اب تم پچھلے شرک کی طرف لوٹ جاؤ یا تم نے اسلام پر جو بیعت کی تھی اس سے رجوع کر لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دشمنوں کے حوالے کر دو۔

(۴) آج کے بعد یثرب اور اس کے مضافات میں قیام کرنا تمہارے لیے خطرناک ہے کیونکہ اب یہاں کفار اور مشرکین کا قبضہ ہو جائے گا اس لیے اب تم کفر کی طرف رجوع کر لو۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہم جنس منافقوں سے یہ کہا ہو کہ اب تمہارے نفاق کا بھانڈا پھوٹنے والا ہے اور خطرہ ہے کہ عنقریب تم کو قتل کر دیا جائے گا اس لیے اب تم اسلام سے رجوع کر لو اور کافروں سے مل جاؤ اسی میں تمہاری بقاء اور سلامتی ہے لیکن پہلی توجیہات مقام کے زیادہ موافق اور مناسب ہیں۔

گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے محامل

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور ان کا دوسرا فریق نبی سے جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہ رہے تھے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اس دوسرے فریق سے مراد بنو حارثہ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۵۱۹ الدر المنثور ج ۶ص ۵۱۰ روح المعانی جز ۲۱ص ۲۴۲)

ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارے گھروں کی دیواریں کمزور ہیں اور ہمیں اپنے گھروں میں چوری کا خطرہ ہے یا ہمارے گھروں کی دیواریں ٹوٹی ہوئی ہیں اور جو شخص بھی ان میں داخل ہونا چاہے وہ داخل ہو سکتا ہے یا ہمارے گھروں میں صرف عورتیں ہیں

مرد نہیں ہیں اس لیے ہم کو خطرہ ہے یا ہم کو دشمنوں سے خطرہ ہے کہ وہ ہمارے گھروں کو خالی دیکھ کر ان پر قبضہ کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے' پھر ان سے شرک طلب کیا جاتا تو وہ ضرور شرک کر لیتے' اور وہ اس میں ذرا دیر نہ کرتے O اور وہ اس سے پہلے اللہ سے یہ عہد کر چکے تھے کہ وہ میدان جنگ میں پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے متعلق ضرور باز پرس ہو گی O آپ کہیے کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا خواہ تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور اس وقت تم کو بہت کم فائدہ پہنچایا جائے گا O آپ کہیے اگر اللہ تم کو مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے' اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے O (الاحزاب: ۱۷۔۱۴)

جہاد سے بھاگنے والوں کی سرزنش

الاحزاب: ۱۴ میں الفتنہ کا لفظ ہے' ضحاک نے کہا اس سے مراد قتال ہے' اور حسن' مجاہد اور قتادہ نے کہا اس سے مراد کفر اور شرک ہے' ضحاک نے جو تفسیر کی ہے اس کے اعتبار سے معنی یہ ہو گا کہ ان کا یہ کہنا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں محض بہانا ہے اگر بالفرض مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر لشکر حملہ آور ہوتے' پھر کسی اور جانب سے کوئی اور ان سے لڑنے کے لیے کہتا تو یہ ذرا دیر نہ کرتے اور فوراً ان سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے' اور مجاہد وغیرہ نے جو الفتنہ کی تفسیر کفر اور شرک سے کی ہے اس کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے کہ اگر مدینہ کے چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا جاتا پھر ان سے یہ عہد کیا جاتا کہ تمہارے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ تم کفر اور شرک کی طرف رجوع کر لو تو یہ فوراً کفر اور شرک کی طرف رجوع کر لیتے۔

اس سے پہلے ہم نے ذکر کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے والے بنو حارثہ تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ بنو سلمہ تھے غزوہ احد میں انہوں نے بزدلی دکھائی تھی پھر انہوں نے توبہ کی اور غزوہ خندق سے پہلے انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ آئندہ میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلۃ العقبہ کو مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد کیا کہ وہ جس طرح اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کریں گے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان کو اس کا بہت ملال تھا کہ وہ اس عزت اور کرامت سے محروم رہے جو مجاہدین بدر کو حاصل ہوئی تھی۔

اور فرمایا کہ تم کو بھاگنا نفع نہیں دے گا' اس کا معنی یہ ہے کہ موت تو تم کو بہر صورت اپنے وقت پر آنی ہے خواہ وہ طبعی موت ہو یا دشمن کے ہاتھوں قتل کی صورت میں ہو' خواہ تم میدان جنگ سے بھاگو یا نہ بھاگو' اور بھاگنے کی صورت میں تم زندگی سے عارضی فائدہ ہی اٹھا سکو گے پھر قیامت کے دن تمہیں ذلت والا عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار ممکن نہیں ہے' تم یہ نہ سمجھو کہ اگر تم میدان جنگ سے بھاگ گئے تو تم قتل ہونے سے بچ جاؤ گے' اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قتل کی صورت میں موت مقدر کر دی ہے تو وہ اسی طرح آ کر رہے گی اس لیے فرمایا: آپ کہیے اگر اللہ تمہیں مصیبت میں ڈالنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور اگر وہ تم پر فضل کرنا چاہے (تو اس کو کون روک سکتا ہے!) اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (جہاد سے) روکنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور وہ بہت کم جہاد کرنے والے ہیں O وہ (تمہاری مدد میں) بخیل ہیں' پس جب دشمن حملہ آور ہو تو آپ دیکھیں گے وہ آپ کی طرف ایسے نظریں جما دیں گے جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو' پھر جب (جنگ

گا) خطرہ ٹل جائے گا تو وہ مال غنیمت کی حرص میں تم سے تیزی اور طراری سے باتیں کریں گے' یہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے' سو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O وہ گمان کر رہے ہیں کہ ابھی حملہ آور نہیں گئے اور اگر دشمن کے لشکر حملہ کرتے تو وہ یہ تمنا کرتے کہ کاش وہ جنگل میں دیہاتیوں کے پاس ہوتے اور (لوگوں سے) تمہاری خبریں دریافت کرتے اور اگر وہ تمہارے درمیان ہوتے تو دشمن سے بہت کم جہاد کرتے O (الاحزاب: ۲۰۔۱۸)

مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کے لیے منافقوں کی کوششیں.....

اور ان کا خوف اور ان کی چرب زبانی

الاحزاب: ۱۸ میں المعوقین کا لفظ ہے اس کا معنی ہے روکنے والے اور منع کرنے والے' بعض لوگ مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے' یہ کون لوگ تھے اس کی تعیین میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن السائب نے کہا یہ آیت عبداللہ بن ابی' معتب بن بشیر اور ان دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو خندق سے لوٹ کر مدینہ چلے گئے تھے' ان کے پاس جب کوئی منافق آتا تو یہ اس سے کہتے تھے تم پر افسوس ہے' یہیں بیٹھے رہو اور خندق کی طرف واپس نہ جاؤ' اور لشکر میں جو ان کے ساتھی تھے ان کو بھی یہ پیغام بھیجتے تھے ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہارے منتظر ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو مدینہ میں رہنے والے اپنے ان بھائیوں سے کہتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب تعداد میں بہت کم ہیں وہ ابوسفیان اور اس کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ عنقریب ہلاک ہونے والے ہیں تم ان کا ساتھ چھوڑ دو۔

(۳) امام ابن ابی حاتم نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ ایک دن ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے نکل کر اپنے بھائی کے پاس گیا اس کے پاس روٹی' بھنا ہوا گوشت اور نبیذ رکھا تھا' اس نے اپنے بھائی سے کہا تم یہاں داد عیش دے رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلواروں اور نیزوں کے درمیان ہیں! اس کے بھائی نے کہا تم بھی یہیں آ جاؤ میں قسم کھاتا ہوں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے! اس نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو' میں قسم کھاتا ہوں کہ میں حضور کے پاس جا کر یہ بات بتاؤں گا' وہ آپ کو بتانے گیا تو حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

(جامع البیان جز ۲۱ ص ۱۶۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۱۲۱' الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۱)

الاحزاب: ۱۹ میں اشحۃ کا لفظ ہے' یہ شحیح کی جمع ہے' اور شحیح کا معنی بخیل ہے' مجاہد اور قتادہ نے کہا یہ لوگ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بخیل ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ تمہارے لیے ہر قسم کی منفعت میں بخیل ہیں۔ اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو اس وقت یہ سخت بزدل ہیں' عنقریب جب جنگ ختم ہو جائے گی تو یہ بہت تیز اور طرار زبانوں کے ساتھ مسلمانوں سے باتیں کریں گے اور مال غنیمت میں سے اپنا حصہ طلب کریں گے' اس وقت یہ اپنی بہادری اور دلیری کی جھوٹی داستانیں سنائیں گے اور اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کریں گے' حالانکہ میدان جنگ میں یہ سب سے زیادہ بزدل اور اپنے اصحاب کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے والے تھے۔

الاحزاب: ۲۰ میں یہ بتایا ہے کہ ان منافقوں کی بزدلی اور کم ہمتی اور ان کے خوف اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ ہر چند کہ کفار کے لشکر ناکام اور نامراد ہو کر واپس جا چکے ہیں لیکن ان کا ابھی تک یہ خیال ہے کہ کفار کا لشکر ہنوز اپنے خیموں اور مورچوں میں موجود ہے' اور اگر بالفرض کفار کا لشکر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آ جائے تو ان کی تمنا یہ ہو گی کہ کاش وہ یہاں ان کے سامنے ان کے مقابلہ میں نہ ہوتے' دور کسی جنگل میں ہوتے اور وہیں سے تمہارے متعلق لوگوں سے پوچھا کرتے کہ مسلمان جنگ میں ہلاک ہوئے یا نہیں!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' ہر اس شخص کے

يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ

لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو ○ اور جب

الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ

مسلمانوں نے الاحزاب (کفار کے لشکروں) کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ

اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس (لشکر کی آمد) نے ان کے ایمان اور ان کی اطاعت میں اضافہ ہی کیا ○ مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ

میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ

بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں' اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ○

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ

تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا

يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ان کی توبہ قبول فرمائے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربانی فرمانے والا ہے ○ اور اللہ نے کافروں کو ان کے دلوں

كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَ

کی جلن کے ساتھ (ناکام و نامراد) لوٹا دیا وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے' اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا اور

كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

بے شک اللہ بہت قوت والا بہت غلبہ والا ہے ○ اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا

ان کو ان قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو O اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

ان کے مالوں کا وارث بنا دیا' اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

ع ۳ ۷ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو O (الاحزاب: ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنے کا نمونہ

اس آیت میں اسوہ کا لفظ ہے' اسوہ کا معنی ہے عمل کے لیے نمونہ' انسان کسی دوسرے شخص کی اتباع اور پیروی میں جس طریقہ پر ہوتا ہے اس کو اسوہ اور نمونہ کہتے ہیں' خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا' اس لیے اس آیت میں اسوہ کو حسنہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے اس آیت میں ان لوگوں پر عتاب کیا گیا ہے جو غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے' یعنی تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت عمدہ نمونہ ہے' کہ آپ نے اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی جان کو خرچ کیا اور کفار اور مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے میدان میں آئے اور بہ نفس نفیس خندق کھودی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۴۳)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے دن مٹی کھود کر منتقل کر رہے تھے حتیٰ کہ آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو گیا اور آپ بلند آواز سے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلینا

اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے — اور نہ ہم صدقہ اور خیرات کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

سو تو ہم پر ضرور سکون اور امن نازل فرما — اور اگر دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۰۷' عالم الکتب' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۵۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عمدہ نمونہ ہے اور نیک اور اچھی خصلتیں ہیں' اور ایسی سنن صالحہ ہیں جو واجب الاتباع ہیں' آپ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں' بھوک و پیاس کی سختیوں سے گھبراتے نہیں' اللہ کی راہ میں جو زخم کھاتے ہیں ان پر صبر کرتے ہیں' غزوہ احد میں آپ کے سر پر زخم آیا' آپ کے سامنے کے دانت کا کچھ حصہ شہید ہو گیا آپ کے عم مکرم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ان کو مثلہ کیا گیا' اللہ کی راہ میں آپ کو بہت ایذائیں

دی گئیں، آپ ثابت قدم رہے، آپ نے کبھی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا، سوائے مسلمانو! تم آپ کے اسوہ اور نمونہ کی اتباع کرو۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں سے باندھا ہوا ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱، المسند الجامع رقم الحدیث: ۳۹۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کے اوپر جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا؟ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم سے جن سختیوں کا سامنا ہوا سو ہوا، اور سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جو یوم العقبہ کو پیش آیا (عقبہ کے معنی ہیں پہاڑ کی گھاٹی، آپ مکہ کے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر قریش مکہ کو تبلیغ فرماتے تھے) میں نے ابن عبد یا لیل بن عبد کلال کے سامنے اپنی رسالت کا پیغام پیش کیا، اس نے میرے پیغام کو قبول نہیں کیا، میں انتہائی دل گرفتہ حالت میں واپس آیا جب میں قرن الثعالب میں پہنچا میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایا کیا ہوا تھا میں نے دیکھا اس بادل میں حضرت جبریل تھے، انہوں نے مجھے آواز دے کر کہا آپ نے اپنی قوم کو جو پیغام سنایا اور انہوں نے جو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا، اور آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، تاکہ آپ ان کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں، پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دے کر مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد! آپ جو چاہیں میں وہ کر دیتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کے دو پہاڑوں (ابوقبیس اور قیقعان) کو ان کے اوپر گرا کر ان کو پیس ڈالوں! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ نکالے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عبادات اور معاملات کا نمونہ

ہم نے پہلے یہ ذکر کیا تھا کہ علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوۂ خندق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے یا جو آپ سے میدان جنگ سے چلے جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے، اس کے برخلاف علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی یہ تحقیق ہے کہ یہ آیت مخلص مومنین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۵۳)

سعید بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستہ میں سفر کر رہا تھا، سعید کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خدشہ ہوا کہ اب صبح ہونے والی ہے تو میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے، پھر میں حضرت ابن عمر سے جا ملا، حضرت عبداللہ بن عمر نے پوچھا تم کہاں جا رہے تھے، میں نے کہا مجھے صبح کا خوف ہوا تو میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! اللہ کی قسم! حضرت ابن عمر نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۷۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۰)

ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ وتر کی نماز نفل ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر کی نماز پڑھی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی نماز کو واجب قرار دینے سے پہلے وتر کی نما

سواری پر پڑھی کیونکہ امام طحاوی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر سے ہی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل سواری پر پڑھے اور وتر سواری سے اتر کر پڑھے' اور حضرت ابن عمر نے اس حدیث کی کوئی توجیہ کر لی ہوگی۔ وتر کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی سو جانے کی وجہ سے یا بھول جانے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے وہ صبح کو وتر پڑھ لے (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۶۶) اور قضا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۱۔۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ عمرہ کرنے والے ایک شخص نے بیت اللہ کا طواف کر لیا' آیا وہ صفا اور مروہ کی سعی سے پہلے عمل تزویج کر سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی' اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی' پھر یہ آیت پڑھی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۹۶۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا جب میں اس رکن کے پاس پہنچا جو حجر اسود کے پاس ہے تو میں نے ہاتھ سے اس کو تعظیم دی' حضرت عمر نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عمر نے کہا کیا تم نے آپ کو اس کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا؟ میں نے کہا نہیں! حضرت عمر نے کہا ابھی آپ کا زمانہ زیادہ تو نہیں گزرا' بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۸۲)

عیسیٰ بن عاصم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے سفر میں دن کے وقت فرض نماز پڑھی' پھر انہوں نے بعض مسلمانوں کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر میں نفل نماز پڑھوں تو فرض کی پوری چار رکعت پڑھ لوں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہے' آپ دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے' اور میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے' اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نماز نہیں پڑھتے تھے اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن میں نفل نہیں پڑھتے تھے' پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۴۵۵' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے آپ کو نحر (ذبح) کرے گا یا اپنے بیٹے کو نحر کرے گا اس کو چاہیے کہ ایک مینڈھے کو ذبح کر دے' پھر یہ آیت تلاوت کی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۱۸۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' مصنف ج ۸ ص ۴۶۰ قدیم)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ وہ پیشاب سے رنگی ہوئی یمنی چادروں کے پہننے سے منع کریں' ایک شخص نے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چادر پہنتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں! اس شخص

نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے' پھر حضرت عمر نے اس سے منع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۴۹۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' مصنف ج ۱ ص ۳۸۲)

اللہ کے ذکر میں کامل اجر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذکر مکمل جملہ ہو اور ذکر کرنے والے کو اس کا معنی معلوم ہو

اس کے بعد فرمایا ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو۔

یعنی وہ شخص عذاب سے نجات' جنت کے حصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے عبادت کرتا ہو' پھر اس کو اس قید کے ساتھ مقید فرمایا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ شرعاً وہ ذکر معتبر ہوتا ہے جو عربی گرامر کے اعتبار سے مکمل جملہ ہو مثلاً کوئی شخص کہے سبحان اللہ و الحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله اور اس طرح کے اور اذکار۔ اور جو جملہ نہ ہو مثلاً اللہ' القادر' السمیع' البصیر تو جو شخص ان اسماء کا ورد کرے تو یہ شرعاً ذکر معتبر نہیں ہے' جب تک کہ ان الفاظ سے مکمل کلام نہ ہو تو ذکر کرنے والے کو اس ذکر کا ثواب نہیں ملتا' مثلاً کوئی شخص سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے اور اس کے معنی سے غافل ہو یا اس کے ذہن میں اس کا معنی متحضر اور ملحوظ نہ ہو تو اس پر اجماع ہے کہ اس کو اس ذکر کا ثواب نہیں ملے گا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں' انا للہ وانا الیہ راجعون!

خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے جن اسماء اور صفات کا ذکر کرے تو اول تو وہ اذکار مکمل جملہ ہوں اور ثانیاً یہ کہ اس کو جملہ کا معنی بھی معلوم ہو اور اس کا ذہن اس معنی کی طرف متوجہ ہو۔ (علامہ نووی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مقصود حضور قلب ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوگا جب ذکر کے معنی میں آدمی غور کرے گا۔ یہ نہیں لکھا کہ اس کے بغیر ذکر کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ (کتاب الاذکار ج ۱ ص ۱۵) اللہ کا نام لینے سے بہر حال اجر ملے گا خواہ جملہ مکمل نہ ہو یا اس کا معنی معلوم نہ ہو لیکن بہر حال کامل اجر اسی صورت میں ملے گا جس طرح علامہ آلوسی نے لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۵۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مسلمانوں نے الاحزاب (کفار کے لشکروں) کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس (لشکر کی آمد) نے ان کے ایمان اور ان کی اطاعت میں اضافہ ہی کیا ۝ مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں' جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں' اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی ۝ تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزا دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا ان کی توبہ قبول فرمائے بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بہت مہربانی فرمانے والا ہے ۝ (الاحزاب: ۲۳۔۲۴)

غزوۃ الاحزاب کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کے محامل

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یہ دیکھا کہ تمام اقسام کے کافروں کے لشکر متفق اور مجتمع ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ میں پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے کہا آج یوم خندق کو ہم جس بڑی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہیں اس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اشارہ فرما دیا تھا اور وہ اشارہ اس آیت میں ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ: ۲۱۴)	کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر ایسی آزمائشیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئیں تھیں ان پر آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔

علامہ ابو الحیان اندلسی التوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور جنت کے حصول کا یقین تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا' کفار کی جماعتیں نو یا دس تاریخ کو تم پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوں گی' اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس مقررہ وقت پر کفار کی جماعتیں حملہ کے لیے پہنچ گئیں تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کھود رہے تھے تو پہلی ضرب پر آپ کو شام کے علاقے دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر فارس کے علاقے اور تیسری ضرب پر یمن کے علاقے دکھائے گئے اور اس آیت میں اللہ اور رسول کے وعدہ سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان علاقوں کی فتوحات ضرور حاصل ہوں گی اور یہ اللہ اور اس کے رسول کا سچا وعدہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی مدد کی جائے گی اور مسلمان ان علاقوں کو ضرور فتح کریں گے۔ (البحر المحیط ج ۸ص ۴۶۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

مجاہدین کو مَردوں سے تعبیر کرنے کا سبب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مومنوں میں کچھ ایسے (ہمت والے) مرد ہیں' جنہوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا' جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی O (الاحزاب: ۲۳)

ان مومنوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے آئندہ کفار کے خلاف جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے' اور یہ مومنین حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ بن عبید اللہ' حضرت سعید بن زید بن عمرو نفیل' حضرت حمزہ' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت انس بن نضر وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے' انہوں نے نذر مانی تھی کہ جب بھی کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ مقابلہ میں ثابت قدم رہیں گے اور وہ مسلسل قتال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائیں' اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو مردوں سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جمادات اور نباتات کے بعد پہلا مرتبہ حیوانات کا ہے اس کے بعد انسانوں کا مرتبہ ہے اور انسانوں میں زیادہ مرتبہ مردوں کا ہے اور مردوں میں بھی زیادہ مرتبہ ان مردوں کا ہے جو ہمت والے مرد ہوں اور مرد میدان ہوں۔

بعض مجاہدین کے نذر ماننے کی تحسین کی توجیہ جب کہ نذر ماننا مکروہ ہے

اس آیت میں "نحب" کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے النحب اس نذر کو کہتے ہیں جس کا پورا کرنا واجب ہو کہا جاتا ہے: قضی فلان نحبہ فلاں شخص نے اپنی نذر پوری کر دی۔ (المفردات ج ۲ص ۶۲۶)

معصیت کی نذر ماننا جائز نہیں ہے' نذر اس کام کی مانی جاتی ہے جو عبادات مقصودہ کی جنس سے ہو اور اس کو پورا کرنا واجب ہو قرآن مجید میں ہے وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج: ۲۹) اور ان کو چاہیے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔

(رد المحتار ج ۶ص ۴۱۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نذر پر مفصل گفتگو ہم الحج: ۲۹ میں کر چکے ہیں اور یہ بحث تبیان القرآن کی ساتویں جلد میں ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان مومنوں کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نذر مان کر اس کو پورا کیا اور حدیث میں نذر ماننے کو ناپسند فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی' صرف بخیل شخص نذر مان کر عبادت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۶۰۸ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۸۷ سنن النسائی رقم الحدیث:۳۸۰۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۲۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو عبادت کی نذر ماننے سے منع فرمایا جو شخص اس نذر کی وجہ سے تکلفاً اور جبراً عبادت کرے اور دل سے اس عبادت پر خوش نہ ہو' یا جو شخص بہ صورت معاوضہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کا فلاں کام کر دیا تو وہ اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ کی فلاں عبادت کرے گا' جب کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے' یا آپ نے نذر سے اس شخص کو منع فرمایا جس کا عقیدہ یہ ہو کہ نذر ماننے سے تقدیر بدل جاتی ہے' اور جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نذر مانے اس کا نذر ماننا مکروہ نہیں ہے اور اس آیت میں جن مومنین کا ذکر فرمایا ہے انہوں نے محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے نذر مانی تھی' اپنے کسی دنیاوی مطلوب کے لیے نذر نہیں مانی تھی۔

جہاد کی نذر پوری کرنے والے صحابہ کے مصادیق

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ آیت (الاحزاب:۲۳) حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے' اس کا ان کو بہت قلق تھا وہ کہتے تھے کہ جو کفر اور اسلام کا پہلا بڑا معرکہ ہوا' میں اس میں حاضر نہ ہو سکا' اگر اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے کسی اور غزوہ میں حاضر ہونے کا موقع دیا تو پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ضرور دکھائے گا کہ میں کیا کرتا ہوں' پھر وہ غزوہ احد میں حاضر ہوئے اور ان کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا اے ابوعمرو کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انس بن نضر نے کہا وہ دیکھو مجھے احد پہاڑ کے پاس سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے' انہوں نے قتال کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے' ان کے جسم پر تلواروں' نیزوں اور تیروں کے اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے اور ان کے اور ان کے اصحاب کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۳ سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس آئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ راستہ میں مقتول پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۳)

مومنوں میں کچھ ایسے ہمت والے مرد ہیں' جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا' سو ان میں سے بعض نے (شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض منتظر ہیں۔ اور انہوں نے (اپنے وعدہ میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک شہداء ہیں' سو تم ان کے پاس آیا کرو اور ان کی زیارت کیا کرو' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو شخص بھی ان کو سلام کرے گا یہ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۴۸ قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۲۹۷۷ جدید' دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۸۴' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰' احوال القبور ص ۱۴۲۔۱۴۱' الدر المنثور ج ۶ ص ۵۱۸۔۵۱۷' کنز العمال ج ۱۰ ص ۳۸۱)

امام حاکم نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ ج ۵ ص ۲۰۰ میں بھی روایت کیا ہے اور ذہبی نے اس سند کو صحیح لکھا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک ناواقف اعرابی سے کہا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرو وہ شخص کون ہے جس کے متعلق یہ آیت ہے: **فمنهم من قضى نحبه** اور آپ کے اصحاب آپ سے سوال کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے وہ آپ کا بہت ادب کرتے تھے اور آپ سے ڈرتے تھے' اس اعرابی نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اعراض فرمایا اس نے پھر سوال کیا تو آپ نے پھر اعراض فرمایا' پھر میں مسجد کے دروازہ سے داخل ہوا' اس وقت میں نے سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ جو **فمنهم من قضى نحبه** کے متعلق سوال کر رہا تھا' اس اعرابی نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ان مومنوں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۰۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ وہ زمین پر اس آدمی کو چلتے ہوئے دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے' ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شہید کیا تھا حضرت علی کو ان کی لاش دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور فرمایا کاش میں اس حادثہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا' آپ نے حضرت طلحہ کے لیے شہادت کی بشارت دی جن کو حضرت علی کے لشکر نے شہید کیا اور حضرت عمار بن یاسر کے لیے بھی شہادت کی بشارت دی جن کو حضرت معاویہ کے لشکر نے شہید کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان جنگوں میں قتل ہونے والے دونوں فریق شہید تھے اور دونوں فریق اپنے اپنے اجتہاد میں برحق تھے کسی کا مطمح نظر نفسانیت نہ تھا' لیکن جمہور اسلام کے نزدیک واقع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد برحق تھا۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۹۸)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت (الاحزاب: ۲۳) کی تفسیر میں فرماتی ہیں ان مومنین میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے حتیٰ کہ ان کا ہاتھ چھلنی ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ نے جنت کو واجب کر لیا۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ شہید کو زمین پر چلتے ہوئے دیکھے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کا حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے ملنا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مصاحف (قرآن مجید کے نسخے) لکھ رہے تھے تو ایک آیت گم پائی جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا پھر وہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی وہ آیت یہ تھی: **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الى قوله تَبْدِيْلًا** (الاحزاب: ۲۳) اور حضرت خزیمہ کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ ذوالشہادتین ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۷' مصنف عبد الرزاق ج ۸ ص ۲۸۷' رقم الحدیث: ۱۵۶۶۴' مصنف ج ۱۰ ص ۲۲۷' رقم الحدیث: ۲۰۵۸۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو بکر کے عہد میں صحابہ کرام کی ایک کمیٹی قرآن مجید کو ایک مصحف (مجموع مجلد) میں لکھ رہی تھی انہوں نے

مصحف میں قرآن مجید کی آیات کو درج کرنے کا یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ جس آیت کے متعلق کم از کم دو صحابہ یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا وہ اس آیت کو مصحف میں درج کرتے تھے' الاحزاب: ۲۳ کو لکھوانے کے متعلق حضرت خزیمہ بن ثابت کے علاوہ اور کوئی گواہی نہیں ملی اور چونکہ حضرت خزیمہ کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا تھا اس لیے صحابہ نے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کر لیا' واضح رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت تواتر سے ثابت ہے یعنی اس کے قرآن ہونے کے متعلق ہر دور میں اتنے لوگوں نے خبر دی ہے کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے' لیکن یہاں پر یہ مسئلہ نہیں تھا کہ یہ آیت قرآن مجید میں ہے یا نہیں۔ اس کا قرآن مجید میں ہونا تو انہیں تواتر سے معلوم تھا' مسئلہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لکھوایا ہے اور سورۃ الاحزاب میں درج کرایا ہے یا نہیں' سو اس پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ گواہ تھے' الاحزاب: ۲۳ کی طرح سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے مصحف میں درج کی گئیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا تو میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ جب میں سورۃ توبہ کے آخر میں پہنچا تو لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸) مجھے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اور ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو جو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے' اس کی وجہ دو واقعات ہیں جن کا ذکر آ رہا ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو گواہوں کی گواہی کے قائم مقام کرنے کا سبب

محمد بن عمارہ' حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مہلت طلب کی کہ گھوڑے کی قیمت لے کر آئیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی قیمت لینے کے لیے سرعت کے ساتھ گئے' اس اعرابی کے نزدیک تاخیر ہو گئی' دوسرے لوگ اس اعرابی کے سامنے اس گھوڑے کی قیمت لگانے لگے' ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' پھر اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر آپ اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں تو فبہا ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' آپ نے اس اعرابی کی بات سن کر فرمایا کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے آپ کو یہ گھوڑا نہیں فروخت کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں! میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اس اعرابی نے کہا اچھا پھر آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ بن ثابت نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو فروخت کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ سے پوچھا تم کس بنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ نے کہا یا رسول اللہ! کیونکہ میں آپ کی (ہر بات کی) تصدیق کرتا ہوں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۰۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۶۱' الطبقات الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۸۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۶۶۱ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۶۶ طبع قدیم' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۷۳۰' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰' المستدرک ج ۲ ص ۱۸' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۷۰۴۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۰۳۸' الاصابہ رقم الحدیث: ۲۲۵۶' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۱۴۳۶)

قتادہ بیان کرتے ہیں ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا تقاضا کر رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو قرض ادا کر چکا ہوں' یہودی نے کہا آپ گواہ لائیں' اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری آ گئے' انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو قرض ادا کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تم کو کیسے علم ہوا؟

انہوں نے کہا میں اس سے بہت بڑی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' میں آسمان کی خبروں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتیں قرار دیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۲۶۳۔۲۰۵۸۵ طبع جدید' مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۶۶' ج ۱۱ ص ۲۳۵ طبع قدیم)

سورۃ توبہ کی آخری آیت آیا حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے قرآن مجید...... میں مندرج ہوئی یا حضرت ابوخزیمہ کی شہادت سے؟

سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں ۱۲۹۔۱۲۸ (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیتین) کے متعلق امام بخاری کی روایات مضطرب ہیں' جب کہ اس میں امام بخاری اور ان کے شارحین کو شرح صدر ہے کہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: ۲۳) کے متعلق صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تھی کہ اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الاحزاب میں لکھوایا تھا اور چونکہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے اس لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرتے وقت اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں درج کرلیا' لیکن سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتوں میں ان کی روایت میں اضطراب ہے:

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کو تلاش کرتا رہا حتیٰ کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں مجھے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس سے ملیں اور میں نے کسی اور کے پاس ان دو آیتوں کو نہیں پایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۹' ۷۴۲۵)

پھر امام بخاری حدیث: ۴۶۷۹ کے آخر میں لکھتے ہیں: ابوثابت ابراہیم سے روایت کرتے ہیں: یہ دو آیتیں خزیمہ کے پاس سے ملیں یا ابوخزیمہ کے پاس ملیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

خارجہ بن زید بن ثابت اور عبید بن السباق کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زید بن ثابت کو جو آیت حضرت خزیمہ کے پاس سے ملی تھی وہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا (الاحزاب: ۲۳) ہے یا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: ۱۲۹۔۱۲۸) تھی امام بخاری نے ان دونوں حدیثوں کو ان مذکور سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے گویا کہ ان کے نزدیک دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شعیب نے زہری کی روایت سے ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے' اسی طرح ابراہیم بن سعد نے بھی ان دونوں حدیثوں کو زہری سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۷۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے' کیونکہ انہوں نے کہا حضرت زید بن ثابت کو سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت خزیمہ کے پاس سے ملیں یا حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملیں۔ اس طرح انہوں نے کتاب الاحکام میں بھی ان دونوں حدیثوں کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے' دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۲۵' اس کا حاصل یہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کے شاگردوں میں اختلاف ہے بعض نے کہا سورہ توبہ کی آخری آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملیں اور بعض نے کہا حضرت خزیمہ کے پاس ملیں اور بعض نے اس میں شک کیا' موسیٰ بن اسماعیل نے کہا سورۃ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملی اور سورۃ الاحزاب کی آیت حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس سے ملی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۳۸۴۔۳۸۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۴۹۸۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابراہیم بن سعد نے روایت کیا ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور شعیب نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت خزیمہ انصاری کے پاس ملی' جیسا کہ سورۂ توبہ کی تفسیر میں گزرا ہے' اور امام ترمذی نے مسند الشامیین میں شعیب سے روایت کیا ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی' اسی طرح امام ابن ابی داؤد نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس ملی اس کا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مصنف کے نزدیک حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت ...... سے اس آیت کا قرآن میں مندرج ہونا راجح ہے

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا یہ لکھنا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس سے ملی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس قول کو زیادہ صحیح قرار دینا' دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں' کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں قرآن جمع کرنے والے صحابہ نے یہ اصول طے کر لیا تھا کہ جس آیت کے متعلق دو صحابی یہ گواہی دیں گے کہ اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اس آیت کو وہ مصحف میں درج کریں گے خواہ ان کو اس کا قرآن کی آیت ہونا تواتر سے معلوم ہو' اور سورۂ توبہ کی آخری آیت صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی تھی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا اس لیے ان کی شہادت پر اس آیت کو سورۂ توبہ میں درج کر لیا گیا' اور جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت صرف حضرت ابوخزیمہ بن اوس کے پاس سے ملی اور کسی کے پاس نہیں تھی اس لیے ان اکیلے کی شہادت پر اس کو سورۂ توبہ میں درج کر لیا گیا یہ روایت اس لیے مرجوح ہے کہ حضرت ابوخزیمہ کی شہادت کو تو دو شہادتوں کے برابر نہیں قرار دیا گیا تھا پھر اس کو قرآن مجید میں درج کرنا ان کے اصول کے خلاف ہے' اصول یہ تھا کہ جس آیت کے لکھوائے جانے پر دو گواہ ہوں اس کو قرآن مجید میں درج کیا جائے اور اس معیار کے مطابق حضرت خزیمہ بن ثابت کی روایت ہے کیونکہ ان کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا' ثانیاً اگر اس اصول سے صرف نظر کر لیا جائے پھر بھی جب صحیح بخاری میں سورۂ توبہ کی آخری آیت کو سورۂ توبہ میں درج کرنے کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک حضرت ابوخزیمہ بن اوس کی جن کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر نہیں قرار دیا گیا اور دوسری حضرت خزیمہ بن ثابت کی جن کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا گیا ہے اور دونوں صحیح حدیثیں ہیں تو ترجیح حضرت خزیمہ بن ثابت کی روایت کو دینا چاہیے نہ کہ حضرت ابوخزیمہ بن اوس کی روایت کو۔

ثالثاً' امام بخاری کو تو ان دونوں حدیثوں کی ترجیح میں تردد اور شک ہے لیکن دوسرے مصنفین صحاح کو اس میں کوئی تردد نہیں ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی سے سورۂ توبہ کی آخری آیات کو سورۂ توبہ میں درج کیا گیا ہے چنانچہ امام ترمذی نے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے اس آیت کو درج کرنے کی حدیث کو روایت کیا ہے' دیکھیے سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۳' اسی طرح امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کو درج کیا ہے دیکھیے صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۰۷ اور ۴۵۰۶' اسی طرح امام ابویعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ نے بھی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو درج کیا ہے دیکھیے مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴' مفسرین میں سے علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی حدیث کا ذکر کیا ہے دیکھیے الجامع لاحکام القرآن جز ۸ ص ۲۱۹' دار الفکر بیروت'

اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے امام محمد بن سعد' امام احمد' امام بخاری' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن جریر' امام ابن ابی داؤد' امام ابن حبان' امام ابن المنذر' امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی حدیث کا ذکر کیا ہے دیکھیے الدر المنثور ج ۴ ص ۲۹۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ

دو شہادتوں سے کسی آیت کا قرآن مجید میں درج کرنا آیا تواتر کی شرط کے خلاف ہے یا نہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے بتانے سے سورۃ توبہ میں درج کی گئیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید تو تواتر سے ثابت ہوتا ہے تو صرف ایک شخص حضرت ابوخزیمہ کے بتانے سے ان آیتوں کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوا حتیٰ کہ ان کو سورہ توبہ کے آخر میں درج کرلیا گیا' اس کی تحقیق کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت نے کہا مجھے یہ آیتیں حضرت ابوخزیمہ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملیں' اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوخزیمہ کے علاوہ اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملیں' کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ کسی آیت کے بارے میں صرف لوگوں کے حافظہ کو کافی نہیں سمجھتے تھے جب کہ ان کے پاس وہ آیت لکھی ہوئی نہ ہو اور ان کو جو آیتیں اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہیں ملیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو ان آیتوں کا قرآن ہونا اس سے پہلے تواتر سے معلوم نہ ہو' اور حضرت زید بن ثابت صرف یہ تلاش کر رہے تھے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے بلاواسطہ اس آیت کو حاصل کیا ہو' اور ہوسکتا ہے کہ جب حضرت زید بن ثابت انصاری کو یہ آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس لکھی ہوئی مل گئی تو باقی صحابہ کو بھی یاد آ گیا ہو کہ یہ آیت لکھوائی گئی تھی جس طرح حضرت زید کو یاد آ گیا تھا' اور اس تلاش کا فائدہ یہ تھا کہ یہ بات زیادہ قوت کے ساتھ ثابت ہوگئی کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھوائی گئی تھی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور باقی صحابہ کو یہ یاد آ گیا کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھوائی گئی یہ صرف حافظ ابن حجر کا اندازہ اور گمان ہے کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے' حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوخزیمہ کے پاس (لکھی ہوئی) ملی' اس پر یہ اشکال قائم رہے گا کہ صرف ایک شخص کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی ہونے سے ان کو اس کے لکھے ہوئے ہونے کا کیسے یقین ہو گیا اس کے برخلاف صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس (لکھی ہوئی) ملی اور یہ روایت اس لیے راجح ہے کہ ان کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا ہے' اس لیے حضرت ابوخزیمہ کی شہادت کی بہ نسبت حضرت خزیمہ بن ثابت کی شہادت سے اس یقین کی کافی قوی وجہ ہے کہ یہ آیت آپ کے سامنے لکھوائی گئی تھی' خلاصہ یہ ہے کہ کسی آیت کا قرآن ہونا تو ان کو تواتر سے معلوم تھا لیکن اس کو مصحف میں درج کرنے کے لیے انہوں نے یہ ضابطہ مقرر کیا تھا کہ دو شخص یہ گواہی دیں کہ اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا اور اس آیت کے متعلق صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی تھی اور چونکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے قائم مقام تھی اس لیے ان کی گواہی پر اس آیت کو سورۃ توبہ کے آخر میں درج کرلیا گیا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ سخاوی نے جمال القراء میں فرمایا ہے کہ دو گواہوں کا ضابطہ انہوں نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ اسی آیت کو قرآن مجید میں درج کیا جائے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہو' ابوشامہ نے کہا ان کی غرض یہ تھی کہ اس آیت کو اسی طرح لکھا جائے جس طرح آپ کے سامنے وہ آیت لکھی گئی تھی' میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی

غرض یہ ہو کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس سال بھی اس آیت کو اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۴ص۲۸٬ مکتبہ حقانیہ پشاور)

اس تفصیل اور تحقیق سے یہ واضح ہو گیا زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ملی تھی نہ کہ حضرت ابوخزیمہ بن اوس سے۔

خزیمہ اور ابوخزیمہ کے ناموں کا فرق

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے ابوخزیمہ اور خزیمہ بن ثابت دونوں سے مراد ایک ہی شخص ہو۔
(مرقاۃ المفاتیح ج۴ص۲۸٬ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ملا علی قاری نے یہ صحیح نہیں لکھا حضرت خزیمہ کا نام خزیمہ بن ثابت اور اور ان کے والد کا نام ثابت ہے٬ اور حضرت ابو خزیمہ کا نام ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم ہے۔ (الاستیعاب ج۴ص۲۰۵٬ دار الکتب العلمیہ بیروت٬ ۱۴۱۵ھ٬ فتح الباری ج۱۰ص۱۸٬ دار الفکر بیروت٬ ۱۴۲۱ھ٬ عمدۃ القاری ج۱۸ص۳۸۳٬ دار الکتب العلمیہ بیروت٬ ۱۴۲۲ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کی جزاء دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر وہ چاہے یا ان کی توبہ قبول فرمائے (الاحزاب: ۲۴)

منافقوں کو عذاب نہ دینے پر ایک اشکال کا جواب

غزوۃ الاحزاب میں جو امور واقع ہوئے مومنوں نے مخلصانہ عمل کیے اور منافقین نے اپنے روایتی نفاق کا مظاہرہ کیا٬ یہ سب اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء دے٬ مومنوں کو دنیا میں دشمنان اسلام کے خلاف فتح اور نصرت عطا فرمائے اور ان کو اقتدار سے نوازے٬ اور آخرت میں ان کو اجر وثواب٬ جنت الفردوس اپنی رضا اور اپنا دیدار عطا فرمائے٬ اور منافقین نے غزوۃ الاحزاب میں اسلام دشمنی پر مبنی اعمال کیے تھے٬ اگر انہوں نے اس پر توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کو معاف فرما دے گا۔

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو منافقوں کو عذاب دے گا اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو منافقوں کو عذاب نہیں دے گا حالانکہ منافقوں کو آخرت میں عذاب ہونا تو قطعی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ.   بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان منافقین کو آخرت میں عذاب ہونا قطعی ہے جو نفاق اور کفر پر مرے ہوں اور جن کو اللہ تعالیٰ دنیا میں مرنے سے پہلے کفر اور نفاق سے توبہ کرنے کی توفیق دے دے گا٬ ان کو عذاب نہیں دے گا٬ سو جس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے گا اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق نہیں دے گا اور جس کو عذاب نہیں دینا چاہے گا اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق دے دے گا٬ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بعض منافقین کو توبہ کی توفیق دینا اور بعض کو توبہ کی توفیق نہ دینا اس کی کیا وجہ ہے٬ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی بناء پر ہو٬ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بعض کا نفاق کم اور خفیف ہو اور بعض کا نفاق زیادہ اور شدید ہو٬ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض نے اسلام کو کم نقصان پہنچایا ہو اور بعض نے زیادہ نقصان پہنچایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض نے نفاق کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہ کی ہو اور بعض نے آپ کی گستاخی کی ہو٬ اور اللہ تعالیٰ

کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ (ناکام و نامراد) لوٹا دیا وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکے' اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا اور بے شک اللہ بہت قوت والا' بہت غلبہ والا ہے O اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو O (الاحزاب: ۲۶۔۲۵)

اللہ تعالیٰ کا کفار کو غزوۂ خندق سے بے نیل مرام لوٹانا

محمد بن عمر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اس آیت میں کفار سے مراد ابوسفیان اور عیینہ بن بدر ہیں' ابوسفیان تہامہ کی طرف لوٹ گئے تھے اور عیینہ نجد کی طرف لوٹ گئے تھے' اور فرمایا: اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا بایں طور کہ اس نے بہت سخت آندھی بھیجی جس سے گھبرا کر کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور بنو قریظہ مرعوب ہو کر اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کفار کے لشکروں کے اوپر سخت آندھی اور فرشتوں کے ان دیکھے لشکر بھیجے' یہ اس سے زیادہ سخت آندھی تھی جو قوم عاد کے اوپر بھیجی گئی تھی' اور اگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا ہوتا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ . اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ ان کے درمیان آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دے۔ (الانفال: ۳۳)

تو یہ آندھی ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی' کفار کی متعدد جماعتیں متحد اور متفق ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلی تھیں اس لیے مناسب یہ تھا کہ ان کے اوپر تیز اور تند آندھی بھیجی جائے جو ان کو منتشر اور متفرق کر دے اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے' سو یہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے غیظ و غضب میں جلتے بھنتے ہوئے لوٹے اور جس کامیابی اور مال غنیمت کو لوٹنے کا خواب دیکھ کر آئے تھے وہ چکنا چور ہو گیا اور آخرت کے گناہوں کو جو بوجھ اٹھایا وہ اس پر مستزاد تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا' اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف لڑنا نہیں پڑا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی آندھی بھیج کر ان کو واپس بھیج دیا' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' جو واحد ہے جس کا لشکر غالب ہے' جس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا کافروں کی جماعتوں کو شکست دی اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۴)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن کفار کے خلاف دعاء ضرر کی' آپ نے کہا: اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے' جلد حساب کرنے والے! اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کے قدم متزلزل کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۰۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۵۱۶)

نیز اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اور اللہ مومنوں کے قتال سے خود ہی کافی ہو گیا' اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان سے قتال اٹھا لیا ہے اور اسی طرح واقع ہوا کہ غزوۃ الاحزاب کے بعد قریش نے مدینہ پر

حملہ نہیں کیا' بلکہ مسلمان ان پر ان کے شہروں میں حملے کرتے رہے۔
امام محمد بن اسحاق نے کہا جب مشرکین کی فوجیں خندق کے نواح سے واپس چلی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر حملے کیا کرو گے' سو اس کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملے کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے مکہ فتح کر دیا' امام محمد بن اسحاق نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ حدیث صحیح ہے' امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن فرمایا: اب ہم کفار قریش پر حملہ کیا کریں گے وہ ہم پر حملے نہیں کر سکیں گے۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۹)

نیز فرمایا: اور اللہ بہت قوت والا' بہت غلبہ والا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور طاقت سے کفار اور مشرکین کو ذلت اور ناکامی کے ساتھ واپس کر دیا وہ کسی خیر کو حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا اور اپنے رسول کی مدد فرمائی۔ سو اسی کے لیے حمد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۳۔۵۲۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بنو قریظہ کو ان کی غداری کی سزا دینا

اس کے بعد فرمایا: اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آور مشرکوں کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب طاری کر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قید کر رہے ہو۔ (الاحزاب: ۲۶۔۲۵)
اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کفار اور مشرکین کی فوجوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو بنو قریظہ نے اس معاہدہ کو توڑ دیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا تھا' یہودیوں کے سردار کعب بن اسد کو حیی بن اخطب نے بدعہدی پر آمادہ کیا تھا' بنو قریظہ نے اس معاہدہ کو توڑنے کا اعلان کر دیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد کی اور حملہ آور مشرکین ذلت و خواری کے ساتھ واپس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مظفر اور منصور ہو کر خوشی خوشی مدینہ آ گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے حضرت ام سلمہ کے گھر غسل فرما رہے تھے تو حضرت جبریل عمامہ باندھے ہوئے ایک خچر پر سوار آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے' آپ نے فرمایا ہاں' حضرت جبریل نے کہا لیکن فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً روانہ ہوئے اور مسلمانوں کو بھی بنو قریظہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا' یہ ظہر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے' بنو قریظہ کا قلعہ وہاں سے چند میل کی مسافت پر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھے' مسلمان روانہ ہوئے انہیں راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' بعض مسلمانوں نے راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی' اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ارادہ تھا کہ ہم جلدی روانہ ہوں' اور بعض مسلمانوں نے کہا نہیں ہم بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی فریق کو بھی ملامت نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے پیچھے بنو قریظہ کے قلعوں پر پہنچ گئے' آپ نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو چھوڑ دیا تھا' اور جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس روز تک ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے کہا ہم اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا حکم پر قلعہ سے نکل آئیں گے' کیونکہ زمانہ

جاہلیت میں قبیلہ اوس یہودیوں کا حلیف تھا' اور ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت سعد ان کے ساتھ اسی طرح مصلحت اندیشی سے پیش آئیں گے جس طرح عبداللہ بن ابی ابن سلول بنو قینقاع کے ساتھ پیش آیا تھا' اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں ان کی طرف سے ایک تیر پیوست ہو چکا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہا گرم کر کے ان کے زخم پر داغ لگایا تھا' اور ان کو مسجد کے ایک خیمہ میں ٹھہرایا تھا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے بلایا تاکہ وہ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کریں' جب حضرت سعد دراز گوش پر سوار ہو کر آئے تو قبیلہ اوس نے ان سے بنو قریظہ کی سفارش کی کہ ان کے متعلق نرم فیصلہ کریں جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا اب اس بات کا وقت آ گیا ہے کہ سعد اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر نہیں ہے' حضرت سعد نے بنو قریظہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ میں جس قدر جنگجو ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ساتویں آسمان کے اوپر حکم تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو باندھا گیا اور ان کی گردنیں اڑا دی گئیں یہ سات' آٹھ سو نفر تھے' ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اور ان کے اموال کو ضبط کر لیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۲۴۔۵۲۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غزوہ بنو قریظہ کے متعلق احادیث

ہم نے حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے جو تفسیر ذکر کی ہے وہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے لوٹے اور آپ نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے اور غسل کیا تو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں' اللہ کی قسم! ہم نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے آپ ان کی طرف روانہ ہوں' آپ نے فرمایا کہاں؟ حضرت جبریل نے کہا وہاں اور بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف روانہ ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور ان کے چلنے کی وجہ سے بنو غنم کی گلیوں میں گرد و غبار اڑ رہا تھا' گویا کہ میں اب بھی اس گرد و غبار کو دیکھ رہا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۃ الاحزاب کے دن فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے' بعض مسلمانوں کو راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا' تو ان میں سے بعض نے کہا ہم بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے' اور بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی اور انہوں نے وہیں راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی' پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو اس پر ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صحابہ نے اپنے باغات سے چند کھجور کے درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعین کر دیتے تھے (تاکہ ان درختوں کے پھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جائیں) حتیٰ کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے قبائل فتح ہو گئے (تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدیوں کو واپس کر دیا) تو میرے گھر والوں نے کہا جاؤ

ہم نے جو کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں وہ سب یا ان کا کچھ حصہ تم بھی جا کر لے آؤ' ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کھجوریں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے' اسی اثناء میں وہ بھی آ گئیں اور میری گردن میں کپڑا ڈال کر کہنے لگیں ہر گز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اب یہ کھجوریں تمہیں نہیں ملیں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کھجوریں مجھے دے چکے ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم ان کھجوروں کے بدلہ میں مجھ سے اتنی چیزیں لے لو (اور ان کی کھجوریں ان کو واپس کر دو) انہوں نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! ہر گز نہیں! حتیٰ کہ آپ نے ان کو تقریباً دس گنا کھجوریں عطا کرنے کے لیے فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۵۵۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو قریظہ نے کہا ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق اپنے قلعوں سے باہر آ جائیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوایا وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر لائے گئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ نے انصار سے فرمایا اپنے سردار (کو دراز گوش سے اتارنے کے لیے ان) کی طرف کھڑے ہو' آپ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فیصلہ کو مان کر قلعوں سے نکل آئے ہیں' حضرت سعد نے کہا ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے' آپ نے فرمایا تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اموال کو تقسیم کر لیا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۲۔۴۱۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے کہ میں تیری راہ میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کروں جنہوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ہے' اور ان کو ان کے شہر سے نکالا ہے' اے اللہ! بے شک مجھے یقین ہے کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو روک دیا ہے' اگر آئندہ قریش سے کوئی جنگ باقی ہو تو مجھے اس جنگ کے لیے باقی (زندہ) رکھ' حتیٰ کہ میں تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے' تو میرے زخم (سے خون) کو پھر جاری کر دے' اور اسی میں میری موت واقع کر دے' سو ان کی ہنسلی (سینہ کا بالائی حصہ) سے خون جاری ہو گیا' مسجد نبوی میں بنو غفار کا بھی ایک خیمہ تھا جب ان کی طرف خون بہہ کر آیا تو وہ گھبرا گئے' انہوں نے کہا اے خیمے والو! تمہاری طرف سے ہماری طرف یہ خون کیوں آ رہا ہے! انہوں نے دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اسی میں ان کی وفات ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۰)

حضرت سعد نے جو موت کی دعا کی تھی اس پر اعتراضات کے جوابات

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کی دعا کی حالانکہ موت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت سعد کی غرض یہ تھی کہ ان کو شہادت کی صورت میں موت آئے تو گویا کہ انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ! اگر اس جنگ کے بعد کفار قریش سے جنگ ہونی ہے تو مجھ زندہ رکھ' اور اگر اس جنگ کے بعد ان سے جنگ نہیں ہونی تو مجھے اس شہادت کے ثواب سے محروم نہ فرما۔

حضرت سعد اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے' کتب سیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت سعد فوت ہو گئے تو حضرت جبریل ریشمی عمامہ پہنے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ کون فوت ہوا ہے' جس کے استقبال کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش ہل رہا ہے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے تہبند گھسیٹتے ہوئے ان کی طرف

کھڑے ہوئے اور آپ نے حضرت سعد کو فوت شدہ پایا' جب ان کے جنازہ کو اٹھایا تو وہ بہت ہلکا تھا' آپ نے فرمایا مسلمانوں کے علاوہ فرشتے بھی ان کے جنازہ کو اٹھائے ہوئے ہیں' ابن عائذ نے کہا حضرت سعد کے جنازہ میں ستر ہزار ایسے فرشتے آئے تھے جو اس سے پہلے زمین پر نازل نہیں ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۷ص ۲۵۸۔۲۵۷' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں یہ کہا تھا: اے اللہ اگر تو نے کفار قریش کے ساتھ ہماری جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو میری موت واقع کر دے' ان کا یہ قول صحیح نہیں تھا' کیونکہ اس کے بعد کے غزوات میں بھی قریش کے ساتھ جنگ ہوتی رہی ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ ان کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اجر عطا فرمائے گا' یا اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت سعد کا مطلب یہ تھا کہ اگر اسی غزوہ میں کفار کی جماعتوں کے ساتھ جنگ ختم ہو چکی ہے تو مجھے موت عطا فرما دے' اور میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعد کی دعا صحیح تھی' اور ان کی دعا کا محمل یہ ہے کہ اے اللہ! اگر کفار قریش کی طرف سے حملہ کرنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو مجھے اسی زخم میں موت عطا فرما دے' اور اس کے بعد کبھی کفار قریش اور مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ابتداء نہیں کی' کیونکہ غزوہ خندق پانچ ہجری میں ہوا تھا' اس کے بعد چھ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر کفار قریش نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو روک لیا اور عمرہ کے لیے جانے نہیں دیا اور اس پر صلح ہوگئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور جنگ نہیں ہوئی' پھر اگلے سال سات ہجری میں آپ نے خیبر پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور اسی سال حدیبیہ کے عمرہ کی قضاء کی اور آٹھ ہجری میں آپ نے مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور نو ہجری میں آپ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور دس ہجری میں آپ نے حجۃ الوداع کیا اور اگلے سال کیم یا دو ربیع الاول کو آپ کا وصال ہو گیا' اور اس تمام عرصہ میں بھی مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا لہٰذا حضرت سعد کی دعا سے اعتراض ساقط ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۸ص ۷۶ا' موضحا' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان مفتوحہ علاقوں کے محامل جہاں صحابہ نہیں پہنچے تھے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس زمین سے کون سی زمین مراد ہے' حسن نے کہا اس سے روم اور فارس کی زمین مراد ہے' اور یزید بن رومان نے کہا اس سے خیبر کی زمین مراد ہے' اور ابن زید نے کہا اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے علاقے مراد ہیں۔

امام ابو جعفر فرماتے ہیں اس مسئلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بنو قریظہ کی زمین' ان کے گھروں اور ان کا مالوں کا وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جہاں ابھی تک وہ نہیں گئے تھے' اور اس وقت تک مکہ فتح ہوا تھا نہ خیبر' اور نہ فارس' نہ روم اور نہ یمن' اور نہ ان علاقوں میں ابھی تک مسلمان گئے تھے' اور یہ تمام علاقے اس آیت کے عموم میں داخل ہیں جس میں فرمایا ہے اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی علاقے کی تخصیص نہیں کی' نیز فرمایا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان علاقوں کو بھی وارث بنایا اور بہت فتوحات عطا فرمائیں اور یہ سب چیزیں اس کی قدرت میں داخل ہیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ص ۱۸۷۔۱۸۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ قیامت تک مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوں گی وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۴۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا جہاں وہ ابھی تک نہیں گئے تھے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ وارث بنا دیا تو ماضی کا صیغہ ہے' حالانکہ مسلمان تو مستقبل میں ان علاقوں کے وارث ہوں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کا مستقبل میں تحقق ضروری ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ یہ واقعہ ضرور ہونا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے! اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی

وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ

اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا' تو بے شک

اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O اے نبی کی بیویو!

مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا' اس کو دہرا عذاب

ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

دیا جائے گا' اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۲۹۔۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے نازل ہوئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا تھا نفقہ (خرچ) میں اضافہ کرنے کا

کسی اور چیز کا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کے لیے اپنی ازواج سے الگ ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں کہ وہ آپ کے دیئے ہوئے پر قناعت کر لیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر خوشی سے عمل کرتی رہیں اور یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کر دیتے ہیں اگر وہ آپ کے دیئے ہوئے خرچ پر راضی نہیں ہوتیں۔

(جامع البیان جز ۲۱ ص ۱۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر آئے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے' حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی' پھر حضرت عمر آئے اور اجازت طلب کی' سو ان کو بھی اجازت دی گئی' انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ افسردہ اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر نے دل میں سوچا کہ میں ضرور کوئی بات کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا' میں نے کہا یا رسول اللہ! کاش آپ دیکھتے کہ بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرے اور میں اس کی گردن مروڑ دوں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا ان کو جو تم میرے گرد بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں' پھر حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کی گردن مروڑنے لگے' پھر حضرت عمر کھڑے ہو کر حضرت حفصہ کی گردن مروڑنے لگے اور وہ دونوں سے کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے! انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ یا انتیس دن اپنی ازواج سے الگ رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اے نبی اپنی بیویوں سے کہیے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں O اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O (الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں' مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی' حضرت عائشہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی! بلکہ میں اللہ' اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی (باقی) ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں' آپ نے فرمایا ان میں سے جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتا دوں گا' بے شک اللہ نے مجھے دشوار بنا کر بھیجا نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۲۰۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۷' عالم الکتب)

طلاق کے اختیار دینے کا سبب اور اس کی نوعیت

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو جو اختیار دیا تھا اس کی نوعیت میں اختلاف ہے' حسن اور قتادہ نے یہ کہا

ہے کہ آپ نے ان کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا کو اختیار کر لیں تو آپ ان کو چھوڑ دیں اور یا وہ آخرت کو اختیار کر لیں تو آپ ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھیں' اور آپ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لیں یا نہ کریں' اور حضرت عائشہ' مجاہد' شعبی اور مقاتل نے یہ کہا ہے کہ آپ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ خواہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لیں اور خواہ آپ کے نکاح میں آپ کے ساتھ برقرار رہیں' اس وقت آپ کے نکاح میں نو ازواج تھیں ان میں سے پانچ قریش میں سے تھیں وہ یہ ہیں: (۱) حضرت عائشہ بنت ابی بکر (۲) حضرت حفصہ بنت عمر (۳) حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) حضرت سودہ بنت زمعہ (۵) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ' اور نو میں سے باقی ازواج غیر قرشی تھیں اور وہ یہ ہیں: (۱) حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب الخیریہ (۲) حضرت میمونہ بنت الحارث الھلالیہ (۳) حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ (۴) حضرت جویرۃ بنت الحارث المصطلقیہ۔

اختیار دینے کے سبب میں بھی اختلاف ہے' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے ملک اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تھا تو آپ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کر لیا تھا سو اس نہج پر آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تا کہ آپ کی ازواج کا حال بھی آپ کی مثل ہو۔

(۲) ازواج نے آپ کے اوپر غیرت کی تھی (یعنی ان کو آپ کا دوسری ازواج کے پاس جانا ناگوار تھا) تو آپ نے ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی۔

(۳) ایک دن وہ سب ازواج آپ کے پاس جمع ہوئیں اور آپ سے اچھے کپڑے اور اچھے زیورات کا مطالبہ کیا۔

(۴) ان میں سے ہر ایک نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو آپ کے پاس نہیں تھی' حضرت ام سلمہ نے معلم کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ نے یمن کے حلوں کا مطالبہ کیا' حضرت زینب نے دھاری دار چادروں کو مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ نے سحولی کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت حفصہ نے مصر کے کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت جویرہ نے سر پر باندھنے کے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر کا مطالبہ کیا' البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۶۷۔۱۶۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بیوی کو طلاق کا اختیار دینے سے وقوع طلاق اور مدت اختیار میں مذاہب فقہاء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا تو ہم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا تھا اور اس کو ہم پر کسی چیز کا شمار نہیں کیا تھا (یعنی طلاق کا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۰۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۵۲)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جمہور صحابہ و تابعین اور فقہاء اسلام کا مذہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے موافق ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور اس نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو یہ طلاق نہیں ہے' لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیوی نے اپنے نفس کو اختیا

کرلیا تو پھر اس سے اس پر طلاق رجعی واقع ہو گی یا طلاق بائن ہو گی یا طلاق مغلظہ واقع ہو گی یعنی تین طلاقیں' امام ترمذی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائنہ ہو گی' اور اگر اس نے اپنے خاوند کو اختیار کیا تو ایک رجعی طلاق ہو گی' اور حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو تین طلاقیں ہوں گی اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک طلاق بائنہ ہو گی' اور حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر ایک طلاق بائنہ ہو گی اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اس پر کوئی چیز واقع نہیں ہو گی' امام مالک نے حضرت زید بن ثابت کے قول کو اختیار کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر تین طلاقیں ہوں گی' اور امام ابوحنیفہ نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کے قول کو اختیار کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو اس پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گی' اور اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

امام شافعی نے کہا تخییر کنایہ ہے جب اس کے شوہر نے اس کو اختیار دیا کہ خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے خواہ اپنے نفس کو اختیار کرے اور اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اس سے طلاق (بائنہ) واقع ہو گی۔

جب شوہر بیوی کو اختیار دے تو فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ اختیار اسی مجلس کے ساتھ مقید ہے بیوی اسی مجلس میں خواہ اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو' اور انقطاع مجلس کے بعد یہ اختیار نہیں رہے گا' ماسوا اس صورت کے کہ شوہر بتا دے کہ تم کو اتنی مدت تک اختیار ہے یا کہہ دے کہ تم کو تمام زندگی اختیار ہے' تو شوہر جتنی مدت کی تحدید کرے گا اتنی مدت تک بیوی کو اختیار رہے گا' اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا ''مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو' اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختیار اسی مجلس کے ساتھ مقید نہیں تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین سے مشورہ کرنے تک اس اختیار کی تحدید کر دی تھی' اس سے واضح ہو گیا کہ شوہر جتنی مدت تک چاہے اس اختیار کی تحدید کر سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۶۴۔۴۶۲ ملخصاً وموضحاً دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل نہیں کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بیوی کو شوہر جو یہ اختیار دیتا ہے کہ خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے خواہ وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کر لے' اسی کو فقہاء تفویض طلاق کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیل

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا ذکر ہے' آپ کی ازواج کی تین قسمیں ہیں' بعض ازواج سے آپ کا عقد نکاح بھی ہوا اور ان کی رخصتی بھی ہوئی' اور بعض ازواج کے ساتھ عقد نکاح ہوا اور رخصتی کے بعد آپ نے ان کو طلاق دے دی' اور بعض ازواج کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی اور بعض خواتین کو آپ نے صرف نکاح کا پیغام دیا اور ان کی رخصتی نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی نے لکھی ہے وہ فرماتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا (۲) پھر حضرت سودۃ بنت زمعہ سے نکاح کیا (۳) پھر حضرت عائشہ بنت ابی بکر سے نکاح کیا (۴) پھر حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب سے نکاح کیا (۵) پھر حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ سے نکاح کیا (۶) پھر حضرت جویریہ بنت الحارث سے نکاح کیا یہ غزوۃ المریسیع میں قید ہو کر آئی تھیں (۷) پھر حضرت زینب بن جحش سے نکاح کیا (۸) پھر حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا (۹) پھر حضرت ریحانہ

بنت زید سے نکاح کیا یہ بنوقریظہ سے تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ بنونضیر سے تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قید کیا پھر ان کو آزاد کر کے چھ ہجری میں ان سے نکاح کیا (۱۰) پھر حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا' صحابیات میں ان کے سوا اور کسی کا نام رملہ نہیں ہے (۱۱) پھر حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح کیا یہ حضرت ھارون کی اولاد سے تھیں' سات ہجری میں غزوہ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا (۱۲) پھر ذوالقعدہ سات ہجری میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام سرف میں حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح کیا (۱۳) حضرت فاطمہ بنت الضحاک سے بھی نکاح کیا (۱۴) حضرت اسماء بنت النعمان سے بھی نکاح کی۔

آپ کی ازواج کی تعداد اور ان کی ترتیب میں اختلاف ہے' مشہور یہ ہے کہ وفات کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں اور کل گیارہ ازواج تھیں اور دو باندیاں تھیں۔

باقی وہ ازواج جن سے آپ نے نکاح کیا اور ان کی رخصتی بھی ہوئی یا جن سے صرف نکاح ہوا ان کی تعداد اٹھائیس ہے:

(۱) حضرت ریحانہ بنت زید' ان کا ذکر ہو چکا ہے (۲) حضرت الکلابیہ ان کے نام میں اختلاف ہے' ایک قول ہے ان کا نام عمرہ بنت زید ہے' دوسرا قول ہے ان کا العالیہ بنت ظبیان ہے' زہری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے العالیہ بنت ظبیان سے نکاح کیا' اور رخصتی بھی ہوئی پھر آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ایک قول یہ ہے کہ رخصتی نہیں ہوئی اور آپ نے ان کو طلاق دے دی' ایک قول یہ ہے کہ یہی فاطمہ بنت الضحاک ہیں' زہری نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا رخصتی کے بعد انہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تو آپ نے ان کو طلاق دے دی (۳) حضرت اسماء بنت النعمان' ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور ان کو بلایا تو انہوں نے کہا آپ خود آئیں تو آپ نے ان کو طلاق دے دی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ہی آپ سے پناہ طلب کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ بنت قیس ہیں جو الاشعث بن قیس کی بہن ہیں' ان کے بھائی نے ان کا آپ سے نکاح کیا تھا' پھر وہ حضر موت چلے گئے اور ان کو بھی ساتھ لے گئے اور وہاں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنی بہن کو ان کے شہر واپس بھیج دیا اور خود اسلام سے مرتد ہو گئے اور ان کی بہن بھی مرتدہ ہو گئیں (۴) ملیکہ بنت کعب اللیثی' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ہی آپ سے پناہ طلب کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان سے عمل تزویج کیا تھا پھر یہ آپ کے پاس ہی فوت ہو گئیں' لیکن پہلا قول صحیح ہے (۵) حضرت اسماء بنت الصلت السلمیہ' ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام سبا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا اور یہ رخصتی سے پہلے فوت ہو گئیں تھیں (۶) حضرت ام شریک ازدیہ ان کا نام عزبہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول سے پہلے ان کو طلاق دے دی تھی اور یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا' یہ نیک خاتون تھیں (۷) خولہ بنت ھذیل' ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا' پھر آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی (۸) شراف بنت خالد' دحیہ کلبی کی بہن ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور رخصتی سے پہلے ان کی وفات ہو گئی (۹) لیلیٰ بنت الخطیم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا' یہ غیرت والی تھیں' انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ نکاح فسخ کر دیں سو آپ نے نکاح فسخ کر دیا (۱۰) حضرت عمرہ بنت معاویہ الکندیہ' اس سے پہلے یہ آپ تک پہنچتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی (۱۱) حضرت الجندعیہ بنت جندب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور عمل تزویج نہیں کیا' ایک قول یہ ہے کہ ان کے ساتھ عقد نہیں ہوا تھا (۱۲) حضرت الغفاریہ' ایک قول یہ ہے کہ یہی السنا ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا پھر ان کے پہلو میں سفید داغ دیکھا تو آپ نے فرمایا تم اپنے گھر چلی جاؤ (۱۳) حضرت ھند بنت یزید' ان سے بھی آپ نے دخول نہیں کیا (۱۴) حضرت صفیہ بنت بشامہ آپ نے ان کو قید کیا تھا'

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم سے نکاح کرلوں' انہوں نے اجازت دے دی آپ نے ان سے نکاح کر لیا (۱۵) حضرت ام ھانی' ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے' حضرت علی بن ابی طالب کی بہن ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' انہوں نے کہا میں بچوں والی عورت ہوں اور عذر پیش کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کر لیا (۱۶) حضرت ضباعہ بنت عامر' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' پھر آپ کو یہ خبر پہنچی کہ یہ بوڑھی ہیں تو آپ نے ارادہ ترک کر دیا (۱۷) حمزہ بنت عون المزنی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا' ان کے والد نے کہا ان میں کوئی عیب ہے حالانکہ ان میں کوئی عیب نہ تھا' پھر جب ان کے والد ان کے پاس گئے تو ان کو برص ہو گیا تھا (۱۸) حضرت سودہ قریشہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا یہ بھی بچوں والی تھیں' آپ نے ان کو ترک کر دیا (۱۹) حضرت امامہ بنت حمزہ بن عبد المطلب' ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا' آپ نے فرمایا یہ میری رضاعی بھتیجی ہے (۲۰) حضرت عزہ بنت ابی سفیان بن حرب' ان کو ان کی بہن حضرت ام حبیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا' آپ نے فرمایا چونکہ ان کی بہن حضرت ام حبیبہ میرے نکاح میں ہیں اس لیے یہ مجھ پر حلال نہیں ہیں (۲۱) حضرت کلبیہ' ان کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا' حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے اتنی لمبی عورت کوئی نہیں دیکھی تو آپ نے ان کو چھوڑ دیا (۲۲) عرب کی ایک عورت تھی جس کا نام نہیں ذکر کیا گیا' آپ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا پھر ترک کر دیا (۲۳) حضرت درہ بنت ابی سلمہ' ان کو آپ پر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا یہ میری رضاعی بھتیجی ہے (۲۴) حضرت امیمہ بنت شراحیل' ان کا ذکر صحیح البخاری میں ہے (۲۵) حضرت حبیبہ بن سہیل الانصاریہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تھا پھر ترک کر دیا (۲۶) حضرت فاطمہ بنت شریح' ابو عبید نے ان کا آپ کی ازواج میں ذکر کیا ہے (۲۷) العالیہ بنت ظبیان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا یہ آپ کے پاس کچھ عرصہ رہیں' پھر آپ نے ان کو طلاق دے دی۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۲۱۔۳۲۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے اٹھائیس ازواج کے ذکر کرنے کا کہا تھا لیکن انہوں نے جو ذکر کی ہیں وہ ستائیس ہیں۔

ہم نے النساء: ۳ میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کے یہ عنوان ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بیان' تعدد ازدواج کا آپ کی خصوصیت ہونا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی تفصیل وار حکمتیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعدد ازدواج کمال ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہتات' یہ بحث تبیان القرآن ج ۲ ص ۵۷۶۔۵۵۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O (الاحزاب: ۳۰)

ازواج مطہرات کا مقام بیان فرمانا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے زیب و زینت کے اسباب کے حصول کی خواہشوں پر اللہ تعالیٰ کو' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دار آخرت کو ترجیح دی تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور ان کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرنے کے لیے حسب ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا O (الاحزاب: ۵۲)

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں' اور نہ یہ حلال ہے کہ ان کے بدلہ میں آپ دوسری خواتین سے نکاح کریں' خواہ ان کا حسن آپ کو پسند آئے اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۳)

اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ تم ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔

نیز فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ. (الاحزاب: ۳۲)

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اسی طرح ان کے مقام کی عظمت اور ان کی شان کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے (الاحزاب: ۳۰)

ازواج مطہرات پر زیادہ گرفت فرمانے کی توجیہ

بعض مفسرین نے اس آیت میں فاحشة مبينة کی تفسیر زنا کے ساتھ کی ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جس کا فعل متصور ہو اور زنا ایسے قبیح فعل کا ازواج مطہرات سے سرزد ہونا متصور ہی نہیں ہے اس لیے اس آیت میں فاحشہ مبینہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور آپ کی نافرمانی ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا ہے' سواے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی نبی کی نافرمانی کی اس کو آخرت میں دگنا عذاب ہوگا' جس طرح تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل کرے تو آخرت میں اس کو دگنا ثواب ہوگا' یعنی ہر نماز' روزے یا صدقہ یا زبان سے تسبیح' تکبیر اور تہلیل پڑھنے سے عام لوگوں کو دس گنا اجر ملتا ہے تو تمہیں بیس گنا اجر دیا جائے گا' اسی طرح اگر تم نے (بالفرض) معصیت کا ارتکاب کیا تو آخرت میں اس کی سزا بھی دگنی ہو گی۔

قتادہ نے کہا دگنے عذاب سے یہ مراد ہے کہ اس کو دنیا کا عذاب بھی ہوگا اور آخرت کا بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا انبیاء علیہم السلام پر مواخذہ ان کے متبعین سے زیادہ سخت ہوتا ہے' اور علماء کا مواخذہ عوام سے زیادہ سخت ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مواخذہ عام عورتوں سے زیادہ سخت ہے اور ان میں سے جو نیک عمل کرتی ہیں اس کا اجر وثواب بھی عام عورتوں کی بہ نسبت دگنا ہوتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۹ ص ۳۱۲۹۔ ۳۱۲۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے بھی لکھا ہے فاحشہ مبینہ سے مراد معصیت ظاہرہ ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۳۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا شرف اور ان کا درجہ اور ان کا مرتبہ اور ان کی فضیلت عام عورتوں سے بہت زیادہ ہے سو جس طرح آزاد کی سزا غلام سے دگنی ہوتی ہے اسی طرح ازواج مطہرات کا مرتبہ چونکہ دوسری خواتین سے زیادہ ہے اس لیے ان پر گرفت بھی اوروں سے زیادہ رکھی ہے' اور یہ وجہ بھی ہے کہ ازواج مطہرات مہبط وحی ہیں ان کے سامنے احکام نازل ہوتے ہیں وہ دن رات معجزات کا مشاہدہ کرتی ہیں ان کے سامنے سوتی جاگتی نبوت اور چلتی پھرتی رسالت ہوتی ہے اس لیے عام عورتوں کی بہ نسبت ان سے نیکی اور پرہیزگاری زیادہ متوقع ہے' ان کو اجر بھی زیادہ دیا جائے گا اور اگر بالفرض وہ کوئی گناہ کریں تو ان کو

عذاب بھی دگنا دیا جائے گا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

فاحشہ مبینہ (کھلی ہوئی بے حیائی) سے مراد معصیت کبیرہ ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس سے مراد زنا ہے‘ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معصوم ہیں کہ آپ کی ازواج مطہرات اس فاحشہ کی مرتکب ہوں‘ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فاحشہ کو مبینہ کے ساتھ مقید فرمایا ہے یعنی ایسا گناہ جو ظاہر کھلا ہوا اور علی الاعلان ہو اور زنا ایسا گناہ نہیں ہے جو برسر عام کیا جائے‘ بلکہ اس گناہ کو چھپ کر کیا جاتا ہے اور اس کو چھپایا جاتا ہے‘ اس لیے یہاں پر فاحشہ سے مراد خاوند کی نافرمانی اور خانگی معاملات میں بے اعتدالی ہے‘ اور چونکہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اور آپ کے زیر تربیت رہتی ہیں‘ ان کے سامنے وحی اترتی ہے اور احکام نازل ہوتے ہیں اور ان کا رتبہ اور مقام عام خواتین سے بہت بلند ہے اس لیے ان پر گرفت بھی بہت سخت ہے‘ اور اگر بالفرض وہ کوئی گناہ کبیرہ کرلیں تو ان کو دگنا عذاب ہوگا جیسے ان کو نیکیوں پر دگنا اجر دیا جاتا ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۴۷۳‘ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں مقاتل بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ یہاں فاحشہ مبینہ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے یا کوئی ایسا کام کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار ہو یا جس سے آپ کا دل تنگ ہو یا جس کی وجہ سے آپ مغموم ہوں۔

(روح المعانی جز ۲۱ ص ۲۷۶‘ دارالفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

جیسے کہ شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ کج خلقی سے پیش آنا کیونکہ بدکاری سے تو اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی بیبیوں کو پاک رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت شعار رہے اور نیک عمل کرتی رہے‘

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ

ہم اسے اس کا دگنا اجر عطا فرمائیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو!

النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو‘ بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو‘ سو کسی سے لچک دار لہجہ

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ ج

میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے‘ اور دستور کے مطابق بات کرنا ○

الجزء ۲۲

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَ

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار

أَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ

کی نمائش نہ کرنا' اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو'

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ

اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے

يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ

اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے ○ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں

آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو' بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت شعار رہے' اور نیک اعمال کرتی رہے' ہم اسے اس کا دگنا اجر عطا فرمائیں گے' اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے ○ اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو' بہ شرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی (غلط) امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا ○ (الاحزاب: ۳۲-۳۱)

ازواج مطہرات کو دگنا اجر عطا فرمانا

الاحزاب: ۳۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو جو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر خشوع اور خضوع کرے گی' اور نیک عمل کرے گی اس کو دگنا اجر ملے گا' خشوع اور خضوع سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی مثلاً نماز پڑھے گی' روزہ رکھے گی' زکوٰۃ ادا کرے گی اور حج کرے گی' اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری کو اچھی طرح سے ادا کرے گی اور گھر کی بہتری کے لیے گھر کے کام کاج کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو دگنا اجر عطا فرمائے گا۔

دگنے اجر سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمان خواتین کو اللہ تعالیٰ ان کے نیک کاموں پر جتنا اجر عطا فرماتا ہے ازواج مطہرات کو اس سے دگنا اجر عطا فرمائے گا یعنی مسلمان عورتوں کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے تو ازواج مطہرات کو بیس گنا اجر عطا فرمائے گا۔

عیش و عشرت اور دنیاوی لذتوں میں غلو نہ کرنے کی تلقین

اور فرمایا "ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے" اور ہر وہ چیز جو اپنی جنس میں شرف والی ہو وہ کریم ہے' اور اس

میں یہ اشارہ ہے کہ حقیقت میں رزق کریم جنت کی نعمتیں ہیں اور جو شخص جنت کی نعمتوں کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی نعمتوں کو ترک کر دیتا ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: عیش و عشرت سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرستی نہیں کرتے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳-۲۴۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میری امت کے کچھ لوگ طرح طرح کے کھانے کھائیں گے' طرح طرح کے مشروبات پئیں گے' مختلف رنگوں کے کپڑے پہنیں گے' ہر قسم کی غیر محتاط باتیں کریں گے وہ میری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث ۷۵۱۳-۷۵۱۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث ۲۳۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی دونوں سندیں ضعیف ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو عیش پرستی کرتے ہیں اور اسی عیش سے ان کے جسم پلتے ہیں۔

(مسند البزار رقم الحدیث ۳۶۱۶' اس کی سند کے ایک راوی میں اختلاف ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں سیر ہو کر کھانے والے کل آخرت میں بھوکے ہوں گے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۱۶۹۳' اس کے ایک راوی میں کلام ہے باقی راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۱-۲۵۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عیش پرستوں پر سختی کرنے والا نہیں دیکھا' اور نہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر سے زیادہ' اور میرا گمان ہے کہ اپنے زمانہ میں روئے زمین پر عیش پرستی سے سب سے زیادہ ڈرنے والے حضرت عمر تھے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۵۰۲۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۶۷' اس حدیث کی دونوں سندوں کے رجال ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو عیش و عشرت کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۶۰۸-۴۵۸۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۰۳۶۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۵۰۰۴)

ان تمام احادیث اور آثار سے مراد وہ لوگ ہیں جو عیش و عشرت میں بہت زیادہ غلو کرنے والے ہوں' اور دنیاوی لذتوں میں منہمک ہو کر یاد خدا اور فکر آخرت کو فراموش کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہوں۔

ورنہ مطلقاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا منع نہیں ہے بلکہ مطلوب اور مستحسن ہے۔

ازواج مطہرات اور سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہن کی باہمی فضیلت میں محاکمہ

نیز فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی بھی مثل نہیں ہو۔ (الاحزاب ۳۲)

یعنی ازواج مطہرات کا شرف اور ان کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ ہے' کیونکہ ان کے علاوہ کسی عورت کو یہ شرف اور فضیلت حاصل نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہو اور تمام مومنوں کی ماں ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ازواج مطہرات سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہوں' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ بے شک ازواج مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی حیثیت سے اور امہات المومنین ہونے کی حیثیت سے سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں لیکن تمام حیثیات کے لحاظ سے ان سے افضل نہیں ہیں' اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دیگر حیثیات کے لحاظ سے حضرت فاطمہ ان سے افضل ہوں' بلکہ جس حیثیت سے سیدتنا فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا جز ہیں اس حیثیت سے تو وہ تمام خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۲ص ۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

عورت کا مردوں سے اپنی آواز کو مستور رکھنے کا حکم

نیز اس کے بعد فرمایا: سو کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی غلط امید لگا بیٹھے اور دستور کے مطابق بات کرنا O (الاحزاب: ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے ساتھ بہ وقت ضرورت سخت اور کھرے لہجے میں بات کریں' نرم اور لچک دار لہجہ میں بات نہ کریں جیسے آوارہ عورتیں اجنبی مردوں سے باتیں کرتی ہیں اور جس سے فساق کے دلوں میں نفسانی خواہشات بیدار ہوتی ہیں۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ بعض ازواج مطہرات جب کسی ضرورت کی بناء پر اجنبی مردوں سے بات کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتی تھیں مبادا ان کے آواز میں کوئی نرمی یا لچک ہو' اور جب عورت اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور شخص سے بات کرے اور اس سے سخت لہجہ میں بات کرے تو اس کو زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں اس عورت کے محاسن سے شمار کیا جاتا تھا۔ اور وہ جو بعض اشعار میں مطلقاً عورت کی خوش گلوئی اور نغمہ سرائی کو اس کی خوبیوں سے شمار کیا جاتا ہے وہ محض جہالت ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۹۔۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہمارے زمانہ میں خواتین کا مردوں کے ساتھ عام اور آزادانہ میل جول ہے' یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے اور شرعی حدود و قیود کے بغیر عورتیں مردوں کے دوش بدوش مختلف اداروں میں آزادی کے ساتھ کام کرتی ہیں' قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں ممبر بنتی ہیں اور تقریریں کرتی ہیں بلکہ بعض خواتین وزراء جلسوں میں تقریریں بھی کرتی ہیں حالانکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ شرعی ضرورت کے بغیر خواتین اجنبی مردوں سے باتیں نہ کریں خصوصاً نرم و نازک لہجہ میں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۔ (النور: ۳۱)

اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں تاکہ لوگوں کو ان کی چھپی ہوئی زینت کا علم ہو جائے۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں کیونکہ پازیب کی آواز سے اس کی اپنی آواز زیادہ فتنہ انگیز ہے' اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے عورت کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اذان میں آواز بلند کرنی پڑتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے'' کیونکہ اذان اصل میں خبر دینے کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے خبر دینا مشروع نہیں ہے' اور اذان میں آواز بلند کی جاتی ہے اور عورتوں کے لیے آواز بلند کرنا مشروع نہیں ہے۔ (المغنی ج ۱ص ۲۵۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں امام کو متنبہ کرنے کے لیے) مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۴۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۸۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شارع علیہ السلام نے عورت کے سبحان اللہ کہنے کو اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کی آواز فتنہ ہے اس لیے اس کو اذان' امامت اور نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ص ۲۷۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں عورت کو زمین پر پیر مارنے سے منع کیا ہے تا کہ اس کی پازیب کی آواز اجنبی مردوں کو نہ سنائی دے' اور حدیث میں عورت کو نماز میں سبحان اللہ کہنے کے بجائے تالی بجانے کا حکم دیا ہے' کیونکہ عورت کا آواز بلند کرنا ممنوع ہے' فقہاء احناف کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے اور جس طرح ماسوا ضرورت کے وہ اجنبیوں پر چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی اسی طرح وہ بغیر ضرورت کے اجنبی مردوں پر اپنی آواز کو بھی ظاہر نہیں کر سکتی' اور فقہاء مالکیہ' فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک عورت کا آواز بلند کرنا ممنوع ہے اور پست اور کرخت آواز کے ساتھ وہ بہ وقت ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا' اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو' اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے O اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے' ان کو یاد کرتی رہو' بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O

(الاحزاب: ۳۴۔۳۳)

بغیر شرعی ضرورت کے خواتین کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت

اس آیت میں ایک لفظ ہے وقرن' یہ جمع مونث' امر حاضر کا صیغہ ہے' اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ قرار سے بنا ہے' اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: اے نبی کی بیویو! اپنے گھروں میں برقرار رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو' اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وقار سے بنا ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے: اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھروں سے باہر نہ نکلو' لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے اور کسی مسلمان عورت کے لیے شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز (واجب الستر) ہے' جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا رہتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷۳' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۵۹۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۵' الکامل لابن عدی ج ۳ص ۱۲۵۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زانیہ ہے اور جب عورت معطر ہو کر کسی مجلس سے گزرتی ہے تو وہ زانیہ ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۷۸۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۱۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۵۱۴۱' مسند احمد ج۴ص ۳۹۴' مسند البزار رقم الحدیث:۱۵۵۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۶۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۴۴۲۴' المستدرک ج۲ص ۳۹۶' سنن کبریٰ ج۳ص ۲۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے اس بناؤ سنگھار کو دیکھ لیتے جو اب عورتوں نے ایجاد کر لیا ہے تو ان کو (مساجد میں نماز پڑھنے سے) اس طرح منع فرما دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴۵' صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۶۹)

حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں' اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر ج۲۵ص ۱۴۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۶۸۹' السنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ص ۱۳۲-۱۳۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو ان کے گھروں کے اندرونی حصہ میں ہو۔

(مسند احمد ج۶ص ۲۹۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۷۰۰۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۱۶۸۳' المستدرک ج۱ص ۲۰۹)

تبرج اور جاہلیت اولیٰ کی تفسیر

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: زمانہ جاہلیت کی طرح تبرج نہ کرو' تبرج کا معنی ہے زینت اور خوب صورتی کا اظہار کرنا اور عورت کا اپنے محاسن مردوں کو دکھانا' عورتوں کے مٹک مٹک کر چلنے کو بھی تبرج کہا جاتا ہے۔

جاہلیت اولیٰ کی کئی تفسیریں ہیں:

امام ابن جریر نے الحکم سے نقل کیا کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان آٹھ سو سال تھے' ان کی عورتیں بدصورت اور مرد خوب صورت ہوتے تھے' ان کی عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کے لیے بناؤ سنگھار کرتی تھیں اور یہ قدیم جاہلیت ہے۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ تھا' حضرت آدم کی نسل سے ایک گروہ میدانوں میں رہتا تھا اور ایک گروہ پہاڑوں میں رہتا تھا' سال میں ایک بار ان کی عید ہوتی تھی اور ان کی باہم ملاقات ہوتی تھی' ایک مرتبہ عید کے موقع پر ایک گروہ نے دوسرے گروہ پر حملہ کر دیا اور ان میں فواحش کا ظہور ہوا اور یہ جاہلیت اولیٰ ہے۔

عامر سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عرصہ کو جاہلیت اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (جامع البیان جز۲۲ص ۷-۶' ملخصاً مرتباً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معرور بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات ہوئی ان پر ایک حلّہ تھا اور ان کے غلام پر بھی ایک حلہ تھا' میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا' انہوں نے کہا میں نے ایک شخص کو برا کہا اور اس کو اس کی ماں سے عار

دلایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں سے عار دلایا ہے؟ تم ایسے شخص ہو کہ تم میں زمانہ جاہلیت کی خصلت ہے' تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں' اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے' سو جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ طعام کھلائے جس کو وہ خود کھاتا ہے اور اس کو وہ لباس پہنائے جس کو وہ خود پہنتا ہو اور ان کو اس کام کا مکلف نہ کرے جو ان پر دشوار ہو اور اگر تم ان کو مکلف کرو تو ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۹۰)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے جاہلیت سے مراد اسلام سے پہلے زمانہ فترت ہے' اس کو جاہلیت اس لیے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں کفار کی بہ کثرت جہالات تھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۳۔۳۲۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار خصلتیں زمانہ جاہلیت کی ہیں' جن کو لوگ ہرگز ترک نہیں کریں گے' نوحہ کرنا' حسب اور نسب میں طعن کرنا' مرض کو از خود متعدی یقین کرنا کہ ایک اونٹ کو خارش ہوئی تو گمان کرنا اس سے دوسرے اونٹ کو خارش ہوگی' پہلے اونٹ میں خارش کس نے پیدا کی؟ اور ستاروں کے سبب سے بارش کو گمان کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

یہ کام گناہ ہیں' اور میری امت کے لوگ ان کاموں کو حرام جاننے کے باوجود کرتے رہیں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غیب کی خبریں دی ہیں' جن کا انبیاء کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہوتا اور آپ کی دی ہوئی تمام خبروں کا حق ہونا ظاہر ہو گیا۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۴ ص ۱۸۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہم اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے کی وضاحت کریں گے اور جنگ جمل کا پس منظر اور پیش منظر بھی بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے پر اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے: (اے نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنگ جمل میں مسلمانوں کی قیادت کی اور آپ گھر سے نکلیں اور یہ بہ ظاہر اس حکم کی مخالفت ہے۔

سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

رافضیوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے' حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دامن ہر طعن کے داغ سے بری اور صاف ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے حج کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ گئیں اور پھر وہاں سے بصرہ گئیں اور اسی جگہ جنگ جمل ہوئی' رافضیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور باہر نہ نکلیں اور حضرت عائشہ نے اس حکم اور اس ممانعت کی مخالفت کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے' ورنہ اس آیت کے نازل

ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حج اور عمرہ کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جاتے اور ان کو اپنے ساتھ غزوات میں نہ لے جاتے اور ان کو والدین کی زیارت' بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کے لیے جانے کی اجازت نہ دیتے (کیونکہ یہ سورت ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے' اور اسی سال واقعہ افک کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والدین سے ملاقات کے لیے ان کے گھر جانے کی اجازت دی تھی' اور اسی سال عمرۃ الحدیبیہ میں آپ دیگر ازواج مطہرات کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ۷ ھ میں غزوہ خیبر میں آپ ازواج مطہرات کو لے گئے اور اسی سال آپ نے حدیبیہ کے عمرہ کی قضا کی اور اس سفر میں بھی آپ ازواج مطہرات کو ساتھ لے گئے اور اسی طرح باقی غزوات میں بھی آپ مختلف ازواج کو ساتھ لے گئے اور ۱۰ ھ میں آپ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہرات کو ساتھ لے گئے تھے' اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلقاً گھروں سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ) اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حج کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سمیت تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ تمہارا حج ہے اس حج کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنا۔ پھر حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے علاوہ تمام باقی ازواج مطہرات نے اس کے بعد بھی حج کیا اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۴' مسند البز ار رقم الحدیث: ۱۰۷۷' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۱۵۴)

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات سے فرمایا تم کو ضرورت کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۵۔ ۵۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو جو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ ازواج مطہرات کو باقی خواتین سے امتیاز حاصل رہے کہ ازواج مطہرات اکثر اور غالب اوقات میں اپنے گھروں میں رہیں اور ان کا راستوں' بازاروں اور لوگوں کے گھروں میں زیادہ آنا جانا نہ رہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ حج کے لیے گھر سے باہر نکلیں یا اور کسی دینی مصلحت کی بناء پر ستر اور حجاب اور وقار کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں۔

حضرت عائشہ کا اصلاح کے قصد سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہما کے ساتھ بصرہ روانہ ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کرنے کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلی تھیں' اور حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ حج کے لیے گھر سے باہر نکلی تھیں' لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین' حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو ان کو اس سے بہت سخت رنج پہنچا اور ان کو یہ خیال ہوا کہ اب مسلمانوں میں باہم فتنہ اور فساد ہوگا اور قتل اور خون ریزی ہوگی' وہ اسی سوچ و بچار میں تھیں کہ ان کے پاس حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت نعمان بن بشیر' حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے صحابہ' حضرت عثمان کے قاتلین کے خوف سے مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ آ گئے' کیونکہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے بہت خوش ہو رہے تھے اور اس پر بہت فخر کر رہے تھے اور بر سر عام حضرت عثمان کو برا بھلا کہہ رہے تھے' اور ان کے عزائم یہ تھے

کہ وہ حضرت عثمان کے خیر خواہوں کو بھی ان ہی کی طرح شہید کر دیں اور ان صحابہ کرام میں ان قاتلین سے مقابلہ کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں تھی' اس لیے وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت ام المومنین کی پناہ میں آ گئے' اور آپ کو یہ واقعہ سنایا' حضرت ام المومنین نے فرمایا مصلحت اس میں ہے کہ جب تک یہ قاتلین مدینہ میں ہیں اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے یا ان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہیں' اس وقت تک تم لوگ مدینہ واپس نہ جاؤ' سو تم کسی ایسے شہر میں رہو جس میں تم امن سے رہ سکو اور اس کا انتظار کرو کہ حضرت امیر المومنین کو قوت اور شوکت حاصل ہو اور وہ قاتلین عثمان سے قصاص لے سکیں' اور یہ کوشش کرو کہ وہ امیر المومنین کی مجلس سے نکل جائیں اور وہ ان سے قصاص لینے پر قادر ہوں تاکہ پھر کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے۔ ان حضرات صحابہ نے حضرت ام المومنین کی رائے کو پسند کیا اور اس کی تحسین کی' اور انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کرنے کو پسند کیا کیونکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر موجود تھا اور انہوں نے حضرت ام المومنین سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بصرہ چلیں حتیٰ کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور امن قائم ہو جائے اور حضرت علی کی خلافت کا معاملہ منظم اور مستحکم ہو جائے' صحابہ کرام کا خیال یہ تھا کہ حضرت ام المومنین ان کے ساتھ ہوں گی تو ان کا زیادہ احترام ہوگا اور ان کی زیادہ طاقت ہوگی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب اور مکرم زوجہ ہیں' خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں' سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کے قصد سے اور کبار صحابہ کی حفاظت کے ارادہ سے ان کے ساتھ روانہ ہو گئیں اور ان کے ساتھ ان کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور آپ کے ساتھ جس قدر صحابہ تھے وہ حکماً آپ کے محرم تھے اور آپ کے بیٹوں کے حکم میں تھے۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ص ۴۹۴۔۴۹۳ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاتلین عثمان کا ان صحابہ کے تعاقب میں حضرت علی کو بصرہ...... روانہ کرنا اور فریقین میں صلح کے مذاکرات

قاتلین عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ اور ان صحابہ کے بصرہ جانے کی خبر کوئی اور رنگ دے کر سنائی اور حضرت علی کو اس پر تیار کیا کہ وہ بصرہ جا کر ان لوگوں کو سزا دیں' اور حضرت حسن' حضرت حسین اور حضرت عبد اللہ بن جعفر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ آپ اس وقت تک بصرہ نہ جائیں جب تک کہ صورت حال واضح نہ ہو جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تاکہ انجام کار تقدیر کا لکھا پورا ہو جائے' پس حضرت علی رضی اللہ عنہ ان اشرار اہل فتنہ کے ہم راہ بصرہ روانہ ہو گئے' جب یہ لوگ بصرہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ کو ام المومنین' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی طرف بھیجا تاکہ ان کے مقاصد معلوم ہوں اور وہ ان مقاصد کو حضرت علی کے سامنے پیش کریں' حضرت القعقاع رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین کے پاس جا کر کہا: اے امی! آپ کس مقصد سے اس شہر میں آئی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے بیٹے میں لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے آئی ہوں' پھر آپ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو بلایا' حضرت القعقاع نے ان سے کہا آپ لوگ بتائیں کہ صلح کا کیا طریقہ ہوگا؟ انہوں نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین پر حد قائم کی جائے اور ان کے وارثوں کا کلیجہ ٹھنڈا کیا جائے' پھر یہ ہمارے امن کا سبب ہوگا' اور بعد والوں کے لیے عبرت کا باعث ہوگا' حضرت القعقاع نے کہا یہ تبھی ہو سکے گا جب تمام مسلمان متحد ہو جائیں اور فتنہ کی آگ ٹھنڈی ہو جائے سو تم لوگوں پر لازم ہے کہ اس وقت صلح کر لو' حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے کہا تم نے درست بات کہی اور اچھا فیصلہ کیا۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ص ۵۰۰' ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قاتلین عثمان کا سازش کر کے بصرہ میں مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ کرا دینا

حضرت القعقاع[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس واپس گئے اور ان مذاکرات کی خبر دی' حضرت امیر یہ سن کر خوش اور مطمئن ہوئے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا اور تین دن وہاں ٹھہرے اور کسی کو صلح کے متعلق کوئی شک نہ تھا' جب چوتھی رات ہوئی اور فریقین کے درمیان صلح کے لیے پیش قدمی کی کوشش ہو رہی تھی اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے' اس موقع پر وہ قاتلین حاضر نہ تھے اور وہ سخت اضطراب اور پریشانی میں مبتلا تھے اور ان کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی' انہوں نے باہم گٹھ جوڑ کر کے یہ سازش کی کہ رات کو ان مسلمانوں پر حملہ کر دیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہیں تاکہ وہ لوگ یہ گمان کریں کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی ہے' پھر حضرت امیر کا لشکر ان پر ٹوٹ پڑے گا کہ حضرت عائشہ کی طرف سے بدعہدی ہوئی ہے' اور فریقین میں جنگ چھڑ جائے گی' سو ایسا ہی ہوا جب ان قاتلین نے اپنی سازش کے مطابق حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ وغیرہما کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کیا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ حضرت علی کے اصحاب نے بدعہدی کی سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو مسلمان تھے انہوں نے حضرت امیر کے لشکر پر حملہ کر دیا اور قاتلین عثمان نے شور مچانا شروع کر دیا کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور غداری کی ہے سو فریقین میں شدت کے ساتھ جنگ چھڑ گئی' حضرت امیر کرم اللہ وجہہ حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا اور ان کے لیے اس جنگ میں مشغول ہونے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (تاریخ ابن خلدون ج ۱ص ۵۰۳-۵۰۴ ملخصا تاریخ طبری ج ۳ص ۵۲۶'۵۲۲ ملخصا)

قاتلین عثمان کا حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کس قدر تسلط اور تغلب تھا اس کا اندازہ شیعہ کی مستند' مسلم اور مقبول کتاب نہج البلاغۃ کے اس اقتباس سے ہوتا ہے۔

قاتلین عثمان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر تسلط اور تغلب

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی تو آپ کے بعض اصحاب نے کہا کاش آپ ان لوگوں کو سزا دیتے جنہوں نے قتل عثمان کے لیے لشکر جمع کیا تھا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

اے بھائیو! جو بات تم جانتے ہو میں بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن میرے پاس ان پر قابو پانے کی طاقت کہاں ہے' حالت تو یہ ہے کہ جس گروہ نے قتل عثمان کے لیے لشکر کشی کی وہ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ ہنوز باقی ہے' یہ لوگ مجھ پر تسلط اور تغلب رکھتے ہیں میں ان پر تسلط اور تغلب نہیں رکھتا' اور آگاہ ہو جاؤ کہ قاتلین عثمان ایسے لوگ ہیں کہ تمہارے غلام تک ان کے پرجوش حامی ہیں' اور تمہارے بادیہ نشین ان سے ملے ہوئے ہیں' اور یہ قاتلین عثمان (کہیں باہر نہیں) خود تم میں موجود ہیں' ہنوز مدینہ سے باہر نہیں نکلے ہیں' اور تمہیں ہر طرح کا ضرر پہنچا سکتے ہیں' اور کیا تمہیں اس کا کوئی امکان نظر آتا ہے کہ تم ان پر غالب آسکو' کوئی شبہ نہیں کہ یہ قتل جاہلیت کی بناء پر کیا گیا ہے' ان لوگوں کے پاس کمک اور امداد کی کمی نہیں ہے اور جب لوگوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے کہا جائے گا تو لوگ چند فرقوں میں تقسیم ہو جائیں گے' ایک فرقہ تو وہ ہوگا جس کی رائے تمہارے موافق ہوگی' اور دوسرا فرقہ وہ ہوگا جس کی رائے تمہارے خلاف ہوگی اور تیسرا فرقہ وہ ہوگا جس کی رائے نہ یہ ہوگی

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: حضرت القعقاع بن عمرو تمیمی صحابی ہیں' ان سے کئی احادیث مروی ہیں' یہ جنگ قادسیہ میں شریک تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا جنگ قادسیہ میں کون سب سے تیز گھوڑے سوار تھا' انہوں نے قعقاع بن عمرو۔ انہوں نے ایک دن میں تیس حملے کیے اور ہر حملہ میں متعدد دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ الاصابہ رقم الحدیث:۷۱۳۲

وہ ۔سوتم صبر سے کام لو حتیٰ کہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور لوگوں کے حقوق آسانی کے ساتھ حاصل ہو سکیں (الیٰ قولہ) میں جلد ہی مروت کے ساتھ اصلاح کروں گا اور جب میرے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہے گا تو آخری دوا گرم لوہے سے داغ لگانا ہے۔

(نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۶۶ ص ۵۹۰ 'انتشارات زرین ایران' نہج البلاغۃ خطبہ نمبر ۱۶۷ ص ۴۵۹ 'شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی)

شیخ کمال الدین میثم علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ ھ اس خطبہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ' حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قاتلین سے قصاص لینے کی تاخیر کے سلسلہ میں ہے۔

اس عذر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر کو قاتلین عثمان پر کما حقہ قدرت نہیں تھی' اسی لیے فرمایا میں ان سے قصاص کس طرح لے سکتا ہوں اور قاتلین عثمان کو اسی طرح قوت اور شوکت حاصل ہے' اور حضرت الامیر کے کلام کا صدق اس سے ظاہر ہے کہ اکثر اہل مدینہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان کے خلاف چڑھائی کرنے کے لیے آئے تھے وہ لوگ اہل مصر سے تھے' اور کوفہ سے بھی ایک بڑی جماعت آئی تھی' وہ دور دراز سے سفر کر کے آئے تھے اور بہت سے بادیہ نشین اور غلام ان سے مل گئے تھے' ان کی بہت بڑی طاقت تھی اسی لیے فرمایا ''وہ تمہیں ہر طرح کا آزار پہنچا سکتے ہیں''۔

روایت ہے کہ حضرت الامیر نے لوگوں کو جمع کر کے وعظ کیا پھر فرمایا حضرت عثمان کے قاتلین کھڑے ہو جائیں تو چند آدمیوں کے سوا تمام لوگ کھڑے ہو گئے' حضرت علی کا یہ فعل اس بات کے صدق کی شہادت ہے کہ قاتلین عثمان اسی طرح طاقت ور تھے اور جب ان حالات کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ آپ کو ان کے خلاف کسی اقدام کرنے کی بالکل طاقت نہیں تھی' پھر آپ نے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے فرمایا: بے شک یہ قتل عثمان زمانۂ جاہلیت کی کارروائی ہے' اس کا کوئی شرعی جواز نہ تھا' اور حضرت عثمان سے کوئی ایسا کام صادر نہیں ہوا تھا جس کی سزا میں ان کو قتل کیا جاتا' اور ان قاتلین کے بہت حامی اور مددگار ہیں۔ (الیٰ قولہ) پھر آپ نے لوگوں کو انتظار کرنے کے لیے کہا اور ان کو ڈرایا کہ اگر قصاص میں جلدی کی گئی تو دین کی شوکت کمزور پڑ جائے گی اور اس سے بڑا فتنہ نمودار ہو جائے گا' اس لیے مناسب یہ ہے کہ حالات کے پرسکون ہونے تک انتظار کیا جائے پھر شرعی طریقہ کے مطابق حضرت عثمان کے بیٹے معین کر کے بتائیں کہ فلاں فلاں قاتل ہیں اور فلاں فلاں محاصرہ کرنے والے ہیں اور امام کے پاس مقدمہ پیش کریں تا کہ امام اللہ کے حکم کے مطابق شرعی فیصلہ کرے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اہل شام نے شرعی مطالبہ کرنے کے بجائے میرے حکم کی مخالفت کی اور طاقت اور غلبہ سے قصاص کا مطالبہ کیا اور پھر اس کے نتیجہ میں جو ہوا وہ ہوا۔ (شرح نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۳۲۲۔۳۲۱ 'دار العالم الاسلامی بیروت)

قاتلین عثمان سے قصاص نہ لینے پر سید مودودی کا تبصرہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ تین رخنے تھے جن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافتِ راشدہ کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے کر کام شروع کیا۔ ابھی انہوں نے کام شروع کیا ہی تھا اور شورش برپا کرنے والے دو ہزار آدمیوں کی جمیعت مدینے میں موجود تھی کہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے ملے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے' اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجیے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''بھائیو! جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں' مگر میں ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی کوئی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں؟'' سب نے کہا ''نہیں''۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا

حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس بجا ہو جائیں' خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے''۔

اس کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر ان کی رائے یہ قرار پائی کہ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے بصرہ وکوفہ سے' جہاں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے بکثرت حامی موجود تھے۔ فوجی مدد حاصل کی جائے' چنانچہ یہ قافلہ مکہ سے بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۲۸۔۱۲۷' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۷۵ء)

اس کے بعد سید مودودی لکھتے ہیں:

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ' جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تابع فرمان بنانے کے لیے شام کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے' بصرے کے اس اجتماع کی اطلاعات سن کر پہلے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مجبور ہو گئے' لیکن بکثرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اور ان کے زیر اثر لوگ جو مسلمانوں کی خانہ جنگی کو فطری طور پر ایک فتنہ سمجھ رہے تھے' اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ جن سے پیچھا چھڑانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ موقع کا انتظار کر رہے تھے' اس تھوڑی سے فوج میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فراہم کی تھی' ان کے ساتھ شامل رہے۔ یہ چیز ان کے لیے بدنامی کی موجب بھی ہوئی اور فتنے کی موجب بھی۔

بصرے کے باہر جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں' اس وقت دردمند لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس بات کے لیے کوشاں ہوئی کہ اہل ایمان کے ان دونوں گروہوں کو متصادم نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ ان کے درمیان مصالحت کی بات چیت قریب قریب طے ہو چکی تھی۔ مگر ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے درمیان مصالحت ہو گئی تو پھر ہماری خیر نہیں' اور دوسری طرف ام المومنین رضی اللہ عنہ کی فوج میں وہ لوگ تھے جو دونوں کو لڑا کر کمزور کر دینا چاہتے تھے' اس لیے انہوں نے بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کر دی اور وہ جنگ جمل برپا ہو کر رہی جسے دونوں طرف کے اہل خیر روکنا چاہتے تھے۔

جنگ جمل کے آغاز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ میں آپ دونوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں حضرات تشریف لے آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد دلا کر جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ سے ہٹ کر الگ چلے گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ لیکن ایک ظالم عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا' اور مشہور روایت کے مطابق' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن الحکم نے قتل کر دیا۔

بہر حال یہ جنگ برپا ہو کر رہی اور اس میں دونوں طرف کے دس ہزار آدمی شہید ہوئے۔ یہ تاریخ اسلام کی دوسری عظیم ترین بدقسمتی ہے جو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد رونما ہوئی' اور اس نے امت کو ملوکیت کی طرف ایک قدم اور دھکیل دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں جو فوج لڑی تھی وہ زیادہ تر بصرہ وکوفہ ہی سے فراہم ہوئی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اس کے پانچ ہزار آدمی شہید اور ہزاروں آدمی مجروح ہو گئے تو یہ امید کیسے کی جا سکتی تھی کہ اب عراق کے لوگ

اس یک جہتی کے ساتھ ان کی حمایت کریں گے جس یک جہتی کے ساتھ شام کے لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کر رہے تھے۔ جنگ صفین اور اس کے بعد کے مراحل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ کا اتحاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ کا تفرقہ بنیادی طور پر اسی جنگ جمل کا نتیجہ تھا۔ یہ اگر پیش نہ آئی ہوتی تو پچھلی ساری خرابیوں کے باوجود ملوکیت کی آمد کو روکنا عین ممکن تھا۔ حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے تصادم کا یہی نتیجہ تھا جس کے رونما ہونے کی توقع مروان بن الحکم رکھتا تھا' اسی لیے وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لگ کر بصرے گیا تھا' اور افسوس کہ اس کی یہ توقع سو فی صدی پوری ہو گئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۳۰۔ ۱۲۹' ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۷۵ء)

نیز سید مودودی لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بے زار تھے' بادل ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے' اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کرنے کے لیے جب انہوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک مؤخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں' آپ لوگ بیعت کر لیں تو پھر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا''۔ پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ دار ہیں' اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلة عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت)۔ لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے' حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے' دراں حالیکہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۷۵ء)

مشاجرات صحابہ میں مصنف کا نظریہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی اس کتاب میں حضرت عثمان' حضرت معاویہ' ام المومنین حضرت عائشہ' حضرت طلحہ' حضرت زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی غلطیاں گنوائی ہیں' اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور ان کے اختلافات میں ہمیں کسی فریق پر انگشت نمائی نہیں کرنی چاہیے اور ان کے تمام کاموں کی اچھی اور نیک تاویل کرنی چاہیے' بعض صحابہ سے بعض معاملات میں اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن وہ سب عند اللہ ماجور ہیں۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی طرف سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے یہ عشرہ مبشرہ سے ہیں' جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے انہوں نے متعدد زخم کھائے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوجب طلحة آج طلحہ نے جنت کو واجب کر لیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل

کے مقتولین کو دیکھ رہے تھے' جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو ان کے چہرے سے گرد صاف کرنے لگے اور کہا اے ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو' آسمان کے ستاروں کے نیچے تم کو اس طرح دیکھنا مجھ پر سخت دشوار ہے' اور اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ میں اس حادثہ سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

حضرت علی کے لشکر میں سے عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر بن العوام کا سر مبارک کاٹ دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں' جب عمرو بن جرموز نے آپ کو شہید کر دیا تو آپ کا سر مبارک کاٹ کر اس امید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا کہ وہ اس کو کوئی انعام دیں گے اور ملنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا اس کو ملنے کی اجازت نہ دو اور اس کو دوزخ کی بشارت دو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا' ابن جرموز کے پاس حضرت زبیر کی تلوار تھی' حضرت علی نے اسے دیکھ کر فرمایا اس تلوار نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے کرب کو دور کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۷۔۳۴۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عائشہ اور حضرت علی کا جنگ جمل میں مسلمانوں کے خون بہنے پر غم اور افسوس کرنا

اس بحث کے آخر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

پس جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابتداء میں اپنے محارم کے ساتھ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئی تھیں اور بعد میں مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان صلح کرانے کے قصد سے بصرہ گئی تھیں اور آپ کا یہ نیک مقصد بھی حج سے کم نہیں تھا' اور اس آیت مذکورہ میں مطلقاً گھر سے نکلنے کی ممانعت نہیں ہے اور نیک مقاصد کے لیے ازواج مطہرات کے گھروں سے نکلنا جائز اور مستحسن ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کوئی اعتراض نہیں رہتا' اور بعد میں جو واقعات پیش آئے اور قاتلین عثمان کی سازش سے فریقین کے درمیان صلح کے بجائے جنگ جمل برپا ہوگئی اس کا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہم و گمان بھی نہیں تھا' اور ان واقعات کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر افسوس ہوتا تھا کہ روتے روتے آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

امام ابن المنذر' امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''وقرن فی بیوتکن'' کی تلاوت کرتیں تو آپ کو جنگ جمل کی یاد آجاتی جس میں بہ کثرت مسلمان شہید ہوگئے تھے' اور آپ کے رونے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ نے اس آیت کا معنی پہلے نہیں سمجھا تھا یا گھر سے نکلتے وقت آپ اس آیت میں مذکور ممانعت کو بھول گئی تھیں' بلکہ آپ بہ کثرت مسلمانوں کے قتل پر افسوس سے روتی تھیں اور آپ کا یہ افسوس ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل کے بعد افسوس ہوا تھا' حضرت ام المومنین کے ساتھ جو مسلمان تھے جب ان کو شکست ہوگئی اور طرفین سے جنہوں نے قتل ہونا تھا وہ قتل ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مقتل کا طواف کر رہے تھے اور افسوس سے اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہہ رہے تھے کاش میں اس واقعہ سے پہلے مرجاتا یا بھولا بسرا ہو جاتا۔

(تاریخ طبری ج ۳ ص ۵۴۲ ملخصاً مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

حضرت عائشہ کے متعلق شیعہ کی ناگفتنی روایات

بعض روایت میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا اور ان میں حضرت عائشہ بھی تھیں کہ میں تم میں سے ایک ایسی عورت کے ساتھ ہوں جس پر الحواب کے کتے بھونکیں گے' اور جب آپ بصرہ جارہی تھیں تو راستہ

میں مقام حوأب آیا تھا اور وہ کتے آپ پر بھونکتے تھے اور آپ نے واپسی کا قصد کیا تھا مگر آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے انہوں نے آپ کو واپس جانے نہیں دیا' یہ سب غیر مستند اور غیر معتبر روایات ہیں۔

اسی طرح شیعہ کا یہ بھی زعم ہے کہ حضرت عائشہ نے مسلمانوں کو حضرت عثمان کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل پر اکسایا تھا یہ سب جھوٹی اور بے اصل روایات ہیں۔

اسی طرح شیعہ کا یہ بھی زعم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے بصرہ روانہ ہوئی تھیں یہ بھی کذب اور افتراء ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں ان میں سے یہ حدیث ہے جس کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی کی محبت عبادت ہے' اور ان واقعات کے بعد فرمایا میرے اور علی کے درمیان وہی تعلق تھا جو ایک عورت اور اس کے دیور میں ہوتا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے خاتمہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا اور آپ کے ساتھ بصرہ کی معزز اور مکرم خواتین کو بھیجا تھا اس موقع پر بھی شیعہ نے بعض ناگفتنی باتیں کہی ہیں۔

حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے پر حضرت زینب اور حضرت سودہ..... کے گھر سے نہ نکلنے کے معارضہ کا جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو حج کے لیے مکہ روانہ ہوئی تھیں اس پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت سودہ اور حضرت زینب بنت جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حج کے لیے نہیں گئی تھیں' اگر آپ کے بعد ازواج مطہرات کے لیے حج کرنا جائز ہوتا تو وہ بھی آپ کے بعد حج کے لیے جاتیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ (تمہارا) حج ہے' اس کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنے کو لازم کر لینا' پھر حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات نے اس کو بعد بھی حج کیا اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں: اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے' اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۰۷۷' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۴۷۔ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۶۳۳' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

اور امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ آپ اس طرح حج اور عمرہ نہیں کرتیں جس طرح آپ کی دیگر صواحب کرتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے گھر میں ٹھہری رہوں' پس اللہ کی قسم! میں تاحیات اس گھر سے نہیں نکلوں گی' محمد بن سیرین نے کہا: پس اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرے سے نہیں نکلیں حتیٰ کہ حجرے سے ان کا جنازہ نکالا گیا۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۵۲۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زینب اور حضرت سودہ کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نہ نکلنا' ان کے اجتہاد پر مبنی ہے' جیسا کہ دیگر ازواج کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نکلنا ان کے اجتہاد پر مبنی ہے۔

رہا یہ کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے آپ نے ازواج مطہرات سے فرمایا اس حج کے بعد تم اپنے گھروں میں منحصر رہنا'

اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس کے بعد تم کبھی حج نہ کرنا اور کسی حاجت شرعی کے باوجود گھروں سے نہ نکلنا' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے وصال کے بعد باقی ازواج مطہرات حج کے لیے نہ جاتیں اور صحابہ کرام اس پر خاموش نہ رہتے بلکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو حج کے لیے روانہ کیا اور حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ بھیجا اور ان سے فرمایا تم دونوں ان کے نیک فرزندوں کے حکم میں ہو تم میں سے ایک ان کے آگے رہے اور ایک ان کے پیچھے رہے' اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو یہ ازواج مطہرات کے حج کے جواز پر اجماع سکوتی ہو گیا' سو حضرت زینب اور حضرت سودہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ حجۃ الوداع کے بعد ان کے لیے اپنے حجروں سے نکلنا جائز نہیں ہے' اسی لیے انہوں نے اس کے بعد حج نہیں کیا اور دیگر ازواج نے اس حدیث سے یہ سمجھا تھا کہ اس حج کی جنس سے کوئی عبادت ہو یا کوئی اور دینی مہم ہو تو اس کے لیے تم سفر کرنا اور جب اس عبادت یا اس مہم سے فارغ ہو جاؤ تو پھر مناسب یہ ہے کہ تم اپنے گھروں میں منحصر رہنا اور اس کا مفاد یہ تھا کہ تمہارے لیے گھروں سے نکلنا مباح ہے۔

اور جو شخص انصاف سے غور کرے تو اس پر منکشف ہو گا کہ اس حدیث میں حجۃ الوداع کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں سے نکلنے کی مطلقاً ممانعت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں اپنی بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارے' اور دیگر ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے اپنے حجروں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آتی تھیں اور ان میں حضرت سودہ اور حضرت زینب بھی تھیں' اور جن بیویوں کو اپنے شوہر سے بہت کم محبت بھی ہو وہ بھی ایسے موقع پر اپنے شوہر کی زیارت اور اس کی عیادت کے لیے ضرور آتی ہیں چہ جائیکہ وہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی عیادت کے لیے نہ آتیں جن کی محبت ان کے ایمان کا جزو ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ حجۃ الوداع کے بعد ازواج مطہرات کے لیے اپنے گھروں سے نہ نکلنا لازم نہیں تھا بلکہ ضرورت شرعی کے پیش نظر ان کا گھروں سے نکلنا جائز تھا۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۸۔۱۳ ملخصا ومخرجا دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلاحی اقدام پر قرآن مجید سے دلائل

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے پہلے حج کی نذر مان لی تھی' اور انہوں نے نذر پوری نہ کرنے کو جائز نہیں سمجھا اور اگر وہ فتنہ کی اس آگ سے بچ جاتیں تو بہتر ہوتا۔

باقی رہا ان کا جنگ جمل کی طرف جانا تو وہ جنگ کرنے نہیں گئی تھیں' لیکن مسلمانوں نے اس عظیم فتنہ کی ان سے شکایت کی کہ لوگ حرج میں مبتلا ہیں وہ چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ اپنی برکت سے فریقین میں صلح کروا دیں' اور لوگوں کو امید تھی کہ فریقین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام کا احترام کریں گے اور ان کے حکم پر عمل کریں گے' کیونکہ قرآن مجید کی نص صریح کے مطابق وہ تمام مومنوں کی ماں ہیں' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات پر عمل کیا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ. (النساء: ۱۱۴)

ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے' سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا کسی اور نیک کام کرنے کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا. (الحجرات: ۹)

اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کا جو حکم ہے اس کے مخاطب تمام مسلمان ہیں' خواہ وہ مرد ہوں یا عورت' آزاد ہوں یا غلام' سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس حکم کے موافق مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے حکم کی مکلف تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی سابق تقدیر اور اس کے علم ازل میں یہ مقرر تھا کہ یہ صلح نہیں ہوگی' دونوں فریقوں کے درمیان بصرہ میں زبردست جنگ ہوئی جس سے قریب تھا کہ مسلمانوں کے دونوں فریق فنا ہو جاتے۔ پھر کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور جب وہ اونٹ پہلو کے بل گر گیا تو محمد بن ابی بکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنبھال لیا اور ان کو بصرہ لے گئے' اس جنگ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر شہید ہو گئے اور اونٹ کے گرنے کے بعد ان کے لشکر کو شکست ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ کی تیس معزز خواتین کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا (تاریخ ابن خلدون ج ۱ص ۵۰۴' ملخصاً) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نیکو کارہ تھیں' اللہ سے ڈرنے والی تھیں' پرہیز گار تھیں' مجتہدہ تھیں انہوں نے اس معاملہ میں جو اجتہاد کیا تھا وہ اس اجتہاد میں برحق اور صحت اور صواب پر تھیں اور اس اجتہاد کے موافق انہوں نے جو کچھ کارروائی کی وہ اس میں اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور ہم اصول میں بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام کے آپس کے مناقشات' اختلافات اور ان کی لڑائیوں کی بہترین تاویل کرنی چاہیے اور ان کو صحت اور صواب پر محمول کرنا چاہیے۔

(احکام القرآن ج ۳ص ۵۷۰ـ۵۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی اس عبارت پر اعتماد کر کے اس کو نقل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۶۴ـ۱۶۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آیت تطہیر کے مصادیق

اس کے بعد فرمایا: اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے۔ (الاحزاب: ۳۳)

اس آیت میں اہل بیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت ابو سعید خدری' حضرت انس بن مالک' حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں۔

(۳) ضحاک نے کہا اس سے مراد آپ کے اہل اور آپ کی ازواج ہیں۔

اور فرمایا تم سے ہر قسم کی نجاست دور فرما دے' یعنی گناہوں اور برائیوں کی آلودگی سے حفاظت فرمائے گا' اور فرمایا تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ کر دے' یعنی بری خواہشات' دنیا کے میل کچیل اور دنیا کی طرف رغبت سے تم کو دور رکھے گا اور تمہارے دلوں میں بخل اور طمع نہ آنے دے گا اور تم کو سخاوت اور ایثار کے ذریعہ پاک اور صاف رکھے گا۔

(النکت والعیون ج ۴ص ۴۰۱ـ۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

آیت تطہیر سے ازواج مطہرات کا مراد ہونا

اس سے پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہے: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: ۳۲) اور اس کے بعد والی آیت میں بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے: وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ (الاحزاب: ۳۴) اس کا تقاضا ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہو۔

نیز قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ بیت سے مراد بیت سکنی ہوتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ . (هود: ۷۳)

فرشتوں نے (سارہ سے) کہا' کیا تم اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مخلوق کی دو قسمیں کیں' پس اللہ عزوجل نے مجھے ان میں سے بہترین قسم میں رکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا واصحب الیمین واصحب الشمال (دائیں ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے) سو میں دائیں ہاتھ والوں سے ہوں اور دائیں ہاتھ والوں میں سے سب سے بہتر ہوں' پھر دو قسموں کی تین قسمیں کیں' فرمایا فاصحب المیمنة ' والسابقون السابقون 'سو میں سابقین میں سے ہوں اور سابقین میں سب سے بہتر ہوں' پھر اس تیسری قسم کے قبائل بنائے پس مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا اور اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ . (الحجرات: ۱۳)

اور تم کو مختلف گروہوں اور قبائل میں رکھا تا کہ تمہاری پہچان ہو اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

پھر ان قبائل کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۳) پس میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۱۔۱۷۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۴)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت (الاحزاب: ۳۳) بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے' عکرمہ نے کہا جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۱۱۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

آیت تطہیر سے اہل بیت کا مراد ہونا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اے لوگو! میں صرف ایک بشر ہوں' عنقریب میرے پاس اللہ کا سفیر آئے گا' اور میں اس کی دعوت کو قبول کروں گا' میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے' سو تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اس کا دامن تھام لو' پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی طرف راغب کیا' اور فرمایا دوسری بھاری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں' حصین نے حضرت زید بن ارقم سے پوچھا: اے زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کی اہل بیت نہیں ہیں؟ حضرت زید بن ارقم نے کہا آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت سے ہیں لیکن (اس ارشاد میں) آپ کے اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ کرنا حرام ہے' اس نے پوچھا وہ کون ہیں! انہوں نے کہا وہ آل علی' آل عقیل' آل جعفر اور آل عباس ہیں' اس نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۷۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حج کے موقع پر

دیکھا آپ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار خطبہ دے رہے تھے' آپ فرما رہے تھے اے لوگو! میں نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم نے ان کو پکڑ لیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اللہ کی کتاب اور میری اولاد میرے اہل بیت۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۸۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ (الاحزاب: ۳۳) اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور ان سب کو ایک چادر میں ڈھانپ لیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی پشت کے پیچھے تھے پس آپ نے ان کو بھی اس چادر میں ڈھانپ لیا پھر کہا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں' تو ان سے (ہر قسم کی) نجاست کو دور رکھنا اور ان کو خوب پاکیزہ رکھنا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! آیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا تم اپنے مقام پر ہو اور تم میری طرف منسوب ہو' نیک ہو' دوسری روایت میں ہے تم خیر پر ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۷' ۳۲۰۵)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو تھام لیا تو تم میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے! ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظیم ہے' ایک کتاب اللہ ہے یہ وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تانی ہوئی ہے اور دوسری میری اولاد ہے میرے اہل بیت' وہ ہرگز ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ دونوں میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے' پس غور کرو کہ تم میرے بعد ان سے کس طرح پیش آتے ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۰۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۔ ۱۷۔ ۲۶۔ ۵۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۷' الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۲۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۶۶' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۳۶۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو (امام طبرانی کی دیگر روایات میں حضرت علی کا ذکر بھی ہے) کو ایک کپڑے میں داخل کیا (حدیث: ۲۶۶۷ میں سیاہ چادر کا ذکر ہے) پھر فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ داخل فرما لیں! آپ نے فرمایا تم (بھی) میرے اہل سے ہو۔ دیگر روایات میں الاحزاب: ۳۳ کی تلاوت کا بھی ذکر ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۷۳۔ ۲۶۷۲۔ ۲۶۷۱۔ ۲۶۷۰۔ ۲۶۶۹۔ ۲۶۶۸۔ ۲۶۶۷۔ ۲۶۶۶۔ ۲۶۶۵۔ ۲۶۶۴۔ ۲۶۶۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا** 'حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۱۱' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۳ ص ۶۶' رقم الحدیث: ۲۶۱۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابو الحمراء ہلال بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے دروازے پر جا کر فرماتے **الصلاۃ الصلاۃ** (نماز کے لیے اٹھو) **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا** ○ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۴ ص ۱۹۸' رقم الحدیث: ۱۰۷۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

ہمارے نزدیک اہل بیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات' آپ کی اولاد اور آپ کے رشتہ دار سب داخل ہیں' اور بیت سے مراد عام ہے خواہ بیت سکنیٰ ہو یا بیت نسب' بیت سکنیٰ میں ازواج مطہرات داخل ہیں اور بیت نسب میں آپ کی اولاد اور رشتہ دار داخل ہیں' ہم اس سلسلہ میں پہلے کتب لغت سے نقول پیش کریں گے پھر قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے استشہاد کریں گے اور اس کے بعد علماء کی تصریحات پیش کریں گے **فنقول وباللہ التوفیق**۔

تصریحات لغت سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے نسب' یا دین یا پیشہ یا گھر یا شہر میں شریک اور شامل ہوں' لغت میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے گھر میں رہتے ہوں' پھر مجازاً جو لوگ اس کے نسب میں شریک ہوں ان کو بھی اس کے اہل کہا جاتا ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگوں کو بھی مطلقاً اہل بیت کہا جاتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ. (الاحزاب:۳۳)

اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے۔

کسی شخص کی بیوی کو اس کے اہل سے تعبیر کی جاتا ہے اور اہل اسلام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو سب اسلام کے ماننے والے ہوں۔ اور چونکہ اسلام نے مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ. (ہود:۴۶)

اے نوح! بے شک وہ (آپ کا بیٹا) آپ کے اہل سے نہیں ہے' اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری التوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت آپ کی ازواج' آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۹' نشر ادب الحوزۃ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی التوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں جن کو تعظیماً ثقل کہا گیا ہے لیکن یہ وہ اہل بیت نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۳۴' مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص کی بیوی کو اس کی اہل کہا جاتا ہے' اور اہل میں اولاد بھی داخل ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل آپ کی ازواج' آپ کی بیٹیاں اور آپ کے داماد حضرت علی ہیں۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۷ ص ۲۱۷' دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید کی نصوص سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

فرشتوں نے (سارہ سے) کہا کیا تم اللہ کے کاموں سے

بَرَکٰتُهٗ عَلَیۡکُمۡ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ. (هود: ۷۳) تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کے متعلق ارشاد ہے:

فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا. (طٰہٰ: ۱۰) موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کے متعلق ارشاد ہے:

قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ یُّسۡجَنَ. (یوسف: ۲۵) وہ کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔

بیوی اور بچوں کے متعلق ارشاد ہے:

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَیۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ. (الانبیاء: ۸۴) سو ہم نے ایوب کی دعا سن لی اور ان کو جو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے ان کو اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ان کی مثل بھی۔

وَكَانَ یَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ. (مریم: ۵۵) اور اسماعیل اپنے بیوی بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

احادیث صحیحہ کے اطلاقات میں اہل کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا

جب منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غزوہ بنو المصطلق میں بدکاری کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی عنه اذاہ فی اھلی واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا. اے مسلمانو! اس شخص کے معاملہ میں میری مدد کون کرے گا جس کی اذیت اب میری بیوی کے متعلق پہنچ چکی ہے' اللہ کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق سوا خیر کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۷ـ ۱۹۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی اہل (بیوی) سے عمل زوجیت کرتے وقت یہ دعا کرے بسم اللہ اے اللہ شیطان کو ہم سے دور رکھ اور ہم کو جو (بچہ) دے اس کو بھی شیطان سے دور رکھ' پھر ان کے لیے جو بچہ مقدر کیا جائے اس کو شیطان ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۶۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۱۹)

اسی طرح صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۲۴۰۸) کے حوالہ سے یہ حدیث گذر چکی ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت سے ہیں لیکن ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے' اور جن پر صدقہ کرنا حرام ہے وہ اہل بیت آل علی' آل عقیل' آل جعفر اور آل عباس ہیں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۲۰' المفہم ج ۶ ص ۳۰۵' صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۳۰۵)

اور اس وضاحت سے ان احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں سے بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اپنی جگہ خیر پر ہو یعنی اہل بیت میں سے نہیں ہو' اور بعض احادیث میں ہے کہ تم اہل

بیت میں ہو یعنی ان اہل بیت میں سے نہیں ہو جن پر صدقہ حرام ہے اور مطلقاً اہل بیت میں سے ہو روایات کی تفصیل یہ ہے:
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا (الاحزاب: ۳۳) میرے گھر میں نازل ہوئی، میں اس وقت دروازہ پر بیٹھی ہوئی تھی، آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اپنے خاوند اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلاؤ، پھر آپ نے ان سب کو چادر میں داخل کر کے فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، حضرت ام سلمہ نے کہا میں نے چادر اٹھائی تا کہ میں بھی ان میں داخل ہوں تو آپ نے میرا ہاتھ کھینچ کر فرمایا (بعض روایات میں ہے تم الگ رہو) تم تو خیر پر ہو ہی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۲۔ ۲۶۶۴۔ ۲۶۶۶۔ ۲۶۶۸)
اس روایت کا محمل یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور دوسری روایات وہ ہیں جن میں آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم اہل بیت سے ہو۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (دوسری روایات میں حضرت علی کا بھی ذکر ہے) اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ایک کپڑے میں داخل کر کے فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ داخل فرمالیں، آپ نے فرمایا تم بھی میرے اہل سے ہو، اور بعض روایات میں ہے تم بھی ہو۔ امام بغوی کی روایت میں ہے: حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ! میں بھی اہل بیت میں سے ہوں آپ نے فرمایا کیوں نہیں! ان شاء اللہ۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۶۳۔ ۲۶۶۵۔ ۲۶۶۷۔ ۲۶۶۹۔ ۲۶۷۰م معالم التنزیل ج ۳ ص ۶۳۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۰۵)

اہل بیت میں ازواج مطہرات اور آپ کی عترت کے دخول کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:
اہل بیت کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آپ کے اہل بیت، آپ کی اولاد اور آپ کی ازواج ہیں، اور حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت علی بھی ان میں سے ہیں، کیونکہ آپ کی بیٹی کی واسطے سے وہ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۶۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)
علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:
ازواج مطہرات اہل بیت سے خارج نہیں ہیں، بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اہل بیت کے عنوان کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت (گھر) میں آپ کے ساتھ لازم رہتی تھیں، علامہ ابن عطیہ نے کہا کہ آپ کی ازواج اہل بیت سے خارج نہیں ہیں، پس اہل بیت آپ کی ازواج ہیں، آپ کی بیٹی (حضرت فاطمہ) ان کے بیٹے اور ان کے شوہر ہیں، علامہ زمخشری نے کہا اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اہل بیت سے ہیں، اور آپ کی ازواج کے گھر وحی نازل ہونے کی جگہیں ہیں۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۷۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)
علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں اور اس میں شیعہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اہل بیت حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہیں کیونکہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ چادر لے کر آئے پھر حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین کو اس چادر میں داخل کر کے یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے

کہ یہ حضرات اہل بیت سے ہیں' اس پر دلالت نہیں کرتی کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل بیت سے نہیں ہیں اور اگر بالفرض اس کی یہ دلالت ہو بھی تو قرآن مجید کی اس نص صریح کے مقابلہ میں اس روایت کا اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ یہ آیت ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (روح البیان ج ۷ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قاضی ابوالسعود محمد بن محمد العماری الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ اور قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی متوفی ۶۸۵ ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی تقریر کی ہے۔

(تفسیر ابی السعود ج ۵ص ۲۲۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر بیضاوی مع حاشیۃ الشہاب ج ۷ص ۴۸۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ میرے متعلق' علی کے متعلق' فاطمہ' حسن اور حسین کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس روایت میں حصر کا لفظ نہیں ہے اور عدد میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا' اور شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ افضل اہل بیت ہیں اور یہ تقریر اس مفروضہ کی بناء پر ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو اور مجھے ظن غالب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مشکوٰۃ: ۶۱۳۶ میں صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح سیاہ چادر اوڑھی ہوئی تھی' آپ کے پاس حضرت حسن بن علی آئے تو آپ نے ان کو اس چادر میں داخل کر لیا' پھر حضرت حسین آئے تو وہ بھی اس چادر میں داخل ہو گئے' پھر حضرت فاطمہ آئیں تو آپ نے ان کو بھی اس سیاہ چادر میں داخل کر لیا' پھر حضرت علی آئے تو ان کو بھی اس چادر میں داخل کر لیا (رضی اللہ عنہم) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی: اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا (الاحزاب: ۳۳)

اس کی تشریح میں ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: ۳۲) اور اس آیت کے بعد بھی ازواج مطہرات سے خطاب ہے وَاذۡكُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِكُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالۡحِكۡمَةِ (الاحزاب: ۳۴)

(مرقات ج ۱۰ص ۵۰۸' مکتبہ حقانیہ پشاور)

الحمد للہ ہم نے کتب لغت' قرآن مجید کی آیات' احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات سے واضح کر دیا ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت اور آپ کے داماد حضرت علی سب داخل ہیں اس لیے شیعہ علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اہل بیت کا لفظ صرف ان پانچ نفوس قدسیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اب ہم شیعہ علماء کی عبارت پیش کر رہے ہیں۔

شیعہ علماء کے اس اعتراض کا جواب کہ اہل بیت کے ساتھ مذکر کی ضمائر کیوں لائی گئیں

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ اور شیخ طبرسی لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید الخدری' حضرت انس بن مالک' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت واثلہ بن الاسقع (رضی اللہ عنہم) بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی'

حضرت حسن اور حضرت حسین کو بلا کر اپنی سیاہ چادر میں داخل فرمالیا اور فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے نجاست کو دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر دے' (الی قولہ) عکرمہ نے کہا یہ آیت خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق ہے اور یہ غلط ہے' کیونکہ اگر یہ آیت ازواج کے متعلق ہوتی تو اس میں مؤنث کے صیغے ہوتے جیسے اس سے پہلے **وقرن فی بیوتکن** اور **و لا تبرجن** اور **اطعن اللہ** اور **اقمن** وغیرہا میں ہیں۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۴۰ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' مجمع البیان ج ۸ ص ۵۵۹' دار المعرفہ بیروت)

شیخ الطائفہ کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اور جب کسی جملہ میں مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو مذکر صیغے لائے جاتے ہیں مؤنث نہیں لائے جاتے اس لیے **لیذھب عنکم الرجس** فرمایا اور **لیذھب عنکن الرجس** نہیں فرمایا' اور اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل بیت لفظاً مذکر ہے اور معنیً مونث ہے اور ضمیروں کے لانے میں لفظ کی رعایت ہوتی ہے معنی کی نہیں ہوتی۔

شیعہ علماء کا اہل بیت کی عصمت کو ثابت کرنا اور اس کا جواب

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت (الاحزاب: ۳۳) سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کی جماعت میں ایسے معصوم ہیں جن سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی اور ان کا اجماع ہمیشہ صحیح ہوتا ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے نجاست کو دور کرنے کا اور ان کو پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے مجتنب رکھنے اور ان سے اطاعت اور عبادت کرانے کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ تو تمام مکلفین سے فرمایا ہے اور اس ارادہ کی اہل بیت کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے' بلکہ اہل بیت کی خصوصیت تب ہو گی جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسے لطف کا ارادہ کرے جس کی بناء پر ان سے معصیت کا صدور ممتنع اور محال ہو جائے اور اسی وجہ سے اس آیت کو اہل بیت کی مدح میں پیش کرنا درست ہو گا اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اہل بیت کی عصمت کا ثبوت ہے۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی نے بھی اہل بیت کی عصمت کے ثبوت میں یہی تقریر کی ہے۔

(مجمع البیان ج ۸ ص ۵۶۰' بیروت' ۱۴۰۶ھ)

شیعہ مفسرین کی یہ دلیل حسب ذیل وجوہ سے مردود ہے:

(۱) اس آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس کا یہ تقاضا ہو کہ نجاست کو دور کرنا اور گناہوں سے پاک کرنا آل رسول کی خصوصیت ہے اور کسی اور کو یہ وصف نہیں دیا گیا اور اس آیت کا سیاق و سباق ازواج مطہرات کی مدح کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ آل رسول کی' اس لیے اگر اس وصف کی خصوصیت ہو گی بھی تو وہ ازواج مطہرات کے ساتھ ہو گی نہ کہ آل رسول کے ساتھ۔

(۲) عصمت کا یہ معنی نہیں ہے کہ معصوم سے گناہ کا صدور ممتنع اور محال ہو ورنہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا یا اطاعت کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا کیونکہ مکلف اس کام کا کیا جاتا ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو' جیسے پتھروں اور درختوں کو عبادت کرنے اور گناہوں کو ترک کرنے کا مکلف نہیں کیا گیا' اور جب اہل بیت اس معنی میں معصوم ہیں کہ ان کے لیے نیکی کو ترک کرنا اور برائی کا ارتکاب کرنا ممکن نہیں ہے تو ان کا عبادت کرنا اور گناہوں سے باز رہنا

تعریف اور تحسین کا موجب بھی نہیں ہوگا جیسے دیواروں کی اس بات پر تعریف نہیں کی جاتی کہ وہ شراب نہیں پیتیں اور زنا نہیں کرتیں۔

(۳) اگر اہل بیت معصوم ہیں اور ان کا گناہ کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اس آیت کا نازل کرنا عبث اور بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب وہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتے تو پھر اس کہنے کا کیا فائدہ ہے کہ اللہ اہل بیت کو گناہوں سے مجتنب کرنے اور پاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کا ہونا لازم اور ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا اگر اس کا ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے تو پھر اہل بیت کا گناہوں سے پاک ہونا بھی لازم اور ضروری نہیں ہوگا اور اس سے اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوگا' اور اگر اس کا پورا ہونا لازم اور ضروری ہو تو پھر لازم آئے گا کہ تمام مسلمانوں کو معصوم مانا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضوء غسل اور تیمم کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ۔ اللہ تم کو کسی قسم کی تنگی مین ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ تم کو پاک کرنے کا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔

(المائدہ:٦)

بلکہ اس آیت سے اہل بیت کی تطہیر کی بہ نسبت عام مسلمانوں کی عصمت زیادہ مؤکد طریقہ سے ثابت ہوگی کیونکہ اس میں مسلمانوں کو صرف گناہوں سے پاک کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان پر اپنی نعمت کو مکمل کرنے کا بھی ذکر ہے۔ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ آیت تیمم اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۶) یہ غلط ہے کیونکہ آیت تیمم غزوۃ المریسیع ٦ ھ میں نازل ہوئی ہے (الاستذکار ج ۳ص ۱۴۱) اور غزوہ بدر ۲ ھ میں ہوا ہے۔

ازواج مطہرات کا احادیث کو پہنچانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے ان کو یاد کرتی رہو بے شک اللہ ہر باریکی کو جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے O (الاحزاب:۳۴)

اس آیت میں بھی ازواج مطہرات سے خطاب فرمایا ہے کہ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حکمت پر مشتمل جن آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے' اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث سنتی ہو اور آپ کے جن افعال اور احوال اور آپ کے جن خصائل اور شمائل کا مشاہدہ کرتی ہو ان کو خود بھی یاد رکھا کرو اور لوگوں کے سامنے بھی حسب ضرورت اور حسب مواقع بہ طور وعظ اور نصیحت بیان کرتی رہو یعنی پہلے ان آیات اور احادیث سے اپنے اندر کمال پیدا کرو اور پھر ان آیات اور احادیث اور سنن سے دوسروں کی تکمیل کا ذریعہ بنو۔

اللہ کی آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور اس سے وہ نشانیاں دلائل اور معجزات بھی مراد ہو سکتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی ہرگز شرمندہ ہونے نہیں دے گا' کیونکہ آپ رشتہ داروں سے ملاپ رکھتے ہیں' لوگوں کو بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کو مال کما کر دیتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق کی مشکلات میں مدد کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۳۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے' اپنے کپڑے سی لیتے

تھے اور جس طرح تم میں سے کوئی شخص گھر کے کام کرتا ہے' اس طرح آپ گھر کے کام کر لیتے تھے۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲' مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً بدگو تھے نہ تکلفاً' نہ راستے میں بلند آواز سے بات کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰' مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تک اللہ کی حدود کو نہ توڑا جائے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا اور جب اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو توڑا جائے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو غضب میں نہیں دیکھا اور جب بھی آپ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۰)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے متعلق بتایئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! حضرت عائشہ نے فرمایا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی تو تھا۔ الحدیث
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۱)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جامع اور کامل عبارت میں دیکھنا چاہو تو وہ متن قرآن ہے اور اگر متن قرآن کو انسانی پیکر میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہو تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ازواج مطہرات اللہ کی ان آیات کا ذکر کرتی تھیں اور ان آیات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے صدق پر دلالت کرتی تھیں نیز ازواج مطہرات قرآن مجید اور سنت نبویہ پر مشتمل احکام بھی حسب ضرورت لوگوں کے سامنے بیان کرتی تھیں۔

کتب احادیث مقبولہ کا حجت ہونا

اس آیت میں کتاب اور حکمت کی تلاوت کا ذکر ہے' قرآن مجید کی متعدد آیات میں کتاب اور حکمت کی تعلیم کا بیان ہے' البقرہ: ۱۲۹۔۱۵۱' آل عمران ۱۶۴ اور الجمعہ: ۲ میں اس کا ذکر ہے۔

حکمت کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا' اور قرآن مجید کے حقائق' دقائق اور اسرار اور نکات کو واضح کرنا' اور ان معارف اور احکام کو بیان کرنا جن سے نفوس انسانیہ کی تکمیل ہو' نیز حکمت کا اطلاق حکمت نظری اور حکمت عملی پر بھی ہوتا ہے' اسلام کے عقائد اور نظریات حکمت نظری کے جامع ہیں' اور حکمت عملی سے مراد وہ تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ایک گھرانے' ایک شہر یا ایک ملک کے لوگ برے اعمال سے مجتنب ہوں اور اچھے اعمال سے متصف ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث حکمت کے ان تمام معانی کی جامع ہیں' اس وجہ سے مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیات میں حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں۔

اس آیت میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آیات اور حکمت کی باتوں یعنی احادیث کا ذکر کریں' سو اسی وجہ سے ازواج مطہرات لوگوں کے سامنے حسب ضرورت احادیث کو بیان کرتی تھیں' مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

۲۲۳۳ احادیث کی روایت ہے' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ۴۸ احادیث کی روایت ہے' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ۲۸۲' حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی ۴' حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی بھی ۴' حضرت میمونہ بنت الحارث الھلالیہ رضی اللہ عنہا کی ۱۰۳ اور حضرت صفیہ کی ۱۰ احادیث کی روایت ہے۔

مذکور الصدر تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس آیت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان احادیث کو حسب ضرورت لوگوں کے سامنے بیان کیا' جن احادیث کا ذکر ان کے گھروں میں کیا جاتا تھا' ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں کتاب اور حکمت کی تعلیم کا ذکر ہے اور حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی احادیث ہیں اور احادیث کی تعلیم میں احادیث کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

احادیث کے حجت ہونے سے ہماری مراد صرف نفس احادیث کا حجت ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے ہماری مراد معروف کتب احادیث خصوصاً کتب احادیث صحیحہ اور مقبولہ کا حجت ہونا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے' عہد رسالت میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے براہِ راست آپ کے احکام سنتے تھے اور آپ کی اطاعت اور اتباع کرتے تھے' اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کے لیے آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کی سیرت کی اتباع کا کیا ذریعہ ہے' کیونکہ وہ براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں اور نہ آپ کے ارشادات سنتے ہیں اور ان کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ ان احادیث مقبولہ پر عمل کریں جو معروف اور مشہور کتب احادیث میں مذکور ہیں' قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (الجمعۃ: ۳۔۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کے باطن کو صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں' اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ۝ اور ان ہی میں سے دوسروں کو بھی کتاب اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں' جو ابھی تک ان پہلوں سے نہیں ملے' اور وہی بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۝

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عہد رسالت وصحابہ کے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی کتاب اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا باطن صاف کرتے ہیں' سو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کتاب کی تعلیم تو واضح ہے' کیونکہ قرآن مجید تو قیامت تک مسلمانوں میں باقی اور موجود ہے' پس اگر آپ کی سنت اور آپ کی احادیث کو بھی قیامت تک موجود اور باقی نہ مانا جائے تو یہ آیت صادق نہیں ہوگی' اور بعد کے لوگوں کے لیے سنت پر عمل کرنے اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا اور بعد کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوگی' اور بعد کے لوگوں کے لیے آپ کے ارشادات آپ کی سنت اور آپ کی احادیث صرف ان معروف کتب احادیث کی صورت میں موجود ہیں اس لیے اگر ان معروف کتب احادیث کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت اور موجب عمل نہ مانا جائے تو بعد کے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوگی اور ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اسوہ اور نمونہ نہیں ہوگا اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوگا!

ان کتب احادیث میں بہ شمول مکررات صحیح بخاری میں ۷۵۶۳ احادیث ہیں اور صحیح مسلم میں ۷۴۲۸ احادیث ہیں اور یہ

تمام احادیث صحیح ہیں اور سنن ترمذی میں ۳۹۵۶ ' سنن ابو داؤد میں ۵۲۷۴ ' سنن نسائی میں ۵۷۷۴ اور سنن ابن ماجہ میں ۴۳۴۱ احادیث ہیں [1] ان میں اکثر اور غالب احادیث صحیح ہیں اور بعض احادیث کی اسانید حسن ہیں اور یہ احادیث بھی مقبول ہیں اور بہت کم احادیث کی سند ضعیف ہے' جن کی علماء اصول حدیث نے تعیین کر دی ہے ان کے علاوہ احادیث صحیحہ کا ایک اور مجموعہ صحیح ابن حبان ہے اس میں ۷۴۹۱ احادیث ہیں' مسند احمد (مطبوعہ عالم الکتب) میں ۲۸۱۹۹ احادیث ہیں اور دار الحدیث قاہرہ کے نسخہ میں ۲۷۷۱۶ احادیث ہیں' اور اسی نسخہ میں احادیث کی اسانید کی تحقیق کر دی گئی ہے اور اس کے حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے کہ کس حدیث کی سند صحیح ہے اور کس حدیث کی سند حسن ہے اور کس حدیث کی سند ضعیف ہے اور کس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور کس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے اور کس حدیث پر عمل کرنے میں فضیلت ہے اور کس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ موسسۃ الرسالۃ بیروت نے ۵۰ جلدوں پر مشتمل مسند احمد طبع کی ہے' اس میں کل احادیث کی تعداد ۲۷۶۴۷ ہے۔ احادیث کی بہت تحقیق اور تخریج کی ہے۔

حلال اور حرام اور احکام شرعیہ سے متعلق کل احادیث کی تعداد سات ہزار ہے اور یہ احادیث مکررۃ الاسانید ہیں اور ان کی تعداد بلا تکرار نو سو ہے اس کی مزید تفصیل شرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۰۰۔۹۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں

وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ

اور اطاعت شعار مرد اور اطاعت شعار عورتیں' اور صادق مرد اور صادق عورتیں' اور صابر مرد اور صابر عورتیں'

وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَ

اور متواضع مرد اور متواضع عورتیں ' او صدقہ دینے والے مرد اور

الْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ

صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد

فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ

اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں

[1] صحاح ستہ کی احادیث کی یہ تعداد جدید تحقیق کے مطابق ہے کیونکہ اب مصر اور بیروت سے طبع شدہ کتب احادیث میں نمبر لگا دیئے گئے ہیں لہٰذا یہی تعداد صحیح ہے' اس سے پہلے ہم نے تذکرۃ المحدثین میں ان کتابوں کی احادیث کی جو تعداد لکھی تھی وہ قدیم علماء کی گنتی کے مطابق تھی لیکن چونکہ پہلے ان کتابوں میں احادیث پر نمبر نہیں لگائے گئے تھے اس لیے وہ تعداد ظنی اور تخمینی تھی اور یہ تعداد حتمی اور قطعی ہے۔ اب ہم نے تذکرۃ المحدثین میں بھی صحیح تعداد کا اضافہ کر دیا ہے۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے O اور نہ کسی مومن مرد

وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں

الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ

تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی

ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ ؕ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ

گم راہی میں مبتلا ہو گیا O اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے

عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ

اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو

مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا

چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے' پھر

قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی' تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر

حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ

اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق اس میں کوئی حرج نہ رہے کہ جب وہ انہیں طلاق دے کر بے غرض ہو جائیں (تو وہ ان

اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

سے نکاح کر سکیں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہونے والا تھا O اور نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرما دیا

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ ۙ

یہ اللہ کا دستور ہے جو ان امتوں میں بھی رہا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں O

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا

جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے'

اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے ○ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں' اور اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

خوب جاننے والا ہے ○

ع ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت شعار مرد اور اطاعت شعار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں' اور صابر مرد اور صابر عورتیں' اور متواضع مرد اور متواضع عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں' اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور بہ کثرت ذکر کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۳۵)

قرآن مجید میں خواتین کا ذکر

حضرت ام عمارۃ الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں دیکھتی ہوں کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر صرف مردوں کے لیے ہے اور میں عورتوں کے لیے کسی چیز کا حکم نہیں دیکھتی' تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (الاحزاب: ۳۵)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۱' المعجم الکبیر ج ۲۵ رقم الحدیث: ۵۳-۵۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہمارا اس طرح ذکر نہیں ہے' جس طرح مردوں کا ذکر ہے' پھر مجھے اس دن اس بات نے خوف زدہ کر دیا کہ میں نے منبر پر آپ کی ندا سنی' میں اس وقت اپنے بال سنوار رہی تھی' میں نے اپنے بالوں کو لپیٹا پھر میں اپنے گھر کے حجروں میں سے ایک حجرہ میں گئی میں نے اپنے کان لگائے تو اس وقت آپ اپنے منبر پر یہ فرما رہے تھے' اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں (الاحزاب: ۳۵)

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۵' رقم الحدیث: ۲۶۶۵۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۰۵)

اسلام' ایمان' قنوت اور خشوع وغیرہ کے معانی

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں: وہ مرد اور عورتیں جو کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت

شعار ہوں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔

مومن مرد اور مومن عورتیں: وہ لوگ جو اللہ کے واحد لاشریک ہونے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں اور آپ اللہ کے پاس سے جو بھی پیغام لے کر آئے اس کو مانیں اور قبول کریں اور نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اور دیگر احکام شرعیہ کی پابندی کریں۔

قانتین اور قانتات: جو تمام عبادات پر دوام اور استمرار کے ساتھ عمل کریں۔

صادقین اور صادقات: جو ہمیشہ سچ بولیں اور اپنے اعمال سے اپنے اقوال کی تصدیق کریں۔

صابرین اور صابرات: جو مصائب پر بے قراری اور شکایت نہ کریں' عبادت کی مشقت پر ثابت قدم رہیں اور جب نفس اور شیطان ان کو گناہ پر اکسائے تو اس کے کہنے میں نہ آئیں اور خود پر ضبط کریں۔

الخاشعین و الخاشعات: جو اپنے دلوں اور اپنے اعضاء سے متواضع اور منکسر رہیں' تکبر نہ کریں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں دائیں اور بائیں التفات نہ کریں۔

المتصدقین و المتصدقات: جو فرض اور نفل صدقات ادا کریں

والحافظین فروجھم و الحافظات: بیویاں اپنے شوہروں کے ماسوا اور شوہر اپنی بیویوں کے ماسوا بے پردہ نہ ہوں۔

بہ کثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں: مجاہد نے کہا اس وقت تک کسی کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں میں شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا نہ ہو۔

بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں' مجھے ایسی چیز بتایئے جس کے ساتھ میں چمٹ جاؤں' آپ نے فرمایا تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کس بندہ کا درجہ سب سے افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرنے والی عورتوں کا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین سے جہاد کرے حتیٰ کہ وہ زخمی ہو کر خونم خون ہو جائے' تب بھی اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۶' مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۴۰۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۴۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے ان اعمال کی خبر نہ دوں جو تمہارے رب کے نزدیک سب سے اچھے اور سب سے پاکیزہ ہوں اور جو تمہارے درجات سب سے زیادہ بلند کرنے والے ہوں اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات کرنے سے زیادہ اچھے ہوں' اور اس سے زیادہ بہتر ہوں کہ تمہارا تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو' وہ تمہاری گردنیں ماردیں اور تم ان کی گردنیں مار دو' صحابہ نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے' حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵' المستدرک ج ۱ ص ۴۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں اختیار ہو اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا O (الاحزاب: ۳۶)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا غیر کفو میں نکاح ہونا

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا' اور فرمایا میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارا زید بن حارثہ سے نکاح کر دوں' کیونکہ میں نے ان کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے' حضرت زینب بنت جحش نے اس کا انکار کیا اور کہا یا رسول اللہ! لیکن میں اپنے لیے زید کو ناپسند کرتی ہوں' میں اپنی قوم کی بے نکاح عورت ہوں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں سو میں اس نکاح کے لیے تیار نہیں ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا میں خاندانی شرافت کے لحاظ سے زید سے افضل ہوں' اور ان کے بھائی عبد اللہ نے بھی ان کی موافقت کی پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دونوں اس نکاح پر راضی ہو گئے اور تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا حضرت زید سے نکاح کر دیا' اور ان کے مہر میں دس دینار' ساٹھ درہم' ایک دوپٹہ' ایک قمیص' ایک چادر' ایک لحاف' ۲۵ کلوگرام طعام اور ایک سو بیس کلوگرام کھجوریں مقرر فرمائیں۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۷۔ ۱۶' الکشف والبیان جز ۸ ص ۴۷۔ ۴۶' روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۴' احکام القرآن ج ۳ ص ۵۷۴)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ ھ اور علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی التوفی ۶۶۸ ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت زینب بن جحش نسباً قریش تھیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے وہ بنو اسد سے تھیں۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۵۷۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۶۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ ھ نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ سب سے پہلی خاتون تھیں جنہوں نے خواتین میں سے ہجرت کی تھی' انہوں نے خود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا' اس پر وہ اور ان کے بھائی ناراض ہوئے اور کہا ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا تھا اور آپ نے اپنے غلام سے نکاح کر دیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۶۸۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد مسلمانوں کے اختیار کی نفی فرمائی ہے اس سے علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امر کا تقاضا وجوب ہے۔

نکاح غیر کفو میں مذاہب ائمہ

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی الاندلسی التوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں تصریح ہے کہ کفو میں حسب ونسب (خاندان) کا اعتبار نہیں کیا جاتا' کفو میں صرف دین کا اعتبار کیا جاتا ہے' اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی کا اختلاف ہے' کیونکہ آزاد شدہ غلاموں کا غیر خاندان میں نکاح ہوا ہے' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا یہ بنو اسد سے تھیں' حضرت مقداد بن اسود کا نکاح' حضرت ضباعہ

بنت الزبیر سے ہوا یہ ہاشمیہ تھیں' اور حضرت سالم مولی ابوحذیفہ کا نکاح ھند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ہوا یہ قرشیہ تھیں۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۷۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۰۔۱۶۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب لڑکی یا اس کا ولی یا سلطان یا قاضی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۵۔۱۴۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ) امام شافعی کے نزدیک غیر کفو میں نکاح حرام نہیں ہے جب لڑکی اور اس کا ولی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۵' دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۳ھ)

امام احمد کے مسئلہ کفو میں دو قول ہیں' ایک قول کے مطابق کفو کا نکاح میں ہونا شرط ہے اور دوسرے قول کے مطابق نکاح میں کفو کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۲۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی نے اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اس کے ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے اور ان کو حق ہے کہ وہ عدالت سے اس نکاح کو فسخ کرا لیں' لیکن اگر ان کو اس نکاح پر اعتراض نہ ہو تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۲۶' دارالمعرفہ' قاضی خاں علی ھامش الھندیہ ج ۱ ص ۳۵۱' فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۶' سکھر)

نیز علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن الکرخی اور امام ابوبکر جصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے اور جو مشائخ عراق ان کے تابع ہیں ان سب نے کہا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا ایسا قول نہ ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۱۵۰' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نکاح غیر کفو کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (الجامع الصحیح رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۷' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴' مراسیل ابوداؤد ص ۱۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۵' مصابیح السنۃ رقم الحدیث: ۲۲۹۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے:

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۳۲۵' ج ۶ ص ۱۵۳۔۱۵۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی درآں حالیکہ وہ غائب تھے۔ ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کے پاس کچھ جَو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں وکیل نے کہا بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے' حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں' پھر فرمایا ان کے ہاں تو میرے

اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے' تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو' میں نے ان کو ناپسند کیا آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو' میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۶۹' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ بنت قیس قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے ان کے کفو نہ تھے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح کر کے یہ واضح کر دیا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے اور بسا اوقات اس میں بڑی خیر ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کے بیٹے ابوحذیفہ جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' حضرت ابوحذیفہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا' سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے' حضرت ابوحذیفہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۸۰' مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۵' سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے ایک آزاد قرشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے' اس کے مال کی وجہ سے' اس کے خاندانی محاسن کی وجہ سے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کی دین داری کی وجہ سے' سو تم اس کی دین داری میں کوشش کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱۷۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۷۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۳۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۲۴۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۹' سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۵۰۶' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۰۸۲' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۸۳' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۵۷۰)

ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لیے نسب میں کفو اور مماثلت کی شرط لگانا از روئے اسلام صحیح نہیں ہے۔

غیر ہاشمی اور غیر سیدہ کا ہاشمیہ یا فاطمی سیدہ سے نکاح

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کر دیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ کوئٹہ)

افضل اور انسب یہی ہے کہ کفو میں یعنی ایک جیسے خاندانوں میں نکاح کیا جائے تاکہ شوہر اور اس کی زوجہ کے درمیان ذہنی یگانگت رہے اور خاندان کی ناہمواری کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہ ہوں تاہم اگر کسی وقت کسی وجہ سے ماں باپ کسی مصلحت کی بناء پر غیر کفو میں رشتہ کر دیں مثلاً سیدہ کا غیر سید سے نکاح کر دیں تو یہ نکاح جائز ہے۔

بعض سادات کرام نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی ان آیات کے عموم کے لیے مخصص ہیں اور سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام ہے۔ سادات کرام کا احترام اور اکرام مسلم ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہیں اور خبر واحد قرآن مجید کے عموم کے لیے ناسخ نہیں ہو سکتی' بعض سادات کرام نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز اونچی کرنا جائز نہیں ہے تو آپ کے نسب کے اوپر نسب کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نسب بیوی کے نسب سے اونچا ہو جائے ورنہ کسی سید کا نکاح بھی سیدہ سے جائز نہیں ہوگا۔ نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کا نکاح تو یقیناً غیر فاطمی شخص سے ہوا ہے کیونکہ ہماری شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بیان میں گزر چکا ہے' اس بحث میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ہم یہ دعوت نہیں دیتے کہ غیر فاطمی سید فاطمی سیدہ سے نکاح کریں نہ یہ ہمارا منصب اور حق ہے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر کہیں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو اس کو حرام کہنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے' اگر ہمارے کسی استدلال سے سادات کرام کی دل آزاری ہوئی ہے تو ہم ان سے معافی چاہتے ہیں اور سادات کرام کی محبت کو جز ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر اس نکاح کو حرام کہا جائے تو جس سیدہ خاتون نے اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی سے غیر سید سے نکاح کیا اس فاطمی سیدہ خاتون کو مرتکب حرام' زانیہ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا کہنا لازم آئے گا' اور مانعین ایسا کہتے بھی ہیں لیکن ہم شہزادئ رسول اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی کے متعلق ایسا فتویٰ لگانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو خطرۂ ایمان گردانتے ہیں' سو جو لوگ اس نکاح کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں وہ نادانستگی میں شہزادئ رسول کو زانیہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کسی بھی نکاح رجسٹرار کے ریکارڈ شدہ رجسٹر کو دیکھ لیں ملک کے طول و عرض میں غیر فاطمی سید کے فاطمی سیدہ سے نکاح کے بہت مندرجات مل جائیں گے' آخر جس فاطمی سیدہ خاتون نے غیر سید سے نکاح کیا ہے وہ بھی تو بنت رسول ہے اس کو زنا کی گالی دینا کسی مسلمان کے لیے کس طرح زیبا ہے کیا اس کا احترام اور اکرام واجب نہیں ہے۔ کیا اس کو گالی دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں پہنچے گی؟ خدارا سوچیے کہ ہم اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادیوں کی عزتوں کا تحفظ کر رہے ہیں یا العیاذ باللہ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ مانعین اس نکاح کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو جس سیدہ خاتون یا اس کے سادات والدین نے جائز سمجھ کر نکاح کر دیا تو آپ کے نزدیک وہ العیاذ باللہ کافر ہو گئے اور کافر کا ٹھکانہ دوزخ ہے آخر آپ خون رسول کو دوزخ میں کیوں پہنچانے کے درپے ہیں۔

غیر کفو میں نکاح کے جواز کے متعلق ہم نے یہاں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ گفتگو کی ہے اور شرح صحیح مسلم میں اس پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم نے کلام کیا ہے' اس بحث کے لیے دیکھیں شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۸۷-۹۶۴' ضمیمہ شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۸۴-۱۱۵۹' شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۱۰۵-۱۰۲۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے' جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے' پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا' تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق اس میں کوئی حرج نہ رہے کہ جب وہ انہیں طلاق دے کر بے

غرض ہو جائیں (تو وہ ان سے نکاح کر سکیں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہونے والا تھا○ (الاحزاب: ۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام دینا' غنی فرمانا اور تقسیم فرمانا

جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے: اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں' جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کیا کہ اسلام لانے کی توفیق دی' اور آپ کے دل میں ڈالا کہ آپ ان کی اچھی تربیت کریں اور ان کو آزاد کر دیں اور ان کو اپنا قرب عطا کریں اور ان کو اپنا بیٹا بنالیں۔

اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے اس سے مراد آپ کا حضرت زید بن حارثہ کو آزاد کرنا ہے' اور ان پر اس قدر شفقت فرمائی اور اس قدر حسن سلوک کیا کہ جب ان کے والد اور چچا ان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے تو انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے پر آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی منعم فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منعم فرمایا ہے' اس طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ . (التوبہ: ۷۴)

اور ان (منافقوں) کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو غنی کرنے والا قرار دیا ہے۔

اور حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانما انا قاسم واللہ یعطی .

اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں' اور اللہ عطا فرمانے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۹۶۲' عالم الکتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے انعام فرماتے ہیں اور غنی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہر چیز عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو تقسیم فرماتے ہیں' اس کائنات میں جس شخص کو جو نعمت بھی ملی ہے وہ آپ کے واسطہ سے اور آپ کی تقسیم سے ملی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کی تفصیلات

حضرت زید بن حارثہ کی بیوی' حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مزاج کی تیز تھیں اور حضرت زید کے مقابلہ میں اپنے نسب اور اپنے خاندان کو برتر خیال کرتی تھیں اور حضرت زید' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ان کی شکایت کرتے تھے کہ ان کی زبان بہت سخت ہے اس لیے میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو' اور اللہ سے ڈرو اور ان کی زبان کی تیزی اور تندی کی وجہ سے ان کو طلاق مت دو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرما دیا تھا کہ بالآخر حضرت زید' حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور ان کی عدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے گا' اور آپ کو یہ خوف اور خدشہ تھا کہ پھر کفار اور منافقین آپ پر یہ اعتراض کریں گے کہ پہلے آپ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنایا پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا' حالانکہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' ان اعتراضات کے خدشہ کی وجہ سے آپ حضرت زید سے فرماتے تھے کہ تم زینب کو طلاق مت دو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا' اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا' اور اللہ آپ کے خوف کا زیادہ مستحق ہے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے فرمایا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے کسی آیت کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۰۸، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۱۱۱)

اس کے بعد فرمایا: جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی۔

اور طلاق دینے کے بعد زید کے دل میں ان کی طرف سے کوئی میلان اور رغبت نہ رہی اور نہ ان کے فراق سے ان کے دل میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا: تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم زینب کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو، حضرت زید ان کے پاس گئے اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ان کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی بہت عظمت اور ہیبت طاری ہوگئی اور میں ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہیں لا رہا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا، میں ان کی طرف پیٹھ کر کے اپنی ایڑیوں کے اوپر کھڑا ہوگیا، میں نے کہا اے زینب! تمہیں خوش خبری مبارک ہو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے، حضرت زینب نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کروں گی، پھر وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ چلی گئیں اور اسی وقت قرآن نازل ہوگیا (یعنی یہ آیت: زوجنکھا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجازت کے ان کے پاس داخل ہوگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ میں ہمیں روٹیاں اور گوشت کھلایا۔ الحدیث

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵ طبع قدیم، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۵۹، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۰۴ طبع قدیم، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۸۲ طبع جدید، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، المستدرک ج ۴ ص ۲۳، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں پردہ کے حکم کی آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ولیمہ میں روٹیاں اور گوشت کھلایا، اور حضرت زینب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج کے سامنے فخر کرتی تھیں اور فرماتی تھیں اللہ تعالیٰ نے میرا آسمانوں میں نکاح کیا ہے، اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے وہ دیگر ازواج سے فرماتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۲۰۔ ۷۴۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۹۸، عالم الکتب)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ چیز ہے کہ آپ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپ بغیر مہر کے نکاح کر لیں تاکہ آپ کی ازواج مطہرات خلوص سے آپ کا قصد کریں نہ کہ مہر کے عوض، اور آپ سے تخفیف ہو، اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی آپ کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح سے آپ اپنے نکاح میں گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی مستغنی ہیں، اسی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات سے فخر سے یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ عزوجل نے کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۳۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نکاح کا خود ولی ہوگیا اور اس لیے

فرمایا ہم نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا' امام جعفر بن محمد نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ اس نے آپ کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا' تو آپ بغیر اجازت کے حضرت زینب کے پاس داخل ہو گئے' کسی عقد نکاح کی تجدید کی گئی نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا اور نہ ان شرائط میں سے کوئی چیز تھی جو ہمارے نکاحوں میں ہوتی ہیں' اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی وجہ سے حضرت زینب دیگر ازواج سے بہ طور فخر یہ کہتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح آسمانوں پر اللہ عزوجل نے کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۷۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس آیت کی یہی تقریر کی ہے۔ (روح البیان ج ۷ص ۲۱۵' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۲۲ص ۳۷' ۱۴۱۷ھ)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی مختصر سوانح

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ذوالقعدہ پانچ ہجری میں غزوہ بنو قریظہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا نکاح کے وقت ان کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی' وہ بہت نیکی کرنے والی اور بہ کثرت صدقہ اور خیرات کرنے والی تھیں' ان کا پہلے نام برہ تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا' ان کی کنیت ام الحکم تھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے ان سے زیادہ نیکوکارہ' صادقہ' اللہ سے ڈرنے والی' صلہ رحم کرنے والی' خیرات کرنے والی اور امانت دار خاتون نہیں دیکھی' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے میرے متعلق پوچھا اور ازواج مطہرات میں یہی میری ٹکر کی تھیں' ان کے تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۰۔ ۲۳۴۷)

نیز حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں گے سو ہم ناپتے تھے کہ ہم میں سے کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں' تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی کے ہاتھ سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ بہت صدقہ اور خیرات کرتی تھیں (آپ کی مراد لمبے ہاتھوں سے زیادہ سخاوت کرنا تھی اور ازواج نے اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد جسمانی لمبائی ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

امام واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب ۲۰ھ کو فوت ہوئیں اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ص ۳۰۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور ایک روایت کے مطابق ان کی عمر ترپن سال تھی۔ (الاصابہ ج ۸ص ۱۵۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نبی پر اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرما دیا ہے' یہ اللہ کا دستور ان امتوں میں بھی رہا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں' اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں ○ جو لوگ اللہ کے پیغامات

پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے O
(الاحزاب: ۳۹-۳۸)

حضرت زینب سے نکاح میں مسلمانوں کے لیے نمونہ اور آسانی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت زینب سے نکاح کو مقدر فرما دیا تھا' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نکاح کو کرنا قضا و قدر کے مطابق تھا' اور نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں مشروع فرما چکا ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں ہے کہ جب آپ کے عقد میں پہلے سے ازواج مطہرات موجود تھیں تو پھر آپ نے حضرت زینب سے نکاح کیوں کیا' حضرت داؤد علیہ السلام کے عقد میں سو بیویاں تھیں اور ان کے پاس تین سو کنیزیں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عقد میں تین سو بیویاں تھیں اور سات سو کنیزیں تھیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۷' روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۹' روح البیان ج ۷ ص ۲۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے معاملہ میں انبیاء علیہم السلام پر کوئی تنگی نہیں رکھی اور اس معاملہ میں ان کو وسعت حاصل رہی ہے' اور ایمان کے بعد دنیا کی عبادات میں سے صرف نکاح ہی ایسی عبادت ہے جو جنت میں بھی حاصل ہوگی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں سے صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے' خوشبو' عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۹)

قدراً مقدوراً کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کام قدر مقدور ہیں' اس سے قضاء و قدر کی طرف اشارہ ہے' قدر سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا جو علم ازل میں ہے' اور قضاء سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس علم کو لوح میں لکھ کر محفوظ کر لینا' ہر چیز جو تدریجاً وقوع پذیر ہو رہی ہے وہ مقدور ہے' اور اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی یا ولی کے لیے کسی کام کو مقدر فرما دیتا ہے تو خواہ بہ ظاہر اس میں کوئی حرج یا نقصان ہو لیکن حقیقت میں اس میں کوئی حرج یا نقصان نہیں ہوتا' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقدر کر دیا تھا' بہ ظاہر یہ نکاح بعض منافقوں کے طعن و تشنیع کا سبب بنا کہ آپ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنانے کے بعد ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا' لیکن حقیقت میں اس میں کوئی غلط بات نہ تھی کیونکہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا' اور اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا حقیقی بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کی طرح نہیں ہے' اور اس میں عام مسلمانوں اور مومنوں کے لیے یہ نمونہ اور یہ ہدایت ہے کہ وہ منہ بولے بیٹے کے اوپر حقیقی بیٹے کے احکام جاری نہ کریں اور منہ بولے بیٹے کو نسبی بیٹا نہ قرار دیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے کی حقیقت

اس کے بعد فرمایا: جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتے ہیں یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف ہو اور وہ اس پر عتاب فرمائے یعنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے' اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حجاب سے ڈرتے ہیں' یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مطالعہ اور اس کی تجلیات سے محروم ہوں اور ان کے اور اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کے درمیان حجاب آ جائے اور عام مسلمان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں' خواہ قبر کا عذاب ہو یا حشر کا عذاب ہو یا دوزخ کا عذاب ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے' حالانکہ

وہ بھی اللہ کے غیر سے ڈرتے رہے ہیں' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن گئی اور وہ اس سے خوف زدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا خذها ولا تخف (طٰہٰ: ۲۱) آپ اس اژدھے کو پکڑ لیجئے اور اس سے مت ڈریئے' اور اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ (یوسف: ۱۳) اور مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا لے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی' کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتی ہے اور جن بعض واقعات میں ان کو غیر اللہ سے ڈر ہوا ان کو وہ ڈر بشری تقاضوں سے عارض ہوا' جیسے ان کا سونا' کھانا' پینا اور ازواج کے ساتھ مشغول ہونا بشری تقاضوں سے تھا ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور اس کی معرفت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہتے اور اس کی یاد اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے' خوشبو' عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۹) اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود عورت سے محبت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کو پورا کرنے کے لیے آپ کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے' اس لیے فقہاء احناف نے کہا کہ نفلی عبادات میں مشغول ہونے سے نکاح کرنا افضل ہے' نیز بغیر عوائق اور موانع کے عبادت کرنے سے افضل یہ ہے کہ انسان کو عبادت سے روکنے کے عوارض اور موانع ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جب انسان کے اوپر اہل وعیال کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کے دل میں ان کی محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے اوپر فرائض اور واجبات کو ادا کرنا اور محرمات اور مکروہات سے رکنا بہت کٹھن اور مشکل ہوتا ہے' اس لیے شادی شدہ انسان کا اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا زیادہ لائق تعریف ہے بہ نسبت مجرد انسان کے' اس لیے فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ نفلی عبادات میں مشغول ہونے کی بہ نسبت انسان کا نکاح کرنا افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O (الاحزاب: ۴۰)

اس کی تحقیق کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ وہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں اور آپ کے چار نسبی بیٹے تھے آپ حضرت قاسم' حضرت ابراہیم' حضرت طیب اور حضرت مطہر کے والد تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۷۶۵' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۶۹۸)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو کفار اور منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ آپ کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی آپ پر حرام ہو جائیں لیکن آپ تعظیم اور تکریم کے اعتبار سے امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر کفار اور منافقین کے اعتراضات کو ساقط کر دیا' اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں جو مرد تھے آپ ان میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں' یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کسی کے والد نہیں ہیں کیونکہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور آپ ان کے والد تھے اور آپ کے چار بیٹے تھے اور آپ ان کے والد تھے لیکن وہ سب صغر سنی میں

وفات پا گئے اور ان میں سے کوئی بھی مرد ہونے کی عمر تک نہیں پہنچا' سو آپ مردوں میں سے کسی کے حقیقی والد نہیں ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں اور یہ چاروں آپ کے نسبی بیٹے تھے مخاطبین کے مردوں میں سے نہ تھے' بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۹) لیکن آپ نے ان کو مجازاً اپنے بیٹے فرمایا وہ آپ کے نسبی بیٹے نہ تھے' وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسبی بیٹے اور آپ کے نواسے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں وہ نہ کسی مرد کے حقیقی والد ہیں' نہ رضاعی والد ہیں۔

ہم نے امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار بیٹے تھے لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ کے دو بیٹے تھے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم' حضرت قاسم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور حضرت ابراہیم آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل از اسلام پیدا ہوئی' صرف حضرت ابراہیم واحد ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اسی وجہ سے ان کا لقب طیب اور مطہر ہے۔ (سبل الھدی والرشاد ج ۱۱ ص ۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ آپ کسی مرد کے شرعی والد ہیں نہ رضاعی اور نہ کسی کو آپ نے شرعاً بیٹا بنایا کیونکہ شرعاً بیٹا اس کو بنایا جاتا ہے جو مجہول النسب ہو اور حضرت زید بن حارثہ مجہول النسب نہیں تھے ان کا نسب معروف تھا وہ حارثہ کے بیٹے تھے غرض آپ کسی اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہ تھے' نسبی نہ رضاعی نہ متبنّٰی کے اعتبار سے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۴۵۔۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے پر صاف اور صریح آیت تو یہی الاحزاب: ۴۰ ہے' اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات بھی ہیں جن سے آپ کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا ثابت ہے:

(۲) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند فرمالیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دین کا کامل اور تمام ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ آخری نبی ہیں' کیونکہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا' جب آپ کے دین اور آپ کی شریعت میں کوئی کمی ہوتی جس کمی کو بعد میں آنے والا نبی پورا کرتا' اور جب آپ کا دین کامل اور تمام ہے اور اس کا ناقص ہونا ممکن نہیں ہے تو آپ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی ممکن نہیں ہے۔

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبا: ۲۸)

اور (اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے (جنت کی) بشارت دینے والا اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے آپ رسول ہیں اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ تمام لوگوں کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لیے کوئی اور رسول آئے گا' اور اس سے یہ آیت کاذب ہو جائے گی اور قرآن مجید کا کاذب ہونا محال ہے' اس سے لازم آیا کہ آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا محال ہے۔

(۴) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف: ۱۵۸) آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اس آیت کی بھی حسب سابق تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر آپ سب کے لیے رسول نہیں رہیں گے۔

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. (الانبیاء: ۱۰۷) اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت کی بھی اسی طرح تقریر ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر بعض لوگوں کے لیے وہ رسول رحمت ہو گا اور آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۶) تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ (الفرقان: ۱) وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے عبد کامل پر وہ کتاب نازل کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے تا کہ وہ عبد کامل تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والا ہو جائے۔

اس آیت سے بھی اسی طرح استدلال ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز اور ممکن کہا جائے تو آپ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے نہیں رہیں گے کیونکہ بعض لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا وہ رسول ہو گا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۷) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران: ۸۱) اور یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائے جو ان (چیزوں) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہیں، تو تم سب اس پر ضرور ایمان لانا اور تم سب ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا پس تم سب (ایک دوسرے پر) گواہ ہو جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس نبی کے آنے پر تمام رسولوں سے اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا پختہ عہد لیا گیا ہے وہ تمام رسولوں کے بعد آئے گا، پس اگر آپ کے بعد کسی اور رسول کے آنے کو ممکن مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہی آخری رسول ہو اور اسی کے متعلق تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا ہو بلکہ آپ سے بھی اس پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا ہو اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

(۸) هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الجمعۃ: ۳-۲) وہی ہے جس نے امی لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس کے آنے سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ۝ اس رسول کو دوسروں کے لیے بھی بھیجا ہے جو (ابھی تک) پہلوں سے نہیں ملے اور وہ بے حد غالب بہت حکمت والا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے لوگوں کے بھی رسول ہیں اور اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لیے بھی رسول ہیں' اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے بعد کسی اور رسول کا آنا بھی ممکن ہے تو پھر اس رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے آپ رسول نہیں ہوں گے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

(۹) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا. (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص اس پر ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور تمام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔

عہد رسالت سے تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا محال ہے سو جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہے۔

(۱۰) لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ ۔(الحدید: ۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور جہاد کیا' وہ دوسروں کے برابر نہیں ہیں' ان کا ان لوگوں سے بہت بڑا درجہ ہے جنہوں نے اس کے بعد (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور قتال کیا اور اللہ نے ہر ایک سے نیک عاقبت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے صحابہ' بعد کے صحابہ سے بہت افضل ہیں' اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہوتا تو وہ ان صحابہ سے افضل ہوتا کیونکہ نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے اور ان صحابہ سے اس کا افضل ہونا اس آیت کے خلاف ہے' پس آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے۔

تلک عشرة کاملة ' ان دس آیتوں سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق احادیث صحیحہ' مقبولہ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے' جس نے بہت حسین و جمیل ایک گھر بنایا' مگر اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے یہ کہنے لگے' اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی آپ نے فرمایا میں (قصر نبوت کی) وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۶' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۴۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۴۷' عالم الکتب)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (الیٰ قولہ) عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے' ان میں سے ہر ایک کا زعم ہو گا کہ وہ نبی ہے' اور میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۲' صحیح البخاری ۷۱۲۱ میں ہے عنقریب تیس کذاب نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کا زعم ہو گا کہ وہ رسول اللہ ہے)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے گھر بنا کر مکمل کیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو رکھ کر اس گھر کو مکمل کر دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۰۹' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنا دیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۴۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۴۰۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۱' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۴۳۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۳۴_۲۰۳۵_۲۰۲۶_۳۰۲۶' المستدرک ج ۳ ص ۱۰۹ قدیم' رقم الحدیث: ۴۵۷۵ جدید' سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۲۷' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۷۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۶۰)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا ملکی انتظام ان کے انبیاء کرتے تھے' جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا نبی ہو جاتا' اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اور میرے بعد بہ کثرت خلفاء ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۹۴۷' عالم الکتب بیروت)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے' پس میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول ہوگا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۳۹۴۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۹۱)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے (یعنی آخر مساجد الانبیاء ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۳۹۴' الرقم المسلسل: ۳۳۶۷)

(۱۰) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پیدائش میں سب سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶_۳۲۱۲۶)

(۱۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷' المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۲۵۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۵)

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں لوگ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہیں گے یا محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں' اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت کر دی ہے' آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۷)

(۱۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے گویا ہمیں رخصت فرما رہے ہوں پھر تین بار فرمایا میں محمد نبی امی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۲' احمد شاکر نے کہا اس کی سند حسن ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۰۶' دار الحدیث قاہرہ)

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعلمین بنایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنایا' مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے نفع کے لیے بنائی گئی ہے' اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو اول اور آخر بنایا' اور اس نے میرا سینہ کھول دیا میرا بوجھ اتار دیا اور میرے لیے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور (نبیوں کو) ختم کرنے والا بنایا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۱۶) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ جب آپ بیت المقدس پہنچے' آپ نے اپنی سواری کو ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ دیا پھر آپ نے مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی' نماز کے بعد نبیوں نے حضرت جبریل سے پوچھا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔

(المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۳۶۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۱۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۲' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۶۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۵۰)

(۱۸) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتنہ دجال کے متعلق ایک طویل حدیث میں) فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷)

(۱۹) حضرت ابو قتیلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے سو تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ نمازیں پڑھو' اپنے مہینہ کے روزے رکھو' اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۷۹۷' ج ۸ رقم الحدیث: ۷۵۳۵-۷۶۱۷)

(۲۰) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! پہلے رسول آدم ہیں اور آخری رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۶۹)

(۲۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر

بن الخطاب نبی ہوتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۶' مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۴' المستدرک ج ۳ ص ۸۵' المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۸۵۷)

(۲۲) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے کئی اسماء ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا' اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (آخر میں مبعوث ہونے والا) ہوں' جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۹۰)

(۲۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں احمد ہوں' اور محمد ہوں' اور حاشر ہوں اور مقفی (سب نبیوں کے بعد مبعوث ہونے والا) ہوں اور خاتم ہوں۔

(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۵۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۶۳)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح مبعوث کیا گیا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرماتے تھے کیا تم میں سے کسی ایک نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر فرماتے میرے بعد نبوت میں سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۷)

(۲۶) وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دراز قد تھے اور ان کے بال گھونگریالے تھے' گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ سے تھے اور ان کے داہنے ہاتھ میں مہر نبوت تھی' مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میرے شانوں کے درمیان وہ مہر نبوت ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں پر ہوتی تھی' کیونکہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۷۷ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۰۵ جدید' المکتبۃ العصریۃ ۱۴۲۰ھ)

(۲۷) اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا وہ کم سنی میں فوت ہو گئے اور اگر ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنا مقدر ہوتا تو وہ نبی ہوتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۱۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۹۴)

(۲۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے تو سچے نبی ہوتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳' تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۷' رقم الحدیث: ۵۷۹' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۷۴۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۰۴)

(۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت میں سے صرف مبشرات بچے ہیں' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھے خواب۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۰)

(۳۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستائیس دجال اور کذاب ہوں گے' ان میں سے چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۶ حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۲۵۱ دارالحدیث قاہرہ)

(۳۱) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ اور چچا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آئے اور آپ سے کہا آپ جو چاہے اس کی قیمت لے لیں اور اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں! آپ نے ان سے فرمایا میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم لا الہ الا اللہ کی شہادت دو اور اس کی کہ میں خاتم الانبیاء والرسل ہوں میں اس کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا' انہوں نے اس پر عذر پیش کیا اور دیناروں کی پیش کش کی' آپ نے فرمایا اچھا زید سے پوچھو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اس کو تمہارے ساتھ بلا معاوضہ بھیج دیتا ہوں' حضرت زید نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے باپ کو ترجیح دوں گا اور نہ اپنی اولاد کو' یہ سن کر حضرت زید کے والد حارثہ مسلمان ہو گئے اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ' اور ان کے باقی رشتہ داروں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۱۴ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۹۴۶ طبع جدید)

(۳۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ہزار یا اس سے زائد انبیاء کا خاتم ہوں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۷ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ طبع جدید)

ایک ہزار سے زائد انبیاء سے مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں جیسا کہ المستدرک رقم الحدیث: ۴۱۶۸ میں اس کی تصریح ہے۔

(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے درد ہو گیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز پڑھنے لگے اور مجھ پر اپنی چادر کا پلو ڈال دیا' پھر فرمایا اے ابو طالب کے بیٹے! تم ٹھیک ہو گئے اور اب تم کو کوئی تکلیف نہیں ہے' میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کیا ہے' تمہارے لیے بھی اس چیز کا سوال کیا ہے' اور میں نے اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کیا' اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرما دی سوا اس کے کہ مجھ سے کہا گیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۹۱۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۱۰)

(۳۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو مکمل کریں گے ہم ان میں سب سے آخری اور سب سے بہتر امت ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۸۷' مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۷' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۷۶۲)

(۳۵) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی' آپ نے ان سے فرمایا: آپ اسی جگہ ٹھہریں جہاں آپ ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اس طرح ہجرت کو ختم کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۸۲۸' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۶۹' اس کی سند میں اسماعیل بن قیس متروک ہے)

(۳۶) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ (الاحزاب: ۷) تو آپ فرماتے مجھ سے خیر کی ابتداء کی گئی ہے اور میں بعثت میں سب نبیوں میں آخر ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

(۳۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے آسمانوں کی معراج

کرائی گئی تو میرے رب عزوجل نے مجھے اپنے قریب کیا حتیٰ کہ میرے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے سروں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک' بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک' اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے حبیب! اے محمد! کیا آپ کو اس کا غم ہے کہ آپ کو سب نبیوں کا آخر بنایا ہے' میں نے کہا اے میرے رب! نہیں! فرمایا: آپ اپنی امت کو میرا سلام پہنچا دیں اور ان کو خبر دیں کہ میں نے ان کو آخری امت بنایا ہے تاکہ میں دوسری امتوں کو ان کے سامنے شرمندہ کروں اور ان کو کسی امت کے سامنے شرمندہ نہ کروں۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۵۳۲۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۱۱' تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۳۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۲۹۶' ۲۹۵' رقم الحدیث: ۸۱۱' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۳۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام کو ھند میں اتارا گیا تو وہ گھبرائے پس جبریل نے نازل ہو کر اذان دی' **اللہ اکبر** ' **اللہ اکبر** ' **اشھد ان لا الہ الا اللہ** دو دفعہ' **اشھد ان محمدا رسول اللہ** دو دفعہ' حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا محمد کون ہیں' حضرت جبریل نے کہا وہ آپ کی اولاد میں سے آخر الانبیاء ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۷ ص ۳۰۹' رقم الحدیث: ۱۹۷۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۳۹) حافظ سیوطی نے مسند ابو یعلی اور امام ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے حضرت تمیم داری کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے: فرشتے قبر میں مردہ سے سوال کریں گے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے اور اسلام میرا دین ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے نبی ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں' فرشتے کہیں گے تم نے سچ کہا۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۳۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۴۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو اچھی طرح پڑھو' تم کو علم نہیں ہے شاید یہ درود آپ پر پیش کیا جائے گا' لوگوں نے کہا اے ابو عبد الرحمان آپ ہمیں تعلیم دیجئے' انہوں نے کہا تم اس طرح درود پڑھو: **اللھم اجعل صلواتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ۔**
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۶' مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۵۲۶۷' المستدرک ج ۲ ص ۲۶۹)

(۴۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شفاعت کبریٰ کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں شفاعت کا اہل نہیں ہوں' میری اللہ کے سوا پرستش کی گئی ہے' آج مجھے صرف اپنی فکر ہے' یہ بتاؤ کہ اگر کسی سیل بند برتن میں کوئی چیز ہو تو کیا کوئی شخص سیل توڑے بغیر اس کو کھول سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں' حضرت عیسیٰ نے فرمایا پس (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور وہ یہاں موجود ہیں اللہ نے ان کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں۔
(مسند ابو یعلی رقم الحدیث: ۲۳۲۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱' مسند الطیالسی رقم الحدیث: ۲۷۹۸)

(۴۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے پوچھا میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا آپ رسول رب العلمین اور خاتم النبیین ہیں (حافظ عسقلانی' علامہ آلوسی اور مفتی محمد شفیع دیو بندی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے)۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۶)

(۴۳) ایاس بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر تمام لوگوں سے افضل ہیں مگر وہ نبی نہیں ہیں۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۴۸۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۴۴) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب کے پاس میرے دس نام ہیں' حضرت ابوالطفیل نے کہا مجھے ان میں سے آٹھ یاد ہیں' محمد' احمد' ابوالقاسم' الفاتح (نبوت کا افتتاح کرنے والا) الخاتم (نبوت کو ختم کرنے والا) العاقب (جس کے بعد کوئی نبی نہ آئے) الحاشر' الماحی (شرک کو مٹانے والا)۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج اص ۶۱' رقم الحدیث: ۲۰)

(۴۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی تو انہوں نے اس میں اس امت کا ذکر پڑھا پس انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں نے تورات کی الواح میں پڑھا ہے کہ ایک امت تمام امتوں کے آخر میں ہوگی اور قیامت کے دن سب پر مقدم ہوگی اس کو میری امت بنا دے فرمایا وہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوت لابی نعیم ج اص ۶۸ رقم الحدیث: ۳۱)

(۴۶) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر دیکھا ایک یہودی کے پاس آگ کا شعلہ تھا' لوگ اس کے گرد جمع تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا یہ احمد کا ستارہ ہے جو طلوع ہو چکا ہے یہ صرف نبوت کے موقع پر طلوع ہوتا ہے اور انبیاء میں سے اب صرف احمد کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

(دلائل النبوت لابی نعیم ج اص ۷۶۔۷۵' رقم الحدیث: ۳۵)

(۴۷) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ جب فوت ہو گئے تو ان پر جو کپڑا تھا اس کے نیچے سے آواز آ رہی تھی' لوگوں نے ان کے سینہ اور چہرہ سے کپڑا ہٹایا تو ان کے منہ سے آواز آ رہی تھی: محمد رسول اللہ النبی الامی خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ ص ۲۸۸' موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۴۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں مذکور ہے کہ مسجد اقصیٰ میں نبیوں نے حضرت جبریل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

هذا محمد رسول الله خاتم النبيين. یہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔

(مسند البزار ج اص ۴۰' رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج اص ۶۹)

اسی روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کے خطبات کے بعد حسب ذیل خطبہ پڑھا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعلمين و كافة للناس بشيرا و نذيرا و انزل علی الفرقان فيه تبيان كل شیء وجعل امتی خير امة اخرجت للناس وجعل امتی وسطا وجعل امتی هم الاولون والاخرون وشرح لی صدری وجعلنی فاتحا و خاتما.

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور مجھ پر قرآن نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں میں بہتر اور کامل بنایا جس کو لوگوں کے سامنے بھیجا گیا اور میری امت کو (قیامت میں) اول اور (دنیا میں) آخر بنایا اور میرے سینہ کو کھول دیا اور مجھے نبوت کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

(مسند البزار ج اص ۴۱' رقم الحدیث: ۵۵' مجمع الزوائد ج اص ۶۹)

اور اس حدیث کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

قد اتخذتک خليلا و هو مكتوب میں نے آپ کو خلیل بنایا' اور تورات میں لکھا ہوا ہے محمد

فی التوراة محمد حبیب الرحمان وارسلتک الی الناس کافة وجعلت امتک هم الاولون وهم الاخرون وجعلت امتک لا تجوزلهم خطبة حتی یشهدوا انک عبدی و رسولی وجعلتک اول النبیین خلقا واخرهم بعثا (الی قوله) وجعلتک فاتحا وخاتما.

رحمان کے حبیب ہیں اور میں نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنایا اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا اور جب تک آپ کی امت یہ گواہی نہ دے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں ان کا خطبہ جائز نہیں ہوگا' اور میں نے آپ کو پیدائش میں تمام نبیوں سے پہلے بنایا اور دنیا میں سب سے آخر میں بھیجا اور آپ کو نبوت کی ابتداء کرنے والا اور نبوت کو ختم کرنے والا بنایا۔

(مسند البزار ج ۳ ص ۱۴۳ رقم الحدیث: ۵۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۱)

(۴۹) حضرت ابن زمل رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: رہی وہ اونٹنی جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ میں اس اونٹنی کو چلا رہا ہوں تو اس سے مراد قیامت ہے' نہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہوگی۔

(دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۳۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۱۴۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۰۱۸)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ ھ نے الواقعہ: ۱۳ کی تفسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

(۵۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح درود شریف پڑھو:

لبیک اللھم ربی وسعدیک صلوات اللہ البر الرحیم' والملائکة المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شیء یا رب العلمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العلمین الشاهد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیه السلام.

(الشفاء ج ۲ ص ۴۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ نسیم الریاض ج ۵ ص ۵۴۔۵۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ ھ)

احادیث ختم نبوت کی صحیح تعداد

ہم نے پچاس احادیث صحیحہ اور مقبولہ مکمل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کی ہیں جن میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی صاف تصریح ہے' ہم نے اس سلسلہ میں مکرر احادیث کا ذکر نہیں کیا اور نہ ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کی ختم نبوت پر التزامی' تضمنی یا دور از کار یا بعید دلالت ہو[1] اور محض تعداد بڑھانے اور بھرتی کے لیے احادیث کو جمع نہیں کیا اس کے برخلاف بعض علماء نے ختم نبوت پر دو سو سے زائد احادیث جمع کی ہیں' لیکن ان میں اکثر احادیث مکررہ ہیں اور ایک حدیث کی عبارت جتنی کتابوں میں مذکور ہے اس حدیث کا اتنی بار شمار کر لیا گیا ہے' مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی کتاب ختم نبوت (ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۹ ھ) میں دو سو دس احادیث ذکر کی ہیں لیکن اس کتاب میں مکررات کو الگ الگ حدیث شمار کیا گیا ہے' مثلاً ایک حدیث کی عبارت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم اس پر راضی

[1] کثرت احادیث میں حضرت ابو بکر کو امت میں سب سے افضل قرار دیا ہے اور تمام صحابہ کو بعد کے لوگوں سے افضل فرمایا ہے' بایں ہمہ ان کو نبی نہیں بنایا گیا تو اس کے بعد کے لوگ جو ان سے بہت کم درجہ کے ہیں وہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں سو یہ احادیث بھی ختم نبوت کی دلیل ہیں اور ایسی بہت احادیث ہیں لیکن ان کی ختم نبوت پر التزاماً دلالت ہے صراحۃً دلالت نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے ان کا اس جگہ ذکر نہیں کیا۔

نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا مفتی صاحب نے اس حدیث کو بارہ مرتبہ ان نمبروں سے ذکر کیا ہے: حدیث نمبر: ۷' حدیث نمبر: ۲۴' حدیث نمبر: ۳۸' حدیث نمبر: ۵۱' حدیث نمبر: ۵۲' حدیث نمبر: ۲۷' حدیث نمبر: ۳۷' حدیث نمبر: ۴۷' حدیث نمبر: ۵۷' حدیث نمبر: ۶۷' حدیث نمبر: ۸۲' حدیث نمبر: ۱۳۰۔ اس کے برخلاف ہم نے اس حدیث کو صرف ایک بار متعدد کتب حدیث کے حوالے سے حدیث نمبر: ۵ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اور کئی احادیث مکررہ ہیں جن کے الگ الگ نمبر ڈالے گئے جن میں حضرت ابن زمل کے خواب والی حدیث ہے' تیس دجالوں والی حدیث ہے' عاقب والی حدیث ہے اور کئی احادیث ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کی تصدیق کرنے...... والوں کو فقہاء اسلام کا کافر اور مرتد قرار دینا

ہم نے یہ لکھا ہے کہ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لانبی بعدی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں' غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے اور جو شخص اس حدیث میں تاویل یا تخصیص کرے وہ اجماع کا منکر ہے۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد (مترجم) ص ۱۶۳ ملخصاً' مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کی نبوت کا دعویٰ کرے (الی قولہ) اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے خواہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے' پس یہ سب لوگ کافر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا اور آپ نے اللہ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کا ظاہر مفہوم مراد ہے اور اس کلام میں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے' اور ان لوگوں کا کفر قطعی اجماعی اور سماعی ہے۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۳۸۔ ۲۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ اور ملا علی سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی الشفاء کی اس عبارت کو مقرر رکھا ہے۔

(نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۵۶۔ ۳۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ' شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۱۶۔ ۵۱۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نیز قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

عبد الملک بن مروان الحارث نے نبوت کے دعویٰ دار ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور متعدد خلفاء اور بادشاہوں نے اسی طرح مدعیان نبوت کو قتل کیا اور اس زمانہ کے علماء نے ان کے اس اقدام کو صحیح قرار دیا۔

(الشفاء ج ۲ ص ۲۴۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ خفاجی حنفی نے اس کی شرح میں کہا کیونکہ مدعیان نبوت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تکذیب کی کہ آپ خاتم الرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا۔ (نسیم الریاض ج ۶ ص ۳۹۴ بیروت)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا کہ ان مدعیان نبوت کو ان کے کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ (شرح الشفاء ج ۲ ص ۵۲۳)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

جس کا یہ مذہب ہے کہ نبوت کسبی ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی یا جس کا یہ مذہب ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے وہ زندیق ہے اور اس کا قتل کرنا واجب ہے' اور کئی لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور ہمارے زمانہ میں مالقہ (اندلس کا شہر) کے فقراء میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کو سلطان ابن الاحمر بادشاہ اندلس نے قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۸۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد الشربینی الشافعی من القرن السابع لکھتے ہیں:

جو شخص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی تصدیق کرے وہ کافر ہے۔

(مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۵۲ھ)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا یا جس شخص نے کسی مدعی نبوت کی تصدیق کی وہ مرتد ہو گیا' کیونکہ جب مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کی قوم نے اس کی تصدیق کی تو وہ سب اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گئے' اسی طرح طلیحہ الاسدی اور اس کے مصدقین بھی مرتد ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس کذاب نکلیں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

امام غزالی کی ''الاقتصاد'' کی عبارت پر فقہاء اسلام کے تبصرے

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

نظام معتزلی اور اس کے موافقین صرف خبر متواتر کو دین میں حجت قطعیہ مانتے ہیں اور اجماع کے حجت قطعیہ ہونے کا انکار کرتے ہیں' نظام نے کہا اس پر کوئی عقلی یا شرعی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اہل اجماع پر خطاء محال ہے' اور نظام کا یہ قول تابعین کے اجماع کے مخالف ہے' کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے وہ قطعی حق ہے اور اس کا خلاف ممکن نہیں ہے' پس نظام معتزلی نے اجماع کی حجیت کا انکار کر کے اجماع کے خلاف کیا۔

اور یہ ایک اجتہادی امر ہے اور میرے اس میں کئی اعتراض ہیں' کیونکہ اجماع کے حجت ہونے میں کئی اشکالات ہیں اور یہ نظام کے عذر ہونے کی گنجائش رکھتا ہے' لیکن اگر اجماع کے حجت ہونے پر عدم اعتماد کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔

ان خرابیوں میں سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہے تو اس کی تکفیر میں توقف کرنا بعید ہو گا۔

اور اس کو کافر کہنے کی بناء لامحالہ اجماع کی مخالفت پر رکھی جائے گی' کیونکہ آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو عقل محال نہیں قرار دیتی' اور وہ جو حدیث میں ہے لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قرآن مجید میں خاتم النبیین ہے' تو منکر اجماع اس کی تاویل سے عاجز نہیں ہے' وہ کہہ سکتا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آپ اولوا العزم رسولوں کے خاتم ہیں

مطلقاً الانبیاء کے خاتم نہیں ہیں' اور اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ النبیین عام ہے تو عام کی تخصیص کرنا بھی کوئی مستبعد چیز نہیں ہے' اور یہ جو آپ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو اس حدیث میں آپ نے رسول کے آنے کی نفی نہیں کی ہے اور نبی اور رسول میں فرق کیا گیا ہے اور نبی کا مرتبہ رسول سے بلند ہے' منکر اجماع کے پاس اس طرح کے اور بھی ہذیان ہیں ۔ اس قسم کے فضول ہذیانوں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے کہ محض خاتم النبیین کا لفظ اس پر دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور بعض نصوص صریحہ میں اس سے بھی زیادہ بعید تاویلات کی جاتی ہیں لیکن ان بعید تاویلات کی وجہ سے وہ نصوص باطل نہیں ہوتیں۔

تاہم اس منکر اجماع پر اس طرح رد کیا جائے گا کہ تمام امت نے بالاجماع اس لفظ (خاتم النبیین) سے یہی معنی سمجھا ہے (کہ آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں ہے) اور آپ کے احوال کے قرائن سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ آپ کے بعد کبھی بھی کوئی رسول نہیں آ سکتا اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہو سکتی اور اس بات کا انکار وہی کرے گا جو اجماع کا منکر ہو گا۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۷۳-۲۷۲' دار و مکتبۃ الہلال بیروت' ۱۹۹۳ھ)

ہر چند کہ امام غزالی کے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کا آنا کبھی بھی ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں تاویل کرنا اور اسی طرح اس حدیث میں تخصیص کرنا ان کے نزدیک باطل اور ہذیان ہے۔ لیکن اس کو کافر قرار دینے میں ان کو تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی تکفیر اجماع کی بناء پر ہو گی اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعی نہیں ہے اور جب تک اجماع کو ساتھ نہ ملایا جائے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آ سکتا' ہاں اس پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن ان کے نزدیک اجماع حجت قطعی نہیں ہے کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے امام غزالی کی اس عبارت سے اتفاق نہیں کیا اور اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے اپنی کتاب ''الاقتصاد'' میں اس آیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ میرے نزدیک الحاد ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنا ہے اور یہ بہت خبیث راستہ ہے' سو اس نظریہ سے بچو' اس نظریہ سے بچو' اور اللہ ہی اپنی رحمت سے ہدایت دینے والا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۷۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اور علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نے علامہ قرطبی کی عبارت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

الغزالی نے ختم نبوت کے متعلق جو اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ الحاد ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو تشویش میں ڈالنے کے لیے خبیث طریقہ ہے' سو اس نظریہ سے بچو! اس نظریہ سے بچو' یہ ابن بزیزہ کی عبارت ہے۔

امام غزالی کی عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف وہم پیدا کرے' امام غزالی کے حاسدین نے ان کی طرف یہ تہمت لگائی ہے' اور ابن عطیہ نے ان پر یہ حملہ کیا ہے اور امام غزالی اس تہمت سے بری ہیں' اور انہوں نے اپنی تحریروں میں اس بدعقیدگی سے برأت کا اظہار کیا ہے' کیونکہ یہ بات تو مبتدعین کہتے ہیں کہ نبوت کسبی چیز ہے اور انہوں نے اس مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ایک جملہ کو زائد ڈال دیا گیا ہے ''عنقریب میرے بعد تیس ایسے آدمیوں کا ظہور ہو گا جن میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر جس کو اللہ چاہے'' اس آخری جملہ (مگر جس کو اللہ چاہے) کو محمد بن سعید شامی نے زائد کیا تھا اور اس کو اس کی زندیقی کی بناء پر سولی دی گئی' بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے نزول کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین والوں کی طرف رسول بن کر اور مبعوث ہو کر نازل نہیں ہوں گے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۱ ص ۶۰۷-۶۰۶' ج ۸ ص ۲۳-۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی نے بھی حسب معمول اس تمام عبارت کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔
(مکمل اکمال الاکمال مع شرح الابی ج ۱ ص ۱۰۷۔۱۰۶ ج ۸ ص ۲۲-۲۳ دارالکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۵ھ)

امام غزالی کی ظاہر عبارت پر بہر حال یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان کو انکار ختم نبوت کو کفر قرار دینے میں تامل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا کفر ہونا اجماع سے ثابت ہوگا اور اجماع ان کے نزدیک حجت قطعیہ نہیں ہے' تاہم وہ آیت ختم نبوت اور حدیث ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو باطل اور ہذیان قرار دیتے ہیں' امام غزالی کو اعتراض سے بچانے کے لیے بعض علماء نے غزالی کی عبارت کا صرف اتنا حصہ ہی نقل کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بے شک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لا نبی بعدی) اور قرائن احوال سے بالاجماع یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد ابد تک نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل چل سکتی ہے نہ تخصیص۔
(ختم نبوت (کامل) ص ۳۲۹ ادارۃ المعارف کراچی '۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے امام غزالی سے اعتراض اٹھانے کے لیے ان کی عبارت میں تصرف کر کے اس عبارت کو یوں نقل کیا ہے:

یعنی تمام امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑے' نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانہ یا زمین کے کسی طبقہ سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل اور تخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بکنے بڑانے یا بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کر رہا ہے جس میں اصلاً تاویل و تخصیص نہ ہونے پر امت مرحومہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۲۴۷ طبع جدید' رضا فاؤنڈیشن لاہور '۱۴۲۰ھ)

اعلیٰ حضرت پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ انہوں نے امام غزالی کی عبارت میں تحریف کی ہے اور تکفیر کے لفظ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ اعلیٰ حضرت نے تمام امت کے اجماع کی بناء پر ختم نبوت میں تاویل اور تخصیص کو امام غزالی کے نزدیک کفر کہا ہے اور اجماع امت کی بناء پر امام غزالی بھی اس کو کافر کہتے ہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اجماع امت سے صرف نظر کر کے صرف خاتم النبیین کے لفظ سے اس کے منکر کا کفر ثابت نہیں ہوگا اور اجماع ان کے نزدیک قطعی حجت نہیں ہے' بہر حال یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور امام غزالی کے نزدیک بھی آیت ختم نبوت اور حدیث ختم نبوت میں کوئی تاویل اور تخصیص جائز نہیں ہے۔

منکرین ختم نبوت کا اجمالی جائزہ

اس وقت دنیا میں بہائی اور قادیانی ہیں جو ختم نبوت کے منکر ہیں۔ یا امریکا میں کچھ لوگ ہیں جو علی جاہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ بہائی اور علی جاہ کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں' سب سے زیادہ قادیانی ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہیں ان کے دو فرقے ہیں ان کی غالب اکثریت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتی ہے' دوسرا فرقہ مرزا قادیانی کو مجدد اور محدث مانتا ہے اس کو لاہوری جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا کو الہام اور وحی میں اشتباہ ہو گیا' قادیانی فرقہ ان کو کافر کہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتا ہے' ان کے نزدیک جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا' وہ لکھتا ہے کہ

جب اس کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو اس پر زور شور سے مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ (کتاب البریہ ص ۱۳۶)

۱۸۸۰ء میں مرزا ایک مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا پھر اس نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس نے یہ کہا کہ اس کو الہام کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے اور اب تک زندہ ہونے کا جو مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے وہ غلط ہے۔ اور اس عقیدہ کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور ۱۸۹۰ء تک برابر کہتا رہا کہ میرے نزدیک نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں' پھر اس نے خود کو مثیل مسیح اور مسیح موعود قرار دیا' اور ۱۸۹۱ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۸ء تک اس دعویٰ پر قائم رہا اور اسی سال کی عمر میں قے اور ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

ان تمام عنوانات پر پروفیسر محمد الیاس برنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' میں خود مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر صنادید مرزائیوں کی تصانیف کے حوالوں سے لکھا ہے' ہم قارئین کی معلومات کے لیے اس کتاب کے ان اقتباسات کو پیش کر رہے ہیں جن سے خود مرزا اور دیگر صنادید کے حوالوں سے مرزا کا محدث کا دعویٰ کرنا' پھر مثیل موعود کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا اقرار کرنا اور پھر نبوت کا دعویٰ کرنا اور ختم نبوت کا انکار کرنا واضح ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا ختم نبوت پر ایمان و اصرار

''قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں لیکن ختم نبوت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث لا نبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی' پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے' اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوئی''۔

(''ایام صلح'' ص ۱۴۶ ''روحانی خزائن'' ص ۳۹۲۔۳۹۳' ج ۱۴ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور اللہ کو شایان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی بھیجے اور نہیں شایان کہ سلسلہ نبوت کو دوبارہ از سر نو شروع کر دے۔ بعد اس کے کہ اسے قطع کر چکا ہو اور بعض احکام قرآن کریم کے منسوخ کر دے اور ان پر بڑھا دے''۔ (ترجمہ)

(''آئینہ کمالات اسلام'' ص ۳۷۷ ''روحانی خزائن'' ص ۳۷۷' ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ' گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو' پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو' وہ محال ہوتا ہے''۔ (فتدبر) (''ازالہ اوہام' حصہ دوم ص ۵۸۳' ''روحانی خزائن'' ص ۱۴' ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ولكن رسول الله وخاتم النبيين میں بھی اشارہ ہے۔ پس اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کریم کو تمام آنے والوں زمانوں اور ان زمانوں کے لوگوں کے علاج اور دوا کی رو سے مناسب نہ جانتا تو اس عظیم الشان نبی کریم کو ان کے علاج کے واسطے قیامت تک ہمیشہ کے لیے نہ بھیجتا اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کیونکہ آپ کے برکات ہر زمانہ پر محیط اور آپ کے فیض اولیاء اور اقطاب اور محدثین کے قلوب پر بلکہ کل مخلوقات پر وارد ہیں۔ خواہ ان کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے فیض پہنچ رہا ہے۔ پس اس کا احسان تمام لوگوں پر ہے''۔ (ترجمہ)

(''حمامۃ البشریٰ'' ص ۴۹' طبع اول' ص ۶۰' طبع دوم' ''روحانی خزائن'' ص ۲۴۳۔۲۴۴' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب قرآن کریم ہدایت کا وسیلہ ہے اور میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ ہمارے رسول آدم کے فرزندوں کے سردار اور رسولوں کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کردیا''۔ (ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۱' روحانی خزائن ص ۲۱ ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی''۔

(مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار' مجموعہ اشتہارات ص ۲۳۰ ج ۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲)

محدثیت سے نبوت تک ترقی

''ہمارے سید و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں''۔

(شہادت القرآن ص ۲۸' روحانی خزائن ص ۳۲۳-۳۲۴' ج ۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں تا کہ دین مصطفیٰ کی تجدید کروں''۔ (ترجمہ)

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۸۳' روحانی خزائن ص ۳۸۳' ج ۵' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''میں نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی۔ میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے''۔ (ترجمہ)

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۶' روحانی خزائن ص ۲۹۶-۲۹۷' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''لوگوں نے میرے قول کو نہیں سمجھا ہے اور کہہ دیا کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا قول قطعاً جھوٹ ہے۔ جس میں سچ کا شائبہ نہیں اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ ہاں میں نے یہ ضرور کہا ہے کہ محدث میں تمام اجزائے نبوت پائے جاتے ہیں لیکن بالقوۃ' بالفعل نہیں تو محدث بالقوۃ نبی ہے اور اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوجاتا تو وہ بھی نبی ہوجاتا''۔

(حمامۃ البشریٰ ص ۹۹' روحانی خزائن ص ۳۰۰' ج ۷' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت بھی ایک شعبہ قویہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے''۔ (ازالہ اوہام ص ۴۲۱' روحانی خزائن ص ۳۲۰ ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

''اس (محدثیت) کو اگر ایک مجازی نبوت قرار دیا جائے یا ایک شعبہ قویہ نبوت کا ٹھہرایا جائے تو کیا اس سے نبوت کا دعویٰ لازم آ گیا''۔ (ازالہ اوہام ص ۴۲۲' روحانی خزائن ص ۳۲۱ ج ۳' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مسیح موعود کی اہمیت

''اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جز و یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق

نہیں۔ جس زمانہ تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی‘ اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہوگیا‘‘۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۱۴۰‘ روحانی خزائن ص ۱۷۱ ج ۳‘ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

’’اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیے‘ کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام ہوں‘‘۔ (توضیح المرام ص ۱۹‘ روحانی خزائن ص ۵۹‘ ج ۳ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مثیل مسیح بننے پر قناعت (م)

’’اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بہ شدت مناسبت و مشابہت ہے‘‘۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت‘ جلد اول ص ۱۵‘ مجموعہ اشتہارات ص ۲۴ ج ۱)

مرزا صاحب حقیقی نبی

’’درحقیقت خدا کی طرف سے خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کے بتائے ہوئے معنوں کی رو سے نبی ہو اور نبی کہلانے کا مستحق ہو‘ تمام کمالات نبوت اس میں اس حد تک پائے جاتے ہوں جس حد تک نبیوں میں پائے جانے ضروری ہیں تو میں کہوں گا کہ ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود حقیقی نبی تھے‘‘۔

(القول الفصل ص ۱۲‘ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

’’پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت (مرزا) صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں‘‘۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۷۴‘ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

’’حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) رسول اللہ اور نبی اللہ جو کہ اپنی ہر ایک شان میں اسرائیلی مسیح سے کم نہیں اور ہر طرح بڑھ چڑھ کر رہے‘‘۔ (کشف الاختلاف ص ۷‘ مصنفہ سید محمد سرور شاہ صاحب قادیانی)

’’حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں‘ میں نے اپنی کتاب ’’انوار اللہ‘‘ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود بموجب حدیث صحیح حقیقی نبی ہیں اور ایسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں (لا نفرق بین احد من رسلہ) ہاں صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں۔ جیسے کہ پہلے بھی بعض صاحب شریعت نبی نہ تھے‘‘۔

یہ کتاب حضرت مسیح موعود نے پڑھ کر فرمایا ’’آپ نے ہماری طرف سے حیدرآباد دکن میں حق تبلیغ ادا کر دیا ہے‘‘۔

(اخبار الفضل قادیان ج ۳ ص ۳۸۔ ۳۹‘ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

’’غرضیکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) اللہ تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تھا اور وہی نبی تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اللہ کے نام سے پکارا اور وہی نبی تھا جس کو خود اللہ نے اپنی وحی میں یا ایھا النبی کے الفاظ سے مخاطب کیا‘‘۔ (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحب زادہ بشیر احمد صاحب قادیانی‘ مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجز قادیان ص ۱۱۴ نمبر ۳‘ جلد ۱۴)

’’محترم ڈاکٹر صاحب! اگر آپ حضرات (یعنی لاہوری جماعت) صرف مسئلہ خلافت کے منکر ہوتے تو مجھے رنج نہ ہوتا کیونکہ آپ سے پہلے بھی ایک گروہ خوارج کا موجود ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ آپ حضرت اقدس (مرزا صاحب) کو مسیح موعود‘

مہدی نبی نہیں مانتے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو مسیح موعود بھی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) اور اس لیے آپ کے ... برابر ہے اور ضرور حقیقی نبی تھے اور خدا کی قسم ضرور بہ ضرور نبی تھے اور آپ کے مخالف حضرات کا بھی وہی حشر ہو گا ... کے مخالفین کا۔ میں اس عقیدہ پر علی وجہ البصیرت قائم ہوں"۔

(مکتوب محمد عثمان خان صاحب قادیانی' مندرجہ المہدی نمبر ۶ ص ۸۵' مولفہ حکیم محمد حسین قادیانی ...)

ختم نبوت کی تجدید

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ وہ نبوت صحیح نہیں۔

(تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸ جلد ۱۲ صفحہ ۲۵ بابت ماہ اگست ...)

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے ... نہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا' وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۶-۴۰۷' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس جگہ یہ سوال طبعاً ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بہت سے نبی گزرے ہیں۔ پس اس حالت میں موسیٰ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر نبی گزرے ہیں' ان سب کو خدا نے براہ راست چن لیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی ہے۔ اس کثرت فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔

(حقیقت الوحی ص ۲۸' روحانی خزائن حاشیہ ص ۳۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی ہے اس لیے آپ کے بعد اس کے سوا کوئی نبی نہیں جسے آپ کے نور سے منور کیا گیا ہو اور جو بارگاہ کبریائی سے آپ کا وارث بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ خمیت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔ اس لیے مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور وہ جس نے تعلیم حاصل کی' پس بلاشبہ حقیقی خمیت مقدر تھی چھٹے ہزار میں جو رحمان کے دنوں میں سے چھٹا دن ہے۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ب' روحانی خزائن ص ۳۱۰ ج ۱۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اسی طرح مسیح موعود چھٹے ہزار میں پیدا کیا گیا۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبۃ الھامیہ ص ج' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان قادیان' نمبر ۸ جلد ۱۲ ص ۱۱' ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ۔اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ اور بجز بروزی وجود کے' جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا' وہ میں ہوں' اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے

ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔ اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لیے باقی نہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱' روحانی خزائن ص ۲۱۵ ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح ص ۵۶' روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۱۹' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔**

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن' ص ۲۱۴-۲۱۵' ج ۱۸' مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم' مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات معتدبہ کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تاکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴' روحانی خزائن ص ۳۴۰ ج ۲۳' حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' جو درحقیقت ''خاتم النبیین'' تھے' رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ **واخرین منھم لما یلحقوا بھم** ۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن ص ۲۱۲' ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ وہ مسیح موعود کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدے کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا۔ وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ

مہدی نبی نہیں مانتے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو مسیح موعود بھی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ) اور اس لیے آپ کا ماننا نہ ماننا برابر ہے اور ضرور حقیقی نبی تھے اور خدا کی قسم ضرور بہ ضرور نبی تھے اور آپ کے مخالف حضرات کا بھی وہی حشر ہو گا جو دیگر انبیاء کے مخالفین کا۔ میں اس عقیدہ پر علی وجہ البصیرت قائم ہوں"۔

(مکتوب محمد عثمان خان صاحب قادیانی' مندرجہ المہدی نمبر ۱' ص ۵۴' مولفہ حکیم محمد حسین قادیانی لاہوری)

ختم نبوت کی تجدید

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوائے مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ وہ نبوت صحیح نہیں۔

(تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸' جلد ۱۲' صفحہ ۲۵' بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا' وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔

(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۷-۴۰۶' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اس جگہ یہ سوال طبعاً ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بہت سے نبی گزرے ہیں۔ پس اس حالت میں موسیٰ کا افضل ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس قدر نبی گزرے ہیں' ان سب کو خدا نے براہ راست چن لیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں تھا۔ لیکن اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزار ہا اولیاء ہوئے ہیں اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی ہے۔ اس کثرت فیضان کی کسی نبی میں نظیر نہیں مل سکتی۔

(حقیقت الوحی ص ۲۸' روحانی خزائن حاشیہ ص ۳۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کی گئی ہے اس لیے آپ کے بعد اس کے سوا کوئی نبی نہیں جسے آپ کے نور سے منور کیا گیا ہو اور جو بارگاہ کبریائی سے آپ کا وارث بنایا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ختمیت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی روح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا۔ اس لیے مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور وہ جس نے تعلیم حاصل کی' پس بلاشبہ حقیقی ختمیت مقدر تھی چھٹے ہزار میں جو رحمان کے دنوں میں سے چھٹا دن ہے۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ب' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۱۶' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اسی طرح مسیح موعود چھٹے ہزار میں پیدا کیا گیا۔

(ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود۔ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص ج' روحانی خزائن ص ۳۱۰' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے۔ (تشحیذ الاذہان قادیان' نمبر ۸' جلد ۱۲' ص ۱۱' ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

ولکن رسول الله وخاتم النبیین۔ اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ اور بجز بروزی وجود کے' جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے' کسی میں یہ طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے۔ اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا' وہ میں ہوں' اس لیے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوت پر مہر ہے ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ

ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا' سو وہ ظاہر ہو گیا۔ اب بجز اس کھڑکی کے اور کوئی کھڑکی نبوت کے چشمے سے پانی لینے کے لیے باقی نہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۱' روحانی خزائن ص ۲۱۵ ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا۔ مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔ (کشتی نوح ص ۵۶' روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۱۹' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آ جائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔**

(اشتہار' ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن' ص ۲۱۴-۲۱۵' ج ۱۸' مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم' مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات معتدبہ کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ بخشے کہ جو اس کے وجود میں عکسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے' سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ اصلی طور پر مجھے یہ نام دیا گیا۔ تاکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا کامل نمونہ ٹھہروں۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴' روحانی خزائن ص ۳۴۰ ج ۲۳' حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' جو درحقیقت ''خاتم النبیین'' تھے' رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیہ **واخرین منھم لما یلحقوا بھم** ۔ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ' روحانی خزائن ص ۲۱۲' ج ۱۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تاوقتیکہ وہ مسیح موعود کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدے کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا۔

وہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ

ثابت کر گیا کہ واقعی اس کی دعوت جمیع ممالک وملل عالم کے لیے تھی۔ (اخبار الفضل قادیان ج ۳ نمبر ۴۱ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

مرزا صاحب کا دعویٰ کہ وہ تشریعی نبی ہیں

یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسی یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔ (اربعین نمبر ۴، ص ۷، ۸، روحانی خزائن ص ۴۳۵۔ ۴۳۶، ج ۱۷)

چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے، فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔ اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لیے اس کو مدار نجات ٹھہرایا۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ (حاشیہ اربعین نمبر ۴، ص ۷، ۸، روحانی خزائن ص ۴۳۵، ج ۱۷، حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

مرزا صاحب کا جہاد کو منسوخ قرار دینا

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر ۴، ص ۱۵ حاشیہ روحانی خزائن ص ۴۴۳، ج ۱۷ حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے، وہ اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔ (تبلیغ رسالت ج ۹، ص ۴۷، مجموعہ اشتہارات ص ۲۹۵ ج ۳)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے — دیں کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب، مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم، مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی ص ۴۹، مجموعہ اشتہارات ص ۲۹۸۔ ۲۹۷، ج ۳، روحانی خزائن ص ۷۷، ج ۱۷)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب مملکت پاکستان قائم ہو گئی تو مسلمانوں کو اس مسئلہ سے بے چینی ہوئی کہ قادیانی جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان کر اسلام سے نکل چکے ہیں اور وہ خود بھی اہل اسلام کو کافر کہتے ہیں، ان کا اس ملک میں بہ حیثیت مسلمان رہنا

اوراس مملکت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہنا کس طرح جائز ہے' پاکستان کے ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے پس ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے تمام علماء کی طرف سے اس سلسلہ میں زبردست تحریک چلائی گئی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت

مولانا محمد صدیق ہزاروی مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز کونشن منعقد ہوا۔ اس کونشن نے کراچی کے مرکزی کونشن کے لیے مندوبین منتخب کیے۔ ۲۰۔۲۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں مرکزی کونشن منعقد ہوا' جس میں یہ مطالبات مرتب کیے گئے:

(۱) وزیر خارجہ سرظفر اللہ کو برخاست کیا جائے۔

(۲) قادیانیوں کو کافر اقلیت قرار دیا جائے۔

(۳) قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے الگ کیا جائے۔

تحریک ختم نبوت میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔ آپ کو اس تحریک میں خصوصیت حاصل تھی' وہ یہ کہ آپ اسمبلی کے ممبر تھے۔ نیز تحریکِ پاکستان میں کام کرنے کی وجہ سے مسلم لیگی کارکنوں سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔

مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت نے کراچی میں کونشن کیا تو اس کے تیرہ نمائندوں میں آپ کا نام بھی تھا' لیکن آپ کو اس میں شامل نہ کیا گیا' کیونکہ انہیں آپ کی تیزیٔ طبع کی وجہ سے خطرہ تھا کہ وقت سے پہلے تصادم نہ ہو جائے۔

جب تحریک تیز ہوئی اور مجلس عمل کے نمائندے خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کرنے گئے تو مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاری اور پھانسی

آپ کا پروگرام تھا کہ قصور سے بس کے ذریعے اسمبلی گیٹ تک پہنچ جائیں اور اسمبلی میں تقریر کر کے ممبرانِ اسمبلی کو تحریک کے بارے میں مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دیں' لیکن قصور میں آپ جن لوگوں کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے' انہوں نے غداری کرتے ہوئے ملٹری کو بتا دیا' آپ صبح کی نماز کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اپنے ایک کارکن مولوی محمد بشیر مجاہد کے ہمراہ گرفتار کر لیے گئے۔

قصور سے گرفتار کر کے آپ کو لاہور شاہی قلعہ لایا گیا' جہاں سے بیانات لینے کے بعد ۱۶ اپریل کو آپ جیل منتقل کر دیئے گئے اور آپ کو چارج شیٹ دے دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا' جو ۱۷ اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔

۷ مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن آپ کو بلا کر ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے نو اور ملزم بھی تھے' مگر ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا۔

دوسرا کیس بغاوت کا تھا جس میں آپ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا جو اس طرح تھا:

You will be hanged by neck till you are dead.

''تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی' جب تک تمہاری موت نہ واقع ہو جائے''۔

اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

Is that all? I was prepared to take more than that. If I would have got

... lives, I would have laid down those lives for the ... of Holy Prophet Mohammad may the peace Glory of God be Upon ...

یہی کچھ سزا لائے ہو' اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں ہوتیں' تو میں ان سب کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان کر دیتا۔

۴ مئی کو آپ کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کر دی گئی اور پھر مئی ۱۹۵۵ء کو آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔

(تعارف علماء اہل سنت ص ۱۶۴ ' ۱۵۷ ملخصاً مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

تحریکِ ختم نبوت (۱۹۵۳ء) میں آپ کراچی میں مولانا عبد الحامد بدایونی (م ۱۵ جمادی الاولیٰ ۲۰ جولائی ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء) اور دیگر علماء کے ساتھ تحریک میں شریک ہوئے۔ آرام باغ میں جمعہ کے دن تحریک کا آغاز ہوا' تو علامہ نورانی پیش پیش تھے۔ گرفتاری کے لیے رضا کاروں کی تیاری کے علاوہ دیگر ضروری انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کے پہلے اجلاس کے بعد آئندہ اجلاس کے انتظامات کے لیے گیارہ ممبروں پر مشتمل جو بورڈ بنایا گیا' آپ اس کے ممبر تھے۔

۱۹۶۹ء میں پاکستان آنے کے بعد آپ نے سب سے پہلا بیان قادیانیوں ہی کے بارے میں جاری کیا تھا۔ آپ نے یحییٰ خان (اس وقت کا صدر) کو مخاطب کرتے ہوئے صاف کہا تھا کہ تمہارا قادیانی مشیر ایم ایم احمد پاکستان کی معیشت کو تباہ کر رہا ہے جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ (تعارف علماء اہل سنت ص ۳۹ ۔ ۳۸ ' مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت

تحریکِ ختم نبوت (۱۹۷۴ء) میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی خاطر قومی اسمبلی میں حزبِ اختلاف کی طرف سے جو قرارداد ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو پیش کی گئی' اس کا سہرا بھی علامہ شاہ احمد نورانی کے سر ہے' اس قرارداد پر حزبِ اختلاف کے بائیس افراد (جن کی تعداد بعد میں ۳۷ ہو گئی) نے دستخط کیے' البتہ مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبد الحکیم نے اس قرارداد پر دستخط نہیں کیے۔ اس تحریک میں آپ کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کا ممبر بھی منتخب کیا گیا اور آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ دونوں کمیٹیوں کے اجلاسوں میں شرکت کی۔

آپ نے قادیانیت سے متعلقہ ہر قسم کا لٹریچر اسمبلی کے ممبروں میں تقسیم کرنے کے علاوہ ممبروں سے ذاتی رابطہ بھی قائم کیا اور ختمِ نبوت کے مسئلہ سے انہیں آگاہ کیا۔

اس تحریک میں تین ماہ کے دوران آپ نے صرف پنجاب کے علاقے میں تقریباً چالیس ہزار میل کا دورہ کیا۔ ڈیڑھ سو شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں عام جلسوں سے خطاب کرنے کے علاوہ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔

(تعارف علماء اہل سنت ص ۳۹' مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۹ھ)

سید محمد حفیظ قیصر لکھتے ہیں:

پیپلز پارٹی کے جے رحیم اور شیخ رشید نے بہت ہنگامہ کیا مگر وزیر اعظم بھٹو' مولانا شاہ احمد نورانی سے مکالمے کے دوران اپنے منشور کے اس جملے کی بناء پر شکست کھا چکے تھے کہ "اسلام ہمارا دین ہے"۔ اب بھٹو کا موقف یہ تھا کہ اسلام کی بات سے اور پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔ آخر مولانا شاہ احمد نورانی کا سچا عشق رسول جیت گیا اور مرزا ناصر قومی اسمبلی میں ...

سوالات میں لاجواب ہو کر شکست سے دوچار ہوا۔ مرزائیت کو اپنے انجام تک پہنچانے والی جو تاریخی قرارداد 30 جون 1974ء کو پیش کی گئی اس کا متن یہ تھا:

☆ چونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو اللہ کے آخری نبی ہیں نبوت کا دعویٰ کیا۔

☆ چونکہ اس کا جھوٹا دعویٰ نبوت قرآن کریم کی بعض آیات میں تحریف کی سازش اور جہاد کو ساقط کر دینے کی کوشش' اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے۔

☆ چونکہ مسلم امہ کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہوں یا اسے کسی اور شکل میں اپنا مذہبی پیشوا یا مصلح مانتے ہوں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

☆ چونکہ اس کے پیروکار خواہ انہیں کسی نام سے پکارا جاتا ہو وہ دھوکا دہی سے مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ بن کر اور اس طرح ان سے گھل مل کر اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔

☆ چونکہ مسلمانوں کی تنظیموں کی ایک کانفرنس جو 6 تا 10 اپریل 1974ء مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ جس میں دنیا بھر کی 114 اسلامی تنظیموں اور انجمنوں نے شرکت کی اس میں مکمل اتفاق رائے سے یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ قادیانیت جس کے پیروکار دھوکا دہی سے اپنے آپ کو اسلام کا ایک فرقہ کہتے ہیں۔ دراصل اس فرقہ کا مقصد اسلام اور مسلم دنیا کے خلاف تخریبی کارروائیاں کرنا ہے۔

اس لیے اب یہ اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ انہیں لاہوری' قادیانی یا کسی نام سے بھی پکارا جائے مسلمان نہیں ہیں اور یہ کہ اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تاکہ اس اعلان کو دستور میں ضروری ترامیم کے ذریعے عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

7 ستمبر 1974ء کو وہ گھڑی آن پہنچی جس کا انتظار 1901ء سے مسلم امہ کو تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس طرح مسیلمہ کذاب کو اس کے انجام سے دوچار کیا تھا۔ آج انہیں کی اولاد مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی قرارداد کے مطابق حکومت نے باضابطہ طور پر قادیانی گروہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا اور یوں امت مسلمہ کا خواب ۷۳ سال کے بعد حقیقت میں ڈھل گیا۔ (ایک عالم ایک سیاست دان ص ۳۷۔۳۵' نورانی پرنٹنگ انڈسٹری کراچی' ۱۹۹۹ء)

اس تفصیل کے بعد اب ہم قادیانیوں کے مشہور اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ اگر آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو نبی بن جاتے

قادیانیوں کے اہل اسلام کے دلائل پر بعض اعتراضات ہیں ان میں سے ایک مشہور اعتراض اس حدیث پر ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ ہوتے تو سچے نبی ہوتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳ طبع قدیم' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۷۶' رقم الحدیث ۵۷۹)

اس حدیث پر قادیانیوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے نبی بننے سے مانع ان کی موت تھی اگر وہ زندہ رہتے تو نبی بن جاتے' یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ آپ کے بعد نبی کا آنا محال تھا اس لیے آپ کے بیٹے کو زندہ نہیں رکھا گیا' اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو ایم۔اے کر لیتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایم۔اے پاس کرنا محال ہے' اس لیے میرا بیٹا زندہ نہیں رہا' بلکہ ایم۔اے پاس کرنا تو ممکن ہے' لیکن چونکہ میرا بیٹا زندہ

نہیں رہا اس لیے وہ ایم۔ اے نہیں کر سکا' اسی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آنا تو ممکن تھا' لیکن چونکہ آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم زندہ نہیں رہے اس لیے وہ نبی نہیں بنے اگر وہ زندہ رہتے تو نبی بن جاتے' سو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد نبی نہیں آ سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے" اس حدیث میں قضیہ شرطیہ ہے۔ جیسے یہ قضیہ ہے: اگر سورج طلوع ہو گا تو دن روشن ہو گا اور قضیہ شرطیہ میں جز اول کا ثبوت جز ثانی کے ثبوت کو مستلزم ہوتا ہے' جیسے سورج کا طلوع ہونا دن کی روشنی کو مستلزم ہے' اور جز ثانی کی نفی جز اول کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے جیسے دن کا روشن نہ ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ سورج طلوع نہیں ہوا اور جز اول کی نفی جز ثانی کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی یعنی سورج کا طلوع نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دن روشن نہ ہو' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سورج طلوع ہو لیکن دن اس وجہ سے روشن نہ ہو کہ سخت ابر ہو یا بارش ہو یا سورج کو گہن لگا ہو یا سخت آندھی آئی ہوئی ہو اسی لیے جز اول کی نفی جز ثانی کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی' اس لیے اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم زندہ نہیں رہے اس لیے وہ سچے نبی نہیں ہوئے' بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سچے نبی کا آنا ممکن نہیں تھا اس لیے حضرت ابراہیم کو زندہ نہیں رکھا گیا۔

الاعراف: ۳۵ سے اجراء نبوت کا معارضہ اور اس کا جواب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (الاعراف: ۳۵)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں سو جو شخص اللہ سے ڈرا اور نیک ہو گیا تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مرزائیہ اس آیت سے اجراء نبوت پر استدلال کرتے ہیں اور پھر اجراء نبوت سے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر دلیل کشید کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کے پاس ایسے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیتیں بیان کریں سو جو شخص اللہ سے ڈرا یعنی جس نے ان رسولوں کے احکام کو مانا اور ان پر ایمان لایا اس پر کوئی غم اور خوف نہیں ہو گا' اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک رسول آتے رہیں گے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے آنے کا کوئی استثناء نہیں بیان فرمایا اور نہ کوئی مدت بیان فرمائی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک رسولوں کے مبعوث ہونے کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت جگہ ایک عام حکم بیان کیا جاتا ہے اور دوسری کسی آیت میں اس حکم کی تخصیص بیان کر دی جاتی ہے جس سے وہ حکم عام نہیں رہتا' اسی طرح بہ ظاہر اس آیت میں قیامت تک رسولوں کی بعثت کا حکم عام بیان فرمایا ہے لیکن جب الاحزاب: ۴۰ میں فرما دیا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرما دیا کہ الاعراف: ۳۵ میں رسولوں کی بعثت کے سلسلہ کا جو ذکر فرمایا تھا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ سلسلہ نبوت منقطع اور ختم ہو گیا ہے اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی آ سکتا ہے نہ رسول' نہ تشریعی نبی نہ امتی نبی' نہ کامل نبی نہ ناقص نبی' نہ اصلی نبی اور نہ ظلی' اور بروزی نبی۔

اب ہم اس کی چند نظائر بیان کرتے ہیں کہ کسی آیت میں کوئی حکم عام بیان کیا جائے پھر دوسری آیت میں اس کی تخصیص

کر دی جائے تو پھر وہ حکم عام نہیں رہتا' دیکھیے اللہ تعالیٰ نے عام حکم بیان فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ‌. (العنکبوت:۵۷) ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔

اور حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی نفس فرمایا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ‌. (الانعام:۱۲) آپ پوچھیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے' اس نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کر لیا۔

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ‌. (الانعام:۵۴) آپ کہیے تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے:

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ‌. (المائدہ:۱۱۶) (اے اللہ!) تو جانتا ہے میرے نفس میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے نفس میں کیا ہے' بے شک تو تمام غیوب کو بے حد جاننے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی نفس کہا ہے اور العنکبوت: ۵۷ میں فرمایا ہے ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی (العیاذ باللہ) موت کو چکھنے والا ہے' سو اس آیت کے عام حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھی موت آئے گی اور دوسری آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس پر کبھی موت نہیں آئے گی وہ آیت یہ ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ ‌. (الفرقان:۵۸) آپ اس پر توکل کیجئے جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

پس اس آیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ موت کو چکھنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہے' اور اب یہ حکم عام نہیں ہے' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما دیا تو اب الاعراف: ۳۵ میں رسولوں کی بعثت کے عام حکم میں تخصیص ہو گئی اور اب آپ کی بعثت کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں۔ اس کی نظیر دوسری یہ آیت ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

المطلقات جمع کا صیغہ ہے اور اس میں طلاق یافتہ عورتوں کے لیے عام حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تین حیض تک عدت گزاریں' لیکن دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ غیر مدخولہ عورت کو طلاق دی جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ‌. (الاحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو عمل زوجیت سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہاری عدت گزارنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اسی طرح وہ طلاق یافتہ بوڑھی عورت جس کو حیض نہ آتا ہو یا وہ کمسن لڑکی جس کا حیض شروع نہ ہوا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے اور طلاق یافتہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور یہ بھی اس عام حکم سے خاص ہیں ان کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ تمہاری جو طلاق یافتہ عورتیں حیض آنے سے مایوس ہو چکی

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق: ۴)

ہوں اور تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اسی طرح (ان کم سن مطلقہ عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے) جن کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔

پس البقرہ: ۲۲۸ میں جو مطلقہ عورتوں کی عدت تین حیض فرمائی ہے اس حکم عام سے غیر مدخولہ' سن رسیدہ' کم سن اور حاملہ عورتوں کی عدت کی تخصیص کر لی گئی ہے' اسی طرح الاعراف: ۳۵ میں جو رسولوں کی بعثت کا عام حکم بیان کیا گیا ہے آیت خاتم النبیین سے اس عام حکم کی تخصیص کر لی گئی ہے اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور نبی کا آنا جائز نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ ختم نبوت کا معنی مہر نبوت ہے اور آپ کی مہر سے نبی بنتے ہیں

مرزائیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ خاتم کا معنی آخر نہیں ہے' بلکہ خاتم کا معنی مہر ہے' اور مہر نبوت کا معنی ہے جس پر آپ کی مہر لگ جاتی ہے وہ نبی بن جاتا ہے' سو غلام احمد قادیانی پر بھی مہر لگ گئی اور وہ بھی نبی بن گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خاتم کا یہ معنی کرنا درست نہیں ہے کہ اگر خاتم کا معنی مہر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو اس میں کوئی اور چیز داخل نہیں ہو سکتی' سو نبوت کو بند کر کے اس پر آپ کی مہر لگا دی گئی اب نبوت میں کوئی اور چیز داخل نہیں ہو سکتی۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

معنی ختم التغطیة علی الشیء والاستیثاق من ان لا یدخله شیء.

ختم کا معنی ہے کسی چیز کو ڈھانپنا اور اس کو اس طرح بند کر دینا کہ اس میں کوئی اور چیز داخل نہ ہو سکے۔

نیز لکھتے ہیں خاتمهم اخرهم' خاتم القوم کا معنی ہے اخر القوم' وخاتم النبیین ای آخرهم اور خاتم النبیین کا معنی ہے آخر النبیین۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۶۵۔ ۱۶۳' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ ھ)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نبوت منقطع ہو چکی ہے پس میرے بعد کوئی نبی ہو گا نہ رسول۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الامم.

میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۷)

اور قتادہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں کہا ای آخرهم۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۷۶۵)

تصریحات لغت' احادیث صحیحہ اور تابعین کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ خاتم کا معنی مہر کرنا باطل ہے بلکہ خاتم کا معنی آخر ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ شاہ عبد العزیز خاتم المحدثین ہیں تو کیا اس کا عرف میں یہ معنی ہوتا ہے کہ شاہ عبد العزیز کی مہر سے محدث بنتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ شامی خاتم الفقہاء ہیں تو کیا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ علامہ شامی کی مہر سے فقہاء بنتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ آلوسی خاتم المفسرین ہیں تو کیا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ علامہ آلوسی کی مہر سے مفسرین بنتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ احادیث' تفاسیر' لغت اور عرف سب کے اعتبار سے خاتم کا معنی مہر کرنا صحیح نہیں ہے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے اس آیت کے تحت و خـاتـم الـنبیین کے ترجمہ میں لکھا ہے وُمہر پیغامبران است۔ (ترجمہ شاہ ولی اللہ ص ۵۱۰' تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مہر اس معنی میں نہیں ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا۔۔۔۔ اور وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا' بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے' بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔۔۔ اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص ۲۷' روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۳۰۔۲۹)

محمد منظور الٰہی قادیانی لاہوری لکھتے ہیں:

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ (ملفوظات احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۹۰)

قادیانیوں نے خاتم کا جو یہ معنی بیان کیا ہے وہ غلط اور باطل ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک مہر سے مراد مہر تصدیق نہیں ہے بلکہ مہر سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تا کہ اس میں اور کوئی چیز داخل نہ ہو سکے جیسا کہ لغت' عرف' احادیث اور تفاسیر سے واضح ہو چکا ہے' خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

سچا خواب انبیاء کے حق میں نبوت کا ایک جزو ہے پس یقین رکھو کہ وہ برحق ہوتا ہے اور نبوت کے اجزاء ہیں اور اس کا ایک جز خاتم الانبیاء کے بعد بھی باقی ہے۔ (المسوی ج ۲ ص ۲۲۶' المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ' ۱۳۵۳ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین نے لکھا ہے:

ان حوالوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس امت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوائے مسیح موعود کے اور کسی فرد کی نبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقی مہر نہیں اور اگر بغیر تصدیقی مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو بھی نبی قرار دیا جائے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے وہ نبوت صحیح نہیں۔
("تشحیذ الاذھان" قادیان نمبر ۸' جلد ۱۲ ص ۲۵' بابت ماہ اگست ۱۹۱۷ء)

اور خود مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

پس اس وجہ سے (اس امت میں) نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں' اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا' تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا۔ وہ پیش گوئی پوری ہو جائے۔
(حقیقت الوحی ص ۳۹۱' روحانی خزائن ص ۴۰۷۔۴۰۶' ج ۲۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

اگر مرزائیہ کے دعویٰ کے مطابق بہ فرض محال ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ جس پر آپ اپنی مہر لگا دیتے ہیں وہ نبی بن جاتا ہے تو پھر اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کی مہر سے زیادہ سے زیادہ نبی بنتے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس مہر سے صرف غلام احمد قادیانی ہی نبی بنا! صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی اطاعت پر مقبولیت کی سند اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنھم فرما کر عطا کر دی وہ نبی نہیں بنے' اگر ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق ہوتا تو وہ نبی بنتے اور جب وہ نبی نہیں بنے تو معلوم ہوا کہ ختم نبوت کا معنی مہر تصدیق نہیں ہے بلکہ وہ مہر ہے جو کسی چیز کو بند کرنے کے لیے لگائی جاتی ہے' علاوہ ازیں نبی بنانا اور رسول

بھیجنا اللہ کا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی مہر لگا کر کسی کو نبی بنا کر بھیج دیں۔
مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خاتم المحدثین' خاتم المفسرین وغیرہ کہا جاتا ہے اسی طرح آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جن علماء کو خاتم المحدثین اور خاتم المفسرین کہا گیا ہے وہ مجازاً کہا گیا ہے اور آپ حقیقۃً خاتم النبیین ہیں نیز مجاز کا ارتکاب اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ نہیں ہے۔
اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خاتم المہاجرین فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس نے مکہ سے سب کے آخر میں ہجرت کی تھی اس کے بعد مکہ دارالاسلام بن گیا تھا سو اس حدیث میں بھی خاتم بہ معنی آخر ہے۔
مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری مسجد آخر المساجد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس ارشاد کی وضاحت دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد' مساجد الانبیاء کی خاتم ہے۔
(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۹۹۹)

اس اعتراض کا جواب کہ لا نبی بعدی میں لا نفی کمال کے لیے ہے نہ کہ نفی جنس کے لیے

مرزائیوں کا ایک اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ لا نبی بعدی میں لا نفی جنس کے لیے نہیں ہے' نفی کمال کے لیے ہے جیسے لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں ہے۔ یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی اسی طرح لا نبی بعدی کا معنی ہے میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا اور ناقص اور امتی نبی کی نفی نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح تو کوئی مشرک کہہ سکتا ہے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لا نفی کمال کے لیے ہے یعنی اللہ کے علاوہ کامل خدا کوئی نہیں ہے' ناقص خدا موجود ہیں' اور اس کا حل یہ ہے کہ لا نفی جنس کا نفی کمال کے لیے ہونا اس کا مجازی معنی ہے اور نفی جنس کے لیے ہونا اس کا حقیقی معنی ہے اور جب تک حقیقت محال یا متعذر نہ ہو اس کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا لا نبی بعدی میں حقیقت متعذر نہیں ہے اس لیے اس کا معنی ہے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' اور لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں اس طرح نہیں ہے سورۃ فاتحہ کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے لیکن چونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اس لیے نماز کامل نہیں ہوتی اور یہاں حقیقت متعذر ہے اس لیے لا کو نفی کمال اور مجاز پر محمول کیا ہے۔
اسی طرح مرزائیہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے جب کسریٰ مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۶' کراچی) اور کسریٰ ایران کے بادشاہ کو اور قیصر روم کے بادشاہ کو کہتے ہیں اور ان کے بعد بھی ایران اور روم کے بادشاہ ہوتے رہے ہیں۔
علامہ نووی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسریٰ ایران کا بادشاہ تھا اور قیصر روم کا بادشاہ تھا اس طرح وہ بعد میں بادشاہ نہیں ہوں گے اور اسی طرح ہوا' کسریٰ کا ملک روئے زمین سے منقطع ہو گیا اور اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' اور قیصر شکست کھا کر شام سے بھاگ گیا اور مسلمانوں نے ان دونوں ملکوں کو فتح کر لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعد میں اس نام کے بادشاہ نہیں گزرے۔
مرزائیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۳۷' رقم الحدیث: ۲۶۶۴۴' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منشاء یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہونا ہے اس لیے یوں نہ کہو کہ کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ یوں کہو کہ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا کیونکہ جب مطلقاً یہ کہا جائے کہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو اس کا متبادر معنی یہ ہے کہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ان احادیث کے خلاف نہیں ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مبشرات کے سوا میرے بعد نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی' صحابہ نے پوچھا اور مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا سچے خواب جن کو کوئی شخص دیکھتا ہے یا کوئی شخص اس کے لیے دیکھتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۹' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۵۸' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے متعلق احادیث

تیسرا مشہور اعتراض یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا محال ہے تو پھر ان احادیث کی کیا توجیہ ہوگی جن کے مطابق قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا' اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو: "وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" "اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا"۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۸' مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۱۰۹۴۴' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث: ۶۸۱۸' مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۹۹' رقم الحدیث: ۲۰۸۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۴۴' رقم الحدیث: ۱۹۳۴۱' شرح السنہ ج ۷ ص ۴۱۷۰)

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۔ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۸۴۱' شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث: ۴۱۷۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان (مسلمانوں) کا امیر کہے گا آئیے آپ ہم کو نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے نہیں تمہارے بعض' بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴۔ ۳۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت

میں میری جان ہے' عیسیٰ بن مریم فج روحاء (مدینہ سے چھ میل دور ایک جگہ) میں ضرور بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک ' لبیک لا شریک لک لبیک) کہیں گے درآں حالیکہ وہ حج کرنے والے ہوں گے یا عمرہ کرنے والے ہوں گے یا (دونوں کو ملا کر) حج قران کرنے والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٢٥٢)

امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' صلیب کو مٹا دیں گے' اور ان کے لیے نماز جماعت سے پڑھائی جائے گی' وہ مال عطا کریں گے' حتیٰ کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا' وہ خراج کو موقوف کر دیں گے' وہ مقام روحاء پر نازل ہوں گے' وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا قران کریں گے' پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ حنظلہ کا خیال ہے حضرت ابو ہریرہ نے "قبل موت عیسی" پڑھا تھا' پتا نہیں یہ بھی حدیث کا جز ہے یا حضرت ابو ہریرہ نے خود تفسیر کی تھی۔
(مسند احمد ج ٢ ص ٢٩٠' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ہم نے تبیان القرآن ج ٢ ص ٨٧٣-٨٦٢' پر نزول مسیح کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں۔

اس امت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احکام نافذ کرنے کی توجیہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا' اور جو نبی پہلے مبعوث ہو چکے ہیں ان کا آپ کے بعد دنیا میں آنا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے' جیسے شب معراج تمام نبی مسجد اقصیٰ میں آئے اور انہوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی یا جس طرح جن لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں تو ان کا آپ کے بعد دنیا میں آنا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں ہے' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں آسمان سے زمین پر نازل ہونا بھی آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے' کیونکہ یہ تمام انبیاء آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے ہیں آپ کے بعد مبعوث نہیں ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شریعت اسلامیہ پر مطلع ہو کر مسلمانوں میں احکام جاری فرمانا

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا علم کیسے ہوا' حتیٰ کہ وہ اس علم کے مطابق آپ کی شریعت کے مطابق اس امت میں احکام جاری کر سکیں' تو اس کے متعدد جوابات ہیں ایک جواب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا علم تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی آپ کی شریعت کا علم تھا اور اسی کے مطابق آپ اس امت میں احکام جاری کریں گے' انبیاء سابقین کو جو ہماری شریعت کا علم تھا اس کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرگوشی کرنے کے لیے ان کو قریب کیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ ایک امت تمام امتوں میں افضل ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور اللہ پر ایمان رکھیں گے' تو ان کو میری امت بنا دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے' حضرت موسیٰ نے کہا میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت امتوں کے آخر میں مبعوث ہوگی اور قیامت کے دن وہ سب پر مقدم ہوگی' تو ان کو میری امت بنا دے اللہ تعالیٰ نے

وہ امت احمد ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت صدقات کو کھائے گی اور اس سے پہلے کی امتیں جب صدقہ دیتیں تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتا جو اس صدقہ کو کھا جاتی' اور اگر وہ صدقہ قبول نہ ہوتا تو آگ اس صدقہ کے قریب نہیں جاتی تھی' اے اللہ تو ان لوگوں کو میری امت بنا دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ ایک امت جب گناہ کا منصوبہ بنائے گی تو اس کا گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب وہ اس گناہ کا کام کرے گی تو اس کا صرف ایک گناہ لکھا جائے گا اور جب وہ نیکی کا منصوبہ بنائے گی اور اس نیکی کو نہیں کرے گی تو اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی اور جب وہ نیکی کرے گی تو اس کو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اجر دیا جائے گا' اے اللہ تو اس امت کو میری امت بنا دے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ امت احمد ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ص ۳۸۰۔۳۷۹' دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ ہماری شریعت کے وہ احکام ہیں جو سابقہ شریعتوں میں نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان احکام پر مطلع فرما دیا۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے:

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف زبور میں وحی کی کہ اے داؤد! عنقریب تمہارے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد اور محمد ہوگا' وہ صادق اور سردار ہوگا' میں اس پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور نہ کبھی وہ مجھ سے ملول ہوگا' اس کی امت کو میں نفل پڑھنے پر انبیاء کے نوافل کا اجر عطا فرماؤں گا' اور اس کے فرائض پر انبیاء اور رسل کے فرائض کا اجر عطا فرماؤں گا' حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن میرے پاس آئیں گے تو ان پر انبیاء کی طرح نور ہوگا' کیونکہ میں نے ان پر ہر نماز کے لیے اس طرح وضو کرنا فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر وضو فرض کیا تھا' اور ان پر اس طرح غسل جنابت فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر فرض کیا تھا' اور ان پر اس طرح حج فرض کیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں پر فرض کیا تھا اور ان کو اس طرح جہاد کا حکم دیا ہے جس طرح ان سے پہلے نبیوں کو جہاد کا حکم دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ص ۳۸۰' دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ بھی ہماری شریعت کے مخصوص احکام ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مطلع فرما دیا تھا' سو اسی طرح جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ہماری شریعت کے احکام سے مطلع فرما دیا ہو اور وہ اس کے مطابق قرب قیامت میں احکام جاری فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن مجید میں اجتہاد کر کے احکام جاری فرمانا

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید میں غور کر کے اس شریعت کے تمام احکام کو حاصل کر لیں' کیونکہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ہی کے تمام احکام کو اپنی سنت سے بیان فرمایا ہے اور امت کی عقلیں نبی کی طرح ادراک کرنے سے عاجز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی چیز کو حلال کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور میں اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی بہ حوالہ الحاوی للفتاوی ج ۲ص ۱۶۰)

اسی لیے امام شافعی نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر احکام بیان فرمائے ہیں ان سب کو آپ نے قرآن مجید

سے حاصل فرمایا ہے۔ پس جائز ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح قرآن مجید سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اسلام کے احکام حاصل کر کے اس امت میں نافذ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ..... بالمشافہ اسلام کے احکام کا علم حاصل کرنا

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شامل ہیں اور اس پر حسب ذیل احادیث شاہد ہیں:

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا' میں نے دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ کیا اور ہم نے اس کو نہیں دیکھا' ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو کسی سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا ہے' اور جس سے آپ نے مصافحہ کیا اس کو کسی نے نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسیٰ بن مریم ہیں میں ان کا انتظار کر رہا تھا حتیٰ کہ انہوں نے اپنا طواف مکمل کر لیا پھر میں نے ان کو سلام کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج۵ ص ۳۳۹' رقم الحدیث: ۱۱۳۰۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں' ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے' اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں' کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے' اور وہ جس وقت نازل ہوں گے تو میری امت پر خلیفہ ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' وہ متوسط القامت ہوں گے ان کا سرخی مائل سفید رنگ ہو گا' ان کے سر پر پانی نہ بھی ہو تو یوں معلوم ہو گا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے' وہ دو گیروے رنگ کے کپڑے پہن کر چل رہے ہوں گے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور مال بہت تقسیم کریں گے' جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور اسلام کے لیے جنگ کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام بد مذاہب ختم ہو جائیں گے اور زمین میں امن ہو جائے گا' سیاہ سانپ کے ساتھ اونٹ چریں گے اور چیتے بیلوں کے ساتھ گشت کریں گے اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ' اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور وہ ان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے' وہ زمین میں چالیس سال ٹھہریں گے پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے (اس حدیث سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے نبی کی شریعت کو منسوخ کرنے والے ہیں بلکہ منسوخ کرنے والے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں' کیونکہ آپ نے بتا دیا کہ جزیہ اور جہاد کی مشروعیت کی مدت نزول عیسیٰ تک ہے۔ سعیدی)۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج۵۰ ص ۲۵۹' رقم الحدیث: ۱۱۲۷۴' داراحیاء التراث بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حکم میں ہیں اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ راہ راست اور بالمشافہ احکام حاصل کیے ہوں' اور نزول عیسیٰ کے بعد چونکہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے اس لیے پھر جہاد اور جزیہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ...... قبر انور سے اسلام کے احکام کا علم حاصل کرنا

چوتھی صورت یہ ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

جائیں اور قبر پر جا کر آپ سے استفادہ کریں' اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس ذات کے قبضہ وقدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے' عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے' امام اور انصاف کرنے والے حاکم اور عادل ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' لوگوں میں صلح کرائیں گے اور بغض کو دور کریں گے' ان پر مال کو پیش کیا جائے گا تو وہ مال کو قبول نہیں کریں گے' پھر اللہ کی قسم! اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے پکار کر کہیں "یا محمد" تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۴' تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث ۱۱۳۱۳' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور فج روحاء کے راستہ سے گزریں گے اور میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۳۴۵' رقم الحدیث: ۱۱۳۱۲)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ اور ان کی اتباع میں علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ نے ان احادیث سے اس صورت پر استدلال کیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۳۔۱۶۲' روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱۔۵۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی تعلیم سے مستفید ہونا

نیز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۵) حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام کو تلبیہ پڑھتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حج کرتے ہوئے دیکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱) اور جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سابقین سے ملاقات ممکن ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات ممکن ہے تو ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے آپ سے اسلام کے احکام حاصل کیے ہوں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے لکھا ہے کہ امام غزالی' علامہ تاج الدین سبکی' علامہ یافعی' علامہ قرطبی مالکی' علامہ ابن ابی جمرہ اور علامہ ابن الحاج نے مدخل میں یہ تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور آپ سے استفادہ کرتے ہیں' ایک مرتبہ ایک فقیہ نے ایک ولی کے سامنے ایک حدیث بیان کی' ولی نے کہا یہ حدیث باطل ہے' فقیہ نے کہا آپ کو کیسے علم ہوا؟ ولی نے کہا تمہارے سر کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں میں نے یہ حدیث نہیں کہی اور اس فقیہ کو بھی آپ کی زیارت کرا دی' سو جب اس امت کے اولیاء کا یہ حال ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مستفید نہ ہوں اور آپ کی تعلیم سے مستفیض نہ ہوں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور)

اولیاء کرام کا نیند اور بیداری میں آپ کی زیارت کرنا اور آپ سے استفادہ کرنا

نیز علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

شیخ سراج الدین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا میں نے ظہر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا اے ابا جان! میں عجمی شخص ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں! آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا اور فرمایا لوگوں کے سامنے وعظ کرو اور حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ لوگوں کو اپنے رب کی طرف دعوت دو' پس میں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور میرے سامنے بہت خلقت جمع ہو گئی' پھر مجھ پر کپکپی

طاری ہوگئی پھر میں نے دیکھا کہ اس مجلس میں میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا اے میرے ابا جان! مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی ہے آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے پوچھا آپ نے سات مرتبہ لعاب ڈال کر مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے' پھر آپ مجھ سے غائب ہوگئے پھر جب یوں لگا جیسے علوم و معارف کا ایک عظیم سمندر میرے سینہ میں موجزن ہے اور میں اپنی زبان سے حقائق اور دقائق کے یواقیت اور جواہر بیان کر رہا ہوں۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱)

۱۹۹۳ء میں جب میں دوسری بار برطانیہ گیا تھا تو میں ڈربی شائر میں حافظ فضل احمد صاحب کی جامع مسجد میں حضرت غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے مناقب پر تقریر کر رہا تھا میں نے روح المعانی کے حوالے سے مذکور الصدر روایت بیان کی اس پر ہمارے احباب میں سے صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی زید علمہ نے یہ سوال بھیجا کہ حضرت غوث الاعظم کے منہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن ڈالنے کے بعد کیا کمی رہ گئی تھی جس کو پورا کرنے کے لیے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے اس کے جواب میں عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن اور آپ کے فیضان میں کوئی کمی نہیں تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے استفادہ اور حصول فیضان کو سہل اور آسان بنانے کے لیے اپنا لعاب دہن ڈالا' جس طرح قرآن مجید کے فیضان میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن اس سے فیضان کے حصول کو آسان بنانے کے لیے اس کی تفسیر کی جاتی ہے اسی طرح احادیث کی افادیت میں کوئی کمی نہیں ہے لیکن ان سے استفادہ کو سہل اور آسان بنانے کے لیے ان کی شروح لکھی جاتی ہیں۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور علامہ سراج الدین ابن الملقن نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور وہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت فیض حاصل کرتے تھے' انہوں نے ایک رات میں سترہ مرتبہ آپ کی زیارت کی' ایک مرتبہ آپ نے ان سے فرمایا اے خلیفہ تم میری زیارت کے لیے اتنے بے قرار ہوا کرو' کیونکہ کتنے اولیاء تو میرے دیدار کی حسرت میں ہی فوت ہو چکے ہیں' اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابو العباس المرسی سے کہا آپ نے بہت شہروں میں بہت لوگوں سے ملاقات کی ہے آپ اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کر لیں' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا' اور انہوں نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے اوجھل پاؤں میں تو میں اس ساعت میں خود کو مسلمان شمار نہیں کرتا اور اس قسم کی عبارات اولیاء کرام سے بہت منقول ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ایک وقت میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیفیت

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی نے تنویر الحوالک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے نیند میں دیکھا وہ مجھ کو عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۴۳)

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ متعدد عارفین نے نیند کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے سوالات کر کے دینی مسائل کی مشکلات کو سمجھا اور اس حدیث کی تصدیق کی۔

علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ کو بیداری میں دیکھنے والا آپ ہی کے جسم اور بدن کو دیکھے گا یا آپ کی مثال کو دیکھے گا' علامہ جلال الدین سیوطی نے عبارات علماء کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ احادیث اور عبارات علماء سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک اور اپنی روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف عالم میں جہاں چاہتے ہیں' تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں' اور آپ اسی حالت میں ہیں جس حالت میں آپ وفات سے پہلے تھے اور اس میں سرمو فرق نہیں ہوا' اور آپ زندہ ہونے کے باوجود لوگوں کی نظروں سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے ان کی نظروں سے غائب ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو آپ کی زیارت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے تو آپ کے اور اس بندہ کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے تو پھر آپ کی مثال کے قول کی کیا ضرورت ہے' اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں' اور ان کو اپنی قبروں سے باہر جانے اور اس جہان میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور اس پر بہ کثرت احادیث ناطق اور شاہد ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت اس طرح نہیں ہوتی جیسے عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو دنیا میں دیکھتے ہیں یہ ایک حالت برزخیہ اور امر وجدانی ہے اس کی حقیقت کو وہی شخص پا سکتا ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والا آپ کی روح کو دیکھتا ہے اور وہ روح کسی صورت میں متمثل ہو جاتی ہے جب کہ وہ روح اس وقت آپ کے اس جسم مبارک میں بھی ہوتی ہے جو روضہ مبارکہ میں ہے' جس طرح حضرت جبریل آپ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں موجود ہوتے ہیں یا کسی اور صورت میں اور اس وقت وہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی جدا نہیں ہوتے' اور رہا آپ کا جسم مثالی تو اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قدسیہ متعلق ہوتی ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ آپ کے غیر متناہی اجسام مثالیہ ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ کی روح واحدہ متعلق ہو اور یہ اس طرح ہو جیسے روح واحدہ کا تعلق ایک جسم کے متعدد اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے' اور ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس طنجی کے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ انہوں نے آسمان' زمین' عرش اور کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا اور یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد مقربین نے ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۳۔۵۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عہد صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ...... زیارت اور آپ سے استفادہ کا اس قدر ظہور کیوں نہیں ہوا؟

اولیاء کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے دینی اور فقہی معاملات میں استفادہ کرتے ہیں اور اپنے اشکالات کو حل کراتے ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرام کو جو اشکالات پیش آتے تھے' مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی میراث دینے یا نہ دینے کا مسئلہ تھا' حضرت ابو بکر کی خلافت کا مسئلہ تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا معاملہ تھا جس کی وجہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں' تو ان اکابر صحابہ کرام کو آپ کی زیارت کیوں نہیں ہوئی اور انہوں نے آپ سے ان الجھے ہوئے معاملات میں رہنمائی کیوں نہیں حاصل کی' بعد کے اولیاء کرام جن کو نیند اور بیداری میں آپ کی زیارت ہوتی رہی ہے اور وہ آپ سے اپنی مشکلات میں رہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں ان

سے تو بہرحال ان صحابہ کرام کا آپ سے قرب بہت زیادہ تھا اور بعد کے عارفین اور مقربین سے ان کا مرتبہ بہت بڑھ کر تھا۔
علامہ سید محمود آلوسی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ نیند اور بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ سے استفادہ اولیاء کرام کی باقی کرامات کی طرح خلاف عادت امور سے ہے' اور عہد صحابہ میں ان کرامات اور خلاف عادت امور کا ظہور بہت کم تھا کیونکہ اس دور میں عہد رسالت اور آفتاب نبوت بہت قریب تھا اور جس طرح سورج کی موجودگی میں ستارے نظر نہیں آتے اسی طرح آفتاب رسالت کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی کرامات کے ستارے نظر نہیں آتے تھے۔
(روح المعانی جز ۲۲ص ۵۶۔۵۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ
اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو ○ اور صبح

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
اور شام کو اس کی تسبیح کیا کرو ○ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾
(بھی)' تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے' اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا
جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور اس نے ان کے لیے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے ○ اے

النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى
نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور اللہ کے

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ
حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر ○ اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ
اللہ کا بہت بڑا فضل ہوگا ○ اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے گا اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیں

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اے ایمان والو! جب تم مسلمان

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ

لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ

سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ

کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو ○ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے

اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ

آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے، جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ کی ان کنیزوں کو

مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ

جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے

خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً

ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور

مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ

وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا، اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا

يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا

چاہیں، یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے، عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے، بے شک ہم اس

مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے، (آپ کے لیے یہ خصوصی حکم)

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

اس لیے ہے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ

ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں' اور جس بیوی سے آپ

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ

الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمالیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے' اس حکم سے یہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں

لَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ

ٹھنڈی رہیں گی اور وہ غمگین نہیں ہوں گی اور وہ سب اس پر راضی رہیں گی جو آپ انہیں عطا فرمائیں گے' اور اللہ خوب جانتا

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ

ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' اور اللہ بہت علم والا' بے حد حلم والا ہے ○ ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے

بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے' اور اللہ ہر چیز پر

رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾ ع

نگہبان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو ○ اور صبح اور شام اس کی تسبیح کیا کرو ○ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا اور اس نے ان کے لیے عظیم اجر تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۴۴۔۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویٰ کا حکم دینے اور آپ کی امت کو ذکر کا حکم دینے کی توجیہ

اس سورت کے مقاصد میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو' آپ کی ازواج کو اور آپ کی امت کو نیک خصائل اور عمدہ شمائل کی طرف رہنمائی کرنا ہے' الاحزاب: ۱ میں فرمایا تھا: یایها النبی اتق الله اے نبی اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہیے' اور الاحزاب: ۲۸ سے الاحزاب: ۳۴ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو نیکی' تقویٰ اور ذکر کی تلقین فرمائی' اور الاحزاب: ۴۱ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ ترغیب دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت یاد کیا کریں۔

آپ کی امت کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ کو یاد کیا کریں کیونکہ مومن بعض اوقات دنیاوی کاموں میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کیونکہ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور دنیا میں جو شخص جس کا زیادہ مقرب ہوتا ہے وہ اس سے بے خوف ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ رہنمائی فرمائی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور باوجود اس کے کہ آپ کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کسی کام کا حکم دیتے تو ایسے کام کا حکم دیتے جس کو وہ آسانی سے کر سکتے تھے' مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کی مثل تو نہیں ہیں' بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آیا روزہ دار بوسہ لے سکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مسئلہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے ہیں' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر سب خلاف اولیٰ کام معاف فرما دیئے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

بہ کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کو بہ کثرت یاد کریں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کریں' اور دائماً اس کا ذکر کریں' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص شب بیداری کی مشقت اٹھانے سے عاجز ہو' اور جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخیل ہو اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں بزدل ہو وہ بہ کثرت اللہ کا ذکر کرے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۰۵۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۲۱) مسند بزار کی سند کے راوی صحیح ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا گناہوں کو چھوڑ دو' یہ سب سے افضل ہجرت ہے' اور فرائض کو دائماً پابندی سے ادا کرو یہ سب سے افضل جہاد ہے' اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو کیونکہ کثرت ذکر سے زیادہ اللہ کو' کوئی عمل محبوب نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۲۹) اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم ضعیف ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا تم حتی الوسع اپنے اوپر خوف خدا کو لازم کر لو' اور ہر شجر و حجر کے پاس اللہ کا ذکر کرو' اور تم کو (اپنے) جس برے کام کا علم ہو تو فوراً اللہ سے توبہ کرو' پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ کرو اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ کرو۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۹) اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس قدر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ کہیں یہ دیوانہ ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۱-۶۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۷۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۱۷) اس حدیث کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا اتنا زیادہ ذکر کرو کہ منافق یہ کہیں کہ یہ ریا کار ہے۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۲۷۸۶'حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۱-۸۰)

ذکر اور تسبیح کرنے والوں کی اقسام اور ان کے مراتب اور درجات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور صبح اور شام اس کی تسبیح کیا کرو۔(الاحزاب:۴۲)

اس آیت میں بکرۃ واصیلا کے الفاظ ہیں' بکرۃ کا معنی ہے دن کا اول حصہ اور اصیل شام کے وقت کو کہتے ہیں یعنی عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔ اور اللہ کی تسبیح کرنے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا اور ہر اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' اور اس سے مطلوب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہ بیان کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح کرنے والوں کی حسب ذیل اقسام اور ان کے درجات ہیں:

(۱) بعض لوگ صرف زبان سے ذکر کرتے ہیں وہ اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت اور انس نہیں ہوتا' نہ ان کا ذہن ذکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے' اور نہ ان کی روح ذکر کے معانی اور اسرار کی طرف متوجہ ہوتی ہے' وہ محض بے خیالی اور بے پرواہی سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اور بعض لوگوں کا دل و دماغ تو کسی گناہ کے خیال اور اس کی لذت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور ان کی زبان پر اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان کے ہاتھ تسبیح رول رہے ہوتے ہیں' ایسا ذکر مطلقاً مردود ہے' یہ عام فساق اور فجار کا ذکر ہے۔

(۲) بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا ذہن اس کی طرف متحضر نہیں ہوتا اور نہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا انس اور اس کی محبت ہوتی ہے اور نہ ان کی روح میں انہماک اور استغراق ہوتا ہے یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور پہلی قسم کی بہ نسبت مقبول ہے۔

(۳) بعض مسلمان زبان سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی عقل اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتی ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت ہوتی ہے لیکن ان کی روح اللہ کی یاد میں منہمک اور اس کی تجلیات میں مستغرق نہیں ہوتی یہ مقربین' عارفین اور اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔

(۴) اور بعض ایسے ذاکرین ہیں جو زبان' عقل' قلب اور روح کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو یاد کرتے ہیں' یہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔

اللہ کا ذکر کرنے سے دلوں سے گناہوں کا میل اور زنگ چھوٹ جاتا ہے اور شیشہ دل صاف اور صیقل ہو جاتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح لوہے پر زنگ لگتا ہے اس طرح دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے' آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! وہ زنگ کس طرح صاف ہوگا؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ کی بہ کثرت تلاوت کرنے سے اور اللہ عزوجل کا بہت زیادہ ذکر کرنے سے۔(کنز العمال رقم الحدیث:۳۹۲۴)

سو اللہ کی راہ میں قدم رکھنے والے اور اس کا قرب حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' اور عقل سے اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرے' دل میں اس کی یاد رکھے' ذکر کے وقت ذہن کو اس کی بارگاہ میں حاضر رکھے تا کہ اس کا آئینہ دل صاف اور شفاف ہو جائے اور اس میں اس کی تجلیات منعکس ہونے لگیں۔

بعض اذکار اور اوراد

نماز' قرآن مجید کی تلاوت اور قرآن اور حدیث کا درس دینا یہ سب اللہ عزوجل کے ذکر کی اقسام ہیں لیکن سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور افضل الدعاء الحمد للہ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۰۰' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۸۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۸۴۶' المستدرک ج۱ص ۴۹۸' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۷۹' شرح السنہ ج ۳ص ۱۹۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۲۳۰۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۴۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۰۹۱)

اسی طرح بعض مواقع کے بعض مخصوص اذکار ہیں:

حضرت ابو حمید اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو پڑھے: اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور جب مسجد سے باہر آئے تو پڑھے: اللھم انی اسئلک من فضلک۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث:۱۷۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو چر لیا کرو' آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ جنت کے باغات کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد' آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو چرنا کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۰۹)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے: لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کا معنیٰ

اس آیت میں صلوٰۃ کا لفظ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے' اور جب صلوٰۃ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت نازل کرنا' اور جب اس کا فاعل فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہوتا ہے مومنوں کے لیے استغفار کرنا' قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا. (المومن:۷)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

پس اس آیت کا معنی ہے اللہ تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر یہ اعتراض ہوگا کہ ایک لفظ سے دو معنوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد مومنوں کے لیے صلاح اور خیر کا ارادہ کرنا اور جب اللہ مومنوں کے لیے خیر کا ارادہ کرے گا تو وہ ان پر رحمت نازل فرمائے گا اور جب فرشتے مومن کے لیے خیر کا ارادہ کریں گے تو اس کے لیے استغفار کریں گے۔

مومن پر اللہ کی صلوٰۃ اور رحمت کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ اس کے دل سے بری خواہشوں کو نکال دیتا ہے اور معصیت کے زنگ سے اس کے دل کو صاف کر دیتا ہے اور اس کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اس کو نور معرفت عطا فرماتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اس کو آپ کی سیرت کا متبع بنا دیتا ہے اور یہ بھی مومن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ حاملین عرش اور اس کے مقرب فرشتے مومن کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کے محامل

نیز فرمایا تا کہ وہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اس آیت کے اس حصے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) تا کہ اللہ تم کو شرک جہالت اور معصیت سے نکال کر ایمان علم اور اطاعت کی طرف لائے۔

(۲) بشری کثافتوں اور کدورتوں سے نکال کر روحانیت کی جلاء اور صفا کی طرف لائے۔

(۳) حجابات اور ظلمات سے نکال کر مشاہدات اور تجلیات کی طرف لائے۔

(۴) قبروں سے نکال کر میدان حشر کی طرف لائے استحقاق نار سے نکال کر اپنے فضل اور جنت کی طرف لائے۔

اس کے بعد فرمایا: جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے تو ان کو سلام پیش کیا جائے گا۔

تحیت کا معنی اور اس کے مواقع

اس آیت میں تحیت کا لفظ ہے اور تحیت کا معنی ہے کسی کے لیے حیات کی دعا کرنا جیسے عرب کہتے ہیں حیاک اللہ اللہ تم کو حیات عطا فرمائے پھر ہر نیک دعا کو تحیت کہا جانے لگا ملاقات کے وقت جو دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں ان کو بھی تحیت کہا جاتا ہے۔

فرمایا: جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے یعنی جب مومن موت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے یا جب قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں اللہ سے ملاقات کریں گے یا جب دخول جنت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے تو ان کو اللہ کی طرف سے سلام پیش کیا جائے گا اور یہ سلام مومنین کی تکریم اور تشریف کے لیے ہوگا۔ اور یا فرشتوں کی طرف سے ان کو سلام پیش کیا جائے گا۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۳-۲۴)

اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لیے آئے گا تو کہے گا تمہارا رب تم کو سلام بھیجتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملک الموت ہر مومن کی روح قبض کرنے سے پہلے اس کو سلام کرے گا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۵۵۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر O اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل ہوگا O (الاحزاب: ۴۶-۴۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء اور آپ کی صفات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا ومبشرا و نذیرا O تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلایا آپ ان دونوں کو یمن کی طرف بھیجنے کا حکم دے چکے تھے آپ نے فرمایا تم دونوں جا کر لوگوں کو بشارت دینا' اور ان کو متنفر نہ کرنا' اور آسان احکام بیان کرنا اور مشکل احکام نہ بیان کرنا' کیونکہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو آپ کی امت کے اوپر شاہد بنا کر بھیجا ہے' اور جنت کی بشارت دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا اور لا الہ الا اللہ کی شہادت کی دعوت دینے والا اور قرآن کی روشنی دینے والا چراغ بنا کر۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸' رقم الحدیث: ۱۱۸۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا مجھے بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات ہیں' انہوں نے کہا تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض وہ صفات ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا (الاحزاب: ۴۵) اور آپ کو امیین کی پناہ بنایا' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ بد مزاج اور سخت طبیعت نہیں ہیں اور بازاروں میں شور نہیں کرتے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں' لیکن آپ معاف کر دیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں' اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح کو قبض نہیں کرے گا جب تک کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہیں کر دیتا بایں طور کہ وہ سب کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' اور جب تک آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں اور بند کانوں اور مقفل دلوں کو کھول نہیں دیتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۸-۲۱۲۵' دار ارقم بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ اسماء ہیں' شاہد' مبشر' نذیر' داعی الی اللہ' سراج اور منیر۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ اسماء ہیں' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (شرک اور کفر کو مٹانے والا) ہوں' اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں' میرے قدموں میں لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں (سب نبیوں کے بعد آنے والا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام رؤف رحیم رکھا ہے۔ (التوبہ: ۱۲۸)

علامہ ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں الاحزاب: ۱۳ کی تفسیر میں آپ کے سڑسٹھ (۶۷) اسماء ذکر کیے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو اسی اسماء ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۸۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے حق میں شاہد ہونا

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد فرمایا ہے اور شاہد کا معنی ہے گواہی دینے والا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کے چار محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے حق میں قیامت کے دن گواہی دیں گے' دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے والے ہیں اور تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ دنیا میں امور آخرت کی گواہی دیں گے اور چوتھا محمل یہ ہے کہ آپ اعمال امت پر شاہد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (البقرہ:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ ایک شخص ہو گا' اور ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ دو شخص ہوں گے' اور ایک نبی آئے گا اس کے ساتھ زیادہ لوگ ہوں گے' اس سے کہا جائے گا کیا تم نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی؟ وہ کہے گا ہاں! پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تم کو تبلیغ کی تھی' وہ کہیں گے نہیں! پھر اس نبی سے کہا جائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت' پھر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بلایا جائے گا' اور کہا جائے گا: کیا انہوں نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر کہا جائے گا تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ (سب) رسولوں نے تبلیغ کی ہے' اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۹۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

اس آیت اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں اور آپ اپنی امت کے اعمال کا بھی مشاہدہ فرماتے ہیں کیونکہ آپ اپنی امت کی گواہی دیں گے اور گواہی میں اصل یہ ہے کہ مشاہدہ کر کے اور دیکھ کر گواہی دی جائے' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے سیاحت کرنے والے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور میری وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میں جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں' اور میں جو برا عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۵۷' طبع جدید' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی توحید اور ذات وصفات پر شاہد ہونا

شاہد ہونے کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور لا الٰہ الا اللہ پر شاہد ہیں اور آپ نے امت کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دیں' اور آپ جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دیتے ہیں یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل نے اور ان کی امتوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی شہادت دی ہے' اور آپ کی اور باقی نبیوں اور رسولوں کی شہادت میں فرق یہ ہے

کہ تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ کی توحید اور اس کی ذات وصفات کی شہادت فرشتوں سے سن کر دی ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات وصفات کی شہادت دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے دی ہے' بلکہ ساری کائنات اللہ کے واحد ہونے کی شہادت سن کر دیتی ہے اور آپ تنہا اور واحد ایسے شاہد ہیں جس نے اللہ کو دیکھ کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں میں صرف آپ کو شاہد فرمایا ہے' آپ نے جس چیز کی بھی شہادت دی ہے وہ دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے شہادت دی ہے' کرسی اور عرش ہو یا لوح وقلم ہو' فرشتے ہوں یا جنات ہوں یا جنت اور دوزخ ہو آپ نے ہر چیز کو دیکھ کر اور مشاہدہ کر کے شہادت دی ہے اور جیسے آپ شاہد ہیں کائنات میں ایسا کوئی دوسرا شاہد نہیں ہے۔

امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توحید پر شاہد بنایا ہے توحید کا مدعی نہیں بنایا کیونکہ جس چیز کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ خلاف ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید تو اس کائنات میں ظاہر ہے بلکہ اظہر من الشمس ہے' (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۷۳) میں کہتا ہوں کہ اگر توحید ظاہر اور اظہر من الشمس ہوتی تو ساری دنیا اس کی منکر کیوں ہوتی اور اس کو منوانے کے لیے اتنے نبیوں اور رسولوں کو کیوں مبعوث کیا جاتا اور اس قدر دلائل اور معجزات کیوں پیش کیے جاتے! حق یہ ہے کہ اس کی توحید مخفی تھی اس کو نبیوں اور رسولوں نے ظاہر کیا اور سب سے زیادہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توحید کو آشکارا کیا' اللہ تو ہمیشہ سے واحد تھا لیکن اس کی توحید کے اتنے ماننے والے نہ تھے آپ نے اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دی تو کائنات کی ہر حقیقت نے اللہ کو واحد کہا۔ آپ نے اللہ کی توحید کی شہادت دی اور اللہ نے آپ کی رسالت کی شہادت دی سو فرمایا:

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ○ (آل عمران: ۸۱) تم (بھی ان کی رسالت کے اقرار پر) گواہ ہو جاؤ اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ. (المنافقون: ۱) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اس کے رسول ہیں۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ. (البروج: ۳) شاہد کی قسم اور مشہود کی قسم!

آپ اللہ کی توحید پر شاہد اور اللہ آپ کی رسالت پر شاہد ہے سو آپ شاہد بھی ہیں اور مشہود بھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں امور آخرت پر شاہد ہونا

اور شاہد کا تیسرا محمل یہ ہے کہ آپ دنیا میں امور آخرت پر شاہد ہیں آپ جنت کے اور دوزخ کے شاہد ہیں اور میزان اور صراط کے شاہد ہیں' آپ نے جس کے جنتی ہونے کی شہادت دی اس پر جنت واجب ہو گئی اور جس کے دوزخی ہونے کی شہادت دی اس پر دوزخ واجب ہو گئی' آپ نے دس صحابہ کا نام لے کر فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر جنت میں ہیں' عمر جنت میں ہیں' عثمان جنت میں ہیں' علی جنت میں ہیں' طلحہ جنت میں ہیں' زبیر جنت میں ہیں' عبد الرحمان بن عوف جنت میں ہیں' سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں' سعید بن زید جنت میں ہیں' ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۷' مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۰۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ طلحہ اور زبیر دونوں جنت میں میرے پڑوس میں ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۱' المستدرک ج ۳ ص ۳۶۵' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۲۹۴' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ...)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ نے اپنے لیے جنت کو واجب کر لیا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۸' ۳۷۴۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص شہید کو زمین پر چلتے پھرتے دیکھنے سے خوش ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۵' حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۰۰)

اسی طرح جن لوگوں کے متعلق ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخی ہونے کی شہادت دی ان کا دوزخی ہونا واجب ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا جہنم کی بعض آگ بعض کو کھا رہی تھی' اور میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا اور یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بتوں کے لیے اونٹنیوں کو نامزد کیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۹۰۱' رقم الحدیث المسلسل: ۲۰۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے آخر میں روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دوزخ میں ایک ڈھال والے شخص کو دیکھا جو اپنی ڈھال سے حجاج کے کپڑے چرایا کرتا تھا اگر کسی کو پتا چل جاتا تو وہ کہتا یہ کپڑا میری ڈھال میں اٹک گیا تھا' اور جب وہ شخص غافل ہوتا تو وہ کپڑا لے جاتا' اور میں نے دوزخ میں ایک عورت کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ کر رکھا تھا' اس کو کچھ کھانے کو دیا اور نہ اس کو آزاد کیا کہ وہ زمین پر پڑی ہوئی کوئی چیز کھالیتی حتیٰ کہ وہ بلی بھوک سے مرگئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۹۰۴' رقم الحدیث المسلسل: ۲۰۶۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعمال امت پر شاہد ہونا

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کا چوتھا محمل ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم حدیث بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے' اور وفات (بھی) تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیک عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور میں جو برے عمل دیکھتا ہوں ان پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۸۴۵' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے امتیوں کے اعمال پر شاہد تھے پھر تو بات بالکل واضح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ بعد کے امتیوں کے اعمال پر بھی شاہد تھے تو اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت ابوبکر' حضرت انس' حضرت حذیفہ' حضرت سمرہ اور حضرت ابو بردہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر وارد ہوں گے' حتیٰ کہ میں ان کو دیکھ کر اور پہچان کر کہوں گا اے رب میرے اصحاب! میرے اصحاب! پس مجھ سے کہا جائے گا آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئے کام نکالے ہیں! ہاں اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو یہ تو علم تھا کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے لوگ کیا نیک کام کریں گے اور کیا برے کام کریں گے' لیکن آپ کو ان

لوگوں کا علم نہیں تھا کہ کون نیک کام کرنے والے ہیں اور کون برے کام کرنے والے ہیں تا کہ اس حدیث اور مسند بزار کی عرض اعمال والی حدیث میں تطبیق ہو جائے' اس کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کو نیکی کرنے والے اور گناہ کرنے والے معین لوگوں کا بھی علم تھا لیکن قیامت کے دن آپ بھول گئے' اور بعض صوفیاء کرام نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں کے اعمال پر مطلع فرما دیا تھا اور آپ نے ان کے اعمال کو دیکھا تھا اس لیے آپ کو شاہد فرمایا۔

مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ العزیز نے مثنوی میں فرمایا:

در نظر بودش مقامات العباد — زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

آپ کی نظر میں بندوں کے مقامات تھے — اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۶۵ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں علم کی نفی نہیں ہے درایت کی نفی ہے کیونکہ فرشتے یہ نہیں کہیں گے انک لا تعلم بلکہ یہ کہیں گے انک لا تدری' اور درایت کا معنی ہے کسی چیز کو اپنی عقل اور قیاس سے جاننا یعنی آپ ان لوگوں کے مرتد ہونے کو اپنی عقل اور اپنے قیاس سے نہیں جانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے جانتے ہیں' باقی رہا یہ کہ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ میرے اصحاب ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں اصحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہوگا' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا محذوف ہو' یعنی کیا یہ میرے صحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ' اعمال نامے بائیں ہاتھ میں' آنکھیں نیلی' چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے اصحاب کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شاداب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ ان کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہوگا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے' تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ ہو کہ کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو آپ کو علم تھا کہ کون ایمان پر قائم رہا اور کون مرتد ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرما رہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے آپ نے دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا اظہار فرما دیا ہے۔

اس بحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم میں کی ہے اس کو شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۰۵-۹۰۳ میں ملاحظہ فرمائیں' شاید اس قدر تحقیق آپ کو اور کہیں نہ ملے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج کہنے کی توجیہ

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرمایا ہے اور سراج کا معنی ہے چراغ' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شمس کیوں نہیں فرمایا حالانکہ شمس کی روشنی چراغ سے زیادہ ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو جاتا ہے اور ایک سورج سے دوسرا سورج نہیں بنتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے آپ کے اصحاب بھی ہادی بن گئے' حدیث میں ہے میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ

گے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۰۱۸)

جنت کا حصول اللہ کا بہت بڑا فضل ہے

اس کے بعد فرمایا: اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل ہوگا۔

بہت بڑے فضل سے مراد ہے اللہ تعالیٰ مومنوں کو جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کی تصریح ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○ (الشوریٰ: ۲۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے' وہ جو کچھ چاہیں گے وہ ان کو ان کے رب کے پاس ملے گا' یہی بہت بڑا فضل ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوسری امتوں پر فضیلت اور شرف عطا فرمائے گا۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو اجر اور جنت عطا فرمائے گا اس کا سبب ان کے اعمال نہیں ہیں بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحیح عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو' اور لوگوں کو بشارت دو' کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! فرمایا مجھ کو بھی نہیں! سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور (نیک) عمل کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۷-۶۴۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۸)

اس حدیث میں اہل سنت کے مذہب پر دلیل ہے کہ کوئی شخص جنت اور ثواب کا اپنی عبادت کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت اور ثواب محض اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت کا سبب مسلمانوں کے اعمال ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (النحل: ۳۲)

اپنے ان (نیک) کاموں کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ' جو تم کیا کرتے تھے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (الزخرف: ۷۲)

یہ وہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال دخول جنت کا ظاہری سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل جنت میں دخول کا حقیقی سبب ہے' کیونکہ نیک اعمال اور ان کی ہدایت اور ان میں اخلاص اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوتے اور ان نیک اعمال کو قبول کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت سے ہوتا ہے۔

سو ان آیات میں دخول جنت کے ظاہری سبب کا ذکر کیا گیا ہے اور حدیث مذکور میں دخول جنت کے سبب حقیقی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے گا اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے' جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر

حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو○ (الاحزاب:۴۹۔۴۸)

کافروں اور منافقوں سے درگزر کرنے کے حکم کا منسوخ ہونا

الاحزاب:۴۸ میں آپ کو کافروں اور منافقوں کی بات ماننے سے منع فرمایا ہے' بعض کافر آپ سے یہ کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہا کریں پھر ہم آپ کی پیروی کرلیں گے' اور منافقین آپ کو مصلحت کوشی سے کام لینے کا حکم دیتے تھے' تو آپ ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کریں اور ان کی زیادتیوں پر ان کو سزا نہ دیں' اور ان سے درگزر کریں' اس آیت کا حکم ان آیات سے منسوخ ہو گیا ہے جن میں آپ کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ (التوبہ:۷۳) اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

یعنی اگر یہ کفار اور منافقین اپنی سازشوں اور کارروائیوں سے آپ کو ضرر پہنچائیں تو آپ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں' ان کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ آپ ان کی دل آزار باتوں سے تنگ ہو کر اپنے مشن کو ترک کر دیں' آپ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس فکر میں نہ پڑیں کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون ایمان نہیں لاتا' لوگوں کے دلوں میں ایمان ڈالنا اور ان کی نازیبا حرکتوں پر ان کا مواخذہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور وہ کافی کارساز ہے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔

اس آیت میں مسلمان عورتوں سے نکاح کی تخصیص فرمائی ہے' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس تخصیص میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ مومن کے لائق یہ ہے کہ وہ مومنہ سے نکاح کرے' اور اہل کتاب عورتوں سے دارالکفر میں نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفار کا غلبہ ہوتا ہے اور مسلمان وہاں آزادی اور شرح صدر کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم اور تربیت نہیں دے سکے گا' اور دارالاسلام میں بلا ضرورت اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے واضح رہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اللہ کو نبی کو اور آسمانی کتاب کو مانتے ہوں خواہ وہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل ہوں۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۱' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

تہذیب اور شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ جماع اور مباشرت کو کنایہ سے تعبیر کیا جائے

اس کے بعد فرمایا: پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے۔

اس آیت (الاحزاب:۴۹) میں عمل زوجیت کے لیے ان تمسوھن فرمایا اس کا معنی ہے تم ان کو چھوؤ' اور النساء:۴۳ اور المائدہ:۶ میں اس کے لیے لمستم النساء فرمایا اس کا معنی بھی ہے تم عورتوں کو چھوؤ' اور البقرہ:۲۲۲ میں ولا تقربوھن حتی یطھرن فرمایا یعنی جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہوں ان سے مقاربت نہ کرو' اور الاعراف:۱۸۹ میں فرمایا: فلما تغشاھا حملت حملا خفیفا اس کا معنی ہے جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا تو اس کو خفیف سا حمل ہو گیا اور البقرہ:۲۲۳ میں فرمایا: نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم اس کا معنی ہے: عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اپنی کھیتیوں میں جس طریقہ سے چاہو آؤ' سو اللہ تعالیٰ نے عمل زوجیت کے لیے صریح لفظ جماع' دخول یا وطی استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کو چھونے' مقاربت' ڈھانپنے اور آنے کے کنایہ سے تعبیر فرمایا اس میں ہم کو بھی شرم و حیاء کی تعلیم دی ہے کہ گفتگو اور کلام میں اس قسم کے کام کے لیے

صریح الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ان کے لیے استعارہ اور کنایہ کے الفاظ لانے چاہئیں۔

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں مذاہب ائمہ

اس آیت میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق' اب اگر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو آیا اس کو نکاح کے بعد طلاق پڑے گی یا نہیں؟ جمہور فقہاء کے نزدیک اس کو طلاق نہیں پڑے گی' ان کا استدلال اس آیت سے ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے: جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو'اس سے معلوم ہوا کہ طلاق تب واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح کیا ہو'اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے یہ کہہ دے کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھ کو طلاق' تو نکاح کے بعد اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس پر تو اجماع ہے کہ اجنبی عورت پر فوراً طلاق نہیں پڑتی' لیکن اگر اجنبی عورت پر طلاق معلق کی جائے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق پس اس صورت میں جمہور صحابہ اور تابعین اور بعد کے فقہاء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی' اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک نکاح کے بعد اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔

(نیل الاوطار ج ۵ ص ۳۰' مطبوعہ دارالوفاء بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(فتح البیان ج ۵ ص ۳۸۳۔۳۸۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

جمہور فقہاء کا استدلال اس آیت کے علاوہ اس حدیث سے ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور جس غلام کا وہ مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے اور جس عورت کا وہ مالک نہ ہو اس کو طلاق دینا صحیح نہیں ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۱۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۷)

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کے موقف پر قرآن اور سنت سے دلائل

فقہاء احناف کے خلاف یہ آیت اور یہ حدیث اس وقت ہوتی جب وہ یہ کہتے کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی' اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ جو عورت اس کے نکاح اور اس کی ملک میں نہیں ہے اس پر طلاق کا واقع ہونا اس آیت اور اس حدیث کے خلاف ہے' لیکن فقہاء احناف اس طرح نہیں کہتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق تو جب وہ اس عورت سے نکاح کر لے گا تو اور وہ اس کی ملک میں آ جائے گی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ صورت اس آیت اور اس حدیث کے خلاف نہیں ہے' اس صورت میں تعلیق صحیح ہے' جیسا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بھی یہ نذر صحیح ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میرے پاس مثلاً سو روپے آ گئے تو میں ان کو صدقہ کر دوں گا' تو جب اس کے پاس سو روپے آ جائیں گے تو اس پر صدقہ کرنا لازم ہوگا' حالانکہ اس وقت اس کی ملک میں سو روپے نہیں ہیں۔ تو جس طرح اس وقت ملک میں سو روپے نہ ہونے کے باوجود اس کی تعلیقاً یہ نذر صحیح ہے

اس کے نکاح میں کسی معین عورت کے نہ ہونے کے باوجود تعلیقاً یہ طلاق صحیح ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عمران کی بیوی کے ہاں ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا اور انہوں نے اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر مان لی تھی' قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۔(آل عمران: ۳۵)

اور یاد کیجئے! جب عمران کی بیوی نے کہا تھا اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو ہے اس کی میں نے خاص تیرے لیے نذر مانی ہے' (دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کیا ہوا' تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلمون عند شروطهم.

مسلمان اپنی شرط کو پورا کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب: ۱۴)

اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں فقہاء احناف کے موقف پر آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین سے دلائل

ابوسلمہ بن عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آیا اور اس نے بتایا میں نے یہ کہا ہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اس کو تین طلاقیں' حضرت عمر نے فرمایا جس طرح تم نے کہا اسی طرح ہوگا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۲۵' رقم الحدیث: ۱۱۵۱۸' طبع جدید' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

زہری سے پوچھا گیا ایک شخص نے کہا ہے ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے؟ انہوں نے کہا جس طرح اس نے کہا ہے اسی طرح ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۵۱۹)

معمر نے کہا کیا بعض صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑتی اور ملکیت سے پہلے کوئی آزاد نہیں ہوتا' انہوں نے کہا یہ اس صورت میں ہے جب کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں عورت کو طلاق یا فلاں غلام آزاد۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۴۵ طبع جدید)

شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ہر وہ عورت جس کو میں تجھ پر نکاح کر کے لاؤں اس کو طلاق ہے' انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنی بیوی کے اوپر جس عورت سے بھی نکاح کرے گا اس کو طلاق پڑ جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۶' رقم الحدیث: ۱۷۸۳۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

عطاء نے کہا جب کوئی شخص عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ میں اس عورت سے نکاح کے بعد جس عورت سے بھی نکاح کروں گا' اس پر طلاق پڑ جائے گی تو یہ شرط جائز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

خلوت صحیحہ سے مہر کے وجوب پر امام رازی کے اعتراض کا جواب

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے عمل زوجیت سے پہلے تم انہیں طلاق دے دو' اس میں عمل زوجیت سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور حکماً عمل زوجیت سے مراد خلوت صحیحہ ہے' اور خلوت صحیحہ کو حکماً عمل زوجیت اس لیے قرار دیا ہے کہ عورت نے اپنے

آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا اس عمل سے کوئی شرعی اور طبعی مانع نہیں ہے اس کے باوجود اگر خاوند نے یہ عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے اس عمل کی پیش کش ہو چکی ہے اور یہ حکماً عمل زوجیت ہے' اس لیے اگر خلوت صحیحہ کے بعد خاوند نے عورت کو طلاق دے دی تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک پورے مہر کی مستحق ہو گی خواہ خاوند نے یہ عمل نہ کیا ہو' کیونکہ عورت اسے اس عمل کے لیے پیش کر چکی تھی اور خاوند نے اگر عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے کوئی تقصیر نہیں ہے لہٰذا وہ اس صورت میں بھی مکمل مہر کی مستحق ہو گی اور اس قول پر امام رازی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے:

امام شافعی نے فرمایا ہے خلوت صحیحہ مہر کو ثابت نہیں کرتی' اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے خلوت صحیحہ مہر کو ثابت کرتی ہے' امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. تم نے جن عورتوں سے نفع اٹھالیا ہے ان کو ان کے مہر ادا کر دو۔ (النساء: ۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی کا وجوب عورتوں سے نفع اٹھانے یعنی عمل زوجیت کے سبب سے ہے' اور اگر خلوت صحیحہ بھی مہر کو واجب کرتی اور ظاہر ہے کہ خلوت صحیحہ عمل زوجیت پر مقدم ہوتی ہے تو پھر اس عمل سے پہلے ہی مہر ثابت ہو جانا چاہیے حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے ثبوت کا تعلق اس عمل کے سبب سے ہے' پس معلوم ہو گیا کہ خلوت صحیحہ سے مہر ثابت نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۴۱۔۴۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں ہے کہ مہر صرف عمل زوجیت سے ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بھی مہر ثابت نہیں ہوتا' اس جواب کا ہم نے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۳۳ میں بھی ذکر کیا ہے' اور دوسرا جواب وہ ہے جو ہم نے یہاں ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں استمتاع یعنی عمل زوجیت سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور خلوت صحیحہ بھی حکماً عمل زوجیت ہے اس لیے خلوت صحیحہ سے بھی مہر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس طرح عموم مراد لینے کی قرآن مجید میں اور بھی نظائر ہیں مثلاً فرمایا:

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ. اور جس نے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (المائدہ: ۵)

اب اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد شرک کرے تو پھر بھی اس کا عمل ضائع ہو جائے گا اور اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ کفر سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور شرک بھی حکماً کفر ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ. (النساء: ۴۸) بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

اب اگر کوئی شخص نماز یا زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دے اور یہ شرک نہیں ہے' تو کیا اس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا؟ اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ حقیقۃً شرک نہیں ہے حکماً کفر ہے' اس لیے یہ بھی معاف نہیں ہو گا۔

اسی طرح خلوت صحیحہ بھی حکماً استمتاع اور عمل زوجیت ہے اور اس سے بھی مہر ثابت ہو گا خواہ بالفعل یہ عمل نہ کیا جائے۔ اور اس آیت (الاحزاب: ۴۹) میں فرمایا ہے' پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو' یعنی تم نے حقیقۃً یہ عمل کیا ہو نہ حکماً' خلوت صحیحہ ہوئی ہو اور نہ عمل تزویج کیا ہو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے' جس کا تم شمار کرو' سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسن سلوک سے ان کو رخصت کر دو۔

مطلقہ کو نصف مہر اور متاع دینے کے وجوب کے محامل

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عدت کی نفی خلوت صحیحہ اور جماع دونوں سے متعلق ہے اور ان کو ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا اس صورت میں ہے جب ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور اب ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا واجب ہے اور اگر ان کا مہر مقرر کیا گیا تھا تو ان کو نصف مہر دینا واجب ہے اور ان کے فائدہ کی کچھ چیزیں دینا مستحب ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَّعْفُوْنَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ

(البقرہ: ۲۳۷۔۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو (ان کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو نہ تم نے ان کے ساتھ عمل تزویج کیا ہو) یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوش حال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے○ اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے (خلوت صحیحہ اور عمل تزویج) سے پہلے انہیں طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے تو کچھ حرج نہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری الاحزاب: ۴۹ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے متعلق ہے جو کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے اس کو طلاق دے دے، پس جب وہ اس عورت کو ایک طلاق دے گا تو وہ اس سے بائن ہو جائے گی اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے، وہ جس سے چاہے نکاح کرے پھر **فمتعوھن وسرحوھن** کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اگر اس نے اس عورت کے لیے مہر مقرر کیا تھا تو اس کو صرف نصف مہر ملے گا، اور اگر اس نے اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تھا تو وہ اپنی وسعت کے مطابق اسے کچھ فائدہ کی چیزیں دے دے اور یہی سراح جمیل کا معنی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلوت صحیحہ کی تعریف

علامہ مصلح الدین القوجوی الحنفی التوفی ۹۵۱ھ الاحزاب: ۴۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے، اور فقہاء احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ بیوی کو ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) کے قائم مقام ہے، اور خلوت صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں عمل زوجیت سے کوئی شرعی مانع نہ ہو، مثلاً دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو، یا کسی کا روزہ ہو یا بیوی کو حیض ہو اور نہ کوئی حسی مانع ہو مثلاً بیوی کو ایسی بیماری ہو جو اس عمل سے مانع ہو، اور نہ کوئی عقلی مانع ہو، مثلاً وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اس عمل سے حیا کرے، اگر اس طریقہ سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو پھر خاوند نے اس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہوگا اور

اس عورت پر احتیاطاً عدت واجب ہوگی اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے عمل تزویج کیا ہو تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا' اور عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی۔

مطلقات کی اقسام اور متاع کا بیان

نیز علامہ القوجوی الحنفی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک مطلقات کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور نہ اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے اس کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیص' دوپٹہ اور تہبند ہے۔

(۲) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے' اس کو نصف مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔

(۳) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا تھا اس کو پورا مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔

(۴) جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اس کو مہر مثل دینا واجب ہے اور اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۴۸ ـ ۶۴۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

سراح جمیل کا معنی

سرحوهن سراحا جميلا کا معنی یہ ہے کہ جب ان عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے تو پھر ان کو بغیر طعن اور تشنیع کے چھوڑ دو' اور جانے دو۔

اصل میں تسریح کا معنی ہے اونٹوں کو پھل دار درختوں پر چرنے کے لیے چھوڑ دینا پھر اس لفظ کو مطلقاً چرنے کے لیے چھوڑنے میں استعمال کیا جانے لگا' پھر اس کا اطلاق مطلقاً نکالنے اور چھوڑنے پر کیا جانے لگا۔

سراح جمیل کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ خاوند عورت کو جو کچھ دے چکا ہے اس کو اس سے واپس نہ مانگے' جبائی نے کہا اس سے مراد سنت کے مطابق طلاق دینا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے دی ہوئی طلاق پر مترتب ہے اس سے نئی طلاق دینا مراد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں' اور آپ کی ان کنیزوں کو جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں' جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں' یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے' بے شک ہم اس چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے (آپ کے لیے یہ خصوصی حکم) اس لیے ہے کہ آپ پر کوئی دشواری نہ ہو' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب: ۵۰)

حضرت ام ہانی کو نکاح کا پیغام دینا

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا میں

نے آپ کے سامنے (اپنے بچوں والی ہونے کا) عذر پیش کیا' آپ نے میرا عذر قبول فرما لیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے' جن کا مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور آپ کی ان کنیزوں کو جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں' جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی (وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں) اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں۔ (الاحزاب: ۵۰) حضرت ام ہانی نے کہا سو میں آپ کے لیے حلال نہ تھی کیونکہ میں نے ہجرت نہیں کی تھی اور میں طلقاء میں سے تھی (فتح مکہ کے بعد آپ نے اہل مکہ سے فرمایا تھا تم طلقاء ہو یعنی آزاد ہو)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۴' المعجم الکبیر ج ۲۴' رقم الحدیث: ۱۰۰۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہم نے آپ کے لیے آپ کی ان ازواج کو حلال کر دیا ہے جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں' مجاہد وغیرہ نے بیان کیا آپ کی ازواج کا مہر پانچ سو درہم تھا یعنی 131.25 تولہ چاندی' ماسوا حضرت ام حبیبہ کے' ان کا مہر نجاشی نے چار سو دینار رکھا تھا' اور ماسوا حضرت صفیہ بنت حیی کے ان کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا گیا تھا' کیونکہ وہ غزوہ خیبر میں قید ہو کر آئی تھیں آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور ان کے آزاد کرنے کو ان کا مہر قرار دیا' اسی طرح حضرت جویریہ بنت الحارث تھیں وہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو ان کا بدل کتابت ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کی ان کنیزوں کو آپ کے لیے حلال کر دیا جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت سے عطا فرمائی تھیں۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ آپ کی ملک میں آئیں آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا' اور حضرت ریحانہ بنت شمعون النضر یہ اور حضرت ماریہ قبطیہ جو حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں' یہ آپ کی کنیزیں تھیں۔

نکاح کی اجازت کے رشتوں میں اسلام کا متوسط حکم

نصاریٰ کے ہاں چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہ تھا یہ تفریط تھی اور یہود کے ہاں بھائی کی بیٹی اور بہن کی بیٹی سے بھی نکاح جائز تھا یہ افراط تھا' اسلام نے افراط اور تفریط کو ترک کر کے متوسط حکم دیا' بھانجی اور بھتیجی سے نکاح کو حرام کر دیا اور چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی سے نکاح کو جائز قرار دیا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' وہ بھی آپ کے لیے حلال ہیں۔

جن خواتین نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لیے پیش کیا

اس کے بعد فرمایا: اور وہ مومنہ عورت بھی جس نے اپنا نفس آپ کے لیے ہبہ کر دیا' اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں' یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے' عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی بیٹی بھی تھی' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش

کیا' وہ کہنے لگی یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انس کی بیٹی نے یہ سن کر کہا اس عورت میں کس قدر کم شرم و حیا تھی' وہ کیسی بری عورت تھی! وہ کیسی بری عورت تھی! حضرت انس نے کہا وہ تم سے بہتر تھی' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت کی اور اپنے آپ کو حضور پر پیش کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۸۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی (یعنی وہ بری لگتی تھیں) تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو کسی پر پیش کر سکتی ہے! پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ

ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے پاس سے دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں' اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے ان میں سے جس کو چاہیں پھر طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵۱)

تب میں نے یہ کہا کہ میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کر دیتا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا وہ حضرت میمونہ بنت الحارث ہیں اور مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ الانصاریہ ہیں اور وہی ام المساکین ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فوت ہو گئیں تھیں' کافی عورتوں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا تھا' اور یہ پیش کش صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز قرار دی گئی تھی۔ جن عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا' ان میں ایک خاتون بنو بکر کی تھیں' یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ کے مقابلہ میں دنیا کو اختیار کر لیا تھا' ایک خاتون بنو الجون کی تھیں یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ سے پناہ طلب کی تھی' اور دو قیدی عورتیں تھیں ایک حضرت صفیہ اور دوسری حضرت جویریہ۔ اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں ایسی کوئی خاتون نہیں تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ہو' اس کو امام ابن ابی حاتم نے از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے' اور امام ابن جریر نے یونس بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ جن خواتین نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کیا تھا' آپ نے ان میں سے کسی کو قبول نہیں فرمایا اور یہ آپ کے لیے مباح تھا اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ

اگر نبی ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں یعنی ان کو پسند کر لیں۔ (الاحزاب: ۵۰)

بغیر مہر کے محض ہبہ سے کوئی خاتون عام مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے

اس کے بعد فرمایا: یہ حکم صرف آپ کے لیے مخصوص ہے' عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵۰)
عکرمہ نے کہا جو عورت اپنا نفس آپ کے علاوہ کسی اور کو ہبہ کرے تو اس کے لیے وہ عورت حلال نہیں ہے' وہ اس وقت تک اس سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک اس کا مہر مقرر نہ کرے' اسی طرح مجاہد اور شعبی وغیرہما نے کہا یعنی اگر کوئی عورت اپنا نفس کسی شخص کو ہبہ کر دے تو وہ شخص جب بھی اس کے ساتھ عمل زوجیت کرے گا تو اس پر مہر مثل واجب ہو جائے گا' جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت واثق کے متعلق فیصلہ فرمایا تھا اس نے کسی شخص کو اپنا نفس ہبہ کر دیا تھا' جب اس کا خاوند فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے اس کے خاوند کے ترکہ سے مہر مثل واجب ہوگا اور موت اور عمل زوجیت دونوں برابر

مثل کے اثبات اور اس کی تاکید میں برابر ہیں۔ ہاں اگر کوئی خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نفس ہبہ کر دے تو آپ پر کسی صورت میں بھی اس کو مہر ادا کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ آپ بغیر عقد نکاح اور بغیر گواہوں اور بغیر ولی کے اور بغیر مہر کے ذکر کے کسی خاتون کو اپنی زوجہ قرار دیں اور اس کو زوجیت سے مشرف فرمائیں جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ میں ہوا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر مہر کے اور بغیر ولی اور عقد نکاح کے محض کسی عورت کے ہبہ کرنے سے وہ کسی کی بیوی ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم اس چیز کو جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کی کنیزوں کے متعلق فرض کی ہے۔ (الاحزاب: ۵۰)

حضرت ابی بن کعب' مجاہد' حسن بصری' قتادہ اور امام ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی ہم نے عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار آزاد مومن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے' اور ان پر مہر کو لازم کیا ہے اور عقد نکاح میں دو مسلمان گواہوں کو لازم کیا ہے اور خود بالغہ یا اس کے ولی کی رضامندی کو نکاح کی شرط قرار دیا ہے' اور باندیوں سے حصول لذت میں ان کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں کی اور نہ اس میں مہر کی شرط ہے اور نہ خود باندی کی یا اس کے ولی کی رضامندی کی شرط ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ملخصاً و موضحاً و مخرجاً ج ۳ ص ۵۴۸ ـ ۵۴۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر فرض ہیں امت پر فرض نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام شرعیہ خصوصیت سے آپ کے لیے مقرر کیے' بعض چیزیں صرف آپ پر فرض ہیں اور بعض چیزیں صرف آپ پر حرام ہیں اور بعض چیزیں صرف آپ کے لیے جائز اور حلال ہیں اور امت کے دوسرے افراد ان میں آپ کے شریک نہیں ہیں' بعض احکام جو صرف آپ پر فرض ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بعض علماء کے نزدیک تہجد کی نماز صرف آپ پر فرض تھی اور تاحیات آپ پر تہجد فرض رہی اور صحیح یہ ہے کہ پہلے آپ پر تہجد فرض تھی اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ. (الاسراء: ۷۹) رات کے کچھ حصہ میں تہجد پڑھیں' جو آپ کے لیے نفل ہے۔

(۲) جو مسلمان فقیر ہو اور وہ قرض ادا کیے بغیر فوت ہو جائے تو وسعت اور خوش حالی آنے کے بعد اس کا قرض ادا کرنا اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کرنا آپ پر فرض تھا۔

(۳) غیر شرعی امور میں اصحاب رائے سے مشورہ کرنا آپ پر فرض تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ. (آل عمران: ۱۵۹) دنیاوی امور میں ان سے مشورہ کیجیے۔

(۴) اپنی ازواج کو اپنے پاس رہنے یا نہ رہنے اور دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار دینا آپ پر فرض تھا۔

(۵) تمام قرآن مجید کا پہنچانا آپ پر فرض ہے قرآن مجید میں ہے:

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (المائدہ: ۶۷) اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے کار رسالت کو ادا نہیں کیا۔

(۶) قرآن مجید میں جو احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں ان کو سمجھانا اور ان کو قولاً اور عملاً بیان کرنا بھی آپ پر فرض ہے۔ قرآن

مجید میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ. (النحل:۴۴) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید کو نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

(۷) اگر کوئی شخص آپ کے سامنے غلط یا نامناسب بات کہے یا غلط یا نامناسب کام کرے تو اس کی اصلاح کرنا بھی آپ پر فرض ہے کیونکہ اگر آپ نے اس غلط کام یا غلط بات کی اصلاح نہ کی تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ نے اس غلط کام یا غلط بات کو جائز اور ثابت رکھا ہے۔

(۸) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چاشت اور وتر کی نمازیں اور مسواک کرنا اور قربانی کرنا بھی آپ پر فرض تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۱۹۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۹) اگر آپ کا ساتھ کوئی بھی نہ دے پھر بھی اللہ کی راہ میں قتال کرنا آپ پر فرض تھا قرآن مجید میں ہے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ. (النساء:۸۴) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ کے سوا اور کوئی اس حکم کا مکلف نہیں ہے۔

(۱۰) جب آپ کے پاس کوئی چیز ہو اور کوئی شخص اس کا سوال کرے تو اس کو دینا آپ پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ:۱۰) اور آپ سائل کو مت جھڑکیں۔

(۱۱) اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرنا بھی آپ پر فرض ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ:۱۱) اور آپ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر...... حرام یا ممنوع ہیں امت پر حرام یا ممنوع نہیں ہیں

اسی طرح بعض چیزیں صرف آپ پر حرام کی گئی ہیں اور وہ آپ کی امت پر حرام نہیں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) آپ پر اور آپ کی آل پر زکوٰۃ لینا حرام کر دیا گیا ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی کھجوروں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ دو چھوڑ دو اس کو پھینک دو کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے اور ایک روایت میں ہے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۹۱ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۶۹ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۶۴۵)

(۲) نفلی صدقہ بھی آپ پر حرام ہے البتہ آپ کی آل کو نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

(۳) تکیہ لگا کر کھانا آپ کے لیے جائز نہیں ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تکیہ سے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۹۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۷۶۹ سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۸۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۶۳ مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۹۶۱ سنن دارمی رقم الحدیث:۲۰۷۷ المعجم الاوسط رقم الحدیث:۱۰۴۷)

(۴) کچا لہسن کچی پیاز اور بدبودار سبزیوں کا کھانا بھی آپ کے لیے جائز نہیں تھا حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے کچا لہسن

پیاز کھائی وہ ہماری مساجد سے دور رہے اور اپنے گھر بیٹھے' آپ کے پاس سبزیاں لائی گئیں آپ نے ان کی بو محسوس کی' آپ نے پوچھا یہ کون سی سبزیاں ہیں' آپ کو بتایا گیا' آپ نے فرمایا یہ تم اپنے بعض اصحاب کو کھلاؤ' جب آپ نے دیکھا کہ وہ اس کے کھانے کو ناپسند کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تم لوگ کھاؤ کیونکہ میں ان سے ہم کلام ہوتا ہوں جن سے تم ہم کلام نہیں ہوتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۴۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۳۷۳)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: (۵) آپ پر باطن کے خلاف ظاہر کرنا حرام ہے (۶) آپ پر ازواج کو بدلنا حرام ہے (۷) آزاد مکاتبہ سے نکاح کرنا آپ پر حرام ہے (۸) باندی سے نکاح کرنا آپ پر حرام ہے (۹) آپ پر پڑھنا اور لکھنا حرام ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے (۱۰) کفار کو اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی نعمتیں دی ہیں ان کی طرف نظر پھیلا کر دیکھنا آپ پر حرام ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. (طٰہٰ: ۱۳۱)

اور آپ ان چیزوں کی طرف آنکھیں پھیلا کر نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو دی ہیں یہ محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۱۹۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کے خصائص میں سے وہ چیزیں جو صرف آپ پر حلال ہیں امت پر حلال نہیں ہیں

اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کے لیے حلال کی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ (۲) وصال کے روزے (۳) چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا (۴) جو عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کرے اس سے بغیر مہر ادا کیے نکاح کرنا (۵) بغیر گواہوں اور مہر کے اور بغیر عقد کے نکاح کرنا (۶) ازواج کے درمیان باری کے وجوب کا ساقط ہونا (۷) کسی باندی کو آزاد کر کے اس کے آزاد کرنے کو اس کا مہر قرار دینا (۸) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا (۹) مکہ میں قتال کرنا (۱۰) کسی کو وارث نہ بنانا (۱۱) آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کا زوجیت پر برقرار رہنا اور ان سے دوسروں کے نکاح کا حرام ہونا (۱۲) آپ کی مطلقہ سے بھی دوسروں کے نکاح کا حرام ہونا (۱۳) حالت جنابت میں آپ کا مسجد میں داخل ہونا (۱۴) ایک ماہ کی مسافت سے آپ کا رعب طاری ہونا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے اعتبار سے آپ کے خصائص

(۱) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے مسجد ہونا (۲) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے آلۂ تیمم ہونا (۳) مال غنیمت کا آپ کے لیے حلال ہونا (۴) قربانی کا آپ کے لیے حلال ہونا (۵) قیامت تک تمام لوگوں کے لیے آپ کا رسول ہونا (۶) آپ کا خاتم النبیین ہونا (۷) اعمال امت کا آپ پر پیش کیا جانا (۸) آپ کی امت کا سب امتوں سے زیادہ ہونا (۹) قیامت میں سب سے پہلے اٹھنا (۱۰) شفاعت کبریٰ کا حصول (۱۱) مقام محمود کا حصول (۱۲) تمام انبیاء سابقین کے معجزات کا حصول (۱۳) آپ کے معجزات کا سب نبیوں سے زیادہ ہونا (۱۴) آپ کے ہمزاد کا کلمہ پڑھنا (۱۵) تمام مخلوق کی انواع کا آپ پر ایمان لانا (۱۶) سب سے کم بعثت کا زمانہ پانا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑ کر جانا (۱۷) انگلیوں سے پانی کا جاری کرنا (۱۸) کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا (۱۹) کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا (۲۰) آپ کی شریعت کا تمام شرائع سابقہ کے لیے ناسخ ہونا (۲۱) آپ کی شریعت کا غیر منسوخ ہونا (۲۲) شب اسراء میں تمام نبیوں کی امامت فرمانا (۲۳) حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہونا (۲۴) تمام نبیوں سے افضل اور ان کا قائد ہونا (۲۵) سب سے پہلے جنت میں داخل

ہونا (۲۶) قیامت کے دن تمام نبیوں کا گواہ ہونا (۲۷) اللہ کو دیکھ کر اس کی گواہی دینا (۲۸) حصول وحی کے لیے کسی جگہ جانے کا قصد نہ کرنا بلکہ جس جگہ آپ ہوں وہیں وحی الٰہی کا نازل ہو جانا (۲۹) حیات انسانی کے ہر شعبہ کے لیے اسوہ' نمونہ اور آئیڈیل ہونا (۳۰) دنیا میں اللہ کے دیدار کا حاصل ہونا (۳۱) اللہ کا محبوب ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ازواج میں سے آپ جن کو چاہیں خود سے دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں' اور جس بیوی سے آپ الگ ہو چکے ہیں اگر آپ اس کو (پھر) طلب فرمالیں تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے' اس حکم سے یہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ غمگین نہیں ہوں گی اور وہ سب اس پر راضی رہیں گی جو آپ انہیں عطا فرمائیں گے' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ بہت علم والا' بے حد حلم والا ہے O ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O (الاحزاب: ۵۲-۵۱)

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج میں باریوں کی تقسیم واجب تھی یا نہیں؟

اس آیت میں ترجی کا لفظ ہے یہ ارجاء سے بنا ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز کو مؤخر کرنا' یعنی ازواج میں سے آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مؤخر کر دیں' فرقہ مرجئہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اعمال کو مؤخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد معصیت سے ضرر نہیں ہوتا۔ اور اس آیت میں تؤوی کا لفظ ہے یہ ایواء سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے جگہ دینا اور یہاں مراد ہے آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مقدم کر دیں۔ یعنی آپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ آپ باری باری ہر بیوی کے پاس رہیں' آپ جس بیوی کی باری کو چاہیں مقدم کر دیں اور جس بیوی کی باری کو چاہیں مؤخر کر دیں۔

علامہ ابو بکر بن العربی نے کہا یہی صحیح اور معتمد قول ہے کہ آپ پر بیویوں میں باری کو تقسیم کرنا واجب نہیں تھا اور اس معاملہ میں آپ کو اختیار تھا' آپ چاہتے تو ان کے پاس باری باری رہتے اور آپ چاہتے تو اس تقسیم کو ترک فرما دیتے' اور آپ نے ایام مرض میں دیگر ازواج سے حضرت عائشہ کے ہاں رہنے کی اجازت طلب کی تھی یہ آپ کا ان کے اوپر فضل تھا یہ آپ پر واجب نہیں تھا۔ لیکن آپ از خود ان میں باری تقسیم کرتے تھے' تاکہ ازواج مطہرات کی دل جوئی ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف غیرت نہ کریں جس کی وجہ سے وہ کسی نامناسب کام میں مبتلا ہوں' اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے آپ پر تقسیم واجب تھی پھر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ ابو رزین نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا آپ جس طرح چاہیں ہم میں باری تقسیم کریں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب کو اپنے پاس رکھا اور آپ اپنی ذات کو اور اپنے مال کو ان میں برابر تقسیم فرماتے تھے اور حضرت سودہ' حضرت جویریہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن کو آپ نے مؤخر رکھا۔ آپ جس طرح چاہتے تھے ان میں اپنی ذات کو تقسیم فرماتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ جن کو آپ نے مؤخر کیا تھا اس سے وہ خواتین مراد ہیں جنہوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح ایک روایت ہے' شعبی نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن خواتین نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہے آپ ان میں سے جن سے چاہیں نکاح فرمائیں اور جن سے چاہیں نکاح نہ فرمائیں' زہری نے کہا ہم کو یہ علم نہیں کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو مؤخر کیا ہو بلکہ آپ نے سب کو اپنے پاس جگہ دی تھی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں طلاق دے دیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح میں

برقرار رکھیں' اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں' اور ہر تقدیر پر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ازواج کے معاملہ میں وسعت دی اور آپ پر کوئی چیز واجب نہیں کی اور اس آیت کی تفسیر میں زیادہ صحیح وہ قول ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ازواج کے درمیان باریاں تقسیم کرنا آپ پر واجب نہیں تھا۔

ازواج کی باریوں کے سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان جو تقسیم کرتے تھے اس میں عدل فرماتے تھے' اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ میری ان چیزوں میں تقسیم ہے جن کا میں مالک ہوں' سو تو مجھے ان چیزوں کی تقسیم میں ملامت نہ فرمانا جن کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں (یعنی ان کے درمیان محبت میں برابری سے تقسیم کرنا)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۷۱' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۸۶' مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۴' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۵' المستدرک ج ۲ ص ۱۸۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور آپ کا درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی کہ آپ بیماری کے ایام میرے گھر میں گزاریں تو انہوں نے آپ کو اجازت دے دی۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے ایام میں فرماتے تھے' میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کس کے گھر ہوں گا' آپ گمان فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ کی باری بہت دیر میں آئے گی' پھر جس دن میری باری تھی اور آپ میرے گھر میں تھے تو میرے سینہ اور پہلو کے درمیان اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کر لیا اور میرے حجرے میں آپ کی تدفین ہوئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۴۳)

عام مسلمانوں پر ازواج میں باریوں کی تقسیم کا وجوب

مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب ان کی متعدد ازواج ہوں تو وہ ان میں مساوات سے تقسیم کریں اور باریاں مقرر کریں' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کنواری عورت سے نکاح کرے تو کنواری کے پاس سات دن رہے اور جب اپنی بیوی کے اوپر بیوہ سے نکاح کرے تو اس بیوہ کے پاس تین دن رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۱۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۸' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے عقد میں دو بیویاں ہوں' اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے جسم کی ایک جانب ساقط ہوگی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۴۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۵' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۰۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان ازواج کے علاوہ مزید خواتین آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ ان ازواج کو دوسری خواتین سے تبدیل کرنا (حلال ہے) خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو' ماسوا آپ کی کنیزوں کے۔ (الاحزاب: ۵۲)

ازواج مطہرات کے علاوہ دیگر خواتین سے نکاح کرنے کی ممانعت کی توجیہ

اس آیت کی تفسیر میں چھ قول ہیں:

(۱) اس آیت کا حکم درج ذیل حدیث سے منسوخ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ کے لیے تمام عورتیں حلال نہیں کر دی گئیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۰۵' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱' سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۴)

(۲) النحاس نے کہا یہ آیت الاحزاب: ۵۱ سے منسوخ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو کسی پر پیش کر سکتی ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ (الاحزاب: ۵۱)

ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے پاس سے دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں' اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے ان میں سے جس کو چاہیں طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۹۹)

(۳) الحسن اور ابن سیرین نے کہا چونکہ ازواج مطہرات نے اللہ عزوجل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دار آخرت کو دنیا اور اس کی زیبائش پر ترجیح دی تھی اس کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اوپر کسی اور زوجہ سے نکاح کرنے سے یا ان کو کسی اور زوجہ سے تبدیل کرنے سے منع فرما دیا' اور بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے آپ کو دوسری ازواج کے ساتھ نکاح کرنے یا ان کو تبدیل کرنے کی اجازت دے دی' سو الاحزاب: ۵۱' ذکر میں مقدم ہے اور حکم میں الاحزاب: ۵۲ سے موخر ہے۔

(۴) ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی اور سے نکاح کرنے کو ازواج مطہرات پر حرام کر دیا تھا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان ازواج کے بعد کسی اور سے نکاح کرنے کو حرام کر دیا' بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۵) حضرت ابی بن کعب' عکرمہ اور ابو رزین نے کہا اس آیت کا محمل یہ ہے کہ یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کرنے کو آپ پر حرام کر دیا تاکہ مشرکہ مسلمانوں کی ماں نہ بن جائے' مگر یہ قول بعید ہے۔

(۶) محمد بن کعب القرظی نے کہا پہلے آپ کے لیے ہر عورت سے نکاح کرنا جائز تھا' بعد میں اس حکم کو منسوخ کر دیا' یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔

نکاح سے پہلے عورت کے چہرے کو دیکھنے کا جواز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ انسان جس عورت سے نکاح کا ارادہ کرے اس کے لیے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے' حدیث میں ہے:

بکر بن عبد اللہ المزنی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دیکھ لو تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۸۷، سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۵۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۴، سنن دارمی رقم الحدیث:۲۱۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو دیکھ لیں۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۳۲۳۴)

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ انصار کی آنکھوں میں کوئی چیز (کمی) ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۲۴، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث:۵۳۴۸)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ انسان نکاح کرنے سے پہلے اس خاتون کو دیکھ لے اور بہ وقت ضرورت عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت کی رضا اور اس کی اجازت سے اس کے چہرے کو دیکھا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو وہ عورت پسند نہ آئے اور جب اس کو معلوم ہوگا کہ اس کو مسترد کر دیا گیا ہے تو اس کی دل شکنی ہوگی، اس لیے اس عورت کی غفلت میں اس کو دیکھ لیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ

يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا

تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے، کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، بلکہ جب تمہیں

دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ

بلایا جائے اس وقت جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل

لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز

نہ لگاؤ، بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے، سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں،

وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا، اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے،

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ

تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں

مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ

سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے ○ اگر

تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ

ان خواتین پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا، اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں

وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا

اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی ہم دین خواتین اور

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ

اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں، اور تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز کا

شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا

نگہبان ہے ○ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو ○ بے شک جو لوگ

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ

اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے، اور اس نے

لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو

بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

بلا خطا ایذاء پہنچاتے ہیں' تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوا اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے' کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو' بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ' پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ' اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ' بے شک تمہارے اس عمل سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے' سو وہ تم سے حیاء کرتے ہیں' اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا' اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے' تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے○ اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے○ (الاحزاب: ۵۴-۵۳)

حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ اور آیت حجاب نازل ہونے کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں' کاش آپ امہات المومنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۰-۴۰۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰-۱۶۰-۱۵۷' عالم الکتب بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح' اللہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی دعوت کی' انہوں نے کھانا کھایا پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' اور اس وقت ایسے لگا جیسے آپ جانے لگے ہوں' لیکن مسلمان نہیں اٹھے' جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے' جب آپ کھڑے ہوئے تو مسلمانوں میں سے بھی بعض کھڑے ہو گئے اور تین شخص بیٹھے رہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں داخل ہونے کے لیے آئے اور وہ لوگ اسی طرح بیٹھے رہے' پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے' میں نکل کر گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے حتیٰ کہ حجرے میں داخل ہو گئے' میں بھی داخل ہونے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ (الاحزاب: ۵۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کے ساتھ شادی کی' میری ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حیس (کھجور' گھی اور ستو سے بنایا ہوا کھانا) بنایا' انہوں نے اس کو ایک تھال میں رکھا' اور کہا اے انس! یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ یہ کھانا میری ماں ام سلیم نے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور کہتی ہیں یا رسول اللہ! یہ ہماری طرف سے بہت تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ میں اس کھانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور بتایا کہ میری ماں آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور کہا ہے کہ یہ ہماری طرف سے بہت تھوڑا سا کھانا ہے' آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو' پھر فرمایا جاؤ اور فلاں' فلاں اور فلاں کو بلا کر لاؤ' اور جن سے تمہاری ملاقات ہو' سو آپ نے کئی لوگوں کے نام لیے' حضرت انس نے کہا آپ نے جن جن کے نام لیے تھے میں نے ان

کو بلایا اور جن سے میں ملا ان کو بھی بلایا' ابو عثمان راوی نے حضرت انس سے پوچھا تم لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے کہا اندازاً تین سو مسلمان تھے اور مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس وہ تھال (خوان) لاؤ' حضرت انس نے کہا پھر مسلمان آئے حتیٰ کہ (صفہ) مسجد نبوی کا چبوترہ اور حجرہ بھر گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس دس افراد کا حلقہ بنا لو اور ہر شخص اپنے آگے سے کھائے' حضرت انس نے کہا ان لوگوں نے کھانا کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے' پھر مسلمانوں کی وہ جماعت چلی گئی اور دوسری جماعت آ گئی حتیٰ کہ سب نے کھانا کھا لیا' حضرت انس نے کہا پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اب کھانا اٹھا لو حضرت انس کہتے ہیں مجھے پتا نہیں جس وقت میں نے کھانا رکھا اس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ تھا' لوگوں کے کچھ گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اور آپ کی زوجہ دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں' یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ بنے ہوئے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے' اپنی ازواج کو سلام کیا' پھر لوٹ آئے' جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے ہیں تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ بنے ہوئے ہیں' وہ سب دروازے کی طرف لپکے اور سب کے سب آپ کے گھر سے نکل گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے حتیٰ کہ آپ نے پردہ ڈال دیا' آپ جس وقت داخل ہوئے تو میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا' آپ تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ میرے پاس آئے اور آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے لوگوں کے سامنے یہ آیات پڑھیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ الأية (الاحزاب: ۵۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اس وقت لوگوں میں سب سے کم سن تھا جب یہ آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے پردہ کر لیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم النکاح: ۹۴' رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۴۲۸' الرقم المسلسل: ۳۴۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۸۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۳' المستدرک ج ۲ ص ۴۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا اور روٹیوں اور گوشت کی دعوت کی' سو مجھے کھانے کی دعوت کا پیغام دے کر بھیجا گیا' مسلمانوں کا ایک گروہ آتا اور کھانا کھا کر چلا جاتا' پھر دوسرا گروہ آتا اور وہ کھانا کھا کر چلا جاتا' سو میں لوگوں کو بلاتا رہا حتیٰ کہ سب لوگ آ چکے اور اب بلانے کے لیے کوئی نہیں بچا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرے سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف گئے' آپ نے فرمایا اے اہل بیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت عائشہ نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! آپ نے اپنے اہل (بیوی) کو کیسا پایا! اللہ آپ کو برکت دے' پھر آپ اپنی تمام ازواج کے حجروں میں گئے اور سب سے اسی طرح کلام کیا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام کیا تھا' اور سب ازواج نے اسی طرح جواب دیا جس طرح حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا پھر آپ گھر واپس آئے تو تین آدمی ابھی تک گھر میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت حیا (لحاظ اور مروت) والے تھے' آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف چلے گئے' مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا کسی اور نے کہ وہ لوگ چلے گئے' آپ واپس آئے حتیٰ کہ ابھی آپ کا ایک پیر دروازے کی چوکھٹ میں تھا اور دوسرا باہر تھا کہ آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ لٹکا دیا اور آیت حجاب نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۳' صحیح مسلم النکاح: ۸۹۔۹۲۔۹۳' رقم بلا تکرار: ۱۴۲۸' الرقم المسلسل: ۳۴۴۴)

حضرت زینب کے ولیمہ کی بعض تفصیلات ولیمہ کا شرعی حکم اور نزول حجاب کی تاریخ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کا اتنا وسیع ولیمہ کیا ہو جتنا وسیع ولیمہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا کیا تھا۔ (صحیح مسلم النکاح: ۹۰ الرقم المسلسل: ۳۴۴۰)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خوشی میں آپ نے اتنی عظیم دعوت اللہ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا حضرت زینب کے ساتھ وحی کے ذریعہ نکاح کر دیا' اس میں کوئی ولی تھا نہ گواہ تھا نہ مجلس نکاح منعقد ہوئی اور نہ کوئی مہر مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس دعوت کے موقع پر آپ کے لیے طعام بھیجا اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے احباب کے لیے اس کے ولیمہ کے موقع پر کھانا بھیجنا مستحب ہے' انہوں نے آپ کو سلام بھیجا اور طعام کے کم ہونے پر معذرت کی اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے مواقع پر ایسے کلمات کہنا بھی مستحب ہے۔

ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ کھانا اس دعوت میں تین سو سے زائد شرکاء نے کھایا پھر بھی وہ کھانا نہ صرف بچ گیا بلکہ پہلے سے زیادہ تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ تھا۔

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں حیس (طعام) بھیجا تھا اور مشہور یہ ہے کہ اس ولیمہ میں روٹی اور گوشت کھلایا گیا تھا' حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس دعوت میں یہ دونوں چیزیں کھلائی گئیں تھیں۔

امام طبرانی نے وحشی بن حرب سے روایت کیا ہے کہ ولیمہ حق ہے' بعض شافعیہ نے اس حدیث کی بناء پر کہا ولیمہ واجب ہے' لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیمہ سنت یا مستحب ہے' ولیمہ کے وقت میں بھی اختلاف ہے بعض علماء نے کہا کہ یہ عقد نکاح کے وقت سنت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد سنت ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۸۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے دن ولیمہ کرنا حق ہے' دوسرے دن کرنا معروف (نیکی) ہے اور تیسرے دن کرنا دکھانا اور سنانا ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۳ ص ۲۷۷' رقم الحدیث: ۲۱۳۷-۲۸۹۷' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ بنو قریظہ کے بعد ذوالقعدہ پانچ ہجری میں ہوا اور اسی تاریخ کو حجاب کے احکام نازل ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

دینی اور دنیاوی ضرورت کی بناء پر ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے نکلنے کی اجازت

اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ . (الاحزاب: ۳۳)　　اور اپنے گھروں میں برقرار رہو۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ازواج مطہرات اور دیگر مسلمان خواتین کو گھر سے باہر نکلنے کی مطلقاً اجازت نہیں ہے' ستر اور حجاب کے ساتھ وہ کسی شرعی' طبعی یا دنیاوی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکل سکتی ہیں' حج اور عمرہ کے لیے' عیادت کے لیے' علاج کے لیے' اقارب کی زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے گھر سے باہر حجاب کے ساتھ جا سکتی ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کسی کام کے لیے گھر سے باہر نکلیں' وہ قد آور اور جسیم خاتون تھیں جس نے ان کو دیکھا ہو وہ ان کو پہچان لیتا تھا' حضرت عمر بن الخطاب نے ان کو دیکھ کر کہا: اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ ہم سے مخفی نہیں رہ سکتیں' آپ دیکھ بھال کر گھر سے نکلا کریں' وہ الٹے پیر واپس آ گئیں' اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے' آپ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی' حضرت سودہ آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں اپنی کسی حاجت کی بناء پر گھر سے نکلی تھی' مجھ سے عمر نے اس اس طرح کہا' حضرت عائشہ نے کہا اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی' پھر وحی کی کیفیت ختم ہو گئی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ہڈی لے کر رکھ دی' اس کے بعد فرمایا تم کو اپنی حاجتوں کی بناء پر گھر سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۵۔ ۵۲۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۰۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۷۹۴)

باہر نکلنے پر حضرت سودہ کو حضرت عمر کے دوبار ٹوکنے کی وضاحت

امام بخاری نے حضرت سودہ کے گھر سے نکلنے اور حضرت عمر کے ان کو آواز دینے کا واقعہ کتاب الوضوء (رقم الحدیث: ۱۴۶) میں روایت کیا ہے اور وہاں یہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور یہاں پر یہ بیان کیا ہے کہ یہ حجاب کے احکام نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دو بار پیش آیا ہو' حجاب سے پہلے بھی اور حجاب کے بعد بھی' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرضی یہ تھی کہ اجنبی لوگ حرم نبوی پر بالکل مطلع نہ ہوں اگر وہ مستور ہوں پھر بھی ان کی جسامت سے یہ متعین نہ ہو کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مشقت اور حرج کو دور کرنے کے لیے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر جو حجاب فرض ہے وہ عام مسلم خواتین کی بہ نسبت زیادہ سخت اور موکد ہے' عام مسلم خواتین تو گواہی یا علاج کی ضرورت کی وجہ سے اجنبی مردوں کے سامنے چہرے اور ہاتھوں کو کھول سکتی ہیں اور ازواج مطہرات کو اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۷۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے سوال کرنے کا حکم دیگر مسلم خواتین کو بھی متضمن ہے

یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے۔

اس آیت میں جس چیز کے مانگنے کا ذکر فرمایا' اس سے مراد عام برتنے کی چیزیں ہیں جن کو لوگ عاریۃً مانگتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فتویٰ یعنی دینی مسائل کا پوچھنا ہے' ایک اور قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد دین اور دنیا کی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے۔

نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان ازواج مطہرات سے پردے کی اوٹ سے دینی مسائل بھی معلوم کر سکتے ہیں اور دنیاوی ضرورت کی چیزیں بھی طلب کر سکتے ہیں' اس اجازت میں عام مسلم خواتین بھی داخل ہیں' کیونکہ عورتیں مجسم چھپائی جانے والی جنس ہیں' ان کا بدن اور ان کی آواز سب مستور ہے بلکہ واجب الستر ہے اور سوا شہادت یا علاج کے ان کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

ہمارے زمانہ میں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے۔ دفتروں اور نجی اور سرکاری اداروں میں عورتیں اور مرد ایک ساتھ کام کرتے ہیں' ان کا آزادانہ میل جول ہوتا ہے اور وہ بے تکلف ایک دوسرے کے ساتھ گپ شپ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسلام میں منع نہیں ہے اور چہرے کا پردہ اسلام میں نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں بس دل میں پاکیزگی اور خوف خدا ہونا چاہیے اور پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس آیت کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حجاب میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ عورت کے چہرہ کا ستر واجب نہیں ہے یعنی وہ چہرے کو نماز میں کھلا رکھ سکتی ہے اور محارم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے لیکن اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو چھپانا واجب ہے اور یہی حجاب ہے جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے' اسی لیے فرمایا ہے کہ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو حجاب کی اوٹ سے مانگو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے متعلق کس کے دل میں کوئی برا خیال آ سکتا ہے؟

نیز فرمایا یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا چہرہ دیکھ کر انسان کے دل میں اچانک اور غیر اختیاری طور پر کوئی بے ہودہ خیال آ جاتا ہے' یا کوئی ناجائز خواہش پیدا ہو جاتی ہے' اور جب تم ازواج مطہرات پر نگاہ نہیں ڈالو گے تو تمہارا دل و دماغ اس قسم کے خیالات اور خواہشوں سے محفوظ رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات سے ایذا پہنچی تھی

اس کے بعد فرمایا اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو' بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابن زید سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو وہ آپ کی ازواج میں سے فلاں زوجہ کے ساتھ نکاح کرے گا' اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' اور یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تمہاری مائیں ہیں اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۴۰)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ عامر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کی ملکیت میں قیلہ بنت الاشعث ایک کنیز تھی' آپ کے بعد ان سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری' ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! یہ آپ کی ازواج میں سے نہیں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا تھا اور نہ ان کو حجاب میں رکھا تھا' اور جب یہ اپنی قوم کے ساتھ مرتدہ ہو گئیں تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے برأت کا اظہار کر دیا تھا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج دنیا اور آخرت میں آپ کی ازواج ہیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں باقی رہیں یا آپ کی وفات سے ان کا نکاح زائل ہو گیا! اور جب آپ کی وفات سے ان کا نکاح زائل ہو گیا تو آیا ان پر عدت ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت لازم ہے کیونکہ شوہر کی وفات سے بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اور عدت عبادت ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب نہیں ہے' کیونکہ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بیویاں کسی دوسرے سے نکاح

کرنے سے رکی رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کا انتظار کرتی ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہ تھا' اور وہ بدستور آپ کے نکاح میں تھیں اور آپ کی زوجات تھیں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء میرے دینار کو تقسیم نہیں کریں گے میں نے اپنی ازواج کے خرچ اور اپنے عامل کے معاوضہ کے بعد جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۷۴' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۸۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۰۱' عالم الکتب بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابن عیینہ یہ کہتے تھے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج معتدات کے حکم میں تھیں' کیونکہ ان کے لیے کبھی بھی نکاح کرنا جائز نہیں تھا' اسی لیے ان کا خرچ جاری رہا' اور ان کے ان حجروں کو ان کے لیے باقی رکھا گیا جن میں وہ رہائش رکھتی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۹۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور علامہ ماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دنیا میں میری ازواج ہیں وہی آخرت میں میری ازواج ہوں گی۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۴۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سبب (رشتہ نکاح) اور ہر نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا' سوا میرے سبب اور میرے نسب کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۳۴۔۲۶۳۵' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴' المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۶۸۴ جدید' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴' حافظ الہیثمی نے لکھا کہ امام طبرانی کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا یا آپ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا' اللہ تعالیٰ نے اس کو کبیرہ گناہوں میں سے قرار دیا اور اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم کی خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواہ حیات ظاہری میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں آپ کی حرمت اور عزت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا واجب ہے۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے متعلق …… دل میں برا خیال لانا بھی مستحق مواخذہ ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم کسی بات کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو تو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ (الاحزاب: ۵۴)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر ظاہر اور مخفی چیز کو جاننے والا ہے' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ناپسندیدہ' ناگفتنی اور غیر شرعی باتوں کی جو خواہشیں کرتے ہو یا سوچتے ہو وہ ان سب کو جاننے والا ہے اور ان پر گرفت فرمائے گا۔

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دل میں بھی کوئی برا گمان کرے گا یا آپ کی ازواج مطہرات کے متعلق وہ دل میں کوئی بری نیت یا بری خواہش رکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی اس کو سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان خواتین پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ' دادا' اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی ہم دین خواتین سے اور اپنی باندیوں سے پردہ نہ کریں' اور تم اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہےo (الاحزاب: ۵۵)

خواتین پر ان کے محارم اور ان کی باندیوں سے پردہ نہیں ہے

جب آیت حجاب نازل ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا کہ ازواج مطہرات کے والدین' ان کے بیٹے' بھتیجے اور دیگر محارم بھی ان سے پردہ کی اوٹ سے سوال کریں گے یا یہ حکم صرف اجنبی مسلمانوں کے سوال کرنے کے ساتھ مخصوص ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ چچا اور ماموں آباء کے قائم مقام ہیں' قرآن مجید میں چچا پر بھی آباء کا اطلاق فرمایا ہے۔ اور وہ یہ آیت ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ. (البقرہ: ۱۳۳)

(حضرت یعقوب کے بیٹوں نے) کہا ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا کے خدا کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل ہیں۔

حضرت اسماعیل' حضرت یعقوب کے بیٹوں کے چچا تھے لیکن اس آیت میں ان کو آباء کے تحت درج فرمایا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عمر! اما شعرت ان عم الرجل صنو ابیه.

اے عمر! کیا تم کو معلوم نہیں کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۲۳' مسند احمد ج ۱ص ۹۴)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں جن محارم کا ذکر کیا گیا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کے چہرے کو اس کے سر کو اس کی پنڈلیوں کو اور اس کے بازوؤں کو دیکھ سکتے ہیں اور اس کی پشت کو' اس کے پیٹ کو اور اس کی رانوں کو نہیں دیکھ سکتے' کسی خاتون کے محارم کے لیے اس کو دیکھنا اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ محارم کا گھروں میں آنا جانا بہت زیادہ ہوتا ہے اور خواتین کو ان سے ملنے جلنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح عورتوں کے اوپر ان کی ہم دین خواتین کا پردہ نہیں رکھا گیا' لہٰذا ایک مسلم عورت دوسری مسلم عورت کی طرف اس کی ناف اور گھٹنوں کے ماسوا کی طرف دیکھ سکتی ہے' اسی طرح مسلم خواتین پر اہل کتاب خواتین سے بھی پردہ کرنا لازم نہیں ہے' کیونکہ یہودی اور غیر یہودی کافر عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس آیا جایا کرتی تھیں اور وہ ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور نہ ان کو پردہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا' امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

اسی طرح عورتوں پر ان کی باندیوں سے بھی پردہ نہیں رکھا' اور اس میں ان کے غلام بھی داخل ہیں' سو کسی عورت کا غلام

بھی اس کا محرم ہے سو اس کا بھی گھر میں آنا جانا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ پاک باز ہو سو وہ بھی محارم کی طرح عورتوں کو دیکھ سکتا ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کے دیکھنے کو جائز قرار دیتی تھیں' آپ نے اپنے غلام ذکوان سے فرمایا: جب تم مجھے قبر میں رکھ کر باہر آ جاؤ گے تو تم آزاد ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اجازت صرف باندیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی عورت کے غلام کا حکم وہی ہے جو اس کے لیے کسی اجنبی مرد کا حکم ہوتا ہے' یہی حکم تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' اور حضرت عائشہ نے جو اپنے غلام کے متعلق فرمایا تھا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ کوئی عورت حضرت عائشہ کی مثل ہے نہ کوئی غلام ذکوان کی مثل ہے' خاص طور پر ہمارے زمانہ میں' امام ابوحنیفہ اور جمہور کا یہی قول ہے' اس لیے کسی عورت کا اپنے غلام کے ساتھ حج یا کسی اور سفر پر جانا جائز نہیں ہے' غلام اگر شہوت سے مامون ہو تو اس کا اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے' لیکن اس سے اس کا محرم ہونا لازم نہیں آتا۔
اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ سے ڈرتی رہو یعنی تم کو جو حجاب میں رہنے کا حکم دیا ہے' سو تم اللہ سے ڈرتی رہو حتیٰ کہ تم کو تمہارے محارم کے علاوہ اور کوئی نہ دیکھے' بے شک اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے' اس پر کسی وقت اور کسی حال میں کسی کا قول مخفی ہے نہ کسی کا فعل مخفی ہے' اس لیے تم کو چاہیے کہ تم اپنی عادات کو احکام شرعیہ کے مطابق ڈھال لو' اللہ تعالیٰ نے تم پر اور تمہارے محارم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ان کے لیے تمہارے اوپر حجاب واجب نہیں کیا سو تم اس احسان کا شکر بجا لاؤ اور اللہ نے تمہیں پردہ کا جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

(روح البیان ج ۷ ص ۲۶۰۔ ۲۵۹' مطبوعہ دار التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں' اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو O (الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں ذکر کرنے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ اور فرشتوں کو ایک فعل میں شریک کیا ہے اور فرمایا ہے: اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں' اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے غیر کو ایک فعل میں شریک کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پالی اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بُرے خطیب ہو یوں کہو جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسول کی وہ گمراہ ہو گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۷۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۲۷۵' دار الفکر بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر ایک ضمیر میں جمع کریں کیونکہ اس سے سننے والوں کو یہ وہم ہو گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کو برابر سمجھتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر الگ الگ صیغوں میں کیا جائے البتہ اللہ تعالیٰ کسی حکم یا کسی قاعدہ کا پابند نہیں ہے' وہ ایک صیغہ اور ایک ضمیر میں اللہ اور اس کے غیر کا ذکر کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' ایک صیغہ میں دونوں کا ذکر کرنے کی مثال یہ آیت ہے اس میں فرمایا ہے: ان اللہ وملائکتہ یصلون اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں' اور ایک ضمیر میں دونوں کے ذکر کے مراد لینے کی مثال یہ

آیت ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (التوبہ: ۷۴) اور ان (منافقین کو) صرف یہ ناگوار ہوا کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت میں من فضلہ کی ضمیر واحد اللہ اور رسول دونوں کی طرف راجع ہے' اسی طرح یہ آیت ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ۔ (التوبہ: ۶۲) اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے۔

اس آیت میں بھی یرضوہ کی ضمیر واحد اللہ اور اس کے رسول دونوں کی طرف راجع ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قاعدہ کے پابند نہیں ہیں اور آپ نے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا' ایک یہ ہے کہ:

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما۔ اللہ اور اس کا رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۹۸۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر دونوں کا ایک ضمیر میں ذکر کرنا جائز نہیں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ کے پابند نہیں ہیں اور وہ ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو بھی جمع کر دیتے ہیں' کیونکہ جب دوسرے لوگ ایک صیغہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کا ذکر کریں گے تو ان کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے غیر کو ہم مرتبہ اور مساوی سمجھتے ہیں اس لیے دونوں کا ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں ذکر کر رہے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا اس لیے اگر وہ ایک صیغہ یا ایک ضمیر میں دونوں کا ذکر کریں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

فقہاء اسلام کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ ...... اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی ہے آپ کی حمد وثناء کرنا

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اس کا معنی ہے وہ ان کی حمد وثناء فرماتا ہے اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمانوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اس کا معنی ہے آپ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں' اور فرشتے جو صلوٰۃ پڑھتے ہیں اس کا معنی ہے وہ مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۷۴' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں' اس کا معنی ہے وہ ان پر برکت نازل فرماتے ہیں۔ مبرد نے کہا صلوٰۃ کا اصل معنی ہے رحمت' پس اللہ کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے وہ رحمت نازل فرماتا

ہے اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے وہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے ہیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے اور بے وضو نہ ہو' فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں' اے اللہ! اس کی مغفرت فرما' اے اللہ اس پر رحم فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۳۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۴۹)

ابو بکر قشیری نے کہا جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کا معنی ہے رحمت نازل فرمانا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کا معنی ہے آپ کی زیادہ عزت افزائی اور تکریم کرنا۔

امام ابو العالیہ نے کہا اللہ کے آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے فرشتوں کے سامنے آپ کی حمد و ثناء کرنا اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے دعا کرنا۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الاحزاب باب: ۱۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سلام پڑھنے کا ذکر ہے اس کے تین معنی ہیں:

(۱) یہ دعا کی جائے کہ آپ کے لیے سلامتی ہو اور آپ کے ساتھ سلامتی ہو' یعنی تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و سلامتی کو طلب کرو۔

(۲) اللہ آپ کا محافظ ہو اور آپ کی رعایت کرے اور آپ کا متولی اور کفیل ہو۔ یعنی تم آپ پر رحمت اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور رحمت کو طلب کرو۔

(۳) سلام کا معنی ہے تسلیم کرنا' مان لینا' اطاعت کرنا اور سر تسلیم خم کرنا۔ گویا مومنوں سے فرمایا ہے تم آپ پر صلوٰۃ پڑھو اور اس حکم کو مان لو اور تسلیم کر لو اور اس حکم کی اطاعت کرو۔ (الشفاء ج ۲ ص ۵۱۔ ۵۰ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا معنی عبادت مخصوصہ (نماز) ہے' اور اس کا اصل معنی دعا ہے' اور نماز میں بھی دعا ہوتی ہے' ایک قول یہ ہے کہ صلوٰۃ کا اصل معنی تعظیم کرنا ہے' اور نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے' اور تشہد میں کہتے ہیں التحیات للہ والصلوات' اس سے تعظیم کے وہ کلمات مراد ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ہے' اور جب ہم کہتے ہیں اللھم صل علی محمد تو اس کا معنی ہے اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ذکر بلند کر کے آپ کی تعظیم اور تکریم فرما اور آپ کے پیغام کو غالب فرما اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا' اور آپ کے اجر و ثواب کو دگنا چوگنا فرما' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہم کو معلوم نہیں تھا کہ آپ کا کیا مرتبہ ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہیے تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور ہم نے کہا اے اللہ! اپنے رسول مکرم کے مرتبہ کو تو ہی جاننے والا ہے تو ان کے مرتبہ کے موافق تو ہی ان پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے سو تو ہی ان پر صلوٰۃ پڑھ۔ (النہایہ ج ۳ ص ۴۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۳۴۷' مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن ابو بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا معنی ہے جس پر صلوٰۃ پڑھی جائے اس کی حمد و ثناء کرنا' امام بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے فرشتوں کے سامنے آپ کی حمد و ثناء کرنا اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی یہ ہے آپ کے حق میں دعا کرنا' اور اللہ تعالیٰ نے الاحزاب: ۵۶ میں اپنی اور فرشتوں کی صلوٰۃ کو جمع فرمایا ہے سو اس آیت میں معنی یہ ہے کہ

اللہ اور فرشتے دونوں آپ کی حمد وثناء کرتے ہیں کیونکہ لفظ مشترک سے دو معنوں کا ارادہ کرنا جائز نہیں ہے' پس جب صلوٰۃ کا معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثناء کرنا اور آپ کے شرف اور فضیلت اور آپ کی تعظیم اور تکریم کو ظاہر کرنا تو پھر لفظ صلوٰۃ اس آیت میں دو معنوں میں مستعمل نہیں ہے بلکہ ایک ہی معنی میں مستعمل ہے اور وہ ہے آپ کی تعظیم اور تکریم کرنا۔

اور ہم کو جو آپ پر صلوٰۃ اور سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اسی صلوٰۃ کو طلب کریں جو صلوٰۃ اللہ آپ پر پڑھتا ہے اور جو صلوٰۃ فرشتے آپ پر پڑھتے ہیں' یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کریں گے وہ آپ کی حمد وثناء کرے اور آپ کی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرے اور آپ کی تکریم کرے اور آپ کو اپنا مقرب بنانے کا ارادہ فرمائے' اور ہمارے اس سوال اور دعا کو ہماری صلوٰۃ دو وجہوں سے فرمایا ہے:

(۱) یہ دعا آپ کی حمد وثناء اور آپ کے شرف اور فضیلت کے ذکر اور آپ کی محبت کو متضمن ہے' اور صلوٰۃ کا معنی ہے جس پر صلوٰۃ پڑھی جائے اس کی حمد وثنا کرنا۔

(۲) اس دعا میں ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھے' اور اللہ کی آپ پر صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کی حمد وثناء کرے اور آپ کے ذکر کو بلند کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا ارادہ فرمائے' اور جب ہم آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو اللہ سے ایسا کرنے کی دعا کرتے ہیں۔ اور آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہم اللہ سے آپ پر نزول رحمت کو طلب کرتے ہیں بلکہ ہم اللہ سے یہ طلب کرتے ہیں کہ وہ آپ کی حمد وثنا کرے اور آپ کی تعظیم وتکریم کرے۔

(جلاء الافہام ص ۸۷۔۸۵' ملتقطاً وملخصاً دار الکتاب العربی' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی صلاۃ کے معنی میں کئی اقوال ہیں' امام بخاری نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے' اور ان کے غیر نے ربیع بن انس سے' اور حلیمی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کا ذکر بلند کرکے اور آپ کے دین کو غالب کرکے اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر آپ کی تعظیم کو ظاہر فرمائے اور آخرت میں آپ کو اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنائے اور آپ کے اجر وثواب کو زیادہ اور دگنا چوگنا فرمائے اور آپ کو مقام محمود عطا فرما کر اولین اور آخرین پر آپ کی فضیلت کو ظاہر فرمائے اور تمام مقربین پر آپ کو مقدم فرمائے' اور صلوٰۃ میں آپ کے ساتھ آپ کی آل اور اصحاب کا ذکر اس معنی کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کی تعظیم اس کے مرتبے کے حساب سے اور اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۰۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت کو نازل کرنا اور جب اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے دعا کرنا اور اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو ایک لفظ یصلون سے دو معنوں کا ارادہ کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ دونوں سے مراد ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور آپ کی فضیلت کا اظہار کرنا' اور آپ کی شان کی عظمت بیان کرنا' اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی ہے کہ اس کے نزدیک ملائکہ مقربین میں اس کے نبی کا کیا مرتبہ ہے کہ وہ ملائکہ کے سامنے اپنے نبی کی حمد وثناء کرتا ہے اور ملائکہ بھی اس کے نبی کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اس نے اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بھی فرشتوں کی اقتداء کریں اور اس کے نبی کی حمد وثناء کریں۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۳۹۷' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۸ھ)

غیر مقلدین کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے۔ (فتح البیان ج ۵ ص ۴۰۱ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس سوال کا یہی جواب دیا ہے۔

(معارف القرآن ج ۷ ص ۲۲۳ 'ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے' علماء نے اللھم صل علی محمد کے یہ معنی بیان کیے ہیں یا رب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما' دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقاء عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کر کے' اور اولین اور آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء و مرسلین و ملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے ان کی عظمت ظاہر فرما۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی ہے مائل ہونا اور محبت کے ساتھ کسی کی طرف جھکنا اور اس آیت میں یہ دونوں معنی مراد ہیں اور جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان تو وہ تین معنوں میں ہو گا' اس میں محبت کا مفہوم بھی ہو گا' مدح و ثناء کا مفہوم بھی اور رحمت کا مفہوم بھی لہٰذا اہل ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صلوا علیہ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ ان کی مدح و ثناء کرو اور ان کے لیے دعا کرو۔

(تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۲۵-۱۲۴ 'ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۳ء)

صلوٰۃ وسلام کا معنی بیان کرتے ہوئے ہم نے متعدد فقہاء اسلام کی تقریرات اور تحقیقات پیش کی ہیں اور ہمارے نزدیک اس میں بہترین تقریر اور تحقیق علامہ ابن قیم جوزیہ نے کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۰' سنن الترمذی ۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۶' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵-۳۷۲' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۰ ص ۲۸' رقم الحدیث ۸۱۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

(۲) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص نماز میں دعا کر رہا تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے عجلت کی ہے' پھر اس کو یا کسی اور کو بلا کر فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد اور اس کی ثناء کرے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۸۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۴' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کا ذکر نہ کریں اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں تو قیامت کے دن ان کی وہ مجلس ان کے لیے باعث ندامت ہو گی' اللہ چاہے گا تو ان کو معاف فرما دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو ان سے مواخذہ فرمائے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۲۳۸' صحیح ابن حبان رقم

الحدیث:۵۹۰'المستدرک ج ۱ص ۲۹۱'حلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۱۳۰'سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ص ۲۱۰'مسند احمد ج ۲ص ۴۳۲)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا' اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے اوپر ماہ رمضان داخل ہوا اور اس کی مغفرت سے پہلے وہ ختم ہو گیا' اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس اس کے ماں باپ بوڑھے ہوں اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۵'صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۰۸'مسند احمد ج ۲ص ۲۵۴)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۲'مسند احمد ج ۲ص ۳۶۷)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۰۴۱'مسند احمد ج ۲ص ۵۲۷)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری قبر پر درود پڑھا' اللہ وہاں ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچاتا ہے اور وہ درود اس کی دنیا اور آخرت کے لیے کافی ہوتا ہے اور میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

(تاریخ بغداد ج ۳ص ۲۹۲۔۲۹۱'شعب الایمان رقم الحدیث:۱۵۸۳'کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ص ۱۳۷۔۱۳۶'اللآلی المصنوعۃ ج ۱ص ۲۵۸)

(۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھی اللہ اس پر دس بار صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے۔امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۱ص ۵۵۰ قدیم'المستدرک رقم الحدیث:۲۰۱۸ جدید'کنز العمال ج ۱ص ۴۹۱)

(۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حضرت جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش خبری دی کہ آپ کا رب فرماتا ہے جو شخص آپ پر صلوٰۃ پڑھے گا تو میں اس پر صلوٰۃ پڑھوں گا' اور جو شخص آپ پر سلام پڑھے گا تو میں اس پر سلام پڑھوں گا' تو میں نے اللہ کے لیے سجدہ شکر کیا۔امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔(المستدرک ج ۱ص ۵۵۰ قدیم'المستدرک رقم الحدیث:۲۰۱۹'کنز العمال ج ۱ص ۵۰۲)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ شخص ہوگا' جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۴۸۴'صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۱۱)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور وہ میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۳۱۱۶'صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۹۱۴'المستدرک ج ۲ص ۴۲۱'مسند احمد ج ۱ص ۴۴۱)

(۱۲) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں میں اپنی دعاؤں میں سے آپ پر درود کتنا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو! میں نے عرض کیا میں اپنی دعاؤں سے چوتھائی حصہ آپ پر درود پڑھوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے میں نے عرض کیا نصف حصہ؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے میں نے کہا دو تہائی؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر تم زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے! میں نے عرض کیا میں اپنی تمام دعاؤں میں آپ پر درود شریف پڑھوں گا' آپ نے فرمایا یہ تمہاری مہم کے لیے کافی ہے اور تمہارا گناہ بخش دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۷ المستدرک ج ۲ ص مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۶ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۰ جلاء الافہام رقم الحدیث: ۵۹ دار الکتاب العربی ۱۴۱۷ھ)

(۱۳) حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے' اس میں حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی' اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن بے ہوشی ہو گی' تم اس دن میں مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہو گا' آپ نے فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۱۰' المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸' مسند احمد ج ۴ ص ۸)

(۱۴) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو' کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش کیا جاتا ہے اور جو میری امت میں سے مجھ پر زیادہ درود پڑھنے والا ہو گا وہ میرے زیادہ قریب ہو گا۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۹' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۵۰)

(۱۵) حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمار! بے شک اللہ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی سماعت عطا کی ہے اور جب میری وفات ہو گی تو وہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا' پس میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا' وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا اے محمد! فلاں فلاں شخص نے آپ پر درود پڑھا ہے' پھر اللہ عزوجل اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۶۳' ۳۱۶۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک راوی نعیم بن ضمضم ضعیف ہے اور اس کی سند کے باقی رجال صحیح ہیں' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲)

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا' جب تک اس کتاب میں میرا نام ہے' فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۵۶' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۴۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۲۱' رقم الحدیث: ۱۹۰۸)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی کتاب میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا جب تک وہ کتاب رہے گی فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

(اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۱۸۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص)

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو مجھ پر درود پڑھنا چاہیے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۹۴۵ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال صحیح ہیں مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۳۰۰)

(۱۹) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۶ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۷۶ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۸۵)

(۲۰) ابوامامہ بن سہل بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے پھر پست آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر میت کے لیے دعا کرے پھر آہستگی سے سلام پھیر دے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ص ۴۰ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۴۲۸ المستدرک ج اص ۳۶۰)

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتہ اس درود کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے پھر ہمارا رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس بندہ کی قبر پر جا کر اس بندہ کے لیے ایسا استغفار کرو جس سے اس بندہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۰۲۶ زہر الفردوس ج ۴ص ۳)

(۲۲) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ بندہ کہیں پر ہو ہم نے پوچھا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ (جلاء الافہام رقم الحدیث: ۱۱۰ ص ۶۴ دار الکتاب العربی ۱۴۱۷ھ)

دعا کے اول و آخر میں درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۲۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ عزوجل کی ثناء کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لیے سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سوال کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۹۳ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۴۰۱ المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۰۳۸)

(۲۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دعا اور آسمان کے درمیان حجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے پس جب نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتے ہیں اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۴۸ الکامل لابن عدی ج ۲ص ۶۰۴ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے رجال ثقات ہیں مجمع الزوائد ج ۱۰ص ۱۶۰)

(۲۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۶)

شیخ ابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

احمد بن الحواری نے کہا میں نے ابوسفیان الدارانی سے یہ سنا ہے کہ جو اللہ سے اپنی حاجت کے سوال کا ارادہ کرے وہ

پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' پھر اپنی حاجت کا سوال کرے' آخر میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے' بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے ہوئے درود کو قبول کیا جاتا ہے اور وہ اس سے بہت کریم ہے کہ وہ درمیان کی دعاؤں کو رد کر دے۔

(جلاء الافہام ص ۲۱۷' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

(۲۶) علامہ الباجی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنی دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کو بھی رکھو' کیونکہ آپ پر صلوٰۃ کو قبول کیا جاتا ہے' اور اللہ عزوجل اس سے بہت کریم ہے کہ وہ بعض دعا قبول کرے اور بعض کو رد کر دے۔

(احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۹۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور جو چیز مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ درود کے قطعاً قبول ہونے سے مراد یہ ہے کہ درود اصلاً مردود نہیں ہوتا' درود دعا ہے' اور بعض دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور بعض دعائیں کسی حکمت کی وجہ سے مقبول نہیں ہوتیں' اور درود دعاؤں کے عموم سے خارج ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں اور یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کی خبر فعل مضارع ہے اس کا تقاضا استمرار تجددی ہے اور اس جملہ کو تاکید سے بھی موکد کیا ہے' اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر درود پڑھتا رہتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بھی احسان فرمایا اور ان کو بھی آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ان کو مزید فضل اور شرف حاصل ہو' ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے صلوٰۃ پڑھنے کی وجہ سے ان کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں پس جب مومن اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے گا کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھے تو اس کی یہ دعا قطعاً مقبول ہوگی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ خبر دی ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے' اور باقی دعائیں اور عبادات اس طرح نہیں ہیں۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

بعض دیگر مواقع اور مقامات پر درود پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار

(۲۷) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو' کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے' اللہ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) کا سوال کرو' وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا' اور مجھے توقع ہے کہ وہ میں ہوں' پس جس شخص نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۹۰' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۴۰)

(۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے اور یہ دعا کرے اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور جب مسجد سے نکلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے اور یہ دعا کرے اللھم اجرنی من الشیطان۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۹۱۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۴۷' المستدرک ج ۱ ص ۲۰۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۴۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۷۰)

(۲۹) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم مسجد میں گزرو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔

(جلاء الافہام ص ۲۳۴)

(۳۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا تو جب تک اس کتاب میں میرا نام ہے اس پر درود پڑھا جاتا رہے گا۔

سفیان ثوری نے کہا صاحب حدیث کے لیے اس سے بڑا اور کیا فائدہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھتا ہے اور جب تک اس کی کتاب میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہو اس پر درود پڑھا جاتا رہے گا۔

محمد بن ابی سلیمان نے کہا میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا: اے ابا جان آپ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ کہا اللہ نے مجھ کو بخش دیا! میں نے پوچھا کس وجہ سے؟ انہوں نے بتایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھنے کی وجہ سے۔

عبداللہ بن عمرو نے کہا میرے بعض معتمد دوستوں نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک محدث کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا مجھ پر رحم فرمایا اور مجھے بخش دیا میں نے پوچھا کس سبب سے؟ انہوں نے کہا میں جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے پاس سے گزرتا تو وہاں صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیتا۔

حافظ ابوموسیٰ نے متعدد محدثین سے روایت کیا ہے کہ ان کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور انہوں نے بتایا کہ اللہ نے انہیں اس لیے بخش دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے۔

(جلاء الافہام ص ۲۳۷۔۲۳۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۳۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت دس بار مجھ پر درود پڑھا اور شام کو مجھ پر دس بار درود پڑھا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کو پالے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۲۷، حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ان میں سے ایک حدیث کی سند جید ہے اور اس کے رجال کی توثیق کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۰)

(۳۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں یہ پڑھے: **اللھم صل علی (سیدنا) محمد عبدک و رسولک وصل علی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات** تو یہ اس کی زکوٰۃ ہو جائے گی۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۳۰۔۱۲۹، الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۳۹۵، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۷)

(۳۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ کام جس کی ابتداء اللہ کے ذکر سے نہ ہو اور مجھ پر درود سے نہ ہو وہ ناتمام رہتا ہے اور ہر قسم کی برکت سے منقطع رہتا ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔

(جلاء الافہام ص ۲۵۱، دار الکتاب العربی، القول البدیع ص ۳۴۹، مکتبۃ المؤید الطائف)

(۳۴) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھ پر درود پڑھے، اور یہ دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر کے ساتھ یاد کرے جو مجھے یاد کرتا ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۵۸، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۱۰۴، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۱۲۵، مکارم الاخلاق ص ۵۴۵، حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۱۴۲)

(۳۵) قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ تلبیہ (حج میں اللھم لبیک کہنے) سے فارغ ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۶۳)

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاندنی رات اور روشن دن مجھ پر زیادہ درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۴۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۹)

(۳۷) عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کر رہے تھے۔

(جلاء الافہام ص ۳۲۰)

(۳۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کوئی چیز رکھ کر بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو' ان شاء اللہ تم اس کو یاد کر لو گے (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔ (القول البدیع ص ۳۲۶)

(۳۹) حضرت عثمان بن ابی حرب الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی حدیث کو بیان کرنے کا ارادہ کرے پھر اس کو بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے' کیونکہ مجھ پر درود پڑھنے کی وجہ سے توقع ہے کہ اس کو وہ حدیث یاد آ جائے گی (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

(القول البدیع ص ۳۲۷' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۶۴' عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی رقم الحدیث: ۲۸۳)

(۴۰) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنے کو تو ہم نے جان لیا ہے' پس آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھی جائے' آپ نے فرمایا تم اس طرح پڑھو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید' اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: کما صلیت علی ابراھیم وبارک علی محمد و آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و آل ابراھیم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۹۷-۴۷۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۸۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۴)

درود ابراہیمی میں تشبیہ اور دوسرے اعتراض کا جواب

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اس کے نبی پر صلوٰۃ بھیجیں' ہم نے اس طرح عمل کیا کہ اے اللہ تو اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیج دے' یہ اس کے حکم پر کیسے عمل ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شخص کی جناب میں اس کے مرتبہ اور مقام کے موافق تحفہ پیش کیا جاتا ہے تو گویا ہم نے یہ عرض کیا کہ ہم تیرے نبی کے مرتبہ اور مقام سے کماحقہ واقف نہیں ہیں' ان کے مرتبہ اور مقام سے تو ہی واقف ہے سو ان کے مرتبہ اور مقام کے مطابق صلوٰۃ کو بھی تو ہی پیش فرما۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی ہے اور کسی نبی کی صلوٰۃ کے ساتھ کیوں تشبیہ نہیں دی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام امت مسلمہ رکھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کو ان کی صلوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' درج ذیل آیات میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے ہمارا نام مسلم رکھا۔

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ. (الحج:۷۸)
ابراہیم نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمین رکھا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪. (البقرہ:۱۲۸)
اے ہمارے رب ہمیں مسلمان (اپنا اطاعت شعار) رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان (اپنا اطاعت شعار) رکھ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنا خلیل بنایا تھا سو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی صلوٰۃ نازل فرما کہ آپ کو بھی اپنا خلیل بنا لے' اور یہ دعا مقبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنا لیا' حدیث میں ہے: آپ نے فرمایا:

اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۳)

ایک اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اقویٰ اور افضل ہوتا ہے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ مشبہ ہے اور حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ مشبہ بہ ہے۔ پس لازم آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ سے افضل ہو۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض اوقات مشبہ' مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے ہماری امت پچھلی امتوں سے افضل ہے اس کے باوجود روزے فرض کرنے میں ہماری امت کو پچھلی امتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' قرآن مجید میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ. (البقرہ:۱۸۳)
تم پر اس طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح پچھلی امتوں پر روزے فرض کیے گئے تھے۔

(۲) اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تعلیل کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔

(۳) ہمارے نبی کی صلوٰۃ کو صرف حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ سے تشبیہ نہیں دی بلکہ ابراہیم اور آل ابراہیم کی صلوٰۃ سے تشبیہ دی ہے اور آل ابراہیم میں خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں' پس مشبہ بہ حضرت ابراہیم اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی صلوٰۃ ہے اور دونوں کی صلوٰۃ صرف ہمارے نبی کی صلوٰۃ سے افضل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے حکم میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پوری عمر میں صرف ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا فرض ہے' ہر چند کہ اس آیت (الاحزاب:۵۶) میں آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن امر کسی کام کو بار بار کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تشہد اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے۔

امام احمد کے دو قول ہیں' ایک قول امام ابوحنیفہ کی مثل ہے اور ایک قول امام شافعی کی مثل ہے۔

امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب ہے' اور صحیح یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر آپ کا ذکر متعدد بار کیا جائے تو ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے۔

(جلاء الافہام ص ۲۲۰-۲۱۹' القول البدیع ص ۴۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۱۰' روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۱۹' ردالمحتار ج ۲ ص ۲۰۱-۲۰۰)

ہر بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر درود پڑھنے کے دلائل اوران کے جوابات

جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو آپ پھر درود پڑھنا واجب ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اوراس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۵۴۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸)

اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مجلس میں ہر بار آپ کا ذکر سننے سے آپ پر درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہوتا ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) صحابہ کرام اور سلف صالحین ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ درود نہیں پڑھتے تھے' بسا اوقات وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے صرف یا رسول اللہ کہتے تھے اور آپ پر درود نہیں پڑھتے تھے' اگر ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ آپ پر درود پڑھنا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو درود ترک کرنے پر منع فرماتے۔

(۲) اگر ہر بار آپ کے ذکر کے ساتھ آپ پر درود پڑھنا واجب ہوتا تو مؤذن پر واجب ہوتا کہ وہ اذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہ پڑھنے کے بعد آپ پر درود پڑھتا۔

(۳) اسلام میں داخل ہونے کے لیے جب کوئی شخص کلمہ شہادت میں آپ کا ذکر کرتا تو اس پر واجب ہوتا کہ وہ آپ پر درود بھی پڑھے۔

اور جس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے یا اس کی ناک خاک آلودہ ہو' یہ حدیثیں اس شخص پر محمول ہیں جو آپ کا ذکر سن کر مطلقاً آپ پر درود نہ پڑھتا ہو' یا آپ پر درود پڑھنے کا منکر ہو' یا استخفافاً آپ پر درود نہ پڑھتا ہو یا اس کو غیر اہم سمجھ کر ترک کرتا ہو یا آپ سے بغض رکھنے کی وجہ سے آپ پر درود نہ پڑھتا ہو' اور جو شخص مجلس میں ایک بار آپ پر درود پڑھنے کو کافی سمجھتا ہو اس لیے ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود نہ پڑھے' یا وہ نماز میں مشغول ہو یا قرآن مجید پڑھنے میں یا اوراد اور تسبیح وغیرہ پڑھنے میں یا دینی کتب کا مطالعہ کرنے میں یا وہ بیمار ہو یا وہ کسی پریشانی اور غم میں مبتلا ہو اور اس وجہ سے وہ ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود نہ پڑھے تو وہ ان وعیدوں میں داخل نہیں ہے' البتہ ہر بار آپ کا ذکر سن کر آپ پر درود پڑھنے میں فضیلت ہے بلکہ ہر فارغ وقت میں آپ پر درود پڑھنے میں فضیلت ہے۔

اذان سے پہلے اور بعد درود پڑھنے کا حکم

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور آپ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنا اور آپ کی شفاعت کے حصول کی دعا کرنا مسنون اور مستحب ہے' اور ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ مؤذن نماز مغرب اور خطبہ جمعہ کے علاوہ جب لاؤڈ اسپیکر پر اذان دیتے ہیں تو اذان سے کچھ وقفہ پہلے اور کچھ وقفہ بعد' مختلف الفاظ اور مختلف صیغوں میں تعداد کی تعیین کے بغیر آپ پر صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں' اور ان کا یہ فعل محض آپ کی محبت اور آپ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے اور آپ کی تعظیم اور تکریم کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کے مستحسن اور محمود ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے' چونکہ عہد رسالت میں اس کا معمول اور رواج نہیں تھا

اس بناء پر اس کو فقہاء اسلام نے بدعت حسنہ لکھا ہے' تاہم عہد رسالت اور بعد کے مشہود بالخیر ادوار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے ذکر' آپ کے ذکر کی کثرت' محافل میلاد' جلوس اور مجالس نعت کو بدعت اور مکروہ بھی نہیں کہا جاتا تھا اس لیے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی' اور ہمارے زمانہ میں بعض لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کی فضیلت اور آپ کے ذکر کی کثرت اور صلوٰۃ وسلام کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین اور آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے شائقین ہر حیلہ اور ہر بہانے سے اور ہر مناسب موقع پر آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں' سو وہ اذان سے پہلے اور بعد بھی وقفہ کے ساتھ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور اس کو فرض یا واجب نہیں کہتے مستحب ہی سمجھتے ہیں۔

جن مواقع اور مواضع پر فقہاء اسلام نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مستحب کہا ہے

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مانع نہ ہو تو ہر وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے' اور فقہاء نے حسب ذیل مواقع پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے مستحب ہونے کی تصریح کی ہے:

جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب کو' اور ہفتہ' اتوار اور جمعرات کے دن بھی کیونکہ ان تین دنوں کے متعلق بھی احادیث وارد ہیں' اور صبح اور شام کو' اور مسجد میں دخول اور مسجد سے خروج کے وقت' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے وقت' اور صفا اور مروہ کے پاس' اور خطبہ جمعہ میں اور موذن کی اذان کے کلمات کے جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت' اور دعا کے اول' اوسط اور آخر میں' اور دعا قنوت کے بعد' اور تلبیہ (حج میں اللھم لبیک کہنے) کے بعد' اور لوگوں کے ساتھ جمع ہونے اور ان سے الگ ہونے کے وقت' اور وضو کے وقت اور کان میں بھنبھناہٹ کے وقت' اور کسی چیز کے بھولنے کے وقت' اور وعظ کہنے اور علوم کی اشاعت کے وقت' اور حدیث پڑھنے کی ابتداء اور انتہاء کے وقت' سوال اور فتویٰ لکھتے وقت' ہر تصنیف' درس اور خطبہ کے وقت' منگنی اور نکاح کے وقت' رسائل میں اور ہر اہم کام میں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ذکر کرتے وقت' آپ کا اسم سنتے وقت اور آپ کا اسم شریف لکھتے وقت' اس کی تفصیل علامہ فاسی نے دلائل الخیرات کی شرح میں کی ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اذان اور اقامت کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی تحقیق

مذکور الصدر عبارت میں علامہ شامی نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مستحب لکھا ہے' ہمارے شہروں میں عموماً مؤذن اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں' ہر چند کہ کچھ فصل کر کے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں بھی حرج نہیں ہے' تاہم اصل یہ ہے کہ اذان کے بعد کچھ وقفہ کر کے صلاۃ وسلام پڑھا جائے' علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ہجری (۷۸۱ھ) کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی اس کے بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا' اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۵۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

مؤذنوں نے جمعہ اور صبح کے علاوہ فرائض کی تمام اذانوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی ابتداء سلطان ناصر الدین یوسف بن ایوب کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی' اس سے پہلے جب حاکم

ابن العزیز قتل کیا گیا تھا تو ابن العزیز کی بہن جو بادشاہ کی بیٹی تھی' اس نے حکم دیا تھا کہ اذان کے بعد اس کے بیٹے ظاہر پر سلام پڑھا جائے جس کی یہ صورت تھی السلام علی الامام الظاہر' پھر اس کے بعد یہ طریقہ اس کے خلفاء میں جاری رہا تا آنکہ سلطان صلاح الدین نے اس کو ختم کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے' اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب ہے' مکروہ ہے' بدعت ہے یا جائز ہے' صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسن نیت کی وجہ سے اجر ملے گا۔

(القول البدیع ص ۲۸۰-۲۷۹ ملخصا مکتبۃ المؤید الطائف المملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۴۰۸ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ' علامہ عمر بن ابراہیم ابن نجیم الحنفی المتوفی ۱۰۰۵ھ' علامہ احمد بن محمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ' اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ وغیرہم نے علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ کے حوالہ سے اس کو بدعت حسنہ لکھا ہے۔

(الفتاویٰ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۱' النہر الفائق ج ۲ ص ۱۷۲' حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۶' حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۳' رد المختار ج ۲ ص ۵۲)

ان حوالہ جات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جب اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع ہوا تو وہ اذان کے بعد ہی شروع ہوا تھا نہ کہ اذان سے پہلے' نیز اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی حدیث میں بھی اصل ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مؤذن سے اذان سنو تو ان کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر صلوٰۃ پڑھو' کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ (بلند درجہ) کی دعا کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے' جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ ہی کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا' سو جو شخص میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۷۸)

رہا اقامت سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا مسئلہ تو علامہ طحطاوی نے اس کو بدعت مکروہہ لکھا ہے (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ) ہوسکتا ہے علامہ طحطاوی کی مراد یہ ہو کہ اذان سے متصل بلا فصل صلوٰۃ وسلام پڑھنا مکروہ ہے اور اگر صلوٰۃ وسلام پڑھ کر کچھ وقفہ کیا جائے پھر اقامت شروع کی جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے' فتاویٰ رضویہ میں بھی اسی طرح ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

مسئلہ: از دمن خرو عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اقامت کے قبل درود شریف بآواز بلند پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اقامت یعنی تکبیر شروع کر دیتا ہے کہ جس سے عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف اقامت کا جز ہے اور عمرو درود شریف نہیں پڑھتا صرف اقامت کہتا ہے تو زید کو یہ فعل اس کا ناپسند آتا ہے اور اصرار سے اس کو پڑھنے کو کہتا ہے اس صورت میں درود شریف جہر سے پڑھنا اور زید کا اصرار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہیے یا درود شریف کی آواز اقامت سے الگ جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو' رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۳۹۵-۳۹۴ قدیم' مکتبہ رضویہ کراچی' فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۸۶ جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۳ھ)

جن مواقع اور مواضع پر فقہاء اسلام نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو مکروہ کہا ہے

تشہد اخیر کے علاوہ نماز میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا مکروہ ہے' جماع کے وقت' قضاء حاجت کے وقت' خرید وفروخت کی ترویج کے وقت' پھسلتے وقت اور تعجب کے وقت' ذبح کے وقت' اور چھینکتے وقت' اسی طرح قرآن مجید کے سماع کے وقت' یا خطبہ جمعہ سنتے وقت' کیونکہ قرآن مجید کا سننا فرض ہے اور خطبہ جمعہ کا سننا واجب ہے' عالم گیری میں مذکور ہے اگر اس نے قرآن مجید کی تلاوت کے دوران آپ کا اسم مبارک سنا تو فوراً آپ پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے اور اگر تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد آپ پر درود پڑھ لیا تو یہ مستحب ہے' اور اگر قرآن مجید میں آپ کا اسم مبارک آ گیا تو اس وقت تلاوت کو روک کر آپ کے اسم پر درود پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ قرآن مجید کو مسلسل پڑھتا رہے' تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد اگر درود پڑھ لیا تو افضل ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے' تشہد اول میں آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب تو کجا مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ اس سے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہوگی۔

آپ پر درود پڑھتے وقت جب آپ کا نام لے گا مثلاً کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** تو اس وقت آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے' ورنہ تسلسل لازم آئے گا کیونکہ اگر اس وقت درود پڑھنا واجب ہو تو وہ پھر آپ کا نام لے کر کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** اور اس دوسرے درود میں پھر آپ کا نام لے گا اور کہے گا **اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد** تو ہر بار درود میں آپ کا نام آتا رہے گا اس لیے یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کے نام پر درود پڑھنا واجب ہے اس سے وہ نام مبارک مستثنیٰ ہے جو خود درود میں آتا ہے۔

(ردالمختار ج ۲ ص ۲۰۵۔۲۰۴' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

غیر انبیاء پر استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی شخص پر لفظ صلوٰۃ کے ساتھ استقلالاً دعا کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف' امام محمد' امام شافعی' امام مالک اور جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں' اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے **اللھم صل علی ال ابی بکر** یا **اللھم صل علی ال عمر**۔ البتہ یوں کہا جاسکتا ہے **اللھم صل علی النبی وعلی اله وعلی ال ابی بکر و عمر**۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۵' مصر)

علامہ نووی جمہور کی طرف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عرف میں لفظ صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو گیا ہے اگرچہ معنی کے اعتبار سے یہ دعا ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے۔ جیسا کہ عزّوجلّ کا کلمہ عرف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ہرچند کہ معنی کے اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے کیونکہ آپ بھی عزیز وجلیل ہیں اس کے باوجود محمد عزّوجلّ نہیں کہا جاتا' اسی طرح مثلاً ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاتا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی ہے؟ صحیح یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اصحاب شافعیہ میں سے شیخ محمد الجوینی نے کہا ہے کہ لفظ سلام بھی صلوٰۃ کے حکم میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے لفظ سلام نہیں کہنا چاہیے۔ اور نہ غائب کے ساتھ کہنا چاہیے کہ فلاں علیہم السلام نے یہ بات کہی' البتہ زندہ اور فوت شدہ کو اس کے ساتھ خطاب کرنا مثلاً السلام علیکم کہنا سنت ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۳۴۶' کراچی)

غیر انبیاء پر استقلالاً سلام پڑھنے کا بھی ممنوع ہونا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ کا بھی یہی مختار ہے وہ لکھتے ہیں:

وہ سلام جو زندہ اور مردہ دونوں کو عام ہے' یہ وہ سلام ہے جس سے زندوں سے ملاقات کے وقت تحیت کا قصد کیا جاتا ہے اور جواب کی توقع رکھی جاتی ہے' خواہ وہ سامنے حاضر ہو یا غائب ہو اور اس کو پیغام کے ذریعہ یا لکھ کر سلام بھیجا جائے یا زیارت قبر کے وقت صاحب قبر کو بہ طور تحیت سلام کیا جائے' اور رہا وہ سلام جس میں یہ مقصود ہوتا ہے کہ اللہ سے یہ دعا کی جائے کہ اللہ آپ پر سلام بھیجے' جیسے صلوٰۃ میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر صلوٰۃ بھیجے اور کہتے ہیں اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا محمد' امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے تو یہ سلام امت کی طرف سے آپ کے ساتھ مخصوص ہے' اور جس طرح آپ کے علاوہ کسی اور کو علیہ الصلوٰۃ نہیں کہنا چاہیے اسی طرح کسی اور کو علیہ السلام بھی نہیں کہنا چاہیے۔ علامہ حلیمی کا بھی یہی نظریہ ہے۔
(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۲۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ آلوسی نے اس بحث میں علامہ نووی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ اور سلام دونوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لیے آپ کو فقط علیہ الصلوٰۃ کہنا یا فقط علیہ السلام کہنا مکروہ ہے (ہمارا مختار یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام اس طرح پڑھنا چاہیے: اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی آله واصحابه وازواجه. سعیدی غفرلہٗ)
(روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۱۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز دوسرے نبیوں پر درود پڑھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود پڑھو کیونکہ اللہ نے ان کو بھی مبعوث کیا ہے جس طرح مجھے مبعوث کیا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔
(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۲-۱۳۱' تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۸۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۷۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۳۴)

غیر انبیاء کے لیے استقلالاً لفظ صلوٰۃ استعمال نہ کرنے کے دلائل

غیر انبیاء کے لیے لفظ صلوٰۃ استعمال نہ کرنے پر جو دلائل دیے جاتے ہیں ہم ان کی تلخیص' تحقیق اور توضیح کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

(۱) امام عبد الرزاق اور امام ابن ابی شیبہ اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال لا ینبغی الصلوة علی احد الاعلی النبیین قال سفیان یکره ان یصلی الاعلی نبی. (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کہ نبیوں کے سوا کسی شخص پر صلوٰۃ نہیں بھیجنی چاہیے۔ سفیان نے کہا نبی کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ مکروہ ہے۔

عن ابن عباس قال ما اعلم الصلوة تنبغی من احد علی احد الا علی النبی صلی الله علیه وسلم. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ کا مجھے علم نہیں ہے۔

(۲) قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے کہ اہل بدعت اور روافض کا عقیدہ ہے کہ ائمہ اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہیں اور اسی بدعقیدگی کی بناء پر وہ ائمہ اہل بیت پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور جو کام کسی بدعقیدہ فرقہ کی بدعقیدگی کی بناء پر ہو اس کی مخالفت واجب ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۶۷' ملتان)

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں یہ اہل بدعت کا شعار ہے اس لیے اس کی مخالفت واجب ہے۔ (شرح الشفاج ۲ص ۱۴۹ ، بیروت)

(۳) ابن قیم جوزیہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جاتی تو سلف صالحین ان پر صلوٰۃ بھیجتے۔ (جلاء الافہام ص ۲۷۸ ، فیصل آباد)

ہم نے تبیان القرآن ج ۵ ص ۲۵۱۔ ۲۴۸ میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور غیر انبیاء پر انفراداً اور استقلالاً صلوٰۃ پڑھنے پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر سلام کے صرف صلوٰۃ پڑھنے کا بلا کراہت جواز

علامہ نووی شافعی اور بعض دیگر علماء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا (الاحزاب: ۵۶) کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھنا واجب ہے اور صرف صلوٰۃ کو بغیر سلام کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہمارے نزدیک صرف صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ سلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر صلوٰۃ کے ساتھ سلام پڑھنا بھی واجب ہوتا تو آپ متعدد مواقع پر صرف صلوٰۃ کا حکم نہ دیتے۔ ہم نے اس سے پہلے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی فضیلت میں احادیث اور آثار'' کے عنوان کے تحت ۴۰ احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے ۳۷ احادیث ایسی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ مواقع پر صرف صلوٰۃ (درود) پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا (الاحزاب: ۵۶) کا تقاضا یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر دو یا دو سے زائد احکامات ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں' لیکن ان میں کہیں بھی احناف یہ موقف اختیار نہیں کرتے کہ ان احکامات پر بیک وقت عمل کرنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ احناف کا اصول یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔ یعنی جب دو چیزوں کو واؤ کے ذریعہ ایک ساتھ بیان کیا جائے تو ان میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان دونوں پر ایک ساتھ عمل کیا جائے' بلکہ علیحدہ علیحدہ عمل کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ: ۴۳) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نیز فرمایا: اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الاحزاب: ۴۲-۴۱) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرو۔

مذکورہ دونوں آیات میں کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اور اللہ عزوجل کا ذکر اور تسبیح (صبح وشام) ایک ساتھ کرنا ضروری ہے۔ سو اسی طرح الاحزاب کی آیت: ۵۶ میں جو حکم دیا گیا کہ ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''۔ اس میں بھی یہی کہا جائے گا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود اور سلام دونوں پڑھو' لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے۔ اگر کوئی شخص ایک وقت میں صلاۃ پڑھتا ہے اور دوسرے وقت میں سلام پڑھ لیتا ہے تو شرعاً یہ ممنوع نہیں ہے۔ اگر آیت مذکورہ (الاحزاب: ۵۶) میں یہ صراحت ہوتی کہ درود اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھو تو پھر کہا جاتا کہ ان کو علیحدہ کرنا حکم قرآن کے خلاف ہے' لیکن آیت میں اس طرح کی نہ کوئی صراحت ہے نہ اشارت' لہٰذا احناف کے اصول کے مطابق صلوا اور سلموا کے حکم پر علیحدہ علیحدہ عمل کرنا جائز ہوگا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

الاحزاب: ۵۶ سے یہ استدلال کرنا کہ ''صلوٰۃ اور سلام کو علیحدہ پڑھنا مکروہ ہے'' میرے نزدیک بہت ضعیف استدلال

ہے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس آیتِ مبارکہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو پڑھنے کا مطلقاً حکم ہے۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ دونوں کو بیک وقت پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس طرح کہ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ لہٰذا جس شخص نے مثلاً صبح ''صلوٰۃ'' پڑھی اور شام کو ''سلام'' پڑھا تو یقیناً اس نے بھی آیتِ مبارکہ کے حکم پر عمل کیا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو'' نیز یہ ارشاد ہے کہ ''کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور اس کی تسبیح بیان کرو'' اور اس طرح کے دیگر احکامات جو ملا کر (ایک ساتھ) دیئے گئے ہیں۔ البتہ چونکہ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے اس لیے میں اس سے عدول کو اچھا نہیں سمجھتا' خصوصاً اس لیے بھی کہ صلاۃ کے ساتھ ساتھ سلام پڑھنے میں ان شکوک و شبہات سے سلامتی مل جاتی ہے جو بیمار ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

نیز علامہ آلوسی نے اس عبارت سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے بغیر سلام کے فقط صلوٰۃ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے' علامہ ابن حجر ہیتمی نے یہ لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ اس کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کراہت اس وقت ہوتی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ کسی کام سے منع فرمایا ہو اور یہاں فقط صلوٰۃ پڑھنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا' اس لیے فقط صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ نہیں ہوگا (بلکہ ہمارے علماء احناف میں سے علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی نے یہ تصریح کی ہے کہ کسی کام کے مکروہ تنزیہی ہونے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہو' سو فقط صلوٰۃ پر اقتصار کرنا مکروہ تحریمی تو کجا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے علامہ حموی نے منیۃ المفتی سے نقل کیا ہے کہ صرف صلوٰۃ پڑھنا یا صرف سلام پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ (روح المعانی' جز ۲۲ ص ۱۱۹۔ ۱۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اسی بحث میں علامہ سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ ایک مجلس میں جتنی بار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا جائے ہر بار آپ کے نام کے ساتھ صلاۃ (درود) پڑھنا واجب ہے۔ (علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:) امام طحاوی نے حضور پر سلام پڑھنے کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ آیت میں ''صلوا علیه وسلموا'' دونوں کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''وسلموا'' کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ پر سلام پڑھو' بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کے حکم کو مان لو۔ اسی وجہ سے آپ پر صرف صلوٰۃ پڑھنا مشہور مذہب کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آیت میں ''تسلیما'' کا جو ذکر ہے اس کی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے حکم کی تاکید ہے۔ اور اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں' ان کے سلام پڑھنے کا ذکر نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ''وسلموا'' کا حکم اس حکم کو تسلیم کرنے کے لیے ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۷' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ سید ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے بھی مذکورہ الصدر عبارت کا خلاصہ لکھا ہے۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو' اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے' اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے O اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بلا خطاء ایذاء پہنچاتے ہیں' تو بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا O (الاحزاب: ۵۸۔ ۵۷)

اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا اور گستاخانہ کلمات

ایذاء کا معنی ہے تنگ کرنا' ستانا' دکھ پہنچانا' اللہ تعالیٰ کو دکھ پہنچانا اور ستانا محال ہے' اس لیے اس سے یہاں مراد ہے کہ وہ ایسے افعال کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھے اور ایسی باتیں کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث تھیں' وہ ایمان نہیں لاتے تھے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے تھے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اس کے بیٹے ہیں' اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے تھے' مخلوق کے دوبارہ پیدا کرنے کو محال سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات میں الحاد کرتے تھے' زمانے کو برا کہتے تھے' اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کو خدا کہتے تھے' یہودیوں نے کہا اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' نیز انہوں نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' یہ اس زمانہ کے یہود' نصاریٰ اور مشرکین تھے جنہوں نے اللہ عزوجل کے متعلق ایسے گستاخانہ کلمات کہے' ہمارے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال نے اللہ عزوجل کے متعلق ایذاء دینے والے گستاخانہ کلمات کہے' وہ کہتا ہے:

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(بال جبریل ص ۲' کلیات اقبال ص ۱۷۱)

نیز ڈاکٹر اقبال نے کہا:

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

(کلیات اقبال ص ۱۹۲)

ڈاکٹر اقبال کو خود بھی اعتراف تھا کہ وہ بارگاہ الوہیت میں گستاخ ہے' وہ کہتا ہے:

یارب یہ جہان گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنر مند

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مے گلگوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
فرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

(کلیات اقبال ص ۱۸۵۔۱۸۴' ملتقطاً)

رسول اللہ کی شان میں گستاخانہ اور نازیبا کلمات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے شاعر' کاہن اور مجنون کہا' آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ یا قاسم رضی اللہ عنہما

فوت ہو گئے تو عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا [illegible]
اپنے حبالہ عقد میں لیا تو اس پر کفار اور منافقین [illegible]
عبداللہ بن ابی نے کہا ہم مدینہ میں جب واپس جائیں گے تو عزت والے ذلت والوں کو نکال [illegible]
آپ کو مراد لیا' آپ کی عزیز ترین حرم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگا کر آپ [illegible]
زمانہ میں بھی بعض لوگوں نے آپ کی شان میں دل آزار باتیں لکھیں:

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔

(صراط مستقیم مترجم ص ۱۵۰ ملک سراج دین اینڈ سنز' صراط مستقیم (فارسی) ص ۸۶ المکتبہ السلفیہ [illegible])

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ نمازی کے سامنے سے کتا' گدھا اور عورت گذرے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے مشابہ کر دیا ہے! اللہ کی قسم میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان تخت پر لیٹی ہوتی تھی' مجھے کوئی کام درپیش ہوتا' میں آپ کے سامنے بیٹھنے کو ناپسند کرتی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دوں تو میں آپ کے پیروں کی جانب سے تخت سے نکل جاتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۵۱۲' الرقم المسلسل: ۱۱۲۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے ایذاء پہنچی کہ عورت کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ کیا تو انہوں نے فرمایا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے مشابہ کر دیا حالانکہ بالخصوص حضرت عائشہ کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا' اگر بالخصوص حضرت عائشہ کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ کیا جاتا تو حضرت عائشہ کو کس قدر ایذاء پہنچتی' اور صراط مستقیم کی عبارت میں بالخصوص رسالت مآب کا ذکر بیل اور گدھے کے ساتھ کیا گیا ہے بلکہ نماز میں رسالت مآب کی طرف ہمت (توجہ) لگا دینے کو اپنے گدھے اور بیل کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا کہا گیا ہے' سوچیے کہ اس عبارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ایذاء پہنچی ہو گی!

اسی طرح شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب' اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے الخ۔ (حفظ الایمان ص ۷' مکتبہ تھانوی کراچی)

اس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو صبی (بچوں) مجنون (پاگلوں) اور حیوانات و بہائم (جانوروں) کے علم کے مشابہ قرار دیا ہے' اگر عام عالم دین کے علم کو بھی پاگلوں اور جانوروں کے علم کے مشابہ کہا جائے تو اس کو ایذاء پہنچے گی تو ان کو اس تشبیہ سے کس قدر ایذاء پہنچی ہو گی جن کا مرتبہ اللہ کے بعد سب سے زیادہ ہے' جن کا احترام اتنا زیادہ ہے کہ اگر ان کی آواز پر آواز اونچی ہو جائے تو سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے' شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک کو ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ ص ۵۱' مطبع بلالی' ڈھوک ہند)

نیز اسی کتاب میں لکھا ہے: اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا علم ان امور میں ملک الموت کی برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔ (براہین قاطعہ ص ۵۲)

ان عبارتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے شیطان اور ملک الموت کے علم کو زیادہ کہا گیا ہے' اور یقیناً یہ عبارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزادی اور آپ کی ایذاء کی موجب ہیں۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال نمبر ۳۰: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم یا بت یا آشوب ترک فتنہ عرب باندھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ الفاظ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ بمعانی ظاہر خود مراد نہیں رکھتا' بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے' مگر تاہم ایہام گستاخی' اہانت واذیت ذات پاک حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں' یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ راعنا بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا انظرنا کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا (الیٰ قولہ) پس ان کلمات کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موذی وگستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۴۷۔۷۱' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم کہنے میں اتنی کھلی ہوئی توہین نہیں ہے جتنی آپ کے علم کو پاگلوں اور جانوروں کے مشابہ کہنے میں یا آپ کے علم کو شیطان اور ملک الموت کے علم سے کم کہنے میں ہے۔

علامہ قرطبی کا حضرت اسامہ کو امیر بنانے پر حضرت عیاش بن ربیعہ...... کی شکایت کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرنا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے آپ کو ایذاء پہنچانے میں یہ مثال بھی ذکر کی ہے:

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنانے پر اعتراض کیا تھا اس سے بھی آپ کو ایذاء پہنچی' حدیث صحیح میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا امیر بنا دیا تو لوگوں نے اس کی امارت پر طعن کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

اگر تم اس کو امیر بنانے پر طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر طعن کر رہے تھے اور اللہ کی قسم! وہ بے شک ضرور امارت کے لائق تھے' اور وہ بے شک میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے' اور ان کے بعد مجھے یہ (حضرت اسامہ) لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۲۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۱۶) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۱۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک علامہ قرطبی کا اس مثال کو ان لوگوں کے بیان میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے' جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو ایذاء پہنچائی تھی' کیونکہ اس حدیث میں جن اعتراض کرنے والوں کا ذکر ہے ان میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ
جو صحابی رسول تھے اور سابقین اولین میں سے تھے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفر کے آخر میں غزوہ روم کے لیے صحابہ کو طلب کیا تھا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم وہاں جاؤ جہاں تمہارے باپ کو شہید کیا گیا تھا' میں نے تم کو اس لشکر کا امیر بنا دیا ہے' اس وقت حضرت اسامہ کی اٹھارہ سال تھی' جن لوگوں کو اس لشکر کے لیے بلایا تھا ان میں مہاجرین اور انصار میں سے اکابر صحابہ تھے' ان میں حضرت ابوبکر حضرت عمر' حضرت ابوعبیدہ' حضرت سعد' حضرت قتادہ بن النعمان اور حضرت سلمہ بن اسلم تھے' بعض صحابہ نے اس کی شکایت کی ان میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے' حضرت عمر نے ان کا رد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا جس طرح امام بخاری کی روایت میں ہے کہ اگر تم اس کو امیر بنانے پر طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر طعن کر رہے تھے' اس لشکر کے روم روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا' پھر حضرت ابوبکر نے اس لشکر کو روانہ کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۱۱۱۸' عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ سابقین اولین میں سے ہیں' انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں ابوجہل نے ان کو دھوکے سے قید کر لیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازلہ میں ان کی رہائی کی دعا فرماتے تھے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۶) یہ جنگ یمامہ یا جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

(الاصابہ رقم الحدیث: ۶۱۳۸' ج ۴ ص ۶۲۴ - ۶۲۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ' اسد الغابہ رقم الحدیث: ۴۱۴۵' ج ۴ ص ۳۰۸' الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۹۶ طبع جدید ۱۴۱۸ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۱۶۰ - ۱۷۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والوں پر اس وعید کا ذکر فرمایا ہے: اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے' اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر صحابہ کی شکایات کی توجیہات

اگر علامہ قرطبی کی تفسیر کے مطابق حضرت عیاش بن ابی ربیعہ بھی آپ کو ایذا پہنچانے والے تھے تو ان پر بھی یہ وعید منطبق ہو گی حالانکہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ سابقین اولین میں سے ہیں' اس لیے علامہ قرطبی کا ان کو ایذاء پہنچانے والوں میں درج کرنا صحیح نہیں ہے' باقی رہا یہ کہ حضرت عیاش نے حضرت اسامہ کی امارت پر جو طعن کیا تھا پھر اس کا کیا محمل ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طعن کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت عیاش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ آپ کا حضرت اسامہ کو لشکر کا امیر بنانا درست نہیں ہے' بلکہ ان کو طبعی طور پر یہ چیز ناگوار گزری تھی کہ تجربہ کار اور اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان اور نو خیز صحابی کو لشکر کا امیر بنا دیا جائے اور انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تھا اور اس کی شکایت کی تھی اس شکایت پر اصرار نہیں کیا تھا اور آپ کے فیصلہ کو طیب خاطر سے قبول کر لیا تھا' بشری تقاضوں سے ایسا ہو جاتا ہے' اور اس کی صحابہ میں بہت مثالیں ہیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے آپ کو منع کیا اور اس پر بہت اصرار کیا' خود فرماتے ہیں مجھے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی اس جرأت پر سخت تعجب تھا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین سے صلح کی شرائط طے کیں تو حضرت

نے اس پر بھی سخت اعتراضات کیے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱۔۲۷۳۲) مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس دن ہدیے پیش کرتے تھے جس دن آپ حضرت عائشہ کی باری میں حضرت عائشہ کے گھر ہوتے تھے' اس پر حضرت ام سلمہ اور ان کی حامی دیگر ازواج کو سخت اعتراض تھا حتیٰ کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سفارشی بنا کر یہ کہلوایا کہ آپ ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں عدل سے کام لیں' اسی طرح حضرت زینب بنت جحش نے بھی آپ سے یہی کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ ابن ابی قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں عدل کریں (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں دیگر ازواج کو یہ ناگوار گذرا اور انہوں نے کہا آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے' آپ نے قریش کے بعض لوگوں کو سو سو اونٹ دیئے' انصار کے بعض نوجوانوں کو یہ ناگوار گذرا انہوں نے کہا اللہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے وہ قریش کو عطا کرتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں' حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے' حضرت انس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جو نئے مسلمان ہوئے ہیں' کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جاؤ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۴۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت اسامہ سے نکاح کرلیں تو انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا پھر آپ کے اصرار سے نکاح کرلیا اور خوش ہوئیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر رقم الحدیث: ۲۰۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

کتب احادیث میں اور بھی بہت مثالیں ہیں کہ بعض صحابہ کو طبعی تقاضوں سے کوئی بات ناگوار گزری اور انہوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور شکایت کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو عدل کے خلاف کہتے تھے' کسی وجہ سے انہیں آپ کے فیصلہ کی حکمت سمجھ نہ آتی تو وہ شکایت کرکے آپ کے فیصلہ کی حکمت جاننا چاہتے تھے اور جب انہیں اس حکمت کا پتا چل جاتا تو ان کی شکایت زائل ہو جاتی اور وہ مطمئن ہو جاتے' اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو بھی جب حضرت اسامہ کو امیر بنانے کی حکمت معلوم ہوگئی تو وہ مطمئن ہو گئے' اور اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے حضرت اسامہ کو لشکر کا امیر بنانے کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا جائز ہے' اور سن رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں کے ہوتے ہوئے کم سن اور ناتجربہ کار کو لشکر کا امیر بنانا جائز ہے' اور آزاد کردہ غلام کے بیٹے کو بھی لشکر کا امیر بنانا جائز ہے' اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں اور خداموں کو بھی اتنا نوازا کہ ان کو اس لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ایسے لوگ تھے اور یہ کہ اسلام میں رنگ اور نسب کی اہمیت نہیں ہے' اسلام غلاموں کو بھی امیر بناتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار اور منافقین ایسی اہانت آمیز باتیں کہتے تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی تھی اور ان کے متعلق یہ وعید فرمائی کہ ان پر اللہ عزوجل دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والے عذاب کو تیار کر رکھا ہے۔ اور صحابہ کرام نے کبھی بشری تقاضے سے جو شکوہ کیا وہ آپ کے کسی ارشاد کی حکمت سمجھنے کے لیے تھا' اس لیے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے حضرت اسامہ کو امیر بنانے کی جو شکایت کی تھی وہ بھی حکمت سمجھنے کے لیے تھی اور وہ کوئی ایسا طعن نہیں تھا جو اہانت آمیز ہو اور آپ کی ایذاء کا باعث ہو' اس لیے علامہ قرطبی کا ان کی شکایت کو اس آیت کی تفسیر میں درج کرنا صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اس کا معنی ہے اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

اللہ اور رسول اور مومنوں کو ایذاء پہنچانے کا فرق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو لوگ ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو بلا خطاء ایذاء پہنچاتے ہیں بے شک انہوں نے بہتان کا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایاO (الاحزاب: ۵۸)

ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بھی اہانت والی باتوں اور شر انگیز کاموں سے تکلیف پہنچتی ہے' مثلاً جھوٹے الزام لگانا' اور صحیح اور سچی باتوں کی تکذیب کرنا' یا کسی کی مذمت کرنا' اس کا مذاق اڑانا' اس کو اس کے کسی کمزور پہلو سے عار دلانا' اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء میں اور مسلمانوں کی ایذاء میں یہ فرق کیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ایذاء کو کفر قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی ایذاء کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک باندی زیب وزینت سے مزین ہو کر بازار میں جا رہی تھی' حضرت عمر نے باندی کو مارا اور اس کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع کیا' اس نے جا کر اپنے مالکوں سے شکایت کی' انہوں نے آ کر حضرت عمر سے توہین آمیز کلام کیا تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کے حکم اور برائی سے منع کرنے پر غضب ناک ہونا جائز نہیں ہے' اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) بدکار اور زانی جب مدینہ کے راستوں میں جاتے تو جو عورتیں قضاء حاجت کے لیے رات کو گھر سے باہر نکلتیں تھیں وہ ان کا پیچھا کرتے تھے اور ان سے چھیڑ خانی کرتے تھے' وہ عموماً باندیوں کو چھیڑتے تھے لیکن چونکہ آزاد اور پاکباز عورتیں لباس اور ہیئت میں باندیوں سے ممیز اور ممتاز نہیں تھیں اس لیے وہ بھی ان کی فحش حرکات کا شکار ہو جاتی تھیں' پھر انہوں نے اپنے خاوندوں سے اس کی شکایت کی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ راستے میں جانے والی عورتوں سے چھیڑ خانی کرنا ان کو تنگ کرنا اور فحش حرکات کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ پر جن منافقوں نے بدکاری کی تہمت لگائی تھی ان کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس تہمت کا گناہ کبیرہ ہونا بالکل واضح ہے۔

(۴) بعض منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بدتمیزی کے ساتھ کلام کیا تھا تو ان کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بدتمیزی کرنا نہ صرف یہ کہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ نفاق کی علامت ہے۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۱' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں' اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت)

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا

اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکا لیا کریں' یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد

يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ

ہیں) تو ان کو ایذاء نہ دی جائے' اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O اگر منافق باز نہ آئے اور

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے' تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا

دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے O وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی

ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ

جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا O جو لوگ اس سے پہلے

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ يَسْـَٔلُكَ

گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے O لوگ آپ سے

النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ

قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے' اور (اے مخاطب) تجھے

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ

کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو O بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے

لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' (وہاں) وہ نہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی

نَصِيْرًا ۝ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا

مدد کرنے والا O جس دن ان کے چہرے آگ میں پلٹ دیئے جائیں گے' وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی

اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا

اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی O اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں

معانقۃ ۱۲ عندالمتاخرین ۱۲

الربع

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ

کی اطاعت کی' سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا O اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے' اور

لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

ان پر بہت بڑی لعنت فرما O

ع ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیے کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (اپنے منہ پر) لٹکا لیا کریں' یہ اس کے بہت قریب ہے کہ ان کو پہچان لیا جائے (کہ یہ آزاد عورتیں ہیں) تو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب: ۵۹)

جلباب کی تحقیق

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور مسلمان عورتیں اپنی جلابیب (چادروں) کا کچھ حصہ اپنے (چہروں) پر ڈال لیں۔ جلابیب جلباب کی جمع ہے اس لیے دیکھنا چاہیے کہ جلباب کا معنی کیا ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

والجلباب الملحفة. جلباب ملحفہ ہے یعنی لحاف اور کمبل کی طرح وسیع و عریض چادر ہے۔

(صحاح ج ۱ ص ۱۰۱' دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

جلباب وہ چادر ہے جس کو عورت کمبل کی طرح اوپر سے اوڑھ لیتی ہے' ابوعبید نے کہا ہے کہ ازہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن الاعرابی نے جو یہ کہا ہے کہ جلباب ازار (تہبند) ہے۔ اس سے مراد وہ چادر نہیں ہے جو کمر پر باندھی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ چادر ہے جس سے تمام جسم کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۲۷۳' ایران' ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جلباب سے مراد وہ وسیع و عریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔

چہرہ ڈھانپنے کی تحقیق

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: یدنین علیھن من جلابیبھن اور یہ من تبعیضیہ ہے' یعنی عورتیں اپنی جلباب کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیں' مفسرین نے لکھا ہے کہ علیھن میں حذف مضاف ہے یعنی علی وجوھھن "چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیں"، یعنی چادر کا ایک پلّو یا آنچل یا گھونگھٹ اپنے چہروں پر اس طرح ڈال لیں کہ چہرہ ڈھک جائے اور یہی حجاب کا تقاضا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر کو اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۱۸۶۱)

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی نے اس تفسیر کو عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۱' مطبوعہ لاہور)

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یغطین وجوھھن وابدانھن اذا برزن لحاجة ومن للتبعیض فان المراة ترخی بعض جلبابھا وتتلفع ببعض.

(بیضاوی علی حاشیہ الخفاجی ج ۷ ص ۱۸۵ دار صادر بیروت)

جب عورتیں کسی کام سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور بدن کو ڈھانپ لیں' من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ عورتیں چادر کے بعض حصے کو (چہرہ پر) لٹکا لیتی ہیں اور بعض کو بدن کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

کشاف میں ہے کہ اس آیت کے دو محمل ہیں یا تو ایک چادر کو پورے بدن پر لپیٹنے کا حکم دیا ہے یا چادر کے ایک حصہ سے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیں اور دوسرے حصے سے باقی بدن ڈھانپ لیں۔ (عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۸۵ دار صادر بیروت)

علامہ آلوسی حنفی نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (ج ۲۲ ص ۸۹ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورۂ نور میں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورۃ الاحزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رہتیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے' ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے' عورت اپنے محارم (باپ' بھائی وغیرہ) کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی' چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کر دیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔

عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ (الاحزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے اور ان کے لیے بہت ہی پاکیزگی کا سبب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل' پلو یا گھونگھٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں

ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ذالک ادنی ان یعرفن سے چہرہ ڈھانپنے پر استدلال

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ. یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے (کہ وہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے۔ (الاحزاب:۵۱)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

جب کوئی باندی راستہ سے گزرتی تھی تو فساق فجار اس کو ایذاء پہنچاتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو باندیوں کی مشابہت سے منع فرمادیا' مجاہد نے یدنین علیهن من جلابیبهن کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "آزاد عورتیں اپنے چہروں پر آنچل ڈال لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور فساق ان کو آوازیں کس کر یا چھیڑ خانی کر کے اذیت نہ پہنچائیں"۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین "یہ ان کی (باندیوں سے) شناخت کے زیادہ قریب ہے تاکہ ان کو ایذاء نہ پہنچائی جائے"۔ (جامع البیان جز ۲۲ ص ۵۸۔۵۷' دار الفکر بیروت)

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں آزاد عورتیں اور باندیاں چہرہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور فساق اور فجار ان کے پیچھے دوڑتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر سے چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۸۴)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں قمیص اور دوپٹے میں چہرہ کھول کر نکلتی تھیں' اور جب وہ رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے کھجوروں کے جھنڈ اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ بھی ان کے پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورت پر بھی دست درازی کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گمان کیا تھا۔ تب آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ باندیوں سے مختلف وضع قطع اختیار کریں بایں طور کہ بڑی چادروں اور کمبلوں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ وہ باحیاء اور معزز رہیں اور کوئی شخص ان کے متعلق بری خواہش نہ کرے۔

(البحر المحیط ج ۷ ص ۲۵۰' دار الفکر بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

آزاد عورتیں چادروں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ معلوم ہو جائے وہ آزاد عورتیں ہیں۔

(زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۲)

علامہ ابوسعود حنفی لکھتے ہیں:

عورتیں جب کسی کام سے جائیں تو چادروں سے اپنے چہروں اور بدنوں کو چھپالیں۔

(تفسیر ابوسعود ج ۵ ص ۲۳۹' دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ابو عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم چادر کو اپنی پیشانی پر رکھ کر چہرے کے اوپر لپیٹ لو' سدی نے کہا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ لو (علامہ ابوالحیان کہتے ہیں) اندلس

شہروں کا بھی یہی طریقہ ہے عورتیں ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا چادر سے چہرے کو ڈھانپ لے اور دونوں آنکھوں کو کھلا رکھے۔ من جلابيبهن کا مطلب یہ ہے کہ چادر کے ایک پلو سے چہرہ کو ڈھانپ لیا جائے یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کیونکہ جب آزاد عورتیں اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں گی تو وہ بے پردہ پھرنے والی بے حیا باندیوں سے ممتاز ہو جائیں گی اور فساق اور فجار کی ایذاء رسانی اور چھیڑ خانی سے محفوظ رہیں گی۔

(البحر المحیط ج ۸ ص ۵۰۴' دار الفکر)

مشہور شیعہ مفسر شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

قال الحسن الجلابيب الملاحف تدنيها المراة على وجهها. (التبیان ج ۸ ص ۳۶۱)

حسن نے کہا کہ جلابیب سے مراد وہ چادریں ہیں جن کو عورتیں اپنے چہروں پر ڈال لیتی ہیں۔

جلباب کی تفسیر جو ہم نے معتمد مفسرین اسلام سے نقل کی ہے' ان میں علامہ ابن جریر طبری' علامہ ابو بکر رازی بصاص حنفی' علامہ ابن کثیر حنبلی' علامہ ابن جوزی حنبلی' قاضی بیضاوی شافعی' علامہ ابو سعود حنفی' علامہ خفاجی حنفی' علامہ آلوسی حنفی' علامہ ابو الحیان اندلسی اور شیعہ مفسر شیخ طوسی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج' آپ کی صاحبزادیوں اور عام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کا پلو اپنے چہرے پر ڈال کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیں۔

ان تفاسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ سورۂ نور میں عورتوں کو جو چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کے ستر کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس سے زائد حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

مصنف یہ کہتا ہے کہ آج بھی یہی طریقہ ہے جو عورت مکمل پردہ میں باہر نکلتی ہے وہ کسی شخص کی ہوا و ہوس کا نشانہ نہیں بنتی اس پر کوئی بری نظر ڈالتا ہے نہ کوئی آوازہ کستا ہے' نہ اس کا پیچھا کرتا ہے اور جو عورت بے پردہ تنگ اور چست لباس پہن کر' سرخی پاؤڈر سے میک اپ کر کے اور اپنے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے خوشبوؤں کی لپٹوں میں گھر سے نکلتی ہے وہ تمام ہوس ناک نگاہوں کا ہدف بنتی ہے' اوباش لوگ اس پر آوازے کستے ہیں اور چھیڑ خانی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی عزت لٹ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ! ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں اسلام عورت کو پردے کی بوبو بنانا چاہتا ہے! مغربی ممالک میں جہاں کوئی پردہ ہے نہ کوئی حدود و قیود ہیں لڑکیاں نیم عریاں لباس میں برسر عام پھرتی ہیں اور راہ چلتے برسر عام مرد اور عورت بوس و کنار کرتے ہیں' پارکوں اور تفریح گاہوں میں بغیر کسی پردے اور حجاب کے حیوانوں کی طرح مرد اور عورتیں ہم آغوش ہوتے ہیں اور جنسی عمل کرتے ہیں' ایک لڑکی کئی بوائے فرینڈ رکھتی ہے' دفتروں' کارخانوں' ہوٹلوں اور سیرگاہوں میں ہر جگہ مرد اور عورت ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کام کرتے ہیں' جس کے نتیجے میں ناجائز بچوں سے ان کی سڑکیں بھری رہتی ہیں اور ہسپتالوں میں اسقاط حمل کرانے والی عورتوں کی بھرمار رہتی ہے اور اس جنسی بے راہ روی سے ان کا ذہنی سکون جاتا رہتا ہے اور وہ لوگ مالیخولیائی کیفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر وہ سکون اور نروان کی تلاش میں سستے نشوں کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے آپ کو شراب میں ڈبو دیتے تھے لیکن اس سے بھی ان کو سکون نہیں ملا' اب وہ چرس' کوکین' ہیروئن اور راکٹ کی پناہ لیتے ہیں وہ ایسا تیز سے تیز نشہ چاہتے ہیں جو ان کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے سُلا دے' بے حس کر دے اور دنیا اور مافیہا سے بے خبر کر دے۔ مغربی ممالک کی حکومتیں ان منشیات پر پابندیاں لگا رہی ہیں اس کے باوجود منشیات کی کھپت بڑھتی جا رہی ہے' پابندیوں سے کام نہیں چلے گا لوگ سکون چاہتے ہیں ان کو سکون مہیا کیجئے راکٹ

اور مارفیا کا سکون ناپائیدار اور عارضی ہے' صحت کے لیے تباہ کن ہے' حقیقی سکون صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (الانعام:۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ انہوں نے گناہ نہ کیے (یعنی اسلامی احکام کی مخالفت اور ان سے بغاوت نہیں کی) انہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی انسان کے ذہنی سکون کو ختم کر دیتی ہے' اس لیے اگر ہم دنیا کو ذہنی سکون فراہم کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو جنسی بے راہ روی اور بدچلنی کو ختم کرنا ہوگا اور اس کی پہلی بنیاد پردہ اور حجاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ. (الاحزاب:۵۹)

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے (کہ وہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذاء نہ دی جائے۔

علامہ محمد امین بن مختار جکنی شنقطی لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور مابعد کے تمام مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ اہل مدینہ کی خواتین رات کو قضاء حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکلتیں تھیں اور مدینہ میں بعض فساق تھے جو باندیوں کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور آزاد عورتوں سے تعرض نہیں کرتے تھے' اور بعض آزاد عورتیں ایسی وضع میں نکلتی تھیں جس سے وہ باندیوں سے ممتاز نہیں ہوتی تھیں' سو وہ فساق ان کو بھی باندیاں سمجھ کر ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ازواج' اپنی صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اپنی وضع قطع میں باندیوں سے ممتاز رہیں بایں طور کہ چادروں سے اپنا چہرہ چھپائے رکھیں' اور جب وہ ایسا کریں گی تو فساق کو پتا چل جائے گا کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان کو ستایا نہیں جائے گا' اہل علم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فساق کا باندیوں کو چھیڑنا اور ان سے فحش حرکات کرنا جائز ہے بلکہ یہ حرام ہے اور ان فحش کاموں کے درپے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں و الذین فی قلوبھم مرض ''وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے''۔

(اضواء البیان ج ۶ ص ۵۸۸۔۵۸۷)

مذاہب اربعہ کے بعض متقدمین فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت کے چہرہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بلا شہوت دیکھنا جائز ہے' اسی طرح انہوں نے کہا کہ عورت پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب نہیں ہے اس کے برخلاف بعض دوسرے فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے۔ اور یہی قول قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ چہرہ کے علاوہ باقی جسم کو چھپانا تو عورت پر پہلے بھی فرض تھا جیسا کہ سورۂ نور میں ستر کے احکام نازل ہونے سے ظاہر ہو گیا ہے اور اس کے بعد سورۃ الاحزاب میں جو حجاب کی آیات نازل ہوئیں ان میں ستر سے ایک زائد حکم بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کے سامنے عورتیں اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی' مجتہد فی المسائل ہیں' وہ لکھتے ہیں:

ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے' اور گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کرنے اور پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ آوارہ لوگوں کے دلوں میں بُری خواہش پیدا نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۲ 'لاہور)

چونکہ بوڑھی عورتوں کے حجاب کے متعلق قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے اس لیے علامہ ابوبکر رازی نے حجاب کی اس آیت کو جوان عورتوں پر محمول کیا ہے اور اس عبارت میں یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان عورتوں کو چہرہ ڈھانپنے کا امر کیا ہے اور امر کا تقاضا وجوب ہے اس لیے جو عورتیں بوڑھی نہ ہوں ان پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب ہے۔

بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف سے عمومی حجاب پر استدلال

جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف کی ہے وہ یہ ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ (النور: ۶۰)

وہ بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں ہے اگر وہ اپنے (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے درآں حالیکہ وہ اپنی زینت دکھاتی نہ پھریں اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب نہ اتاریں) تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو جن کپڑوں کے اتارنے کی اجازت دی ہے اس سے مراد وہ چادریں ہیں جن سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے یہ تو ہرگز مراد نہیں ہے کہ بوڑھی عورت قمیص اور شلوار اتار کر بالکل برہنہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بے حیائی ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بوڑھی عورت سینہ سے دوپٹہ اتار کر اپنے سینہ کا اُبھار لوگوں کو دکھاتی پھرے کیونکہ غیر متبرجات بزینۃ میں اس سے منع کر دیا ہے' تو پھر متعین ہو گیا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو چہرہ سے صرف نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے یا اس چادر کو اتارنے کی اجازت دی ہے جس سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ ان کے لیے بھی افضل اور مستحب یہی ہے کہ وہ اس چادر کو نہ اتاریں اور چہرہ ڈھانپ کر رکھیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو عورتیں سن ایاس کو نہ پہنچی ہوں ان پر چہرہ چھپانا لازم اور واجب ہے۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے بیان کیا کہ یہاں وہ بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو نکاح کا ارادہ نہ رکھتی ہوں اور جن کپڑوں کو اتارنے کی اجازت دی اس سے مراد جلابیب (وہ چادریں جن کے پلو سے چہرہ ڈھانپتے ہیں) ہیں' حسن نے کہا جلابیب اور پٹکے مراد ہیں' ابراہیم اور ابن جبیر نے کہا چادر مراد ہے جابر بن زید سے چادر اور دوپٹے کی روایت ہے' علامہ ابوبکر اس روایت کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بوڑھی عورت کے بال بالاتفاق ستر ہیں جس طرح جوان عورت کے بال ستر ہیں' اس لیے اجنبی شخص کا بوڑھی عورت کے بالوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے' اور اگر بوڑھی عورت نے ننگے سر نماز پڑھی تو جوان کی طرح اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اس لیے اس آیت سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ بوڑھی عورت اجنبی مردوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اتار دے۔ اگر یہ سوال ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورت کو تنہائی میں دوپٹہ اتارنے کی اجازت دی ہے' جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بوڑھی عورتوں کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جوان عورت بھی تنہائی میں اپنا دوپٹہ اتار سکتی ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب بوڑھی عورت کا سر ڈھکا ہوا ہو تو وہ لوگوں کے سامنے اپنی جلباب اتار سکتی

ہے اور اس کے لیے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی [illegible] (... ج ... ص ۲۴۴ لاہور)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ وہ بوڑھی عورت بھی ستر میں جوان عورت کی طرح ہے مگر بوڑھی عورت اس جلباب کو اتار سکتی ہے جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر اوڑھا ہوا ہوتا ہے حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہ کا یہی قول ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو تمام کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس سے ہر ستر کا کھولنا لازم آئے گا اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں کپڑے سے مراد وہ جلباب چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جن کو دوپٹہ کے اوپر اوڑھا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۰۷ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کپڑوں سے مراد وہ جلباب، چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جو دوپٹہ کے اوپر ہوتی ہیں، تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہیں، قاضی ابو یعلیٰ نے کہا بوڑھی عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے اور اس کے بالوں کو دیکھنا جوان عورت کے بالوں کو دیکھنے کی طرح ناجائز ہے۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۶۳ بیروت)

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بوڑھی عورت جس کو نکاح کی امید نہ ہو اور جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہو صرف اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے وہ جلباب اتار سکتی ہیں جس کے آنچل سے چہرے کو ڈھانپا جاتا ہے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر کر سکتی ہے پھر بھی اس کے لیے افضل اور مستحب یہی ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

اب اگر بوڑھی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا جائز ہو تو بتلایئے اس آیت میں بوڑھی عورتوں کی تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اور جب بوڑھی عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ چھپانا مستحب ہے تو جوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے!

عہد رسالت میں حجاب اور نقاب کے معمولات

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خیبر سے) مدینہ تشریف لائے درآں حالیکہ آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی سے شادی کی ہوئی تھی انصار کی عورتوں نے آ کر حضرت صفیہ کے متعلق بیان کیا، میں نے اپنا حلیہ بدلا اور نقاب پہن کر (انہیں دیکھنے) گھر سے نکلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کو دیکھ کر پہچان لیا، میں (واپس) تیزی سے دوڑی، آپ نے مجھے پکڑ کر گود میں اٹھا لیا اور فرمایا: تم نے (ان کو) کیسا پایا، میں نے کہا اس یہودی عورت کو یہودیوں میں بھیج دیجئے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۸۰)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقاب پہننے کا ذکر ہے اور یہ کہ ازواج مطہرات اور مسلم خواتین جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو نقاب پہنتی تھیں یا چادروں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتی تھیں۔

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ افک کی حدیث میں روایت کرتے ہیں:

میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی اللہ عنہ

کے پیچھے تھے‘ وہ رات کے آخری حصہ میں چلے اور صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی ہیولا دیکھا‘ جب وہ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون میں یہ سن کر بیدار ہو گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱)

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات چادروں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں۔ وللہ الحمد۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ احرام میں ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیصیں اور شلواریں نہ پہنو‘ عمامے اور ٹوپیاں نہ پہنو‘ البتہ اگر کسی کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے لیکن ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس (ایک گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) سے رنگا ہوا ہو اور احرام کی حالت میں عورت نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۳۸‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۲۳‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۷۷‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۶۶)

احرام میں نقاب ڈالنے کی ممانعت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عام حالات میں خواتین نقاب ڈالتی تھیں۔

حضرت شماس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاد نام کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی درآں حالیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی۔ اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے! اس نے کہا میں نے اپنے بیٹا کھویا ہے اپنی حیا نہیں کھوئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۸)

عہد توریت میں نقاب اور حجاب کا معمول

اسلام سے پہلے دوسرے آسمانی مذاہب میں بھی حجاب اور نقاب کے ساتھ گھروں سے باہر نکلنے کی ہدایت کی جاتی تھی‘ توریت میں ہے:

اور ربقہ نے نگاہ کی اور اضحاق کو دیکھ کر اونٹ سے اتر پڑی ○ اور اس نے نوکر سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہم سے ملنے کو میدان میں چلا آ رہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا ○

(پیدائش: باب ۲۴‘ آیت ۶۶۔۶۵)

اور تم کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کو پشم کترنے کے لیے تمنت کو جا رہا ہے ○ تب اس نے اپنے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا اور برقع اوڑھا اور اپنے کو ڈھانکا ○ (پیدائش: باب ۳۷‘ آیت: ۱۵۔۱۴)

پھر وہ اٹھ کر چلی گئی اور برقع اتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا۔ (پیدائش: باب ۳۸‘ آیت: ۲۰)

چہرے کے حجاب پر شبہات اور ان کے جوابات

بعض احادیث بظاہر حجاب کے خلاف ہیں جن میں اجنبی مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے اور عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کا ثبوت ہے اسی لیے ہم ان احادیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں‘ امام مسلم روایت کرتے ہیں‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی درآں حالیکہ وہ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے‘ میں اس وقت لڑکی تھی‘ سوچو کہ کم عمر شائقہ لڑکی کے شوق کا کیا عالم ہو گا! (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۹)

اس حدیث میں مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے کا جواز ہے' جبکہ مردوں کے بدن کی طرف (پسندیدگی سے) نہ دیکھا جائے' اور عورتوں کا اجنبی مرد کے چہرہ کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بغیر شہوت کے دیکھنے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن "آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ (بلکہ حضرت میمونہ) سے فرمایا "تم دونوں تو نابینا نہیں ہو' تم اس سے (یعنی حضرت ابن ام مکتوم سے) پردہ کرو" یہ حدیث حسن ہے اس کو امام ترمذی اور دوسرے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے دو جواب ہیں' قوی جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے چہروں اور بدنوں کی طرف (بالذات) دیکھا تھا اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے کھیل اور ان کی جنگ کی طرف دیکھا تھا اور ان کی جنگی مشقوں کے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے ان کے بدن کی طرف دیکھا ہو اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی نظر بلا قصد ان کے بدن پر پڑ گئی تو آپ نے فوراً نظر کو ہٹا لیا تھا' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس وقت کمسن تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچیں تھیں۔

دوسری حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا آپ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں! اگر میں اس وقت کم سن نہ ہوتا تو حاضر نہ ہوتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عید گاہ) گئے اور آپ نے نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا' اور اذان کا ذکر کیا نہ اقامت کا' پھر آپ عورتوں کے پاس گئے' ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور حضرت بلال کو زیورات دے دیئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۷۷)

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت بلال نے اس موقع پر اجنبی عورتوں کو دیکھا' حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا جواب تو خود اس حدیث میں ہے کہ وہ کم سن تھے' اور حضرت بلال اگرچہ اس وقت آزاد ہو چکے تھے لیکن وہ عورتیں حجاب میں لپٹی ہوئی تھیں اور اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا یا ان کے چہرے کھلے ہوئے اور بے حجاب تھے۔

ایک اور حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے یہ ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت فضل بن عباس' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے' قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا' حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف کر دیا' اس عورت نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے' اور میرا باپ بہت بوڑھا ہے سواری پر بیٹھ کر حج نہیں کر سکتا' کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۹)

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور حجاب کرنا واجب نہیں ہے ورنہ وہ عورت بے پردہ نہ آتی اور اگر آ ہی گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ عورت محرمہ تھی البتہ اس کے برخلاف اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل بن عباس کی گردن پھیر دی' جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا''۔ اس وجہ سے آپ نے حضرت فضل بن عباس کی گردن کو دوسری طرف پھیر دیا۔ اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے معاملہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام پر اعتماد نہیں تھا حالانکہ خوف خدا اور تقویٰ اور پرہیز گاری میں ان کا سب سے اونچا مقام تھا تو پھر بعد کے لوگوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان کو شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر وہ اجنبی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں' اس لیے جن بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے' یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہی ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے' البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جن کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے بیان کر دیا ہے' اس لیے اس حدیث پر غور کرنا چاہیے:

فقال العباس یا رسول الله لم لویت عنق ابن عمک قال رایت شابا وشابة فلم امن الشیطان علیهما. (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۸۵)

حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے عم زاد کی گردن کیوں پھیر دی آپ نے فرمایا میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے حملہ) سے بے خوف نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں غض بصر ''نگاہیں نیچی رکھنے کا'' حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ چھپانا ضروری نہیں ہے بس نگاہیں نیچی کر لینا کافی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف غض بصر کا حکم نہیں ہے چہرہ چھپانے کا بھی حکم ہے جیسا کہ ہم نے آیات حجاب میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہی نہیں ہے تو پھر غض بصر کے حکم کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے نقاب اور حجاب میں رہنے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جب اچانک کسی مرد اور عورت کا سامنا ہو جائے' اور ایک باپردہ عورت کو بھی نماز اور حج کے مواقع پر چہرہ کھولنے سے سابقہ پڑ جاتا ہے سوایسے تمام مواقع پر مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خواتین کے ستر اور حجاب اور اس سے متعلقہ جملہ مسائل پر ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت مفصل اور جامع گفتگو کی ہے اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۶۹۱-۶۱۲ کا مطالعہ فرمائیں' اس موضوع پر اس سے زیادہ بحث شاید اور کہیں نہ مل سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے' تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے ○ وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا ○ جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ○ (الاحزاب: ۶۲-۶۰)

المرجفون اور دیگر اصطلاحی الفاظ کے معانی

''منافقین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں کفر تھا اور ظاہراً ایمان کرتے تھے' اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (فسق کی) بیماری ہے' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں زنا اور دیگر فحش کاموں کی محبت تھی' اور وہ برے ارادہ سے مسلمان عورتوں کا پیچھا کرتے تھے' اور ''مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے'' اس کے لیے اس آیت میں المرجفون کا لفظ ہے' یہ لفظ

رجف سے بنا ہے' رجف کے معنی ہیں تحریک اور زلزلہ' یہاں اس سے مراد ہے لرزہ خیز جھوٹی خبریں جو لوگوں کے دلوں کو ہلا دیتی ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر جہاد کے لیے جاتا تو یہ مدینہ میں مسلمانوں سے کہتے کہ تمہارے لشکر کے اکثر لوگ قتل کر دیئے گئے یا وہ شکست کھا گئے' تاکہ مسلمان رنجیدہ ہوں' یا وہ مدینہ کے مسلمانوں سے کہتے کہ تم پر دشمن حملہ کرنے والا ہے اور وہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے کے لیے جھوٹی خبروں کی اشاعت کرتے اور پاک باز لوگوں پر تہمتیں لگاتے' اصحاب صفہ کے متعلق کہتے کہ یہ غیر شادی شدہ لوگ ہیں اور یہ عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے O

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت کم تعداد میں آپ کے پاس رہیں گے یا وہ بہت کم عرصہ آپ کے پاس رہ سکیں گے۔

اس سے پہلی آیت الاحزاب: ۵۷' میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا ذکر فرمایا تھا جن کا کفر ظاہر تھا اور اللہ تعالیٰ' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو ایذاء پہنچاتے تھے' اور اس آیت میں منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے کفر کو چھپاتے تھے اور اللہ رسول اور مومنین کو ایذا پہنچاتے تھے' منافقین کی ایذاء تو ظاہر ہے' اور جن کے دلوں میں فسق کی بیماری تھی وہ مسلمانوں کی عورتوں کا بری نیت سے تعاقب کر کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے تھے' اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والے بھی مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے تھے اور ان کو دشمنوں کے حملہ کی خبر دے کر تشویش میں مبتلا کرتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا: ''تو ہم آپ کو ضرور ان پر مسلط فرما دیں گے کہ پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہر سکیں گے''، یعنی ہم آپ کو انہیں قتل کرنے کا یا ان کو مدینہ بدر کرنے کا حکم دیں گے' آیت کے اس حصہ میں لنغرینک کا لفظ ہے' یہ اغراء سے بنا ہے' اس کا معنی ہے ہم آپ کو برانگیختہ کریں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی ہے ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

منافقین کو قتل کرنے اور مدینہ بدر کرنے کی سزا کیوں نہیں دی گئی

اس کے بعد فرمایا: وہ لعنت کیے ہوئے ہیں' وہ جہاں بھی جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ان کو چن چن کر قتل کیا جائے گا۔ (الاحزاب: ۶۱)

اس آیت میں ان کو قتل کرنے اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم ہے' یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اپنے نفاق' مسلم خواتین کا تعاقب کرنے' اور جھوٹی افواہیں پھیلانے سے باز نہ آئیں۔

پھر فرمایا: جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں' ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا' اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے O (الاحزاب: ۶۲)

یعنی اس سے پہلے کی امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی حکم تھا کہ جو لوگ زمین پر فساد کرتے تھے ان کو قتل کر دیا جاتا تھا یا گرفتار کیا جاتا تھا یا شہر بدر کیا جاتا تھا' اور یہ حکم ان احکام کی مثل نہیں ہے جن کو منسوخ کر دیا جاتا ہے یا تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ نفاق تین قسم کا تھا' ایک عبد اللہ بن ابی کی طرح کے منافق تھے' جو زنا کرنے سے حیاء کرتے تھے' اور اس آیت میں منافق سے یہی لوگ مراد ہیں' دوسرے وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں فسق کی بیماری تھی اگر ان کو زنا کرنے کا موقع مل جاتا تو کر لیتے ورنہ مجتنب رہتے' اور تیسرے وہ لوگ تھے جو بغیر کسی احتیاط کے بدکاری کرتے تھے' وہ عورتوں کا تعاقب کرتے تھے اور جس پر قابو پا لیتے اس کے ساتھ زنا کرتے تھے' ان تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ ان کو قتل کیا جائے اور ان کو مدینہ بدر کیا جائے۔

علامہ قرطبی نے المہدوی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ترک وعید کے جواز کی دلیل ہے' کیونکہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد بھی منافقین مدینہ میں رہے ان کو قتل کیا گیا نہ مدینہ سے نکالا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۲۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک منافقین اپنی روش پر قائم رہتے اور باز نہ آتے' لیکن انہوں نے اس روش پر اصرار کو ترک کر دیا تھا' البتہ یہودیوں نے اس روش کو ترک نہیں کیا تھا' لہٰذا ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا اور بعض کو مدینہ بدر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے' اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو O بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (وہاں) وہ کوئی حمایت کرنے والا پائیں گے اور نہ کوئی مدد کرنے والا O (الاحزاب: ۶۵۔۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا یا نہیں؟

ان آیتوں میں ان لوگوں کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو آخرت اور قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ قیامت کے آنے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اس کے آنے کی تکذیب کرتے تھے اور لوگوں کے دماغوں میں یہ وہم ڈالتے تھے کہ قیامت نہیں آئے گی' اس لیے وہ استہزاءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ بتایئے قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان لوگوں کے سوال کے جواب میں یہ کہیے کہ قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے' یعنی از خود' بغیر تعلیم کے اور ذاتی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیامت کا علم عطا فرمایا ہے' آپ نے وقوع قیامت کی بہ کثرت علامتیں اور شرائط بیان فرمائی ہیں آپ نے بتایا کہ جب بروں کی عزت کی جائے اور نیکوں کو رسوا کیا جائے' علم اٹھ جائے اور جہل کا غلبہ ہو' اور زنا اور بدکاری عام ہو جائے' طوائفوں کا ناچ کھلے عام دیکھا جائے' شراب نوشی کی کثرت اور مساجد میں فساق کی آوازیں بلند ہوں تو یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔

قیامت کی نشانیاں بیان کرنے کے متعلق احادیث

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا قیامت ہرگز اس وقت تک قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو' پھر آپ نے دھوئیں کا' دجال کا' دابۃ الارض کا' سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا' حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کا' یاجوج ماجوج کا اور تین مرتبہ زمین کے دھنسنے کا ذکر فرمایا' ایک مرتبہ مشرق میں' ایک مرتبہ مغرب میں ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں اور سب کے آخر میں ایک آگ ظاہر ہو گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم الفتن ۳۹ (۲۹۰۱) ۷۱۵۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۳۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۱' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور میرے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہو' آپ نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا یا جائے گا اور جہل کا ظہور ہو گا اور زنا عام ہو گا اور شراب پی جائے گی اور مرد چلے جائیں گے

اور عورتیں باقی رہ جائیں گی' حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح مسلم العلم ۹(۲۶۷۱)۶۶۶۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵' مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمانہ متقارب ہو جائے گا اور علم کم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور قتل بہت زیادہ ہوگا۔

(صحیح مسلم العلم ۱۰(۲۶۷۲)۶۶۶۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۶۲' ۶۰۶۴' سنن الترمذی: ۲۲۰۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۵۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۰_۴۰۵۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ کاموں کو کرے گی تو اس پر مصائب کا آنا حلال ہو جائے گا' عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کام ہیں؟ آپ نے فرمایا جب مال غنیمت کو ذاتی مال بنا لیا جائے گا' اور امانت کو مال غنیمت بنا لیا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھ لیا جائے گا' جب لوگ اپنی بیوی کی اطاعت کریں گے اور اپنی ماں کی نافرمانی کریں گے' اور جب دوست کے ساتھ نیکی کریں گے اور باپ کے ساتھ برائی کریں گے' اور جب مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں گی' اور ذلیل ترین شخص کو قوم کا سردار بنا دیا جائے گا اور جب کسی شخص کے شر کے ڈر سے اس کی عزت کی جائے گی' شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والیاں اور ساز رکھے جائیں گے' اور اس امت کے آخری لوگ پہلوں کو برا کہیں گے اس وقت تم سرخ آندھیوں' زمین کے دھنسنے اور مسخ کا انتظار کرنا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۷' جامع الاصول رقم الحدیث: ۷۹۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے' جس میں حضرت آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت سے باہر لائے گئے اور قیامت بھی صرف جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم الجمعہ ۱۸_۸۵۴_۱۹۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور چار دنوں میں اس کی روزی پیدا کی' پھر استواء فرمایا پھر دو دنوں میں آسمانوں کو پیدا فرمایا' زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا کیا اور منگل اور بدھ کو اس کی روزی پیدا کی اور آسمانوں کو جمعرات اور جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کی آخری ساعت میں عجلت سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور اسی ساعت میں قیامت قائم ہوگی۔ (یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)۔ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عاشوراء کے فضائل میں روایت ہے کہ قیامت عاشوراء کے دن واقع ہوگی یعنی دس محرم کو۔ (فضائل الاوقات ص ۴۴۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت واقع ہونے سے پہلے اس کی تمام نشانیاں بیان فرمائیں اور موخر الذکر حدیث میں یہ بھی بتا دیا کہ محرم کے مہینہ کی دس تاریخ کو جمعہ کے دن' دن کی آخری ساعت میں قیامت واقع ہوگی' مہینہ' تاریخ' دن اور خاص وقت سب بتا دیا صرف سن نہیں بتایا' کیونکہ اگر سن بھی بتا دیتے تو ہم آج جان لیتے کہ قیامت آنے میں اب اتنے سال باقی رہ گئے ہیں اور ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ پہلے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اب ایک گھنٹہ بعد قیامت آئے گی اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن جھوٹا ہو جاتا کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً. (الاعراف: ۱۸۷)　　قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے مکذب نہیں مصدق تھے اس لیے آپ نے قرآن مجید کے صدق کو قائم رکھنے کے لیے سن نہیں بتایا اور اپنا علم ظاہر فرمانے کے لیے باقی سب کچھ بتا دیا۔

اور جب ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم تھا تو اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ”آپ کہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے“ اس کا محمل یہ ہے کہ وقوع قیامت کے وقت کا بغیر تعلیم کے از خود علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

علم قیامت کی نفی کے متعلق مفسرین کی توجیہات

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ کو کون سی چیز وقت وقوع قیامت کا عالم بنائے گی یعنی آپ کو بالکل کوئی چیز اس کا عالم نہیں بنائے گی سو آپ کو وقت وقوع قیامت کا علم نہیں ہے‘ اور کسی شخص کے نبی ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو اللہ کی تعلیم کے بغیر غیب کا علم ہو جائے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو تہدید اور ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے جو قیامت کے وقوع کو جلد طلب کرتے تھے‘ اور ان لوگوں کو ساکت کیا ہے جو عناد اور سرکشی سے وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۸۸‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

لوگ آپ سے بہ طور استہزاء اور تمسخر قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کیونکہ وہ قیامت کے منکر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مکہ اور یہود قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے‘ اہل مکہ استہزاءً قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے اور یہود امتحاناً سوال کرتے تھے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں قیامت کا علم مخفی رکھا تھا‘ اگر آپ معین کر کے بتا دیتے کہ فلاں سن میں قیامت آئے گی تو ان کے نزدیک آپ کی نبوت کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا‘ اور اگر آپ یہ فرماتے کہ قیامت کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے تو ان کے نزدیک آپ کی نبوت ثابت ہو جاتی‘ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے علم پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا‘ اس کا محمل یہ ہے کہ جب لوگوں نے آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا‘ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غیوبات پر مطلع نہیں فرما دیا‘ اور ان تمام غیوبات میں قیامت کا علم بھی ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان غیوبات کے مخفی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۶۵۸-۱۶۵۷‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۲۱ھ)

اسی طرح سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وقت وقوع قیامت پر مکمل اطلاع دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم کی حکایت کریں‘ اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس علم کا اخفاء واجب کر دیا ہو اور یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہو‘ لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ (روح المعانی جز ۲۱ ص ۱۷۰‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: ”بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے“۔ لعنت کا معنی اور اس کی اقسام جاننے کے لیے تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۸۷-۶۸۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ان کے چہرے آگ میں پلٹ دیئے جائیں گے وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی O اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی‘ سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا O اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما! O (الاحزاب: ۶۸-۶۶)

دوزخ میں کفار کے عذاب کی کیفیت

دوزخ کی آگ میں ان کے چہرے پلٹنے کا معنی یہ ہے کہ جس طرح سالن پکاتے وقت جب دیگچی میں جوش آتا ہے تو

گوشت کی بوٹیاں ایک طرف سے دوسری طرف پھرتی ہیں اسی طرح جب کفار دوزخ میں پڑتے ہوں گے اور دوزخ کی آگ تیز ہوگی تو ان کے چہرے دوزخ میں ایک طرف سے دوسری طرف پھر رہے ہوں گے' اور جوش کی وجہ سے ایک طرف سے دوسری طرف گھوم رہے ہوں گے' یا اس دن ان کے چہرے دوزخ میں ایک طرف سے دوسری طرف پھیرے جا رہے ہوں گے اور اس دن کے مصیبت ناک اور ہولناک احوال کی وجہ سے ان کے چہروں پر بہت قبیح کیفیات مرتب ہو رہی ہوں گی' یا اس دن ان کو آگ میں منہ کے بل ڈال دیا جائے گا۔

ہر چند کہ ان کے پورے جسم پر یہ کیفیات طاری ہوں گی لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ چہرہ انسان کے جسم کا سب سے مکرم اور معظم عضو ہوتا ہے اور جب ان کا چہرہ آگ میں جھلس رہا ہوگا تو یہ ان کے لیے بہت زیادہ ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگا۔

اس دن وہ اپنی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جن کو اپنا امیر اور سردار سمجھتے تھے اور جن کی اطاعت کرنے کو ہم سعادت اور سرفرازی سمجھتے تھے ہم ان کے کہنے میں آ گئے اور اگر ہم دنیا میں ان کی اطاعت نہ کرتے تو وہ زور آور لوگ تھے وہ ہم پر تشدد کرتے' سو انہوں نے ہمیں گم راہ کر دیا' اور سیدھے راستے سے غلط راستے کی طرف اور ایمان سے کفر کی طرف اور سلامتی اور نجات سے آخرت میں ہلاکت اور عذاب کی طرف لے گئے تو اے ہمارے رب! ان پر دگنا چوگنا عذاب نازل فرما۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی' تو اللہ نے

اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ

موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا' اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے ○ اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

اللہ سے ڈرتے رہو' اور درست بات کہا کرو ○ اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا

فرما دے گا' اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی' تو اس نے

عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

بڑی کامیابی حاصل کی ○ بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ

انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور انسان نے اس امانت میں

إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ ٱللَّهُ ٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتِ

خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے O تاکہ انجام کار اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو

وَٱلْمُشْرِكِينَ وَٱلْمُشْرِكَٰتِ وَيَتُوبَ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ

اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے

وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا' جنہوں نے موسیٰ کی اذیت پہنچائی تھی تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا' اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے O اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور درست بات کہا کرو O اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا' اور جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی' تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی O (الاحزاب: ۷۱۔۶۹)

منافقوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذیت ناک کلام کرنا اور آپ کا ان کو سزا نہ دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین اور ان کفار کا ذکر کیا تھا جنہوں نے اپنی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائی تھی' اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نادانستگی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا موجب ہو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی جن باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی تھی اس میں دو قول ہیں:

(۱) نقاش نے کہا بعض مسلمان حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو زید بن محمد کہتے تھے اس سے آپ کو اذیت پہنچتی تھی۔

(۲) ابو وائل نے کہا بعض مسلمانوں نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے اس سے آپ کو اذیت پہنچی تھی۔ (النکت والعیون ج ۴ ص ۴۲۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابو وائل نے جس اعتراض کا حوالہ دیا ہے اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین کے دن مال غنیمت کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو ترجیح دی' آپ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ عطا فرمائے' عیینہ کو بھی آپ نے اتنے ہی اونٹ دیئے' عرب کے دیگر سرداروں کو بھی آپ نے زیادہ دیا تو ایک شخص نے یہ کہا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا' اور نہ اس سے اللہ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہے' میں نے دل میں کہا اللہ کی قسم! میں ضرور اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا' میں نے آپ کو خبر دی (دوسری روایت میں ہے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا) آپ نے فرمایا جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو اور کون عدل کرے گا' اللہ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی تھی' سو انہوں نے صبر کیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۰۔ ۶۰۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۰۸' عالم الکتب)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو دوسروں سے زیادہ مال غنیمت عطا کیا تھا یہ مؤلفۃ القلوب تھے' تہذیب و تمدن سے نا آشنا بادیہ نشین تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی اور ان کو اسلام پر ثابت قدم اور برقرار رکھنے کے لیے اوروں سے زیادہ دیتے تھے۔

جس شخص نے آپ کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا' اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ اس کا نام معتب بن قشیر تھا' اس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ منافقین میں سے تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن عمر بن واقد المتوفی ۲۰۷ھ نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۹۴۹' عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کیا جائے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ اس شخص کو قتل کیا گیا تھا' علامہ مازری نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے کلام سے نبوت میں طعن ظاہر نہ ہوتا ہو' اور اس کا مطلب صرف یہ ہو کہ آپ نے تقسیم میں عدل نہیں کیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس لیے سزا نہ دی ہو کہ آپ کے نزدیک اس کا طعن اور اعتراض ثابت نہیں ہوا تھا' کیونکہ صرف ایک شخص (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے اس کا طعن نقل کیا تھا' اور صرف ایک شخص کی شہادت پر کسی کو قتل نہیں کیا جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے قاضی عیاض مالکی کی پوری عبارت نقل نہیں کی' قاضی عیاض مالکی نے اس کے بعد علامہ مازری کے جواب کو رد کر دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

علامہ مازری کا یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ اس شخص نے کہا تھا: اے محمد! عدل کیجئے! اے محمد اللہ سے ڈریئے' اور اس نے لوگوں کے سامنے یہ طعن کیا تھا' حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! لوگ یہ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں' اور اس کے علاوہ دیگر منافقین کے متعلق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی رویہ تھا' آپ نے متعدد بار منافقین سے اس قسم کا اذیت ناک کلام سنا لیکن آپ نے دیگر مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھنے کے لیے صبر اور حلم سے کام لیا' تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں اور اسلام سے برگشتہ ہوں اور اسلام قبول کرنے سے گریز کریں' ہم نے الشفاء کی القسم الرابع میں تفصیل سے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کرنا کفر ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۶۰۸' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

انبیاء علیہم السلام کا جسمانی عیوب سے بری ہونا اور دیگر مسائل

بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ایذاء رساں کلام کیا تھا اس کی مفسرین نے دو تقریریں کیں ہیں ایک یہ ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے' اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے' تو بنو اسرائیل آپس میں

کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ جو ہمارے ساتھ مل کر غسل نہیں کرتے اس کی ضرور یہی وجہ ہے کہ ان کے خصیے غیر معمولی بڑے ہیں (یعنی ان میں جسمانی عیب ہے اس کو چھپانے کے لیے یہ تنہا غسل کرتے ہیں) ایک مرتبہ حضرت موسیٰ غسل کرنے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے' وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا حضرت موسیٰ اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر! میرے کپڑے دو' حتیٰ کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو دیکھ لیا' اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ میں تو کوئی جسمانی عیب نہیں ہے' حضرت موسیٰ نے اس پتھر سے اپنے کپڑے لے لیے اور اس پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ حضرت ابو ہریرہ نے قسم کھا کر کہا اس پتھر پر حضرت موسیٰ کی ضرب سے متعدد نشانات پڑ گئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۵۸)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ انسان تنہائی میں برہنہ غسل کر سکتا ہے' ہر چند کہ تنہائی میں بھی چادر باندھ کر غسل کرنا افضل ہے' کیونکہ یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا بے شک اللہ حیادار ہے' پردہ کرنے والا ہے' وہ حیاء اور پردہ کو پسند کرتا ہے سو جب تم میں سے کوئی شخص غسل کرے تو وہ پردہ کر لے (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۴) دوسری روایت میں ہے: جب تم میں سے کوئی شخص غسل کا ارادہ کرے تو اپنے آپ کو کسی کپڑے سے چھپا لے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۱۳-۴۰۱۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم عجم کے ممالک کو فتح کرو گے' وہاں تم حمام دیکھو گے سو جب تم حمام میں داخل ہو تو بغیر تہبند کے داخل نہ ہونا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۸)

پتھر کے کپڑے لے کر بھاگنے والی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو صوری اور معنوی اور جسمانی اور روحانی طور پر کامل پیدا کیا ہے' اور ان کو جسمانی عیوب اور نقائص سے منزہ رکھا ہے' نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل نے جس عیب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کی تھی' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے اس عیب کی نسبت کو دور کر دیا' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کے نبی کی طرف کسی جسمانی عیب اور موجب نفرت مرض کو منسوب کیا جائے اور اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی اسرائیلی اور جھوٹی روایات کو بیان کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرم گاہ کو چھپانے کا وجوب ہماری امت کی خصوصیت ہے کیونکہ بنی اسرائیل اکٹھے بے لباس ہو کر نہاتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو منع نہیں فرماتے تھے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ''اے پتھر! میرے کپڑے دے'' اور نبی کا کلام لغو نہیں ہو سکتا' پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا' اور حضرت موسیٰ کا اس سے کلام فرمانا اور اس کو لاٹھی سے مارنا اور اس میں لاٹھی کے نشانات پڑ جانا یہ سب امور خلاف عادت ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات ہیں۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل نے دوسری اذیت رساں بات جو کہی تھی اس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس آیت (الاحزاب: ۶۹) کی تفسیر میں کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام ایک پہاڑ پر چڑھے' حضرت ھارون علیہ السلام وہیں وفات پا گئے' تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ نے ان کو قتل کیا ہے اور وہ آپ کی بہ نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنے والے تھے' اور آپ کی بہ نسبت زیادہ نرم مزاج تھے' اور انہوں نے ان باتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو وہ حضرت

ھارون کا جسم اٹھا کر لائے' اور ان کی موت کی خبر دی' تب بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ حضرت ھارون علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہوئے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی تہمت سے بری کر دیا۔
(جامع البیان رقم الحدیث ٢١٨٨٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

وجیہ کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "وہ اللہ کے نزدیک وجیہ تھے"۔
وجہ کا معنی ہے' چہرہ' وجیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ کسی کے نزدیک قدر و منزلت والا ہو' اور وہ شخص اس کے نزدیک معزز اور مکرم ہو' اور وہ اس کی کوئی بات رد کرتا ہو نہ ٹالتا ہو۔
امام رازی متوفی ٦٠٦ھ وجیہ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
وجیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو نیکی میں معروف ہو اور جس کی سیرت پسندیدہ اور لائق تحسین ہو۔
(تفسیر کبیر ج ٩ ص ١٨٦' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:
جس کی بہت قدر و منزلت ہو اور اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بڑا بلند ہو اور وہ تعریف اور تحسین اور شرف کا مستحق ہو۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ١٤ ص ٢٢٨' دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرما دے۔ (روح البیان ج ٧ ص ٢٩١' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤٢١ھ)
علامہ ابوالحسین علی بن محمد الماوردی المتوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:
ابن زید نے کہا اس کا معنی ہے مقبول' حسن بصری نے کہا اس کا معنی ہے مستجاب الدعوات' ابن سنان نے کہا دیدار کے سوا جس کے ہر سوال کو پورا کر دیا ہو' قطرب نے کہا وجیہ' وجہ سے بنا ہے کیونکہ وجہ (چہرہ) جسم میں سب سے بلند عضو ہے۔
(النکت والعیون ج ٤ ص ٤٢٧' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو' اور درست بات کہا کرو○ (الاحزاب: ٧٠)
یعنی ہر وہ کام جس کو تم کرتے ہو اور جس کو تم ترک کرتے ہو ان میں تم اللہ سے ڈرا کرو' خاص طور پر ان کاموں کو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں' چہ جائیکہ ایسے کام کر دیا ایسی باتیں کہو جن سے اللہ کے رسول اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے۔
اس کے بعد فرمایا: اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرما دے گا' اور تمہارے لیے تمہارے کاموں کو بخش دے گا
(الاحزاب: ٧١)

یعنی تم کو نیک اعمال کی توفیق دے گا اور تمہارے اعمال کو قبول فرمالے گا' اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر عمل کرتا ہے اور ان کے منع کیے ہوئے تمام کاموں سے بچتا ہے' وہ دنیا اور آخرت میں اتنی بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں

نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی' بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے O (الاحزاب: ۷۲)

اس کی تحقیق کہ اس آیت میں ان یحملنها کا ترجمہ امانت کو اٹھانا ہے یا امانت میں خیانت کرنا ہے

شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۳۳ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

تحقیق روبرو کیا تھا ہم نے امانت کو اوپر آسمانوں کے اور زمین کے اور پہاڑوں کے پس انکار کیا سب نے یہ کہ اٹھاویں گے اوس کو اور ڈرے اوس سے اور اٹھالیا اس کو انسان نے تحقیق وہ تھا بے باک نادان۔

شاہ عبد القادر متوفی ۱۲۳۰ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا اوس کو کہ اٹھاویں' اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اوس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ نے لکھا ہے:

ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا اس کو کہ اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے' مگر انسان نے اسے اٹھالیا' بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

بے شک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اس کے اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا بے شک وہ بڑی زیادتی کرنے والا نادان تھا۔

ان تمام مترجمین نے فابین ان یحملنها کا ترجمہ کیا ہے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا' اور حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے' اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا'

ان مترجمین کے ترجمہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے با اختیار نہیں بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں یا نہ کریں' با اختیار اللہ نے صرف انسانوں اور جنات کو بنایا ہے' اس لیے آسمانوں اور زمینوں کا اس امانت کو اٹھانے سے انکار کرنا محل اعتراض ہے۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا' اور اب اس آیت پر یہ اشکال

وارد نہیں ہوتا کہ آسمان اور زمین وغیرہ با اختیار نہیں ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ وحملها الانسان کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی جس امانت کو اٹھانے سے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تھا تو انسان کو باعث تحسین و آفرین ہونا چاہیے تھے اس کو اللہ نے بڑا ظالم اور بہت جاہل کیوں فرمایا؟ اور ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا اور بڑا جاہل ہے' کیونکہ حمل کا معنی جس طرح اٹھانا ہے اس طرح حمل کا معنی خیانت کرنا بھی ہے' اور اب اس آیت پر کوئی اشکال اور اعتراض نہیں ہے۔

ہم اس آیت کی تفسیر میں پہلے امانت کے متعلق احادیث بیان کریں گے اور اس آیت میں امانت کے متعلق جو آثار اور اقوال ہیں ان کو پیش کریں گے پھر کتب لغت سے حمل کا معنی بیان کریں گے' اس کے بعد جن مفسرین نے حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے ان کا ذکر کریں گے اور ان کی تفسیر پر جو اعتراضات ہیں ان کے جوابات ذکر کریں گے اور ان پر تبصرہ کریں گے اور آخر میں ان مفسرین کا ذکر کریں گے جنہوں نے حمل کا معنی خیانت کیا ہے' اور اس تفسیر کو کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارا ترجمہ بھی اسی تفسیر کے مطابق ہے۔

امانت کے متعلق احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائیں' میں ان میں سے ایک کے وقوع کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں' آپ نے فرمایا امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتار دی گئی ہے' پھر ان کو قرآن کا علم ہوا' پھر ان کو سنت کا علم ہوا' پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق فرمایا' آپ نے فرمایا: ایک شخص سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی' اور اس کے دل میں امانت کا صرف اثر رہ جائے گا' پھر جب دوبارہ سوئے گا تو یہ نشان (اور مضبوط ہو کر) چھالے کی طرح ہو جائے گا۔ جیسے آگ کی چنگاری تمہارے پاؤں پر گر جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے پاؤں پر چھالا پڑ جائے تم اس کو اُبھرا ہوا دیکھو گے اور اس کے اندر کوئی چیز نہیں ہوگی' پھر صبح کو لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں کوئی شخص امانت کو ادا نہیں کرے گا' اور کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہوا کرتا تھا' اور کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ فلاں شخص کتنی عقل والا ہے' کتنے حوصلے والا ہے اور کتنی قوت والا ہے' اور اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی امانت داری نہیں ہوگی' اور مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے کہ میں یہ پرواہ نہیں کرتا تھا کہ میں کس سے خریدوں' اگر وہ مسلمان ہے تو اسلام اس کو (بے انصافی سے) منع کرے گا اور اگر وہ عیسائی ہے تو اس کا پادری اس کو ظلم سے روکے گا' اور رہا یہ زمانہ تو اب میں صرف فلاں فلاں (گنتی کے لوگوں) سے چیزیں خریدتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۱۴۸' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں چار خصلتیں حاصل ہوں تو پھر تم دنیا کی کسی نعمت سے محروم ہونے پر ملال نہ کرو (۱) امانت کی حفاظت کرنا (۲) اچھے اخلاق (۳) سچ بولنا (۴) پاکیزہ کمائی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۷' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۵۲' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کردو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۲۶۴ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۰۰ سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۵۳۵ المستدرک ج ۲ ص ۴۶ سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۶۰ المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۴۷۵ حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے گم پاؤ گے وہ امانت ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۸۳ ـ ۷۱۸۲ الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۷۳۹)

آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر جس امانت کو پیش کیا گیا تھا اس کے مصداق میں آثار اور اقوال

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ نے اس آیت میں امانت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز پڑھنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا' بیت اللہ کا حج کرنا' سچ بولنا' قرض ادا کرنا اور ناپ تول درست کرنا امانت ہے' اور سب سے بڑی امانت لوگوں کی رکھوائی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: فرائض اور واجبات ادا کرنا' اور محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا امانت ہے۔

(۳) ابو العالیہ نے کہا: جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ امانت ہیں۔

(۴) روزہ' غسل جنابت اور دیگر پوشیدہ احکام امانت ہیں۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان کی شرم گاہ کو پیدا کیا اور فرمایا: میں اس کو تمہارے پاس امانت رکھ رہا ہوں' پس شرم گاہ امانت ہے' اور کان امانت ہیں' اور آنکھ امانت ہے اور ہاتھ امانت ہیں اور پیر امانت ہیں اور جو امانت دار نہ ہو وہ ایمان دار نہیں ہے۔

(۶) بعض مفسرین نے کہا امانت سے مراد لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں ہیں' پس ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ کسی مومن کو دھوکا نہ دے اور نہ کسی کم یا زیادہ چیز میں عہد شکنی کرے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۶۶۸ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس امانت کو پیش کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان احکام کی حفاظت کی جائے اور ان کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے' ان احکام پر عمل کرنے میں اجر و ثواب کی توقع ہے اور ان احکام کی خلاف ورزی کرنے میں سزا اور عذاب کا استحقاق ہے۔

جمادات وغیرہ کی حیات اور ان کے شعور پر قرآن مجید سے استدلال

ایک بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس امانت کے متعلق کلام کیا حالانکہ وہ جمادات ہیں' بے جان اور بے عقل ہیں تو ان پر احکام پیش کرنے اور ان سے ان احکام کی اطاعت کو طلب کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) قرآن اور سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمادات بہ ظاہر بے عقل اور بے شعور ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی حیات اور عقل اور شعور کو رکھا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ط. (الحج:۱۸)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام آسمان والے اور تمام زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان' سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ○ (حم السجدہ: ۱۱)

پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں (سا) تھا' سو اس سے فرمایا اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ . (البقرہ: ۷۴)

اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ . (بنی اسرائیل: ۴۴)

سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں' سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ . (النور: ۴۱)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے اور صف بستہ پرندے اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں' اور ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

جمادات وغیرہ کی حیات اور ان کے شعور پر احادیث سے استدلال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو' پس جب تم اپنی بکریوں اور اپنے جنگل میں ہو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو' کیونکہ موذن کی آواز کو جو بھی جن یا انسان یا جو چیز بھی سنے گی وہ قیامت کے دن اس کی اذان کی گواہی دے گی۔

(یعنی جمادات اور نباتات میں سے ہر چیز تمہاری اذان کی گواہی دے گی اور ان چیزوں کا گواہی دینا اس پر موقوف ہے کہ وہ ان کو اذان دیتا ہوا دیکھیں اور ان کی اذان سنیں اور دیکھنا اور سننا ان کی حیات اور ان کے شعور کی دلیل ہے۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۴۶۳' عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں کی بنی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو خطبہ دیتے تو کھجور کے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس پر خطبہ دیتے تھے' تب ہم نے اس شہتیر سے ایسی آواز سنی جیسے دس سال کے حمل والی اونٹنی کے رونے کی آواز آتی ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو وہ شہتیر پرسکون ہو گیا (اس شہتیر کا رونا اور آپ کے فراق سے غم زدہ ہونا بھی اس کی حیات اور اس کے شعور کی دلیل ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۰۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۲۹۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنتے تھے (یہ اس طعام کی حیات اور اس کے کلام کرنے کی دلیل ہے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا' آپ کے سامنے جو پہاڑ یا درخت آتا تھا وہ یہ کہتا تھا' السلام علیک یا رسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس کھجور کے خوشہ کو بلاؤں تو تم میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دو گے؟ پھر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشہ کو بلایا تو وہ درخت سے اتر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گر گیا' آپ نے اس سے فرمایا ''لوٹ جا'' تو وہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا' سو وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۲۲' المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵)

حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ ایک گوہ نے آپ کی نبوت کی شہادت دی اور کہا آپ رب العلمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸) حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ آلوسی اور مفتی محمد شفیع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ کے بلانے پر ایک درخت زمین کو شق کرتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر تین بار آپ کی نبوت کی شہادت دی پھر آپ کے حکم سے واپس چلا گیا' یہ دیکھ کر ایک اعرابی مسلمان ہو گیا۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۸۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۶۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۱' حافظ الہیثمی نے کہا امام طبرانی کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۰۸۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہرنی کو آزاد کر دیا تو اس نے کہا **لا الـٰـہ الا اللہ انک رسول اللہ** (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۱) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت یعلیٰ سے روایت ہے کہ اونٹ نے آپ سے شکایت کی کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور اب اس کے مالک اس کو ذبح کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اس کی شکایت زائل کر دی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳)

حضرت یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ما من شیء فیھا الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس. روئے زمین کی ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ماسوا انسانوں اور جنات میں سے کفار اور فساق کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲۔ ۲۶۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۲)

ان تمام احادیث میں یہ دلیل ہے کہ تمام جمادات' نباتات اور حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حیات اور شعور عطا فرمایا ہے وہ کلام سمجھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے کلام فرمانا اور ان کا جواب دینا مستبعد نہیں ہے۔

جمادات سے کلام کرنے کی دوسری توجیہ

آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے اور ان کے جواب دینے پر جو یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ وہ تو حیات اور عقل و شعور سے عاری ہیں ان سے کلام کس طرح ہو سکتا ہے' اس کا ایک جواب تو دیا جا چکا ہے کہ جمادات اور نباتات وغیرہ میں بھی حیات اور شعور ہے' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ چلو مان لیا ان میں حیات اور شعور نہیں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان پر امانت پیش کی تو ان کو حیات اور شعور عطا فرما دیا قرآن مجید میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی سے' ہدہد سے اور دیگر پرندوں سے کلام فرماتے تھے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی وغیرہ سے کلام کرنا مستبعد نہیں ہے تو رب کائنات کا آسمانوں اور زمینوں سے کلام کرنا کیونکر مستبعد ہو سکتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم حمل کا معنی بیان کر رہے ہیں تاکہ دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو کہ اس کا معنی امانت کو اٹھانا ہے یا امانت میں خیانت کرنا۔

حمل کا معنی خیانت کرنے پر کتب لغت کی تصریحات

حمل کا مشہور معنی تو اٹھانا' برداشت کرنا اور کسی بات پر ابھارنا ہے اور اس کا معنی خیانت کرنا بھی ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الزجاج نے کہا: یحملنها کا معنی ہے یخننها' یعنی آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے' اور جو شخص کسی کی امانت میں خیانت کرے وہ اس کے بوجھ کو اٹھاتا ہے اسی طرح وہ شخص جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اس گناہ کو اٹھاتا ہے' حسن نے کہا یہی معنی صحیح ہے۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۷۵' مطبوعہ ایران ۱۴۰۵ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ' علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ' علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اور علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(القاموس المحیط ج ۳ ص ۵۲۹' مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۵۶۵' تاج العروس ج ۷ ص ۲۸۸' اقرب الموارد ج ۱ ص ۲۳۲)

جن مفسرین نے یحملنها کا معنی کیا امانت کو اٹھانا

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ نے اس آیت میں یحملنها کی تفسیر اٹھانے سے کی ہے وہ لکھتے ہیں:

آسمانوں اور زمینوں پر جو امانت کو پیش کیا تھا وہ اختیاراً تھا ایجاباً نہیں تھا' یعنی ان کو اختیار دیا تھا کہ وہ اس امانت کو قبول کریں یا نہ کریں' یہی وجہ ہے کہ اس امانت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوئے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۳ ص ۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی یہ لکھا ہے کہ آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کو اس امانت کے اٹھانے کا اختیار دیا گیا تھا ان پر لازم نہیں کیا گیا تھا۔ (زاد المسیر ج ۶ ص ۴۳۳' مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ' علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری متوفی ۴۶۸ھ' علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشا پوری متوفی ۷۲۸ھ' اور علامہ احمد بن محمد الصاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' شیخ امین احسن اصلاحی' شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ' صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اور مفتی احمد یار خاں متوفی ۱۳۹۱ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۳' تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۸۷' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' الوسیط ج ۳ ص ۴۸۴' غرائب القرآن ج ۵ ص ۴۷۷' حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۵ ص ۱۶۶۰)

یہ تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جمادات مکلف نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف جن اور انسان کو اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عطا کیا ہے' صرف جن اور انسان اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں' باقی تمام مخلوق غیر اختیاری طور سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔

یحملنها کی تفسیر بار امانت اٹھانے سے کرنے پر علامہ قرطبی کی توجیہات اور ان پر مصنف کی بحث ونظر

جن مفسرین نے یحملنها کا معنی یہ کیا ہے کہ "آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے امانت کا بوجھ اٹھالیا" ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آسمان وغیرہ جمادات ہیں اور غیر مکلف ہیں ان پر بار امانت کو پیش کرنا اور ان کا اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کرنا دونوں غیر معقول ہیں' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے اس کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اس عبارت میں حذف مضاف ہے' اور آسمانوں اور زمینوں سے مراد ہیں آسمانوں اور زمینوں والے' یعنی فرشتے' انسان اور جن' اور بار امانت کو پیش کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تو ان کو ثواب ہوگا اور اگر اطاعت نہیں کی تو ان کو عذاب ہوگا' اور ان سب نے یہ کہا کہ ہم اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فرشتے مکلف نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے متعلق فرمایا:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:۶) اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ اسی کام کو کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ان سے یہ متصور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے احکام کی امانت کو پیش کرے اور وہ اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں' نیز اگر زمین والوں میں انسان بھی داخل اور مراد ہیں تو پھر الگ سے یہ فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ وحملها الانسان'' اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا''۔

(۲) حسن وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ معلوم ہے کہ جمادات بات سمجھتے ہیں نہ اس کا جواب دیتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ یہاں حیات کو مقدر مانا جائے یعنی ان کو زندہ کر کے فرمایا' اور آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو اختیاراً پیش کیا تھا اور انسان پر الزاماً پیش کیا تھا' یعنی آسمانوں وغیرہ کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا اور انسان کو اختیار نہیں تھا۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی غلط ہے کیونکہ آسمان' زمین اور پہاڑ جبراً اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور انسان پر اطاعت کرنا لازم نہیں ہے اس کو اختیار دیا گیا ہے اور اس توجیہ میں معاملہ الٹ کر دیا گیا ہے۔

(۳) قفال وغیرہ نے یہ کہا اس آیت میں ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اس قدر مشکل اور دشوار ہے کہ اگر اس کی اطاعت کی امانت کو آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا جاتا تو وہ اپنے کبر' ثقل اور قوت کے باوجود اس کی اطاعت سے عاجز آ جاتے اور اس کے بوجھ کو اٹھانے سے انکار کر دیتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس توجیہ کی بنیاد یہ ہے کہ آسمان' زمین اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مختار ہیں حالانکہ وہ مجبور ہیں مختار نہیں ہیں۔

(۴) ایک قوم نے یہ کہا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ امانت اس قدر بھاری ہے کہ آسمان اور زمین اور پہاڑ بھی اپنی غیر معمولی طاقت کے باوجود اس کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے تھے اور اگر ان پر یہ بوجھ ڈالا جاتا تو وہ اس کو اٹھانے سے انکار کر دیتے۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی سابق وجہ سے غلط ہے آسمان اور زمین میں یہ مجال اور جرأت کہاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کر سکیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ. (حٰم السجدۃ:۱۱) پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ اس وقت دھواں (سا) تھا' سو اس سے فرمایا اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آئے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۳۱-۲۳۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو مسعود محمد بن محمد عماری حنفی متوفی ۹۸۲ھ' علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ'

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے بھی ان تاویلات اور توجیہات میں سے بعض کو اختیار کیا ہے' اور قارئین پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ تمام تاویلات باطل ہیں' ان تفاسیر کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں۔

(تفسیر ابوالسعود ج ۵ ص ۲۴۴' روح البیان ج ۷ ص ۲۹۸' روح المعانی جز ۲۲ ص ۱۳۹' معارف القرآن ج ۷ ص ۲۴۶۔ ۲۴۵' تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۳۶)

بعض علماء نے اس معنی کی تقویت میں یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں کو پہلے اختیار عطا کر دیا تھا پھر ان پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔

مصنف کے نزدیک یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اول تو ان کو اختیار عطا فرمانے کا دعویٰ بلا دلیل ہے' ثانیاً یہ دعویٰ اس مسلّم حقیقت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف جن اور انس کو عبادت کرنے کا مکلف کیا ہے اور ان ہی کو بااختیار بنایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات: ۵۶) میں نے جنات اور انسان کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

ثالثاً جب اس آیت میں ان یحملنها کا معنی بغیر کسی تاویل کے درست ہو سکتا ہے یعنی زمین و آسمان نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا تو پھر اس کمزور تاویل پر مبنی معنی کرنے کی کیا ضرورت ہے!

علامہ قرطبی نے بھی متعدد تاویلات کرنے کے بعد وحملها الانسان کی تفسیر میں لکھا ہے:

ومعنی حملها خان فیها. امانت کو اٹھانے کا معنی یہ ہے کہ انسان نے اس امانت میں خیانت کی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴' ص ۲۳۲' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن مفسرین نے یحملنها اور حملها الانسان میں حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ نے یحملنها میں حمل کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

جب کوئی شخص امانت اس کے مالک کو واپس کرنے کا ارادہ نہ کرے تو کہا جاتا ہے فلاں شخص امانت کے بوجھ کو اٹھانے والا ہے' گویا امانت اس پر سوار ہے اور وہ اس کو اٹھانے والا ہے' حاصل یہ ہے کہ امانت اٹھانے کا معنی اس میں خیانت کرنا ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۵۷۴۔ ۵۷۳' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

(فابین ان یحملنها) یعنی انہوں نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس سے انکار کیا کہ وہ امانت کو ادا نہ کریں (وحملها الانسان) اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس امانت کو ادا کرنے سے انکار کیا۔

(مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۵۱۴' دارالکتب العربیہ پشاور)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن النیشاپوری القشیری المتوفی ۴۶۵ھ' علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ' علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' علامہ سلیمان الجمل المتوفی ۱۲۰۴ھ نے بھی اسی طرح یحملنها اور حملها الانسان دونوں جگہ حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا ہے۔

(تفسیر القشیری ج ۳ ص ۴۶' البحر المحیط ج ۸ ص ۵۱۱۔ ۵۱۰' نظم الدرر ج ۶ ص ۱۴۱' حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۴۵۸)

اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ کازرونی' علامہ علی بن محمد خازن المتوفی ۷۲۵ھ' علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ' علامہ احمد بن محمد الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ' علامہ محمد بن

علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نواب صدیق بن حسن القنوجی التوفی ۱۳۰۷ھ نے یحملنھا میں تو علامہ قرطبی کی ذکر کردہ تاویلات سے حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے اور وحملھا الانسان میں حمل کا معنی امانت میں خیانت کرنا کیا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۶۶۹۔ ۶۶۸' تفسیر البیضاوی مع الکازرونی ج ۴ ص ۳۸۸' حاشیۃ الکازرونی ج ۴ ص ۳۸۸' تفسیر الخازن ج ۳ ص ۵۱۵' حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۶۹' عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۵۱۵' فتح القدیر ج ۴ ص ۴۰۸' فتح البیان ج ۵ ص ۴۱۷)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری التوفی ۱۴۱۸ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں حمل کا معنی اٹھانا کیا ہے اور تفسیر میں اس کا معنی امانت میں خیانت کرنا لکھا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے:

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے بے شک یہ بڑا ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔

اور تفسیر میں اس طرح فرمایا ہے:

اہل لغت نے اس طرح لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں حمل الامانۃ یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ اٹھا لیا' اس آیت طیبہ میں حمل اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا فابین ان یحملنھا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا' جو حکم ربانی ملا بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے' سر موانحراف اور سستی نہیں کی' واشفقن منھا وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضب الٰہی کے شکار نہ ہو جائیں فحملھا الانسان (قرآن میں وحملھا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ (ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۰۲۔ ۱۰۱' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے۔ (الاحزاب: ۷۲)

انسان کے ظالم اور جاہل ہونے کی توجیہ

اس آیت میں انسان سے مراد کافر یا فاسق ہے' کیونکہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کرنے والے نہیں ہیں اور چونکہ انسان کے اکثر افراد کافر اور فاسق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنس انسان کے متعلق فرمایا کہ انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. (العدیات: ۶) بے شک انسان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى. (العلق: ۶) حقیقت یہ ہے کہ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر اپنے احکام کی امانت کو پیش کیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ اس کے اکثر افراد اس امانت میں خیانت کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور عبادت کی استعداد اور صلاحیت رکھی تھی' اور اس لیے کہ عالم میثاق میں اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کا وعدہ کیا تھا' اس آیت میں اور دیگر ذکر کردہ آیات میں صرف انسان کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ انسان اور جن دونوں مکلف ہیں اور دونوں کو عبادت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں

زیادہ تر خطاب انسان سے کیا گیا ہے اور اسی کی نوع سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی تکریم اور احسن تقویم کی تصریح کی گئی ہے اور وہی اشرف الخلائق ہے۔

میں بچپن سے اس آیت پر غور کرتا رہا ہوں اور قرآن مجید کے تراجم میں یہ پڑھ کر کہ "آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اللہ کی امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے" میں یہ سوچتا تھا کہ جب کوئی بھی اس امانت کو نہ اٹھا سکا اور انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا تو اس کی تحسین ہونی چاہیے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی مذمت فرما رہا ہے کہ وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے' پھر جب میں نے پڑھانا شروع کیا اور دینی کتب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں حمل کا معنی خیانت کرنا ہے' یعنی انسان نے اس امانت میں خیانت کی وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے' پھر میں اسی طرح اپنے طلبہ کو پڑھاتا رہا تا آنکہ اب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر لکھنے کی توفیق اور سعادت عطا کی تو میں نے مکمل کر اس آیت پر لکھا اور قرآن مجید کے پیغام کو بسط اور تفصیل سے پیش کیا' اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے جس طرح اس نے محض اپنے فضل سے اس کو لکھنے کی توفیق دی ہے سو اسی طرح اس کے کرم سے توقع ہے بلکہ سوال اور دعا ہے کہ وہ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تا کہ انجام کار اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الاحزاب: ۷۳)

جنس انسان پر امانت پیش کرنے کی حکمت کفار کو عذاب دینا' توبہ کرنے ...... والے مومنوں کو بخشنا اور انبیاء اور صالحین کو نوازنا ہے

اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور انسانوں پر اپنے احکام کی امانت کو اس لیے پیش کیا تا کہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب دے اور مومنوں کی توبہ قبول فرمائے اور ان کو بخش دے۔

اس لیے بالعموم مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ لام عاقبت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۔ (القصص: ۸) فرعون کے متبعین نے موسیٰ کو اٹھا لیا تا کہ انجام کار وہ ان کے لیے دشمن اور باعث غم بن جائے۔

اسی طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ انسان کے اکثر افراد نے اس امانت میں خیانت کی اور کفر و شرک کو مخفی رکھا یا کفر و شرک کو ظاہر کیا تا کہ انجام کار اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے اور بعض نے کفر و شرک کو ترک کیا' پھر ان بعض میں سے اکثر وہ تھے کہ ایمان سے متصف ہونے کے باوجود ان سے خطائیں سرزد ہو گئیں اور تقصیرات اور کوتاہیاں ہوئیں پھر انہوں نے اپنی تقصیرات اور خطاؤں پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کے متعلق فرمایا: اور وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور بعض کاملین تھے جو انبیاء اور مرسلین ہیں اور اولیاء عارفین ہیں ان کے متعلق فرمایا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کی دوسری تقریر اس طرح ہے کہ ہر چند کہ یہ لام عاقبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو لام علت اور غرض کی صورت میں ذکر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنس انسان پر اپنے احکام کی امانت کو اس لیے پیش فرمایا تھا کہ جنس انسان کے بعض افراد اس امانت کو ظاہراً قبول کرنے کے بعد اس کو ضائع کر دیں اور وہ منافقین ہیں' اور بعض افراد اس امانت کو بالکل قبول نہ

کریں اور وہ مشرکین ہیں اور دونوں کے متعلق فرمایا تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ اور جنس انسان کے بعض افراد اللہ تعالیٰ کے احکام کی امانت میں خیانت نہ کریں' لیکن ان سے کچھ تقصیرات ہوں اور وہ اس پر ندامت کا اظہار اور توبہ کریں ان کے متعلق فرمایا اور وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور جنس انسان کے بعض افراد جو کاملین ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی امانت میں بالکل خیانت نہ کریں وہ انبیاء اور مرسلین ہیں اور اولیاء عارفین ہیں ان کے متعلق فرمایا: اور اللہ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے' اور ان میں سے ہر فرد کو اس کے مرتبہ اور ظرف کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے تین طبقات کا ذکر ہے' ایک طبقہ منافقین اور مشرکین کا ہے' دوسرا طبقہ توبہ کرنے والے گنہ گار مسلمانوں کا ہے' اور تیسرا طبقہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء عارفین کا ہے' اور ان تین طبقوں کو بنانے کی حکمت یہ تھی کہ متعدد آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے عکوس نظر آئیں سو منافقین اور مشرکین وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات قہر اور جلال کا عکس نظر آتا ہے' اور توبہ کرنے والے گنہ گار مسلمان وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات ستاری اور غفاری کا عکس نظر آتا ہے اور انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین وہ آئینہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور اس کے الطاف و عنایات کی صفات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ان تین طبقوں میں سے دوسرے طبقہ پر اس حدیث میں دلیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ سے استغفار کریں گے پھر اللہ ان کو بخش دے گا۔ (صحیح مسلم کتاب التوبہ: ۱۱ الرقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۹ الرقم المسلسل: ۶۸۳۲)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے گناہ کریں' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ گناہوں سے منع کرنے کے لیے نبیوں اور رسولوں کو کیوں بھیجتا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے اپنے آپ کو گنہ گار اور خطاء کار سمجھیں' خواہ وہ کسی قدر صالح اور نیک ہوں کم از کم اتنی بات تو ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت نہیں کر سکا جتنی اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمتیں عطا کی ہیں تو وہ کم از کم اسی تقصیر پر اللہ سے استغفار کرتا رہے' اور توبہ اور استغفار کو ترک کرنا بھی گناہ ہے' سو اگر لوگ اپنی نیکیوں پر مطمئن ہو جائیں اور توبہ اور استغفار نہ کریں تو وہ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو نیکیاں کرنے کے باوجود تقصیر طاعات کے خوف سے توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے۔

اختتام سورت

آج ۲ شوال ۱۴۲۳ھ/ ۷ دسمبر ۲۰۰۲ء بہ روز ہفتہ بعد نماز فجر سورۃ الاحزاب کی تفسیر ختم ہوگئی' ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو یہ تفسیر شروع کی تھی اس طرح تقریباً دو ماہ اور تین دنوں میں یہ تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی' الحمد للہ العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں' مجھے تا حیات صحت و عافیت اور نیکی اور تقویٰ اور اطاعت اور اتباع سنت کے ساتھ قائم رکھیں' عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں' موت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور مرنے کے بعد آپ کی شفاعت عطا فرمائیں' دنیا کے مصائب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی سعادت اور سرخ روئی کو مقدر فرما دیں۔ اس تفسیر کو تا قیام قیامت باقی' مرغوب' مقبول اور فیض آفریں بنا دیں اور اس کی تحریر اور تقریر کو عمل کے لیے مؤثر بنا دیں' اس کو موافقین کے لیے وجہ استقامت اور طمانیت اور مخالفین کے لیے موجب

ہدایت کردیں۔وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وامتہ اجمعین.

سُوۡرَةُ سَبَاٍ

(۳۴)

سُوۡرَةُ فَاطِرٍ

(۳۵)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة سبا

سورت کا نام اوراس کا زمانہ نزول

اس سورت کا نام سبا ہے اوراس کا ذکراس سورت کی اس آیت میں ہے:

لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ‌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ‌ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ۔ (سبا:۱۵)

قوم سبا کے لیے ان کی بستیوں میں (اللہ کی قدرت کی) نشانی تھی' ان کی دائیں اور بائیں جانب دو باغ تھے' (اللہ نے ان کو حکم دیا کہ) اپنے رب کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' یہ عمدہ شہر ہے اور بہت بخشنے والا رب ہے۔

سبا یمن کے ایک علاقے کا نام ہے' جو صنعاء اور حضر موت کے درمیان ہے' اس کا مرکزی شہر مآرب ہے' اس علاقہ کا نام سبا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی ایک شاخ آباد تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں کثرت سے باغات پیدا کیے تھے اور سبزہ اور ہریالی عطا کی تھی لیکن جب اس شہر کے لوگوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں چھین لیں' اور اس شہر کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

یہ سورت مکہ کے ابتدائی یا متوسط دور میں نازل ہوئی ہے جب مشرکین مکہ اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے' یہ سورت زمر سے پہلے اور لقمان کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ سبا اور سورۃ الاحزاب میں مناسبت

سورۃ سبا اور سورۃ الاحزاب میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الاحزاب کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: تاکہ انجام کار منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اللہ عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔ (الاحزاب:۷۳) اور سورۃ سبا کی پہلی آیت میں فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب چیزیں ہیں جو زمینوں میں ہیں۔ (سبا:۱) گویا سورۃ الاحزاب کے آخر میں جو دعویٰ فرمایا تھا کہ اللہ منافقین اور مشرکین کو عذاب دے گا سورۃ سبا کی پہلی آیت میں اس پر دلیل ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں

کا مالک ہے اس لیے وہ منافقین اور مشرکین کو عذاب دینے پر بھی قادر ہے اور مومنین کو اجر و ثواب دینے پر بھی قادر ہے۔

(۲) سورۃ الاحزاب کی آخری آیت کے آخر میں فرمایا تھا: وکان اللہ غفورا رحیما "اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے" اور سورۃ سبا کی آیت: ۲ کے آخر میں فرمایا: وھو الرحیم الغفور وہ نہایت مہربان بہت بخشنے والا ہے۔

(۳) سورۃ الاحزاب میں کفار نے قیامت کے متعلق سوال کیا تھا کہ قیامت کب آئے گی:

یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ (الاحزاب: ۶۳)

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے اس کا ذاتی علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔

اور سورۃ سبا میں ذکر ہے کہ کفار نے قیامت کے آنے کا انکار کر دیا تھا:

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ (سبا: ۳)

کفار نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ کہیے مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے' تم پر قیامت ضرور آئے گی۔

سورۃ سبا کے مشمولات

(۱) سورۃ سبا مکی سورت ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید' رسالت' قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر زور دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت داؤد' حضرت سلیمان علیہما السلام اور اہل سبا کو جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا بیان کیا گیا ہے اور اس کی توحید پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مشرکین کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

(۴) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ہر زمانہ میں دستور رہا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں دی تھیں وہ اپنے اپنے زمانہ کے نبیوں اور رسولوں کے مخالف رہے ہیں۔

(۵) یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرتے ہیں' اور اس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کذب اور افتراء کہتے ہیں' حالانکہ آپ کاذب اور مفتری نہیں ہیں آپ تو آخرت کے ہولناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں' اور آپ جو اپنے رب کا پیغام سنا رہے ہیں اور اس کے دین کی دعوت دے رہے ہیں اس پر کوئی اجر نہیں طلب فرما رہے۔

(۶) اور اس سورت کو اس پیغام پر ختم کیا گیا ہے کہ ان مشرکوں کی فلاح اس میں ہے کہ وہ قیامت کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے پر ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں۔

سورۃ سبا کے اس تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ سبا کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں۔

الٰہ العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا حق اور صواب کو لکھنے اور باطل اور ناحق کو رد کرنے کی جرأت اور ہمت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
۸ شوال ۱۴۲۳ھ/ ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء
فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

اٰیاتها ۵۴ — رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۳۴) سُوْرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ (۵۸)

سورت سبا مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور

الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی

آخرت میں (بھی) اسی کی تعریف ہے، اور وہی بہت حکمت والا سب خبر رکھنے والا ہے O اس کو علم ہے جو کچھ

الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ

زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا

فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا

ہے، اور وہی رحم فرمانے والا، بے حد بخشنے والا ہے O اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی

السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ

آپ کہیے کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی، اس سے ذرہ برابر بھی

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ

کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں، اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے

وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۳ ۙ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی O تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝۴ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ

کام کیے، ان کے لیے مغفرت ہے اور معزز روزی ہے O اور جن لوگوں نے ہماری

فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے درد ناک عذاب

اَلِيْمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

کی سزا ہے ○ اور اہل علم کو معلوم ہے کہ جو کلام آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

وہی برحق ہے اور وہی اس کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو غالب ہے (اور) تعریف کیا ہوا ہے ○

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ

اور کافروں نے کہا کیا ہم ایسے مرد کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر

اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو پھر تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے! ○

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کیا اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ہے یا اس کو جنون ہے! بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا

نہیں لائے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہیں ○ پس کیا انہوں نے ان چیزوں

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ

کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں

لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے مختص ہیں جس کی ملکیت میں وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' اور وہی بہت حکمت والا' سب خبر رکھنے والا ہے ○ اس کو علم ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے' اور وہی رحم

فرمانے والا' بے حد بخشنے والا ہے○ (سبا:۲۔۱)

آخرت میں اللہ کی حمد کرنے کے چھ مقامات

اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں اس لیے مختص ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا صرف وہی مالک ہے' حمد اور تعریف کا معنی ہے صفات کمال کا اظہار' اور جب تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو ان چیزوں کے تمام کمالات کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے' اور جن چیزوں کے مالک بہ ظاہر انسان ہیں درحقیقت ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے' اس لیے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ قابل تعریف تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' مومنین کاملین اور صالحین آخرت میں چھ مقامات پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے:

(۱) قیامت کے دن فیصلہ ہونے کے بعد فرشتے اور مومنین اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے:

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ (الزمر:۷۵)

اور (اے رسول مکرم) آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا' اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۲) جب مومنین اللہ کے فضل سے پل صراط سے عافیت کے ساتھ گزر جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ. (فاطر:۳۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

(۳) جب مومن جنت کے قریب پہنچیں گے اور جنت کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا. (الاعراف:۴۳)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔

(۴) جب مومنین جنت میں داخل ہوں گے اور ملائکہ سلام تحیت کے ساتھ ان کا استقبال کریں گے تو وہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ○ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ○ (فاطر:۳۵۔۳۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا' شکر کی بہت جزا دینے والا ہے○ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام کی جگہ میں ٹھہرایا' جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف ہو گی نہ تھکاوٹ۔

(۵) جب مومنین جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے تو کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ (الزمر:۷۴)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں۔

(۶) جنت میں داخل ہونے کے بعد مومنین صالحین یہ کہیں گے:

دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ‌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ (یونس:۱۰)

جنت میں ان کی دعا ہوگی اے اللہ! تیری ہر نقص اور عیب سے برأت ہے۔ اور وہاں ان کی دعائے خیر یہ ہوگی سلام اور ان کا آخری جملہ یہ ہوگا ''الحمد لله رب العلمین''۔

مومنین دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور ان دونوں حمدوں میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بہ طور عبادت کرتے ہیں اور آخرت میں وہ اللہ کی حمد بہ طور لذت کریں گے۔

حمد کی تعریف' اللہ کی حمد کی اقسام اور شکر کی ادائیگی کا طریقہ

حمد کی تعریف یہ ہے: کسی اختیاری خوبی کی بہ طور تعظیم زبان سے تعریف و تحسین کرنا خواہ وہ خوبی اس کے لیے باعث نعمت ہو یا نہ ہو' نعمت کی مثال یہ ہے کسی شخص کی سخاوت پر اس کی تعریف کی جائے اور غیر نعمت کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے علم اور زہد و تقویٰ پر اس کی تعریف و تحسین کی جائے۔

اللہ کی حمد کی تین قسمیں ہیں' حمد قولی' حمد فعلی اور حمد حالی۔

حمد قولی یہ ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کی ہے ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے' ان کلمات حمد کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے: **هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى يسبح له ما في السموت والارض وهو العزيز الحكيم** (الحشر:۲۴) اور حدیث میں ہے: **لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير' اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد.** (صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳)

اور حدیث میں ہے: **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.** (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۹۴)

اور حمد کے بہترین کلمات یہ ہیں **الحمد لله رب العلمين**۔

حمد فعلی یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے اس کی عبادت کرے۔

اور حمد حالی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جائے اور اللہ کے اوصاف سے متصف ہو جائے' اور جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کسی بیماری اور تکلیف کا سامنا ہو تو کہے **الحمد لله على كل حال**' ہم ہر حال میں اللہ کی حمد کرتے ہیں' کیونکہ مصیبت اور تکلیف بھی باطنی نعمت ہیں' مصائب اور امراض گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں لیکن اس سے ظاہر شکر کا قصد نہ کرے' اس خوف سے کہ کہیں مصیبت اور تکلیف زیادہ نہ ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (ابراہیم:۷)

اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تم میں (نعمت کو) زیادہ کروں گا۔

اور جب اس کو کوئی نعمت اور راحت ملے تو پھر اس کا شکر ظاہراً بھی ادا کرے' اور اس کو جو نعمت ملی ہے اس کا ذکر کر کے اس کا شکر ادا کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ‌ؕ (ابراہیم:۳۹)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ عِلۡمًا‌ ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّنۡ عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ○ (النمل:۱۵)

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی حمد سے خوش ہوتا ہے' ایک شخص نے نماز میں رکوع سے اٹھنے کے بعد یہ کلمات کہے:
ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ 'تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف جھپٹ رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھتا ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۹۹)
نیز فرمایا اور وہ حکیم ہے: یعنی اس نے دین اور دنیا کے تمام معاملات کی محکم تدبیر کی ہے اور تمام چیزوں کو حکمت اور مصلحت کے تقاضوں کے موافق بنایا ہے اور فرمایا وہ خبیر ہے یعنی وہ تمام ظاہری اور باطنی اور کھلی ہوئی اور ڈھکی ہوئی چیزوں کی خبر رکھنے والا ہے۔

زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی اور آسمان ...... سے اترنے اور اس کی طرف چڑھنے والی چیزیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو علم ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے اور وہی رحم فرمانے والا' بے حد بخشنے والا ہے O (سبا ۲)
اس آیت میں ''یلج'' فرمایا ہے' یہ لفظ ولوج سے بنا ہے' ولوج کا معنی ہے تنگ جگہ میں داخل ہونا' اس سے پہلی آیت کے آخر میں فرمایا تھا وہ خبیر ہے یعنی ہر ظاہر اور باطن کی خبر رکھنے والا ہے' وہ جانتا ہے کہ زمین میں کیا چیزیں داخل کی جاتی ہیں اور کیا چیزیں زمین سے نکلتی ہیں' زمین میں بیج داخل کیے جاتے ہیں پھر زمین سے کونپلیں پھوٹ کر نکلتی ہیں' بارش کے قطرات زمین میں داخل ہوتے ہیں پھر وہ چشموں اور آبشاروں کی صورت میں زمین سے نکل آتے ہیں' خزانے اور دفینے' اور حشرات الارض زمین سے نکلتے ہیں' زمین میں مردوں کو دفن کیا جاتا ہے اور وہ آخرت میں زمین سے نکل آئیں گے' اسی طرح انسان کی کھال کی زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے' جو فاسد اور صالح غذا اور حلال اور حرام طعام جس کو وہ کھاتا ہے وہ سب اس کے علم میں ہے اسی طرح اس کی کھال سے جو کچھ نکلتا ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے۔
اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو آسمان میں چڑھتی ہیں' مثلاً فرشتے' آسمانی کتابیں' تقدیریں' بندوں کے رزق اور برکتیں' بارشیں' برف' اولے' شبنم اور بجلیاں آسمان سے نازل ہوتی ہیں' اسی طرح دلوں پر روحانی فیوض اور الہامات ربانیہ نازل ہوتے ہیں اور فرشتے' پاک روحیں' دعائیں اور بندوں کے نیک اعمال اور بخارات اور دھوئیں وغیرہ اوپر چڑھتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ہم پر قیامت نہیں آئے گی' آپ کہیے کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی' اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں' اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے' خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی O تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے مغفرت ہے اور معزز روزی ہے O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے O (سبا: ۵۔۳)

وقوع قیامت پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ فرمایا تھا اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شرک' کفر اور برے اعمال پر آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے' اور توحید و رسالت پر ایمان لانے اور نیک کام کرنے پر آخرت کے اجر و ثواب کی بشارت دیتے تھے' یہ سن کر کفار مکہ کہتے تھے ہم پر قیامت نہیں آئے گی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے تین دلیلوں سے قیامت کے آنے کو ثابت فرمایا:

(۱) کفار مکہ آپ کو صادق مانتے تھے اور الصادق الامین کہتے تھے اور آپ نے قسم کھا کر فرمایا: مجھے اپنے رب کی قسم ہے وہ ضرور آئے گی' اور الصادق الامین قسم کھا کر جو بات کہے وہ غلط نہیں ہو سکتی۔

(۲) کفار قیامت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں گے اور ان کے اجسام گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر ہوا ان ذرات کو اڑا کر دوسری جگہوں پر لے جائے گی اور یہ ذرات دوسرے اجسام کے ذرات سے مل کر خلط ملط ہو جائیں گے تو پھر یہ کیسے متعین ہو گا کہ یہ ذرہ فلاں جسم کا ہے اور یہ ذرہ فلاں جسم کا ہے' پھر یہ بکھرے ہوئے اور منتشر ذرات دوبارہ کس طرح جمع ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ عالم الغیب ہے اور اس سے اس جہان کا کوئی ذرہ مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے مختلط اور منتشر ذرات کو ایک دوسرے ممیز اور ممتاز کر کے ایک قالب میں جمع کر دینا اس پر بالکل مشکل اور دشوار نہیں ہے۔

(۳) اور دوسری آیت سبا:۴ میں فرمایا (قیامت اس لیے ضرور آئے گی) تاکہ اللہ انہیں جزا دے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' اور تیسری آیت سبا:۵ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اور سزا کا نظام قائم فرمائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں ایک شخص دوسرے پر مسلسل ظلم کرتا رہتا ہے اور اس کو اس کے ظلم کرنے پر کوئی سزا نہیں ملتی اور دوسرے کو ظلم سہنے پر کوئی جزا نہیں ملتی' پس اگر ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہوا کہ اس دار دنیا کے بعد کوئی دار آخرت ہو جہاں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا دی جائے۔

رزق کریم کا معنی

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جزاء میں دو چیزوں کو ذکر فرمایا ہے مغفرت اور رزق کریم یعنی معزز روزی' مغفرت کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ مومنین صالحین سے بھی کچھ خطائیں اور تقصیرات ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور مغفرت کی نوید سنائی' اور انہوں نے جو نیک کام کیے ہیں ان کی جزاء کے طور پر انہیں رزق کریم کی بشارت دی' اور رزق کریم اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ان کو جو رزق دیا تھا اس میں ان کی محنت اور مشقت کی کلفت تھی' اور آخرت کا رزق کریم ہے وہ معزز روزی ہے اس میں کوئی کلفت اور تلخی نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت کے رزق دو قسم کے ہیں ایک دوزخیوں کا رزق ہے جس میں شجرۃ الزقوم (تھوہر کا درخت) ہے' اور الحمیم (گرم پانی) ہے اور دوسرا جنتیوں کا رزق ہے جس میں پھل اور میوے ہیں اور شراب طہور ہے اور یہی رزق کریم ہے۔

اس کے بعد فرمایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں پر غالب آنے کی کوشش کی ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔ (سبا:۵)

یعنی جو کفار ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو باطل کہتے ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے' اللہ تعالیٰ ان کے متعلق عذاب کی وعید فرماتا ہے کہ ان کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل علم کو معلوم ہے کہ جو کلام آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے' وہی برحق ہے اور وہی اس کے راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو غالب ہے (اور) تعریف کیا ہوا ہے O اور کافروں نے کہا ہم ایسے مرد کی طرف

تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے O (سبا: ۷۔۶)

اہل علم کا مصداق

اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا تھا کہ کفار اور مشرکین قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور قرآن مجید کو باطل کہتے ہیں' اور چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لیے اب ان کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا ذکر فرمایا اور ان کو اہل علم سے تعبیر فرمایا جو قرآن مجید کو برحق اور وحی الٰہی قرار دیتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اہل علم سے مراد علماء اہل کتاب ہیں' جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما وغیرہ' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام مسلمان مرد مراد ہیں' بعض مفسرین نے کہا اس سے علماء اہل کتاب کو مراد لینا صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ مکی سورت ہے اور وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں اوتوا العلم یعنی اہل علم کا لفظ ہے اور وہ عام ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس سے امت کے تمام اہل علم مراد لیے جائیں۔

اس کے بعد فرمایا: کیا ہم ایسے مرد کی طرف تمہاری رہنمائی کریں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے O (سبا: ۷)

جز لایتجزیٰ کے ثبوت پر دلیل

یعنی جب تم اپنی قبروں میں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جاؤ گے تو پھر تم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا' ان کا یہ قول ان کے انکار کی شدت کی بناء پر ان سے صادر ہوا اور انہوں نے بہ طور طنز اور استہزاء کے یہ بات کہی تھی۔

مزق کے معنی ہیں کسی چیز کا پھٹنا' ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور منقسم ہونا' متکلمین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جز لا یتجزیٰ برحق ہے' جز لایتجزیٰ کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی پوری پوری اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ اس کے بعد خارج میں اس کی مزید تقسیم نہ ہو سکے' اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم مکمل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے' اگر اس جز کی مزید تقسیم ہو سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ مکمل ریزہ ریزہ نہیں ہوا اور جب یہ کہا کہ وہ مکمل ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کی کل اقسام کر دی گئیں تو اس کا یہ معنی ہے کہ اس کی مزید تقسیم نہیں ہو سکتی' اگر یہ کہا جائے کہ اس کی وہمی اور عقلی تقسیم تو پھر بھی ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہمی اور عقلی تقسیم تو کہیں نہیں رکتی لیکن خارج میں اس کی تقسیم کہیں نہ کہیں ضرور ٹھہرے گی' جیسا کہ علامہ میبذی نے کہا ہے کہ اجزاء ذی مقراطیسیہ غیر منقسم ہیں کیونکہ وہ اس قدر سخت ہیں کہ کٹ نہیں سکتے اور اس قدر چھوٹے ہیں کہ ٹوٹ نہیں سکتے اس لیے ہو سکتا ہے کہ جسم ان ہی اجزاء سے مرکب ہو اور وہی غیر منقسم اجزاء فصل اور وصل کو قبول کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا ہے یا اس کو جنون ہے! بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہیں O پس کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں O (سبا: ۹۔۸)

صدق اور کذب کی صحیح تعریفات اور نظام اور جاحظ کی تعریفات پر تبصرہ

اس آیت میں کذب اور افتراء کے الفاظ ہیں' افتراء کا معنی ہے از خود کسی کے متعلق جھوٹی باتیں کہنا اور کذب کا لفظ عام ہے' از خود کسی کے متعلق جھوٹی بات کہے یا کسی سے سن کر اس کے متعلق جھوٹی بات کہے' اور اس کے بعد جنون کا ذکر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے صدق اور کذب کی تعریفات اور اس میں مذاہب بیان کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے کذب

کے محال ہونے پر دلیل اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ذکر کریں گے اور آخر میں جنون کا معنی بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق:

کلام میں جو نسبت خبریہ ہوتی ہے اس نسبت سے قطع نظر خارج اور واقع میں بھی نسبت ہوتی ہے اس کو نسبت خارجیہ کہتے ہیں کلام کی نسبت کو حکایت اور واقع اور خارج کی نسبت کو محکی عنہ کہتے ہیں' اگر کلام کی نسبت اور حکایت کا واقع کی نسبت اور محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے اور واقع میں حکایت محکی عنہ کے مطابق بھی ہو تو یہ کلام صادق ہوگا' جیسے کوئی شخص کہے کہ زید قائم ہے یعنی کھڑا ہوا ہے' اور واقع میں زید قائم بھی ہو تو یہ کلام صادق ہے' اور اگر حکایت کے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے اور واقعہ میں حکایت محکی عنہ کے مطابق نہ ہو مثلاً کوئی شخص کہے کہ زید قائم ہے اور زید قائم نہ ہو تو یہ کلام کاذب ہے' اور اگر نسبت کلامیہ کے نسبت خارجیہ سے مطابقت کا قصد نہ کیا جائے تو پھر یہ کلام صادق ہے نہ کاذب ہے' جیسے نحو کے معلم پڑھاتے وقت زید قائم کہتے ہیں اور کسی نسبت خارجیہ سے مطابقت کا قصد نہیں کرتے۔

نظام معتزلی نے یہ کہا کہ خبر صادق وہ ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو خواہ اس کا اعتقاد خطاء ہو اور خبر کاذب وہ ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو' اس نے اپنے موقف پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱)

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو علم ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔

نظام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اس لیے جھوٹا فرمایا کہ ان کا آپ کو رسول اللہ کہنا ان کے اعتقاد کے مطابق نہ تھا' اگرچہ واقع کے مطابق تھا اس سے معلوم ہوا کہ خبر صادق وہ ہوتی ہے جو مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو' اور ان کے اس استدلال کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو جھوٹا فرمایا ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس خبر دینے میں جھوٹے ہیں بلکہ اس کا معنی ہے وہ گواہی دینے میں جھوٹے ہیں' یا اپنی اس خبر کو گواہی کہنے میں جھوٹے ہیں کیونکہ گواہی صمیم قلب سے ہوتی ہے اور وہ صرف زبان سے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور دل سے انکار کرتے تھے۔

جاحظ نے یہ کہا کہ خبر صادق وہ ہوتی ہے جو واقع اور اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق ہو اور خبر کاذب وہ ہوتی ہے جو واقع اور اعتقاد مخبر دونوں کے مطابق نہ ہو' اور اس تعریف کی بناء پر خبر صادق اور خبر کاذب میں ایک واسطہ نکل آئے گا کیونکہ اگر خبر واقع کے مطابق ہو اور اعتقاد مخبر کے مطابق نہ ہو یا اعتقاد مخبر کے مطابق ہو اور واقع کے مطابق نہ ہو تو پھر یہ خبر صادق ہوگی اور نہ کاذب۔ اور ایسی خبر جو صادق ہو نہ کاذب ہو اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ (سبا:۸) اس شخص نے اللہ پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا اس کو جنون ہے۔

جاحظ کہتا ہے کہ ام بــہ جنة سے مراد خبر صادق نہیں ہے کیونکہ کفار آپ کو صادق نہیں مانتے تھے اور اس سے مراد خبر کاذب بھی نہیں ہے کیونکہ خبر کاذب کا ذکر تو پہلی قسم میں آ چکا ہے اور اقسام متقابل اور متضاد ہوتی ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ام بــہ جنة سے مراد یہ ہے کہ یا اس شخص نے افتراء نہیں کیا کیونکہ افتراء عمداً جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں اور مجنون افتراء نہیں کر سکتا' پس افتراء عمداً جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں اور مجنون کسی چیز کا قصد نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس شخص

نے افتراء کیا ہے یا افتراء نہیں کیا' گویا کفار نے آپ کی خبر کو کاذب قرار دے کر اس کی دو قسمیں کر دی تھیں عمداً جھوٹی خبر اور بلا عمد جھوٹی خبر۔ (مختصر معانی ص ۳۳۔ ۳۹ ملخصاً 'میر محمد کتب خانہ' کراچی)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے اور صدق واجب ہے کیونکہ صدق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا. (النساء: ۸۷) اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو؟

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا. (النساء: ۱۲۲) اور کون ہے جس کا قول اللہ سے زیادہ سچا ہو؟

مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ متوفی ۱۳۹۱ھ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے' کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا واجب بالذات ہونا چاہیے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہوگا۔

(نور العرفان حاشیۃ القرآن ص ۱۴۴' ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

نیز قرآن مجید سے واضح ہو گیا کہ صدق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں اور کذب صدق کا عدم ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کو کاذب فرض کیا جائے تو وہ صادق نہیں ہوگا اور صدق جا نہیں سکتا تو کذب آ نہیں سکتا' اور جس چیز کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے پس جب صدق کا قدم ثابت ہے تو اس کا عدم ممتنع ہو گیا اور کذب صدق کا عدم ہے تو کذب ممتنع ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر اعتراضات کے جوابات

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے ممتنع بالذات ہونے پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی دو قسمیں ہیں کلام لفظی اور کلام نفسی' معترض کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفت قدیم ہے وہ کلام نفسی ہے اور ہم کلام نفسی میں امکان کذب نہیں مانتے' ہم امکان کذب کلام لفظی میں مانتے ہیں اور کلام لفظی حادث اور ممکن ہے اور ممکن کا عدم بھی ممکن ہے لہٰذا جب اللہ کے کلام صادق کا عدم ممکن ہوا تو کذب ممکن ہو گیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کلام لفظی کے عدم کے ممکن ہونے کا معنی یہ ہے کہ سرے سے وہ کلام لفظی نہ ہو یا کلام لفظی تو ہو مگر صادق نہ ہو اور یہ مخالف کا مطلوب نہیں ہے' مخالف کا مطلوب یہ ہے کہ کلام لفظی ہو اور کاذب ہو اور کلام لفظی کے ممکن ہونے سے اس خاص معنی کا ثبوت لازم نہیں آتا بلکہ ایک عام معنی کا ثبوت لازم آتا ہے یعنی سرے سے کلام لفظی صادق نہ ہو یا کلام لفظی تو ہو مگر کاذب ہو پس کلام لفظی کے ممکن ہونے سے جو چیز لازم آ رہی ہے وہ عام ہے اور معترض اور مخالف کا مطلوب خاص ہے اور عام خاص کو مستلزم نہیں ہوتا پس اللہ کے کلام لفظی میں بھی کذب کا امکان ثابت نہیں ہوا۔ وللہ الحمد

اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کے محال ہونے پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مثلاً دس بجے زید قائم یعنی کھڑا ہوا ہے اب اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا ممکن ہے کہ زید قائم ہے اور گیارہ بجے زید قائم نہیں ہے' مثلاً وہ بیٹھ گیا ہے' اب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ زید قائم ہے یا نہیں' اگر اب اس کے لیے یہ کہنا ممکن ہے تو یہ کذب ہے' سو اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہو گیا اور اگر اب اس کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ زید قائم ہے تو جو چیز پہلے ممکن تھی وہ اب محال ہو گئی' حالانکہ جو چیز ممکن ہو وہ ہمیشہ ممکن رہتی ہے کبھی محال نہیں ہوتی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ گیارہ بجے جب زید قائم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جب زید قائم کہے گا تو کسی محکی عنہ سے

مطابقت کا قصد کرے گا دس بجے والے محکی عنہ سے جب زید قائم تھا یا گیارہ بجے والے محکی عنہ سے جب زید قائم نہیں ہے' اگر وہ دس بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کر کے کہتا ہے تو یہ کہنا ممکن ہے اور یہ کلام واقع کے مطابق ہے اور صادق ہے' اور اگر گیارہ بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کرے تو یہ کلام کاذب ہے اور محال ہے' اور یہ کہنا درست نہیں کہ جو پہلے ممکن تھا وہ اب محال ہو گیا' کیونکہ پہلے دس بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کے قصد سے زید قائم ہے کہنا ممکن تھا اور یہ گیارہ بجے والے محکی عنہ سے مطابقت کے قصد سے کہنا ہے' سو جو کہنا ممکن ہے وہ صادق ہے اور جو کہنا کاذب ہے وہ ممکن نہیں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کسی محکی عنہ سے مطابقت کا قصد نہیں کرتا تو پھر یہ کلام صادق ہو گا نہ کاذب' کیونکہ صدق اور کذب کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ کسی محکی عنہ سے مطابقت کا قصد کیا جائے۔

جنون کا لغوی اور اصطلاحی معنی

کذب اور افتراء کے بعد اس آیت میں دوسرا اہم لفظ جنون ہے' اس لیے اب ہم جنون کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کر رہے ہیں:

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

انسان کے نفس اور اس کی عقل کے درمیان جو کیفیت حائل ہو جاتی ہے' اس کو جنون کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

جنون کی تعریف ہے عقل کا زائل ہو جانا' یا عقل میں ایسے خلل کا واقع ہو جانا جس کی بناء پر اقوال اور افعال بہت کم عقل کے تقاضے کے مطابق صادر ہوں۔ (دستور العلماء ج ۱ ص ۲۸۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تلویح میں مذکور ہے: اچھے اور برے کاموں میں تمیز کرنے والی قوت اور کسی کام کے نتیجہ کے ادراک کرنے والی قوت میں خلل واقع ہو جانے کو جنون کہتے ہیں' بایں طور کہ عقل کے آثار ظاہر نہ ہوں اور اس کے افعال معطل ہو جائیں اس کا سبب یا تو قدرتی طور پر اس کے دماغ میں نقصان اور کمی ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے اس کا دماغ اعتدال پر نہ رہا ہو' یا شیطان کا اس پر غلبہ ہو اور اس نے اس کے ذہن میں ایسے فاسد خیالات ڈال دیئے ہوں جن کی بناء پر وہ بغیر کسی سبب کے ہنستا ہو اور خوش ہوتا ہو یا ڈرتا ہو اور گھبراتا ہو۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۲' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس کے بعد فرمایا: پس کیا انہوں نے ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (پھیلی ہوئی) ہیں' یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے نشانیاں ہیں ○ (سبا: ۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جو ذات آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس پر بھی ضرور قادر ہے کہ ان لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس پر قادر ہے کہ بہت جلد ان کے اوپر عذاب لے آئے' کیونکہ تمام آسمان اور زمینیں اس کی ملکیت میں ہیں اور وہ کفار کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں تو ان کو اس بات کا ڈر اور خوف کیوں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے جس طرح قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا' یا اللہ تعالیٰ ان کے اوپر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔ اور ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اس کے لیے اس میں اللہ کی

قدرت پر بہت دلائل ہیں۔

اس آیت میں آسمان کے ٹکڑے گرانے کا ذکر ہے‘ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان ٹھوس جسم ہے‘ اس کے ٹکڑے گرائے جا سکتے ہیں‘ اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ آسمان ہوائے کثیف کے کسی طبقہ یا محض حد نگاہ کا نام ہے یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ

اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا‘ اے پہاڑو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو (تم بھی)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَ

اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب اندازے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور

اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ

تم نیک عمل کرتے رہو‘ بے شک میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا‘ اس کی

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ

صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی اور شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی‘ اور ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ

دیا اور ہم نے بعض جنات ان کے تابع کر دیئے تھے وہ اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے (اور ہم نے فرما دیا

عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ

تھا کہ) اور جو ان میں سے ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O سلیمان جو

مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ

کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے‘ قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب‘ اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں‘

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝۱۳

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو‘ اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ

پس جب ہم نے ان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے (دیمک)

الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ

نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تو تب جنات پر یہ بات

لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے ۝

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ

بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ

اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' (سبا) پاکیزہ شہر ہے اور رب

غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ

بہت بخشنے والا ہے ۝ پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا' پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے

بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بد ذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے

قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

بہت کم درخت تھے ۝ یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں ۝

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً

اور ہم نے ان لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنا دیں'

وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں' تم اس میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو ۝

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ

پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو

اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

داستانیں بنا دیا اور ہم نے ان کے مکمل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ

اور نہایت شکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور بے شک ابلیس نے ان کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا تو

اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

مومنوں کی ایک جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی کی O اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَ

نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور

رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع

ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں' اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے O

ع ۱۲ ۸ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا' اے پہاڑو تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو (تم بھی) اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا O کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب اندازے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور تم نیک عمل کرتے رہو میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O (سبا ۱۱۔۱۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل

کفار مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایک نئی اور انوکھی چیز سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں پہلی بار نبی بن کر نہیں آئے ہیں' ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ دنیا میں نبیوں اور رسولوں کو معجزات اور دلائل کے ساتھ بھیجتا رہا ہے' سو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ فضل کے معنی زیادتی ہیں' سو اس آیت کا خلاصہ ہے ہم نے حضرت داؤد کو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت زیادہ معجزات اور کمالات عطا فرمائے ہیں خواہ وہ بنو اسرائیل کے انبیاء ہوں یا دوسری امتوں کے' اور حضرت داؤد علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ فضائل عطا فرمائے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ سب رسول' ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل فضائل دوسرے نبیوں کی بہ نسبت زیادہ عطا فرمائے:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا بے شک ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں پر فضیلت عطا

دَاوٗدَ زَبُوْرًا . (بنی اسرائیل:۵۵) فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وافر علم عطا فرمایا' جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۔ (النمل:۱۵) بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو وافر علم عطا فرمایا۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی قوت عطا فرمائی:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (ص:۱۷) اور آپ ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بہت قوت والے تھے' بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔

(۴) پہاڑوں کو اور پرندوں کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا:

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۔ (سبا:۱۰) اے پہاڑو تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو اور اے پرندو۔

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلافت عطا فرمائی:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ۔ (ص:۲۶) اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا روئی کی طرح نرم کر دیا تھا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۔ (سبا:۱۰) اور ہم نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت خوب صورت اور روشن آنکھوں والا بنایا اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا' اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی' پھر وہ سب روحیں حضرت آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی' پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے' کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا اے میرے رب! میری عمر سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ الحدیث

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۰۸۷' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۶۱۴)

(۸) حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت شیریں اور سریلی آواز والا بنایا تھا' ان کی آواز کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابو موسیٰ تم کو آل داؤد کی مزامیر (بانسریوں) میں سے ایک مزمار (بانسری) دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۹۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۸۳)

مزمار کا معنی خوش آوازی ہے اور قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کو بہ کثرت علماء نے مستحسن قرار دیا ہے۔

اوّبی کا معنی

اس آیت میں اوّبی کا لفظ ہے' اوب کا معنی رجوع کرنا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے انه اواب (ص:۱۷) وہ

بہت رجوع کرنے والے ہیں اور یہاں اوّبی کا معنی ہے تم تسبیح کرو' کیونکہ تسبیح کرنے والا بھی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے' اس آیت میں پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ساتھ اوب کریں' اور چونکہ ایک اور آیت میں ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اس لیے یہاں بھی اوب کا معنی تسبیح کرنا ہے' اور وہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ. (ص:۱۸) بے شک ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ صبح اور شام کو تسبیح کریں۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت ابن عباس' عبد الرحمان' اور ابو میسرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ اوّبی کا معنی ہے تم تسبیح کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۸۸۸ ج ۶ ص ۳۴۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب آپ اللہ کی تسبیح کرتے تو پہاڑ اور پرندے سب مل کر آپ کے ساتھ تسبیح کرتے' اس چیز کو اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد کے اوپر اپنا فضل فرما رہا ہے' اس تسبیح سے مراد وہ عام تسبیح نہیں ہے جو ہر چیز اپنی زبان حال و قال سے کرتی ہے اور نہ اس سے صدائے بازگشت مراد ہے' ورنہ اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت سے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا آہن گر ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا لوہا ان کے سامنے موم کی طرح ہو جاتا تھا' حسن نے کہا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر نرم کر کے اس سے زرہ بنا لیتے تھے' مقاتل نے کہا وہ دن کے ایک حصہ یا رات کے ایک حصہ میں زرہ بنا لیتے تھے۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت داؤد علیہ السلام بنو اسرائیل کے ملک کے بادشاہ بنا دیئے گئے تو ایک فرشتہ ان کو انسان کے بھیس میں ملا' ادھر حضرت داؤد بھی رات کو بھیس بدل کر بنی اسرائیل سے اپنی ذات اور اپنی سیرت کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے' حضرت داؤد نے اس فرشتہ سے پوچھا جو انسان کے پیکر میں تھا کہ داؤد بادشاہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس فرشتے نے کہا' اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی تو وہ اچھا آدمی تھا' حضرت داؤد نے پوچھا وہ کون سے خصلت ہے؟ اس فرشتے نے کہا وہ بیت المال سے رزق کھاتا ہے' اگر وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزق کھاتا تو اس کے فضائل مکمل ہو جاتے' پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی صنعت سکھا دے اور اس کو ان کے لیے آسان کر دے' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ. (الانبیاء: ۸۰) اور ہم نے ان کو تمہارے لیے ایسا لباس بنانے کی کاریگری سکھائی جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تو وہ ایک دن میں ایک زرہ بنا لیتے تھے جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کے پاس بہت زیادہ مال جمع ہو گیا اور ان کی معیشت بہت وسیع ہو گئی' وہ اس مال کو فقراء اور مساکین پر صدقہ کرتے تھے اور اس میں سے ایک تہائی مال لوگوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۹ ص ۶۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس روایت کو امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ص ۴۷۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۴۱' تفسیر ابن کثیر ج ۳ص ۵۷۸ھ)

جائز پیشوں کی فضیلت اور بعض پیشوں کو برا جاننے کی مذمت

اس آیت میں صنعت اور پیشوں کے سیکھنے اور رزق حلال حاصل کرنے کی فضیلت ہے' اور کسی صنعت و حرفت کے سیکھنے سے کسی شخص کی عزت کم نہیں ہوتی' بلکہ اس سے اس کی عزت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے' کیونکہ اس سے اس شخص میں تواضع اور انکسار پیدا ہوتا ہے' اور دوسروں سے استغناء ہوتا ہے اور جس کسب حلال میں دوسروں کا احسان نہ ہو اس میں انسان کی خودداری قائم رہتی ہے اور اس کی انا کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ہمارے زمانہ میں بعض پیشوں کو نیچ اور حقیر سمجھا جاتا ہے' مثلاً جوتی مرمت کرنے والے کو حقارت سے موچی کہتے ہیں حالانکہ مشہور فقیہ احمد بن عمر خصاف متوفی ۲۶۱ھ جوتی مرمت کرتے تھے خصاف مشہور تھے خصاف کا معنی ہے موچی' اور احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ چونے کا کام کرتے تھے' جصاص سفیدی کرنے والے کو کہتے ہیں' امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ ہنڈیا بناتے تھے' قدوری کمہار کو کہتے ہیں' امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کپڑا بنتے تھے' غزال جلاہے کو کہتے ہیں' امام محمود بن احمد الحصیری التوفی ۶۳۷ھ چٹائیاں بناتے تھے' امام ابوبکر بن علی بن محمد الحداد التوفی ۸۰۰ھ لوہار تھے' ہمارے زمانہ میں ان تمام پیشوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اسلام کے زرین دور میں یہ علماء اور ائمہ وفقہاء فخر کے ساتھ اپنے آپ کو ان پیشوں کی طرف منسوب کرتے تھے' آج کل کسی بینک کے صدر کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کو رشتہ دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مبغوض ہے کیونکہ وہ سود کی شکل میں حرام کھاتا ہے' اور سڑک پر جوتی مرمت کرنے والے موچی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس کو رشتہ دینے میں عار سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ معزز ہے اور رزق حلال کھاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بھی لوہار تھے اور اپنی محنت کی کمائی سے کھاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی سے کمائی کھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۵' تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۴۱۴۳' ج ۱۹ص ۶۵)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا' اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۳۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۳۲۲' عالم الکتب بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا۔ (سبا: ۱۰) اور بے شک ہم نے داؤد پر اپنا فضل کیا تھا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (النساء: ۱۱۳) اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا بہت عظیم معجزہ ہے لیکن لوہا اسباب سے نرم ہو جاتا ہے' اور پتھر کسی سبب سے نرم نہیں ہوتا اس کی خلقت میں سختی ہے اس لیے جس شخص کا دل سخت ہو اور اس میں کسی کی محبت نہ ہو اس کو سنگ دل کہتے ہیں' مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ نے احد پہاڑ میں اپنی محبت پیدا کر دی اور جس کی حقیقت میں

نرمی اور محبت نہیں ہے اس میں اپنی محبت پیدا کر دی آپ کا ارشاد ہے:

ھذا جبل یحبنا و نحبہ.

یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۸۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۷۹)

زرہ بنانے میں مناسب مقدار کے محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ مکمل زرہیں بنائیں اور مناسب اندازے سے ان کی کڑیاں جوڑیں اور تم نیک عمل کرتے رہو بے شک میں تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہوں O (سبا: ۱۱)

سابغات کا معنی ہے: مکمل اور تمام و کمال کو پہنچی ہوئی زرہیں۔

سَرْد کا معنی ہے: کسی کام کا لگاتار ہونا اور سَرْد کا معنی زرہ کی کڑیاں جوڑنا۔

اس آیت میں فرمایا ہے مناسب انداز سے اس کی کڑیاں جوڑیں' آیت کے اس حصہ کے حسب ذیل محامل ہیں۔

(۱) قتادہ نے کہا اس سے پہلے زرہ صرف پتروں کی شکل میں ہوتی تھی اور وزنی اور بوجھل ہو جاتی تھی اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ مناسب مقدار میں زرہ بنائیں جو بوجھل ہو اور نہ بہت ہلکی ہو۔

(۲) ابن زید نے کہا آپ زرہ کے حلقے مناسب مقدار میں بنائیں' وہ حلقے نہ بہت تنگ ہوں کہ زرہ سے دفاع نہ ہو سکے اور نہ بہت کھلے کھلے ہوں کہ پہننے والے کو مشکل ہو۔

(۳) حضرت ابن عباس نے فرمایا مناسب مقدار کا تعلق کیلوں کے ساتھ ہے یعنی وہ کیلیں نہ بہت پتلی ہوں کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ بہت موٹی ہوں کہ ان سے حلقہ ٹوٹ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی صبح کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور شام کی رفتار ایک ماہ کی مسافت تھی' اور ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا' اور ہم نے بعض جنات ان کے تابع کر دیئے تھے' وہ اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے (اور ہم نے فرما دیا تھا کہ) اور جو ان میں سے ہمارے حکم کی نافرمانی کرے گا' ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھائیں گے O سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے تھے' قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر ٹب اور چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں' اے آل داؤد! تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو' اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں O پس جب ہم نے ان کے اوپر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے دیمک نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنات پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے O (سبا: ۱۴-۱۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خصوصی فضائل

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دی ہوئی فضیلتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اب جو آیات آ رہی ہیں ان میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی ہوئی فضیلتوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس کا ربط پہلی آیتوں سے اس طرح ہے کہ بیٹے کے فضائل بھی دراصل اس کے باپ کے فضائل ہی ہوتے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر بیٹھتے تھے تو ان کے اردگرد چار سو کرسیاں ہوتی تھیں' جن پر آگے معزز انسان بیٹھتے تھے اور ان کے پیچھے عام انسان بیٹھتے تھے' اور ان کے بعد

جنات میں سے سردار بیٹھتے تھے' پھر ان کے بعد عام جن بیٹھتے تھے اور ہر کرسی کے اوپر ایک پرندہ ہوتا تھا جس کے سپرد کوئی ڈیوٹی ہوتی تھی' پھر ہوا اس تخت کو اٹھا لیتی تھی اور پرندے ان پر سایا کرتے تھے' صبح کو وہ بیت المقدس سے اصطخر (شیراز سے بارہ فرسخ دور ایک اہم شہر) کی طرف جاتے تھے' ابن زید نے کہا وہ شام سے عراق کی طرف جاتے تھے' اور بھی روایات ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز [illegible] دار الفکر' ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے تابع کر دیا تھا وہ ایک ماہ کی مسافت صبح کی سیر میں اور ایک ماہ کی مسافت شام کی سیر میں طے کر لیتی تھی' وہ دمشق سے حضرت سلیمان کے تخت کو مع ساز و سامان اڑاتی اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیتی' اسی طرح شام کو دمشق سے کابل پہنچا دیتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تانبے کو پانی بنا کر اس کے چشمے رواں کر دیئے تھے کہ اس سے وہ جو چیز بنانا چاہیں آسانی سے بنالیں' جنات کو حضرت سلیمان کا ماتحت کر دیا تھا وہ ان سے جس طرح چاہتے تھے کام لیتے تھے اور جو جن ان کے کام سے جی چراتا فوراً آگ میں جھلسا دیا جاتا۔ امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ان جنات کی ہے جن کے پر ہوتے ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں' دوسری قسم وہ ہے جس میں سانپ اور کتے ہوتے ہیں' جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور سفر کرتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب حدیث ہے (مطبوعہ تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ روایت نہیں ہے) ابن انعم نے تیسری قسم میں ان جنات کا ذکر کیا ہے جن کو ثواب اور عذاب ہوتا ہے' بکر نے بیان کیا ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کی سائے میں ہوگی' دوسری قسم جانوروں سے زیادہ گم راہ ہے تیسری قسم ہے وہ ہے جو انسانوں کی شکلوں میں ہیں اور ان کے دل شیاطین کی طرح ہیں' حسن بصری نے کہا جنات ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں ان دونوں قسموں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی اور عذاب اور ثواب میں شریک ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے تھے ہوا ان کو وہاں لے جاتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو دیکھنا چاہتے تھے وہ چیز خود آپ کے سامنے آجاتی تھی جیسا کہ جب مشرکین نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے متعلق سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے بیت المقدس رکھ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳)

محراب کے داخل مسجد ہونے کی تحقیق

اس آیت میں ذکر ہے کہ وہ محاریب اور تماثیل بناتے تھے' محاریب سے مراد ہے بلند اور حسین عمارت' قتادہ نے کہا اس سے مراد محلات اور مساجد ہیں ابن زید نے کہا اس سے مراد گھر ہیں۔

مسجد کی محراب کے متعلق یہ بحث کی جاتی ہے کہ یہ مسجد میں داخل ہے یا مسجد سے خارج ہے اس میں تحقیق یہ ہے کہ مسجد بنانے والا مسجد بناتے وقت جس جگہ کو مسجد میں داخل رکھے گا وہ مسجد میں داخل ہوگی اور جس جگہ کو مسجد سے خارج رکھے گا وہ مسجد سے خارج ہوگی' اور جب مسجد بنائی جاتی ہے تو تعمیر کرنے والے یہ قصد نہیں کرتے کہ محراب کو مسجد سے خارج رکھا جائے گا' بلکہ مسجد کی محراب اسلامی طرز تعمیر کا شعار اور اس کی خصوصیت ہے۔ البتہ امام کو نماز میں پیر محراب سے خارج رکھنے چاہئیں تاکہ عبادت میں امام کی مخصوص جگہ کا وہم نہ ہو اور نصاریٰ کے ساتھ تشبہ نہ ہو' محراب اس لیے بنائی جاتی ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو سکے پس حقیقی محراب مسجد کا وسط ہے اور یہ مخصوص ساخت عرفی محراب ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام اور مقتدی میں مکان (جگہ) کا اختلاف نماز کے جواز سے مانع ہے اور اگر جگہ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ کراہت کا موجب ہے اس لیے اگر امام محراب میں کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے ہر چند کہ عادت مستمرہ (دائمہ) یہ ہے کہ محراب مسجد میں داخل ہے لیکن اس کی مخصوص ہیئت اور صورت جگہ میں اختلاف کے شبہ کی موجب ہے اس لیے اگر امام کے پیر محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے اور اگر پیر محراب سے باہر ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کی دائمی عادت یہ ہے کہ محراب مسجد میں داخل ہوتی ہے تاہم اگر امام کے پیر محراب میں داخل ہوں تو اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام کی الگ اور ممتاز جگہ ہے اور یہ اہل کتاب کے طریقہ کے مشابہ ہے اس لیے امام کے پیر محراب سے باہر ہونے چاہئیں اور اگر اس کے پیر محراب میں ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

ابن الانباری کہتے ہیں کہ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں امام اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۲۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت) علامہ ابن منظور افریقی نے لکھا کہ محاریب سے مراد جائے صدور ہے اسی سے محراب مسجد ہے اسی سے یمن میں غمدان کے محراب اور محراب قبلہ ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۳۰۵ دار صادر بیروت)

خلاصۃ الوفاء کے باب چہارم کی آٹھویں فصل میں فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو مسجد میں کنگرے اور محراب نہ تھے سب سے پہلے محراب اور کنگرے بنانے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اسی کی دوسری فصل میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین کے دور میں محراب نہ تھا امارت ولید بن عبد الملک میں عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت) حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے ایک کنارے کھڑے ہوتے تھے اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۱ مصر)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلو میں قیام فرماتے تھے کیونکہ اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۸۰ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

(فتاویٰ رضویہ طبع جدید ج ۷ ص ۳۴۷-۳۴۵ ملخصاً رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۴۱۵ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

مسجد کا محراب بھی اس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے یہ امام ابو حنیفہ سے ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ محراب مجالس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح مساجد کے محراب ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۰۵ ملخصاً)

محراب طاق وغیرہ کی صورت کا نام نہیں بلکہ ۸۸ھ سے پہلے مساجد قدیمہ میں اس کا وجود نہ ہوتا تھا سب سے افضل مسجد حرام اس سے اب تک خالی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات خلفاء راشدین امیر معاویہ اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کے دور میں مسجد نبوی میں صورت محراب نہ تھی بلکہ ولید بن عبد الملک مروانی نے اپنے دور امارت میں محراب بنایا اور یہ تسلیم ہے کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پر علامت کے طور پر محراب کا ہونا بہتر ہے خصوصاً بڑی مساجد میں تاکہ ہر دفعہ غور و فکر نہ کرنا پڑے اور رات کو بغیر روشنی کے امام کو پایا جا سکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی وجہ سے مقتدیوں کو وسعت بھی مل

جاتی ہے تو جب محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کا رواج ہو گیا اور تمام بلاد اسلامیہ میں یہ معروف ہوا۔
(فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۳۴۵-۳۴۴ ملخصاً 'رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۵ھ)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:
علامہ شامی لکھتے ہیں: محراب کا مقصد یہ ہے کہ وہ قیام امام کی علامت ہو' تا کہ اس کا قیام صف کے درمیان ہو' یہ مقصد نہیں کہ امام محراب کے اندر کھڑا ہو محراب اگرچہ مسجد کا حصہ ہے لیکن ایک دوسرے مقام کے مشابہ ہے لہٰذا اس کے اندر کھڑے ہونے سے کراہت ہوگی۔ (فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۳۵۰' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۱۵ھ)
مفتی وقار الدین متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: محراب مسجد میں داخل ہے۔
(وقار الفتاوی ج ۲ ص ۲۵۶' بزم وقار الدین کراچی' ۱۴۱۹ھ)

محراب کے بدعت ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس جگہ لکھا ہے: اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں' ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۶۸) میں کہتا ہوں کہ اس قاعدہ کا اطلاق ان تمام امور پر کرنا چاہیے جن میں مکتب فکر بریلی اور مکتب فکر دیو بند کا اختلاف ہے' مثلاً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس پر انگوٹھے چومنا' اذان سے قبل یا بعد فصل کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا' محفل میلاد منعقد کرنا' وغیرہا' علماء اہل سنت ان امور کو جائز اور مستحب ہی کہتے ہیں' سنت مقصودہ یا سنت لازمہ نہیں کہتے' لہٰذا اس مذکورہ قاعدہ کے مطابق علماء دیو بند کو ان امور کے ارتکاب پر بدعت کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

تصویروں کا شرعی حکم

تماثیل کا معنی ہے' صورتیں اور مجسمے' مجاہد نے کہا یہ پیتل کے مجسمے تھے' ضحاک نے کہا یہ مٹی اور شیشے کے مجسمے تھے' اسلام میں مجسموں کا بنانا اور ان کو رکھنا جائز نہیں ہے' صرف چھوٹی بچیوں کے لیے گڑیاں کھیلنے کا جواز ہے' اور تصاویر کا بنانا بھی جائز نہیں ہے خواہ وہ تصاویر ہاتھ سے پینٹنگ کے ذریعہ بنائی جائیں یا کیمرے کا فوٹو گراف ہو یا وڈیو کیمرے کی تصاویر ہوں یا سینما کی تصویر ہوں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیمرے کی تصاویر بھی آئینہ کے عکس کی طرح ہیں اس لیے ان کو بھی جائز ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ آئینہ میں عکس ناپائیدار ہوتا ہے جب کہ کیمرے کے ذریعہ اس تصویر کو اپنے اختیار سے قائم اور پائیدار کر لیا جاتا ہے لہٰذا کیمرے کے فوٹو گراف کو آئینہ کے عکس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم نے تبیان القرآن کی آٹھویں جلد میں النمل: ۶۰ کی تفسیر میں ذکر کی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

جفان' الجواب' قدور اور راسیات کے معانی

اس کے بعد اس آیت میں جفان' الجواب' قدور اور راسیات کے الفاظ ہیں:
جفان: جفنۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ناند' لگن یا ٹب ہے' یہ ٹب اس لیے بنوائے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج تھی اس کو کھانا کھلانے کے لیے اس میں کھانا ڈال کر ان کو پیش کیا جائے۔
الجواب جابیۃ کی جمع ہے اس کا معنی بہت بڑا حوض یا تالاب ہے' یہاں مراد یہ ہے کہ وہ ٹب بہت بڑے حوض کی مانند

تھے۔
قدور: قدر کی جمع ہے اس کا معنی ہے ہانڈی یا دیگ۔
راسیات: یہ راسیۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ چیز جو کسی چیز پر قائم ہو اور اس پر رکھی ہوئی ہو یہاں مراد یہ ہے کہ وہ دیگیں چولہوں پر جمی ہوئیں تھیں۔
اس کے بعد فرمایا: اے آل داؤد تم شکر ادا کرنے کے لیے نیک کام کرو اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

آل داؤد کو شکر کرنے کا حکم

شکر کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور چالیس احادیث ہم تفصیل سے ابراہیم: ۷ میں بیان کر چکے ہیں۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے' آپ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا: جس شخص کو تین نعمتیں دی گئیں اس کو آل داؤد کی مثل نعمتیں دی گئیں' ہم نے پوچھا وہ کون سی نعمتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا رضا اور غضب کی حالت میں عدل کرنا' اور فقر اور غنا میں درمیانہ روی قائم رکھنا' اور تنہائی اور مجلس میں اللہ سے ڈرنا۔ (نوادر الاصول ج ۲ ص ۷' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ)

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میں تیری نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی طاقت کس طرح رکھ سکتا ہوں! کیونکہ شکر ادا کرنے کا باعث دل میں ڈالنا اور تیرے شکر ادا کرنے کی قدرت بھی تیری دی ہوئی نعمت ہے' فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا۔

نعمت کا اعتراف کرنا اور اس نعمت کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا شکر کی حقیقت ہے اور نعمت کا انکار کرنا اور اس نعمت کو اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا کفران نعمت اور شکر کی ضد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے' حضرت عائشہ نے آپ سے کہا آپ اس قدر مشقت اٹھا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دیئے ہیں' آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۲۰)

ظاہر قرآن اور سنت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان نیک عمل اور عبادت کر کے شکر ادا کرے اور صرف زبان سے نعمت کا شکر ادا نہ کرے' تاہم زبان سے نعمت کا اعتراف کرنا زبان کا عمل ہے لیکن صرف اس پر اقتصار نہ کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا طاری ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جب ہم نے ان کے اوپر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر صرف گھن کے کیڑے (دیمک) نے مطلع کیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا' پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنات پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔ (سبا: ۱۴)

''منساۃ'' کا معنی ہے عصا اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔
علامہ ابو اسحاق ثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' علامہ ابو عبد اللہ قرطبی المتوفی ۶۶۸ھ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا بیان ہے اور یہ بھی بتایا کہ جو جنات حضرت سلیمان کے حکم سے کام

کرتے تھے ان پر آپ کی موت ایک سال تک مخفی رہی اس سے ان جنات کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان کو غیب کا علم نہیں ہے اور لوگوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا ورنہ وہ ایک سال تک کام کرنے کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگا ہوا دیکھتے' آپ اس سے پوچھتے تیرا نام کیا ہے وہ اپنا نام بتاتا' پھر آپ اس سے پوچھتے تم کس مقصد کے لیے ہو اگر تم اگانے کے لیے ہو تو میں تمہیں اگاؤں اور اگر تم دواء کے لیے ہو تو میں لکھ لوں' ایک درخت نے آپ کے سوال پر کہا میں اس گھر کو ویران اور کھنڈر بنانے کے لیے ہوں' حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! جنات کو میری موت سے ناواقف رکھ' حتیٰ کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا' پھر آپ عصا کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اسی حال میں آپ پر موت آ گئی' اور ایک سال تک اسی حال میں بے جان عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اسی طرح کام میں مشغول رہے' ادھر دیمک اس عصا کو کھاتا رہا' اور انسانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک کام کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۲۱۹۷۶)

اہل تاریخ نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ترپن سال تھی اور ان کی حکومت کی مدت چالیس سال تھی اور جس وقت وہ تخت سلطنت پر بیٹھے تو ان کی عمر تیرہ سال تھی' اور اپنی وفات سے چار سال پہلے انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تھی۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۸۱۔ ۷۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۵۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بیت المقدس بنالیا تو انہوں نے اللہ عزوجل سے تین چیزوں کا سوال کیا' انہوں نے اللہ عزوجل سے ایک سوال یہ کیا کہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہو' سو ان کا یہ سوال پورا کر دیا گیا' انہوں نے اللہ عزوجل سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اللہ ان کو ایسا ملک عطا فرمائے جو ان کے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو' ان کا یہ سوال بھی پورا کر دیا گیا' اور جب وہ مسجد بنانے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اللہ عزوجل سے تیسرا سوال یہ کیا کہ جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز پڑھنے کے لیے آئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے جس طرح جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث:۶۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۰۸)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اور وفات کے بعد ان کا قبروں سے نکلنا

حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے اور اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی گئی اور ایک سال تک جن اور انسان یہی گمان کرتے رہے کہ آپ زندہ ہیں' آپ کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور نہ چہرے کی آب و تاب اور رعب و جلال میں کوئی فرق آیا' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور موت سے ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور ان کی حیات اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا' باقی رہا یہ کہ وہ عصا کے سہارے کھڑے تھے اور جب دیمک نے ان کے عصا کو کھا لیا تو وہ زمین پر آ رہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجہیز و تکفین کرانی تھی اور ان کی تدفین کرانی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ امور کیسے واقع ہوتے' انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے نکل کر زمین و آسمان کی اطراف میں آتے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزرے تو آپ نے فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی ثنیہ (گھاٹی) سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ (اللھم لبیک) پڑھ رہے تھے پھر آپ ایک گھاٹی ھرشیٰ پر آئے' آپ نے پوچھا یہ کون سی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ھرشیٰ گھاٹی ہے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک طاقت ور سرخ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کعبہ کے پاس گندمی رنگ کا ایک شخص دیکھا جس کے بال سیدھے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے دو آمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ عیسیٰ بن مریم یا مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ الحدیث

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱' الرقم المسلسل: ۴۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' سبا پاکیزہ شہر ہے اور رب بہت بخشنے والا ہے O پھر انہوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بد ذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے بہت کم درخت تھے O یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں O (سبا: ۱۷۔۱۵)

قوم سبا کی خوش حالی اور بدحالی

سبا یمن کا ایک علاقہ ہے' جو صنعاء اور حضرموت کے درمیان ہے' اس کا مرکزی شہر مآرب تھا' اس علاقے کو سبا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی ایک شاخ آباد تھی۔

قوم سبا یمن میں رہتی تھی' قوم تبع بھی ان ہی میں سے تھی' بلقیس بھی یہیں کی رہنے والی تھیں' یہاں کے لوگ بہت نعمتوں اور راحتوں میں تھے' اللہ کے رسول ان کے پاس آئے اور ان کو شکر کرنے کی تلقین کی اور ان کو یہ دعوت دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانیں' اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقے بتائے' جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ اسی طرح رہتے رہے' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر بہت تند و تیز سیلاب آیا جس سے تمام باغات' کھیت اور ملک برباد ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سبا کوئی مرد ہے یا کوئی عورت ہے یا کسی ملک کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا سبا ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے' ان میں سے چھ یمن میں چلے گئے تھے اور چار شام میں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۶ طبع قدیم' حافظ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۹۰۰' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

امام احمد نے متعدد اسانید کے ساتھ اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔

ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے' اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے' قدیم بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوا دیا تھا' دریا کی دونوں جانب باغ اور کھیت اگا دیئے گئے تھے' پانی کی کثرت اور زرخیز زمین ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہت سرسبز رہا

کرتا تھا' قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے سر پر ٹوکرا رکھ کر نکلتی تو کچھ دور جانے کے بعد وہ ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا' درختوں سے اتنا زیادہ پھل گرتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی' مآرب میں ایک دیوار تھی جو صنعاء سے تین منزل پر تھی اور سد مآرب کے نام سے مشہور تھی' وہاں زہریلے جانور اور مکھی اور مچھر بھی نہیں ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ کی یہ تمام نعمتیں اس لیے تھیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے پر برقرار رہیں اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کریں یہ اس نشانی کی تفصیل ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: بے شک اہل سبا کے لیے ان کی بستیوں میں ہی نشانی تھی' دو باغ دائیں اور بائیں جانب تھے' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو' لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا' اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔

روایت ہے کہ ان کے پاس بارہ یا تیرہ رسول آئے تھے' آخر کار ان کے کفر اور ان کی سرکشی کا وبال ان پر آیا' انہوں نے دریا پر جو بند باندھ رکھا تھا وہ ٹوٹ گیا اور دریا چشموں اور بارش کے نالوں کا تمام پانی ان کے باغات اور کھیتوں کو بہا کر لے گیا' اس کے بعد اس زمین میں کوئی پھل دار درخت اگ نہ سکا' پیلو کے جھاڑ' کیکر کے درخت اور اسی طرح کے بے میوہ' بے مزہ اور بدذائقہ درخت اگتے تھے البتہ کچھ بیری کے درخت اگ آئے تھے جو ان درختوں کی بہ نسبت کارآمد تھے' یہ ان کے کفر' شرک' سرکشی اور تکبر کی سزا تھی اور کافروں کو اسی طرح کی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸۴۔۵۸۲ ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت دی تھی کئی نمایاں بستیاں بنا دیں' اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں' تم ان میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو O پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو داستانیں بنا دیا اور ہم نے ان کے مکمل ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں اور نہایت شکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (سبا: ۱۹۔۱۸)

اہل سبا کی ناشکری اور اس کا انجام

اس سے پہلے کی آیتوں میں اہل سبا کی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا کہ ان کو سرسبز باغات اور لہلہاتے ہوئے کھیت عطا فرمائے تھے اور اس قوم کے لیے کھانے پینے کی فراوانی تھی' ان آیتوں میں ان کو دی ہوئی ایک اور نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی بستیاں اور آبادیاں قریب قریب تھیں' کسی مسافر کو اپنے سفر کے لیے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی' اس کی ہر منزل پر کوئی نہ کوئی آبادی اور بستی ہوتی تھی وہاں اس کو تازہ پھل اور میٹھا پانی مل جاتا تھا۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ یہ بستیاں یمن اور شام کے درمیان تھیں اور جن بستیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو برکت دی تھی وہ بستیاں شام' اردن اور فلسطین کی بستیاں تھیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں اور ان بستیوں کے درختوں' کھیتوں اور غلے اور پھلوں میں برکت دی گئی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد یہ ہو کہ ان بستیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی' وہ بستیاں نمایاں تھیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بستیاں راستے سے متصل تھیں' وہ صبح کو ایک بستی میں ہوتے تھے اور شام کو دوسری بستی میں ہوتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ ہر میل کے بعد ایک بستی آ جاتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ پرامن راستے تھے' حسن بصری نے کہا ایک عورت اپنے ساتھ سوت کاتنے کا چرخا لے کر جاتی اور اس کے سر پر ٹوکرا ہوتا تھا اور اس کا ٹوکرا مختلف قسموں کے پھلوں سے بھر جاتا تھا شام اور یمن کے درمیان سفر میں اسی طرح ہوتا تھا۔

اور فرمایا: اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں، یعنی جن بستیوں میں ہم نے برکت دی تھی ان میں ہم نے ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف اور ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف منازل سفر کو مقرر کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ دوپہر کے وقت ایک بستی میں آرام کرتے اور شام کے وقت دوسری بستی میں نیند کرتے تھے اور انسان بغیر آرام اور کھانے پینے کے لمبا سفر اس لیے کرتا ہے کہ اس کو دوران سفر کھانے پینے کی چیزیں میسر نہیں ہوتیں اور سفر پر خطر ہوتا ہے اور جب اس کو کھانے پینے کی چیزیں میسر ہوں اور راستہ پرامن ہو تو وہ مشقت نہیں اٹھاتا اور جہاں چاہتا ہے راستہ میں قیام کر لیتا ہے' اس لیے فرمایا تم ان میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو۔

اس کے بعد فرمایا: پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اترانے اور اکڑنے لگے اور اس امن اور عافیت پر انہوں نے قناعت نہیں کی' تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ ان کی منازل سفر دور دور ہو جائیں اور انہیں سفر کرنے میں مشقت اٹھانے کا مزا بھی آئے' جیسے اللہ نے میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر جنت کے کھانوں میں سے من اور سلویٰ نازل کیا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے زمین میں پیدا ہونے والی سبزیوں کو طلب کیا' اعلیٰ چیزوں کے بدلہ میں ادنیٰ چیزوں کو مانگا تھا اسی طرح ان لوگوں نے آرام اور عافیت کے بدلہ میں تھکاوٹ اور مشقت والے سفر کو طلب کیا اور یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے' اور جب انہوں نے ناشکری کر کے اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کے کفر اور ظلم کی وجہ سے ان کو پارینہ داستانیں بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے حتیٰ کے عرب کے لوگ راتوں کو ان کے قصے اور کہانیاں سناتے تھے اور جو لوگ گناہوں سے رک کر اپنی خواہشوں پر صبر کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرتے ہوں ان کے لیے اس واقعہ میں نشانی اور عبرت ہے۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۸۵ ـ ۸۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۶۲ ملتقطا و محصلا' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ابلیس نے ان کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا تو مومنوں کی ایک جماعت کے سوا سب نے اس کی پیروی کی O اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں' اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے O (سبا: ۲۱ ـ ۲۰)

شیطان کے پیروکاروں کا اس کی پیش گوئی کو سچ کر دکھانا

اس آیت میں ولقد صدق کی قراءت میں اختلاف ہے' عاصم' حمزہ اور کسائی نے صدق کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے' ظنـہ میں نون کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ وہ صدق کا مفعول ہے' اب معنی ہوگا اور بے شک ابلیس نے اہل سبا کے متعلق اپنے گمان کو سچ کر دکھایا اور باقی قراء نے اس کو صدق پڑھا ہے' دال کی تشدید کے بغیر' اور ظنـہ میں نون کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اہل سبا کے متعلق ابلیس کا گمان سچا ہو گیا۔

(اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربعۃ عشر ص ۴۶۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں قراءات معروف اور متقارب المعنی ہیں' کیونکہ بنو آدم میں سے کفار کے متعلق ابلیس کا گمان سچا تھا اور بنو آدم میں سے کافروں نے بھی اس کے گمان کو سچ کر دکھایا' جب اس نے یہ کہا تھا:

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ پھر میں ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے

أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ (الاعراف:۱۷)

سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے ضرور آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔

اور اس نے کہا تھا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ . (النساء:۱۱۹)

اور میں ان کو ضرور بہ ضرور گمراہ کر دوں گا اور میں ضرور بہ ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈال دوں گا۔

اللہ کے دشمن ابلیس نے کسی علم کی بناء پر یہ پیش گوئی نہیں کی تھی' بلکہ یہ اس کا گمان تھا اور اس کے پیروکاروں نے اس کی پیروی کر کے اس کے گمان کو سچا کر دکھایا' ابلیس نے اہل سبا کے متعلق یہ گمان کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کر کے اس کی پیروی کریں گے' سو انہوں نے ابلیس کی پیروی کر کے اس کے گمان کو سچ کر دکھایا' مومنوں کی ایک جماعت کے سوا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت پر ثابت قدم اور برقرار رہے اور انہوں نے ابلیس لعنہ اللہ کی معصیت کی جیسا کہ شیطان نے خود اس کا اعتراف اور اقرار کیا تھا:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۶۲)

ابلیس نے کہا تو دیکھ لے! یہ آدم جس کو تو نے مجھ پر ترجیح اور عزت دی اگر تو نے مجھ کو قیامت تک کی مہلت دی تو میں چند لوگوں کے سوا اس کی تمام اولاد کو اپنا تابع بنالوں گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (الحجر:۴۰۔۳۹)

ابلیس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے' مجھے بھی قسم ہے کہ میں ضرور بہ ضرور ان کے لیے زمین میں گناہوں کو مزین کر دوں گا اور میں ان سب کو ضرور بہ ضرور گمراہ کر دوں گا سوا ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا تھا کہ میرے خاص اور مخلص بندوں پر تیرا داؤ نہیں چل سکے گا۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ (الحجر:۴۲)

بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہوگا سوا گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔

سبا: ۲۱ میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے ربط اور اللہ تعالیٰ کے علم پر اشکال کا جواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا۔ یعنی ابلیس نے ان سے زبردستی کفر صادر نہیں کرایا تھا اس کا کام صرف برے کاموں کو خوش نما بنا کر پیش کرنا اور ان کی طرف رغبت دلانا اور ان کی دعوت دینا تھا' سلطان کا معنی تسلط اور قوت ہے' اور اس کا معنی حجت اور دلیل بھی ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ایسی قوت اور دلیل نہیں دی جس کی بناء پر وہ انسان کے اعضاء پر متصرف ہو کر ان کی مرضی کے خلاف ان سے کوئی کام کرا سکے۔ اس آیت سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ انسان پر جن چڑھ جاتا ہے اور جن اس شخص کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے ہاتھوں اور پیروں پر متصرف ہوتا ہے ہاتھ اور پیر انسان کے ہوتے ہیں اور ان سے جن کے تصرفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں۔ (سبا:۲۱) ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں استثناء منقطع ہے' اور اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: اور ابلیس کو ان پر کوئی غلبہ نہ تھا مگر تا کہ ہم اس شخص کو جان لیں جو آخرت پر ایمان لاتا ہے' اس شخص سے جو آخرت

کے متعلق شک میں ہے' اس آیت پر دو اشکال ہوتے ہیں' ایک یہ کہ اس آیت میں بہ ظاہر مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں ربط نہیں ہے' اس کی توجیہ میں بعض مفسرین نے کہا یہ مستثنیٰ منقطع ہے' دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہ تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون نہیں' ابلیس نے لوگوں کو گم راہ کیا تو اس کو پتا چلا ہم نے اپنے ترجمہ میں ان دونوں اشکالوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے پہلے دیگر تراجم پڑھیں پھر ہمارا ترجمہ پڑھیں۔

شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کرلیں ہم اس کو جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف سے دھوکے میں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

اور شیطان کا ان پر کچھ قابو نہ تھا' مگر اس لیے کہ ہم دکھا دیں کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور ابلیس کا ان لوگوں پر (جو) تسلط (بطور اغوا ہے) بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم کو (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے) معلوم کرنا ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اس لیے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے۔

اور ہمارے شیخ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور شیطان کو ان پر کوئی غلبہ نہ تھا لیکن اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو ممتاز کر دیں جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں ان لوگوں سے جو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور ابلیس کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر (اس کی ترغیب سے لوگوں نے جو کفر کیا) وہ اس لیے تھا کہ ہم آخرت پر ایمان لانے والوں کو ان سے الگ ممیز اور ممتاز کر دیں جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں۔

علامہ قرطبی نے اس اشکال کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں:

(۱) تا کہ ہم جان لیں اس سے مراد علم شہادت ہے جس پر ثواب اور عقاب مرتب ہوتا ہے اور رہا علم غیب تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو معلوم ہے۔

(۲) فراء نے کہا اس کا معنی ہے تا کہ تمہارے نزدیک ہمیں معلوم ہو۔

(۳) شیطان کو ان پر کوئی تسلط نہ تھا لیکن ہم نے شیطان کو ان پر اس لیے مسلط کیا تا کہ ابتلاء مکمل ہو۔

(۴) ہمارے علم ازلی میں شیطان کا ان پر کوئی تسلط نہ تھا مگر یہ اس لیے ہوا تا کہ ہم ظاہر کریں۔
(۵) مگر یہ اس لیے ہوا تا کہ تم کو معلوم ہو جائے۔
(۶) اس میں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے تا کہ اللہ کے رسول کو معلوم ہو جائے یا اللہ کے اولیاء کو معلوم ہو جائے۔
(۷) یہ اس لیے ہوا تا کہ اللہ آخرت پر ایمان لانے والوں کو دوسروں سے ممتاز کر دے۔
نیز فرمایا: اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے اس لیے وہ بندوں کو جزا اور سزا دیتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ

آپ کہیے تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے تھے وہ نہ آسمانوں

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ

میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی

شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ

حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ شفاعت

اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ

کرنے کی اجازت دے گا' حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو (طالبین شفاعت ان

قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ

سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے O آپ کہیے

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ

کہ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے؟ آپ کہیے کہ اللہ! (اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔــلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا

پر ہیں یا کھلی ہوئی گم راہی میں O آپ کہیے اگر (بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا

وَلَا نُسْـَٔــلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا O آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ

حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے O آپ کہیے تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی

بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

جن کو تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز نہیں! بلکہ صرف اللہ ہی ہے بہت غلبہ بہت حکمت والا O اور ہم نے آپ کو

كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

(قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ

وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ O آپ کہیے تمہارے لیے

يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی مؤخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے O

ع ۹ ۳ النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: تم ان کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے تھے وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے O اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہو گی جس کو وہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو وہ (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند بہت بڑا ہے O (سبا: ۲۳-۲۲)

اللہ تعالیٰ کا مستحق عبادت ہونا

یعنی اس سے پہلے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا اور اہل سبا کا قصہ جو بیان فرمایا ہے اس میں میری قدرت کے بعض آثار کا ذکر ہے سوائے محمد! صلی اللہ علیک وسلم آپ ان مشرکین سے کہیے کہ جن چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے کیا تمہارے خود ساختہ معبودوں کو ان چیزوں میں سے کسی چیز پر قدرت ہے۔ اس خطاب میں مشرکین کو زجر و توبیخ اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے کہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی چیز نہ دے تو تمہارے یہ معبود تمہیں وہ چیز دے دیں گے اور اگر اللہ تمہیں کوئی عذاب دے گا تو تمہارے یہ معبود تمہیں اس عذاب سے چھڑا لیں گے سو تمہارا یہ عقیدہ فاسد اور باطل ہے کیونکہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمینوں میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی کسی چیز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اعانت کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ ہی منفرد اور یکتا ہے سو وہی تمام لوگوں کی عبادتوں کا مستحق ہے اور اس کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل اور عبث ہے۔

سبا:۲۳ میں فرشتوں کے دلوں پر جو ہیبت طاری ہونے کا ذکر ہے....... اس کا تعلق آیا دنیا سے ہے یا آخرت سے؟

اس کے بعد فرمایا: اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہوگی جس کو وہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو وہ (طالبین شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابواسحاق الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ' امام ابوالفرج ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کو دنیا کے احوال پر محمول کیا ہے کہ دنیا میں آسمانوں پر جو فرشتے موجود ہیں ان میں سے جب اوپر کے آسمان والے فرشتوں پر وحی نازل ہوتی ہے تو ان سے نیچے کے آسمان پر جو فرشتے ہیں وہ اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہتے ہیں کہ حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند' بہت بڑا ہے' اور انہوں نے حسب ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارتے ہیں اور وہ اس کے قول کی آواز اس طرح سنتے ہیں جیسے کسی صاف پتھر پر زنجیر کو مارا جائے' پھر اللہ تعالیٰ اپنا ارشاد فرشتوں تک پہنچا دیتا ہے' پھر جب فرشتوں کے دلوں سے اللہ کے کلام کی ہیبت اور اس کا خوف دور ہو جاتا ہے تو نیچے والے فرشتے اوپر والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ ان سے کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے' پھر اس کو وہ سنتے ہیں جو سنی ہوئی باتوں کو چراتے ہیں اور سنی ہوئی باتوں کو چرانے والے ایک دوسرے کے اوپر تلے ہیں ایک کے اوپر ایک راوی سفیان نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک رکھ کر دکھایا' پھر ان باتوں کو چرانے والے اپنے نیچے والوں کو وہ باتیں بتاتے ہیں پھر وہ ان کے نیچے والوں کو بتاتے ہیں' پھر وہ کسی ساحر یا کاہن کو وہ باتیں بتا دیتے ہیں اور بعض اوقات انہیں بتانے سے پہلے آگ کا شعلہ ان کو پکڑ لیتا ہے' اور بعض اوقات آگ کے شعلے کے پکڑنے سے پہلے وہ ان کو باتیں پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ ساحر یا کاہن ان سنی ہوئی باتوں کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں' پھر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں دن اس نے اس اس طرح نہیں کہا تھا اور اس نے آسمان سے جو بات چرا کر سنی تھی اس کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۰-۱۰۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۳۵)

ہر چند کہ اکابر مفسرین نے اس آیت کو اس حدیث پر محمول کیا ہے' لیکن اس حدیث میں اس طرح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہے' اس حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ شفاعت کرنے سے انہیں کو فائدہ ہو گا جن کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی' اور اس آیت کا ظاہر محمل یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کے طالبین فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کو طلب کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کا مدعا عرض کریں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان سے ان طالبین شفاعت کے متعلق کلام فرمائے گا تو اس کے کلام کا رعب اور جلال ان کے دلوں پر چھا جائے گا اور وہ گھبرا جائیں گے' اور جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہوگی تو طالبین شفاعت ان سے پوچھیں گے آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا وہ کہیں گے اس نے حق فرمایا ہے اور وہ نہایت بلند اور بہت بڑا ہے۔

اور رہی مذکور الصدر حدیث تو اس کا محمل یہ آیت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ لوگ آپ سے شہاب ثاقب

کے متعلق پوچھتے تھے کہ اس کا کیا سبب ہے تو آپ نے اس کا سبب بیان فرمایا اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ پھینکا گیا جو روشن ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم زمانہ جاہلیت میں اس طرح کی چیزیں دیکھتے تھے تو تم ان کو کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے کہا ہم کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ستارہ نہ کسی کی موت کی بناء پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات کی بناء پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اس کی تسبیح کرتے ہیں' پھر عرش کے قریب جو آسمان ہے اس کے فرشتے اس کی تسبیح کرتے ہیں' پھر وہ تسبیح کرتے ہیں جو اس آسمان کے قریب ہیں حتیٰ کہ وہ تسبیح اس آسمان کے فرشتوں تک پہنچتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین ان سنی ہوئی باتوں کو جھپٹ کر لے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دلوں میں ان باتوں کو ڈال دیتے ہیں' پھر وہ ان سنی ہوئی باتوں کے مطابق جو بات کہتے ہیں وہ سچی نکلتی ہے' لیکن وہ ان سنی ہوئی باتوں میں تحریف اور زیادتی کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۳۸)

کفار کے لیے شفاعت نہ ہونے کی دلیل

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار کے معبود اللہ تعالیٰ کے حضور کفار کی شفاعت نہیں کر سکیں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اس دلیل سے بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کو بھی شفاعت سے جب نفع حاصل ہو گا جب اللہ تعالیٰ اس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دے گا' اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام شفاعت کریں گے اور یہ ظاہر ہے کہ ان کو کفار کے لیے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ (النباء: ۳۸)

جس دن جبریل اور سب فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور صرف وہی شخص کلام کر سکے گا جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہو گی اور اس نے صحیح بات کہی ہو گی۔

اور کفار کے لیے شفاعت کرنا صحت اور صواب سے بہت دور ہے' اور جب انبیاء اور ملائکہ کو کفار کے لیے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بتوں کو ان کے لیے شفاعت کی اجازت دینا تو بہت دور کی بات ہے' پس دلیل سے واضح ہو گیا کہ کفار کے لیے کسی کا بھی شفاعت کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے؟ آپ کہیے کہ اللہ! (اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں! ۝ آپ کہیے اگر (بالفرض) ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا ۝ آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا' وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۝ آپ کہیے تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز نہیں بلکہ صرف اللہ ہی ہے بہت غلبہ بہت حکمت والا ۝ (سبا: ۲۷۔۲۴)

موحد اور مشرک میں کون بہتر ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مشرکین کو ساکت کرنے کے لیے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رازقیت کا اقرار

کرانے کے لیے کہیے کہ بتاؤ تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے کون رزق دیتا ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے' تاکہ اس سے یہ اقرار بھی کرالیا جائے کہ ان کے خود ساختہ معبود آسمانوں اور زمینوں میں ذرہ برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں' اور چونکہ آپ کے اس سوال کا صرف یہی جواب ہو سکتا تھا کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اس لیے فرمایا آپ کہیے کہ اللہ۔

اس کے بعد فرمایا: (آپ کہیے کہ اے مشرکو!) بے شک ہم اور تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گم راہی میں !O یعنی ہم موحدین کی جماعت ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور تم مشرکین کا فرقہ ہو جو پتھر کے بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا مانتے ہیں اور دونوں کے متضاد عقائد ہیں لہٰذا دونوں تو سچے نہیں ہو سکتے' ضرور ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر ہے' ایک ہدایت پر ہوگا اور دوسرا گمراہ ہوگا' اور یہ ظاہر ہے کہ وہی گمراہ ہے جو بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا کہتا ہے' جن کا آسمان اور زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے' وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کسی چیز کو اگا سکتے ہیں اس لیے موحد ہی حق پر ہیں نہ کہ مشرک۔

سبا:۲۴ کے حکم کا منسوخ ہونا

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے اگر بالفرض ہم نے کوئی جرم کیا ہے (تو) اس کے متعلق تم سے سوال نہیں کیا جائے گا' اور نہ تمہارے کرتوتوں کے متعلق ہم سے کوئی سوال کیا جائے گا۔ (سبا:۲۴)

یہ جدل اور مناظرہ سے بہت بعید اور انتہائی منصفانہ کلام ہے کیونکہ اس میں موحدین کی جماعت کی طرف جرائم کو منسوب کیا ہے' خواہ وہ ایسے امور ہوں جن میں خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہو' یا صغائر کا ہو یا ان زلات کا ارتکاب ہو جن سے کوئی مومن خالی نہیں ہوتا اور مخالفین اور مشرکین کی طرف مطلق اعمال کو منسوب کیا ہے خواہ وہ کفر ہو یا گناہ کبیرہ ہو۔

یہ آیت اس کی مثل ہے:

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ. (الکفرون:٦) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

اور ان دونوں آیتوں کا حکم جہاد کی آیات سے منسوخ ہو چکا ہے۔

فتاح اور علیم کا معنی

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا' پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ (سبا:۲۵)

یعنی ہمارا رب قیامت کے بعد حشر اور حساب کے لیے ہم کو جمع فرمائے گا' اور جب ہمارا اور تمہارا حال کھل جائے گا اور سب کے اعمال نامے پیش کر دیے جائیں گے تو پھر وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ہمیں اور دیگر مسلمانوں کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور تمہیں اور دیگر کفار کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا' اس کے بعد فرمایا اور وہ الفتاح العلیم ہے۔

فتاح اس حاکم کو کہتے ہیں جو مغلق' مشکل اور بہ ظاہر سمجھ میں نہ آنے والے مقدمات کا فیصلہ کرے اور علیم سے مراد وہ ہے جو ہر چیز کو جاننے والا ہو اور اس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔

علامہ الزروقی نے کہا دنیاوی اور اخروی معاملات کی تنگی اور سختی میں جو شخص اپنے فضل سے وسعت' کشادگی اور خیر عطا فرمائے وہ الفتاح ہے۔

امام غزالی نے کہا الفتاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر بند معاملہ کھل جائے اور جس کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جائے' وہ کبھی انبیاء علیہم السلام کے لیے دشمن کے قبضہ سے ملکوں کو نکال کر ان کو عطا کرتا ہے اور فرماتا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ . (الفتح: ۲-۱)

ہم نے آپ کو کھلی ہوئی روشن فتح عطا فرمائی' تا کہ اللہ آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو معاف کر دے۔

اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا دیتا ہے اور ان کے لیے اپنی کبریائی کے جمال اور اپنی صفات کی معرفت کے ابواب کو کھول دیتا ہے' اور فرماتا ہے:

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (فاطر ۲)

اللہ جس رحمت کو لوگوں کے لیے کھول دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور جس کو وہ روک لے تو اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور وہی غلبہ والا' حکمت والا ہے۔

اس لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے اور اس کا ذکر کرتا رہے حتیٰ کہ اس کی تمام دینی اور دنیاوی مشکلات حل ہو جائیں۔

اور علیم' عالم کا مبالغہ ہے' عالم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ساتھ علم قائم ہو اور عرف میں عالم اس شخص کو کہتے ہیں' جو قرآن اور سنت کی معرفت رکھتا ہو' اور بہ راہ راست آیات اور احادیث کا ترجمہ کر سکے اور بہ قدر ضرورت احکام شرعیہ کو جانتا ہو اور اس سے دین اور دنیا سے متعلق جس مسئلہ کا شرعی حال معلوم کیا جائے وہ بتا سکے' اور وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو اور وہ شخص لوگوں سے مستغنی رہے اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ تم مجھے وہ لوگ دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ (سبا: ۲۷)

یعنی تم مجھے بتاؤ کہ جن بتوں کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے' وہ کس چیز کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں' مجھے وہ چیزیں دکھاؤ جو انہوں نے پیدا کی ہیں' ورنہ تم پھر کیوں ان کی عبادت کرتے ہو؟

ہرگز نہیں واقعہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تمہارا فاسد زعم ہے' بلکہ صرف اللہ ہی ہے بہت غلبہ والا بہت حکمت والا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ ○ آپ کہیے تمہارے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی موخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے ○ (سبا: ۳۰-۲۸)

کافۃ کا معنی

سبا: ۲۵ میں کافۃ کا لفظ ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الکف انسان کی ہتھیلی کو کہتے ہیں جس کو انسان پھیلاتا ہے اور سکیڑتا ہے' کففتہ کا معنی ہے میں نے اس کو اپنی ہتھیلی سے روکا اور دور کیا' مکفوف اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بینائی روک لی گئی ہو۔ اس آیت (سبا: ۲۸) میں کافۃ کا معنی ہے لوگوں کو گناہوں سے روکنے والا' اور اس میں تا مبالغہ کے لیے ہے جیسے علامہ میں ہے' قرآن مجید میں ہے قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (التوبہ: ۳۶) اس آیت کا معنی ہے تم مشرکین کو روکتے ہوئے اور ان کو منع کرتے ہوئے قتال کرو جیسا کہ وہ تمہیں روکتے ہوئے اور منع کرتے ہوئے قتال کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ تم ان کی پوری جماعت کے ساتھ قتال کرو جیسا

کہ وہ تمہاری پوری جماعت کے ساتھ قتال کرتے ہیں کیونکہ جماعت کو بھی الکافۃ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ص ۵۵۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

کافۃ کا معنی ہے عامۃ، یعنی ہم نے آپ کو عام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے' زجاج نے کہا الکافۃ کا معنی ہے الجامع یعنی ہم نے آپ کو ڈرانے اور تبلیغ میں تمام لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بھیجا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے منع کرنے والا' یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ تمام لوگوں کو کفر سے منع کریں اور اسلام کی دعوت دیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۷۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تمام مخلوق کے لیے آپ کی رسالت پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا ہے اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔ (الفرقان:۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر الفرقان کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اور ایک اور آیت میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

ان مقدم الذکر آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رسول ہیں اور اس عموم کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے نبیوں میں کسی کو نہیں دی گئیں (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے (۲) اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا گیا ہے' میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) اور پہلے نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں (۵) اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱' سنن النسائی رقم الحدیث:۴۳۲)

اس حدیث کو امام مسلم نے دوسری جگہ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

وارسلت الی الخلق کافۃ. اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد:۵' رقم الحدیث بلاتکرار:۵۲۳' الرقم المسلسل:۱۱۴۷)

اس حدیث میں خلق کا لفظ ہے اور مخلوق کا لفظ انسانوں' جنات' فرشتوں' حیوانات' درختوں اور پتھروں سب کو شامل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ فرشتوں کے بھی رسول ہیں' اور شیخ تقی الدین سبکی نے یہ لکھا ہے کہ آپ حضرت آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام نبیوں اور ان کی امتوں کے رسول ہیں' اور علامہ البارزی نے لکھا ہے کہ آپ تمام حیوانات اور جمادات کے رسول ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ فرماتے ہیں کہ تمام موجودات کے لیے آپ کی بعثت کے عموم پر یہ دلیل ہے کہ آپ

مخلوقات میں سب سے افضل ہیں اسی وجہ سے آپ کی پیدائش پر تمام زمین والوں اور آسمانوں والوں نے خوشی منائی اور پتھروں نے آپ کو سلام عرض کیا سو آپ رحمۃ للعلمین ہیں اور تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

(روح البیان ج ۷ ص ۳۴۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

الفرقان: ۱ میں ہے کہ آپ العلمین کے لیے نذیر ہیں اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک العلمین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے انسان اور جنات ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب کی طرف مبعوث ہونا ضروریات دین سے ہے' اور اس کا منکر کافر ہے' اور علامہ سبکی اور ان کے موافق دیگر محققین کے نزدیک العلمین میں فرشتے بھی داخل ہیں اور انہوں نے اس موقف کے مخالفین کا رد بھی کیا ہے اور بعض محققین نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ عالم اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے ماسوا کو کہتے ہیں لہٰذا العلمین کا لفظ فرشتوں کو بھی شامل ہے' اور علامہ البارزی نے کہا ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جمادات کی طرف بھی مبعوث کیے گئے ہیں اور وہ بھی مدرک ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور آپ نے اس میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی' باقی رہا یہ کہ فرشتے معصوم ہیں اور جمادات اور نباتات وغیرہ غیر مکلف ہیں تو آپ کو ان کی طرف مبعوث کرنے کا کیا فائدہ ہوا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کسی حکم ترعی یا عمل شرعی کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ان سے صرف یہ مطلوب ہے کہ وہ صرف آپ کی رسالت کی تصدیق کریں' اور آپ کی دعوت اور آپ کے متبعین میں داخل ہوں تا کہ تمام رسولوں پر آپ کا شرف اور امتیاز اور آپ کی خصوصیت اور فضیلت ظاہر ہو۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۴۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

پتھروں' پہاڑوں درختوں اور جانوروں کا آپ کی رسالت .... کی تصدیق کرنا اور ہر چیز کا آپ کی رسالت کو پہچاننا

پتھر آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میرے مبعوث ہونے سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل: ۱ رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۲۷۶' الرقم المسلسل: ۵۸۲۸)

اور پہاڑ اور درخت دونوں کی تصدیق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴۔۱۵۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

اور جانوروں کی تصدیق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک بھیڑیے نے بکری پر حملہ کر کے اس کو پکڑ لیا' اس کے چرواہے نے اس بکری کو بھیڑیے سے چھڑا لیا وہ بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ کر کہنے لگا: اے چرواہے! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو مجھ سے چھین رہے ہو؟ تو اس چرواہے نے کہا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھا ہوا مجھ سے کلام کر رہا ہے' بھیڑیے نے کہا کیا میں تم کو اس سے زیادہ حیرت انگیز بات نہ بتاؤں (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب

میں لوگوں کو گزشتہ زمانہ کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۴ _ ۸۳ مسند البز ار رقم الحدیث: ۲۳۳۱)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس.

ہر چیز کو علم ہے کہ میں رسول اللہ ہوں ماسوا کافر یا فاسق جن اور انس کے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۲۰ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴)

اس کے بعد فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہیے تمہارے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس سے تم ایک گھڑی مؤخر ہو سکو گے نہ مقدم ہو سکو گے O (سبا: ۳۰)

کفار سے کیے ہوئے معین وقت کے وعدہ کے متعلق اقوال

کفار کہتے تھے کہ آپ نے ہم سے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کب پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہیے تمہارے لیے ایک میعاد مقرر ہے اس میعاد کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مر کر دوبارہ اٹھنے کا وقت ہے اور دوسرا قول ہے اس سے مراد موت کے حاضر ہونے کا وقت ہے یعنی قیامت سے پہلے تمہارے مرنے کا ایک وقت معین ہے جس میں تم نے لازماً مر جانا ہے پھر تم کو میرے قول کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے کیونکہ اللہ کے حکم میں ان کو دنیا میں یہ عذاب دینے کا وقت مقرر تھا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ

اور کافروں نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ (ان) کتابوں پر جو اس سے پہلے

يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ

نازل کی گئیں اور کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے (تو آپ ایک

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

عبرت ناک منظر دیکھتے) ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کا رد کر رہا ہوگا، پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے

اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے O اور متکبرین، پس ماندہ

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

لوگوں سے کہیں گے کیا ہدایت کے آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

بلکہ تم خود ہی مجرم تھے O اور پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے

بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ

بلکہ یہ تمہاری دن رات کی سازش تھی جب تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا اور اس کے شریک

اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ

قرار دینے کا حکم دیتے تھے' اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنی ندامت اور پریشانی کا اظہار کریں گے' اور ہم کافروں کی

اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

گردنوں میں طوق ڈال دیں گے' اور ان کو صرف ان کاموں کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے O

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے امیر لوگوں نے یہی کہا تمہیں جو پیغام دے کر

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ

بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا ہمارے مال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہے'

وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے

وَ یَقْدِرُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

اور (جس کے لیے چاہتا ہے) رزق تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ (ان) کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل کی گئیں' اور کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے (تو آپ ایک عبرت ناک منظر دیکھتے) ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کا رد کر رہا ہوگا' پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے O اور متکبرین پس ماندہ لوگوں سے کہیں گے کیا ہدایت کے آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم تھے O (سبا: ۳۲-۳۱)

قیامت کے دن متکبر اور پس ماندہ کافروں کا مناظرہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مناظرہ کو بیان فرمایا ہے جو متکبر کافروں اور پس ماندہ کافروں کے درمیان ہوگا' کفار قریش کہیں گے' ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یا نہ ان انبیاء پر جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مبعوث کیے گئے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ نہ وہ آخرت پر ایمان

لائیں گے۔

ابن جریج نے کہااس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا' ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب نے مشرکین سے کہا ہماری کتاب میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات مذکور ہیں تم ہم سے ان صفات کو پوچھ لو' جب مشرکین نے ان سے سوال کیا تو آپ کی صفات اہل کتاب کی بیان کردہ صفات کے موافق تھیں' تب مشرکین نے کہا ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کتابوں پر ایمان لائیں گے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں یعنی تورات اور انجیل بلکہ ہم سب کا کفر کریں گے' اور اس واقعہ سے پہلے وہ اہل کتاب سے مسائل معلوم کرتے رہتے تھے اور ان کی کتابوں سے استدلال کرتے تھے' اس سے ان کے علم کی کمی' فکر کا تضاد ان کا تعصب اور ان کی ہٹ دھرمی معلوم ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن میں ان کے حال کو بیان فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ میدان حشر میں اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کو لعنت ملامت کر رہے ہوں گے حالانکہ وہ دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور معاون تھے تو اس وقت آپ ایک نہایت عبرت ناک منظر دیکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا مکالمہ اور مناظرہ ذکر فرمایا کہ کمزور' غریب اور پس ماندہ لوگوں نے امراء اور متکبرین سے کہا اگر تم لوگ ہم کو نہ بہکاتے اور نہ گمراہ کرتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔

پھر اس کے بعد امراء اور متکبرین کا جواب ذکر فرمایا: کیا ہم نے تم کو ہدایت کے قبول کرنے سے روکا تھا اور کیا ہم نے تم کو اس پر مجبور کیا تھا بلکہ تم خود اپنے شرک اور کفر پر اصرار کر رہے تھے اور تم خود ہی مجرم تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور پس ماندہ لوگ متکبرین سے کہیں گے بلکہ یہ تمہاری دن رات کی سازش تھی' جب تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک قرار دینے کا حکم دیتے تھے' اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنی ندامت اور پشیمانی کا اظہار کریں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے اور ان کو صرف ان کاموں کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے O (سبا: ۳۳)

اسروا کا معنی

اس آیت میں اسروا کا لفظ ہے' بعض مترجمین نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اپنی ندامت کو چھپاتے تھے یا دل میں اپنی ندامت کو چھپاتے تھے لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے' کیونکہ ان لوگوں نے تو خود امراء سے یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ ہم کو نہ بہکاتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے' پھر ان کو اپنی ندامت کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے کہا ہے کہ اسرار کا لفظ لغت اضداد سے ہے اس کا معنی چھپانا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۷۲) اسی طرح علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے بھی لکھا ہے کہ اسرار کا معنی ظاہر کرنا بھی ہے۔ (المفردات ج ۱ص ۳۰۲)

علامہ آلوسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ علامہ ابن عطیہ اندلسی نے یہ کہا ہے کہ یہ بالکل ثابت نہیں ہے کہ اسرار لغت اضداد سے ہے' بلکہ اسرار باب افعال ہے اور اس کا خاصہ ہے سلب ماخذ اشکیتہ کا معنی ہے میں نے اس کی شکایت زائل کی اسی طرح اسروا الندامۃ کا معنی ہے انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کیا اور اس کا اخفا نہیں کیا۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے امیر لوگوں نے یہی کہا تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا ہمارے مال اور ہماری اولاد بہت زیادہ ہے اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے (اور جس کے

لیے چاہے) رزق تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○ (سبا: ۳۶-۳۴)

مترفین کا معنی

اس آیت میں مترفوھا کا لفظ ہے' اس کا مصدر اتراف ہے اس کا معنی ہے عیش و آرام دینا اور فراغت کی زندگی دینا' اور مترفین کا معنی ہے عیش پرست لوگ' قتادہ نے کہا یعنی کفار کے سرداروں اور دولت مند لوگوں نے کہا وہ لوگ جو شر کے بانی تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں اموال اور اولاد کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اگر ہمارا رب ہمارے دین اور ہمارے مذہب پر راضی نہ ہوتا تو ہم کو یہ نعمتیں نہ دیتا اور جب وہ ہم سے راضی ہے تو پھر وہ ہم کو عذاب نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا اور اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ کہیے کہ بے شک میرا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) رزق تنگ کر دیتا ہے۔ لہٰذا رزق کی فراوانی اور اولاد کی کثرت آخرت کی سعادت کی دلیل نہیں ہے پس تم رزق کی زیادتی اور اولاد کی کثرت سے یہ گمان نہ کرو کہ تم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں ہاں جو لوگ

زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے دگنا اجر ملے گا

الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ

اور وہ (جنت کے) بالا خانوں میں امن سے رہیں گے ○ اور جو لوگ

يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ

ہماری آیتوں کے مقابلہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر

مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

کیا جائے گا ○ آپ کہیے بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَ

کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے' اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا اور

هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ

وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ○ اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے O فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے'

اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ

ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے

اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے O پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے

نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ

نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے' اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ

الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے O اور جب ان پر ہماری واضح آیات

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

کی تلاوت کی جاتی ہے تو (کفار) کہتے ہیں یہ شخص تو تمہیں صرف اس چیز سے روکنا چاہتا ہے جس کی تمہارے

اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ

باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور انہوں نے کہا یہ (قرآن) صرف من گھڑت بہتان ہے' اور کفار کے پاس

كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ

جب حق آیا تو انہوں نے اس کے متعلق کہا یہ محض کھلا ہوا جادو ہے O اور ہم نے

اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ

ان (کفار قریش) کو (آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں جن کو یہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف

مِنْ نَّذِيْرٍ ۭ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ

کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تھا O اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان

مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۵

کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھا!O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں' ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے دگنا اجر ملے گا اور وہ (جنت کے) بالاخانوں میں امن سے رہیں گے O اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر کیا جائے گا O آپ کہیے بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے' تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا' اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O (سبا: ۳۹۔۳۷)

مال اور اولاد کی محض کثرت باعث فخر اور پسندیدہ نہیں

کفار مکہ نے اپنے مال اور اپنی اولاد پر فخر کیا اور یہ سمجھا کہ مال اور اولاد کی کثرت ان کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دے گی' حالانکہ محض مال اور اولاد کی کثرت اللہ تعالیٰ کے تقرب کا سبب نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ (المومنون ۵۵۔۵۶)

کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کے مال اور اولاد کو جو بڑھا رہے ہیں' تو اس سے ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے نہیں ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ ۵۵)

سو ان کے اموال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں' اللہ ہی چاہتا ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور حالت کفر میں ہی ان کی جانیں نکل جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہارے اموال کی طرف لیکن وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۹' مسند احمد رقم الحدیث ۱۰۹۰۲' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

امام ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ قتادہ نے کہا مال اور اولاد کی زیادتی کو لوگوں کی خیر کا پیمانہ نہ بناؤ' کیونکہ بعض اوقات کافر کو مال دیا جاتا ہے اور مومن کو مال سے محروم رکھا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۷۸۹۸)

طاؤس یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ایمان اور اعمال صالحہ عطا فرما اور مجھے مال اور اولاد سے محفوظ رکھ کیونکہ تو نے فرمایا ہے: اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو مقرب بنا دیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۷۸۹۹)

طاؤس کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مطلقاً مال اور اولاد ناپسندیدہ نہیں ہیں جس مال کو اللہ کی راہ میں اور عبادات میں خرچ کیا جائے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قابل رشک ہے اور جو اولاد نیک ہو وہ ماں باپ کی مغفرت کا ذریعہ ہو جاتی ہے ہاں جس مال کو اللہ کی معصیت میں خرچ کیا جائے وہ مال وبال ہے اور جو اولاد اللہ کی نافرمان ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

نیز فرمایا: اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں ان کو پکڑ کر عذاب میں حاضر کیا جائے گا O اس

سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور رسولوں کی اتباع کرنے سے اور اس کی آیات کی تصدیق کرنے سے منع کرتے ہیں۔

خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے مواضع اور مقامات اور خرچ کرنے کی فضیلت

اس کے بعد فرمایا: اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے تو وہ اس کا بدل مہیا کر دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے O (سبا:۳۹)

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! یہ کفار جو اپنے مال و دولت پر غرور کر رہے ہیں ان سے کہیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے وسعت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے' سو تم اپنے اموال اور اپنی اولاد پر غرور نہ کرو' بلکہ ان کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرو' کیونکہ تم جس چیز کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کرو گے وہ تم کو اس کا بدل مہیا کر دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۹۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو خرچ کر' میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۳)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان ثواب کی نیت سے اپنی بیوی پر خرچ کرے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۶۵' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا ہو وہ اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو' یا رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۸۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۶۹' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۱۴۰)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ہتھیلی کو بند نہ رکھو ورنہ اللہ بھی اپنے خزانہ کو بند کر لے گا' دوسری روایت میں ہے تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۳۳' سنن النسائی رقم الحدیث:۲۵۴۸' مسند احمد رقم الحدیث:۲۷۴۶۱' عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے' اور جس چیز کو انسان اپنے آپ پر اور اپنی اہلیہ پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے' اور جس چیز کو خرچ کر کے انسان اپنی عزت کو بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے' اور انسان جس چیز کو اپنی ضرورت پر خرچ کرتا ہے تو اس کا بدل عطا کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' ماسوا اس کے جو انسان (بلا ضرورت) عمارت پر خرچ کرے یا معصیت پر خرچ کرے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۸' رقم الحدیث:۱۰۱' المستدرک ج ۲ ص ۵۰' رقم الحدیث:۲۳۱۱)

انسان جس مال کو معصیت میں خرچ کرتا ہے' اس پر اتفاق ہے کہ اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا نہ اس کا بدل ملے گا' اور عمارت کا بنانا اگر ضروری ہو مثلاً اس کے پاس رہنے کے لیے محفوظ جگہ نہ ہو تو اس پر خرچ کرنے سے اجر بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ

اس مال کا اس کو بدل بھی عطا کرے گا' کیونکہ ضرورت کی بناء پر مکان بنانے کے جواز کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کے لیے ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے' وہ مکان جس میں وہ رہائش رکھ سکے' اتنا کپڑا جس سے وہ شرم گاہ چھپا سکے' روٹی کا ٹکڑا اور پانی' یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۶۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۴۱۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۶۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۷)

نیز فرمایا: اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ رازق رزق دینے والے کو کہتے ہیں' انسان اپنے اہل وعیال کو رزق دیتا ہے اور امیر اپنے لشکر کو رزق دیتا ہے' لیکن مخلوق میں سے جو کسی کو رزق دیتا ہے اس کا مال محدود ہوتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے خزانے لامحدود اور غیر فانی ہیں وہ فنا ہوتے ہیں نہ ختم ہوتے ہیں' اس لیے فرمایا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے' مخلوق اللہ کے پیدا کیے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے مال سے رزق دیتی ہے اور حقیقت میں رازق وہ ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر پیدا کر کے رزق دے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۞ بے شک اللہ ہی سب کو رزق دینے والا اور قوت والا ہے۔

(الذاریات: ۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ ۞ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے' ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے ۞ پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے' اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ۞ (سبا: ۴۲۔۴۰)

فرشتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین کا رد

اس سے پہلے فرمایا تھا: کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھتے جب وہ اپنے رب کے سامنے [illegible] ہوں گے (سبا: ۳۱) یہ آیت بھی اسی کے ساتھ متصل ہے یعنی اگر اس دن آپ ان سب کو دیکھتے جس دن وہ [illegible] کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے' سو اگر آپ یہ منظر دیکھ لیتے تو بہت دہشت ناک منظر دیکھتے۔ ان آیتوں میں خطاب ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس خطاب میں آپ کی امت بھی شامل ہے یعنی وہ بھی اگر قیامت کے دن یہ منظر دیکھ لیتے تو بہت ہولناک منظر دیکھتے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس دن ہم عابد اور معبود دونوں کو جمع کریں گے' پھر ہم فرشتوں سے کہیں گے کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب فرشتے ان مشرکین کی تکذیب کر دیں گے اور ان کو جھٹلا دیں گے تو اس میں ان کی زیادہ زجر و توبیخ اور زیادہ مذمت ہوگی' فرشتے اپنی برأت کرتے ہوئے کہیں گے تو پاک ہے ہمارا مالک تو ہے نہ کہ یہ' یعنی تو ہی ہمارا رب ہے' ہم تجھ سے ہی محبت کرتے ہیں اور اخلاص سے تیری ہی عبادت کرتے ہیں' بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے تھے' یعنی ابلیس اور اس کی ذریات کی اطاعت اور عبادت کرتے تھے' قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی بنو ملیح یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے' ان کا یہ فاسد زعم تھا کہ ان کو جنات دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان جنات کو فرشتے سمجھتے تھے اور ان کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ اور ان لوگوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری

الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۵۸) قرار دے رکھی ہے حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ خود اللہ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔

مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے رشتہ ازدواج قائم کیا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ کی بیٹیاں پیدا ہوئیں' اور فرشتے وہی بیٹیاں ہیں' حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات میں سے کافروں کو دوزخ میں کیوں ڈالتا!

پھر اللہ تعالیٰ ان کا مزید رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: پس آج تم میں سے کوئی کسی کے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے' اور ہم ظالموں سے کہیں گے اب تم اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے ○ (سبا: ۴۲)

یعنی تم میں سے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا نہ کسی کو نجات دلا سکے گا اور نہ کوئی کسی کو عذاب میں مبتلا کر سکے گا' یعنی فرشتے اپنی عبادت کرنے والوں سے ضرر اور عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو (کفار) کہتے ہیں یہ شخص تو تمہیں صرف اس چیز سے روکنا چاہتا ہے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے' اور انہوں نے کہا یہ قرآن صرف من گھڑت بہتان ہے' اور کفار کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے اس کے متعلق کہا یہ محض کھلا ہوا جادو ہے ○ اور ہم نے ان (کفار قریش) کو (آسمانی) کتابیں نہیں دی تھیں جن کو یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کی طرف کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تھا ○ اور ان سے پہلے لوگوں نے (بھی رسولوں کو) جھٹلایا تھا اور جو (نعمتیں) ہم نے ان کو دی تھیں یہ (کفار مکہ) اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے' سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا کیسا عذاب آیا تھا! ○ (سبا: ۴۵-۴۳)

انکار وحی کی وجہ سے سابقہ امتوں پر عذاب آنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس کفر اور شرک کو بیان فرما رہا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے' کیونکہ جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی واضح آیات تلاوت فرماتے تھے تو وہ ان آیات کو ماننے اور قبول کرنے کے بجائے ان کا انکار کرتے تھے اور استہزاء کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے اور سچے دین سے روک رہا ہے' اور تم کو اپنے باطل نظریات کے ماننے کی دعوت دے رہا ہے' یہ قرآن تو اس کا خود کا بنایا ہوا کلام ہے' یہ اپنی طرف سے کلام بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے' اس کا کلام محض جادو ہے اور اس کا جادو ہونا کوئی مخفی بات نہیں ہے بالکل ظاہر اور بدیہی ہے۔

عرب کے لوگوں پر پہلے آسمانی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا تھا اور یہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی کتاب نازل ہوتی یا ہم میں کوئی اللہ کا رسول آتا تو ہم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اطاعت شعار ہوتے' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو یہ اس کتاب اور اس رسول کا انکار کرنے لگے اور ان کی تکذیب کرنے لگے۔

فرمایا: ان سے پہلی امتوں کا انجام ان کے سامنے ہے ان پر جو عذاب نازل ہوا تھا' پچھلی امتیں قوت اور طاقت اور مال و متاع اور دنیاوی اسباب ان سے زیادہ رکھتے تھے یہ تو ابھی ان کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے' انہوں نے بھی میرے رسولوں کی تکذیب کی لیکن جب ان لوگوں پر میرا عذاب نازل ہوا تو ان سے میرے عذاب کو ان کا مال و متاع دور کر سکا نہ ان کی اولاد اور ان کی رشتہ داریاں کسی کام آ سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا　اور ہم نے ان (قوم عاد) کو جن چیزوں پر قدرت دی تھیں ان

وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۫ۖ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ ○ (الاحقاف: ۲۶)

چیزوں پر قدرت نہیں دی ہے اور ہم نے ان کے کان آنکھیں اور دل بنائے تھے لیکن ان کے کانوں آنکھوں اور دلوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے تھے اور جس عذاب کا وہ انکار کرتے تھے اسی عذاب نے ان کا احاطہ کرلیا۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ○ (الروم: ۹)

کیا انہوں نے زمین میں سفر کر کے یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا (حالانکہ) وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے اور انہوں نے زمین میں کاشت کاری کی تھی اور اس کو ان سے بہت زیادہ آباد کیا تھا اور ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى

آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے تم دو' دو مل کر یا تنہا تنہا

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ

کھڑے ہو کر غور کرو' تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے وہ تو صرف تم کو سخت عذاب

بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝۴۶ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ

کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ○ آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے

فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

تو وہ تم ہی رکھو' میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور وہ ہر چیز پر

شَهِیْدٌ ۝۴۷ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝۴۸

نگہبان ہے ○ آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے ○

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا یُعِیْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ

آپ کہیے حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے ○ آپ کہیے اگر میں (بالفرض)

ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ

گمراہ ہوں، تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف

اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ۝۵۰ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ

وحی فرماتا ہے، بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے ○ اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں

اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ۙ ۝۵۱ وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰی لَهُمُ

گے اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا ○ اور وہ (اس وقت) کہیں گے ہم اس (قرآن)

التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ۝۵۲ ۚۖ وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ یَقْذِفُوْنَ

پر ایمان لے آئے اور اتنی دور کی جگہ سے کیسے حصول ہوسکتا ہے ○ وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے

بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ ۝۵۳ وَ حِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ

اٹکل پچو سے باتیں کرتے تھے ○ اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے

كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ ۝۵۴ ع

جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے ○

ع ۶ / ۹ / ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم کو صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ کے لیے تم دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر غور کرو، تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے، وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں ○ آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے تو وہ تم ہی رکھو، میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے ○ آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے ○ (سبا: ۴۸-۴۶)

جماعت کو غور و فکر کی دعوت کیوں نہیں دی

سبا: ۴۶ میں نصیحت کرنے کے لیے اعظ کا لفظ ہے یہ وعظ سے ماخوذ ہے، وعظ کا معنی ہے کسی کو ڈرا دھمکا کر منع کرنا، خلیل نے کہا کسی کو خیر کی چیز اس طرح یاد دلانا کہ اس کا دل نرم ہو جائے، اور اس آیت میں جو کھڑے ہونے کا ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کھڑے ہونے سے وہ معنی مراد ہیں جو بیٹھنے کی ضد ہے۔ یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کھڑے ہو کر اپنی اپنی مجلسوں میں چلے جاؤ، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اب اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور اس کام کا انتظام، انصرام اور اہتمام کرو۔

تنہا تنہا غور کرو یا دو دو مل کر بحث کرو اور اس بات پر غور و فکر کرو کہ تمہارے پیغمبر کو جنون نہیں ہے، کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان والوں سے زیادہ فہم و فراست کے مالک ہیں اور آپ سب سے زیادہ صادق القول ہیں

سب سے زیادہ پاک دامن اور پاکیزہ ہیں' سب سے زیادہ عالم ہیں' سب سے زیادہ نیک عمل کرنے والے ہیں' سب سے زیادہ بشری کمالات سے متصف ہیں' پھر آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کا مستحق صرف ایک ہے' اور آپ میں جس قدر علمی اور عملی کمالات ہیں سب اس کے دیئے ہوئے ہیں' آپ کی کوئی چیز ذاتی نہیں ہے' ان تمام خوبیوں کے باوجود آپ اپنی تعظیم اور اپنی کبریائی کے طالب نہیں ہیں' آپ کا یہی کہنا ہے اس ایک اللہ کی عبادت کرو میں بھی اس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اس کی عبادت کرو' پھر اس دعویٰ کی تائید میں آپ نے بہت دلائل اور معجزات بھی پیش کیے تو ایسا شخص مجنون کب ہوسکتا ہے' مجنون کی کوئی بات عقل کے مطابق نہیں ہوتی اور آپ کی کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے۔

اس آیت میں اس بات پر تنہا تنہا غور کرنے کے لیے فرمایا یا پھر دو دو آدمی مل کر تبادلۂ خیال کریں' یہ نہیں فرمایا کہ ایک جماعت اور مجلس میں اس پر غور و فکر کیا جائے یا بحث کی جائے' کیونکہ جب ایک مجلس میں کسی بات پر بحث ہوتی ہے تو انصاف پر پہنچنے کی توقع کم ہوتی ہے اس میں اختلاف زیادہ ہوتا ہے جتنے منہ ہوتے ہیں اتنی باتیں ہوتی ہیں لوگ جوش اور غضب میں آ جاتے ہیں اور ٹھنڈے دل سے کسی بات پر غور نہیں کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر خاص و عام کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا

اور اس آیت میں فرمایا: وہ تو صرف تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل کی گئی **وانذر عشیرتک الاقربین** (الشعراء: ۲۱۴) ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے'' تو آپ نے قریش کے ہر عام اور خاص کو بلایا' پس آپ نے فرمایا اے بنو کعب بن لوی! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی عبد شمس! اپنے نفسوں کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے بنو عبد المطلب! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے چھڑالو' کیونکہ میں تمہیں نفع پہنچانے کے لیے اللہ کی کسی چیز کا (از خود) مالک نہیں ہوں' ہاں تمہارے رحم کا رشتہ ہے اور میں عنقریب اس کی تری سے تر کروں گا (یعنی میں اپنے رشتہ کا فیض تم کو پہنچاؤں گا)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث ۳۶۴۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۳۷۷)

توحید' رسالت اور آخرت کی نصیحت کا باہمی ربط

اس آیت میں تین اصولوں اور عقیدوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے اس کا بیان ان الفاظ میں ہے ''میں تم کو صرف ایک چیز کی نصیحت کرتا ہوں'' دوسرا اصول اور عقیدہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے' اس کا بیان ان الفاظ سے ہے ''تمہارے اس پیغمبر کو جنون نہیں ہے'' اور تیسرا اصول اور عقیدہ قیامت ہے اور اس کا بیان ان الفاظ سے ہے'' وہ تو تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں''۔

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں فرمایا میں تم کو صرف ایک چیز یعنی صرف توحید کی نصیحت کرتا ہوں اور ایمان صرف توحید سے مکمل نہیں ہوتا اس کے ساتھ رسالت اور آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں میں اہم مقصود اللہ تعالیٰ کی توحید ہے جو شخص توحید کو اس طرح مان لے جس طرح اس کو ماننے کا حق ہے' اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور آخرت میں اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس چیز کا حکم دیا جو ان کے لیے عبادت کے دروازے کھول دے اور اخروی سعادت کے اسباب مہیا کر دے۔

اور فرمایا تم دو' دو اور ایک ایک اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ' اس سے مقصود یہ ہے کہ تم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہو' کیونکہ انسان دو حالوں سے خالی نہیں وہ تنہا ہوگا یا کسی کے ساتھ ہوگا سو تم ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو' تنہائی میں اس کی صفات اور اس کے احکام پر غور کرو اور جب کسی کے ساتھ ہو تو اس کا ذکر کرو۔

اور فرمایا تمہارا یہ پیغمبر جن کے زیر اثر نہیں ہے' یعنی وہ اللہ کا رسول ہے' اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ ہر وہ شخص جو کسی جن کے زیر اثر نہ ہو وہ اللہ کا رسول تو نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی کام کرتے تھے اور جو شخص غیر معمولی کام کرتا ہے تو جن اس کے مددگار ہوتے ہیں یا فرشتے' اور جب یہ فرما دیا کہ جن ان کے مددگار نہیں ہیں تو لامحالہ فرشتے ان کے مددگار ہیں اور فرشتے اللہ کے رسول کی مدد کرتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

نیز فرمایا وہ تو تم کو سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والے ہیں' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر سخت عذاب آئے گا' جس سے تم کو دنیا میں بھی ہلاکت کا سامنا ہوگا اور آخرت میں بھی۔

تبلیغ رسالت کا اجر نہ طلب کرنے سے آپ کے رسول ہونے پر استدلال

سبا: ۴۶ میں فرمایا تھا ما بصاحبکم من جنة ' اس کا ایک معنی ہم نے یہ بیان کیا کہ وہ کسی جن کے زیر اثر نہیں ہیں اور یہ آپ کے رسول ہونے کو مستلزم ہے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کو جنون نہیں ہے' اور یہ بھی آپ کے رسول ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ مجنون شخص ایسے کام کرتا ہے جس کا دنیا میں کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ آخرت میں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس سے آپ کو دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ آپ نے کسی دنیاوی فائدہ کو طلب کیا تو اگر اس دعویٰ سے آخرت میں بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو آپ العیاذ باللہ مجنون ہوتے لیکن جب آپ کے اقوال اور افعال سے یہ ثابت ہے کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں' لہٰذا سبا: ۴۷ میں جو فرمایا ہے کہ'' آپ کہیے میں نے تم سے (اگر) کوئی معاوضہ طلب کیا ہے تو وہ تم ہی رکھو' میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ (کرم) پر ہے'' اس آیت سے بھی آپ کی رسالت کو ثابت کیا ہے کہ آپ اللہ کے پیغام پہنچانے کا دنیا میں کسی سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہے بلکہ معاوضہ لینے سے آپ منع فرما رہے ہیں تو اگر آخرت میں بھی آپ کو اس پیغام پہنچانے کا کوئی فائدہ اور کوئی اجر و ثواب نہ ہوتا تو آپ العیاذ باللہ مجنون ہوتے اور آپ کے اقوال اور افعال سے واضح ہے کہ آپ مجنون نہیں ہیں تو پھر آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

نیز فرمایا'' وہ ہر چیز کا نگہبان ہے'' یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے' غیب اور شہادت اور ظاہر اور باطن ہر چیز پر مطلع ہے' وہ میرے صدق اور خلوص نیت کو جانتا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دے اس کی یہ دعوت خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے اور اس میں دنیا کی کسی چیز کی طمع نہیں ہونی چاہیے۔

نبوت عطا کرنے میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی توجیہ

آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے' وہ تمام غیوب کا بہت جاننے والا ہے۔ (سبا: ۴۸۔۴۶)

اس آیت میں یقذف کا لفظ ہے جو قذف سے بنا ہے' قذف کا معنی ہے کسی چیز کو دور سے پھینکنا' جیسے پتھر اور تیر کو دور سے پھینکا جائے' اور اس کا مجازی معنی القاء کرنا اور ڈالنا ہے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو نبوت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے ان کے دلوں پر وحی نازل فرماتا ہے' اور آسمانوں اور زمینوں میں جو چیز بھی غائب ہو اللہ اس کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' اور اس کی مخلوق میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں وہ ان تمام تغیرات کو بھی جاننے والا ہے۔

مشرکین اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ ان میں سے کسی شخص کو رسول بنا لیا جائے وہ کہتے تھے:

ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَاؕ . (ص:۸) کیا ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر اللہ کا کلام نازل کیا گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ان کے استبعاد کو دور کرنے کے لیے فرماتا ہے: آپ کہیے میرا رب حق بات نازل فرماتا ہے' یعنی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے وہ عطا کرتا ہے سو اس نے جس کو چاہا اس کو نبوت سے سرفراز کیا اور اس کے دل پر وحی نازل فرمائی۔

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نبی بنا دیتا ہے' خواہ اس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہو یا نہ ہو' اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا وہ علام الغیوب ہے اس کو علم ہے کس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہے' اور جس میں نبوت کی استعداد اور صلاحیت ہو اسی کو منصب نبوت پر فائز فرماتا ہے' بلکہ اس نے جس کو نبی بنانا ہوتا ہے اس کو نبوت کی صلاحیت کے ساتھ پیدا کرتا ہے اور اس کے اندر کمالات نبوت رکھ دیتا ہے' لہٰذا یہ مشرکین کا لغو اعتراض ہے کہ ہم میں سے اس شخص کے اندر کیا خصوصیت تھی جو اس کو نبوت دی گئی ہے اور کسی اور کو نبوت کیوں نہیں دی گئی۔

حق اور باطل کا فرق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے O آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے O اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں گے' اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا O (سبا: ۵۱۔۴۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق آ گیا ہے اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد توحید اور حشر پر دلائل ہیں' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صادر ہوا وہ حق ہے۔

حق اس چیز کو کہتے ہیں جو موجود اور ثابت ہو اور جن چیزوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے وہ موجود اور ثابت ہیں مثلاً توحید' رسالت' قرآن مجید اور حشر وغیرہ اس لیے یہ تمام چیزیں حق ہیں' اور شرک اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود ثابت نہیں ہے اس لیے یہ چیزیں باطل ہیں اور باطل کسی چیز کا فائدہ نہیں پہنچاتا' دنیا میں نہ آخرت میں' اس لیے فرمایا: آپ کہیے حق آ گیا ہے اور باطل نہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹاتا ہے O حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ اس کو ان میں چبھو کر فرماتے: جاء الحق وزھق الباطل (الاسراء: ۸۱) حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۸۷' صحیح مسلم: ۱۷۸۱' سنن ترمذی: ۳۱۳۸)

اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے O

سبا: ۵۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گمراہی کی نسبت کا ذکر

کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ نے اپنے باپ دادا کا دین ترک کر دیا ہے سو آپ گمراہ ہو گئے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ کہیے کہ اگر (بالفرض) میں گم راہ ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہے' جیسا کہ قرآن مجید

میں ایک اور جگہ ہے:

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ؕ جو شخص نیک کام کرے گا تو وہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہے اور جو برا کام کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ (حم السجدۃ:۴۶)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی طرف نسبت کر کے کہیں کہ اگر میں گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہوگا' تا کہ یہ معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے عظیم مرتبہ کے ہیں اور اللہ کے بہت مقرب ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کہلوایا ہے کہ (بالفرض) اگر میں گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا تو عام لوگ تو اس قاعدہ کے تحت بہ طریق اولیٰ داخل ہوں گے۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ میرا گم راہ ہونا تمہارے گم راہ ہونے کی مثل ہے کیونکہ یہ میرے نفس سے صادر ہوگا اور اس کا وبال بھی مجھ پر ہوگا لیکن میرا ہدایت پر ہونا تمہارے ہدایت پر ہونے کی مثل نہیں ہے کیونکہ تم دلائل میں غور و فکر کر کے ہدایت کو قبول کرتے ہو' اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے' بے شک وہ بہت سننے والا بہت قریب ہے ○ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۳۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سمعی اور نقلی دلیل' عقلی اور فکری دلیل سے زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ عام لوگوں کی ہدایت عقلی دلیل سے ہوتی ہے اور آپ کی ہدایت سمعی دلیل اور وحی سے ہوتی ہے۔

سبا: ۵۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گم راہی کی .... نسبت کے بعض دیگر تراجم اور مصنف کا ترجمہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

تم فرماؤ اگر میں بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا۔

سید محمد محدث کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوتا تو بہکتا اپنے برے کو۔

سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

فرما دیجئے اگر میں بہک جاؤں تو اپنے ہی ضرر کو بہکوں گا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

فرمائیے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا۔

اور ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

آپ کہیے اگر میں (بالفرض) گم راہ ہوں تو میری گم راہی کا ضرر صرف مجھ پر ہی ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گم راہی کی نسبت کی تحقیق

ہم نے اپنے ترجمہ میں قوسین کے اندر بالفرض کو اس لیے لکھا ہے کہ نبی کا گمراہ ہونا عادۃً ممکن نہیں ہے کیونکہ نبی پیدائشی مومن ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ صرف پیدائشی مومن بلکہ پیدائشی نبی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے حسب ذیل عبارت لکھی اور اس کا ترجمہ شیخ فیض احمد اویسی نے کیا ہے:

اس میں اشارہ ہے کہ ضلالت کا منشا خود اپنا نفس ہے، جب نفس کو اس کی طبیعت کی طرف سپرد کیا جائے تو اس سے صرف ضلالت وگم راہی حاصل ہوتی ہے اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے اور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عطیات سے کوئی عطیہ نصیب نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ووجدک ضالا فهدی** ۔(فیوض الرحمٰن جز ۲۲ ص ۴۲۳، مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

صاحب روح البیان اور روح البیان کے مترجم دونوں نے اس آیت (**ووجدک ضالا فهدی**) کا یہاں ذکر کر دیا جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کو اپنی طبیعت کی طرف متوجہ کیا اس وجہ سے آپ میں گم راہی اور ضلالت حاصل ہوگئی، ہم ایسی نکتہ آفرینی سے ہزار بار اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

کفار کے گھبرانے اور ان کی جائے فرار نہ ہونے کی متعدد تفاسیر

اس کے بعد فرمایا: اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب یہ (کفار) گھبرا رہے ہوں گے، اور ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا○ (سبا: ۵۱)

جس وقت یہ کفار گھبرا رہے ہوں گے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ موت کے وقت گھبرا رہے ہوں گے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن گھبرا رہے ہوں گے، اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ جب معرکہ بدر میں شکست کھانے کے بعد یہ گھبرا رہے ہوں گے تو اگر آپ اس وقت ان کو دیکھ لیتے تو آپ بہت ہولناک اور دہشت ناک امر دیکھتے۔

فرمایا: ان کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی، یعنی وہ کسی طرح اللہ کے عذاب سے نکل نہیں سکیں گے، اور نہ کسی جگہ بھاگ کر جانے سے ان کو نجات مل سکے گی اور جس چیز سے یہ بھاگ رہے ہوں گے وہی چیز ان کو آ کر پکڑ لے گی۔

فرمایا: اور ان کو قریب کی جگہ سے پکڑ لیا جائے گا، اس کا مطلب ہے ان کو زمین کے اوپر سے پکڑ کر زمین کے اندر ڈال دیا جائے گا، یا ان کو میدان حشر سے گرفتار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا یا ان کے مردہ اجسام کو بدر کے صحرا سے اٹھا کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا جائے گا، یا ان کو قدموں سے پکڑ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا، بہر حال یہ جس جگہ بھی ہوں اللہ کے اعتبار سے قریب ہیں اور اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ (اس وقت) کہیں گے ہم اس (قرآن) پر ایمان لے آئے اور اتنی دور کی جگہ سے کیسے حصول ہوسکتا ہے ○ وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے انکل پچو کی باتیں کرتے تھے ○ اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے، جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا، بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے○ (سبا: ۵۴-۵۲)

تناوش کا معنی

اس آیت میں التناوش کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے کسی چیز کو سہولت اور آسانی سے حاصل کرنا، حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا اس سے مراد ہے دنیا میں واپس لوٹنا، یعنی کفار جب حشر کے دن آخرت کا عذاب دیکھیں گے تو پھر دنیا میں واپس لوٹائے جانے کو طلب کریں گے کہ اس بار وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے اور یہ بہت بعید ہے۔

سدی نے کہا وہ آخرت کا عذاب دیکھ کر اپنے کفر و شرک سے توبہ کریں گے اور اس توبہ کا قبول ہونا بہت بعید ہوگا، کیونکہ

توبہ تو صرف دنیا میں قبول ہوتی ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ اب ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے اور قیامت کے بعد حشر کے دن کسی کا ایمان کیسے قبول ہوسکتا ہے' کیونکہ ایمان وہ معتبر ہوتا ہے کہ کسی چیز پر بن دیکھے ایمان لایا جائے جو ایمان بالغیب ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۲۸۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

روز حشر کفار کے ایمان کو قبول نہ کرنے کی وجوہ

اس کے بعد فرمایا: وہ اس سے پہلے اس کا کفر کر چکے تھے اور بہت دور سے اٹکل پچو کی باتیں کرتے تھے O (سبا: ۵۳)

یعنی وہ اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کفر کر چکے تھے یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کر چکے تھے یا اس قرآن کا کفر کر چکے تھے' جس وقت ان کو ایمان لانے کا مکلف کیا گیا تھا اس وقت وہ ایمان نہیں لائے اور اب جب ایمان لانے اور اس کو قبول کرنے کے دروازے بند کیے جا چکے ہیں تو اب وہ ایمان لائے ہیں' اب جب تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں تو ان کو سوائے خسارے' ندامت اور دردناک عذاب کے اور کیا حاصل ہوگا۔

اور وہ بہت دور سے اٹکل پچو کی باتیں کرتے تھے' ان کی باتوں کی مثال اس شخص سے دی گئی ہے جو بہت دور سے کسی چیز پر نشانہ لگا رہا ہو اور دور ہونے کی وجہ سے اس کا نشانہ نہ لگ رہا ہو' سو وہ بھی اپنے گمان کے مطابق یہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہوگا نہ قیامت آئے گی' نہ میدان حشر قائم ہوگا' نہ حساب کتاب اور جنت اور دوزخ ہوگی۔

قتادہ نے کہا وہ قرآن مجید کے متعلق یہ اتہام لگاتے تھے کہ یہ جادو ہے اور شعر ہے' یہ اگلے اور پچھلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اٹکل پچو سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف تہمتیں لگاتے تھے' کبھی کہتے وہ ساحر ہیں کبھی شاعر کہتے اور کبھی مجنون کہتے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کو ان کے دل سے بہت دور کر دیا تھا۔

روز حشر کفار کی خواہشیں اور ان کا قبول نہ ہونا

اس کے بعد فرمایا اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک حجاب ڈال دیا گیا ہے' جیسے پہلے بھی ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا' بے شک وہ بھی بہت بڑے شک میں مبتلا تھے O (سبا: ۵۴)

روز حشر کفار کی یہ خواہش ہوگی کہ ان کو عذاب سے نجات مل جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں ان کی اپنے اموال اور اپنے اہل وعیال کے متعلق جو خواہشیں تھیں وہ پوری نہیں ہوں گی۔

قتادہ نے کہا جب حشر کے دن وہ عذاب دیکھیں گے تو وہ خواہش کریں گے کہ ان کی یہ بات قبول کر لی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آئندہ اطاعت کریں گے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز رہیں گے' لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی' کیونکہ اس اطاعت کی جگہ دنیا تھی اور اب وہ دنیا چھوڑ آئے ہیں۔ اور ان سے پہلے زمانوں میں جو کفار گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا تھا۔

اس سے پہلے وہ رسولوں' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' اور جنت اور دوزخ کے متعلق سخت شک میں مبتلا تھے۔

اختتام سورت

اللہ تعالیٰ کا بے حد و بے حساب شکر ہے اور اس کے حبیب اکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عنایت ہے کہ آج ۲۴

شوال ۱۴۲۳ھ/ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۲ء بہ روز اتوار قبل از نماز فجر سورۃ سبا کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۸ شوال کو اس کی تفسیر شروع کی تھی اور آج ۲۴ شوال کو اس کی تفسیر ختم ہوگئی۔ اللہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر لکھوا دی ہے' سو آئندہ بھی آپ کرم فرمائیں اور تفسیر کو مکمل کرا دیں۔ مجھے تا حیات ایمان اور اعمال صالحہ پر قائم اور برے اعمال سے مجتنب رکھیں اور صحت و سلامتی کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک اپنے دین کی ترویج' تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے کام میں لگائے رکھیں' میرے والدین' میرے اساتذہ' تلامذہ اور محبین اور معاونین کی مغفرت فرمائیں جو فوت ہو چکے ہیں ان کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں اور جو حیات ہیں ان کو دنیا اور آخرت کے تمام مصائب اور بلاؤں سے محفوظ رکھیں' اور ہم سب کو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں' نعمتیں اور راحتیں عطا فرمائیں' اس کتاب تبیان القرآن کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں موافقین کے لیے اس کو موجب طمانیت اور مخالفین کے لیے سبب ہدایت بنا دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و الصلوة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين قائد المرسلين شفيع المذنبين و على آله و اصحابه و ازواجه و ذرياته و امته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ فاطر

سورت کا نام

اس سورت کا نام سورۃ فاطر اور سورۃ ملائکہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں فاطر اور ملائکہ کے الفاظ ہیں اور صرف اس سورت کی پہلی آیت میں فاطر اور ملائکہ کے الفاظ ہیں اور اس آیت میں ملائکہ کی صفات کا بھی ذکر ہے۔

احادیث میں اس سورت کا نام فاطر بھی ہے اور ملائکہ بھی ہے' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن الضریس' امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ سورۃ فاطر مکہ میں نازل کی گئی ہے۔

امام عبدالرزاق اور امام ابن المنذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الملائکہ مکی ہے۔

امام محمد بن سعد نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک رکعت میں سورۃ الملائکہ پڑھ لیتا تھا۔

(الدرالمنثور ج ۷ ص ۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہر چند کہ اس سورت کے دونوں نام ہیں فاطر اور ملائکہ لیکن برصغیر پاک و ہند یہ سورت صرف فاطر کے نام سے معروف ہے' البتہ مصر' بیروت اور حرمین طیبین کے قرآن مجید کے نسخوں میں اس کا نام فاطر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے اور ملائکہ بھی۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۳ ہے' یہ سورت فرقان کے بعد اور مریم سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۵ ہے۔

سورۃ فاطر کے مشمولات

اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے کی گئی ہے اور اس کی ابتداء میں ہی ملائکہ کا مخلوق ہونا بتایا گیا ہے' سورۃ سبا میں جنات کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا تھا اور اس سورت میں ملائکہ کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے سردار آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ اس پر افسوس اور رنج نہ کریں' آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے گئے ہیں ان سب کی ان کی قوموں نے تکذیب کی تھی پھر جو ان کا انجام ہوا یہ بھی اس انجام کے خطرے میں ہیں۔ حشر اور نشر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مشرکین جن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے ان کی مذمت کی گئی ہے' اور مختلف اطوار سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کیے گئے ہیں' نیک کاموں کی جزاء اور برے

کاموں کی سزائیں بیان کی گئی ہے اور تقریباً وہی مضامین بیان کیے گئے ہیں جو عموماً مکی سورتوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔
اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ فاطر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں اے اللہ! مجھ کو اس تفسیر میں صحت اور صواب کی طرف رہنمائی کرنا اور خطا اور ناصواب سے محفوظ رکھنا (آمین!)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸
۳۰ دسمبر ۲۰۰۲ء/ ۲۵ شوال ۱۴۲۳ھ
فون: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتها ۴۵ رکوعاتها ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۳۵) سورۃ فاطر مکیۃ (۴۳)

سورۃ فاطر مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ اس میں پینتالیس آیات' پانچ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو رسول

اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِی الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ

بنانے والا ہے جو دو دو' اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' بے شک

اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے اس کو

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ

کوئی بند کرنے والا نہیں ہے' اور جس کو بند کر دے تو اس کے بند کرنے کے بعد اس کو کوئی کھولنے والا نہیں ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ

اور وہی غالب' حکمت والا ہے ○ اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کیا کرو' کیا

مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اللہ کے سوا کوئی عبادت

هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ

کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو ○ اور اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے

قَبْلِكَ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ○ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَقفۃ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤

برحق ہے' سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے ○

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو' وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ

مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَ

دوزخ والے ہو جائیں ○ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ أَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ ع

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو رسول بنانے والا ہے جو دو' دو اور تین' تین اور چار چار پروں والے ہیں' وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ (فاطر ۱)

حمد اور فاطر کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی کس طرح حمد کریں' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں' کیونکہ تعریف کسی کمال اور خوبی پر کی جاتی ہے' اور تمام کمالات اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں' ہر چیز میں بہ ظاہر جو کمال نظر آتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کا کمال ہے۔

فاطر کا لفظ' فطر سے بنا ہے' فطر کا معنی ابتداء اور اختراع ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے فاطر السموات والارض کے معنی کا اس وقت تک پتا نہیں چلا حتیٰ کہ میرے پاس دو اعرابیوں نے اپنے جھگڑے میں مجھے اپنا حاکم بنایا وہ ایک کنویں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا کہ انا فطر تھا میں نے اس کنویں کو ابتداءً کھودا ہے۔
(نہایہ ج ۳ ص ۳۹)

جن فرشتوں کو رسول بنایا ہے وہ حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

ملائکہ کی تعریف

وہ فرشتے دو' دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں' اس کا معنی ہے ان فرشتوں کے پر ہوتے ہیں اور اس آیت میں چار سے زائد پر والے فرشتوں کی نفی نہیں ہے' کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے' اور حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۷)

جو فرشتے رسول ہیں ان کی دو جہتیں ہوتی ہیں ایک جہت سے وہ اللہ تعالیٰ سے نعمتیں وصول کرتے ہیں اور دوسری جہت سے وہ مخلوق تک ان نعمتوں کو پہنچاتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ اس قرآن کو الروح الامین (حضرت جبریل) نے آپ کے

الْمُنْذِرِيْنَ○ (الشعراء: ۱۹۳۔ ۱۹۴) قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو) عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

فالمدبرات امرا○ کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی قسم!

بعض علماء نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ اجسام لطیفہ نوریہ ہیں اور مختلف صورتوں میں متشکل ہونے پر اور سخت اور مشکل کاموں کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے قادر ہیں۔

خوب صورت چہرے‘ خوب صورت آواز اور خوب صورت لکھائی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بناوٹ میں اور ان کے پروں میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے‘ اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی جسمانی بناوٹ میں یا اس کی خوش آوازی میں یا اس کی خوب صورت لکھائی میں یا اس کی آنکھوں‘ یا ناک یا چہرے کی ملاحت میں یا اس کے بالوں کے گھونگر میں یا اس کی عقل کی تیزی یا اس کے علم اور ادراک میں یا اس کے پیشے میں یا اس کے نفس کی پاکیزگی میں یا اس کی گفتگو کی شیرینی میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے‘ اور ان چیزوں کا بہ طور تمثیل ذکر کیا گیا ہے ان چیزوں میں منحصر کرنا مراد نہیں ہے‘ اور یہ آیت ان تمام چیزوں کو شامل ہے‘ بلکہ جن چیزوں کو ظاہری طور پر حسین کہا جاتا ہے اور جن چیزوں کو ظاہری طور پر قبیح کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا اضافہ کرنا ان سب کو شامل ہے‘ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی بنایا ہے وہ حسین ہے خواہ ہم کو اس کے حسن کی وجہ معلوم ہو یا نہ ہو۔

آواز کے حسن کا اس حدیث میں ذکر ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۸‘ سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۰۱۴‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۲)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اپنی آوازوں کے حسن کے ساتھ قرآن مجید کی زینت کو ظاہر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بہت بلند اور برتر ہے کہ مخلوق کی آوازوں سے وہ مزین ہو‘ اور قرآن مجید کو خوش الحانی اور طرز کے ساتھ پڑھنا اس وقت تک مستحسن ہے جب تک کہ حروف کی ادائیگی میں کمی یا زیادتی سے قرآن مجید کا معنی متغیر نہ ہو۔

اور خوش خط لکھنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب صورت کتابت اور تحریر حق کو زیادہ واضح کرتی ہے۔ (مسند الفردوس للدیلمی ج ۲ رقم الحدیث: ۲۸۱۶‘ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۴۱۳۴‘ حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف فرمایا ہے)

خوب صورت لکھائی ان چیزوں میں سے ہے جس کی طرف تمام شہروں کے لوگ رغبت کرتے ہیں اور اس فن میں کمال حاصل کرنا کمالات بشریہ میں سے ہے‘ ہر چند کہ اس فن میں زیادہ ترقی کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے‘ اور کتنے درویش اپنے قلم کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے‘ خوب صورت لکھائی سے پڑھنے والا محظوظ اور خوش ہوتا ہے‘ سبز پتوں میں پکے ہوئے پھل سفید کاغذوں میں خوب صورت لکھائی سے زیادہ خوش نما نہیں معلوم ہوتے‘ اور خوب صورت لکھائی سے لکھا ہوا مسودہ نوخیز حسیناؤں کے گلابی رخساروں سے زیادہ بھلا لگتا ہے‘ اور علماء نے کہا ہے کہ خوب صورت لکھائی بھی ایک قسم کی فصاحت ہے۔

چھینک اور ڈکار کا نعمت اور بیماری ہونا

اس آیت کے شروع میں الحمدللہ کا ذکر ہے اور جس شخص کو چھینک آئے اس کو الحمدللہ کہنا چاہیے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے اور جب وہ یرحمک اللہ کہے تو چھینک والے کو یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہیے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۹)
چھینک کا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' کیونکہ جسم کے اندر سے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جس سے سر کے مسامات بند ہو جاتے ہیں' جس کی وجہ سے بعض اوقات سر میں درد ہو جاتا ہے' چھینک آنے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور بخارات نکل جاتے ہیں اور دماغ کو راحت ملتی ہے سو بندہ کو چاہیے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔
اسی طرح ڈکار آنے پر بھی الحمدللہ کہنے کی ہدایت ہے:
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی شخص کو ڈکار آئے یا چھینک آئے تو وہ ان کے ساتھ آواز بلند نہ کرے کیونکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کے ساتھ آواز بلند کی جائے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۵۳۲)
حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو چھینک آئے یا ڈکار آئے اور وہ کہے الحمد علی کل حال من الاحوال تو اس سے ستر بیماریوں کو دور کر دیا جاتا ہے ان میں سب سے کم درجہ کی بیماری جذام ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۵۴۲)
جب معدہ طعام سے بھر جاتا ہے تو وہ جگہ بنانے کے لیے طعام کو نیچے کرتا ہے' گویا ڈکار کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ معدہ طعام سے بھر گیا سو اس نعمت پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے' تاہم زیادہ کھانا کھا کر ڈکاریں لینا ناپسندیدہ امر ہے' حدیث میں ہے:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ڈکار لی تو آپ نے فرمایا تم اپنی ڈکار کو ہمارے سامنے سے بند کرو کیونکہ قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ بھوکا شخص وہ ہوگا جو تم میں سے بہ کثرت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۵۰)
انسان کبھی کبھار پیٹ بھر کر کھائے اور اس کو ڈکار آئے تو یہ نعمت ہے اور اس پر شکر ادا کرے' اور زیادہ ڈکاریں آنا بیماری ہے' جب معدہ میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے تو انسان کو زیادہ ڈکاریں آتی ہیں' اسی طرح ایک آدھ بار چھینک کا آنا تو نعمت ہے لیکن زیادہ چھینکوں کا آنا زکام کی بیماری ہے' حدیث میں ہے:
ایاس بن سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کو چھینک آئی تو آپ نے (اس کے الحمدللہ کہنے کے جواب میں) فرمایا یرحمک اللہ' پھر جب اس شخص کو تیسری بار چھینک آئی تو آپ نے فرمایا اس شخص کو زکام ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۱۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۶۸۵' مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۶' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۶۶۴)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں ہے اور جس کو بند کر دے تو اس کے بند کرنے کے بعد اس کو' کوئی کھولنے والا نہیں ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے ○ اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو

یاد کیا کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے' اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو O اور اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں O (فاطر: ۴-۲)

رحمت اور فتح کی متعدد تفاسیر

اس آیت میں رحمت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسولوں کو لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے' اور اللہ کے سوا ان کے بھیجنے پر اور کوئی قادر نہیں ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد بارش اور رزق ہے اور اللہ کے سوا کوئی بارش نازل کرنے یا رزق پہنچانے پر قادر نہیں ہے' اگر اللہ رسولوں کو بھیجے تو کوئی ان کو روکنے والا نہیں ہے اسی طرح جب وہ بارش نازل کرے یا رزق پہنچائے تو کوئی بارش یا رزق کو روکنے والا نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رحمت سے مراد توبہ ہے' ضحاک نے کہا رحمت سے مراد دعا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد توفیق اور ہدایت ہے' اس آیت میں رحمت کا لفظ نکرہ ہے اور عام ہے تو رحمت کا لفظ ان تمام معانی کو شامل ہے۔

علامہ ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

عارفین کے دلوں میں تحقیق کے جو انوار داخل ہوتے ہیں ان انوار کو کوئی بادل چھپا نہیں سکتا' اور اولیاء کے دلوں میں جو یقین ہے' اس کو کوئی زائل نہیں کر سکتا اور اللہ اپنے کامل بندوں کو جو آسانیاں مہیا فرماتا ہے تو کوئی ان آسانیوں کو مشکلات سے تبدیل نہیں کر سکتا۔ (لطائف الاشارات ج ۳ ص ۶۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس آیت میں رحمت کے کھولنے کا ذکر ہے اس سے مراد دنیاوی رحمت کا کھولنا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الاعراف: ۹۶)

اور اگر ان بستیوں میں رہنے والے ایمان لے آتے اور گناہوں سے بچتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کو کھول دیتے۔

اور اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دل پر علوم اور ہدایات کو کھول دے اور اس کے اور اس کے بندے کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دے' اور درج ذیل آیت کی ایک یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. (الفتح: ۱)

ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرما دی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عموماً نمازوں کے بعد جو ذکر فرماتے تھے اس میں بھی اس آیت کے موافق یہ معنی تھا کہ اللہ جو چیز عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کو' کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ ذکر فرماتے تھے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد.

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' اے اللہ! جس چیز کو تو عطا کرے اس کو' کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش کام نہیں آ سکتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸)

اللہ کی نعمت کو یاد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا

اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کیا کرو۔

اس کے معنی ہے اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہو' تا کہ وہ نعمت تمہارے پاس ہمیشہ رہے' اور نعمت میں اضافہ ہوتا رہے کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے' اور شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے جب بھی اس نعمت کا ذکر کرو تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو ہمارے کسی استحقاق کے بغیر یہ نعمت عطا کی ہے' اور اس نعمت کی رعایت اور حفاظت کرو' اللہ تعالیٰ نے جس کام میں اور جس محل میں صرف کرنے کے لیے وہ نعمت عطا کی ہے اس نعمت کو اسی کام میں اور اسی محل میں خرچ کرو' اس نعمت کو اس کے محل اور صحیح مصرف کے علاوہ خرچ نہ کرو' اور نہ کسی گناہ اور ناجائز کام میں خرچ کرو۔

نیز فرمایا: کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے!

آسمانوں سے رزق دینے سے مراد ہے بارش نازل فرمانا اور زمین سے رزق دینے سے مراد ہے زمین سے اناج' غلہ اور پھل وغیرہ پیدا کرنا۔

اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان کو یہ کامل یقین ہو جائے گا کہ اللہ کے سوا کوئی رازق نہیں ہے' تو کسی بھی چیز کو طلب کرنے کے لیے اس کا دل اللہ کے غیر کی طرف متوجہ نہیں ہوگا' نہ وہ کسی کے سامنے جھکے گا اور عاجزی کرے گا اور حق بات کہنے میں وہ کسی سے نہیں ڈرے گا اور اپنی طبیعت اور مزاج اور خلاف شرع کام کرنے میں وہ کسی کی اطاعت اور موافقت نہیں کرے گا۔

پھر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو!

یعنی تم توحید کو چھوڑ کر شرک کی وادی میں کیوں بھٹک رہے ہو اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کے کیوں درپے ہو!

اس کے بعد فرمایا: اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (فاطر: ۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار کا طعن و تشنیع کرنا اور دل آزار باتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے' آپ اس پر رنج اور افسوس نہ کریں' اور جس طرح پہلے انبیاء نے کفار کی باتوں پر صبر کیا تھا آپ بھی صبر کریں۔

عقائد اسلامیہ کے تین اصول ہیں' توحید' رسالت اور آخرت' اس سے پہلی آیت میں توحید کا ذکر تھا اور اس آیت کے پہلے حصے میں رسالت کا ذکر ہے اور اس کے آخری حصہ میں آخرت کا ذکر ہے' کیونکہ فرمایا اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے' سو تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے' اور نہ (شیطان) تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھے O بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم (بھی) اس کو دشمن بنائے رکھو' وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہو جائیں O جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے O (فاطر: ۷۔۵)

شیطان کے دھوکے کا بیان

آخرت اور عذاب اور ثواب کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے اس آیت میں ان کو نصیحت کی گئی ہے۔

دنیا کی زندگی کے دھوکے میں ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں' اس کی لذتیں' اس کی زیب و زینت اور اس کی رنگینیاں' انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل کر دیں' حتیٰ کہ حشر کے دن وہ کف افسوس ملتا رہ جائے' اور نہ شیطان تمہیں اللہ عزوجل کے متعلق دھوکے میں رکھے' اور وہ دھوکہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو بھولا رہے' مسلسل گناہ کرتا رہے اور امید یہ رکھے کہ اللہ اس کی مغفرت کر دے گا' اس کا یہ بھی معنی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تم اپنے گناہوں پر پریشان یا پشیمان نہ ہو' اللہ غفور رحیم ہے وہ مومنوں پر بہت کرم اور فضل فرماتا ہے وہ تم کو معاف کر دے گا! اور اس طرح وہ انسان کو توبہ کرنے سے باز رکھے۔

ہمارے زمانے میں لوگ فرض نمازیں نہیں پڑھتے' رشوت خوری' چور بازاری' ملاوٹ اور فراڈ بازی سے پرہیز نہیں کرتے' پڑوسیوں کے حقوق ادا نہیں کرتے' اکثر لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھتے اور میلاد شریف اور گیارھویں شریف کو قضا نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت غوث اعظم کی شفاعت سے ہماری مغفرت ہو جائے گی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں' حالانکہ یہ ان کی بھول ہے اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر مبنی از خود کوئی عمل کرے اور آپ کے حکم پر عمل نہ کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوتے ہیں' اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو (غزوہ موتہ میں) ایک لشکر میں روانہ کیا اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا' حضرت عبداللہ بن رواحہ کے اصحاب علی الصباح روانہ ہو گئے' حضرت ابن رواحہ نے سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ لوں پھر جا کر اپنے اصحاب سے مل جاؤں گا' جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لی تو آپ نے ان کو دیکھ لیا' آپ نے پوچھا تم کو علی الصباح اپنے اصحاب کے ساتھ جانے سے کس چیز نے روک لیا؟ انہوں نے کہا میں نے یہ ارادہ کیا میں آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ لوں' پھر ان سے مل جاؤں گا' آپ نے فرمایا اگر تم تمام روئے زمین کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو ان کے علی الصباح روانہ ہونے کی فضیلت کو نہیں پاسکو گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۲۷' مسند احمد ج۱ص ۲۵۶۔۲۲۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج۳ص ۱۸۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۷)

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کا معنی بھی صحیح ہے کیونکہ جہاد کرنا جمعہ کی نماز اور دیگر باجماعت نماز سے افضل ہے' اور جہاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا باجماعت نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(عارضۃ الاحوذی ج۲ص ۵۶۸۔۵۶۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا مطلقاً تمام عبادات سے افضل ہے' جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے لیکن جب آپ نے جمعہ کے دن علی الصباح جہاد کے لیے روانہ ہونے کا حکم دیا تو اب جمعہ کی نماز پڑھنا فرض نہیں تھا علی الصباح روانہ ہونا فرض تھا۔ حضرت ابن رواحہ نے آپ کے حکم پر عمل کرنے کو ترک نہیں کیا تھا صرف آپ کی محبت کی وجہ سے موخر کیا تھا' اور اس پر آپ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تو اگر ہم آپ کے احکام پر عمل کو ترک کر دیں اور آپ کے منع کیے ہوئے

کاموں کو کریں اور آپ کی محبت میں میلاد شریف منانے اور نعت خوانی کی محفلوں کے سجانے کو کافی سمجھیں تو کیا ہمارے اس وتیرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے! یہ صرف شیطان کا دھوکا ہے جو ہمارے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم بس محفل میلاد اور بزرگوں کی نیاز دیتے رہو' فرائض کی مشقت برداشت کرنے کی اور محرمات سے بچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے! یاد رکھیے میلاد شریف کی محفلیں' نعت خوانی کی مجلسیں اور بزرگوں کی نیاز ضرور باعث ثواب اور مستحب ہیں لیکن فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اور محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرنا مقدم ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے نام پر فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اور محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کر کے شیطان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ فرماتے ہیں: واحسرتاہ!

اہل سنت بہر قوالی و عرس — دیو بندی بہر تصنیفات و درس

خرچ سنی بر قبور و خانقاہ — خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

(دیوان سالک ص ۲۷' مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔۲)

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

تو کیا جس شخص کے لیے اس کے بُرے عمل کو خوش نما بنا دیا گیا سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا' (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے)

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ

سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے' لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو'

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ

بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے ○ اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھا لاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو

سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ

مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں' اسی قیاس

كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ

پر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے ○ جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' پاکیزہ کلمات

يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ

اسی کی طرف چڑھتے ہیں' اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازش

السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

کرتے رہتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ○ اور اللہ نے تم کو

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى

(ابتداءً) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ

تو وہ اس کے علم میں ہے، اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے،

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۖ

وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے، بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے O اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں،

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ

یہ بہت میٹھا ہے، اس کو پینا خوش گوار ہے اور یہ دوسرا سخت کھاری ہے، اور تم ہر ایک سے

تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں

الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾

کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو O

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ

وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر

الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ

دیا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے، یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے، اسی کا ملک ہے، اور جن کی

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ ؕ اِنْ

تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں O (اے مشرکو!) اگر تم ان کو پکارو

تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ

تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکیں گے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو وہ تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں گے بلکہ (تمہارے خود ساختہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

معبود) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تم کو اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہ دے سکے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا جس شخص کے لیے اس کے برے عمل کو خوش نما بنا دیا گیا سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے!) سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو' بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے O اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں' سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں' اسی قیاس پر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے O (فاطر: ۹۔۸)

برائی کو اچھائی سمجھنے والے اور ان کا شرعی حکم

فاطر: ۸ کے شروع میں جملہ استفہامیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور اس کی دو تقریریں ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان نے جس شخص کے لیے کفر' معصیت اور بت پرستی وغیرہ کو خوش نما بنا دیا ہے' سو وہ شخص ان ناجائز کاموں کو مستحسن سمجھتا ہے' اور شیطان کے خوش نما بنا دینے کی وجہ سے ان برے کاموں کو اچھا جانتا ہے' تو کیا ایسا شخص ہدایت یافتہ شخص کی مثل ہو سکتا ہے! اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس شخص کے لیے اس کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ برے کاموں کو اچھا سمجھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے آپ کا دل غم زدہ نہ ہو' کیونکہ اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا وہ ہم میں سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں کام حرام ہے اس کے باوجود وہ اس کام کو کرتے تھے' ان کو معلوم تھا کہ زنا حرام ہے' اور بے قصور شخص کو قتل کرنا حرام ہے پھر بھی وہ ان کاموں کو کرتے تھے' یہ لوگ یہود' نصاریٰ اور مجوس ہیں اور میرا گمان ہے کہ خوارج بھی ان ہی میں سے ہیں' کیونکہ خارجیوں نے تمام اہل بصرہ کے خلاف اپنی تلوار سے خروج کیا اور وہ مسلمانوں کے قتل کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور اگر ان کے دین میں یہ مطلوب نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۹۳۱)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں اس آیت کے شان نزول میں چار قول ہیں:

(۱) ابوقلابہ نے کہا اس سے مراد یہود' نصاریٰ اور مجوس ہیں' اور برے اعمال سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد رکھنا ہے۔

(۲) عمر بن القاسم نے کہا اس سے مراد خوارج ہیں اور برے عمل سے مراد باطل تاویل اور تحریف ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا اس سے مراد شیطان ہے اور برے اعمال سے مراد اس کا بہکانا اور گم راہ کرنا ہے۔

(۴) کلبی نے کہا اس سے مراد کفار قریش ہیں اور برے عمل سے مراد ان کا شرک کرنا ہے' اس نے کہا یہ آیت العاص بن وائل السہمی اور الاسود بن المطلب کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور دوسروں نے کہا یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ اس سے مراد کفار قریش ہیں کیونکہ اس مضمون کی زیادہ تر آیات کفار قریش کے متعلق نازل ہوئی ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (البقرہ:۲۷۲)
ان کو ہدایت یافتہ بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت پیدا فرما دیتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (آل عمران:۱۷۶)
کفر میں جلدی کرنے والے لوگ آپ کو غمگین نہ کریں' یہ اللہ کو بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے لیے اجر آخرت میں سے کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکہف:۶)
اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

اور اسی مضمون کی آیت یہاں ہے: لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو۔

یعنی ان کے کفر پر ڈٹے رہنے اور شرک پر جمے رہنے سے جو آپ کو غم ہو رہا ہے' اس غم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' کیونکہ جب انہوں نے کفر کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا' اگر یہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے تو آپ اس پر افسوس نہ کریں کیونکہ ہدایت کا پیدا کرنا اللہ کا کام ہے آپ کا فریضہ نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

حرام کام کو حرام سمجھتے ہوئے کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حرام کام کو جائز اور مستحسن سمجھ کر کرنا کفر ہے' بعض ممنوع کاموں کی حرمت ظنی ہوتی ہے اور بعض ممنوع کاموں کی حرمت قطعی ہوتی ہے مثلاً ڈاڑھی منڈانے اور سیاہ خضاب لگانے کی حرمت ظنی ہے اور زنا اور قتل کی حرمت قطعی ہے اور حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے اور حرام ظنی کو جائز اور اچھا سمجھنا ہر چند کہ کفر نہیں ہے' لیکن اس کے ضلالت اور گم راہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے' عورتوں کا بے حجاب بازاروں میں پھرنا' دفتروں میں کام کرنا' اجنبی مردوں سے باتیں کرنا' مردوں کا ڈاڑھی منڈانا' اور مردوں اور عورتوں کا موسیقی سننا اور بجانا' فحش گانے گانا' تصویر کھینچنا اور کھنچوانا' گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا' ناجائز کام کے لیے رشوت دینا اور لینا' چور بازاری' ذخیرہ اندوزی' دواؤں اور کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنا' غیبت اور چغلی کرنا' یہ تمام کام حرام ظنی ہیں اور ان میں اول الذکر تمام وہ کام ہیں جن کو اچھا سمجھ کر کیا جاتا ہے' یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہم نے برائی کو اچھا سمجھ کر کرنا شروع کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً گم راہ فرمایا ہے جو برے کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں' خواہ ان کے وہ کام کفر کی حد تک پہنچے ہوں یا نہ ہوں۔

اس آیت میں حسرات کا لفظ ہے' یہ حسرت کی جمع ہے' جو نیکی اور اچھائی فوت ہو جائے اس پر غم کو حسرت کہتے ہیں' پشیمانی اور پچھتانے اور نادم ہونے کو بھی حسرت کہتے ہیں' الحسر کا معنی تھکنا ہے گویا فرط غم سے وہ نڈھال ہو گیا اور تھک گیا اور اس کی قوتیں کمزور ہو گئیں' مطلب یہ ہے کہ کفار مکہ کے برے عقائد اور برے اعمال دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پے در پے غم ہوتا تھا' اس لیے فرمایا آپ کے دل میں ان کے لیے حسرتیں نہ آئیں' یعنی آپ کو یہ حسرت تھی کہ وہ شرک نہ کرتے اور یہ حسرت تھی کہ وہ زمانہ جاہلیت والے فحش کام نہ کرتے اور آپ کو یہ حسرت تھی کاش وہ ایمان لے آتے اور صالح عمل کرتے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ یہ حسرتیں نہ کریں' ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا ہے' اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

بنجر زمین کی زرخیزی سے حشر ونشر پر استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں' پھر ہم اس بادل کو مردہ شہر کی طرف لے جاتے ہیں سو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو اس بادل سے زندہ کر دیتے ہیں۔ (فاطر: ۹)

قرآن مجید میں حشر ونشر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر اس سے بہت استدلال فرمایا ہے کہ زمین مردہ اور بنجر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر اس مردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور سرسبز بنا دیتا ہے۔ فرمایا:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ (الحج: ۵)

تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک ہوتی ہے' پھر جب ہم اس پر بارش نازل فرماتے ہیں تو وہ پھلتی پھولتی ہے اور ہر قسم کا خوش نما سبزہ اگاتی ہے۔

یعنی زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے اور بارش کے بعد کس طرح زرخیز اور شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے غلے اور سبزیاں اگانے لگتی ہے' باغات میں ہر قسم کے پھل اور میوے پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کے پھول کھلتے ہیں' تو جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی وہ مردہ انسانوں کو زندہ کر دے گا۔

ابو رزین اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا' آپ نے فرمایا: کیا کبھی تم ایسی وادی کے پاس سے نہیں گزرے جو پہلے بنجر اور خشک ہو اور دوبارہ اس کے پاس سے گزرے تو وہ سرسبز اور لہلہا رہی ہو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۱ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث ۱۶۱۳۷' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجب الذنب کے سوا انسان کا پورا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے اسی سے اس کا جسم (دوبارہ) بنایا جائے گا (پورے جسم کے بوسیدہ ہونے سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر ان کے اجسام حرام کر دیئے ہیں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۸۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی ایک ہڈی ایسی ہے جس کو زمین کبھی نہیں کھاتی قیامت کے دن انسان اسی میں بنایا جائے گا' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی ہڈی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ عجب الذنب ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۹۵۵' الرقم المسلسل ۷۲۸۰)

عَجْبُ الذَّنَب کی تحقیق

عجب الذنب میں عجب کی عین پر زبر اور ج پر جزم ہے اور ذنب میں ذ اور ن پر زبر ہے' عجب کے معنی ہے ہر چیز کا پچھلا حصہ دم کی جڑ' ذنب کا معنی بھی دم ہے۔ (المنجد)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

کمر کے نچلے حصے میں جو باریک ہڈی ہوتی ہے اس کو العُصعُص اور عجب الذنب کہتے ہیں' انسان میں سب سے پہلے اسی ہڈی کو پیدا کیا جاتا ہے' اور اسی ہڈی کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ اسی سے انسان کا دوبارہ جسم بنایا جائے۔

(شرح نواوی مع صحیح مسلم ج ۱۱ ص ۲۲۶ ۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عجب الذنب وہ لطیف ہڈی جو دم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتی ہے' امام ابن ابی الدنیا نے کتاب البعث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ عجب کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رائی کے

دانہ کی مثل ہے' آدمی کے جس جز کی سب سے پہلے تخلیق کی جاتی ہے وہ یہی جز ہے' اور اسی جز کو باقی رکھا جاتا ہے تا کہ اسی سے انسان کا دوبارہ جسم بنایا جائے' اس جز کو باقی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ فرشتے پہچان سکیں کہ اس جز میں فلاں انسان کی روح داخل کرنی ہے' جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی ہڈیوں کو باقی رکھا گیا تھا' اگر فرشتوں کے لیے اس جز کو باقی نہ رکھا جاتا تو پھر بعینہٖ اسی جسم میں روح داخل نہ ہوتی بلکہ اس کی مثل میں داخل ہوتی۔ اسی جز کو باقی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی جز کی تخلیق ہوئی تھی' اور وہ جو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم کے سر کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کی خصوصیت ہے ان کی اولاد کے اسی جز کی سب سے پہلے تخلیق کی گئی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۲۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں' اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے' اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے رہتے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ○ اور اللہ نے تم کو ابتداءً مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے' پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا' اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے' اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے' وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے' بے شک یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے ○ (فاطر: ۱۱۔۱۰)

تمام عزتیں اللہ کے لیے ہونے کے متعدد محامل

فاطر: ۱۰ میں فرمایا جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کو ایسی عزت کا علم ہو جس کے ساتھ کوئی ذلت نہیں ہے تو وہ سن لے کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں' کیونکہ جو عزت کسی ذلت تک پہنچائے وہ درحقیقت ذلت ہی ہے' اور جس عزت کے ساتھ کوئی ذلت نہیں ہے وہ صرف اللہ عزوجل کے لیے ہے۔

(۲) جو شخص اللہ سبحانہ کی عبادت کرنے سے عزت کے حصول کا ارادہ کرے' اور عزت اللہ سبحانہ ہی کے لیے ہے تو وہ اس کو دنیا میں بھی عزت دے گا اور آخرت میں بھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ صاحب اقتدار' صاحب حیثیت اور صاحب منصب لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ جو شخص عزت کا طلب گار ہو اور اس کی طلب میں صادق ہو' اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور ذلت اور خضوع اور خشوع کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائے گا' کیونکہ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور کسی بندہ کے معافی مانگنے سے اللہ اس کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو سربلند کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۲۴)

(۴) جو شخص اللہ کے غیر سے عزت کو طلب کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس غیر کے سپرد کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے عزت طلب کی' فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا. (النساء: ۱۳۹)

جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں' کیا وہ ان (کافروں) سے عزت کو طلب کرتے ہیں' وہ یاد رکھیں کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام عزتیں اللہ ہی کے پاس ہیں وہ جس کو چاہے عزت دے دے اور جس کو چاہے ذلت دے دے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۔ (آل عمران: ۲۶)

آپ کہیے: اے اللہ' ملک کے مالک! تو جس کو چاہے ملک عطا کر دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے' اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے' تمام اچھائیاں تیرے ہی دست قدرت میں ہیں۔

سو جو شخص کسی عظیم کامیابی کے حصول کے لیے عزت چاہتا ہو اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہو' اس کے چاہیے کہ وہ عزت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کا قصد کرے اور اس سے عزت کو طلب کرے' کیونکہ اگر وہ کسی مخلوق سے عزت کو طلب کرے گا تو اللہ عزوجل اس کو ذلت میں مبتلا کر دے گا اور جو اللہ سے عزت کو طلب کرے گا تو اللہ اس کو عزت عطا فرمائے گا۔

الکلم الطیب کی تفسیر میں متعدد اقوال

الکلم الطیب (پاکیزہ کلمات) اس کی طرف چڑھتے ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ لکھتے ہیں:

الکلم الطیب کی تفسیر میں دو قول ہیں' یحییٰ بن سلام نے کہا اس سے مراد کلمہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ' اور نقاش نے کہا اس سے مراد نیک مومنوں کی' کی ہوئی اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے جس کو لے کر ملائکہ مقربین چڑھتے ہیں۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۴۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مخارق بن سلیم نے کہا' ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم تم سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کی تصدیق میں تمہارے سامنے کتاب اللہ کو پیش کرتے ہیں' جب مسلمان بندہ یہ کہتا ہے: سبحان اللہ وبحمدہ' الحمد للہ لا الہ الا اللہ' واللہ اکبر' تبارک اللہ تو فرشتہ ان کلمات کو لے کر اپنے پروں کے نیچے رکھ لیتا ہے' پھر ان کلمات کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتا ہے' وہ ان کلمات کو لے کر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ فرشتے ان کلمات کے پڑھنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں' حتیٰ کہ اللہ کے سامنے ان کلمات کو پیش کرتے ہیں' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کو پڑھا:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ۔ (فاطر: ۱۰) پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۲۱۲۳)

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الکلم الطیب سے مراد ہے لا الہ الا اللہ۔

(الکشاف ج ۳ ص ۶۱۱)

لا الہ الا اللہ کو طیب فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ عقل سلیم اس کلمہ کو پاکیزہ قرار دیتی ہے اور اس سے محظوظ ہوتی ہے' کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتا ہے اور توحید کے ماننے پر ہی نجات کا مدار ہے' اور توحید پر ایمان لانا ہی جنت کی دائمی نعمتوں کے لیے وسیلہ ہے' یا اس کلمہ کو طیب فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ شریعت میں یہ پسندیدہ کلمہ ہے اور ملائکہ علیہم السلام اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد قرآن مجید ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد نیک مسلمانوں کی تعریف اور تحسین ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسی دعا ہے جس میں شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو اور مختار قول یہ ہے کہ الکلم الطیب سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو یا ہر وہ کلام ہے جس میں اللہ کے لیے وعظ اور نصیحت ہو۔

کلمات طیبہ کے چڑھنے کی توجیہات

صعود اور چڑھنے کا معنی ہے اوپر کی طرف حرکت کرنا اور اس کو عروج بھی کہتے ہیں اور کلمات اور کلام کا اوپر چڑھنا متصور نہیں ہے' کیونکہ کلمات اور کلام عرض ہیں جو متکلم کے ساتھ قائم ہیں' اپنے محل سے قطع نظر ان کا کوئی وجود نہیں ہے تو پھر فرشتوں کا ان کلمات کو لے کر چڑھنا موجب اشکال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ چڑھنے سے مراد ان کلمات کا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا ہے' کیونکہ ثواب کی جگہ اوپر ہے اور عذاب کی جگہ نیچے ہے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کلمات کے اوپر چڑھنے سے مراد یہ ہے کہ فرشتے ان صحائف اعمال کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں جن صحائف میں انہوں نے کلمات طیبہ لکھے ہوئے ہیں' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کو مجسم کر دے اور فرشتے ان کو اٹھا کر لے جائیں۔

نیک عمل کے محامل

اس کے بعد فرمایا: اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے۔

عمل صالح سے مراد فرائض کا ادا کرنا ہے' یا اس سے مراد تمام عبادات اور نیک اعمال ہیں اور والعمل الصالح یرفعه کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) حسن بصری اور یحییٰ بن سلام نے کہا اس کا معنی ہے الکلم الطیب یعنی پاکیزہ کلمات عمل صالح کو بلند کرتے ہیں۔

(۲) ضحاک اور سعید بن جبیر نے کہا عمل صالح پاکیزہ کلمات کو بلند کرتے ہیں۔

(۳) قتادہ اور سدی نے کہا اللہ تعالیٰ عمل صالح کو بلند کرتا ہے' یعنی عمل صالح کرنے والے کے درجات بلند کرتا ہے۔

(النکت والعیون ج ۴ ص ۴۴۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الکلم الطیب سے مراد اللہ کا ذکر ہے اور العمل الصالح سے مراد اس کے فرائض کا ادا کرنا ہے' سو جس شخص نے فرائض کی ادائیگی میں اللہ کا ذکر کیا تو اس کے ذکر کو فرشتے اوپر لے کر چڑھتے ہیں' اور جس شخص نے اللہ کا ذکر کیا اور فرائض کو ادا نہیں کیا تو اس کے کلام کو اس کے عمل کی طرف لوٹا دیا جائے گا پس عمل صالح اس کے کلام سے اولیٰ ہے۔

مجاہد نے بھی اس کی تفسیر میں کہا کہ عمل صالح کلام طیب کو بلند کرتا ہے۔

حسن اور قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ کسی کلام کو عمل کے بغیر قبول نہیں کرتا' جس نے کلمات طیبہ کہے اور نیک عمل کیے تو اس کے کلمات طیبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے (ان آثار کی سند ضعیف ہے)۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۴۴' رقم الحدیث: ۲۲۱۲۸' ۲۲۱۲۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن نماز میں پڑھا جائے وہ اس قرآن پڑھنے سے بہتر ہے جو غیر نماز میں پڑھا جائے' اور قرآن کو غیر نماز میں پڑھنا ذکر کی دیگر اقسام سے بہتر ہے اور صدقہ کرنا نماز سے بہتر ہے' اور روزہ دوزخ سے مضبوط ڈھال ہے اور کوئی قول عمل کے بغیر مقبول نہیں ہوتا اور کوئی عمل نیت کے بغیر

مقبول نہیں ہوتا اور کوئی قول اور عمل اور نیت اتباع سنت کے بغیر مقبول نہیں ہے (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۳ ص ۱۳۸۰ جدید' شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۲۴۳' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۱۶۶' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۱۱۲' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۰۳' الکشاف ج ۳ ص ۶۱۲-۶۱۱)

کلام طیب کی وجہ سے نیک عمل کے اوپر چڑھنے کی تحقیق

ان احادیث اور آثار کی بناء پر قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی اندلسی التوفی ۵۴۳ ھ کا مختار یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر کلمات طیبہ مقبول نہیں ہوتے وہ لکھتے ہیں:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا جو کلام' اللہ کے ذکر کے ساتھ مقترن نہ ہو وہ نفع نہیں دیتا' کیونکہ جس شخص کا قول اس کے فعل کے خلاف ہو وہ اس پر وبال ہوتا ہے۔

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب عمل صالح قول کے لیے شرط ہو یا اس کے ساتھ مربوط ہو' تو وہ قول اس عمل کے بغیر مقبول نہیں ہوتا' اور اگر عمل صالح قول کے لیے شرط نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ مربوط ہو تو اس کے کلمات طیبہ اس کے نفع کے لیے لکھے جاتے ہیں اور اس کے برے اعمال اس کے ضرر کے لیے لکھے جاتے ہیں' پھر اس کی نیک باتوں اور برے کاموں کا وزن کیا جائے گا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ فرمائے گا۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے جو کچھ لکھا ہے وہی تحقیق ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ کلام طیب کے قبول ہونے کے لیے عمل صالح شرط ہے' اور آثار میں ہے کہ جب بندہ صادق نیت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو فرشتے اس کے عمل کی طرف دیکھتے ہیں' اگر اس کا عمل اس کے قول کے موافق ہو تو فرشتے اس کے کلام اور عمل دونوں کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور اگر اس کا عمل اس کے قول کے مخالف ہو تو فرشتے توقف کرتے ہیں' حتیٰ کہ وہ اس برے عمل سے توبہ کرے' اس تحقیق کی بناء پر عمل صالح ہی کلام طیب کو اوپر لے جاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۲۹۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی اور علامہ قرطبی دونوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہنا نیک اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے' نیک اعمال لا الٰہ الا اللہ کے قبول ہونے کی شرط نہیں ہیں' ان دونوں بزرگوں کی یہ تحقیق قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل: ۹۷)

جس نے بھی نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

قرآن مجید نے لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے اور اس کی شہادت دینے کو اصل اور نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط فرمایا اور قاضی ابن العربی اور علامہ قرطبی نے اعمال صالحہ کو اصل اور لا الٰہ الا اللہ کے مقبول ہونے کی شرط قرار دیا ہے' اور جس حدیث اور جن آثار کی بناء پر انہوں نے اصول اہل سنت اور ظاہر قرآن کے خلاف یہ لکھا ہے' ہم بتا چکے ہیں کہ ان کی اسانید ضعیف ہیں۔

نیز قاضی ابن العربی اور علامہ قرطبی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر کلام طیب کے ساتھ نیک عمل نہ ہوں تو وہ کلام طیب مردود ہوگا' اور اوپر نہیں چڑھے گا اور وہ کلام طیب اس کے لیے باعث ضرر اور وبال ہوگا' بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا کلام طیب مقبول ہوگا اور اوپر چڑھے گا اور اس کے لیے باعث اجر ہوگا البتہ نیک عمل نہ کرنے کی وجہ سے یا برے عمل کرنے کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہوگا قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷) جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیکی کی وہ اس کا اجر پائے گا' اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا۔

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء کا قول حضرت ابن عباس کی اس روایت کے موافق ہے کہ جب بندہ اللہ کا ذکر کرے اور کلام طیب کہے اور اس کے ساتھ فرائض بھی ادا کرے تو اس کے عمل کے ساتھ اس کا قول اوپر چڑھتا ہے ورنہ اس کا قول رد کر دیا جاتا ہے۔

یہ قول اہل حق اہل سنت کے اعتقاد کو رد کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس کی سند صحیح نہیں ہے' اور حق یہ ہے کہ وہ فاسق جو فرائض کا تارک ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اور کلام طیب کہے گا تو اس کا یہ عمل لکھا جائے گا اور اس کی طرف سے قبول کیا جائے گا اس کی نیکیوں کا اس کو اجر وثواب ملے گا اور اس کی برائیوں پر اس کو استحقاق عذاب ہوگا' اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے کلام طیب کو قبول فرماتا ہے جو شرک سے بچتا ہے' اور جن صحابہ اور تابعین نے یہ کہا ہے کہ نیک عمل کی وجہ سے کلام طیب مقبول ہوتا ہے ان کے اس قول کی تاویل یہ ہے کہ جب کلام طیب' عمل صالح کے ساتھ مقرون ہو تو وہ زیادہ بلندی کی طرف چڑھتے ہیں اور نہایت حسین مقام پر پہنچتے ہیں جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو' جب وہ اس کے ساتھ ساتھ کلمات طیبہ بھی کہے گا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرے گا تو اس کے اعمال زیادہ فضیلت والے ہوں گے۔

(المحرر الوجیز ج ۱۳ص ۱۵۹' مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو حدیث منسوب ہے میرا ظن غالب ہے کہ ان کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے' اور برتقدیر تسلیم اس کی یہ تاویل ہے کہ عمل صالح کی وجہ سے کلام طیب کو مزید شرف حاصل ہوتا ہے اور وہ زیادہ بلندی کی طرف چڑھتا ہے' اور میرے ذہن میں اس آیت کا متبادر معنی یہ ہے کہ کلام طیب کے ساتھ عمل صالح کے اوپر چڑھنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ بعض اوقات عمل صالح میں سخت کلفت اور مشقت ہوتی ہے' اسی وجہ سے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے' اور امام رازی کے کلام میں یہ تصریح ہے کہ کلام طیب' عمل صالح سے زیادہ فضیلت والا ہے' کیونکہ کلام طیب (مثلاً لا الٰہ الا اللہ) خود اوپر چڑھتا ہے اور اعمال صالح کو فرشتے اوپر لے کر چڑھتے ہیں' اور کلام طیب کے عمل صالح سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمل کا تعلق حرکت اور سکون کے ساتھ ہے' جس میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں اور کلام طیب کا تعلق نطق کے ساتھ ہے اور نطق ہی کی وجہ سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہے' نیز اگر کوئی کافر لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے اور کوئی نیک عمل نہ کرے تو دنیا میں اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی اور آخرت میں وہ دائمی عذاب سے محفوظ رہے گا اور اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ نہ کہے اور عمل صالح کرتا رہے تو اس پر یہ ثمرہ مرتب نہیں ہوگا' فلہٰذا کلام طیب ہی عمل صالح سے افضل ہے اور کلام طیب ہی کی وجہ سے عمل صالح اوپر چڑھتے ہیں نہ کہ عمل صالح' کلام طیب کو اوپر چڑھاتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ص ۲۲۶' داراحیاء التراث العربی بیروت) (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۶۰۔۲۵۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

کفار کے مکر کا بیان

اس کے بعد فرمایا: اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے رہے ہیں' ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ۝

اس آیت میں مکر کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے سازش کیا ہے' کیونکہ مکر کا معنی ہے کسی کے خلاف خفیہ تدبیر کرنا' یا کسی کے خلاف دھوکا اور فریب کرنا یا کوئی خفیہ تدبیر کر کے کسی شخص کو اس کے مقصد سے ہٹا دینا' اس آیت میں ان کے مکر اور ان کی سازش پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے' اس مکر اور سازش کے متعلق امام ابو العالیہ نے لکھا ہے کہ اس مکر سے مراد وہ سازش ہے جو انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال: ۳۰)

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں یا آپ کو جلا وطن کر دیں' وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا' اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

اور اس آیت میں یبور کا لفظ ہے اس کا مصدر بور ہے' اس کا معنی ہلاک کرنا ہے' یہاں اس سے مراد ان کی سازش کا ناکام ہونا ہے۔

مٹی اور نطفہ سے انسان کی پیدائش

اور اللہ نے تم کو ابتداءً مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔

قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم کو پیدا کرنے سے مراد ہے تمہاری اصل کو مٹی سے پیدا کیا' حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۲۷۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۲۷۸۱)

پھر حضرت آدم کے بعد انسان کو نطفے سے پیدا کیا' نطفہ اس پانی کو کہتے ہیں جو مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (الطارق: ۸-۶)

انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ۝ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ۝ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے دو قسم کے پانی نکلتے ہیں لیکن رحم میں پہنچ کر وہ دونوں پانی ایک ہو جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان کی اولاد کو توالد اور تناسل کے ذریعہ نطفہ سے پیدا فرمایا۔

پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا' یعنی مرد اور عورت کو ملا کر ایک جوڑا بنایا۔

عمر میں اضافہ کر کے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کو مٹانا

اس کے بعد فرمایا: اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے' اور جس شخص کی بھی عمر بڑھائی جاتی ہے یا جس کی عمر کم کی جاتی ہے وہ لوح محفوظ میں (لکھی ہوئی) ہے' بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے ۝

عمر بڑھائے جانے کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے یا اس کی عمر زیادہ کی جائے اس کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے میل جول رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۰۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۶۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۴۲۹)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۱۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا عمر کو بڑھاتا ہے۔(الترغیب للمنذری ج ۳ ص ۵۹۶، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۴۳، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۲۷، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

تقدیر کی دو قسمیں ہیں تقدیر مبرم اور تقدیر معلق' تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کا علم ہے اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا' اور اس میں تغیر ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر ہونا اس کے علم کے حدوث کو بلکہ جہل کو مستلزم ہے' اور تقدیر کی دوسری قسم تقدیر معلق ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی صفت نہیں ہے' کسی کی دعا یا کسی نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے مثلاً پہلے لوح محفوظ میں ایک شخص کی عمر ساٹھ سال لکھ دی اس نے کوئی نیکی کی تو ساٹھ سال کو مٹا کر ستر سال لکھ دی اگر نیکی نہ کی تو اسی ساٹھ سال کو برقرار رکھا یہ قضاء معلق میں تبدیلی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ نیکی کرے گا یا نہیں اور وہی قضاء مبرم ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ . اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے برقرار اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ (الرعد: ۳۹)

ام الکتاب سے مراد تقدیر مبرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور دونوں سمندر برابر نہیں ہیں یہ بہت میٹھا ہے' اس کو پینا خوش گوار ہے' اور یہ دوسرا سخت کھاری ہے' اور تم ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیور نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو' اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو O اور وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے' اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے' ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے' یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے' اسی کا ملک ہے' اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں O (فاطر: ۱۳۔۱۲)

دو سمندر ہیں ایک میٹھا اور ایک کھاری اس کی تفسیر الفرقان: ۵۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تازہ گوشت اور زیور وغیرہ کی تفسیر النحل: ۱۴ میں مطالعہ فرمائیں۔

رات کو دن میں داخل کرنے کی تفسیر آل عمران: ۲۷ میں اور سورج اور چاند کو مسخر کرنے کی تفسیر لقمان: ۲۹ میں پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مشرکو! اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکیں گے اور اگر (بالفرض) سن لیں تو وہ تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں گے (تمہارے خود ساختہ معبود) قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تم کو اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہ دے سکے گا O (فاطر: ۱۴)

مشرکین کے معبودوں کی حاجت روائی نہ کرنے کے محامل

اگر تم اپنی مصیبتوں اور حاجتوں میں ان بتوں کے سامنے فریاد کرو' تو یہ تمہاری فریاد کو نہیں سن سکیں گے' کیونکہ یہ جمادات ہیں' نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں' اور اگر بالفرض یہ تمہاری فریاد سن لیں تو اس کا جواب نہیں دے سکتے' کیونکہ ہر سننے والا جواب دینے پر قادر نہیں ہوتا' اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ اگر وہ سن لیں تب بھی تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے' اور اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اگر ہم ان کو عقل اور حیات عطا کر دیں اور وہ تمہاری فریاد سن لیں تب بھی تمہاری حاجت روائی نہیں کریں گے' کیونکہ وہ اللہ پر ایمان لانے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے ہوں گے' اور تم کفر پر مصر ہو گے۔

اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے' یعنی وہ اس کا انکار کردیں گے کہ تم نے ان کی عبادت کی ہے اور تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے' اللہ تعالیٰ ان بتوں کو زندہ کردے گا اور وہ یہ خبر دیں گے کہ وہ اس کے اہل نہ تھے کہ ان کی عبادت کی جاتی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد ان کے وہ معبود ہوں جو ذوی العقول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ اور وہ قیامت کے دن مشرکین کی عبادت سے برأت کا اظہار کریں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ. (المائدہ:١١٦)

اور اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کے مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو' عیسیٰ کہیں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ جائز نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو حق نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿١٥﴾ اِنْ

اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے' ستائش اور حمد کیا ہوا ○ اگر وہ

یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿١٧﴾

چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ اللہ پر بالکل دشوار نہیں ہے ○

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی دوسرے

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ

کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی ہو' آپ صرف ان

الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ

لوگوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿١٨﴾

اور جو پاکیزہ ہو گا تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاکیزہ ہو گا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ○

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے ○ اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے ○

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝٢١ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

اور نہ سایا اور دھوپ برابر ہے O اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں'

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

بے شک اللہ جس کو چاہے سنا دیتا ہے' اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو

الْقُبُوْرِ ۝٢٢ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ۝٢٣ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

قبروں میں ہیں O آپ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝٢٤

کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ہر جماعت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے O

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ

اور اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝٢٥ ثُمَّ

ان کے رسول واضح دلائل' صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر

أَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝٢٦

ع ۱۲ ۳ ۱۵

میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز ہے ستائش اور حمد کیا ہوا O اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے O اور یہ اللہ پر بالکل دشوار نہیں ہے O (فاطر: ۱۷-۱۵)

اپنے وجود اور بقا میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے اور جو جس قدر زیادہ کمزور ہے وہ اس قدر زیادہ اللہ کی طرف محتاج ہے' انسان کے متعلق فرمایا:

وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا. (النساء: ۲۸) اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ. (الروم: ۵۴) اللہ ہی ہے جس نے تم کو کمزوری کی حالت سے پیدا کیا۔

اور اللہ ہی بے نیاز ہے اور وہ جواد مطلق ہے جو اس کے محتاج ہیں وہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے اور ان کو اپنے انعام اور اکرام سے نوازتا ہے' اس لیے وہ لائق حمد اور ستائش ہے اور مخلوق اختیار سے یا اضطرار سے اس کی حمد کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ والا' اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے

کسی دوسرے کو بلائے گا تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا خواہ وہ اس کا رشتہ دار ہی ہو' آپ صرف ان لوگوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں' اور جو پاکیزہ ہوگا تو وہ اپنے ہی نفس کے لیے پاکیزہ ہوگا' اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے O اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے O اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے O اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے O اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں' اور بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے' اور آپ ان کو سنانے والے نہیں ہیں جو قبروں میں ہیں O (فاطر: ۲۲۔۱۸)

فاطر: ۱۸ کی تفسیر الانعام: ۱۶۴ میں گزر چکی ہے۔

فاطر: ۱۹ میں فرمایا: اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے' اس سے مراد ہے کافر اور مومن یا عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔

فاطر: ۲۰ میں فرمایا: اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہیں' یعنی نہ باطل اور حق برابر ہے۔

فاطر: ۲۱ میں فرمایا: اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے' یعنی ثواب اور عذاب برابر نہیں ہے یا جنت اور دوزخ برابر نہیں ہے۔

فاطر: ۲۲ میں فرمایا: اور نہ زندہ لوگ اور مردے برابر ہیں۔

یہ مومنوں اور کافروں کی دوسری مثال ہے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ علماء اور جہلاء کی مثال ہے۔

قبر والوں کے سننے کا مسئلہ

اس کے بعد فرمایا: اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے' یعنی جس کو چاہتا ہے سننے والا بنا دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو سننے والے بنایا ہے' اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایسا سننے والا بنا دیتا ہے جو اس کی آیات میں غور وفکر کرتا ہے اور حق بات کو قبول کر لیتا ہے' اس آیت میں کفار کو مردوں اور قبر والوں سے تشبیہ دی ہے' یعنی جس طرح قبر میں مردے غور وفکر کے ساتھ نہیں سنتے اور حق بات کو قبول نہیں کرتے' کیونکہ اب وہ مکلف نہیں رہے' اسی طرح دنیا میں یہ کفار آپ کے وعظ و نصیحت کو نہیں سنتے کیونکہ یہ اپنے آباء واجداد کی تقلید پر اصرار کرنے کی وجہ سے کفر میں راسخ ہو چکے ہیں۔

دراصل اس آیت میں سنانے کی نفی فرمائی ہے اور سنانے سے مراد سماعت کو پیدا کرنا ہے' حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ سماعت کو پیدا کرتا ہے اور یہ کفار جو اثر قبول نہ کرنے میں قبر والوں کی طرح ہیں' آپ ان کو نہیں سناتے یعنی آپ ان میں سماعت کو پیدا نہیں کرتے۔

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: آپ ان کافروں کو سنانے والے نہیں ہیں جو اپنے دلوں کو مردہ کر چکے ہیں' یعنی جس طرح آپ ان کو نہیں سناتے جن کے اجسام مردہ ہیں' اسی طرح ان کو نہیں سناتے جن کے دل مردہ ہیں' اور اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کافروں کے ایمان کی بالکل توقع نہ رکھیں' کیونکہ جس طرح قبر والے کسی بات کو سن کر اس سے نفع نہیں اٹھاتے اور اس کو قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح یہ کفار بھی آپ کے ارشادات سے نفع نہیں اٹھائیں گے اور اس کو قبول نہیں کریں گے۔

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ (القصص: ۵۶) آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت نہیں دیتے' لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دے دیتا ہے۔

اس آیت میں بھی یہ بتایا ہے کہ ہدایت کو پیدا کرنا آپ کا کام نہیں ہے' ہدایت کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' آپ کا

منصب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہدایت کو نافذ کرنا ہے' اسی طرح اپنے ہر چاہے ہوئے کو کر لینا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو چاہتے تھے کہ تمام کفار مکہ مسلمان ہو جائیں لیکن آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ایسا نہیں ہوا' اس قسم کی آیات سے اللہ تعالیٰ نے مقام الوہیت کو مقام نبوت سے ممیّز کر دیا ہے' تا کہ آپ کی امت کو الوہیت اور نبوت میں اشتباہ نہ ہو' اور وہ اللہ کے راستہ سے گم راہ نہ ہو جائیں' جیسے گزشتہ بعض امتیں گم راہ ہو گئیں' بعض نے کہا عزیر ابن اللہ ہیں اور بعض نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت پر کمال رحمت ہے۔

قبر والوں کے غور وفکر نہ کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تقریر میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی ہے جو کسی بات کو سن کر اس میں غور وفکر نہیں کر سکتے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں سے ایسا کلام فرمایا جس میں ان کو غور وفکر کرنے کے لیے فرمایا تھا اور آپ نے ان کے سننے کی بھی تصریح فرمائی جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو تین دن تک پڑے رہنے دیا پھر آپ ان کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور ان کو پکار کر فرمایا: اے ابو جہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے کیے ہوئے وعدہ کو سچا پا لیا' بے شک میرے رب نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچا پایا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے سنیں گے اور کس طرح جواب دیں گے' حالانکہ یہ مردہ اجسام ہیں' آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو' لیکن یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں' پھر آپ کے حکم سے ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔

(صحیح مسلم صفۃ الجنۃ: ۷۷' رقم الحدیث: ۲۸۷۴' الرقم المسلسل: ۷۰۹۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر مردوں کا یہی قاعدہ ہے کہ وہ کسی بات کو سن کر غور وفکر نہیں کرتے اور نہ کسی پیغام کو قبول کرتے ہیں لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ بدر کے ان مردہ کافروں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما دیا ہو تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو سنیں اور اس پر غور وفکر کریں اور انہوں نے کفر اور شرک پر جو اصرار کیا تھا اس پر نادم ہوں' بہر حال اس آیت سے مردوں کے مطلقاً سننے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کسی بات کو سن کر اس پر غور وفکر کرنے اور کسی پیغام کو قبول کرنے کی نفی ہوتی ہے' اور ہم نے سماع موتیٰ پر مفصل بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۸۹۔۵۷۶ میں کی ہے وہاں اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں O بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور ہر جماعت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے O اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل' صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! O (فاطر: ۲۶۔۲۳)

یعنی ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے تا کہ آپ نیک لوگوں کو ثواب کی بشارت دیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سے ڈرائیں' فاطر: ۲۴ میں ہے کہ ہر امت میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گذر چکا ہے' اس سے مراد ہے کہ گزرے ہوئے زمانوں میں سے ہر زمانہ میں جو بھی کوئی بڑی جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے خواہ وہ نبی ہو یا عالم ہو' اس آیت میں بشیر کا ذکر نہیں ہے صرف نذیر کا ذکر ہے کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہوسکتا ہے

مخصوص اجر و ثواب کی بشارت بغیر وحی کے متصور نہیں ہے' اس لیے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے' اور نذیر چونکہ نبی کے علاوہ عالم بھی ہو سکتا ہے اس لیے یہاں صرف نذیر کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد آپ کو تسلی دی کہ ان کی تکذیب سے آپ رنجیدہ نہ ہوں اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' ان کے پاس ان کے رسول آئے تھے جنہوں نے اپنی نبوت کے صدق پر کثیر معجزات پیش کیے تھے اور بعض رسولوں نے صحائف پیش کیے تھے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بعض رسولوں نے روشن کتاب پیش کی جیسے حضرت موسیٰ نے تورات' حضرت داؤد نے زبور اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے انجیل کو پیش کیا اور (ہمارے رسول سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو پیش کیا۔

اس کے بعد پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا تو کیسا تھا میرا عذاب! یعنی جب کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوگئی اور وہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل

مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ

پیدا کیے اور پہاڑوں کے حصے ہیں سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں

أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

اور بہت گہرے سیاہ ○ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی

وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ

اسی طرح مختلف رنگ ہیں' اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء

مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اللہ سے ڈرتے ہیں' بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا ○ بے شک جو لوگ

يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا

اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان چیزوں میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾

ہیں جو ہم نے ان کو دی ہیں' وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہو گا ○

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ

تا کہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا کرے، بے شک وہ بہت بخشنے والا

شَكُوْرٌ ۝۳۰ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

بہت قدر دان ہے ○ اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے وہی حق ہے، پہلی کتابوں کی تصدیق

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۳۱ ثُمَّ اَوْرَثْنَا

کرنے والی ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے ○ پھر ہم نے ان لوگوں کو

الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا، پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

ہیں اور بعض متوسط ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں،

هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۳۲ۭ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ

یہی بڑا فضل ہے ○ یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے ان کو وہاں سونے کے کنگن

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝۳۳

اور موتی پہنائے جائیں گے اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا ○

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا، بے شک ہمارا رب

لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝۳۴ۙ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا

بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے ○ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا، جہاں

يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہو گی ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا

لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے ان کے عذاب

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ

میں کوئی کمی کی جائے گی' اور ہم ہر بڑے ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ○ اور وہ لوگ

يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ

دوزخ میں چلائیں گے' اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے ہم نیک کام کریں گے جو پہلے

الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

کاموں کے خلاف ہوں گے' کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۗ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو' اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا' لو اب مزا چکھو' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا' پھر ہم نے اس سے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کیے' اور پہاڑوں کے حصے ہیں' سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ ○ اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں' اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا ○ (فاطر ۲۸۔۲۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں جدد کا لفظ ہے' اس کے معنی ہیں راستے گھاٹیاں' یہ لفظ جدہ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے کھلا ہوا راستہ۔ ابن بحر نے کہا ہے جدد کا معنی ہے ٹکڑے' جب کوئی شخص کسی چیز کو کاٹ کر ٹکڑے کر دے تو کہتا ہے جددتہ' الجوہری نے کہا زیبرے میں جو سفید اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں اس کو جدہ کہتے ہیں' دھاری دار چادر کو کساء مجدد کہتے ہیں' اس آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے متعدد راستے پیدا کیے۔

نیز اس آیت میں غرابیب کا لفظ ہے' یہ غربیب کی جمع ہے' اس کا معنی ہے گہرے سیاہ' اس سے مراد کالے پہاڑ ہیں' غربیب اس بوڑھے آدمی کو بھی کہتے ہیں جو ہمیشہ اپنے بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگتا ہو۔

سود کے معنی بھی سیاہ ہیں اور یہ غرابیب کی تاکیدی صفت ہے۔ جو چیز بہت سیاہ ہو عرب کہتے ہیں اس کا رنگ غراب (کوے) کی طرح ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شیخ غربیب سے بغض فرماتا ہے' یعنی اس بوڑھے شخص سے جو بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگتا ہو۔

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۱۶' دار الفکر' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث ۶۰ ۵' جمع الجوامع رقم الحدیث ۴۸ ۵۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث

۱۸۵۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۷/۳۳۵ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں کفار سے خطاب فرمایا تھا اور اس آیت میں دو احتمال ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں بھی کفار سے خطاب فرمایا ہو اور ان پر اپنی توحید کی دلیل پیش کی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہو اور آپ کے سامنے اپنی توحید کی دلیل پیش کی تاکہ آپ یہ دلیل لوگوں کو سمجھائیں۔

اس آیت سے توحید پر اس طرح استدلال ہے کہ پانی کی طبیعت واحدہ ہے اور واحد چیز کا اثر بھی واحد ہوتا ہے پس اگر پھولوں کی پیدائش میں یہ پانی مؤثر ہوتا تو تمام پھول ایک ہی رنگت کے ہوتے، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ پھول مختلف رنگ کے ہیں تو معلوم ہوا کہ پانی ان پھولوں کی پیدائش میں مؤثر نہیں ہے، پھر اگر کسی کو یہ تردد ہو کہ زمین اور پہاڑی علاقے پھولوں کی پیدائش میں مؤثر ہیں تو اس کا ازالہ فرمایا کہ پہاڑ سفید، سرخ اور گہرے سیاہ ہیں تو پھر زرد پھول اور نیلے پھول کس سے پیدا ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں ان مختلف رنگوں کو کون پیدا کرنے والا ہے، پھولوں کی پیدائش میں تم جس پانی اور زمین کو مؤثر سمجھ رہے ہو اس پانی اور زمین کا خالق کون ہے۔

دوسری آیت کے شروع میں بھی رنگوں کے اختلاف سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا کہ انسانوں، جانوروں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں بتاؤ ان مختلف رنگوں کا خالق کون ہے، حضرت عیسیٰ اور عزیر ان کے خالق نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی ان کے مختلف رنگ تھے، سورج، چاند اور ستارے ان کے خالق نہیں ہوسکتے کیونکہ جب یہ غروب ہوجائیں یا ان کو گہن لگ جائے، تب بھی یہ رنگ اسی طرح وجود میں آتے رہتے ہیں نیز سورج اور چاند تو خود ایک نظام کے تابع ہوکر گردش کر رہے ہیں، سیاروں کی گردش اور ستاروں کا طلوع اور غروب بھی ایک نظام کے تابع ہے، اور جو خود کسی کے تابع ہو وہ کسی دوسرے کے لیے مؤثر کب ہوسکتا ہے، اور رہی پتھر کی وہ مورتیاں جن کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی پرستش کرتے ہو تو ان کا کسی چیز کے لیے مؤثر ہوتا تو بداہۃً باطل ہے جو اپنے وجود میں تمہارے بنانے کے محتاج ہیں وہ تمہارے خالق کب ہوسکتے ہیں!

عالم کی تعریف، اس کا اللہ سے ڈرنا اور دائمی عبادت کرنا

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

اس آیت میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو محض تاریخ، فلسفہ اور دنیاوی اور مروجہ علوم کے عالم ہوں، بلکہ اس سے مراد علماء دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں، قرآن، حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہوں ان کو قدر ضروری احکام شرعیہ مستحضر ہوں اور ان کو اتنی مہارت ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو اس کی متعلقہ کتابوں سے نکال سکتے ہوں، اور ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ ہو جس کی بناء پر وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوں اور جو شخص بے عمل ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

مالک بن مغول روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے شعبی سے پوچھا مجھے بتایئے کہ عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا عالم وہ ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۶۳، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حسن بیان کرتے ہیں کہ فقیہ (عالم) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے، آخرت میں رغبت کرے، اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۹۹)

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے کہا جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا

ہو۔(سنن دارمی رقم الحدیث:۳۰۰)

مجاہد نے کہا فقیہ وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔(سنن دارمی رقم الحدیث:۳۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء پھر فرمایا عالم وہ شخص ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

خوف خدا کی دو قسمیں

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ عزیز اور غفور ہے یعنی بہت غالب اور بہت بخشنے والا ہے' جو شخص اللہ کی معصیت پر اصرار کرتا ہو اس کو سزا دینے پر بہت غالب ہے' اور جو شخص اپنے گناہوں پر تائب ہو اس کے لیے بہت بخشنے والا ہے اور جس ذات کی یہ شان ہو اس سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے' خشیت اور ڈر کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ اس کی تقصیرات اور خطاؤں پر قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور اس خطرہ کے پیش نظر وہ گناہوں سے مجتنب رہے' اور اگر شامت نفس اور اغواء شیطان سے اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے اور کسی بھی خطا کو معمولی نہ سمجھے اور جب اس کو اپنے گناہ یاد آئیں ان پر توبہ کرتا رہے اور اشک ندامت بہاتا رہے اور جو گناہ ہو گئے ہیں ان کی تلافی میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتا رہے کیونکہ نیکیاں بھی گناہوں کو مٹا دیتی ہیں یہی خوف خدا اور خشیت الٰہی کی وہ قسم ہے جو علماء سے مطلوب ہے' اور یہ جو فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں ڈر کا یہی معنی مراد ہے۔

خوف خدا اور خشیت الٰہی کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد نہ ہوا ہو پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے ڈرتا رہے کہ وہ بے نیاز ذات ہے' نہ جانے کون سی بات پر ناراض ہو جائے اور کس بات پر گرفت کر لے' قیامت کے دن جو انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی کہیں گے وہ خوف اور خشیت کی یہی قسم ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ علم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا. (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰)

بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں' اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے قرآن مجید کی بشارتیں

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں متعدد بشارتیں ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَہُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ. (یونس:۶۳۔۶۱)

سنو اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ جو ایمان لائے اور ہمیشہ متقی رہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

یاد رکھیے اللہ کا ولی وہی ہوتا ہے جس کو مکمل شریعت کا علم ہو اور وہ اللہ سے ڈرتا ہو اور علم کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو۔ اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے یہ نوید ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی ○ (النّٰزعٰت:۴۱۔۴۰)

رہا وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس (امارہ) کو خواہش (پوری کرنے) سے روکا ○ تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ . (الرحمٰن:۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے احادیث کی بشارتیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل ذکرہ قیامت کے دن فرمائے گا ان کو دوزخ سے نکال لو جو میرا ذکر کرتے تھے یا جو کسی بھی دن کسی بھی جگہ پر مجھ سے ڈرے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۴ کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۲۱۶۴ المستدرک ج ۱ ص ۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ (المومنون:۶۰) اور وہ جو کچھ (راہ خدا میں) دیتے ہیں وہ اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل (خوف خدا سے) کپکپا رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

کیا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے صدیق کی بیٹی! لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں' نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل قبول نہ کیا جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کام کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۳۹۳)

علماء دین کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو آدمی علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلا' اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا اور طالب علم کی رضا کے لیے فرشتے اپنے پر رکھتے ہیں' اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں عالم کے لیے استغفار کرتی ہیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی' اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء درہم اور دینار کے وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں پس جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک ان میں سے عابد تھا اور دوسرا عالم تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے بل میں اور حتیٰ کہ مچھلی بھی' یہ سب نیکی کی تعلیم دینے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۱۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۵)

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں امام ابوحنیفہ کی قرأت

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلموء میں لفظ اللہ پر زبر ہے اور العلموء پر پیش ہے اور اس کا معنی ہے اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لفظ اللہ پر پیش اور العلماء پر زبر بھی پڑھا ہے' اس صورت میں یخشی کا معنی ڈرنا نہیں ہوگا بلکہ مجاز بالاستعارہ کے طور پر اس کا معنی ہوگا عظمت والا بنا دینا' یعنی اللہ اپنے بندوں میں سے صرف علماء کو عظمت والا بناتا ہے' اور وجہ استعارہ یہ ہے کہ جس شخص کی لوگوں پر ہیبت ہوتی ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں وہ لوگوں کے درمیان عظمت والا ہوتا ہے تو گویا اللہ نے علماء کو ہیبت والا بنا دیا جن سے لوگ ڈریں' اور جس کی لوگوں کے نزدیک ہیبت ہوتی ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں وہ ان کے نزدیک معظم اور جلیل القدر ہوتا ہے تو اس تقدیر پر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف علماء کو معظم اور جلیل القدر بناتا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۶۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۰۸' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۷ ص ۵۸۶' البحر المحیط ج ۹ ص ۳۱' روح البیان ج ۷ ص ۴۰۴' روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۸۴)

دراصل ان دونوں قرأتوں کا مآل واحد ہے' کیونکہ اگر اس آیت میں یخشی اللہ میں لفظ اللہ پر زبر پڑھی جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں' اور اللہ سے ڈرنے والے متقی ہیں اور جو اللہ سے ڈرنے والے اور متقی ہیں وہی اللہ کے نزدیک معظم اور مکرم ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ . (الحجرات: ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔

پس اس قرأت کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معظم اور مکرم ہیں' اور اگر اس آیت میں لفظ اللہ پر پیش اور العلماء پر زبر پڑھی جائے تب بھی اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف علماء کو معظم اور جلیل القدر بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں' اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان چیزوں میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' جو ہم نے ان کو دی ہیں' وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا ○ تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا کرے' بے شک وہ بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے ○ اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے' وہی حق ہے' پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے ○ (فاطر: ۳۱-۲۹)

تلاوت قرآن' اقامت صلوٰۃ اور اداء صدقات کے آداب

جو لوگ قرآن مجید کی دائماً تلاوت کرتے ہیں اور اس میں مذکور احکام پر عمل کرتے ہیں' کیونکہ بغیر عمل کے تلاوت کا کماحقہ' فائدہ نہیں ہوتا' اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اس سے عام ہے کہ انسان روزانہ ایک مقررہ مقدار تک قرآن مجید کی تلاوت کرے یا استاذ سے قرآن پڑھے اور یا شاگردوں کو قرآن مجید کی تعلیم دے' لیکن عام طور پر عرف میں قرآن مجید کی تلاوت سے یہ مراد ہوتا ہے کہ وہ بہ طور وظیفہ روزانہ قرآن مجید کی منزل پڑھے جب صالحین کا ذکر پڑھے تو ان میں شمول کی دعا

کرے اور جب کفار اور فاسقین کا ذکر پڑھے تو ان سے پناہ طلب کرے۔

نماز پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط' ارکان اور آداب کے ساتھ پڑھے' اس میں فرائض' سنن اور آداب داخل ہیں' اور اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر مال کو خرچ کرے' جس مال کو خرچ کرنا فرض یا واجب ہے جیسے زکوٰۃ' قربانی' فطرہ اور نذر معین ان کو ظاہراً خرچ کرے اور نفلی صدقات کو پوشیدہ طور پر خرچ کرے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں مال کو خرچ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حلال اور طیب مال کو خرچ کرے' حلال کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اپنی جنس اور مادے کے اعتبار سے حلال ہو حرام نہ ہو مثلاً مردار' شراب اور خنزیر نہ ہو' اور طیب کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو مثلاً رشوت یا سود یا چوری یا ڈاکے' کے ذریعہ حاصل نہ ہوئی ہو۔ جب ظاہراً صدقہ دے تو اس میں کسی کو دکھانے یا سنانے کا قصد نہ ہو' نہ اپنی تعریف اور تحسین چاہنے کی نیت ہو بلکہ لوگوں کو ترغیب دینے کی نیت ہو' اور یہ نیت ہو کہ لوگ اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کریں کہ یہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا یا قربانی نہیں کرتا' اور نفلی صدقات اس طرح چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے کیونکہ اس پر قیامت کے دن اللہ کے سائے کے حصول کی بشارت ہے' مفصل حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے (۱) امام عادل (۲) وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت میں جوان ہوا (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے (۴) وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملتے ہیں اور اللہ کی محبت میں جدا ہوتے ہیں (۵) وہ شخص جس کو کسی خوب صورت اور مقتدر عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ شخص جو اس طرح صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ شخص جو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱)

اللہ تعالیٰ کے زیادہ اجر عطا فرمانے کی تحقیق

فرمایا: وہ ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا۔

تلاوت قرآن کرنے' نماز قائم کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تجارت اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کاموں پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' اور بندہ اس نیت سے ان کاموں کو کرے تو اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور ان کاموں پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا تو اللہ کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہوگا' سو یہ ایسی تجارت ہے۔ جس میں کبھی گھاٹا نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا: تاکہ اللہ ان کو ان کا پورا ثواب عطا فرمائے اور ان کو اپنے فضل سے مزید عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ کا پورا ثواب عطا فرمانا بندہ کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جو حساب اور شمار سے باہر ہیں وہ اپنی زندگی کے ہر سانس کو بھی عبادت میں صرف کرے پھر بھی اس کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا' پھر عبادت کرنے کے لیے اس کے جسم کو صحیح سالم بنایا' صحت اور توانائی عطا کی' تلاوت قرآن کی ہے تو اس کو بولنے والا بنایا ہے' نماز پڑھی ہے تو اس کے جسم میں یہ صلاحیت رکھی ہے' اس کا پورا جسم مفلوج ہوتا تو کیسے نماز پڑھتا' ظاہر اور پوشیدہ خرچ کیا ہے تو خرچ کرنے کے لیے مال دیا ہے اس کے پاس مال نہ ہوتا تو کہاں سے خرچ کرتا' پھر اس کا جسم بھی صحیح و سالم ہوتا اس کے پاس مال بھی ہوتا لیکن اس کے دل میں عبادت کرنے کی تحریک نہ ہوتی' کو

داعی اور باعث نہ ہوتا' کوئی جذبہ نہ ہوتا تو وہ کیسے قرآن مجید کی تلاوت کرتا' کیسے نماز پڑھتا کیسے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا تو سب کچھ تو اس نے کیا ہے' بندہ نے کیا کیا ہے' اس کا کس وجہ سے استحقاق ہے! یہ اس کریم' جواد اور فیاض کا بے حد کرم اور فضل ہے کہ اس نے ان کاموں پر ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمالیا پھر کرم بالائے کرم یہ ہے کہ جتنا ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا وہ اپنی رحمت کے خزانوں سے جس کو چاہے اس سے بھی زیادہ عطا فرمادیتا ہے اور یہ زیادہ ثواب عطا فرمانا کبھی محض اس کے فضل سے ہوتا ہے اور کبھی انبیاء کرام اور صالحین کی شفاعت سے ہوتا ہے' اور یہ زیادہ ثواب کبھی نیکیوں کو دگنا چوگنا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اس کے نتیجہ میں اللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

اور فرمایا وہ بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے:

مومنین سے جو تقصیرات اور خطائیں ہو جاتی ہیں ان کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے' اور ان کی عبادات کو قبول کرنے والا اور ان کو پوری پوری بلکہ اس سے بھی زیادہ جزا دینے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے جس کتاب کی آپ کی طرف وحی فرمائی ہے' وہی حق ہے' پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' بے شک اللہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا' خوب دیکھنے والا ہے O (فاطر: ۳۱)

نبیوں کی ایک دوسرے پر فضیلت

اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف جس کتاب کی وحی فرمائی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے' وہ اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے' کہ وہ کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں اور ان کتابوں کی ان آیات میں تصدیق کرتی ہے جن میں اہل کتاب نے تحریف نہیں کی' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے کہ کون اس لائق ہے کہ اس کو دوسروں پر فضیلت دی جائے' یہی وجہ ہے کہ اس نے نبیوں اور رسولوں کو تمام فرشتوں اور انسانوں پر فضیلت دی اور بعض نبیوں کو بعض دوسرے نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں پر بلکہ تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا' جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا' پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض معتدل ہیں' اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یہی بڑا فضل ہے O (فاطر: ۳۲)

امت مسلمہ کا قرآن مجید کی وارث ہونا

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اس کتاب کا وارث بنایا ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے' اور اس آیت میں جن منتخب بندوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو امت وسط (افضل امت) بنایا ہے تاکہ وہ دیگر امتوں کے متعلق گواہی دیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں میں افضل اور اکرم تھے ان کی طرف اس امت کو منسوب فرمایا ہے' اس آیت سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل کرنے کا ذکر فرمایا تھا جو ہر خیر کا منبع اور سرچشمہ ہے' اور اس آیت میں فرمایا پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا' کیونکہ آپ پر وحی نازل کرنے کا زمانہ ہی اس امت کو وارث بنانے کا زمانہ ہے' اور یہاں پھر کا لفظ تاخیر زمانہ کے لیے نہیں ہے بلکہ تاخیر مرتبہ کے لیے ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ منتخب بندوں سے مراد صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین ہیں' اور ان کو قرآن کا وارث بنانے کا معنی یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کا سمجھنے والا بنا دیا' اور اس کے حقائق اور دقائق کا واقف کر دیا اور اس کے اسرار کا امین بنا دیا۔

اللہ کے چنے ہوئے بندوں کے متعلق شیخ طبرسی اور علامہ آلوسی کا نظریہ

مشہور شیعہ عالم ابوالفضل بن الحسن الطبرسی من علماء القرن السادس لکھتے ہیں:

اس آیت میں ہے: جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا۔ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رسالت اور اپنی کتاب کے لیے چن لیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کتاب کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے علم کا وارث بناتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر آسمانی کتاب کا وارث بنایا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء ہیں کیونکہ حدیث میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں' اور امام باقر اور امام صادق سے مروی ہے کہ یہ آیت خاص ہمارے لیے ہے اور اس آیت سے ہم ہی کو مراد لیا گیا ہے' اور یہ قول تمام اقوال میں حق کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ائمہ اہل بیت ہی اصطفاء اور اجتباء (منتخب کرنے اور چننے) کے زیادہ قریب ہیں اور علم انبیاء کے وہی وارث ہیں وہی قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اس کے حقائق کو بیان کرنے والے ہیں اور اس کے معارف اور دقائق کے جاننے والے ہیں۔

(مجمع البیان ج ۸ ص ۶۳۸' دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہیں:

اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت (اہل بیت) ہے وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ دونوں حوض پر وارد ہوں گے۔ اور جمہور علماء کا اس آیت کو علماء امت پر محمول کرنا بالخصوص اہل بیت پر محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے' اور علماء امت میں علماء اہل بیت سب سے پہلے داخل ہیں کیونکہ ان ہی کے گھر میں کتاب نازل ہوئی ہے اور وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ یوم حساب کو وہ دونوں حوض پر وارد ہوں گے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۰۔ ۲۸۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شیخ طبرسی اور علامہ آلوسی کے نظریہ پر مصنف کا تبصرہ

علامہ آلوسی نے اہل بیت کی فضیلت میں جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ابوسعید خدری سے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے: از حمدان بن ابراہیم العامری از یحییٰ بن الحسن بن فرات القزاز از عبد الرحمٰن المسعودی از کثیر النواء از عطیہ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۶۶' مکتبۃ المعارف ریاض) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

عبد الرحمٰن المسعودی کی روایات مختلط ہیں اور کثیر النواء اور عطیہ العوفی دونوں ضعیف راوی ہیں۔

اور شیخ طبرسی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت سے خصوصاً ائمہ اہل بیت مراد ہیں اور یہ آیت خصوصاً ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہی مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہیں اور وہی علم انبیاء کے وارث ہیں اور وہی اس کے معارف' حقائق اور دقائق کو جاننے والے اور بیان کرنے والے ہیں۔

اور نہ علامہ آلوسی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ علماء اہل بیت اس آیت میں سب سے پہلے داخل ہیں' کیونکہ ہر منصف مزاج شخص کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کو سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر نے جمع کیا اور آپ نے حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابی بن کعب وغیرہم پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس نے لغت قریش کے مطابق قرآن مجید کو جمع کیا اور اس کو حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر رکھوا دیا' اس وقت قرآن مجید کو مختلف لغات پر کے

مطابق پڑھا جاتا تھا پھر جب اختلاف لغات کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہوا تو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے صرف اس نسخہ کی اشاعت کی گئی جو لغت قریش میں تھا' اور آج تک امت مسلمہ کے پاس وہی قرآن مجید ہے' اور شیعہ علماء کو بھی یہ بات تسلیم ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہزار اختلاف کے باوجود ان کے پاس بھی یہی قرآن مجید ہے اس لیے حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہی قرآن مجید کے جامع اور محافظ ہیں اور وہی قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ الکریم قرآن مجید کے اسرار و رموز کے سب سے زیادہ عالم اور عارف ہیں پھر ان کے بعد دیگر صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور فقہاء مجتہدین ہیں۔

علامہ آلوسی نے اہل بیت کی فضیلت میں سے ایک ضعیف السند حدیث ذکر کی تھی ہم اس حدیث کو سند صحیح کے ساتھ مع تشریح کے پیش کر رہے ہیں تاکہ کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم اہل بیت کے فضائل کا ذکر نہیں کرتے یا اس میں کمی کرتے ہیں کیونکہ ہم اہل بیت کی محبت کو اپنے ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں اور اپنی نجات کو ان کی شفاعت سے وابستہ سمجھتے ہیں' جس حدیث صحیح کا ہم نے وعدہ کیا ہے وہ یہ ہے:

اہل بیت کرام کے فضائل

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے' آپ نے اللہ کی حمد اور ثناء کے بعد وعظ اور نصیحت کی' اس کے بعد آپ نے فرمایا: سنو اے لوگو! عنقریب میرے پاس اللہ کی طرف لے جانے والا آئے گا اور میں چلا جاؤں گا' اور میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' ان میں سے پہلی عظیم چیز اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے' سو تم اللہ کی کتاب کو لازم رکھو اور اس سے وابستہ رہو' پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی ترغیب دی' پھر فرمایا اور دوسری عظیم چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷-۱۴)

آپ نے قرآن مجید اور اہل بیت دونوں کو ثقلین فرمایا کیونکہ ان دونوں کے ساتھ وابستہ رہنا اور ان کے احکام پر عمل کرنا ثقیل ہے' اور ہر وہ چیز جو نفیس اور عظیم ہو اس کو عرب ثقیل کہتے ہیں' آپ نے ان دونوں کو ثقلین فرمایا کیونکہ یہ دونوں بہت عظیم القدر اور رفیع المرتبہ ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۴۱۹' دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

آپ نے تین بار فرمایا میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں' ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ حکم ہو:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔ آپ کہیے کہ میں تم سے اس تبلیغ دین پر اس کے سوا اور کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔ (الشوریٰ: ۲۳)

اس کی مفصل بحث الشوریٰ: ۲۳ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو تین بار یہ وصیت فرمائی ہے اس میں بہت عظیم تاکید ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے اہل بیت کا احترام اور ان کی تعظیم واجب ہے اور یہ ان فرائض میں سے ہے جن کا ترک کرنا کسی شخص کے لیے کسی حال میں جائز نہیں ہے' اور اس کا سبب ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت ہے' اور اس وجہ سے کہ وہ آپ کا جز ہیں کیونکہ ان کے بھی وہی اصول ہیں جن سے آپ کی نشوونما ہوئی اور وہ آپ کے ایسے فروع ہیں جن کی نشوونما آپ سے ہوئی

ہے' جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاطمہ میرا جز ہے جو چیز اس کو اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے
(صحیح البخاری ۵۲۷۸' صحیح مسلم: ۲۴۴۹' سنن ابوداؤد: ۲۰۷۱' سنن الترمذی: ۳۸۶۷) اس کے باوجود بنوامیہ (یزید اور مروانیوں) نے ان کے عظیم حقوق کو پامال کیا اور آپ کے حکم کی نافرمانی کی انہوں نے اہل بیت کا خون بہایا ان کی خواتین کو قید کیا ان کے بچوں کو گرفتار کیا' ان کے گھروں کو ویران کیا اور ان کے شرف اور ان کی فضیلت کا انکار کیا' ان پر لعن طعن کرنے کو مباح قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کی مخالفت کی اور اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کے الٹ اور آپ کے حکم اور آپ کی خواہش کے برعکس کام کیے' پس جب وہ بہ روز قیامت آپ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو آپ کو کیا منہ دکھائیں گے اور اس وقت ان کی کیسی ذلت اور رسوائی ہوگی! (المفہم ج ۶ ص ۳۰۴' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ظالم' مقتصد (متوسط) اور سابق کے مصداق کے متعلق احادیث اور آثار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں' یہی بڑا فضل ہے O (فاطر: ۳۲)

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق ہے' اب اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس امت میں تین قسم کے لوگ ہوں گے' بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے' بعض متوسط اور میانہ روی والے ہوں گے اور بعض نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہوں گے' ان کے متعلق حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: ۳۲) آپ نے فرمایا یہ سب ایک قسم کے حکم میں ہیں اور یہ سب جنت میں ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۵' مسند احمد ج ۳ ص ۷۸' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۸۶' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۷۹۸۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳' روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰۸)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ثم اورثنا الکتب. الأیة (فاطر: ۳۲) پھر اس کی تفسیر میں فرمایا: رہے وہ لوگ جو نیکیوں میں سابق ہیں سو وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور رہے وہ لوگ جو مقتصد (متوسط) ہیں تو ان سے بہت آسان حساب لیا جائے گا' اور رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے سو ان لوگوں کو میدان محشر میں قید رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے ملاقات کرے گی اور پھر وہ کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدردان ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۸' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۶۲۴' دار الحدیث قاہرہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ منهم ظالم لنفسه سے مراد وہ شخص ہے' جس سے اس مقام پر رنج اور غم طاری کر کے اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی' اور منهم مقتصد سے مراد وہ ہے' جس سے آسان حساب لیا جائے گا اور منهم سابق بالخیرات سے مراد وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۴' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث ۲۷۳۷۸' دار الحدیث قاہرہ' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۱۸۵' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۲' روح المعانی جز ۲۲ ص ۲۹۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح

ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۶)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی تین تہائیاں ہیں' ایک تہائی وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے' دوسری تہائی وہ ہیں جن سے بہت آسان حساب لیا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے' اور تیسری تہائی وہ ہیں جن سے خوب تفتیش کی جائے گی اور ان کو خوب کھنگالا جائے گا' پھر فرشتے آ کر کہیں گے کہ ہم نے ان کو اس حال میں پایا کہ یہ کہہ رہے تھے لا الٰہ الا اللہ وحدہ (صرف ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) اللہ فرمائے گا انہوں نے سچ کہا میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان کے قول لا الٰہ الا اللہ وحدہ کی وجہ سے ان کو جنت میں داخل کر دو' اور ان کے گناہ مکذبین پر ڈال دو اور یہ اس آیت کے مطابق ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ . (العنکبوت: ۱۳) اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

اور فرشتوں کے ذکر کی تصدیق فاطر: ۱۳ میں ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (میری امت کی) کل تین قسمیں بیان کی ہیں' فرمایا ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں' اس سے مراد وہ ہیں جن سے خوب تفتیش کی جائے گی اور ان کو کھنگالا جائے گا اور ان میں سے بعض مقتصد ہیں' اس سے مراد وہ ہیں جن سے آسان حساب لیا جائے گا اور ان میں سے بعض نیکیوں میں اللہ کے اذن سے سبقت کرنے والے ہیں' یہ وہ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے اور (میری امت کے) سب لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۸۰' رقم الحدیث: ۱۴۹' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۷۹۸۸' الدر المنثور ج ۷ ص ۲۳' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۹۶)

امام ابن النجار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم میں سے سابق ہے وہ سابق ہے اور جو ہم میں سے مقتصد ہے وہ نجات یافتہ ہے اور جو ہم میں سے ظالم ہے وہ بخش دیا جائے گا۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جو نیکیوں میں سابق ہوگا وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل کیا جائے گا' اور جو مقتصد ہے وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا' اور جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور اصحاب اعراف وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۲۴' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: رہے سابق تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گزر گئے اور آپ نے ان کے لیے جنت کی شہادت دی' اور رہے مقتصد تو یہ وہ ہے جس نے ان صحابہ کے آثار کی اتباع کی اور ان کی طرح عمل کیے حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ مل گیا' اور رہا ظالم تو وہ میری اور تمہاری مثل ہے اور جس نے ہماری اتباع کی' اور حضرت عائشہ نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں (حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ وہ میری اور تمہاری مثل ہے یہ ان کی تواضع اور انکسار پر محمول ہے جیسے حضرت آدم نے کہا "ربنا ظلمنا انفسنا")۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۵۶' رقم الحدیث: ۶۰۹۰' مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۱۵ ھ)

ان احادیث اور آثار میں بار بار یہ صراحت کی گئی ہے کہ آپ کی امت میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں اور جو نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں وہ سب جنت میں داخل ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یہ لوگ دائمی باغوں میں داخل ہوں گے' ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم ہو

گاO (فاطر: ۳۳)

ظالم‘ مقتصد اور سابق کی تعیین اور اس کے مصداق میں ہم نے احادیث اور آثار کو پیش کیا ہے‘ مفسرین نے بھی اس مسئلہ میں بہ کثرت اقوال کا ذکر کیا ہے‘ احادیث اور آثار کے ذکر کے بعد ان اقوال کے ذکر کی ضرورت تو نہیں ہے‘ لیکن ہم اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان اقوال کو بھی پیش کر رہے ہیں‘ یہ اقوال چالیس سے زیادہ ہیں‘ ہم ان میں سے پچیس اقوال کا ذکر کر رہے ہیں ان میں سے بعض اقوال ناپسندیدہ اور مردود ہیں آخر میں ہم ان بعض اقوال کے مردود ہونے کی وجہ بیان کریں گے۔ اور اس بحث میں ہمارا مختار وہی ہے جس کی ان احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ ظالم سے مراد وہ ہے جس سے سخت حساب لیا جائے گا اور مقتصد سے مراد وہ ہے جس سے آسان حساب لیا جائے گا اور سابق سے مراد وہ ہے جس کو بلا حساب جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہ سب جنتی ہیں۔

ظالم‘ مقتصد (متوسط) اور سابق کے مصداق کے متعلق مفسرین کے اقوال

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

(۱) سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا سابق (نیکیوں میں آگے بڑھنے والا) سے مراد عالم ہے اور مقتصد (درمیانی درجہ کا نیک) سے مراد متعلم ہے اور ظالم (گنہ کرنے والا) سے مراد جاہل ہے۔

(۲) ذوالنون مصری نے کہا ظالم وہ ہے جو فقط زبان سے ذکر کرے‘ اور مقتصد وہ ہے جو دل سے ذکر کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو کبھی نہ بھولے۔

(۳) انطاکی نے کہا ظالم صاحب قول ہے‘ مقتصد صاحب عمل ہے اور سابق صاحب حال ہے۔

(۴) ابن عطا نے کہا ظالم وہ ہے جو دنیا کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے‘ مقتصد وہ ہے جو آخرت کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ کی وجہ سے اللہ سے محبت کرے۔

(۵) ظالم وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو کیونکہ وہ دنیا سے اپنے حصے کو ترک کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے‘ مقتصد وہ ہے جو اللہ کی صفات کا عارف ہو اور سابق وہ ہے جو اللہ کی ذات کا محبّ ہے۔

(۶) ظالم وہ ہے جو مصیبت کے وقت آہ وزاری کرے‘ مقتصد وہ ہے جو مصیبت پر صبر کرے اور سابق وہ ہے جس کو مصیبت میں لذت آئے۔

(۷) ظالم وہ ہے جو غفلت سے اور عادۃً اللہ کی عبادت کرے‘ مقتصد وہ ہے جو شوق اور خوف سے اللہ کی عبادت کرے اور سابق وہ ہے جو اللہ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرے۔

(۸) ظالم وہ ہے جس کو نعمت مل جائے تو وہ دوسروں کو دینے سے منع کرے‘ مقتصد وہ ہے جو نعمت مل جانے کے بعد اس کو خرچ کرے اور سابق وہ ہے جو نعمت نہ ملے پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور مل جائے تو دوسروں کو دے دے۔

(۹) ظالم وہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کرے اور اس پر عمل نہ کرے‘ مقتصد وہ ہے جو قرآن کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور سابق وہ ہے جو قرآن کا قاری ہو‘ اس کے معانی کا عالم ہو اور اس کے احکام پر عامل ہو۔

(۱۰) سابق وہ ہے جو مؤذن کی اذان سے پہلے مسجد میں داخل ہو‘ مقتصد وہ ہے جو اذان کے دوران مسجد میں داخل ہو اور ظالم وہ ہے جو جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہو (یہاں ظالم سے مراد خلاف اولیٰ کا مرتکب ہے) کیونکہ اس نے اپنے نفس کو زیادہ اجر سے محروم رکھا‘ زیادہ صحیح اس کے بعد کا قول ہے:

(۱۱) سابق وہ ہے جو نماز کو اس کے وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھے' کیونکہ اس نے دونوں فضیلتوں کو حاصل کر لیا' مقتصد وہ ہے کہ ہر چند کہ اس سے جماعت فوت ہو گئی لیکن اس نے وقت میں نماز پڑھ لی' اور ظالم وہ ہے جو نماز سے غافل ہو حتیٰ کہ نماز کا وقت اور جماعت دونوں گزر جائیں۔

(۱۲) ظالم وہ ہے جو اپنے نفس سے محبت کرے' مقتصد وہ ہے جو اپنے دین سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرے۔

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سابق وہ ہے جو ہجرت سے پہلے اسلام لایا' مقتصد وہ ہے جو ہجرت کے بعد اسلام لایا' اور ظالم وہ ہے جو تلوار سے ڈر کر اسلام لایا اور ان سب کی مغفرت ہو جائے گی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۲۔ ۳۱۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ نے یہ مثالیں بھی دی ہیں:

(۱۴) ظالم وہ ہے جو اپنے مال کے سبب سے مستغنی ہو' مقتصد وہ ہے جو اپنے دین کی وجہ سے مستغنی ہو اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کی وجہ سے مستغنی ہو۔

(۱۵) ظالم وہ ہے جو اپنے نفس سے محبت کرے' مقتصد وہ ہے جو اپنے رب سے محبت کرے اور سابق وہ ہے جس سے اس کا رب محبت کرے۔

(۱۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سابق مومن مخلص ہے' مقتصد ریا کار ہے اور ظالم وہ ہے جو اللہ کا منکر نہ ہو مگر اس کی نعمت کا شکر ادا نہ کرے۔

(۱۷) بکر بن سہل دمیاطی نے کہا ظالم وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اس پر توبہ نہ کرے' مقتصد وہ ہے جو کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے' اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر توبہ کرے' کیونکہ جس نے کسی گناہ سے توبہ کر لی تو گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور سابق وہ ہے جو اللہ کی کوئی معصیت نہ کرے۔

(۱۸) حسن بصری نے کہا سابق وہ ہے جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور مقتصد وہ ہے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور ظالم وہ ہے جس کی برائیاں نیکیوں سے زیادہ ہوں۔

(۱۹) ظالم مسلم ہے' مقتصد مومن ہے اور سابق محسن ہے۔

(۲۰) ظالم وہ شخص ہے جو دوزخ کے خوف کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرے' مقتصد وہ ہے جو جنت کی طمع سے اللہ کی عبادت کرے اور سابق وہ ہے جو بغیر کسی غرض یا سبب کے اللہ کی عبادت کرے۔ (الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۱۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

(۲۱) جس شخص پر اس کا نفس امارہ غالب ہو وہ اس کو معصیت کا حکم دے اور وہ اس کو مان لے تو وہ ظالم ہے' اور جو شخص اپنے نفس سے جہاد کرے' کبھی نفس امارہ پر غالب ہو کر معصیت کو ترک کر دے اور کبھی نفس امارہ سے مغلوب ہو کر معصیت کا ارتکاب کر لے تو وہ مقتصد ہے اور جو نفس امارہ پر ہمیشہ قاہر اور غالب رہے وہ سابق ہے۔

(۲۲) جو شخص معصیت کو حرام سمجھتے ہوئے معصیت کرے اور صرف فرائض اور واجبات پڑھے اور نوافل نہ پڑھے وہ ظالم ہے' اور جو شخص معصیت سے اجتناب کرے اور فرائض اور واجبات کے علاوہ مستحبات پر بھی عمل کرے وہ مقتصد ہے اور جو ان امور کے علاوہ استغفار' اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف بھی بہ کثرت پڑھے وہ سابق ہے۔

(۲۳) جو صرف حرام کو ترک کرے وہ ظالم ہے جو صرف مکروہات کو ترک کرے وہ مقتصد ہے اور جو شبہات کو بھی ترک کرے وہ

سابق ہے۔
(۲۴) جو شخص حلال یا حرام کی پرواہ کیے بغیر کھائے وہ ظالم ہے' اور جو شخص صرف حلال کھائے لیکن نفس کے مرغوبات اور لذائذ سے اجتناب نہ کرے وہ مقتصد ہے اور جو حساب کے ڈر سے ان سے بھی احتراز کرے وہ سابق ہے۔
(۲۵) جو شخص اپنی عمر شہوت اور معصیت میں ضائع کردے وہ ظالم ہے' اور جو ان سے جنگ کرتے ہوئے عمر گزارے وہ مقتصد ہے اور جو اپنے آپ کو لغزشوں سے بھی بچائے رکھے وہ سابق ہے کیونکہ صدیقین زلالت سے جنگ کرتے ہیں' اور زاہدین شہوات سے جنگ کرتے ہیں اور تائبین کبائر سے جنگ کرتے ہیں۔

مفسرین کے ذکر کردہ مردود اقوال

علامہ ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ جو دوزخ کے ڈر سے عبادت کرے وہ ظالم ہے اور جو جنت کی طمع سے اللہ کی عبادت کرے وہ مقتصد ہے اور جو کسی غرض اور سبب کے بغیر اللہ کی عبادت کرے وہ سابق ہے۔
(الکشف والبیان ج ۸ص ۱۱۰' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۱۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں دوزخ کے ڈر اور جنت کی طمع دلا کر عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے' سو یہ قول ان آیات کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (الصف: ۱۲۔۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو درد ناک عذاب سے نجات دے ○ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور تمہیں ان پاکیزہ مکانوں میں داخل کردے گا جو دائمی جنتوں میں ہیں' یہی عظیم کامیابی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب کا خوف اور جنت کا شوق دلا کر عبادت کی ترغیب دی ہے اور ایسی قرآن مجید میں بہت آیات ہیں' سو دوزخ کے خوف سے عبادت کرنے کو ظلم کہنا بجائے خود ظلم ہے۔
علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' بہت دقیق النظر مفسر ہیں مگر حیرت ہے کہ اس بحث میں ایک جگہ انہوں نے طالب النجاۃ کو ظالم کہا اور اس کے چند سطر بعد انہوں نے دوزخ کے خوف سے فرائض ادا کرنے والے کو ظالم کہا۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۲۹۱)
اسی طرح علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے عادۃً عبادت کرنے والے کو بھی ظالم کہا ہے (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ص ۳۱۱) اسی طرح علامہ اسماعیل حقی نے بھی عادۃً عبادت کرنے والے کو ظالم کہا ہے (روح البیان ج ۷ص ۴۱۰) اور یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص عادۃً نیک کام کرے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اگر وہ عادۃً گناہ کرے تو عذاب کا مستحق ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے:
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا تمہارے عمل زوجیت میں بھی صدقہ ہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے یہ عمل کرے' کیا اس کو پھر بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام محل میں اپنی شہوت پوری کرتا تو کیا اس کو گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ حلال محل میں اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم' الزکوۃ: ۵۳' رقم الحدیث بلاتکرار: ۱۰۰۶' الرقم المسلسل: ۲۲۹۲)

امام رازی نے لکھا ہے:

جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ ظالم ہے اور جو گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو وہ مقتصد ہے اور جو معصوم ہو وہ سابق ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متعلق ہے اور امت کا کوئی فرد معصوم نہیں ہے اس لیے یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح سے علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے روح البیان میں اور شیخ فیض احمد اویسی نے اس کے ترجمہ فیوض الرحمان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہنا ہر چند کہ خلاف ادب ہے لیکن جائز ہے۔

شیخ فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

جملہ اقوال میں عام مومنین ہی مراد ہیں یہی وجہ ہے کہ جس نے ظالم لنفسہ سے آدم علیہ السلام اور مقتصد سے ابراہیم علیہ السلام اور سابق سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے اس نے درست نہیں کیا۔ پہلے عام مومنین مراد لے کر بعد میں یہ حضرات مراد لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور وہ حضرات پیغمبر ہیں۔ ہاں ضمائر مومن کی طرف راجع ہوں تو پھر ضمناً یہ حضرات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام ظالم لنفسہ تھے؟

جواب: چونکہ انہوں نے اپنے لیے ربنا ظلمنا الخ کہہ کر خود اعتراف فرمایا تو پھر انہیں ظالم لنفسہ فرمایا ہے۔

باادب باش: اگرچہ بتاویل اس کا اطلاق جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الظلم بمعنے حق سے متجاوز ہونا جو کہ دائرہ کے لیے بمنزلہ نقطہ کے ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر اسی لیے اس کا اطلاق گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی اپنے تجاوز کے متعلق اپنے آپ کو ظالم کہا تو شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ (فیوض الرحمان ج ۲۲ ص ۵۲۵ مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

ہمارے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہنا صرف خلاف ادب نہیں ہے بلکہ تصریحات علماء کے مطابق یہ کفر ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

وقد قال علماؤنا رحمة الله عليهم ان من قال عن نبی من الانبياء فی غير التلاوة و الحديث انه عصى او خالف فقد كفر نعوذ بالله من ذالك.

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت یا حدیث کی قرأت کے بغیر کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے اللہ کی معصیت کی یا اس کی مخالفت کی تو اس نے کفر کیا ہم اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج علامہ ابوبکر بن العربی کے حوالے سے لکھتے ہیں: اب ہمارے لیے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اپنی طرف سے کچھ کہنا جائز نہیں ہے ماسوا اس کے کہ ہم ان کے متعلق کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ کریں اور جب ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنے قریبی آباء کے متعلق کوئی بات کہیں تو جو ہمارے سب سے پہلے باپ ہیں اور تمام نبیوں پر مقدم ہیں ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا کس طرح جائز ہوگا۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۹) (المدخل ج ۲ ص ۱۵ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کو منسوب فرمایا ہے اور ان پر عتاب فرمایا ہے اور خود انبیاء علیہم السلام

نے ان کاموں پر استغفار فرمایا ہے' ان کاموں سے ان کے مراتب اور مناصب میں کوئی کمی نہیں ہوتی' ان سے یہ کام تاویل اور اجتہادی خطا سے یا نسیان سے صادر ہوئے' دوسروں کے اعتبار سے یہ کام حسنات ہیں اور ان کے بلند مرتبے کے اعتبار سے سیئات ہیں کیونکہ جس کام پر بادشاہ کو چوان کو انعام دیتا ہے وزیر سے اسی کام پر گرفت کرتا ہے' اسی وجہ سے عرصہ محشر میں انبیاء علیہم السلام خوف زدہ ہوں گے' حالانکہ ان کو اپنی سلامتی اور امن کا یقین ہوگا' اسی وجہ سے جنید نے کہا نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہوتے ہیں۔ (دراصل یہ ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخراز البغدادی المتوفی ۲۸۶ھ کا قول ہے انہوں نے کہا تھا ذنوب المقربین حسنات الابرار' تاریخ دمشق ج ۵ ص ۲۰۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

پس انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے ان کاموں کی تلافی کی اور اللہ نے ان کو چن لیا' ان کی مدح فرمائی اور ان کا تذکرہ کیا اور ان کو پسند فرمالیا اور ان کو بزرگی دی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص ۱۶۷۔۱۶۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان کو ظالم کہنا ادب کے خلاف ہے' لیکن جائز ہے' انہوں نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا اور بے توجہی میں لکھ دیا' اگر وہ اس پر غور اور توجہ کرتے تو ایسا نہ لکھتے' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے' لیکن شیخ فیض احمد اویسی پر لازم تھا کہ وہ اس عبارت کا ترجمہ کرنے کے بعد اس پر حاشیہ لکھتے اور بتاتے یہ محض خلاف ادب نہیں ہے' بلکہ بہت سنگین بات ہے کیونکہ اصل روح البیان تو عربی میں ہے اور اس کا جب اردو ترجمہ لوگ پڑھیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ حضرت آدم کو ظالم کہنا جائز ہے' اور ظاہر ہے کہ تمام اردو دان عالم نہیں ہوتے تو اس ترجمہ اور حاشیہ میں وضاحت نہ کرنے کی وجہ سے عام اردو دان لوگوں کے کفر اور گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تفسیر میں ایسی سنگین تقصیرات سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

ظالم کو مقتصد اور سابق پر مقدم کرنے کی توجیہات

اس آیت میں تین شخصوں کا ذکر ہے (۱) اپنی جان پر ظلم کرنے والا (۲) مقتصد یعنی نیکی اور برائی میں متوسط (۳) اور نیکیوں میں سبقت کرنے والا' اور ان میں سب سے پہلے ظالم کا ذکر فرمایا ہے' اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عموماً اس کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے جس کا شرف اور مرتبہ زیادہ ہو پھر ظالم کے ذکر کو متوسط اور سابق سے پہلے بیان کرنے کی کیا توجیہ ہے' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کسی چیز کا پہلے ذکر کرنا اس کی فضیلت کو مستلزم نہیں ہے قرآن مجید کی بعض آیتوں میں دوزخیوں کا جنتیوں سے پہلے ذکر ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے: لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة (الحشر: ۲۰)۔

(۲) ظالموں اور فاسقوں کی تعداد متوسط نیکی کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے اور متوسطین کی تعداد نیکی میں سبقت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے سو جن کی تعداد زیادہ ہے ان کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ظالم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی توقع سب سے زیادہ ہوتی ہے' کیونکہ اس کو اپنی نجات کے لیے اس کی رحمت کے سوا اور کسی چیز پر بھروسا نہیں ہوتا' جب کہ متوسط اللہ تعالیٰ کے ساتھ مغفرت کا حسن ظن رکھتا ہے اور اپنی نیکیوں کی وجہ سے ثواب کا امیدوار ہوتا ہے۔

(۴) ظالم کا اس لیے پہلے ذکر کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور سابق کا ذکر اس لیے مؤخر کیا تا کہ وہ تکبر اور خود پسندی کا شکار نہ ہو۔

(۵) امام جعفر بن محمد بن علی الصادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ظالم کا اس لیے پہلے ذکر کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ اللہ کی رحمت اور اس

کے کرم کے سوانحات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور چونکہ ان تینوں قسموں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں میں کیا ہے جن کو اس نے چن لیا ہے اور منتخب فرمالیا ہے اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ کسی شخص کا اپنی جان پر ظلم کرنا' اس کے اللہ کے نزدیک منتخب اور پسندیدہ ہونے کے منافی نہیں ہے' اس کے بعد متوسطین کا ذکر فرمایا تاکہ وہ خوف اور امید کے درمیان رہیں اور آخر میں سابقین کا ذکر فرمایا تاکہ کوئی شخص اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو' اگرچہ ان میں سے ہر وہ شخص جنت میں ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہوگا۔

(۶) ظالم کو اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ کتاب کا وارث ہونے سے پہلے بندہ کامل نہیں ہوتا بلکہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں سے چن لیتا ہے تو ان میں سے بعض اس کے فیض کو کم قبول کرتے ہیں وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض متوسط درجہ کا فیض قبول کرتے ہیں وہ مقتصد ہیں اور بعض سب سے زیادہ فیض کو قبول کرتے ہیں وہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کو چن لیتا ہے اور ان کو اصطفاء اور اجتباء سے نوازتا ہے تو اس کا کم درجہ اپنی جان پر ظلم کرنے والے کے لیے ہے' پھر اس سے زیادہ درجہ مقتصدین کے لیے ہے اور کامل درجہ سابقین کے لیے ہوگا' گویا یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

(۸) ابتداء میں ظالم کا ذکر فرمایا اور آخر میں سابق کا ذکر فرمایا تاکہ مقتصد کا ذکر وسط میں ہو اور جس طرح وہ معنیً متوسط ہے لفظاً بھی متوسط رہے۔

(۹) ابوبکر بن وراق نے کہا اس ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ بندہ کے احوال تین قسم کے ہیں' غفلت' معصیت' پھر توبہ اور قرب' وہ غفلت کی وجہ سے پہلے معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہو جاتا ہے' پھر جب اس معصیت سے توبہ کرتا ہے تو مقتصدین میں داخل ہو جاتا ہے اور توبہ کے بعد جب وہ بہ کثرت عبادت اور ریاضت کرتا ہے تو سابقین میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے اور ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا○ اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدردان ہے○ جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا' جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہو گی○ (فاطر: ۳۵-۳۳)

تینوں قسم کے مومنوں کا جنت میں داخل ہونا

اس آیت میں ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کا وارث بنایا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمالیا تھا' پھر ان کی تین قسمیں بیان فرمائیں: بعض ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے تھے' بعض متوسط تھے اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے' اب فرما رہا ہے کہ یہ سب لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے' یہ کئی جنتیں ہوں گی' ایک جنت ان کو ان کے عمل کی وجہ سے ملے گی اور ایک جنت ان کو بہ طور میراث ملے گی' جو جنت کافروں کے لیے بنائی تھی وہ ان کو مل جائے گی اور جو چیز وراثت میں ملے اس میں نیک اور بد کا لحاظ نہیں ہوتا' اگر کسی کے دو بیٹے ہوں ایک نیک خصلت ہو اور دوسرا بد خصلت ہو تو وراثت میں دونوں کو برابر کا حصہ ملے گی' اسی طرح مومنوں کو جو جنت بہ طور وراثت ملے گی اس میں مطیع اور عاصی کا فرق نہیں ہوگا۔

سونے کے کنگن اور موتی اور ریشم پہنانے کی تفسیر الحج: ۲۳ میں گزر چکی ہے۔

جو بندہ نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہوگا اس کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو بندہ متوسط ہوگا اس

سے آسان حساب لیا جائے گا اور جو بندہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا اس کو کچھ دیر محشر میں روکا جائے گا' پھر کچھ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ لوگ جنت میں داخل ہوتے ہوئے یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔ الآیۃ۔

آخرت میں مومنوں سے غم دور کرنا' ان کی مغفرت کرنا اور ان کو ریشم اور زیورات سے مزین کرنا

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور وہ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے وہ اپنے ہاتھ کو بغلوں تک دھو رہے تھے' میں نے ان سے کہا: اے ابو ہریرہ! یہ کیسا وضو ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا اے چوزے کے بچے! تم یہاں کھڑے ہوئے ہو! اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم یہاں موجود ہو تو میں اس طرح وضو نہ کرتا' میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن کا جہاں تک وضو پہنچتا ہے وہاں تک اس کا زیور پہنچے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم کو پہنا وہ اس کو آخرت میں نہیں پہنے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۸)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے یہ ان کا دنیا میں لباس ہے اور تمہارا یہ لباس آخرت میں ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۱۰' دار الفکر' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے زیورات کا ذکر فرمایا: اور فرمایا ان کو سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے جن میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے اور ان پر بادشاہوں کی طرح تاج ہوں گے' ان کے چہرے بے ریش ہوں گے اور ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی۔

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' اور جس عذاب کا ہمیں خوف تھا اس کو ہم سے دور رکھا' ہمیں دنیا کا غم اور آخرت کا خوف تھا۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں پر نہ ان کی قبروں میں وحشت ہوگی اور نہ محشر میں' اور گویا کہ میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کے ساتھ ہوں' وہ اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے اٹھ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کو نہ موت کے وقت گھبراہٹ ہوگی' نہ قبروں میں نہ محشر میں' گویا کہ میں ان کو صور پھونکے جاتے وقت دیکھ رہا ہوں' وہ اپنے سروں سے گرد جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔ (المعجم الاوسط ج ۱۰ ص ۲۱۶' رقم الحدیث: ۹۴۷۴' مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۱۵ھ)

اور وہ کہیں گے بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا بہت قدر دان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیونکہ ان کا رب ان کے بہت سارے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی تھوڑی سی نیکیوں کو قبول فرمالے گا اور ان کی قدر کرے گا۔

اللہ کے فضل سے مغفرت اور جنت کا حاصل ہونا

اور وہ کہیں گے جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا۔

یعنی ہمارے اعمال اس قابل نہ تھے کہ ہم کو یہ مقام عطا کیا جاتا' نہ ہم جنت کے مستحق تھے' یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ محض اس کا فضل ہے' حدیث میں ہے:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا' مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں' سوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹' مسند احمد ۲۰۹۴۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ٹھیک اور درست عمل کرو اور یقین رکھو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو دائمی ہو خواہ کم ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۱۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۵۴)

اور وہ کہیں گے جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہو گی۔

اس آیت میں نصب اور لغوب کے الفاظ ہیں اور ان دونوں لفظوں کا معنی ہے تھکاوٹ۔ یعنی ان کو جسمانی تھکاوٹ ہو گی نہ روحانی' وہ دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کر کے اپنے جسموں کو تھکاتے تھے اور نفسانی خواہشوں کو ترک کر کے اپنے نفسوں کو رنج میں مبتلا کرتے تھے' اس کی جزا میں قیامت کے دن ان کو جسمانی تھکاوٹ ہو گی نہ نفسانی قلق ہو گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ (الحاقۃ: ۲۴) خوشی سے کھاؤ اور پیو کیونکہ تم نے گزشتہ زمانے میں نیک کام کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی' اور ہم بڑے ناشکرے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ۝ وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے ہم نیک کام کریں گے جو پہلے کاموں کے خلاف ہوں گے' کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس سے وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو' اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا' لو اب مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝ (فاطر: ۳۷-۳۶)

آخرت میں کفار کے عذاب کی کیفیت

اس سے پہلی آیتوں میں مومنوں کے اقوال' افعال' احوال اور ان کے اخروی مقامات کا بیان فرمایا تھا اور ان آیتوں میں کفار کے افعال' اقوال' احوال اور ان کے اخروی ٹھکانوں کو بیان فرما رہا ہے۔ اس آیت میں ان کے متعلق فرمایا ہے: ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں۔ اس آیت میں جہنم کی آگ کی کیفیت بیان فرمائی ہے' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والے تو وہ دوزخ ہی کے اہل ہیں وہ دوزخ میں مریں گے نہ جئیں گے' لیکن کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے آگ چھوئے گی پھر اللہ تعالیٰ ان پر موت (بے ہوشی) طاری کر دے گا حتیٰ کہ جب وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کا اذن دیا جائے گا' پھر ان کو اٹھا کر لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈالا جائے گا' پھر اہل جنت سے کہا جائے گا ان پر پانی ڈالو جس کے سبب سے وہ اس

طرح تروتازہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے پانی کے ساتھ آنے والی مٹی میں دانہ سرسبز و شاداب ہو کر نکل آتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۹)

اور قرآن مجید میں ہے:

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ. (الزخرف: ۷۷)

اور دوزخی پکار کر کہیں گے اے مالک! تمہارے رب کو چاہیے کہ وہ ہم پر موت ڈال دے وہ کہے گا تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔

مالک دوزخ کے فرشتہ کا نام ہے۔

سو دوزخی ایسے حال میں ہوں گے کہ ان کو موت میں راحت نظر آئے گی لیکن ان کو موت بھی میسر نہیں ہوگی۔

پھر وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں نکال دے ہم نیک کام کریں گے جو پہلے کاموں کے خلاف ہوں گے۔

وہ دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کا سوال کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجا گیا تو پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا اور وہ جھوٹ بول رہے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے سوال کا جواب نہیں دے گا اور فرمائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔

انسان کو اپنی اصلاح کے لیے کتنی عمر کی ضرورت ہے

انسان کی ہدایت اور نیکی کو اختیار کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کے لیے کتنی عمر کافی ہے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ساٹھ سال کی عمر کافی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی موت کو مؤخر کر کے اس کی عمر ساٹھ سال کر دی گئی تو اللہ نے اس پر سب سے زیادہ حجت پوری کر دی (اور اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا)۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس عمر میں وہ شخص نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۰۵ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۰۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی اللہ تعالیٰ نے عمر ساٹھ سال کر دی اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی عذر نہیں چھوڑا کیونکہ ساٹھ سال انتہائی عرصہ ہے اس عمر میں اللہ سے ملاقات کی امید ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کا غلبہ ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چالیس سال کی بھی روایت ہے۔

مجاہد کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جتنی عمر میں ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے وہ چالیس سال ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۰۱)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل کامل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی عقل ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۴ ص ۳۱۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال تھی اور آپ سے زیادہ کسی کی عقل کامل نہیں تھی بلکہ آپ کی عقل سب سے کامل تھی کتنے صحابہ فقہاء تابعین ائمہ مجتہدین اور علماء دین ساٹھ ستر اور اسی سال کی عمر پا کر مرحوم ہوئے اور آخر وقت تک ان کی عقل کامل رہی۔ راقم الحروف کی عمر ۱۰ رمضان ۱۴۲۳ھ کو سرسٹھ سال کی ہو چکی ہے اور الحمد للہ ابھی تک عقل

میں کوئی کمی نہیں آئی جس پر میری تازہ بہ تازہ تصنیفات شاہد عادل ہیں' امام مالک نے کہا ہمارے شہروں میں لوگ دنیاداری میں معروف رہتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں اور جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دنیاداری اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنی آخرت سنوارنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی اور بہت کم اس سے متجاوز ہوں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۸۰' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۹۰' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۰)

نذیر کے محامل

نیز فرمایا: اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آیا تھا۔

اس کی تفسیر میں اختلاف ہے' زید بن علی اور ابن زید نے کہا اس سے مراد رسول ہے' حضرت ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ نے کہا اس سے مراد بڑھاپا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اہل اور اقارب کی موت ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کمال عقل ہے۔

جب انسان پر بڑھاپا طاری ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب کھیل کود کی عمر گزر گئی ہے' اور جب اس کے اصحاب اور اقارب گزر جاتے ہیں تو وہ سوچتا ہے کہ اب اس کی کوچ کا وقت بھی آ پہنچا ہے اور جب اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے تو وہ حقائق امور میں غور و فکر کرتا ہے اور نیک کاموں اور برے کاموں میں فرق کرنے لگتا ہے پس عقل والا آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اور اس کے پاس جو اجر ہے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اخروی عذاب سے بچنے کی فکر کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

بے شک اللہ' آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا عالم ہے' بے شک وہ سینوں کی باتوں

الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ

کا جاننے والا ہے ○ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر کیا

فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ

تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں کا کفر ان سے ان کے رب کو زیادہ ناراض ہی کرتا ہے'

وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ

اور کافروں کا کفر صرف ان کے نقصان کو زیادہ کرتا ہے ○ آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم

الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ

اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے کسی حصہ کو بنایا ہے

الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ أَمْ آتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ

یا آسمانوں کو پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے یا ہم نے ان کو کوئی (آسمانی) کتاب دی ہے جس کی

عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا

دلیل پر وہ قائم ہیں، بلکہ ظالم ایک دوسرے سے صرف فریب

غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ۚ

کی باتیں کرتے ہیں ○ بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا،

وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ إِنَّهٗ كَانَ

اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا، بے شک

حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾ وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ

وہ بہت حلم والا بہت بخشنے والا ہے ○ اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس

نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ أَهْدٰى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو وہ کسی نہ کسی امت کی بہ نسبت ضرور زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، پھر جب ان

نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ

کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو اس کی آمد نے صرف ان کی نفرت ہی کو زیادہ کیا ○ زمین میں ان کے تکبر کو اور

السَّيِّئِ ۗ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ ۗ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

ان کی بُری سازشوں کو (زیادہ ہی کیا) اور بُری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے، وہ صرف پہلے

إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ

لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں، سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ

تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ أَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ

آپ اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا پائیں گے ○ اور کیا انہوں نے کبھی زمین میں سفر نہیں کیا

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

پس وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا '

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ

حالانکہ وہ ان سے زیادہ سخت اور طاقت ور تھے ' اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ

مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اس کو عاجز کر دے ' بے شک وہ بہت

عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا

علم والا بڑی قدرت والا ہے O اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت

مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ

فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت مقرر تک انہیں ڈھیل

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

دے رہا ہے ' پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں

بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

کو خوب دیکھ لے گا!O

ع ۵ / ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا عالم ہے بے شک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہےO وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا' سو جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے' اور کافروں کا کفران سے ان کے رب کو زیادہ ناراض ہی کرتا ہے اور کافروں کا کفر صرف ان کے نقصان کو زیادہ کرتا ہےO آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے کسی حصہ کو بنایا ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے' یا ہم نے ان کو کوئی (آسمانی) کتاب دی ہے جس کی دلیل پر وہ قائم ہیں' بلکہ ظالم ایک دوسرے سے صرف فریب کی باتیں کرتے ہیںO (فاطر: ۴۰۔۳۸)

اس اشکال کا جواب کہ کافروں نے متناہی زمانہ میں کفر کیا تھا اس کی دائمی سزا کیوں دی جائے گی

اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا' اور قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ کفار کو دائمی عذاب ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار نے جو کفر کیا وہ تو متناہی زمانہ میں

کیا ہے' اب اس کو غیر متناہی زمانہ تک سزا دینا عدل وانصاف سے بعید ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اتنی ہی سزا ہے۔

اور زمانہ متناہی میں کیے گئے کفر کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دینا اسی کی مثل یا اتنی ہی سزا تو نہیں ہے' اس آیت (فاطر: ۳۸) میں اس اعتراض کا جواب ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیب کو جاننے والا ہے اور سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اس کو علم ہے کہ اگر ان کافروں کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا گیا تو یہ پھر دوبارہ کفر کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (الانعام: ۲۷) اگر ان (کافروں) کو دنیا میں لوٹایا گیا تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن کاموں سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یہ ضرور جھوٹے ہیں۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ہر چند کہ کافروں نے محدود زمانہ میں کفر کیا تھا لیکن ان کی نیت دائماً کفر کرنے کی تھی اگر بالفرض لامحدود اور غیر متناہی زمانہ پاتے تو وہ غیر متناہی زمانہ تک کفر پر ہی قائم رہتے اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور دلوں کے حالات کو جاننے والا ہے وہ کافروں کی نیت دوام کو جانتا تھا اس لیے ان کو دائمی عذاب دے گا۔

اس آیت سے قطع نظر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی عقلی کلیہ یا ملازمہ نہیں ہے کہ جتنے وقت میں کوئی شخص جرم کرتا ہے اس کو سزا بھی اتنے ہی وقت کی دی جائے' بعض صورتوں میں قاتل کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے' حالانکہ قتل کرنے میں پانچ دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا' علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے وہ اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے!

کفار کے نقصان اٹھانے کا محمل

اس کے بعد فرمایا: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بنایا۔

اس آیت میں خلائف کا لفظ ہے' خلائف' خلیفہ کی جمع ہے' خلافت کا معنی ہے دوسرے شخص کی نیابت کرنا' خلافت چار وجہوں سے ہوتی ہے: (۱) اصل شخص کہیں چلا جائے تو وہ کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ بنا دیتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ پہاڑ طور پر گئے تو حضرت ھارون کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے (۲) اصل شخص کسی وجہ سے کوئی کام نہ کر سکے تو وہ دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بنا دے' جیسے جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا اور آپ کے لیے نماز پڑھانا مشکل ہو گیا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کر دیا (۳) اصل شخص فوت ہو جائے تو کسی دوسرے کو اس کا خلیفہ اور قائم مقام بنا دیا جائے' جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا (۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی کو شرف اور فضیلت عطا کرنے کے لیے اس کو خلیفہ بنا دیا جائے' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اس آیت میں یہ مراد ہے کہ ایک قوم اور ایک امت کے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری قوم اور دوسری امت کو اس کا خلیفہ بنا دیا۔ اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ ہم نے کافروں کو اتنی مدت کی زندگی دی تھی جتنی مدت میں کوئی شخص دوسرے سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور ان کے پاس آخرت کے عذاب سے ڈرانے والے رسول بھی بھیجے تھے' اور ان کو عقل بھی عطا کی تھی اور ان کو اس پر متنبہ کر دیا تھا کہ جو لوگ رسولوں کی تکذیب کریں گے ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا جائے گا' اور کفار مکہ زمین پر سفر کے دوران پہلے گزری ہوئی قوموں پر عذاب کے آثار دیکھ چکے ہیں' اس کے باوجود وہ اپنے کفر پر جمے

ہوئے ہیں تو وہ اپنے اوپر اپنے رب کے غضب اور اس کی ناراضگی میں مزید اضافہ کررہے ہیں اور کفر سے ان کو صرف نقصان ہو رہا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو زندگی عطا کی ہے وہ بہ منزلہ اصل مال ہے' جیسے انسان اگر اپنے مال سے فائدہ کی چیز خرید لے تو اس کو نفع ہوتا ہے ورنہ نقصان ہوتا ہے' اسی طرح یہ کفار اگر اپنی زندگی کو خرچ کر کے ایمان کو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو خرید لیتے تو ان کو فائدہ ہوتا اور جب کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی خرچ کر کے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو خریدا تو ان کے ہاتھ صرف نقصان آیا۔

بتوں کی عبادت پر عقلی اور نقلی دلائل کا نہ ہونا

فاطر:۴۰ میں فرمایا: آپ کہیے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن شرکاء کی پرستش کرتے ہو۔ الآیۃ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ بتاؤ کہ تمہیں ان بتوں کے متعلق کیا معلوم ہے' کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ بت واقع میں عاجز ہیں تو پھر ان کی عبادت کیوں کرتے ہو یا تم کو یہ وہم ہے کہ ان میں قدرت ہے' اگر یہی بات ہے تو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ آیا انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہے؟ جیسا کہ بعض کفار یہ کہتے تھے اللہ آسمانوں میں عبادت کا مستحق ہے اور یہ بت زمین میں عبادت کے مستحق ہیں' وہ کہتے تھے کہ آسمانوں کو فرشتوں کی استعانت سے پیدا کیا ہے' اور آسمانوں کی تخلیق میں فرشتے اللہ تعالیٰ کے شرکاء ہیں' اور یہ بت ان فرشتوں کی صورتیں ہیں۔ یا یہ بت تمہاری شفاعت پر قادر ہیں' جیسا کہ بعض کفار یہ کہتے تھے کہ فرشتوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہیں' سو ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل کے پاس ہماری شفاعت کریں' اللہ تعالیٰ ان کا رد کرنے کے لیے فرماتا ہے کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب آئی ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ کفار جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ عقلاً اور نقلاً ہر طرح باطل ہے' عقلاً اس لیے باطل ہے کہ جس چیز کو کفار نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا اور جو بت اپنے وجود میں خود ان کے محتاج ہیں وہ ان کے خالق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اور نقلاً اس لیے باطل ہے کہ بتوں کی عبادت کرنے کے جواز پر ان کے پاس کوئی دستاویزی شہادت نہیں ہے' نہ کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر ان بتوں کی عبادت کی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس عبادت کرنے والوں کی شفاعت کریں گے' سو بتوں کی عبادت کرنے کی صحت اور جواز پر کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی دلیل ہے یہ محض ان کو شیطان کا دیا ہوا دھوکا ہے اور شیطان نے ان کے لیے بتوں کی عبادت کو مزین بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا' اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا' بے شک وہ بہت علم والا بہت بخشنے والا ہے O اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا تو وہ کسی نہ کسی امت کی بہ نسبت ضرور زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے' پھر جب ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا' تو اس کی آمد نے صرف ان کی نفرت ہی کو زیادہ کیا O زمین میں ان کے تکبر کو اور ان کی بری سازشوں کو (زیادہ ہی کیا) اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے' وہ صرف پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں' سو آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا پائیں گے O (فاطر: ۴۳۔۴۱)

آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت فرمانا

فاطر:۴۱ میں فرمایا ہے: بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار کے باطل معبود آسمانوں اور زمینوں کی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اب یہ بتایا ہے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اور پیدا کرنے کے بعد ان کو اپنے مرکز پر برقرار اور ثابت رکھنے والا' اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے' یعنی یہ صرف اللہ کی قدرت ہے جو اتنے عظیم کرات کو اپنے مقام' نظام اور محور پر برقرار رکھے ہوئے ہے اگر بالفرض یہ ہمارے سیارے اپنے اپنے محور سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی اور ان کو اپنے محور پر قائم نہیں کر سکتا' اس سے معلوم ہوا کہ زمین بھی ایک کرہ ہے جو اپنے محور پر گردش کر رہا ہے جس طرح سورج' چاند اور دیگر سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی احتمال ہے کہ کفار کے کفر و شرک کا یہ تقاضا ہے کہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝

قریب ہے کہ ان کے اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ۝ کہ انہوں نے رحمان کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا۔ (مریم: ۹۱-۹۰)

یعنی انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا اس کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کے اوپر آسمان گر جاتا اور وہ زمین اور آسمان کے درمیان پس کر رہ جاتے' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور غفور ہے اس لیے اس نے آسمان کے گرانے کے عمل کو قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیا ہے۔

پھر یہ بتایا کہ اگر بالفرض آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو اپنی جگہ قائم نہیں کر سکتا' اور اللہ تعالیٰ چونکہ حلیم اور غفور ہے اس لیے ان کے اس بھاری اور سنگین قول کے باوجود ان پر فوراً عذاب نازل نہیں فرما رہا بلکہ ان کو مہلت دے رہا ہے۔

زمین کی حرکت پر دلائل

اس آیت سے بعض قدیم الخیال علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ زمین ساکن ہے لیکن ان کا یہ استدلال مشاہدہ اور دلائل کے خلاف ہے:

زمین' چاند اور سورج کی حرکت کے حساب سے سائنس دان یہ متعین کرتے ہیں کہ چاند گرہن کب ہوگا اور سورج کو گرہن کب لگے گا' اور ان کا حساب اس قدر صحیح ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج یا چاند گرہن ہوگا اور اتنی دیر تک گرہن لگا رہے گا' اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور ان کا یہ حساب اتنا حتمی اور درست ہوتا ہے کہ آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑا۔ سورج گرہن کا معنی ہے زمین اور سورج کے درمیان چاند کے حائل ہو جانے سے سورج کا جزوی یا کلی طور پر تاریک نظر آنا' عربی میں اس کو کسوف شمس کہتے ہیں۔ (اردو لغت ج ۱۲ ص ۱۵۵)

تین سال پہلے سورج کو گرہن لگا' اور مغرب سے کچھ دیر پہلے سورج تاریک ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ سورج مکمل تاریک ہو گیا اور تقریباً پانچ منٹ تک تاریک رہا۔ ہم نے کراچی میں اس کا مشاہدہ کیا اور سائنس دانوں نے کئی ماہ پہلے بتا دیا تھا کہ کراچی میں فلاں تاریخ کو اتنی دیر کے لیے اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج مکمل تاریک ہو جائے گا' سائنس دان نہ جادوگر ہیں نہ غیب دان ہیں' ان کی یہ پیش گوئی ان کے حساب پر مبنی ہے' وہ زمین' چاند اور سورج کی حرکات کا مکمل حساب رکھتے ہیں اور

ان کی رفتار کا بھی صحیح حساب رکھتے ہیں' اس لیے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ چاند کس تاریخ کو اور کس وقت زمین اور سورج کے درمیان حائل ہوگا اور کتنی دیر حائل رہے گا اور انہیں تمام دنیا کے نظام الاوقات کا بھی علم ہوتا ہے اس لیے وہ بہت پہلے اپنے حساب سے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سورج کو گرہن لگے گا اور اتنی دیر رہے گا' اسی طرح چاند گرہن کا معنی ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے جس کی وجہ سے چاند جزوی یا کلی طور پر تاریک ہو جائے' ابھی چند سال پہلے چاند کو گرہن لگا اور پاکستان میں رات کو دس بجے چاند مکمل طور پر تاریک ہو گیا تھا اور سائنس دانوں نے کافی پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے چاند گرہن لگے گا اور فلاں فلاں ملک میں اتنے اتنے بجے نظر آئے گا اور اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو زمین کی حرکت اور اس کی رفتار کا علم ہوتا ہے اور وہ اس حساب سے جان لیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اتنی دیر تک حائل رہے گی اور تدریجاً حائل ہوگی اور کس وقت مکمل حائل ہو جائے گی۔ قدیم خیال کے علماء جو زمین کو ساکن مانتے ہیں اور اس کی حرکت کے قائل نہیں ہیں اور وہ یہ نہیں مانتے کہ زمین اور چاند کی حرکت اور اس کی رفتار کا سائنس دان حساب رکھتے ہیں وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ سائنس دان سالوں' مہینوں اور ہفتوں پہلے سورج اور چاند کے گرہن ہونے اور ان کے نظام الاوقات کی بالکل ٹھیک پیش گوئی کرتے ہیں اور آج تک ان کی پیش گوئی غلط نہیں ہوئی' کیا وہ سائنس دانوں کو جادوگر یا غیب دان گردانتے ہیں!

اس دور میں سائنس کی جتنی ایجادات ہیں ہمارے علماء ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ گھڑیوں کے اوقات سے نماز پڑھاتے ہیں' مسجدوں اور گھروں میں بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لگواتے ہیں' ٹیلی فون پر بات کرتے ہیں' لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور نمازیں پڑھاتے ہیں' کاروں' ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں' اس کے باوجود وہ سائنسی علوم کی مذمت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ سائنس کا علم کسی فکر اور نظریہ سے مستفاد نہیں ہوتا۔ سائنس کا علم مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے' یہ تمام ایجادات مشاہدہ اور تجربہ سے وجود میں آئی ہیں' اسی طرح زمین اور چاند کی حرکت اور ان کی رفتار کا تعین بھی انہوں نے رصد گاہوں میں مشاہدات اور آلات کے ذریعہ کیا ہے' قدیم فلسفہ کی طرح یہ صرف فکر اور نظریہ کا معاملہ نہیں ہے' قرآن مجید رشد و ہدایت کی کتاب ہے' فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے' قرآن کریم نے اس سے بحث نہیں کی کہ زمین ساکن ہے یا متحرک ہے کیونکہ دنیا میں صالح حیات اور اخروی فلاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے یا حرکت نہیں کرتی' اس لیے علماء کو چاہیے کہ زمین کی حرکت اور سکون کو دین اور اعتقاد کا مسئلہ نہ بنائیں۔ بعض قدیم الخیال علماء یہ کہنے سے باز نہیں آتے کہ قرآن اور حدیث میں ہے کہ زمین ساکن ہے' اور تعلیم یافتہ لوگوں اور ترقی یافتہ اقوام پر اس سے اسلام کے متعلق منفی اثر پڑتا ہے' ایسا کہنا کوئی اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ نہیں ہے بلکہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری اقوام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا ہے' اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

الانبیاء: ۳۳ اور لقمان: ۱۰ میں بھی ہم نے زمین اور دیگر سیاروں کی حرکت پر مفصل دلائل قائم کیے ہیں' مکمل شرح صدر اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے ان ابحاث کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

بری سازش' فریب اور خیانت کی ممانعت

فاطر: ۴۲ میں فرمایا: اور انہوں نے اپنی قسموں میں سے اللہ کی بہت پکی قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا آ گیا۔ الآیۃ

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کفار مکہ نے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ اگر ہمارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا رسول آ گیا تو ہم یہود' نصاریٰ اور صابئین سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے اور جب ان کے پاس ڈرانے والے رسول یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو آپ کے آنے کے بعد وہ ہدایت سے اور دور ہو گئے' انہوں نے اللہ کے سامنے سرکشی کی اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

مکر السیء کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے شرک کیا اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی' ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش یہ تھی کہ آپ کو العیاذ باللہ قتل کر دیا جائے یا قید کر دیا جائے یا مکہ سے نکال دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ان کے اوپر الٹ دیا' یہ لوگ جنگ بدر میں قتل کیے گئے اور قید کیے گئے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کعب احبار نے ان سے کہا کہ تورات میں یہ آیت ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گر جاتا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا قرآن میں بھی یہ آیت ہے' انہوں نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ. (فاطر: ۴۳) اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔

زہری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تم نہ کسی کے خلاف سازش کرو اور نہ سازش کرنے والے کی مدد کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور بری سازشوں کا وبال صرف سازش کرنے والے پر ہی پڑتا ہے اور نہ تم بغاوت کرو اور نہ بغاوت کرنے والے کی مدد کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهِ. (الفتح: ۱۰) پس جو عہد شکنی کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ. (یونس: ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تم کو ہی پہنچے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ سازش' فریب اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہے' اس میں اخلاق مذمومہ سے بچنے کی بہت بلیغ نصیحت کی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا وہ صرف پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں' یعنی جو عذاب پہلے کافروں پر نازل ہوا تھا' یہ بھی اسی عذاب کا انتظار کر رہے ہیں' یعنی ان کے بھی وہی کرتوت ہیں جو پہلے کافروں کے تھے جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا تھا' سو آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا پائیں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کافروں پر عذاب نازل کرتا رہا ہے' اور کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے' پس جو ان کی مثل عذاب کا مستحق ہوگا اس پر بھی وہ عذاب نازل فرمائے گا۔

ہم نے جو آیتیں اور حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں بری سازش' فریب' اور خیانت سے مطلقاً منع فرمایا ہے اور یہ کام مومن کا شیوہ نہیں ہے' فریب' خیانت اور دھوکا دہی کسی سے نہیں کرنی چاہیے' خواہ وہ مومن ہو یا کافر' بلکہ کافروں کے ساتھ زیادہ امانت اور دیانت کا سلوک کرنا چاہیے تاکہ وہ اسلام کے اعلیٰ اصولوں اور مومن کے عمدہ اخلاق سے متاثر ہوں اور کفر کو چھوڑ کر اسلام کو

اختیار کرلیں' یورپ میں رہنے والے بعض علماء غیر مسلموں سے سود لینے اور فراڈ کے ذریعہ ان کا مال ہڑپ کرنے کو جائز کہتے ہیں یہ نہ صرف باطل ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا انہوں نے کبھی زمین میں سفر نہیں کیا پس وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا' حالانکہ وہ ان سے زیادہ سخت اور طاقت ور تھے' اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اس کو عاجز کر دے بے شک وہ بہت علم والا بڑی قدرت والا ہے O اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت مقرر تک انہیں ڈھیل دے رہا ہے' پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا O (فاطر: ۴۵-۴۴)

دوران سفر آثار عذاب دیکھ کر عبرت حاصل کرنا

فاطر: ۴۴ میں اہل مکہ کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ صرف مکہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے نہ رہیں بلکہ مکہ سے باہر نکل کر شام' یمن اور عراق کی طرف سفر کریں تو اثناء سفر میں ان کو پچھلے زمانہ کی امتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے آثار نظر آئیں گے' عاد' ثمود اور سبا ان سے پہلی امتیں تھیں وہ لوگ جسمانی طور پر بہت مضبوط اور طاقت ور تھے' ان کی عمریں بھی بہت لمبی لمبی ہوتی تھیں لیکن جب ان کے کفر اور ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر عذاب آیا تو نہ ان کی طویل عمریں اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ڈھال بن سکیں اور نہ ان کی جسمانی قوت کسی کام آ سکی۔ اور آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والی نہیں ہے وہ بہت علم والا اور بڑی قدرت والا ہے' اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اس لیے ہر شخص کا عمل خواہ نیک ہو یا بد اس سے مخفی نہیں ہے اور چونکہ اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اس لیے وہ نیکو کاروں کو اچھی جزا دینے پر اور بدکاروں کو سخت سزا دینے پر قادر ہے اور کوئی نیکی کرنے والا اس کے فضل سے محروم نہیں ہوتا اور کوئی بدکار اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے' اس کے فضل اور انعام کا مدار اس کی توحید اور اس کے رسولوں کو ماننے پر ہے' اور اس کے عذاب کا باعث شرک اور اس کے رسولوں کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بہ تدریج گرفت فرمانا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور ان پر اچانک گرفت نہیں فرماتا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ معاف کرنا اور احسان فرمانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرفت کرنے اور انتقام لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے تاکہ لوگ اس کی شفقت اور اس کے فضل و کرم کا اندازہ کریں' اور یہ کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے' پھر جب لوگ اس کے قہر کا اس کے لطف کی وجہ سے اور اس کے جلال کا اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے غضب کا اس کی رحمت کی وجہ سے ادراک نہیں کرتے تو وہ دنیا میں لوگوں پر مصائب' آفات اور بلائیں نازل فرماتا ہے جو مومن کے حق میں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں اور کافر کے حق میں محض سزا اور عذاب ہوتی ہیں' مصائب کسی شخص کے لیے اس وقت تطہیر کا سبب ہوتے ہیں جب اس کے جرائم اور گناہوں میں کفر اور شرک نہ ہو' اللہ تعالیٰ ہم سب کو کفر اور شرک اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب اور عقاب سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

بنو آدم کے گناہوں سے جانوروں کو ہلاک کرنا

فاطر: ۴۵ میں یہ فرمایا ہے: اور اگر اللہ لوگوں کے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ الآیۃ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کا اثر جنگلوں میں جانوروں پر اور فضا میں پرندوں پر بھی پڑتا ہے کیو
وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو ہلاک کر دیا تھا ماسوا ان جانوروں کے جو حضرت
نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے' بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
جانوروں کو ہلاک کر دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بنو آدم کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ
بنو آدم کے کفر اور شرک کی وجہ سے گرفت فرما کر تمام بنو آدم کو ہلاک کر دے گا تو ان کے نفع کے لیے جو جانور پیدا کیے تھے ان کو
باقی رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا سو بنو آدم کو ہلاک کرنے کے بعد وہ تمام جانوروں' پرندوں اور حشرات الارض کو بھی ہلاک
فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے کی حکمتیں

اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی ایسی خطا یا تقصیر ضرور صادر ہوتی ہے جو گرفت کا تقاضا کرتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو ڈھیل دیتا رہتا ہے' پھر جو نادم ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے اس کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اکڑتا ہے اور سرکشی کرتا ہے اس سے مواخذہ فرماتا ہے اور اس پر گرفت فرماتا ہے' اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے حلم اور اس کے درگزر کرنے کا بھی پتا چلتا ہے اور اس میں بندوں کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ بھی اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف باتوں اور کاموں سے مشتعل نہ ہوں' غضب میں نہ آئیں اور ان کو ٹھنڈے دل سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

اس کے بعد فرمایا پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو جو ڈھیل دے رہا ہے اس کا کوئی یہ مطلب نہ لے کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل ہے' بلکہ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر پوری بصیرت رکھتا ہے اور ان کو وقت مقرر پر پوری پوری جزا دے گا' نیک عمل کرنے والوں کو اجر و ثواب سے نوازے گا کفار اور مشرکین کو دائمی سزا دے گا' اور فساق مومنین اس کی مشیت پر موقوف ہیں' اگر وہ چاہے گا تو اپنے عفو و درگزر اور فضل و کرم سے کام لے کر ان کو معاف فرما دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عارضی عذاب میں مبتلا کر کے ان کو بخش دے گا' اور اس عارضی عذاب کی کئی صورتیں ہیں' دنیا میں مصائب کا نزول' قبر کا عذاب' حشر میں حساب کو مؤخر کر کے اس کو دیر تک محشر میں محبوس رکھنا' اور آخری صورت یہ ہے کہ اسے کچھ وقت کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے اور پھر اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا' مومنوں کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا اس میں بھی اس کے کرم سے یہ توقع ہے کہ وہ صورۃً عذاب ہو گا حقیقتہً عذاب نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے ادراک اور شعور کو ماؤف اور معطل کر دے گا جس کی وجہ سے اس کو اس عذاب کا درد اور اس کی اذیت نہیں ہو گی' جیسے کسی شخص کو کلوروفارم سنگھا کر بے ہوش کر دیتے ہیں پھر اس کے جسم کی سرجری کی جاتی ہے اس کا جسم اور اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کو کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ درد محسوس ہوتا ہے۔

اختتام سورت

الحمد للہ رب العلمین علی احسانہ و کرمہ آج بہ روز جمعرات مورخہ ۱۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۳ھ/ ۱۶ جنوری ۲۰۰۳ء کو سورت فاطر کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تقریباً ایک ماہ میں اس سورت کی تفسیر اختتام پذیر ہو گئی' انواع و اقسام کے امراض لاحق ہونے کی وجہ سے اور ان کے پرہیز کے نتیجے میں میں صرف بھی کی

ڈبل روٹی کے تین سلائس اور ابلی ہوئی سبزی ہی کو ایک وقت میں کھا پاتا ہوں' دماغی کام کے لیے گلوکوز اور فاسفورس اشد ضروری ہیں لیکن جن چیزوں میں گلوکوز اور فاسفورس ہوتا ہے ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے میں انہیں کھا نہیں سکتا' کمر کی طاقت کے لیے گوشت بہت ضروری ہے مگر کلسٹرول سے پرہیز کی وجہ سے وہ بھی نہیں لے سکتا' کئی مقوی چیزیں ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے نہیں کھا سکتا' بس اللہ کا فضل اور قارئین کی دعائیں ہیں جو اس تفسیر کا کام ہو رہا ہے' ورنہ جسمانی توانائی اور قوت کار کے جو ظاہری اسباب ہیں وہ بالکل حاصل نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دیں اور اس کو تا قیامت فیض آفریں رکھیں اور محض اپنے فضل اور اپنے حبیب کریم کی شفاعت سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب اور تلامذہ کی اور میری کتابوں کے قارئین کی اور ناشر اور مصحح کی مغفرت فرما دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد
خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ
وعلماء ملتہ واولیاء امتہ وسائر المسلمین.

سُوْرَةُ یٰسٓ

(۳۶)

سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ

(۳۷)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة یٰسٓ

سورت کا نام

اس سورت کا نام یٰسٓ ہے' یہ لفظ دوحرفوں سے مرکب ہے جو اس سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے' اور ان دو حرفوں کے اول میں مذکور ہونے کی وجہ سے یہ سورت باقی سورتوں سے ممتاز اور ممیز ہے ان دو حرفوں سے مرکب یہ لفظ اس سورت کا علم (نام) ہو گیا۔

اس سورت کو قلب قرآن' قرآن مجید کا دل بھی کہا جاتا ہے' اس سلسلہ میں ایک حدیث ہے جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

یٰسٓ کے فضائل میں احادیث اور آثار

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یٰسٓ ہے اور جس نے یٰسٓ کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کو یٰسٓ کے پڑھنے کی وجہ سے دس بار قرآن پڑھنے کا اجر عطا فرمائے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی رات میں یٰسٓ کو اللہ عزوجل کی رضا کے لیے پڑھا' اس کی اس رات میں مغفرت کر دی جائے گی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۸)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دن کے ابتدائی حصہ میں یٰسٓ کو پڑھا اس کی حاجات پوری کر دی جائیں گی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے صبح کے وقت یٰسٓ کو پڑھا اس کے لیے شام تک آسانی کر دی جائے گی اور جس نے رات کی ابتداء میں یٰسٓ کو پڑھا اس کے لیے اس رات میں صبح تک آسانی کر دی جائے گی۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۴۲۰)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسٓ قرآن کا قلب ہے' جو شخص بھی اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے اس کو پڑھے گا اللہ اس کے پچھلے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا' تم یٰسٓ کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ (السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۰۹۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۔۲۷)

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۷' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸۳)

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات یٰسٓ پڑھنے پر دوام کرے وہ مرجائے گا تو شہادت کی موت مرے گا۔

امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میری امت میں سے ہر شخص کے دل میں یٰسٓ ہو۔

امام ابن مردویہ اور امام دیلمی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میت کے پاس بھی یٰسٓ کو پڑھا جائے گا اللہ اس پر آسانی فرما دے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابوقلابہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یٰسٓ کو پڑھا اس کو بخش دیا جائے گا اور جس شخص کو کھانے کی کمی کا خوف ہو وہ سورۃ یٰسٓ پڑھے تو وہ کھانا اسے کافی ہو جائے گا' اور جس نے میت کے پاس یٰسٓ کو پڑھا اس پر آسانی ہو جائے گی اور جس عورت کے ہاں مشکل سے ولادت ہو رہی ہو اس کے پاس یٰسٓ کو پڑھا جائے تو اس کے ہاں ولادت آسانی سے ہو جائے گی' اور جس نے یٰسٓ کو پڑھا تو گویا اس نے گیارہ مرتبہ قرآن پڑھا اور ہر چیز کا قلب ہوتا ہے اور قرآن کا قلب یٰسٓ ہے۔

امام حاکم اور بیہقی نے ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں سختی ہو وہ ایک پیالہ میں زعفران سے یٰسٓ والقرآن الحکیم لکھ کر اس کو پی لے۔

امام ابن النجار نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی ہر جمعہ زیارت کی اور ان کی قبر کے پاس یٰسٓ پڑھی تو اللہ اس کے ہر حرف کے بدلہ میں ان کی مغفرت فرما دے گا۔ (الدرالمنثور ملتقطاً ج ۷ ص ۳۷۔۳۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

یٰسٓ کے بعض اسماء کی توضیح اور تشریح

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد' امام ابوداؤد' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام طبرانی وغیرھم نے روایت کیا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسٓ قرآن کا قلب ہے اور اس کو یٰسٓ کے اسماء سے شمار کیا ہے اور حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس کے قلب قرآن ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایمان کا مدار حشر و نشر کو ماننے اور اس کے اعتراف کرنے پر ہے' اور سورۃ یٰسٓ میں حشر و نشر کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اور اس وجہ سے یٰسٓ کو قلب کے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ انسان کے بدن کا استحکام اور قوام قلب کے ذریعہ ہوتا ہے' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جس شخص کا حشر پر ایمان صحیح ہو گا وہ دوزخ سے ڈرے گا اور جنت میں رغبت کرے گا اور پھر وہ گناہوں کو ترک کر دے گا' اور گناہ ایمان کی بیماری ہیں جن سے ایمان کمزور ہوتا ہے' اور وہ عبادات میں رغبت کرے گا اور وہ ایمان کی صحت کی علامت ہے' پس حشر و نشر کا اعتقاد قلب کے مشابہ ہے کیونکہ قلب کی صحت سے پورے بدن کی صحت ہوتی ہے اور قلب کے فساد سے پورا بدن فاسد ہوتا ہے اور حشر و نشر کا اعتقاد یٰسٓ سے حاصل ہوتا ہے پس یٰسٓ کو قلب قرآن قرار دینا صحیح ہے۔

یٰسٓ کو قلب کے مشابہ قرار دینے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ قلب حقائق امور اور خفیہ باتوں کے انکشاف کا محل ہے اسی طرح حشر کے دن بھی امور غیبیہ منکشف ہو جائیں گے' اور یٰسٓ میں حشر کے قیام پر بہت دلائل دیئے گئے ہیں۔ اور ایک اور

مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قلب جسم کی اصل ہے اور باقی اعضاء اس کے مقدمات اور متممات ہیں اسی طرح یٰسٓ میں رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نازل کرنے کے اہم مباحث بیان کر دیئے گئے ہیں جو کہ اصل ہیں اور قرآن مجید کی باقی سورتوں میں اس کے مقدمات اور متممات بیان کیے گئے ہیں' اور جو شخص قریب المرگ ہو اس کے سامنے یٰسٓ کی تلاوت کی بھی یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کو میدان محشر میں جانے کا مرحلہ پیش ہوگا تو وہ حشر کی کیفیت کو یاد کرے تا کہ زندگی کے آخری مرحلہ میں کلمہ پڑھ کر ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو اور اس سورت میں جو اسلام کے اصول بیان کیے گئے ہیں ان کو ذہن میں تازہ کرے تا کہ زندگی کے آخری وقت میں اس کے عقائد صحیح ہوں۔

امام ابونصر السجزی نے الابانۃ میں سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس کا نام اللہ کے نزدیک عظیمہ ہے' اور اس کا پڑھنے والا اللہ کے نزدیک شریف ہے' وہ سورت اپنے پڑھنے والوں کی قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے زیادہ افراد کی شفاعت کرے گی' اور اس سورت کا نام معممہ' مدافعہ اور قاضیہ بھی ہے۔

امام سعید بن منصور اور امام بیہقی نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ یٰسٓ کا نام تورات میں معممہ ہے اس کی خیر اپنے پڑھنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کو عام ہے اور اس کا نام المدافعہ اور القاضیہ بھی ہے کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے کے ہر عیب کو دور کرتی ہے' اور یہ اپنے پڑھنے والے کی ہر نیک حاجت کو پورا کرتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ص ۳۱۲۔۳۱۱' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سورۃ یٰسٓ کے مشمولات

جس طرح اکثر مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی قدرت اور اس کی عظمت پر دلائل ہوتے ہیں' اور قرآن مجید کی حقانیت پر براہین کا ذکر ہوتا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر آیات ہوتی ہیں اسی طرح یٰسٓ میں بھی ان امور پر دلائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کی طرف سے برحق رسول بھیجے گئے ہیں اور پھر آپ کی رسالت کے متعلق دو گروہ ہو گئے' ایک معاند گروہ ہے جس کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہیں ہے' دوسرا وہ گروہ ہے جس سے خیر اور ہدایت کے حصول کی توقع ہے اور دونوں گروہوں کے اعمال محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم ازلی قدیم میں دونوں کے آثار موجود ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کے لوگوں کی مثال دی ہے جو یکے بعد دیگرے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے تھے اور جو ان کو نصیحت کرنے آیا اس کی انہوں نے تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا' سو وہ نصیحت کرنے والا جنت میں داخل ہو گیا اور اس کے قاتل دوزخ میں داخل ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور حشر ونشر کے برحق ہونے اور مرنے کے بعد انسانوں کو زندہ کرنے پر مردہ زمین کو زندہ کرنے سے استدلال فرمایا اور دن کے بعد رات کے لانے اور سورج' چاند اور دیگر سیاروں کو مسخر کرنے اور سمندر میں کشتیوں کو رواں کرنے سے استدلال فرمایا۔

جن کافروں نے ان حقائق کا انکار کیا ان کو دنیا میں آسمانی عذاب اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور یہ بتایا

کہ رہے مومنین تو وہ جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں گے اور ان پر ان کے رب کی طرف سے امن اور سلامتی نازل ہوگی۔
مشرکین مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا اور بتایا کہ آپ کافروں کو قرآن مجید کے ذریعہ آخرت کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور یہ بتانے والے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔
اور مشرکین کی بت پرستی کا رد فرمایا کہ جن کی یہ پرستش کرتے ہیں وہ بالکل عاجز ہیں اور آخرت میں ان کے کسی کام نہیں آ سکیں گے۔
سورت کے آخر میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکرین پر پھر رد فرمایا کہ وہ اس پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابتداءً پیدا فرمایا اور بہ تدریج ان کی نشو ونما فرمائی ہے سو جو ان کو ابتداءً پیدا کر سکتا ہے' ہرے بھرے درخت کو سوکھا بنا کر پھر سرسبز بنا دیتا ہے وہ ان کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔
یٰسٓ مکی سورت ہے' مکہ کے متوسط دور میں نازل ہوئی' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۱ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۶ ہے۔
اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم سورۃ یٰسٓ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ الٰہ العٰلمین اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے راہِ حق پر گامزن رکھنا' جو باتیں غلط ہوں ان کی غلطی کو مجھ پر منکشف فرمانا اور مجھے ان غلطیوں سے محفوظ رکھنا اور جو باتیں حق اور صواب ہوں ان پر مجھ کو مطلع فرمانا اور مجھے ان کو پیش کرنے کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ' کراچی۔ ۳۸
۱۴ ذوالقعدۃ ۱۴۲۳ھ/ ۱۸ جنوری ۲۰۰۳ء
فون: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰

سورۃ یٰسٓ مکیۃ ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ایاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵

سورۂ یٰسٓ مکی ہے ۔ اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں تراسی آیتیں پانچ رکوع ہیں

يٰسٓ ۞١ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞٣ عَلٰى

یاسین O قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞٤ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞٥ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

راستے پر قائم ہیں O (یہ قرآن) بہت غالب بڑے مہربان کا نازل کیا ہوا ہے O تاکہ آپ اس قوم

مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى

کو عذاب سے ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں O ان میں سے اکثر کے متعلق ہماری

اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞٧ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا

خبر ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے O ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں

فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۞٨ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ

جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں O ہم نے ایک دیوار

اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا

ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی، سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس

يُبْصِرُوْنَ ۞٩ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ

یہ ایمان نہیں لائیں گے O آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے

بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۞١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ

ڈرے تو آپ اس کو مغفرت کی اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے O بے شک ہم ہی مُردوں

الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۣؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ

کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے

فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ع

چھوڑ دیئے' اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یاسین O قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے راستے پر قائم ہیں O (یٰسٓ: ۴۔۱)

بعض سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات ذکر کرنے کی حکمت

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے جس طرح قرآن مجید کی دیگر بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے اسی طرح اس سورت کو بھی حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی ان سورتوں کے اوائل میں حروف تہجی کو ذکر فرمایا ہے اور ان کے اوائل میں حروف تہجی کو ذکر فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ حکیم جب کسی ایسے شخص سے مخاطب ہو جو غافل ہو سکتا ہو یا اس کا دل کسی اور بات میں مشغول ہو تو وہ اپنے کلام کی ابتداء میں کسی ایسے لفظ کا ذکر کرتا ہے جس کا معنی بادی النظر میں سمجھ میں نہ آئے تا کہ اس کا مخاطب چوکنا ہو اور اس کا ذہن بیدار ہو اور وہ پوری طرح اس کلام کی طرف متوجہ ہو جائے' پھر اس کے بعد وہ حکیم اپنے کلام کے مقصود کو شروع کرتا ہے۔

اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جن سورتوں کی ابتداء میں حروف تہجی کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے بعض سورتوں کے اوائل میں کتاب یا تنزیل یا قرآن کا ذکر ہے' جیسے الٓمّٓ O ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (البقرہ: ۲۔۱) الٓمّٓ O اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ O نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (آل عمران: ۳۔۱) الٓمّٓصٓ O كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (الاعراف: ۲۔۱) یٰسٓ O وَ الْقُرْاٰنِ (یٰسٓ: ۲۔۱) صٓ وَ الْقُرْاٰنِ (ص: ۱) قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ (ق: ۱) الٓمّٓ O تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ (السجدۃ: ۲۔۱) حٰمٓ O تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ (الجاثیہ: ۲۔۱) البتہ تین سورتوں میں حروف تہجی کے بعد قرآن یا کتاب کا ذکر نہیں ہے اور وہ یہ ہیں: كٓهٰیٰعٓصٓ (مریم: ۱) الٓمّٓ O اَحَسِبَ النَّاسُ (العنکبوت: ۲۔۱) الٓمّٓ O غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم: ۲۔۱)۔

جن سورتوں کے شروع میں قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر ہے ان میں قرآن کے ذکر سے پہلے ان حروف تہجی کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ قرآن مجید بہت عظیم کتاب ہے اور اس کے نازل کرنے میں ثقل اور گرانی ہے اس لیے اس کو شروع کرنے سے پہلے ان حروف تہجی کا ذکر کیا تا کہ مخاطب اس عالی قدر کتاب کے ثقل کو ذہن میں بٹھانے سے پہلے متنبہ اور چوکنا ہو جائے کہ اب ایسا لفظ سننے میں آیا ہے جس کا معنی ظاہر اور واضح نہیں ہے تو دیکھیے آگے کیا ارشاد ہوتا ہے' اس لیے ارشاد فرمایا:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ (المزمل: ۵) 　 بے شک ہم آپ پر عنقریب ثقیل کلام نازل فرمائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر سورت قرآن ہے اور اس کا سننا قرآن کا سننا ہے' خواہ اس میں لفظاً قرآن کا ذکر ہو یا نہ ہو' تو اس قاعدہ کے موافق ہر سورت سے پہلے بہ طور تنبیہ حروف تہجی کو مذکور ہونا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر سورت قرآن ہے لیکن جس سورت کی ابتداء میں قرآن کا لفظاً ذکر ہے اس کا قرآن ہونا زیادہ مؤکد ہے اس لیے اس کی طرف مخاطب کے ذہن کو حاضر اور متوجہ کرنے کے لیے زیادہ اہتمام فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۴۔۲۳ ملخصاً 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حروف مقطعات کے معنی اور مفہوم کے نا معلوم ہونے کی توجیہ

بعض سورتوں میں ان حروف تہجی میں سے صرف ایک حرف ذکر کیا گیا ہے' بعض سورتوں میں دو حرفوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض سورتوں میں تین یا تین سے زائد حروف کا ذکر کیا گیا ہے' پھر ان حروف کا چناؤ بھی مختلف ہے' اس تخصیص کی مکمل حکمت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا اس کی حکمت وہ شخص جانتا ہے جس کو اللہ نے بہ طور خاص اس حکمت پر مطلع فرمایا ہے' ہم یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بعض احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہم ان احکام کے فائدہ اور حکمت کو اپنی عقل سے جان لیتے ہیں اور بعض احکام پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ ہماری عقل میں نہیں آتا اس کے باوجود ہم دونوں قسم کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اسی طرح ہمیں پورے قرآن پر ایمان لانے اور اس کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں حروف مقطعات بھی ہیں جن کا معنی اور مفہوم ہم نہیں جانتے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے' لیکن ہم ان کے قرآن ہونے پر ایمان لائیں گے اور ان کی تلاوت کریں گے خواہ ہمیں ان کا معنی اور مطلب معلوم نہ ہو اور ہمیں ان کے نازل کرنے کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ہم نے جو کہا ہے کہ بعض احکام کی حکمت کو ہم اپنی عقل سے جان لیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے واحد' عالم اور قادر ہونے کا عقیدہ ہے' اور اس طرح جنت اور نار کے برحق ہونے کا عقیدہ ہے تو ہم عقل سے جان لیتے ہیں کہ جزاء اور سزا کے لیے کوئی ذریعہ ہونا چاہیے لیکن جنت اور نار کی کیفیات اور تفصیلات کو ہم عقل سے نہیں جان سکتے' اسی طرح ہم عقل سے یہ جان سکتے ہیں کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی رسول ہونا چاہیے لیکن عقل سے یہ نہیں جان سکتے کہ کتنے رسول ہونے چاہئیں' ہم یہ جان سکتے ہیں کہ حساب و کتاب کی کوئی جگہ ہونی چاہیے لیکن میزان اور پل صراط کی کیفیت کو عقل سے نہیں جان سکتے' ہم یہ جان سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کی صورت میں اس کی عبادت ہونی چاہیے لیکن نمازوں کے اوقات' ان کی رکعات کی تعداد' زکوٰۃ کی مقدار اور روزے میں وقت کی تعیین کو عقل سے نہیں جان سکتے تھے' اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ہم اس کی آیات کے معانی کو عقل سے جان سکتے ہیں لیکن حٰمٓ' یٰسٓ' الٓمٓ اور طٰسٓ کے معانی کو ہم عقل سے نہیں جان سکتے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۵۱۔۲۵۰ ملخصاً و موضحاً' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یٰسٓ کے اسرار و رموز

ہر چند کہ یقینی اور حتمی طور پر حروف مقطعات کا معنی اور مفہوم معلوم نہیں ہے تاہم ظنی طور پر بعض مفسرین نے ان کے معانی بیان کیے ہیں اور یہ کہا ہے کہ ان حروف سے اشارۃً یہ معانی معلوم ہوتے ہیں' سو ہم یٰسٓ کے متعلق بعض مفسرین کے ذکر کردہ معانی پیش کر رہے ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو صالح نے حضرت معاویہ' حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یٰسٓ اللہ کے اسماء میں سے ہے اور اس اسم سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یٰسٓ کا معنی حبشی زبان میں اے انسان ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۴)

قتادہ نے کہا قرآن مجید میں جتنے حروف مقطعات ہیں وہ سب اللہ کے اسماء ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۲۲۴)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:
اشہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک بن انس سے پوچھا: آیا کسی شخص کے لیے یٰسٓ نام رکھنا جائز ہے؟ امام مالک نے فرمایا میری رائے میں اس کو یہ نام نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ یٰسٓ والقران الحکیم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرا نام ہے میں نے اپنے نام کے ساتھ اس سورت کا نام رکھا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۵)
حسن نے اس آیت کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ چاہے قسم کھائے' پھر اس سے اعراض کر کے سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) کے متعلق کہا اللہ نے اپنے رسول پر سلام بھیجا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۰۲۶)
امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:
یٰسٓ کا معنی یا سید ہے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یا سے یوم میثاق کی طرف اشارہ ہے' اور سین سے اس کے احباب کے سر (راز) کی طرف اشارہ ہے گویا یوم میثاق کے حق کی قسم اور احباب کے ساتھ راز کی قسم اور قرآن حکیم کی قسم۔
(لطائف الاشارات ج ۳ ص ۲۰۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرھم سے روایت ہے کہ یٰسٓ کا معنی ہے یا انسان اور سلام علی الیاسین کا معنی ہے آل محمد پر سلام ہو اور سعید بن جبیر نے کہا یٰسٓ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: انک لمن المرسلین "بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں" امام مالک نے جو یٰسین نام رکھنے سے منع کیا ہے اس کی توجیہ میں علامہ ابن العربی نے کہا بندہ اپنے رب کا نام اس وقت رکھ سکتا ہے جب اس نام کا کوئی معنی ہو جیسے عالم' قادر' مرید اور متکلم' امام مالک نے یٰسٓ نام رکھنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے ان اسماء میں سے ہے جن کا معنی معلوم نہیں ہے' ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی ایسا ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ اس اسم کے ساتھ منفرد ہو' پس بندہ کو اس نام کے رکھنے پر جرأت نہیں کرنی چاہیے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سلام علی الیاسین' اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا کلام اس اسم میں ہے جو حروف تہجی پر مشتمل ہے اور یاسین ان حروف سے مرکب ہے' امام مالک نے یٰسٓ نام رکھنے سے منع کیا ہے یاسین نام رکھنے سے منع نہیں کیا' پس کوئی اشکال نہ رہا۔
یٰسٓ کو حدیث میں قرآن کا قلب فرمایا ہے اور قلب پورے جسم کا امیر ہوتا ہے اسی طرح یٰسٓ بھی تمام سورتوں کی امیر ہے اور ابو محمد مکی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب کے نزدیک میرے دس اسماء ہیں اور ان اسماء میں طٰہٰ اور یٰسٓ بھی آپ کے اسم ہیں۔
علامہ الماوردی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں میرے سات اسماء رکھے ہیں (۱) محمد (۲) احمد (۳) طٰہٰ (۴) یٰسٓ (۵) المزمل (۶) المدثر (۷) عبداللہ' نیز علامہ الماوردی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یٰسٓ کا معنی ہے یا محمد اور اس قول کو محمد بن الحنفیہ سے روایت کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵' دار الکتب العلمیہ بیروت)
امام جعفر الصادق سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یٰسٓ سے یا سید کا ارادہ فرمایا ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے یا انسان اور اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ فرمایا ہے' الزجاج نے کہا اس کا معنی یا محمد ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۷۔۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قسم کھانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قرآن حکیم کی قسم O بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O (یٰسٓ: ۳۔۲)
کعب سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا: اے محمد! بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں' قرآن حکیم کی قسم!

اگر یہ فرض کیا جائے کہ یٰسٓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے ہے اور یہ صحیح ہو کہ یہ قسم ہے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم ہے' نیز دوسرے جملہ میں جو فرمایا ہے قرآن حکیم کی قسم اس کا عطف بھی پہلے جملہ پر ہے اور اس عطف سے یہ قسم اور مؤکد ہو گئی' اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام کی اور آپ کی کتاب کی قسم کھائی اور یہ فرمایا کہ آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں اور آپ پر وحی نازل فرما کر آپ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے' اور آپ ایسے سیدھے راستے پر ہیں جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ حق سے انحراف ہے۔

نقاش نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا اپنے انبیاء میں سے کسی نبی کے نام کی اپنی کتاب میں قسم کھائی نہ اس کی کتاب کی' اور اس میں آپ کی بہت زیادہ تعظیم اور تکریم ہے' یٰسٓ کا معنی یا سید جو کیا گیا ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے خود اپنے آپ کو سید فرمایا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سید (سردار) ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۷۱۲۔۳۳۴۰)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور اس پر فخر نہیں ہے۔ الحدیث (سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۶۱۵)

قشیری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کفار قریش نے کہا آپ رسول نہیں ہیں اور اللہ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر نہیں بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرنے کے لیے قرآن حکیم کی قسم کھا کر فرمایا محمد رسولوں میں سے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۸۔۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: سیدھے راستہ پر قائم ہیں O (یٰسٓ: ۴)

یہ آیت پہلی آیت سے مربوط ہے: یعنی آپ بے شک ضرور رسولوں میں سے ہیں O سیدھے راستہ پر قائم ہیں O
تمام رسول صراط مستقیم پر ہوتے ہیں اور آپ بھی چونکہ رسولوں میں سے ہیں اس لیے آپ بھی صراط مستقیم پر ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ اور بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

(الشوریٰ: ۵۲)

صراط مستقیم سے مراد اصول اور فروع ہیں یعنی عقائد اور احکام شرعیہ' تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد واحد تھے اور ان کی شریعتیں مختلف تھیں' اور یہ تمام شریعتیں اپنے اپنے زمانہ میں کامل تھیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قیامت تک کے لیے کامل اور متکفل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (یہ قرآن) بہت غالب بڑے مہربان کا نازل کیا ہوا ہے O تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں O (یٰسٓ: ۶۔۵)

العزیز اور الرحیم کے ذکر کی حکمت

یٰسٓ: ۵ میں العزیز (غالب) اور الرحیم کا ذکر فرمایا ہے' یعنی جن لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا ہے اگر انہوں نے اس رسول کی تعظیم اور تکریم نہیں کی اور اس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تو وہ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے کیونکہ وہ بہت غالب ہے' اور جن لوگوں نے اس کے رسول کی تعظیم اور تکریم کی اور اس کے پیغام کو قبول کیا تو وہ ان کی خطاؤں کو بخش دے گا اور ان کو بہت اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ وہ بہت رحیم ہے۔

اس آیت کے الفاظ کے زیادہ قریب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور اس میں عقائد اور احکام کو بیان فرمایا سو جو شخص ان عقائد پر ایمان نہیں لایا اور اس نے ان احکام پر عمل نہیں کیا وہ ان سے انتقام لینے پر قادر ہے کیونکہ وہ بہت غالب ہے' اور جو شخص ان عقائد پر ایمان لے آیا اور اس نے ان احکام پر عمل کیا تو وہ اس کو بخش دے گا اور اس کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ وہ بہت مہربان ہے۔

اس کی توجیہ کہ اہل مکہ کے پاس آپ کے سوا کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا

یٰسٓ: ۶ میں فرمایا تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا سو وہ غافل ہیں۔

اس مضمون کی یہ آیت بھی ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ (القصص: ۴۶)　تاکہ آپ اس قوم کو عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا۔

اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی میں رہا اور ان کی بعثت بنی اسرائیل ہی کی طرف ہوتی رہی' بنو اسماعیل یعنی عربوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ البتہ حضرت شعیب علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

یٰسٓ: ۶ میں جو فرمایا ہے جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا اس سے مراد اہل مکہ کے قریبی آباؤ اجداد ہیں ورنہ ان کے سلسلہ نسب میں جو زیادہ اوپر کے اور بعید آباء ہیں ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پہنچائی تھی' اور ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے مکمل طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کی تھی' پھر اس پر کافی زمانہ گزر گیا اور بے عملی اور جاہلیت ان میں نفوذ کرتی رہی حتیٰ کہ جس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا صرف نام رہ گیا تھا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے یا تو ان کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے یا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کسی نہ کسی عالم کے ذریعہ ان کو تبلیغ کی جاتی رہی' اور جن آیات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل مکہ کے آباء کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا اس سے مراد ان کے سلسلہ نسب میں قریب کے آباء ہیں' اور مطلقاً عذاب سے ڈرانا کسی زمانہ میں بھی منقطع نہیں ہوا اور نہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوگی' اور جب ڈرانے والوں کی تبلیغ کے آثار مٹ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور وہ جو متکلمین نے زمانہ فترت کا ذکر کیا ہے جس زمانہ میں کوئی نبی نہیں ہوتا اور اس زمانہ کے لوگ مکلف نہیں ہوتے وہ محض ایک فرضی اصطلاح ہے۔

اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اہل مکہ کے پاس عذاب سے ڈرانے والا کوئی رسول نہیں آیا اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے پاس مطلقاً کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کو کسی عالم نے اللہ کے عذاب

سے ڈرایا ہو جو نبی نہ ہو' جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ وغیرہ' اس تقریر کے اعتبار سے یٰسٓ :۶ ۳۶ کا حسب ذیل آیت سے کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ. اور ہر امت (گروہ یا جماعت) میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے۔ (فاطر:۲۴)

اس سے مراد ہے کہ گزرے ہوئے زمانوں میں سے ہر زمانہ میں جو بھی لوگوں کا کوئی بڑا گروہ یا جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے' خواہ وہ نبی ہو یا عالم ہو' اس آیت میں بشیر کا ذکر نہیں ہے صرف نذیر کا ذکر ہے کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہو سکتا ہے' لیکن مخصوص اجر وثواب کی بشارت بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی' اس لیے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے اور نذیر چونکہ نبی کے علاوہ عالم بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس آیت میں صرف نذیر کا ذکر فرمایا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں فترۃ (انقطاع نبوت کے زمانہ) کا بھی ذکر فرمایا ہے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ . (المائدہ:۱۹) اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول فترت (انقطاع نبوت) کے زمانہ میں آ گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو یہ مراد نہیں ہے کہ اس زمانہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کوئی عالم بھی نہ آیا ہو۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہونا

اس آیت پر ایک اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ اہل مکہ کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا سو اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ یہود کو ڈرانے کا آپ کو حکم نہ دیا گیا ہو' کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کو تو ڈرایا گیا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں رسول کو بھیجتا ہے تو جب تک اس قوم میں ایسے علماء رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں تو عام طور پر اللہ تعالیٰ اس قوم میں کسی اور رسول کو نہیں بھیجتا' اور جب ان میں ایسے علماء باقی نہ رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں اور سب لوگ گمراہ ہو جائیں اور نبی کے جانے کے بعد کافی زمانہ گزر جائے اور کفر پھیل جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی اور رسول کو بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے کے رسول کی شریعت کو ثابت کرتا ہے یا کسی نئی شریعت کو مقرر کرتا ہے' اب اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا'' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو قوم پہلے رسول کے طریقہ کو ترک کر کے گم راہ ہو چکی ہو اور اس کے بعد اس کو عذاب سے نہ ڈرایا گیا ہو' تو آپ ایسی قوم کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں اور یہود اور نصاریٰ ایسی قوم میں داخل ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ میں جو یہود اور نصاریٰ کے قریبی باپ دادا تھے ان کے گم راہ ہونے کے بعد ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا تھا اور زمانہ فترت میں ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے قریب کے زمانہ میں کوئی نبی نہیں آیا تھا' جس طرح مکہ کے مشرکین کے قریبی باپ دادا کو ڈرانے کے لیے کوئی نبی نہیں آیا تھا' سو جس طرح آپ مکہ کے مشرکین کو عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے اسی طرح آپ یہود و نصاریٰ کو ڈرانے کے لیے بھی بھیجے گئے تھے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اس سے پہلے یہ آیت گزر چکی ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ کیا یہ منکرین کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اس کتاب کو گھڑ

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ (السجدہ:۳)

لیا ہے' بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے' تا کہ آپ اس قوم کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی (عذاب سے) ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ ہدایت قبول کر لیں۔

جن نکات پر ہم نے یہاں گفتگو کی ہے ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ ہم مذکور الصدر آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

غفلت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: سو وہ غافل ہیں۔

جو شخص علم کے باوجود کسی چیز سے اعراض کرے اس کو غافل کہا جاتا ہے' اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے پاس کسی رسول کو اسی وقت بھیجتا ہے جب وہ قوم اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے۔

کسی چیز کی طرف ذہن متوجہ نہ رہے تو اس کو غفلت کہتے ہیں اور کسی چیز کی صورت انسان کے ذہن میں ہو اور پھر وہ صورت اس کے ذہن سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں' اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انسان تین چیزوں میں غفلت کرتا ہے وہ اللہ کے ذکر میں غفلت کرتا ہے' اور وہ طلوع شمس تک صبح کی نماز کو مؤخر کرتا ہے اور وہ قرض ادا کرنے میں غفلت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ قرض اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان ج۱ص۱۷۵' مسند الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۴۲۲۳' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے اکثر کے متعلق ہماری خبر ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں ○ (یٰسٓ: ۸۔۷)

کفار کی گردنوں میں طوق ڈالنے کا محمل

یعنی اکثر اہل مکہ پر عذاب واجب ہو چکا ہے سو آپ کی تبلیغ سے وہ ایمان نہیں لائیں گے' کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق یہ علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے تاحیات ایمان نہیں لائیں گے اور کفر پر ہی مریں گے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار کرنے کا سبب بیان کیا اور فرمایا: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں ○

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل بن ہشام اور اس کے دو مخزومی ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل نے قسم کھائی کہ اگر اس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پتھر سے آپ کا سر پھاڑ دے گا' جب اس نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو پتھر اٹھا کر آپ کی طرف بڑھا جب اس نے پتھر اٹھا کر آپ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ اس کے گلے کی طرف لوٹ آیا' اور پتھر اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا' اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ وغیرہ نے بیان کیا ہے' اور اس مثال میں ابوجہل اس شخص کی مثل ہے جس کا ہاتھ اس کی گردن تک باندھا ہوا ہو' پھر ابوجہل اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے' تو اس کے دو ساتھیوں میں سے ولید بن مغیرہ نے کہا میں اس کا سر پھاڑ کر آتا ہوں' وہ آپ کے پاس پہنچا آپ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے اس نے پتھر مارنے کے لیے اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا' وہ آپ کی آواز تو سن رہا تھا لیکن وہ آپ کا سر نہیں دیکھ رہا تھا' وہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور اس نے کہا اللہ کی قسم! میں ان کو نہیں دیکھ سکا میں ان کی آواز تو سن رہا تھا لیکن مجھے ان کا سر نظر

نہیں آ رہا تھا' تب ابوجہل کے تیسرے ساتھی نے کہا میں جا کر ان کا سر پھاڑ کر آؤں گا' وہ پتھر اٹھا کر چل پڑا پھر الٹے پیر پلٹ آیا' اور پیٹھ کے بل بے ہوش ہو کر گر پڑا' اس سے اس کے ساتھیوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ اس نے کہا جب میں ان کے قریب ہوا تو میں نے دیکھا ایک بہت بڑا سانڈ (بیل) ہے جو اپنی دم ہلا رہا ہے میں نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا سانڈ نہیں دیکھا تھا' وہ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا' لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں' جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں' جس سے ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۹' زاد المسیر ج ۷ ص ۹' معالم التنزیل ج ۴ ص ۶' روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۲۳)

ابوجہل کا واقعہ بعض کتب حدیث میں اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا اگر میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو پیروں سے روندوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اس کو ظاہرا پکڑ لیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۵۸' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۳۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۹۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۱۸۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۶۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۲۶۰۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۲۰۶' رقم الحدیث ۱۵۷)

مقمحون کا معنیٰ

مقمحون کا مادہ قمح ہے' اس کا معنیٰ ہے گردن پھنسنے کی وجہ سے سر کا اوپر اٹھا ہوا ہونا' اقماح کا معنیٰ ہے سر اٹھا کر آنکھیں بند کر لینا' مقمح اس شخص کو کہتے ہیں جو سر اٹھالے اور آنکھیں بند کر لے' بعیر قامح اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پانی پینے کے بعد آنکھیں بند کر کے سر اٹھائے کھڑا ہوتا ہے۔

ازہری نے کہا دوزخیوں کی گردنوں میں طوق پھنسے ہوئے ہوں گے جس کی وجہ سے ٹھوڑیاں اوپر کو اٹھ جائیں گی' پھر لامحالہ سر بھی اوپر کو اٹھ جائیں گے' علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اس آیت میں تمثیل اور تشبیہ ہے' حقیقت مراد نہیں ہے' کفار سرکشی کرتے تھے' حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے' راہ خدا میں خرچ کرتے وقت گردن اکڑاتے تھے' اس لیے ان کی شکل اس شخص کی طرح ہو گئی جس کی ٹھوڑی اوپر کو اٹھی ہوئی ہو۔ خلیل نے کہا اگر گندم پکنے کے بعد سے لے کر گودام میں رکھنے کے وقت تک اس گندم کو خوشوں میں ہی رکھا جائے تو اس گندم کو قمح اور اس سے بنائے ہوئے ستو کو قمیح کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۳۳۔۵۳۲' لسان العرب ج ۲ ص ۵۶۷۔۵۶۵ ملخصا وموضحا)

کفار کی گردنوں میں طوق ڈالنا ان کے ایمان نہ لانے کو کس طرح مستلزم ہے

اس کا معنیٰ ہے ان کی گردنوں اور ان کے ہاتھوں میں ہم نے طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں کیونکہ جب گردن سے ٹھوڑی تک طوق ہو گا تو اس نے ہاتھوں کو بھی جکڑا ہوا ہو گا' ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے سروں کو جھکا نہیں سکیں گے کیونکہ جس کے ہاتھ ٹھوڑی تک باندھ دیئے گئے ہوں اس کا سر اوپر اٹھ جاتا ہے' عبد اللہ بن یحییٰ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے اپنے دونوں ہاتھ ڈاڑھی کے نیچے رکھ کر ان کو ملایا اور سر کو اوپر اٹھا کر دکھایا کہ اس طرح اقماح ہوتا ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ ۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ۔

(الاسراء: ۲۹)

ایک قول یہ ہے کہ یہ کفار حق کو قبول کرنے سے اس طرح تکبر کرتے ہیں اور اپنی گردن اکڑاتے ہیں جس طرح کسی شخص کے ہاتھوں میں طوق ڈال کر اس کی گردن کے ساتھ جکڑ دیا ہو جس کے باعث اس کا سر اس طرح اوپر اٹھا ہوا ہو کہ وہ اس کو نیچے جھکا نہ سکے اور اس کی آنکھیں اس طرح بند ہوں کہ وہ ان کو کھول نہ سکے' اور ازہری نے کہا جب ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ طوق میں جکڑ دیا گیا تو طوق نے ان کی ٹھوڑی اور ان کے سر کو اس طرح اوپر اٹھا دیا جس طرح اونٹ اپنا سر اوپر اٹھاتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے اختیار کی وجہ سے ان کے دلوں میں کفر پیدا کر دیا گیا ہے' اور اس کا یہ بھی معنی ہے کہ ان کی ضد اور ان کے عناد کی وجہ سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ ان سے ایمان لانے کی توفیق کو سلب کر لیا گیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ آخرت میں ان کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا اور ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر ان کو جکڑ دیا جائے گا' جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُؕ یُسْحَبُوْنَۙ۝ فِی الْحَمِیْمِ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۝ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی' ان کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا' پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا۔ (المومن: ۷۲-۷۱)

مجاہد نے مقمحون کی تفسیر میں کہا ہے ان سے ہر خیر کو روک دیا جائے گا۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھنے کی وجہ سے اس کا سر اوپر کو اٹھا ہوا ہو' اس سے یہ معنی کس طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ وہ ہدایت کو قبول نہیں کرے گا اور وہ ایمان نہیں لائے گا! اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کا سر اوپر اٹھا ہوا ہو اور وہ نیچے نہ دیکھ سکتا ہو اور اس کی آنکھیں بند ہوں جن کو وہ کھول نہ سکتا ہو تو اس کو ظاہری اور حسی راستہ نظر نہیں آئے گا' اس کو اپنے قدموں کے نیچے کی جگہ نظر نہیں آئے گی اگر وہ کسی راستہ پر چلے گا تو وہ کسی گڑھے میں یا کسی کنویں میں گر سکتا ہے اور کسی وقت بھی ہلاک ہو سکتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے ضدی' متکبر اور معاند کافر کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح اس شخص کو حسی راستہ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح جس شخص کی تکبر سے گردن اکڑی ہوئی ہو اس کو دین کا معنوی راستہ نظر نہیں آتا' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ جو ان کو اللہ کے عذاب ڈراتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں اس کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ضرور ہدایت کو قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اکثر کفار اپنی ضد' عناد اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ ان میں سے اکثر کفار ایمان نہیں لائیں گے اور اس کے قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھتے○ اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے○ آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمان سے ڈرے تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے○ (یٰسٓ: ۱۱-۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورۃ یٰسٓ پڑھتے ہوئے کفار کے نرغے سے نکل جانا

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یٰسٓ: ۹ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ہم نے کفار قریش کی آنکھوں پر ایک پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایذاء پہنچانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ پاتے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنو مخزوم کے کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' جن میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ

بھی تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور وہ آپ کی قرأت سن رہے تھے' انہوں نے آپ کو قتل کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ کو بھیجا وہ اس جگہ جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے' وہ آپ کی قرأت سن رہا تھا لیکن اس کو آپ نظر نہیں آئے' اس نے واپس جا کر ان کو بتایا' وہ سب اس جگہ پہنچے جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے اپنے سامنے دیکھا اور اپنے پیچھے دیکھا لیکن آپ ان کو سامنے نظر آئے نہ پیچھے نظر آئے اور یہ اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی' سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے O

امام ابن اسحاق' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر قریش جمع ہو گئے اور ان میں ابو جہل بھی تھا' انہوں نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا تو تم عرب اور عجم کے سردار بن جاؤ گے' اور یہ کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے' پھر تم کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاک کی ایک مٹھی لے کر نکلے' آپ نے فرمایا ہاں میں کہتا ہوں اور تم بھی ان دوزخیوں میں سے ایک ہو' اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سو وہ آپ کو دیکھ نہ سکے' پھر آپ نے وہ خاک کی مٹھی لے کر ان کے سروں پر ڈال دی اور اس وقت آپ نے **یٰسٓ و القرآن الحکیم** سے لے کر **فاغشینٰھم فھم لا یبصرون** تک نو آیتیں پڑھیں' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے پڑھنے سے فارغ ہو گئے' اور ہر شخص کے سر میں وہ مٹی پہنچ گئی' ان میں سے جو شخص بھی اپنے سر پر ہاتھ رکھتا اس کے سر میں وہ مٹی ہوتی' بالآخر انہوں نے کہا وہ ہم سے سچ کہتے تھے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے پر قریش جمع ہو گئے وہ اس انتظار میں تھے کہ آپ گھر سے باہر نکلیں تو وہ آپ کو ایذاء پہنچائیں' آپ پر یہ امر گراں گزرا تو حضرت جبریل سورۃ یٰسٓ لے کر آپ کے پاس آئے' اور آپ سے کہا کہ آپ ان کے سامنے سے نکل جائیں' آپ نے ایک ہاتھ میں خاک کی مٹھی لی اور سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے نکلے اور ان کے سروں کے اوپر خاک ڈالتے ہوئے گزرے' آپ ان کے سامنے سے گزر گئے اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے' ان میں سے جو شخص بھی اپنے سر پر ہاتھ لگاتا تو اس کے سر میں مٹی ہوتی' پھر ان کے پاس باہر سے کوئی شخص آیا اور ان سے پوچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتظار کر رہے ہیں' اس نے کہا میں نے تو ان کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے' پھر انہوں نے کہا چلو اٹھو وہ تم پر جادو کر کے نکل گئے۔

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ قریش نے جمع ہو کر عتبہ بن ربیعہ کو بلایا اور کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہاری قوم کہتی ہے کہ بے شک آپ بہت عظیم دین لے کر آئے ہیں' جس دین پر ہمارے باپ دادا نہیں تھے' اور ہمارے دانشور لوگ اس دین میں آپ کی اتباع نہیں کر رہے' اور آپ نے ضرور کسی ضرورت کی بناء پر اس دین کی پیروی کی دعوت دی ہے' پس اگر آپ کو مال چاہیے تو آپ کی قوم مال جمع کر کے آپ کو پیش کر دیتی ہے' سو آپ اس دین کو چھوڑ دیں اور اسی دین پر عمل کریں جس دین پر آپ کے باپ دادا عمل کرتے تھے' پھر عتبہ آپ کے پاس پہنچا اور جس طرح انہوں نے بتایا تھا' اسی طرح اس نے آپ سے کہا' جب وہ اپنا پیغام پہنچا کر خاموش ہو گیا تو آپ نے حٰمٓ السجدۃ کی تیرہ آیتیں پڑھیں وہ آیتیں یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ — حا میم' نہایت رحم فرمانے والے مہربان کی طرف سے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ (حٰم السجدہ: ۱۳-۱)

نازل کی ہوئی ۝ کتاب جس کی آیتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے' قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لیے ہے جو جانتی ہے ۝ یہ (قرآن) نیک لوگوں کو بشارت دینے والا ہے اور بدکاروں کو عذاب سے ڈرانے والا ہے' اکثر لوگوں نے اعراض کیا وہ غور سے نہیں سنتے ۝ انہوں نے کہا تم جس دین کی طرف ہمیں دعوت دے رہے ہو' ہمارے دلوں پر اس سے پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے' اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے' سو آپ اپنا کام کریں بے شک ہم اپنا کام کر رہے ہیں ۝ آپ کہیے کہ میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف ایک ہی معبود ہے' سو اسی (کی عبادت) پر جمے رہو اور اس سے مغفرت طلب کرو اور مشرکین کے لیے عذاب ہے ۝ جو اپنے مال میں سے ضرورت مندوں پر خرچ نہیں کرتے اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ۝ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے دائمی اجر ہے ۝ آپ ان سے پوچھیے کیا تم اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شریک قرار دے رہے ہو' وہی رب العلمین ہے ۝ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ رکھ دیئے' اور اس میں برکت رکھی اور چار دنوں میں اس کی تمام پیداوار کا نظام بنایا' سو سوال کرنے والوں کے لیے یہ مکمل جواب ہے ۝ پھر آسمان کی طرف قصد کیا وہ اس وقت دھواں سا تھا' پس اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ' انہوں نے کہا ہم خوشی سے آنے والے ہیں ۝ سو اس نے دو دنوں میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کو نافذ کیا' اور آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور (شیطان سے) محفوظ کر دیا' یہ بہت غالب اور بے حد جاننے والے کا نظام ہے ۝ پس اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تم کو ایک ایسے کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا۔

ان آیات کو سن کر عتبہ اپنے کفار ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا انہوں نے میرے ساتھ ایسے کلام کے ساتھ خطاب کیا ہے

جو نہ شعر ہے نہ سحر ہے' وہ بہت عجیب کلام ہے' وہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے' اس کے ساتھی اس پر غضب ناک ہوئے اور کہا ان کے پاس ہم سب مل کر جاتے ہیں' جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے پاس تشریف لے آئے' آپ نے ان کا قصد کیا اور ان کے سروں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے' اور آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر یٰسٓ کی ابتدائی نو آیتیں پڑھیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں پر باندھ دیا اور ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر دی' آپ نے ایک خاک کی مٹھی اٹھا کر ان کے سروں پر ڈالی اور ان کے پاس سے چلے گئے اور وہ نہ جان سکے کہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا' ان کو بعد میں بہت تعجب ہوا اور کہا ہم نے ان سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہیں دیکھا' بھلا دیکھو تو سہی وہ ہمارے ساتھ کیا کر گئے ہیں۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۴۱۔۴۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث میں مسلمانوں کے لیے یہ رہ نمائی ہے کہ جب کبھی ان کے گرد کفار کا گھیرا تنگ ہو جائے اور انہیں بہ ظاہر نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو پھر ان کے نرغے سے نکلنے کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ قرآن کا دامن تھام لیں' آج کل مسلمان ممالک ہر طرف سے کفار کے دباؤ میں ہیں چیچنیا کے مسلمانوں کو روس نے اپنے مظالم کا شکار بنا رکھا ہے' افغانستان اور عراق امریکا کے استبداد کا نشانہ ہیں فلسطین کے مسلمان اسرائیل کے تشدد تلے پس رہے ہیں' کشمیر کے مسلمان بھارت کے نرغے میں ہیں' بوسنیا کے مسلمان' سربوں کے ہاتھوں تنگ ہیں' غرض ہر جگہ مسلمان کافروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں' اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام سے رشتہ توڑ کر کفر سے ناطہ جوڑ لیا ہے' ہم فسق و فجور کی دلدل میں غرق ہو رہے ہیں' فرائض اور واجبات کے تارک ہیں' قرآن کی تعلیم اور اس کا نظام ہمیں قصہ پارینہ اور فرسودہ دکھائی دیتا ہے' مغربی تہذیب اور نت نئے فیشنوں کو اپنانے کے شوق میں ہم اسلامی اقدار سے بہت دور نکل آئے' اب ہمیں اسلامی حدود و تعزیرات' وحشیانہ سزائیں معلوم ہوتی ہیں اور عبادات کو ہم بوجھ سمجھنے لگے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم مثالی مسلمان تو کیا بنتے قابل ذکر انسان بھی نہ بن سکے۔

سامنے اور پیچھے دیوار کھڑی کرنے کے محامل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ کچھ نہیں دیکھتے O (یٰسٓ: ۹)

اس میں یہ بتایا ہے کہ کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال کر ان کے ہاتھوں کو ان کی ٹھوڑی کے ساتھ باندھا ہوا ہے جس سے ان کا سر اوپر اٹھا ہوا ہے اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا' پھر ان کے سامنے بھی دیواریں ہیں اور پیچھے بھی دیواریں ہیں تو وہ راستہ نہیں دیکھ سکتے' اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی عقل سے کام لے کر مظاہر فطرت میں غور کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے' وہ اس کائنات میں پھیلے ہوئے توحید کے دلائل میں غور کر کے ہدایت حاصل کرتے یا خود ان کے نفس میں جو نشانیاں ہیں ان میں غور کرتے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حٰم السجدۃ: ۵۳)

ہم ان کو اپنی نشانیاں عنقریب آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے اندر بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سو انہوں نے باہر کی دنیا سے ہدایت حاصل کی نہ اپنے اندر سے' ان کے آگے بھی عناد اور جہالت کی دیوار ہے اور ان کے پیچھے بھی تکبر اور سرکشی کی دیوار ہے سو ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی سزا نے ان کو ڈھانپ لیا ہے۔

اس جگہ ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کے سامنے بھی دیوار ہے اور ان کے پیچھے بھی

دیوار ہے' سو وہ کچھ نہیں دیکھتے' جو انسان کسی راستہ پر جارہا ہو تو اس کے سامنے جو دیوار ہو وہ تو اس کو راستہ پر چلنے سے مزاحم اور رکاوٹ ہوتی ہے' لیکن جو دیوار اوراس کے پیچھے ہو وہ تو اس کے چلنے کے لیے کسی طرح رکاوٹ نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لیے ایک ہدایت فطریہ ہے اور ایک ہدایت نظریہ ہے' ہدایت نظریہ سے مراد ہے کائنات میں غور وفکر کر کے ہدایت حاصل کرنا اور ہدایت فطریہ سے مراد ہے جبلی اور پیدائشی ہدایت' جیسے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس فطری ہدایت کو کافر اپنے آباواجداد کی تقلید میں ضائع کر چکا ہے اور کائنات میں غور وفکر کر کے اس نے ہدایت نظریہ کو حاصل نہیں کیا' سامنے کی دیوار سے مراد ہدایت نظریہ کو حاصل نہ کرنا ہے اور پیچھے کی دیوار سے مراد ہدایت فطریہ کو ضائع کرنا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دنیا انسان کے سامنے ہے اور آخرت پیچھے ہے انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی صلاح کے لیے بھی اللہ کو یاد رکھے اور آخرت کی فلاح کے لیے بھی اللہ کو یاد رکھے' اور کافر دنیا کی صلاح کی فکر کرتا ہے نہ آخرت کی فلاح کی تیاری کرتا ہے اس لیے فرمایا اس کے سامنے بھی اس کے ضد اور عناد کی دیوار ہے اور اس کے پیچھے بھی اس کی غفلت اور جہالت اور انکار اور کفر کی دیوار ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جو انسان کسی راستہ پر جارہا ہو اور اسے آگے جانے کے لیے راستہ نہ ملے تو وہ پھر پیچھے لوٹ آتا ہے اور اگر پیچھے بھی راستہ نہ ملے تو پھر وہ اسی جگہ کھڑا رہ جاتا ہے' منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے نہ اپنے مقر اور ٹھکانے تک لوٹ سکتا ہے اور یوں وہ ناکام و نامراد رہ جاتا ہے' سو یہ جو فرمایا ہے کہ اس کے آگے بھی دیوار ہے اور اس کے پیچھے بھی دیوار ہے یہ دراصل اس کی ناکامی اور نامرادی کی طرف اشارہ ہے۔

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ وہ مقمحون ہیں یعنی ان کے سر اوپر اٹھے ہوئے ہیں' گویا وہ نیچے نہیں دیکھ سکتے اور ان کے اپنے نفسوں میں جو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نشانیاں رکھی ہیں ان پر غور کر کے ان سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے' اب فرمایا ان کے آگے اور پیچھے دیوار ہے اور ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے گویا اب وہ آفاق اور اس خارجی کائنات سے بھی ہدایت حاصل نہیں کر سکتے' سو آفاق اور انفس سے ہدایت کی یہ دونوں راہیں ان پر بند کر دی گئیں ہیں اور ان کے مقدر میں سوا کفر اور گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان پر ہدایت کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں تو پھر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے اور پھر کس جرم کی بناء پر آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی' کیونکہ جب اللہ کے رسول نے ان کو دنیا کی صلاح اور آخرت کی فلاح کے لیے ایمان لانے اور اعمال صالح کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا' آپ کو ایذائیں پہنچائیں اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے' آگے اور پیچھے ان کی ہدایت کے دروازے بند کر دیئے کہ بالفرض اب یہ ایمان لانا بھی چاہیں تو ان کو ایمان لانے نہیں دیا جائے گا یہ ان پر جبر نہیں ہے بلکہ یہ سزا ہے ان کے کفر اور عناد کی اور ان کے تکبر اور ان کی سرکشی کی جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار بیان کر چکے ہیں۔

کفار کو ڈرانا یا نہ ڈرانا صرف ان کے حق میں برابر ہے

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے O (یٰسٓ: ۱۰)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب کافروں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے تو پھر ان کو کس لیے آپ ڈراتے تھے' اور آپ کو تبلیغ کرنے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کا کیوں حکم دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب سے ڈرانا اور نہ ڈرانا کفار کے

حق میں برابر ہے آپ کے حق میں برابر نہیں ہے' آپ کفار کو عذاب سے جتنا زیادہ ڈرائیں گے آپ کو اتنا زیادہ ثواب ملے گا' اور تبلیغ کی راہ میں آپ جس قدر زیادہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں گے' اللہ کے نزدیک آپ کا قرب اور درجہ اتنا زیادہ ہوگا' اور ان کے حق میں آپ کا عذاب سے ڈرانا اور نہ ڈرانا اس لیے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ آپ کی بسیار کوشش اور انتھک جدوجہد کے باوجود یہ اپنی ضد اور تکبر پر قائم رہیں گے اور اپنے قصد اور اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اور آخر وقت تک کفر پر جمے رہیں گے۔

اس آیت کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے البقرہ: ۶' تبیان القرآن ج ا ص ۲۹۷-۲۹۲ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس آیت سے جبریہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اللہ جس کو چاہے مومن بنا دے اور جس کو چاہے کافر بنا دے انسان کا کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں ہے' یہ غلط نظریہ ہے' اللہ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کو انسان اختیار کرتا ہے' اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اس نے ان کے حق میں عدم ایمان کو مقدر کر دیا۔

ان کا بیان جن کو عذاب سے ڈرانا مفید ہے

اس کے بعد فرمایا: آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے (مفید) ہے جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے O (یٰسٓ ۱۱)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اور آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے حق میں برابر ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے آپ صرف ان کو ڈرائیں جو نصیحت پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔

(۱) آپ کا ڈرانا صرف ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو قرآن مجید کی آیات پر عمل کریں اور آپ کی اتباع کریں۔

(۲) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بر طریقہ عموم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں' لیکن کفار اور مشرکین آپ کے وعظ اور نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے' آپ اسی طرح عموم کے ساتھ ہدایت دیتے رہیں تاہم آپ کی نصیحت سے صرف ان ہی لوگوں کو فائدہ ہوگا جو آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے۔

(۳) جب آپ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو بعض لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور بعض آپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہیں تو اول الذکر لوگوں سے اعراض کیجئے' اور ثانی الذکر لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے۔

(۴) آپ عمومی طور پر اصول اور عقائد کا ذکر کریں اور جو آپ کی نصیحت پر عمل کرنے والے ہیں ان کے سامنے نماز اور روزے پر مشتمل فرعی احکام بیان کریں تاکہ وہ ان پر عمل کر کے اخروی ثواب حاصل کریں۔

اس آیت میں فرمایا ہے آپ کا ڈرانا صرف اس کے لیے ہے جو ذکر کی اتباع کرے۔

ذکر سے مراد قرآن مجید ہے یا اس سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں' یا اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو قرآن مجید کے برحق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے نیاز اور نکتہ نواز ہونا

اور رحمٰن سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ جو شخص رحمٰن کی گرفت یا اس کے عذاب سے ڈر کر برے عقائد اور برے کاموں کو ترک کر دے اور اچھے عقائد اور اچھے کاموں کو اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے دو اسم مختص ہیں ایک لفظ اللہ ہے اور دوسرا لفظ رحمٰن ہے' جیسا کہ فرمایا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ. آپ کہیے کہ تم اللہ کو یاد کرو یا رحمٰن کو یاد کرو۔

(بنواسرائیل: ۱۱۰)

اور علماء نے ان دونوں اسموں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ لفظ اللہ جلال اور ہیبت پر دلالت کرتا ہے اور لفظ رحمٰن اس کی رحمت کی زیادت پر دلالت کرتا ہے' اس کے باوجود کسی جگہ لفظ اللہ رحمت کے لیے آتا ہے جیسے فرمایا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا. (الزمر: ۵۳) تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اور کبھی رحمٰن کا لفظ غضب کے لیے آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وخشی الرحمن بالغیب اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے یعنی اس کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرے' یعنی اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ جلال اور ہیبت والا ہے تم اس سے اپنی امیدیں منقطع نہ کرو' اور اس کے باوجود کہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے تم اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو' یعنی بندہ کو چاہیے کہ وہ اس کی رحمت سے دھوکا نہ کھائے کیونکہ وہ دردناک عذاب میں بھی تو مبتلا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (الحجر: ۵۰۔۴۹) آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ میں بے حد معاف کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہوں ○ اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

وہ نکتہ نواز اور بے نیاز ہے وہ جلال میں ہو تو ایک بلی کو باندھ کر بھوکا رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور رحم فرمائے تو ایک کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے ڈرنے کا معنی

اس آیت میں جو فرمایا ہے وہ بن دیکھے رحمان سے ڈرے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے یا حشر کے احوال کو دیکھنے سے پہلے یا دوزخ کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس پر ایمان لے آئے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ بسا اوقات انسان لوگوں کے سامنے کوئی ناجائز اور حرام کام نہیں کرتا ان سے حیا کرتا ہے اور اپنی مذمت سے ڈرتا ہے اور جب وہ تنہا ہوتا ہے اور کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا' اس وقت وہ کوئی ناجائز اور حرام کام کر لیتا ہے اور اللہ سے نہیں ڈرتا' سو بندہ کو چاہیے کہ جس طرح وہ لوگوں کے سامنے برے اور غلط کام نہیں کرتا' اسی طرح تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے بھی حیا کرتے ہوئے اور صرف اس سے ڈرتے ہوئے برے کام نہ کرے' اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ غیب سے مراد قلب ہے' یعنی انسان دل سے اللہ سے ڈرے یہ نہ ہو کہ انسان ظاہری طور پر اپنے اوپر خشیت کو طاری کرے اور دل میں اللہ کا ڈر نہ ہو۔

اور فرمایا: تو آپ اس کو مغفرت اور باوقار ثواب کی نوید سنا دیجئے۔

یعنی جس کو آپ نے عذاب سے ڈرایا اور وہ ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے لگا اور اس نے برے کاموں کو ترک کر دیا تو آپ اس کو ثواب کی بشارت دیجئے' اور اس ثواب سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا خیال آیا ہے اور ان سب میں بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کا راضی ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے

دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے O (یٰسٓ: ۱۲)

انسان کے اچھے یا برے اعمال کا لکھا ہوا محفوظ ہونا

اس آیت میں مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے اور اس میں ان کافروں کا رد ہے جو اس کے قائل نہیں تھے کہ انسان کو مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا' اور اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ انسان جو کچھ عمل کرتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق انسان کو آخرت میں جزا یا سزا دی جائے گی۔ انسان سب سے پہلے اللہ کو واحد ماننے کا مکلف ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مکلف ہے' اور پھر آخرت پر ایمان لانے کا مکلف ہے' اس سے پہلی آیتوں میں توحید اور رسالت کا ذکر فرمایا تھا اور اب اس آیت میں آخرت کا ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم ان کے وہ عمل بھی لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور وہ عمل (بھی) جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دیئے۔

درج ذیل آیتوں میں بھی انسان کے پہلے اور بعد کے بھیجے ہوئے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ. (الانفطار: ۵) (قیامت کے دن) ہر شخص اپنے پہلے بھیجے ہوئے اور بعد میں بھیجے ہوئے اعمال کو جان لے گا۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ. (القیامۃ: ۱۳) اس دن انسان کو اس کے پہلے بھیجے ہوئے اور بعد میں بھیجے ہوئے اعمال کی خبر دی جائے گی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. (الحشر: ۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص غور کرے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا عمل بھیج رہا ہے۔

آثار سے مراد انسان کے وہ عمل ہیں جو اس کے مرنے کے بعد باقی رہ جاتے ہیں اور دنیا میں انسان کے اعمال کا اچھائی یا برائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے' اور آخرت میں اعمال کی جزا یا سزا دی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو دین کا علم پڑھاتا ہے اور پھر اس کے شاگرد اس علم کی اشاعت کرتے رہتے ہیں یا وہ کسی دینی موضوع پر کتاب تصنیف کرتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد وہ کتاب شائع ہوتی رہتی ہے' وہ کوئی مسجد بنا دیتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں نماز پڑھی جاتی ہے یا وہ کوئی دینی مدرسہ بنا دیتا ہے یا لائبریری بنا دیتا ہے' کوئی کنواں کھدوا دیتا ہے' غریبوں کے علاج کے لیے کوئی ہسپتال قائم کر دیتا ہے علیٰ ہذا القیاس وہ کوئی بھی ایسا نیک کام کر جاتا ہے جس کا فیض اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے' یہ نیک کاموں کی مثالیں ہیں۔

اور برے کاموں کی مثالیں یہ ہیں: جیسے کوئی انسان شراب خانہ یا قحبہ خانہ بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد وہ بدکاری کے اڈے قائم رہتے ہیں اور ان میں بدکاری ہوتی رہتی ہے' یا کوئی انسان مندر بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس میں بتوں کی پوجا ہوتی رہتی ہے یا کوئی انسان ریس کورس یا جوئے خانہ بنا کر مر جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی وہاں جوئے کا کھیل اور گھوڑ دوڑ پر بازیاں لگائی جاتی رہتی ہیں' اسی طرح کوئی شخص فلم سٹوڈیو یا سینما یا وڈیو شاپ یا میوزک ہاؤس بنا جاتا ہے یا کوئی بھی ایسا برا کام کر کے چلا جاتا ہے جہاں اس کے مرنے کے بعد بھی برائی ہوتی رہتی ہے' نیکی اور برائی کے عمل بعد میں جاری رہنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

نیکی اور برائی کے عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی نیک عمل ایجاد کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہو گی' اور جو شخص اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کرے گا تو اس کو اس برے طریقہ کا گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس برے طریقہ پر عمل کریں گے اسے ان کا بھی گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی (قیامت تک) قتل کیا جائے گا تو پہلے ابن آدم کو اس کے قتل کی سزا سے حصہ ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین عملوں کے سوا اس کے باقی اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے' صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعائے خیر کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۸' شرح السنہ ج ۱ ص ۲۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۶۵۵)

سعید بن جبیر نے کہا لوگ جس کام کی بنیاد رکھتے ہیں اور ان کے بعد اس پر عمل کیا جاتا ہے اس کو لکھ لیا جاتا ہے۔

مجاہد نے کہا انہوں نے جو برا کام ایجاد کیا ہو اس کو بھی لکھ لیا جاتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۱۹۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

زیادہ دور سے آ کر مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو سلمہ نے یہ شکایت کی کہ ان کے گھر مسجد سے دور ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی **ونکتب ما قدموا واثارھم**' ایک قوم نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جتنے قدم مسجد میں چل کر جاتے ہیں ان کو لکھ لیا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۶' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۸۲' المستدرک ج ۲ ص ۴۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو سلمہ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے خالی کیے جانے کو ناپسند فرمایا' اور یہ ارشاد فرمایا: اے بنو سلمہ! تم اپنے قدموں کے نشانات میں ثواب کی نیت کیوں نہیں کرتے! سو وہ اپنے گھروں میں برقرار رہے۔ (شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۷۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۴۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز پڑھنے کا سب سے زیادہ اجر اس شخص کو ملتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے' پھر اس کے بعد اس کو زیادہ اجر ملتا ہے جو اس کے بعد زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے' اور جو نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے' اس کو اس شخص سے زیادہ نماز پڑھنے کا اجر ملتا ہے جو اپنی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۲۹۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۶۴)

جو شخص زیادہ دور سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتا ہے اس کو زیادہ اجر اس لیے ملتا ہے کہ وہ زیادہ قدم چل کر مسجد میں آتا ہے اور زیادہ قدم چلنے کا اجر و ثواب لکھ لیا جاتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص تھا جس کا گھر سب سے زیادہ مسجد سے دور تھا وہ تمام نمازیں مسجد میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا تھا' میں نے اس سے کہا کاش تم ایک دراز گوش خرید لو اور سخت گرمی میں اور اندھیری راتوں میں اس پر سوار ہو کر آیا کرو' اس نے کہا اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے متصل ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا یا نبی اللہ! تاکہ میرے گھر سے مسجد آنے اور مسجد سے واپس گھر جانے کا اجر و ثواب لکھا جائے' آپ نے فرمایا: تم نے جو نیت کی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا ثواب عطا فرما دیا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۷۴' دار الکتب العلمیہ' رقم الحدیث: ۲۰۷۱۱' دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر سے دوسرے کے گھر تک (کسی نیک مقصد کے لیے) چل کر جاتا ہے تو ہر قدم پر اللہ ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۴۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام مبین کے متعدد معانی اور محامل

اس کے بعد فرمایا: اور ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے۔ (یٰسٓ: ۲۱)

یٰسٓ: ۱۲ کے اس حصہ کے حسب ذیل معانی ہیں:

اس میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے انسانوں کے جو اعمال لکھے ہیں اس سے پہلے بھی ان کے اعمال لکھے ہوئے تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ انسانوں کو اختیار عطا کرے گا تو وہ اپنے اختیار سے کیا کیا عمل کریں گے اور پھر اس نے بندوں کے ان اعمال کو لوح محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر دیا جیسا کہ یٰسٓ کی اس آیت میں ہے' اور ایک اور آیت میں بھی ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (القمر: ۵۳-۵۲)

اور ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہر چیز کی تقدیر مقرر کر دی تھی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۳۸' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۷۵-۳۷۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھو' اس نے کہا میں کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو جو کچھ ہو چکا ہے اور ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

سو ازل میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے' پھر جب بندے عمل کرتے ہیں تو کراماً کاتبین ان کے اعمال کو دوبارہ لکھتے ہیں' اور اسی لکھے ہوئے کو حشر کے دن ان پر پیش کیا جائے گا' ان کے لکھنے کا ذکر یٰسٓ: ۱۲ میں بھی ہے کہ ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو

انہوں نے پہلے بھیج دیئے اور حسب ذیل آیت میں بھی ہے:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الانفطار: ۱۲۔۱۰)

بے شک تم پر نگران ہیں ۝ معزز لکھنے والے ۝ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

لوح محفوظ میں منضبط کرنے کا یہ معنی بھی ہے کہ جس چیز کو لکھا جاتا ہے بعض اوقات وہ منتشر ہو جاتی ہے اور وقت پر نہیں ملتی' اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ کر دیا اور بتایا کہ ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ لوح محفوظ میں منضبط ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى. (طٰہٰ: ۵۲)

موسیٰ نے کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے' میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

اور لوح محفوظ میں منضبط کرنے کا تیسرا معنی یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا کہ ہم ان کے وہ عمل لکھ رہے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیج دیئے' اس کے بعد یہ واضح فرمایا کہ ہم صرف بندوں کے اعمال ہی نہیں لکھتے بلکہ ہم نے ہر چیز کا احاطہ کر کے اس کو لوح محفوظ میں منضبط کر دیا ہے۔

لوح محفوظ کو امام اس لیے فرمایا ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جس کی اتباع اور اقتداء کی جاتی ہے اور فرشتے احکام کو نافذ کرنے میں لوح محفوظ کی اتباع کرتے ہیں' لوح محفوظ میں جس شخص کی جتنی عمر لکھی ہوتی ہے' اور جتنا رزق لکھا ہوتا ہے اس کی اتباع کر کے اس کو اتنا رزق دیتے ہیں اور اتنے عرصہ کے بعد اس کی روح قبض کرتے ہیں' اس کی جتنی اولاد لکھی ہوئی ہوتی ہے اور جتنے اس کے حوادث اور نوازل لکھے ہوئے ہوتے ہیں ان تمام امور میں وہ لوح محفوظ کی اتباع کرتے ہیں۔

ما کان و ما یکون غیر متناہی ہیں لوح محفوظ ان کا محل کس طرح بن سکتی ہے

اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں' مُردہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی جسم سے اس کی روح نکال لی جائے' اور زندہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز میں حس اور حرکت ارادیہ کو نافذ کر دیا جائے' یہ ظاہری زندگی اور موت کا معنی ہے' اور ایک باطنی موت ہے' اور وہ ہے دل کا مردہ ہو جانا' انسان گناہ پر گناہ کرتا رہے اور توبہ نہ کرے تو اس سے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے' اسی طرح زیادہ ہنسنے سے بھی دل مردہ ہو جاتا ہے' اور گناہوں پر نادم ہونے اور رونے سے اور نیکی کی باتوں کو کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حوادث کونیہ غیر متناہی ہیں' جنت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے ہر چیز کا لوح محفوظ میں احاطہ کر دیا ہے تو غیر متناہی امور کا کس طرح احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تمام حوادث کا لوح محفوظ میں دفعۃً واحدۃً اور یک بارگی ذکر نہیں ہے' بلکہ متعدد دفعات میں ان کا ذکر کیا گیا ہے' مثلاً پہلے اس میں ایک ہزار سال کے حوادث کا ذکر کیا گیا' پھر جب وہ حوادث گزر گئے تو ان کو مٹا کر اگلے ایک ہزار سال کے حوادث ذکر کر دیئے پھر ان کو مٹا کر اور ایک ہزار سال کے حوادث کا ذکر کر دیا' اور یہ تاویل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ متناہی چیز غیر متناہی امور کے لیے محل نہیں بن سکتی' یا پھر یہ جواب دیا جائے کہ لوح محفوظ میں صرف اس دنیا کے حوادث اور بندوں کے افعال کا ذکر لکھا ہوا ہے اور اس دنیا کے احوال اور بندوں کے افعال متناہی ہیں۔ اور غیر متناہی آخرت کے احوال اور جنت کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی معلومات ہیں اور ان کا لوح محفوظ میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ لوح محفوظ میں قیامت تک کے احوال لکھے ہوئے ہیں اور متناہی ہیں' اور لوح محفوظ بہر حال متناہی ہے۔

وقف لازم

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا

اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا

کئی رسول آئے ○ جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان

بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا

کی تائید کی، سو ان تینوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں ○ ان لوگوں نے کہا تم تو صرف

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ

ہماری مثل بشر ہو، اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا تم

اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ

محض جھوٹ بولتے ہو ○ ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری

لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا

طرف بھیجے گئے ہیں ○ اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ○ انہوں نے کہا

اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ

ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں، اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ

تم کو ضرور درد ناک عذاب پہنچے گا ○ رسولوں نے کہا تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے، کیا تم

ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا

نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو! بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو ○ اور شہر کے آخری کنارے سے

الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ ۙ

ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو ○

اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ ان کے لیے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جب ان کے پاس کئی رسول آئے O جب ہم نے ان کے پاس دو رسولوں کو بھیجا تو انہوں نے ان کو جھٹلایا' پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان کی تائید کی' سو تینوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں O (یٰسٓ: ۱۴۔۱۳)

انطاکیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو بھیجنے کے ثبوت میں نقول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں انطاکیہ (مغربی شام کا ایک ساحلی شہر) میں انطیخس بن انطیخس نام کا ایک بادشاہ تھا جو مشرک اور بت پرست تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف پیغام دے کر تین رسول بھیجے۔ صادق' مصدوق اور سلوم' پہلے ان کی طرف ان میں سے دو رسول بھیجے تھے' جب انہوں نے ان کو جھٹلایا' پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی' جب ان رسولوں نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی اور اس بادشاہ کی بت پرستی کی مذمت کی تو اس نے کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

ان رسولوں نے ان بستی والوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ نے ہمیں تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرو' اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان سے بیزاری کا اظہار کرو۔

(جامع البیان جز ۲۲ ص ۱۸۷' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

شعیب جبائی نے کہا ہے کہ پہلے جن دو رسولوں کو بھیجا تھا ان کا نام شمعون اور یوحنا تھا اور بعد میں جس تیسرے رسول کو بھیجا اس کا نام بولس تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۸۰۵۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں میں سے دو رسول انطاکیہ کی طرف بھیجے' جب وہ اس شہر کے قریب پہنچے تو وہاں انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا' اس نے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں حضرت عیسیٰ نے بھیجا ہے انہوں نے تم کو یہ دعوت دی ہے کہ تم بتوں کی عبادت ترک کر کے رحمٰن کی عبادت کرو' اس شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں! ہم اللہ کے حکم سے بیماروں کو تندرست کر دیتے ہیں' مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے ہیں' برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کر دیتے ہیں' اس بوڑھے شخص نے جس کا نام حبیب تھا کہا: میرا ایک بیٹا بیمار ہے وہ کئی سالوں سے بستر پر پڑا ہوا ہے' انہوں نے کہا ہمیں اس کے پاس لے چلو ہم اس کا حال دیکھتے ہیں' وہ ان کو اپنے گھر لے گیا' انہوں نے اس کے بیٹے کے جسم پر ہاتھ پھیرا' وہ اللہ کے حکم سے اسی وقت تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا' یہ خبر اس شہر میں پھیل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے بہت مریضوں کو شفا دی اس شہر کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام سلاحین تھا' اور وہب بن منبہ نے کہا اس کا نام انطیخس تھا' اور یہ روم (شام) کے بادشاہوں میں سے تھا اور بتوں کی پرستش کرتا تھا' یہ خبر اس تک بھی پہنچ گئی' اس نے ان سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم حضرت عیسیٰ کے

رسول ہیں؟ اس نے پوچھا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے کہا ہم مادر زاد اندھوں' برص میں مبتلا لوگوں اور بیماروں کو اللہ کے حکم سے تندرست کرتے ہیں' اس نے پوچھا تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم ان کی عبادت ترک کر دو جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' اور اس کی عبادت کرو جو سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے' بادشاہ نے پوچھا کیا ہمارے خداؤں کے علاوہ اور بھی کوئی خدا ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں! خدا صرف وہی ہے جس نے تم کو اور تمہارے خداؤں کو پیدا کیا ہے! اس نے کہا تم دونوں یہاں سے اٹھو' حتیٰ کہ میں تمہارے متعلق غور کر کے فیصلہ کروں' پھر شہر کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کو پکڑ کر بازار میں مارا پیٹا۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان دو رسولوں کو انطاکیہ بھیجا اور کچھ مدت کے بعد ان دونوں کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی' اس پر وہ بادشاہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قید کیا جائے' اور اس نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے' پھر جب ان دونوں رسولوں کی تکذیب کی گئی اور ان کو مارا پیٹا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے سردار حضرت شمعون کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لیے بھیجا۔

پھر حضرت شمعون بھیس بدل کر اس شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے کارندوں کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے' حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ مانوس ہو گئے' پھر ان کے آنے کی خبر بادشاہ تک بھی پہنچ گئی' وہ بھی ان کے طور طریقہ سے مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کرنے لگا' ایک دن انہوں نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے' اور جب انہوں نے آپ کو اپنے دین کی دعوت دی تو آپ نے ان کو زدوکوب کیا' کیا آپ نے ان سے گفتگو کی تھی اور ان کا پیغام سنا تھا' بادشاہ نے کہا میرے اور ان کے درمیان غضب حائل ہو گیا تھا' حضرت شمعون نے کہا اگر بادشاہ کی رائے موافق ہو تو ان کو بلایا جائے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ کیا پیغام دے رہے ہیں! پھر بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا' حضرت شمعون نے ان سے پوچھا تم کو کس نے یہاں بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے' حضرت شمعون نے کہا اختصار کے ساتھ اللہ کی صفات بیان کرو' انہوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے' حضرت شمعون نے کہا تمہاری کیا نشانی ہے؟ انہوں نے کہا آپ جو خواہش کریں' پھر بادشاہ نے حکم دیا تو ایک ایسے لڑکے کو لایا گیا جس کی آنکھوں کی جگہ پیشانی کی طرح بالکل سپاٹ تھی' پھر وہ دونوں اپنے رب سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اس کے چہرے پر آنکھوں کی جگہ نکل آئی اور دو گڑھے بن گئے' پھر انہوں نے مٹی سے آنکھوں کے دو ڈھیلے بنائے اور ان کو ان گڑھوں میں رکھ دیا اور وہ لڑکا ان آنکھوں سے دیکھنے لگا' بادشاہ کو اس سے بہت تعجب ہوا' حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا یہ بتایئے کہ اگر اب اپنے معبود سے اس طرح دعا کریں اور وہ بھی اس کی مثل کوئی کام کر دے تو اس سے آپ کو بھی عزت حاصل ہوگی اور آپ کے معبود کو بھی! بادشاہ نے حضرت شمعون سے کہا میرے نزدیک یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ ہمارا وہ معبود جس کی ہم عبادت کرتے ہیں' دیکھتا ہے نہ سنتا ہے' وہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے' پھر بادشاہ نے ان رسولوں سے کہا تم جس معبود کی عبادت کرتے ہو اگر وہ کسی مردہ کو زندہ کر دے تو ہم تم پر بھی ایمان لے آئیں گے اور تمہارے معبود پر بھی' ان رسولوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز پر قادر ہے' بادشاہ نے کہا سات دن پہلے ایک دہقان کا بیٹا مر گیا تھا میں نے اس کی تدفین مؤخر کر دی تھی' کیونکہ اس کا باپ کہیں گیا ہوا تھا' بادشاہ نے اس مردہ لڑکے کو منگوایا اس کا جسم متغیر ہو گیا تھا اور اس سے بدبو اٹھ رہی تھی' وہ دونوں سب کے سامنے اپنے رب سے دعا کرتے رہے اور حضرت شمعون دل ہی دل میں آمین کہتے رہے' وہ مردہ لڑکا زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں سات دن سے مرا ہوا تھا' میں چونکہ شرک پر مرا تھا اس لیے مجھے دوزخ کی وادی میں

ڈال دیا گیا اور میں تم کو شرک سے ڈراتا ہوں سو تم سب اللہ پر ایمان لے آؤ' پھر اس لڑکے نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور ایک خوب صورت شخص ان تینوں کی سفارش کر رہا ہے' اس نے حضرت شمعون اور ان دونوں رسولوں کی طرف اشارہ کیا' بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور جب حضرت شمعون نے جان لیا کہ اس لڑکے کی باتیں بادشاہ کے دل میں اثر کر چکی ہیں تو انہوں نے اس کو اصل بات بتائی اور بادشاہ کو ایمان کی دعوت دی' تو بادشاہ اور چند لوگ ایمان لے آئے اور باقی لوگ کفر پر برقرار رہے۔

امام ابن اسحاق نے کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ بلکہ بادشاہ اپنے کفر پر قائم رہا اور بادشاہ اور اس کی قوم نے اس پر اتفاق کیا کہ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے' جس وقت حبیب کو یہ خبر پہنچی تو وہ شہر کے پرلے کنارے پر کھڑا ہوا تھا' وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا اور ان کو رسولوں کی اطاعت کرنے کی دعوت دی۔

ان دو رسولوں کے ناموں میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کا نام تاروص اور ماروص تھا' اور وہب نے کہا ان کا نام یحییٰ اور یونس تھا اور مقاتل نے کہا ان کا نام تومان اور مانوص تھا۔

مقاتل نے کہا اس تیسرے رسول کا نام شمعان تھا' کعب نے کہا ان دو رسولوں کا نام صادق اور صدوق تھا' اور تیسرے رسول کا نام شلوم تھا ان رسولوں کو بھیجنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس لیے نسبت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ عزوجل کے حکم سے بھیجا تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان رسولوں کو اہل انطاکیہ کی طرف بھیجا تھا۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۲۵۔۱۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ نے مذکور الصدر تفصیل اسی طرح بیان کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا ہے:

ایک قول یہ ہے کہ بادشاہ کی بیٹی مرچکی تھی اور مدفون ہو چکی تھی' حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا آپ ان دونوں سے یہ کہیے کہ یہ آپ کی بیٹی کو زندہ کر دیں' بادشاہ نے ان سے یہ مطالبہ کیا وہ دونوں کھڑے ہوئے انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور حضرت شمعون بھی دل ہی دل میں آمین کہتے رہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی لڑکی کو زندہ کر دیا' اس کی قبر پھٹ گئی اور وہ باہر نکل آئی اور اس نے کہا آپ سب اسلام قبول کر لیں یہ دونوں سچے ہیں اور اس نے کہا مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ تم لوگ اسلام لے آؤ گے' پھر اس نے ان رسولوں سے کہا کہ وہ اس کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں' وہ اپنی قبر میں چلی گئی اور اسی طرح مدفون ہو گئی۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۰۔۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مورخین میں سے علامہ محمد بن محمد شیبانی ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے بھی اسی طرح تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۱ ص ۲۱۲۔۲۱۱' دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

مفسرین میں سے علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۷۔۱۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اجمالاً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے کہ ان رسولوں کو انطاکیہ میں بھیجا گیا تھا' البتہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول تھے اور حقیقۃً اللہ کے رسول نہ تھے اور ان پر مرسلون کا اطلاق مجازاً ہے' درحقیقت یہ اولیاء اللہ تھے اور ان کا اندھوں کو بینا کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ان کی کرامت تھی' اور حضرت ابن عباس اور کعب سے یہ مروی ہے کہ یہ اللہ کے رسول تھے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا جیسا کہ حضرت ھارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے

بھیجا گیا تھا۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۵۳ روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۲۹)

دیگر قدیم مفسرین نے بھی اس واقعہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے' البتہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول نہیں تھے بلکہ مستقل رسول تھے اور نہ ہی یہ واقعہ اہل انطاکیہ کا ہے۔

انطاکیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو نہ بھیجنے کے دلائل

حافظ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت متقدمین اور متاخرین میں یہ مشہور ہے کہ جس بستی کا قرآن مجید میں ذکر ہے یہ انطاکیہ ہے' اور یہ قول بہت ضعیف ہے کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کی طرف اپنے تین حواری بھیجے تھے تو وہ اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے' اور انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جہاں کے رہنے والے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے' وہ چار شہر یہ ہیں: انطاکیہ' القدس' اسکندریہ اور رومیہ اور اس کے بعد قسطنطنیہ کے لوگ ہیں' اور ان بستیوں کے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا گیا تھا اور جس بستی کے لوگوں کا قرآن مجید میں ذکر ہے ان کو ہلاک کر دیا گیا تھا' ہاں اگر عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے انطاکیہ میں تین رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور ان لوگوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی' اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ہلاک کر دیا اور پھر اس کے بعد وہ بستی پھر آباد ہو گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں اپنے حواری بھیجے اور وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے تو اس صورت میں اس بستی کا مصداق انطاکیہ ہو سکتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ قرآن مجید میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان کے اصحاب کا ہے سو یہ بہت ضعیف ہے کیونکہ قرآن مجید کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مستقل رسول تھے' کیونکہ جب ان رسولوں نے یہ کہا کہ ہم کو پیغام دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے تو ان بستی والوں نے یہ کہا کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو' انہوں نے بشر ہونے کو رسالت کے منافی سمجھا جیسا کہ ہر دور میں کفار بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے رہے ہیں اور انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۸' ۳۱۷' ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نیز حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس موقف پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

(۱) اس قصہ میں مذکور ہے کہ ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہمیں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے' اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ یہ کہتے کہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام نے تمہاری طرف بھیجا ہے' پھر اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فرستادہ ہوتے تو بستی والے ان سے یہ نہ کہتے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو۔

(۲) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطاکیہ کی طرف' اپنے حواریوں کو بھیجا تھا تو وہ پہلے مرحلہ میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے اور انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن کے باشندے حضرت مسیح پر ایمان لے آئے تھے' متعدد کتب تاریخ میں اسی طرح مذکور ہے' اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انطاکیہ کے لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے تو پھر انطاکیہ اس بستی کا مصداق نہیں ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے' کیونکہ اس بستی کے لوگوں نے تو رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ایک زبردست چیخ نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔

(۳) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد متقدمین نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات کے نازل ہونے کے بعد کسی امت کو ہلاک نہیں کیا حتیٰ کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا' قرآن

مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى. (القصص: ۴۳)

اور بے شک ہم نے پہلے زمانہ والوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے تورات کو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو آسمان سے عذاب نازل کر کے ہلاک کیا ہے اور نہ زمین سے ماسوا ان لوگوں کے جن کو مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا۔ (جامع البیان جز ۲۰ ص ۹۸ رقم الحدیث: ۲۰۹۱۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت اور اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے جس بستی کو ہلاک کرنے کا ذکر ہے وہ انطاکیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بہ کثرت متقدمین نے اس کی تصریح کی ہے اور اگر بستی کا نام انطاکیہ ہی ہے تو یہ وہ بستی نہیں ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا' بلکہ وہ اس سے بہت پہلے بلکہ نزول تورات سے بھی پہلے اس نام کی کوئی اور بستی تھی جس کے باشندوں کو اس زمانہ میں ہلاک کر دیا گیا تھا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس بستی میں اپنے حواریوں کو بھیجا تھا اس بستی کے لوگ تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے' ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ سورۃ یٰسٓ میں جس بستی کی مثال کا ذکر ہے یہ وہ بستی نہیں ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں نے کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا تم محض جھوٹ بولتے ہو O ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف ضرور بھیجے گئے ہیں O اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے O (یٰسٓ: ۱۷۔۱۵)

بشریت کا رسالت کے منافی نہ ہونا

جس بستی کی طرف پہلے دو رسولوں کو بھیجا گیا تھا اس بستی کے لوگوں نے ان رسولوں پر یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر وحی کیسے نازل کی حالانکہ تم ہماری ہی طرح بشر ہو' اگر کسی کے بشر ہونے کے باوجود اس پر وحی نازل ہو سکتی ہے تو پھر ہم پر وحی کیوں نہیں نازل ہوئی اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول کیوں نہیں بنایا' ہر دور میں مشرکین نے رسولوں پر یہی اعتراض کیا تھا' ان کا خیال یہ تھا کہ رسول کسی فرشتے کو ہونا چاہیے' حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے کافروں نے ان کے دعویٰ نبوت اور رسالت پر یہی اعتراض کیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ O (التغابن: ۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا کیا بشر ہم کو ہدایت دیں گے' انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا' اور اللہ نے استغناء فرمایا اور اللہ بہت مستغنی ہے بے حد حمد کیا ہوا۔

کفار اس کو بہت بعید قرار دیتے تھے کہ کسی بشر پر وحی نازل ہو سکتی ہے اور اس کو رسول بنایا جا سکتا ہے اس لیے وہ ہر زمانہ میں رسولوں کا انکار کر دیتے تھے وہ کہتے تھے:

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ O

انہوں نے کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ تم ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی ہمارے

آباؤ اجداد عبادت کرتے رہے تھے پس تم ہمارے سامنے کوئی واضح دلیل پیش کرو۔ (ابراہیم:۱۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل:۹۴)

جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنایا ہے۔

سو پچھلی قوموں کے کافروں نے اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو یعنی فرشتے نہیں ہو تو اللہ تمہیں رسول کس طرح بنا سکتا ہے' سو اسی طرح قدیم زمانہ کی اس بستی میں جب رسول بھیجے گئے تو اس بستی کے لوگوں نے بھی ان پر اسی طرح اعتراض کیا اور کہا تم تو صرف ہماری مثل بشر ہو اور رحمٰن نے کچھ نازل نہیں کیا' تم محض جھوٹ بولتے ہو' ان رسولوں نے کہا ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف ضرور بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

تم ہمارے متعلق کہہ رہے ہو کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں' اگر ہم نے دعویٰ رسالت میں اللہ پر جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہم سے زبردست انتقام لیتا' لیکن وہ عنقریب ہم کو تم پر غلبہ عطا فرمائے گا اور تمہارے خلاف ہماری مدد کرے گا' اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھی جزا اور نیک انجام کا کون مستحق ہوتا ہے اور ہم پر تو صرف یہ فرض کیا گیا ہے کہ ہمیں جو پیغام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا ہے' ہم تم تک وہ پیغام پہنچا دیں' اگر تم نے ہماری اطاعت کی تو تم کو دنیا میں سرخ روئی اور آخرت میں دائمی فلاح حاصل ہوگی اور اگر تم نے ہماری مخالفت کی اور ہماری اطاعت نہ کی تو آخرت میں تم کو سخت عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا O رسولوں نے کہا تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے' کیا تم نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو! بلکہ تم حد سے گزرنے والے ہو O (یٰسٓ: ۱۹-۱۸)

کفار کا انبیاء علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس کہنا

بستی والوں نے رسولوں کے وعظ اور تقریر کے جواب میں کہا ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں' ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمارے نزدیک منحوس اور بے برکت ہو ہمیں تمہارے چہروں سے سعادت اور نیک بختی کے آثار نظر نہیں آئے' قتادہ نے کہا ان کے قول کا معنی یہ تھا کہ اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہاری وجہ سے آئے گی' مجاہد نے کہا ان کے قول کا مطلب یہ تھا کہ جب بھی تم جیسا کوئی شخص کسی بستی میں گیا تو اس کی وجہ سے اس بستی والوں پر عذاب آیا' اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سخت سزا دیں گے۔

رسولوں نے بستی والوں کے اس جواب کے بعد ان سے فرمایا: تم جس چیز کو ہماری نحوست کہہ رہے ہو اس کو عنقریب تم پر لوٹا دیا جائے گا' جس طرح اس بستی والوں نے رسولوں کو منحوس اور بے برکت کہا تھا کفار اسی طرح نبیوں اور رسولوں کے متعلق تبصرے کیا کرتے تھے' چنانچہ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی طرح تبصرہ کیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

اور جب ان پر کوئی خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے

عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ○ (الاعراف: ۱۳۱)

اصحاب کی نحوست کہتے، سنو اللہ کے نزدیک صرف ان کی نحوست ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ○ (النمل: ۴۷)

انہوں نے کہا ہم تم کو اور تمہارے اصحاب کو بدفال قرار دیتے ہیں، صالح نے کہا تمہاری بدفالی اللہ کے نزدیک ہے، بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا ہو۔

اسی طرح منافقین نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی اسی طرح کہا تھا، قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ○ (النساء: ۷۸)

اور اگر ان منافقوں کو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے، آپ کہیے کہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔

رسولوں نے کہا بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو، یعنی ہم نے تم کو نصیحت کی اور تم کو یہ حکم دیا کہ تم اللہ کو واحد مانو اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو تو تم نے ایسے سخت جواب دیئے اور ہم کو ڈرایا اور دھمکایا، اور ہمارے متعلق یہ کہا کہ تم بدفال اور منحوس ہو بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور شہر کے آخری کنارے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو ○ تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں ○ (یٰسٓ: ۲۱-۲۰)

صاحب یٰسٓ (حبیب النجار) کا تذکرہ

امام ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کعب احبار اور وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک اس بستی کے لوگوں نے ان رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو رسولوں کی مدد کرنے کے لیے اس شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، مفسرین نے کہا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا وہ ریشم کا کام کرتا تھا اور اس کو جذام کی بیماری تھی، وہ شخص بہت نیک خصلت تھا اور بہت صدقہ اور خیرات کرتا تھا وہ اپنی کمائی میں سے نصف اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا تھا، امام ابن اسحاق نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب تھا اور اس کو جذام کی بیماری تھی، ثوری نے ابومجلز سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب بن مری تھا، اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صاحب یٰسٓ کا نام حبیب نجار تھا اس کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تھا، السدی نے کہا وہ دھوبی تھے، عمر بن الحکم نے کہا وہ موچی تھے، قتادہ نے کہا وہ ایک غار میں عبادت کرتے تھے۔

انہوں نے اپنی قوم کو ان رسولوں کی اتباع کرنے پر برانگیختہ کیا اور کہا جو تم کو محض اخلاص سے اللہ کی عبادت کی ترغیب دے رہے ہیں اور اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہے ان کی اتباع کرو۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۲-۶۲۱، ملخصاً دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابومجلز، کعب احبار، مجاہد اور مقاتل سے مروی ہے اس شخص کا نام حبیب بن اسرائیل ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام حبیب بن مری تھا، مشہور یہ ہے کہ یہ نجار (بڑھئی) تھا، ایک قول یہ ہے کہ یہ کسان تھا، ایک قول

ہے کہ یہ دھوبی تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ موچی تھا ایک قول یہ ہے کہ یہ بت تراش تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام پیشوں اور تمام صفات کا جامع ہو' بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک غار میں رہتا تھا اور مومن تھا اور وہاں اللہ عزوجل کی عبادت کرتا تھا' جب اس نے یہ سنا کہ اس کی قوم رسولوں کی تکذیب کر رہی ہے تو یہ اپنی قوم کو نصیحت کرنے کی حرص میں دوڑتا ہوا آیا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے سنا کہ اس کی قوم رسولوں کو قتل کرنے کا عزم کر چکی ہے تو یہ ان رسولوں کو بچانے کے لیے دوڑتا ہوا آیا' اور اس کا کسی غار میں رہنا شہر کے آخری کنارے سے آنے کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ غار بھی شہر کے آخری کونے میں ہو' البتہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص مومن تھا اور یہ اس قول کے منافی ہے کہ وہ بت تراشتا تھا اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ بت اور مجسمے تراش کر بناتا تھا' اور اس لیے نہیں بناتا تھا کہ ان کی عبادت کی جائے' اور یہ ان کی شریعت میں جائز اور مباح تھا' اور اس کے مومن ہونے کا قول ابن ابی لیلیٰ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

البحر المحیط میں مذکور ہے کہ تمام امتوں میں سے تین شخص ایسے ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے ایک لحظہ کے لیے بھی کفر نہیں کیا (۱) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲) صاحب یٰسٓ (۳) آل فرعون کا مومن' اور زمخشری نے ابن ابی لیلیٰ کے اس قول کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی ہے۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۵۵)

میں کہتا ہوں علامہ زمخشری نے اس حدیث کو الکشاف ج ۴ ص ۱۲ پر ذکر کیا ہے' یہ حدیث المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۵۲ میں ہے اور العقیلی کی کتاب الضعفاء ج ۱ ص ۲۴۹ میں ہے' یہ حدیث حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور اس کی سند کا مدار حسین بن حسن الاشقر اور الحسین بن ابی اسری پر ہے' اور یہ سند بہت ضعیف ہے' الحسین بن حسن الاشقر کو امام بخاری اور امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے' امام ابو زرعہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے' امام ابن عدی نے اس کی منکر روایات کا ذکر کیا ہے' ابو معمر الہذلی نے اس کو کذاب کہا ہے' ابن کثیر نے کہا یہ شیعی متروک ہے۔ (تخریج الکشاف)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے' سب سے پہلے جو مطلقاً ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں' ورقہ بن نوفل ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں' ہاں بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

بہر حال اب ہم پھر علامہ آلوسی کی عبارت نقل کر رہے ہیں وہ لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ صاحب یٰسٓ کو جذام کی بیماری تھی ان کے گھر شہر کے آخری دروازے میں تھا' انہوں نے ستر سال بتوں کی عبادت کی اور ان سے جذام کی بیماری سے نجات کے لیے دعا کرتے رہے اور ان کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکی' جب ان کو رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی تو انہوں نے پوچھا کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اپنے رب سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہاری اس بیماری کو تم سے دور کر دے' انہوں نے کہا یہ بڑی حیرت کی بات ہو گی میں ستر سال سے ان بتوں کے سامنے دعا کر رہا ہوں اور یہ بت مجھ سے اس بیماری کو دور نہیں کر سکے' تو تمہارا رب صرف ایک دن دعا کرنے سے اس بیماری کو کیسے دور کر دے گا' ان رسولوں نے کہا ہمارا رب جو چاہے اس کو کرنے پر قادر ہے اور یہ بت کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں' یہ سن کر صاحب یٰسٓ ایمان لے آئے اور رسولوں نے اپنے رب سبحانہ سے اس کے لیے صحت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جذام اور کوڑھ کی بیماری کو اس طرح دور کر دیا کہ گویا اس کو کبھی کوڑھ تھا ہی نہیں' پھر وہ محنت مزدوری کرنے لگا' اور محنت مزدوری کر کے جتنا کماتا تھا اس میں سے آدھا شام کے وقت ضرورت مندوں کو دے دیتا تھا اور بقیہ نصف اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ لیتا تھا' جب اس کی قوم نے رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا

آیا۔ اور اس روایت کی بناء پر اس کے مجسمے اور مورتیاں بنانے پر کوئی اشکال نہیں ہے' اور اس کے بعد اس سے پہلے بعید جواب کی ضرورت بھی نہیں رہے گی' ہاں اس روایت میں اور اس حدیث میں منافات ہوگی جس میں یہ مذکور ہے کہ صاحب یٰسٓ ان تین میں سے ایک ہے جو اپنے نبی پر سب سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے ایک لحظہ بھی کفر نہیں کیا' البتہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو ان رسولوں پر ایمان لائے تھے' ہاں البتہ اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا جائے گا کہ جب ان کو ایمان لانے کی رسولوں نے دعوت دی تو پھر انہوں نے بالکل تاخیر نہیں کی اور اس کے بعد ایک لحظہ بھی کفر پر قائم نہیں رہے' اور میری نظر میں راجح یہ ہے کہ وہ قوم کے پاس آنے اور ان کو نصیحت کرنے سے پہلے ہی رسولوں پر ایمان لایا ہوا تھا' اور رسولوں کے مبعوث ہونے سے پہلے وہ مومن تھا یا نہیں تھا اس پر مجھے جزم نہیں ہے اور اس مسئلہ میں روایات متعارض ہیں۔

علاوہ ازیں میرے نزدیک ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

اس شخص یعنی صاحب یٰسٓ نے کہا اے میری قوم تم رسولوں کی پیروی کرو' تم ان کی پیروی کرو جو تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

ان کو دنیا اور آخرت کی ہدایت حاصل ہے' روایت ہے کہ جب اس شخص کو رسولوں کی دعوت پہنچی تو وہ دوڑتا ہوا آیا اس نے ان کا کلام سنا اور سمجھا پھر ان سے پوچھا کہ آپ جو دعوت دے رہے ہیں آیا آپ اس کا کوئی معاوضہ بھی لیتے ہیں' رسولوں نے کہا نہیں' پھر اس نے اپنی قوم سے کہا تم ان رسولوں پر ایمان لاؤ' یہ اپنی اس دعوت کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۳۳۸' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے صاحب یٰسٓ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپ پر ایمان لے آیا تھا جیسا کہ تبع الاکبر اور ورقہ بن نوفل وغیرہما آپ پر پہلے ایمان لے آئے تھے' اور آپ کے علاوہ دوسرے نبیوں پر لوگ اسی وقت ایمان لائے جب ان کی نبوت کا ظہور ہوا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کے لیے دور دور سے آنا قدیم زمانہ کا دستور ہے

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ جب اہل انطاکیہ نے اسے شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا (الیٰ قولہ) انطاکیہ کے بازار میں ایک مسجد ہے اس مسجد کو مسجد حبیب کہا جاتا ہے اس کے صحن میں ان کا مزار پر انوار ہے لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں۔ (آثار البلاد و اخبار العباد للقزوینی ص ۱۵۱' مطبوعہ بیروت)

(ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۷۶' ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ھ)

علامہ یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ ھ لکھتے ہیں:

انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے دور و نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

(معجم البلدان ج ۱ ص ۲۶۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۹۹ھ)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یاقوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار کی قبر انطاکیہ میں معروف ہے' دور دور سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۳۷۲' مطبوعہ ادارہ معارف القرآن کراچی' ۱۳۹۷ھ)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ صالحین اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے دور دور سے جانا' زمانہ قدیم سے معمول

چلا آ رہا ہے اور یہ اس زمانہ کی بدعت نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں میں اس کا ہمیشہ سے چلن اور رواج رہا ہے۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:
موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۵۲ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ھود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ھود کے نام سے ہی مشہور ہے' ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۶۱۵' لاہور' ۱۹۸۳ء)
کیا اب بھی یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا عرس منانا بریلویوں کی بدعت ہے!

وَمَا لِيَ لَآ أَعۡبُدُ ٱلَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿٢٢﴾

اور (اس نے کہا کہ) مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے O

ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدۡنِ ٱلرَّحۡمَٰنُ بِضُرّٖ لَّا تُغۡنِ عَنِّي

کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے

شَفَٰعَتُهُمۡ شَيۡـٔٗا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّيٓ إِذٗا لَّفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّيٓ

کسی کام نہ آسکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا O بے شک

ءَامَنتُ بِرَبِّكُمۡ فَٱسۡمَعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ ٱدۡخُلِ ٱلۡجَنَّةَۖ قَالَ يَٰلَيۡتَ

میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا' سو تم میری بات سنو! O اس سے کہا گیا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا کاش

قَوۡمِي يَعۡلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ ٱلۡمُكۡرَمِينَ ﴿٢٧﴾

میری قوم جان لیتی O کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا O

وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَىٰ قَوۡمِهِۦ مِنۢ بَعۡدِهِۦ مِن جُندٖ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَمَا كُنَّا

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم

مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِن كَانَتۡ إِلَّا صَيۡحَةٗ وَٰحِدَةٗ فَإِذَا هُمۡ خَٰمِدُونَ ﴿٢٩﴾

نازل کرنے والے تھے O وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے O

يَٰحَسۡرَةً عَلَى ٱلۡعِبَادِۚ مَا يَأۡتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُواْ بِهِۦ

(کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ

یہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جواب

اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی O اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اس نے کہا کہ) مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور ان کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے O کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام نہ آ سکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا O بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو O (یٰسٓ: ۲۵۔۲۲)

اپنے لیے فطرنی اور قوم کے لیے والیہ ترجعون فرمانے کی پہلی وجہ

قتادہ نے کہا کہ حبیب نجار کی قوم نے اس سے پوچھا کیا تم ان رسولوں کے دین پر ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تم کو پیدا کیا ہے' کیونکہ حبیب نجار خود تو رسولوں کی تلقین سے اللہ عزوجل پر ایمان لا چکے تھے' اور ان کی قوم بت پرستی میں گرفتار تھی اور رسولوں کی مخالفت کر رہی تھی' لیکن اگر وہ ابتداءً اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتے کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی قوم کو فکری غلطی اور اعتقادی خطاء پر قرار دے رہے ہیں' اور جب کوئی شخص کسی کو گم راہ اور خطا کار قرار دے تو وہ شخص اس کہنے والے کا مخالف ہو جاتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کا مخالف ہو تو وہ اس کی باتوں کو توجہ اور غور سے نہیں سنتا' اس لیے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس نے تم کو پیدا کیا ہے' بلکہ یہ کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' یعنی اگر میں اللہ عزوجل کو واحد نہ مانوں اور اس کی عبادت نہ کروں تو یہ میری تقصیر اور میری خطاء ہے' اور میری ناشکری اور احسان ناشناسی ہے' اس لیے ہدایت اور رشد اور استقامت کا طریقہ یہ ہے کہ میں اللہ کو واحد مستحق عبادت مانوں اور صرف اس کی عبادت کروں' گویا انہوں نے بہ راہ راست اپنے نفس کو نصیحت کی اور اس کو ہدایت دی تاکہ ان کی قوم اس پر غور کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو واحد مستحق عبادت ماننا غلط طریقہ ہوتا تو یہ شخص اس کو اپنے لیے اختیار نہ کرتا کیونکہ انسان اپنے لیے ہمیشہ صحیح چیز کو اختیار کرتا ہے تو ضرور اللہ کو واحد ماننا ہی صحیح دین ہے' اس طرح انہوں نے پہلے اپنے آپ کو سرزنش اور نصیحت کی کہ مجھے صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہیے' پھر نہایت لطیف طریقہ سے قوم کو اس کی گم راہی اور غلط روش پر متنبہ کیا اور کہا اور اس کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے' یعنی جب تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیوں کرتے تھے اور اس کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کیوں کرتے تھے' پھر اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے حبیب نجار نے دوبارہ اپنے آپ کو وعظ کرنے کے لیے کہا: کیا میں اس کو چھوڑ کر ان کو معبود قرار دوں کہ اگر رحمان مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام نہ آ سکے اور نہ وہ مجھے نجات دے سکیں O بے شک اس وقت تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا O

اپنے لیے فطرنی اور قوم کے لیے والیہ ترجعون فرمانے کی دوسری وجہ

ہر چند کہ مومن اور کافر دونوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا لیکن حبیب نجار نے صرف کافر کے حشر کا ذکر کیا تا کہ ان کی قوم کے خلاف بات زیادہ پر اثر ہو اور کہا اگر میں دنیا میں کسی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں تو یہ بت تو مجھے اس بیماری سے نجات نہیں دلا سکتے اور نہ مجھے کسی آفت اور مصیبت سے بچا سکتے ہیں اور اگر پھر بھی میں نے شرک اور بت پرستی کو نہ چھوڑا تو میں کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا۔

حبیب نجار نے کہا: میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے' اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی علت یہ ہے کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے' اور یہ جو کہا کہ مجھے کیا ہوا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے مجھے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے اور فعل اس وقت وجود میں آتا ہے جب اس فعل سے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اس فعل کے کرنے کی علت موجود ہو' اور یہاں علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور بندے اس کے مملوک ہیں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی تکریم اور اس کی تعظیم کرے' نیز اللہ تعالیٰ نے بندوں کے وجود اور ان کی بقاء کے لیے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں اور منعم کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا واجب ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو اللہ کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان کا مالک ہے اور وہ اس کے مملوک ہیں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی اطاعت کرے خواہ وہ اس کو انعام دے یا نہ دے' اور دوسری قسم وہ ہے جو اس کی اس لیے اطاعت کریں کہ اس نے ان کو نعمتیں دی ہیں' اور تیسری قسم وہ ہے جو سزا اور عذاب کے ڈر سے اس کی اطاعت کرے' حبیب نجار نے اپنے آپ کو عبادت گزاروں کی پہلی قسم میں شامل کیا کہ میں اس کی اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اس کا بندہ اور مملوک ہوں اور مملوک پر واجب ہے کہ وہ مالک کی اطاعت کرے' اور اپنی قوم سے کہا والیہ ترجعون اور اسی کی طرف تم بھی لوٹائے جاؤ گے' اور جب بندے اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو نیکو کاروں کو وہ انعام اور اچھی جزاء دے گا اور بدکاروں کو وہ سزا اور عذاب دے گا' مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور مشرکوں کو وہ دوزخ میں داخل کرے گا' سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو' جنت کے شوق سے یا دوزخ کے خوف سے' سو انہوں نے یہ بتایا کہ میں اللہ کی اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ مجھ کو اس نے پیدا کیا ہے میں اس کا مملوک ہوں اور وہ میرا مالک ہے اور تم اس لیے اللہ کی عبادت کرو تا کہ وہ تم کو دوزخ سے نجات دے یا جنت عطا فرمائے اس لیے اپنے متعلق فطرنی اور ان کے متعلق والیہ ترجعون فرمایا۔

اس کے بعد حبیب نجار نے فرمایا: بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو!

حبیب نجار کے اس قول کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ اس نے یہ بات انبیاء علیہم السلام سے کہی کہ بے شک میں آپ کے رب پر ایمان لایا ہوں سو آپ میرے ایمان لانے کے اقرار کو غور سے سن کر اس پر گواہ ہو جائیں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی قوم سے کہی کہ بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات غور سے سنو اور اس میں یہ بتایا کہ جس ذات پر میں ایمان لایا ہوں وہ صرف میرا اور ان نبیوں کا رب نہیں ہے بلکہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور ساری کائنات کا رب ہے' سو میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں تم میرا یہ اقرار غور سے سن لو اور تم بھی ایمان لے آؤ اور اگر تم میرے ایمان لانے کی وجہ سے مجھے کوئی نقصان پہنچاؤ تو میں اللہ کی راہ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔

قوم کا حبیب نجار کو قتل کر دینا اور اس کا اپنی قوم کی بہتری چاہنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس سے کہا گیا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اس نے کہا کاش میری قوم جان لیتی O کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا O (یٰس: ۲۷۔۲۶)

امام ابواسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

جب اس نے اپنی قوم سے کہا میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو زد و کوب کرنا شروع کر دیا' حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اس کی قوم نے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ سدی نے کہا وہ اس کو سنگسار کر رہے تھے اور وہ اس حال میں بھی ان کے لیے دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دے' تب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا اور فرمایا: اس سے کہا گیا تم جنت میں داخل ہو جاؤ' پھر وہ جنت میں داخل کر دیا گیا اور اس نے وہاں اپنی عزت اور کرامت دیکھی تو بے ساختہ کہا کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس کو قتل کر کے رس نامی (پرانے کنویں) میں ڈال دیا اور ان لوگوں کو اصحاب الرس بھی کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے تینوں رسولوں کو بھی قتل کر دیا تھا' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اس کو گڑھے میں ڈال دیا اور اس کے اوپر گڑھے کا ملبہ ڈال دیا حتیٰ کہ وہ ملبے تلے دب کر مر گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس کو آری سے چیر ڈالا اور اس کی روح اس کے جسم سے نکلتے ہی جنت میں داخل ہو گئی۔

اس نے جنت میں داخل ہونے کے بعد کہا کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں سے بنا دیا۔

اس نے جو یہ تمنا کی تھی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا انعام اور اکرام کیا ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ تمنا اس لیے کی کہ اس کی قوم بھی اس کی طرح ایمان لے آئے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح انعام اور اکرام سے نوازے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس نے زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی' امام قشیری نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس نے اپنی زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔

دشمنوں اور مخالفوں سے بدلہ لینے کے بجائے ان کو معاف کر دینے..... اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا افضل ہونا

اس آیت میں اس پر عظیم تنبیہ ہے کہ مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی نیکی اور خیر خواہی کرنی چاہیے اور حتی الامکان غصہ اور غیظ و غضب کو قابو میں رکھنا چاہیے اور جاہلوں کی باتوں کو برداشت کرنا چاہیے' اور اگر کوئی نیک اور صالح شخص مخالفوں' باغیوں اور ظالموں میں پھنس جائے تو اس کو چھڑانے کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے' اور ظالموں سے انتقام لینے اور ان کے خلاف بددعا کرنے کے بجائے ان کے حق میں بھی دعائے خیر کرنی چاہیے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ حبیب نجار نے کس طرح اپنے قاتلوں کے لیے جنت کی تمنا کی اور یہ چاہا کہ کسی طرح وہ بھی ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہو جائیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اور ان کا اسوہ ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی مسکین کے دین کو ضرر پہنچایا جائے اور اللہ کی راہ میں اس پر سختی کی جائے تو اس کو اپنے دشمنوں کے خلاف بددعا نہیں کرنی چاہیے اور یوں نہیں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! اس کو ہلاک کر دے' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ اس کی اصلاح فرما' اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما' اے اللہ! اس پر رحم فرما' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے' اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے' کیونکہ یہ (مجھ کو) نہیں جانتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کا نچلا دانت شہید کر دیا تھا اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا (حضرت سہل بن سعد الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ (مجھے) نہیں جانتے۔ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۵۔۲۱۴) حضرت ابراہیم بن ادھم کا کسی نے سر پھاڑ دیا تو انہوں نے اس کی مغفرت کی دعا کی ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس کی مغفرت کی کیوں دعا کر رہے ہیں' انہوں نے کہا کہ مجھے علم ہے کہ مجھے اس کے لیے دعا کرنے سے اجر ملے گا اور اس کی وجہ سے مجھے آخرت میں اچھی جزا ملے گی' تو میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ میری وجہ سے اس کو سزا ملے۔ (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۵۸' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نبی کا واقعہ بیان فرمایا کہ قوم نے اپنے نبی کو زدوکوب کیا اور ان کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے' اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ (مجھے) نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۷۷' ۶۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' سنن دارمی رقم الحدیث ۲۴۷۱' مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۱۱' عالم الکتب)

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (المائدہ: ۲)

جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روکا تھا ان کی دشمنی تم کو حد سے تجاوز کرنے پر نہ ابھارے' نیکی اور خدا خوفی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور حد سے تجاوز کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس کے خلاف بے انصافی پر نہ ابھارے' انصاف کیا کرو وہ خدا خوفی کے زیادہ قریب ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے (تو) بے شک یہ ضرور ہمت والے کاموں میں سے ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صل من قطعک واحسن الی من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک.

جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' اور جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۳۴۹۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹' اتحاف ج ۹ ص ۲۵)

اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً فحش کلام کرتے تھے نہ تکلفاً، نہ بازاروں میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن معاف کرتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیا ہو، جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا جائے، اور اگر اللہ کی حدود کو پامال کیا جائے تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے اور جب بھی آپ کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ اس کو اختیار فرماتے تھے جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰، ۶۱۰۶، ۶۸۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے ○ وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے ○ (کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب ان کے پاس کوئی رسول آیا یہ اس کا مذاق اڑانے والے تھے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی ○ اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے ○ (یٰسٓ: ۳۲۔۲۸)

سابقہ امتوں کے کافروں کا خلاف فرشتوں کو نازل نہ کرنے اور ہماری ..... امت کے کافروں کے خلاف فرشتوں کو نازل کرنے کی توجیہ

قتادہ نے یٰسٓ: ۲۸ کی تفسیر میں کہا جب انہوں نے اس بستی کے رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کر دیا تو پھر ہم نے اس بستی میں کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کوئی نعمت عطا کرے اور وہ قوم اس نعمت کی قدر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس قوم سے نعمت واپس لے لیتا ہے اور پھر اس قوم کو وہ نعمت عطا نہیں کرتا، اندلس کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت کی نعمت عطا کی انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی اور رقص و موسیقی کی محفلوں اور آپس کی لڑائیوں اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نعمت واپس لے لی اور آٹھ سو سال اندلس پر حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں سے یہ نعمت لے لی گئی اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو قتل کر دیا، یا جلاوطن کر دیا، یا جبراً عیسائی بنا دیا اور اب وہاں بہت کم تعداد میں برائے نام مسلمان ہیں، اسی طرح ایک دور تھا جب تین براعظموں میں یعنی یورپ، ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک میں مسلمانوں کی مستحکم حکومتیں تھیں لیکن جب مسلمانوں کی اکثریت نے اسلام کے احکام پر نہ صرف یہ کہ عمل کرنا چھوڑ دیا بلکہ وہ اسلام کے احکام پر عمل کرنے کو باعث عار سمجھنے لگے تو پھر ان کی حکومتیں غیر مستحکم ہو گئیں اور آج یہ حال ہے کہ مسلم ممالک ہر جگہ امریکا اور برطانیہ سے مرعوب ہیں اور ان کے زیر تسلط ہیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہیں۔

اور حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا پھر ہم نے اس بستی میں وہ فرشتے نازل نہیں کیے جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لے کر نازل ہوتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہم نے اس کے بعد ان پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہ کیا، اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان بستی والوں کو ہلاک کرنے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ ایک گرج دار چیخ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کوئی لشکر نازل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر اس نے غزوہ بدر میں فرشتے کیوں نازل کیے تھے، غزوہ بدر کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (الانفال: ۱۰-۹)

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے اللہ نے تمہاری دعا قبول کی (اور فرمایا) میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا ○ اور اللہ کا ان فرشتوں کو بھیجنا صرف اس لیے ہے کہ یہ بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں' اور امداد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۞ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۞ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ (آل عمران ۱۲۶-۱۲۴)

اور آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ مسلمانوں سے یہ فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے ہرگز یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہارے لیے تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد فرمائے ○ کیوں نہیں بلکہ اگر تم صبر کرو اور تم اللہ سے ڈرتے رہو تو یہ فرشتے تمہارے پاس اسی وقت آ جائیں گے' تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ اور اللہ کا ان فرشتوں کو بھیجنا صرف اس لیے ہے کہ یہ بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور امداد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں فرشتوں کا یہ لشکر کفار سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا ورنہ کفار کو ہلاک کرنے کے لیے ایک فرشتہ کو نازل کرنا ہی کافی ہوتا' بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو بشارت اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے بھیجا تھا' اس سلسلہ میں سورۃ الاحزاب کی حسب ذیل آیت سے بھی اعتراض ہو سکتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ (الاحزاب: ۹)

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان کیا ہے اسے یاد کرو' جب تمہارے مقابلہ میں فوجیں آئیں' پھر ہم نے ان کے خلاف تند و تیز آندھی بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ اس پر بصیرت رکھنے والا ہے۔

اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ یہاں یٰسٓ: ۲۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا' اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے' حالانکہ غزوہ احزاب میں فرمایا ہے اور ہم نے ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے' صرف ایک فرشتہ ہی پورے شہر اور پوری بستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے' حضرت لوط علیہ السلام کی پوری بستیوں کو حضرت جبریل نے اپنے پر سے اٹھا کر پلٹ ڈالا تھا' اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اور ثمود کے شہر ان کی ایک چیخ سے ملیامیٹ ہو گئے اور صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے' اور حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے تو قیامت آ جائے گی اور کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی' اس کے باوجود غزوہ بدر میں ایک ہزار سے پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کے اطمینان کے لیے نازل کیے گئے اور غزوہ احزاب میں فرشتوں کے لشکروں نے کفار کی فوجوں کے خیموں کی رسیاں کاٹ کر اور میخیں اکھاڑ کر ان کے دلوں میں رعب اور

خوف طاری کیا' تو یہ صرف ہمارے نبی سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اکرام کو اور آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ پچھلی امتوں کے کفار کو ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ کو نازل کیا جاتا تھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے زمانہ کے کافروں کے دلوں پر صرف رعب طاری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک فرشتہ کو نہیں بلکہ فرشتوں کے پورے لشکر کو بھیجا۔

حبیب نجار کی طرف قوم کی نسبت کرنے اور بعد کی تخصیص کی توجیہ

اس آیت میں دوڑ کر آنے والے شخص (حبیب نجار) کی طرف اس قوم کی نسبت کی گئی ہے جس پر عذاب نازل کیا گیا تھا' اور نبیوں کی طرف نسبت نہیں کی گئی حالانکہ بہ ظاہر رسولوں کی طرف اس قوم کی نسبت کی جانی چاہیے تھی کیونکہ ایک شخص کی قوم اس کی آل اور اس کے اصحاب ہوتے ہیں اور رسول کی قوم پوری جماعت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس پوری آبادی کا رسول ہوتا ہے جس کی طرف اس کو بھیجا جاتا ہے اور وہ پوری آبادی اس کی قوم ہوتی ہے' اس صورت میں حبیب نجار کی طرف قوم کی نسبت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ ان کے نسب سے تھا اور رسول باہر سے بھیجے گئے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر عذاب آیا وہ حبیب نجار کے رشتہ دار تھے اس لیے فرمایا: اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا اور نہ ہم نازل کرنے والے تھے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب اور حبیب نجار کو قتل کرنے سے پہلے بھی کسی پر آسمان سے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا تھا پھر یہاں پر یہ تخصیص کیوں فرمائی کہ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ ان نبیوں اور رسولوں کی تکذیب اور قتل کیے جانے اور حبیب نجار کے قتل کیے جانے کے بعد عذاب کے مستحق ہوئے تھے اس وجہ سے بیان واقعہ کے طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر نہ آسمان سے کوئی لشکر نازل کیا۔

بستی والوں کو ایک زبردست چیخ سے ہلاک کر دینا

اس کے بعد فرمایا: وہ صرف ایک زبردست چیخ تھی جس سے وہ اچانک بجھ کر رہ گئے ○

مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی طرف بھیجا' انہوں نے ان کی بستی کے دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر بہت زور سے چیخ ماری جس سے ان کے جسموں میں زندگی کی کوئی حرارت باقی نہ رہی اور چشم زدن میں وہ تمام لوگ بجھ کر رہ گئے۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۲' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۴)

ان سے حواس اور حرکات کے آثار کا ظہور ختم ہو گیا' ان کے مردہ اجسام کو بجھی ہوئی آگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص زندہ ہے وہ اپنے حواس کے آثار اور حرکات ارادیہ کے ظہور کی وجہ سے بھڑکتی ہوئی روشن آگ کی مانند ہے اور جو شخص مردہ ہے وہ راکھ کی مثل ہے۔

بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کرنے کے تین دن بعد حضرت جبریل نے ان کی بستی میں آ کر چیخ ماری تھی' اور بعض میں یہ مذکور ہے کہ وہ رسولوں اور حبیب نجار کو قتل کرنے کے بعد خوشی خوشی اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک ایک چیخ کی آواز آئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی اس لیے کی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو ایذاء پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا

ہے: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی' میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں' جس چیز سے بھی میرا بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے اس میں سب سے زیادہ محبوب مجھے وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے' اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں' اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے' اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے' میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے' اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے' اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں' اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں' اور میں جس کام کو بھی کرنے والا ہوں کسی کام میں اتنا تردد (اتنی تاخیر) نہیں کرتا جتنا تردد (جتنی تاخیر) میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں' وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷' مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۷۰۸۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۔۴' کتاب الاسماء والصفات ص ۴۹۱' صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۲۶۶' کنز العمال رقم الحدیث ۲۱۳۲۷)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

(مجموع الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۹۰' ج ۳ ص ۲۵۹' ج ۱۰ ص ۳۸۳' ج ۱۱ ص ۱۸۲' ۱۷۳' ۷۵۔۴۵' ج ۱۷ ص ۷۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ عبد الواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سوچتا ہے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۶' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث من عادلی ولیا کی سند پر حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی کے اعتراضات کے جوابات

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث بہت غریب ہے اور اگر صحیح بخاری کی ہیبت نہ ہوتی تو اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکر روایات میں سے شمار کیا جاتا' کیونکہ اس حدیث کے الفاظ بہت غیر مانوس ہیں' اور اس لیے کہ اس کی روایت میں شریک منفرد ہے اور وہ حافظ نہیں ہے' اور یہ متن صرف اس سند کے ساتھ مروی ہے' اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی امام نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ذہبی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا کیونکہ ہم اس حدیث کی تخریج میں بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند احمد میں' امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں' امام ابو یعلیٰ نے مسند ابو یعلیٰ میں' امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں' امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں' امام بیہقی نے الاسماء والصفات میں اور امام ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں روایت کیا ہے' علاوہ ازیں شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث سے مجموع الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے' پھر اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ مجھے اس پر جزم اور یقین ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ عسقلانی کا بھی یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث یقیناً مسند احمد میں نہیں ہے' بلکہ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے اور

اس کے حسب ذیل حوالہ جات ہیں: (مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۲۴۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۷۲۳' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مسند احمد کے مخرج الشیخ الشعیب الارنوط نے مسند احمد کے حاشیہ میں اس حدیث کی تخریج میں لکھا ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے اس حدیث کو الاولیاء: (۴۵) میں' امام بیہقی نے الزہد (۶۹۸) میں' امام البزار نے (۳۶۴۷) اور (۳۶۴۷) میں' امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاج ا ص ۵ میں' امام القضاعی نے مسند الشہاب (۱۴۵۷) میں' امام طبرانی نے الاوسط (۹۳۴۸) میں' حافظ الہیثمی نے المجمع ۱۰ ص ۲۶۹ میں روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں خالد بن مخلد کی سند سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے' حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث خالد کی منکرات میں سے ہے اگر امام بخاری کی صحیح کی ہیبت نہ ہوتی تو اس کو خالد کی منکرات میں سے شمار کیا جاتا' حافظ عسقلانی نے فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۴۱ میں اس کا جواب دیا یہ کہنا کہ یہ حدیث صرف خالد کی سند سے مروی ہے مردود ہے' کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے اور انہوں نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

(مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۶۳۔۲۶۲' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کا معجزات اور کرامات کی اصل ہونا

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب میرا محبوب بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو ضرور بہ ضرور عطا کرتا ہوں' اور یہ حدیث معجزہ اور کرامت کی اصل ہے' کیونکہ معجزہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی دعا قبول فرما کر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر فرماتا ہے اور کرامت میں اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا قبول فرما کر کسی خلاف عادت کام کو ظاہر فرماتا ہے۔

اسی طرح معجزہ کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی اور ان پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی مجاب (مستجاب الدعوات) ہے۔ الحدیث' یعنی ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۴۹' تحفۃ الاخیار (شرح معانی الآثار) رقم الحدیث: ۴۶۱۹' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۸۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۸۸' السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث: ۴۴۔۳۳۷' المستدرک ج ۱ ص ۳۶' ج ۲ ص ۵۲۵' ج ۴ ص ۹۰ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۰۲' ۳۹۴۰' ۷۰۱۱ طبع جدید' مصابیح السنہ رقم الحدیث: ۸۷' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۰۹' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۶' ج ۷ ص ۲۰۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۸۸۵' الجامع الصحیح رقم الحدیث: ۴۶۶۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب اور قدرت کے ثبوت کے سلسلہ میں شیخ ابن تیمیہ کی تصریح

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیۃ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

لغت میں ہر خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں اور اصطلاح میں معجزہ نبی کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت ولی کے ساتھ مخصوص ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ صفات کمال کا رجوع تین چیزوں کی طرف ہوتا ہے' علم' قدرت اور غنیٰ' اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فعل پر قدرت کو تاثیر کہتے ہیں اور ترک پر قدرت کو غنیٰ کہتے ہیں اور یہ تینوں صفات علیٰ وجہ الکمال صرف اللہ عزوجل کے ساتھ

مخصوص ہیں کیونکہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی تمام جہانوں سے غنی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں کا دعویٰ کرنے سے برأت کا اظہار کریں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌۚ اِنْ اَتَّبِـعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ۔ (الانعام: ۵۰)

آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (از خود) غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (از خود) غیب کو نہیں جانتے اور نہ آپ (از خود) اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور نہ آپ فرشتے ہیں کہ کھانے پینے اور مال سے مستغنی ہوں' آپ تو صرف اس چیز کی اتباع کرتے ہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے' اور آپ کی طرف دین کی' اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی اطاعت کی وحی کی جاتی ہے اور ان تین چیزوں (علم غیب' اللہ کے خزانے اور مال) میں سے آپ کو صرف اتنی چیزیں حاصل ہیں جتنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں' آپ کو اسی غیب کا علم ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے' اور آپ کو ان ہی چیزوں پر قدرت حاصل ہے جن چیزوں پر اللہ نے آپ کو قدرت عطا کی ہے' اور جن خوارق (معجزات اور کرامات) سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مستغنی کر دیا ہے آپ اس سے مستغنی ہیں۔

اور علم کے باب میں سے یہ خوارق ہیں کہ بعض اوقات انسان ان چیزوں کو سن لیتا ہے جن کو دوسرا سن نہیں سکتا اور بعض اوقات انسان ان چیزوں کو نیند اور بیداری میں دیکھ لیتا ہے جن کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا' اور بعض اوقات اس کو وحی اور الہام سے یا علم بدیہی کے نازل ہونے سے یا فراست صادقہ سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہے جن کا دوسروں کو علم نہیں ہوتا اور اس کو اصطلاح میں کشف' مشاہدات' مکاشفات اور مخاطبات کہتے ہیں' پس سننے کو مخاطبات' دیکھنے کو مشاہدات اور علم کو مکاشفہ کہتے ہیں' اور جو چیز باب قدرت سے ہو اس کو تاثیر کہتے ہیں اور کبھی یہ تاثیر بندہ کی ہمت سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اس کی مقبول دعا سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی یہ محض اللہ کے فعل سے ظاہر ہوتی ہے جس میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا مثلاً اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو ہلاک کر دیتا ہے' جیسے فرمایا میں اس شخص سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں جو میرے ولی سے عداوت رکھے' یا اللہ تعالیٰ ان کی محبت میں لوگوں کے دلوں کو جھکا دیتا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۱۱ ص ۳۰۱-۳۰۲' مطبوعہ دار الجلیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزات اور خوارق کی تمام انواع کو جمع کر دیا گیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو علم غیب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے انبیاء متقدمین کی اور ان کی امتوں کی خبریں دی ہیں اور ان کے احوال بیان کیے ہیں اور ان کے علاوہ اولیاء سابقین کے بھی احوال بیان کیے ہیں' ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی خبریں دی ہیں' ملائکہ کے متعلق بیان کیا ہے اور جنت اور دوزخ کے احوال بیان کیے ہیں اور آپ نے ماضی' حال اور مستقبل کی غیب کی خبریں بیان کی ہیں۔

اور جہاں تک آپ کی قدرت اور تاثیر کا تعلق ہے تو آپ نے چاند کو شق کیا اور جب حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹا دیا' اس طرح آسمانوں میں آپ کا شب معراج جانا بھی اس پر دلیل ہے' اور زمین میں آپ کا تصرف یہ ہے کہ آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے' اسی طرح جب آپ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ لرزنے لگا' آپ کی

انگلیوں سے پانی جاری ہوا' کئی مرتبہ پانی زیادہ ہوا اور کئی مرتبہ طعام زیادہ ہوا اور یہ بہت وسیع باب ہے ہمارا مقصد تمام معجزات کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ چند مثالیں دینی ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج۱۱ص ۱۷۵'۱۷۴ ملخصاً مطبوعہ دارالجیل ریاض'۱۴۱۸ھ)

حسرت کا معنی اور اس بستی کے کافروں کی حسرت کے اسباب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کہا گیا) ہائے افسوس ان بندوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا یہ اس کا مذاق اڑانے والے تھے O (یٰسٓ: ۳۰)

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں:یحسرۃ علی العباد' کسی چیز کے فوت ہونے یا اس کے جاتے رہنے سے جو غم اور افسوس ہوتا ہے اس کو حسرت کہتے ہیں' اسی طرح کسی غلط کام کرنے پر جو ندامت ہوتی ہے اس کو بھی حسرت کہتے ہیں' حسر کا معنی منکشف ہونا اور تھکنا بھی ہے گویا اس پر منکشف ہو گیا کہ کس جہالت نے اس کو اس غلطی پر ابھارا تھا' یا اس غلطی پر غم اور افسوس کی وجہ سے اس کا اعضاء مضمحل ہو گئے' اور اس کا جسم نڈھال ہو گیا' یا اس کا تدارک کرنے سے وہ عاجز ہو گیا۔

(المفردات ج ا ص ۱۵۵۔۱۵۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ'۱۴۱۸ھ)

طبری نے کہا ہے کہ ان کافروں کو خود اپنے اوپر افسوس ہوا کہ انہوں نے ان رسولوں کا کیوں مذاق اڑایا اور ان کو کیوں قتل کیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ اس محل میں تھے کہ ان کے ظالمانہ افعال پر افسوس کیا جاتا' ابو العالیہ نے کہا العباد سے مراد رسول ہیں' کیونکہ جب کفار نے عذاب کو دیکھا تو افسوس کیا اور ان کو قتل کرنے پر اور اپنے ایمان نہ لانے پر نادم ہوئے' اور انہوں نے اس وقت ایمان لانے کی تمنا کی جب ان کو ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا' ضحاک نے کہا یہ فرشتوں کی کفار پر حسرت ہے کہ وہ رسولوں پر ایمان کیوں نہیں لائے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب اس بستی کے کافر حبیب نجار کو قتل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تو اس نے کہا ہائے ان بندوں پر افسوس ہے! کیونکہ اب ان لوگوں پر عذاب کا آنا یقینی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رسولوں کا قول ہے اور اس طرح کے اور بھی مختلف اقوال ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی O (یٰسٓ: ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار پر حسرت کا سبب بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نمائندے اور رسول بھیجے اور انہوں نے ان رسولوں کی قدر نہیں کی اور ان کے پیغام کا مثبت جواب نہیں دیا اور یہی ان کی پہلے ندامت اور بعد میں ان کی حسرت کا سبب بن گیا' اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس بادشاہ آئے اور بتائے کہ وہ بادشاہ ہے اور اس سے کوئی آسان چیز طلب کرے اور وہ شخص اس کو جھٹلائے اور اس کی طلب کردہ چیز اس کو نہ دے' پھر بعد میں وہی شخص بادشاہ کے پاس جائے جب کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہو اور وہ شخص اس بادشاہ کو پہچان لے کہ یہی شخص میرے پاس آیا تھا اور میں نے اس کی مطلوبہ چیز اس کو نہیں دی تھی تو اس وقت وہ کس قدر نادم اور شرمندہ ہو گا اور کس قدر غم' افسوس اور حسرت ہو گی کہ کاش میں نے اس کو وہ چیز دے دی ہوتی!

اسی طرح اللہ کے رسول بہ منزلہ بادشاہ ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عزت دی ہے اور ان کو اپنا نائب اور قائم مقام قرار دیا ہے اس اعتبار سے وہ بادشاہ سے بھی بڑھ کر ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو

(آل عمران: ۳۱)　　اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مرتبہ بتایا ہے کہ جو شخص آپ کی اطاعت اور آپ کی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لے گا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب کا اللہ کے نزدیک کیا مرتبہ اور کیا مقام ہے۔ جب دنیا میں رسول آئے اور انہوں نے لوگوں سے اپنا تعارف کرایا اس وقت انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی عظمت کا نشان ظاہر نہیں کیا اس لیے لوگوں نے ان کی قدر نہیں کی' لیکن جب قیامت کے دن رسول' اللہ تعالیٰ کے حضور گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما دے گا اس وقت لوگوں کے سامنے رسولوں کی عزت اور وجاہت ظاہر ہو گی' اور دنیا میں رسولوں نے لوگوں کو جس چیز پر عمل کرنے کی دعوت دی تھی وہ کوئی مشکل کام نہیں تھا جب کہ وہ اس پیغام پہنچانے کا کوئی اجر اور صلہ بھی نہیں مانگ رہے تھے اور جب وہ ان چیزوں پر غور کریں گے تو ان کو اور شدید ندامت ہو گی خصوصاً اس لیے کہ انہوں نے صرف رسولوں کے پیغام سے اعراض کرنے اور اس پیغام کو مسترد کرنے پر اکتفاء نہیں کی' بلکہ ان کا مذاق اڑایا' ان کو حقیر قرار دیا اور ان کی توہین کی' اور اس پر بھی بس نہیں کی حتیٰ کہ ان کو زدوکوب کیا اور ان کو قتل کر دیا' سو یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے کفار اپنے ایمان نہ لانے اور رسولوں کے ساتھ زیادتی کرنے پر جس قدر بھی افسوس کریں وہ کم ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی والوں سے ان کے پیش رو کافروں کا حال بیان فرمایا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اب ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی' یعنی ان سے پہلے بھی کتنے رسولوں کے مکذبین مخالفین اور ان کا مذاق اڑانے والے اور ان پر زیادتی کرنے والے تھے ہم ان سب کو ہلاک کر چکے ہیں وہ اب دنیا میں لوٹ کر آئیں گے نہ اس بستی میں لوٹ کر آئیں گے' ان کی نسل منقطع ہو چکی ہے اور اب ان کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں ہے' کیا یہ کفار ان کے انجام سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

مکہ کے کافروں کے لیے مقام عبرت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O (یٰس: ۳۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جن کافروں نے رسولوں کے پیغام کو مسترد کر دیا اور ان کی توہین کی' ان کی سزا صرف یہی نہیں ہے کہ ان پر ایک عذاب آیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد اب کچھ نہیں ہو گا' اگر ایسا ہوتا تو ان کی موت ان کے لیے ان کی عافیت اور ان کے آرام کا سبب ہوتی لیکن ایسا نہیں ہو گا' مرنے کے بعد ان سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا' پھر ان کی پچھلی زندگی کا حساب لیا جائے گا اور ان کے برے عقائد اور برے اعمال پر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ سو مکہ کے کافروں کو ان بستی والوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور آپ کی نافرمانی کا راستہ ترک کر کے آپ کی موافقت اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا

يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا

کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے' اور ان میں ہم نے کچھ

فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ

چشمے جاری کر دیئے ○ تاکہ لوگ اس کے پھلوں سے کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے اس کی پیدائش میں کوئی عمل نہیں کیا

أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ

تو وہ کیوں شکر ادا نہیں کرتے ○ پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے، جن کو زمین

الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ

اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے ○ اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے،

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي

ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو یکایک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج

لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ

اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے، یہ بہت غالب، بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے○ اور ہم نے چاند کی

مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي

منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے ○ نہ سورج چاند کو پکڑ

لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ

سکتا ہے، اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے، اور ہر ایک (سیارہ)

يَسْبَحُونَ ﴿۴۰﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۴۱﴾

اپنے مدار میں تیر رہا ہے ○ اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا○

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا

اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ○ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق

صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿۴۳﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ

کر دیں، پھر ان کا کوئی فریاد رس نہیں ہوگا اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا○ سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحم

حِیۡنٍ ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ

ہو اور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو O اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد

لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ مَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا

ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس پر غور نہیں کرتے) O اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں

کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ

سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو

اللّٰہُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ

خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس کو کھلائیں جس کو اگر اللہ کھلانا چاہتا

اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی

تو کھلا دیتا، تم تو صرف کھلی ہوئی گمراہی میں ہو O اور وہ کہتے ہیں

ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَۃً

یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ اگر تم سچے ہو تو بتا دو O وہ صرف ایک ہولناک چیخ کا

وَّاحِدَۃً تَاۡخُذُہُمۡ وَ ہُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَۃً

انتظار کر رہے ہیں جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے O پس وہ اس وقت نہ وصیت

وَّ لَاۤ اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع

کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ان میں ہم نے کچھ چشمے جاری کر دیئے O تاکہ لوگ اس کے پھلوں سے کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے اس کی پیدائش میں کوئی عمل نہیں کیا تو وہ کیوں شکر ادا نہیں کرتے O پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے' جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے O (یٰس: ۳۶-۳۳)

آیات سابقہ سے ارتباط

ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے ربط اس طرح ہے کہ یٰسٓ: ۳۲ میں حشر کی طرف اشارہ فرمایا تھا کیونکہ اس میں ارشاد فرمایا تھا: اور وہ سب ہمارے ہی سامنے پیش کیے جائیں گے O اور حشر کے دن سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جائے گا' اور زیر تفسیر آیت میں حشر کی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔

مردہ زمین سے مراد ہے خشک اور بنجر زمین' یہاں فرمایا ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا' زندہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو حیات عطا کر دی اور حیات' حس اور حرکت ارادیہ کا تقاضا کرتی ہے' اور یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے اس میں نشوونما کی قوتیں پیدا کر دیں' اور اس میں دریاؤں اور چشموں کے پانی سے تروتازہ سبزہ اور غلہ اور دانے پیدا کر دیئے' سو جس طرح ہم خشک اور بنجر زمین کو پانی سے سرسبز بنا دیتے ہیں اسی طرح ہم مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دیں گے' اور فرمایا: ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں' غلہ اور دانے' گندم' جَو' باجرہ' مکئی' چنا اور دالوں کی دیگر اجناس کو شامل ہے' جس سے لوگ روٹی پکا کر کھاتے ہیں' اللہ کا یہ بھی کرم اور اس کا فضل ہے کہ اس نے متعدد اجناس کا غلہ پیدا کیا ہے' اگر صرف ایک ہی قسم کا غلہ ہوتا اور لوگ کسی مرض کی وجہ سے اس کو نہ کھا سکتے تو بھوک سے مر جاتے' مثلاً ذیابیطس کے مریضوں کے لیے گندم نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ نشاستہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے چنا بھی پیدا کر دیا' چنے میں گندم کی بہ نسبت آدھا نشاستہ ہوتا ہے' سو جن کی شوگر بہت زیادہ ہو وہ چنے کی روٹی کھا لیتے ہیں۔

روٹی کی تعظیم اور تکریم کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے روٹی کی شکل میں ہم کو عظیم نعمت عطا فرمائی ہے' اور غلہ اور دانے کی تفسیر میں چونکہ روٹی کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ روٹی کی تعظیم اور تکریم اور روٹی کھانے کے آداب کے متعلق چند احادیث اور ان کی تشریح پیش کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روٹی کی تعظیم کرو۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۲۲' شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۸۶۹' حاکم نے لکھا ہے یہ حدیث صحیح ہے)

حضرت ابو سکینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دی ہے جس شخص نے روٹی کی تعظیم کی اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرمائے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۸۴۰' مجمع الزوائد ص ۳۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۴' حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی برکتوں سے نازل فرمایا ہے اور اس کو زمین کی برکتوں سے نکالا ہے۔

(الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۵)

حضرت عبد اللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روٹی کو آسمان کی برکتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور اس کے لیے زمین کی برکتیں مسخر کر دی ہیں اور جس نے دستر خوان پر گرنے والا روٹی کا ٹکڑا تلاش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۸۷۷' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۵' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۲۶' حافظ الہیثمی اور حافظ السیوطی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ وضو کرنے کی جگہ میں گئے وہاں انہوں نے نالی میں ایک لقمہ پایا

روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا' انہوں نے اس سے گندگی صاف کر کے اس کو اچھی طرح دھویا' پھر اپنے غلام کو وہ روٹی کا ٹکڑا دے دیا' اور فرمایا جب میں وضو کروں تو مجھے یہ لقمہ یاد دلانا' جب آپ نے وضو کیا تو اس غلام سے فرمایا لاؤ مجھے وہ روٹی کا ٹکڑا دے دو' اس غلام نے کہا اے میرے آقا! میں نے تو اس ٹکڑے کو کھا لیا ہے' آپ نے فرمایا جاؤ تم اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہو' اس غلام نے پوچھا اے میرے آقا! آپ نے کس سبب سے مجھے آزاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیونکہ میں نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی خراب جگہ سے کوئی لقمہ یا روٹی کا ٹکڑا اٹھایا اور اس سے گندگی کو دور کیا اور اس کو اچھی طرح صاف کر لیا پھر اس کو کھا لیا تو اس کے پیٹ میں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا' پھر حضرت حسن نے کہا اور میں کسی جنتی شخص سے خدمت لینا نہیں چاہتا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۵۰' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۴)

علامہ شمس الدین محمد عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے' اس کی سند میں ایک راوی غیاث بن ابراہیم ہے اور وہ وضاع ہے' عبد الملک بن عبد الرحمان شافعی نے اس کی متابعت کی ہے اور وہ کذاب ہے' علامہ مناوی نے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حافظ عراقی نے کہا کہ یہ حدیث شدید ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔

(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۳۰۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث لفظاً شدید ضعیف ہو لیکن یہ حدیث معنیً ثابت ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی تائید موجود ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے اور اس کا لقمہ گر جائے تو لقمہ پر جس چیز کے لگنے کی وجہ سے اس کو شک ہے اس کو گرا دے پھر اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۳۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۲۵۳' المستدرک ج ۳ ص ۱۱۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیوں کو تین مرتبہ چاٹ لے' اور آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو وہ اس سے گندگی کو صاف کر دے اور اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور آپ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم برتن کو صاف کر لیا کریں اور آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کون سے طعام میں برکت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۹۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۰۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۴۵' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۱۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۷۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳)

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اوپر کوئی نامناسب چیز نہ رکھی جائے' سفیان ثوری اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں کہ روٹی پیالہ کے نیچے رکھی جائے۔ (سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۳۶' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء)

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ آٹا چھانے بغیر روٹی پکائی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے' جب سے اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے آپ نے چھلنی نہیں دیکھی اور نہ کبھی آپ نے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۷۱‘ رقم الحدیث: ۲۴۴۷۶‘ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۳ھ)

احادیث مذکورہ کی تشریح

علامہ محمد عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

روٹی کی تکریم کا محمل یہ ہے کہ روٹی کی تمام انواع اور اقسام کی قدر کی جائے‘ کیونکہ انسان کو جس غلہ کی روٹی بھی جب میسر ہو وہ اس کو کھالے اور کسی اور جنس کی روٹی کی طلب اور جستجو نہ کرے‘ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر راضی ہے‘ اور لذت اور ذائقہ کے حصول کی کوشش نہیں کرتا‘ غالب القطان نے یہ کہا ہے کہ روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ روٹی ملنے کے بعد سالن کا انتظار نہ کرے‘ تاہم اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر روٹی سالن کے ساتھ کھائی تو وہ صحت کے لیے زیادہ مفید ہے‘ بعض متقدمین نے روٹی کے اوپر گوشت یا بوٹی رکھنے سے بھی منع کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پھل کو روٹی پر رکھا اور یہ فرمایا یہ اس کا سالن ہے۔

روٹی کی تکریم میں سے یہ بھی ہے کہ اس کو کسی گندی‘ ناپاک یا بے وقعت جگہ پر نہ ڈالا جائے یا روٹی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے‘ امام غزالی نے ذکر کیا ہے کہ ایک عابد کے دوست کے پاس چند روٹیاں لائی گئیں‘ وہ ان کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا کہ ان میں جو سب سے اچھی روٹی ہو اس کو نکال کر کھائے‘ عابد نے اس سے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ جس روٹی سے تم نے اعراض کیا ہے اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور اس روٹی کو وجود میں لانے میں کتنی چیزوں کے عمل کا دخل ہے‘ اس روٹی کے حصول کے لیے اللہ نے بادلوں سے پانی اتارا‘ زمین کو سیراب کیا‘ زمین میں بیج ڈالا گیا‘ پھر اس سے غلہ پیدا ہوا‘ اور زمین میں معدنیات رکھے گئے‘ ان سے لوہا نکالا گیا‘ پھر اس لوہے سے مشینیں بنائی گئیں‘ ان مشینوں میں اس غلہ کو پیسا گیا‘ اور درختوں‘ کوئلوں‘ تیل اور قدرتی گیس سے ایندھن تیار کیا گیا‘ پھر اس آٹے کی روٹی پکائی گئی تو سوچو کہ اس ایک روٹی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتنی چیزیں پیدا کیں‘ یہ زمین‘ آسمان‘ ہوائیں‘ سورج کی حرارت‘ چاند کی کرنیں‘ دریاؤں کا پانی سب اس روٹی کو تم تک پہنچانے کے لیے اپنا اپنا رول ادا کر رہے ہیں‘ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا. اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

(النحل: ۱۸)

امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے دسترخوان پر گرے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو کھالیا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۱۶)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ یا شفاعت یا اللہ کے فضل محض سے معاف ہوتے ہیں۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۳۹۹‘ مع التوضیح‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ‘ ۱۴۱۸ھ)

گندم کی روٹی کا عظیم نعمت ہونا

یوں تو ہر قسم کے اناج کی روٹی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن گندم کی روٹی میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے‘ اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی عیادت کی آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا کھانے کو دل چاہتا ہے؟ اس نے کہا گندم کی روٹی‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس گندم کی روٹی

ہو وہ اپنے بھائی کے پاس بھیج دے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا بیمار کسی چیز کو کھانے کی خواہش کرے تو اس کو وہ چیز کھلا دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۱۔۱۴۴۰' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ مریض کے لیے وہ چیز نقصان دہ نہ ہو' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ام المنذر بن قیس الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت علی بیماری سے کمزور تھے اور ہماری ادھ پکی اور ترش کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کھجوروں سے کھا رہے تھے' حضرت علی نے بھی ان کھجوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے علی! ٹھہرو' تم کمزور ہو' حضرت ام المنذر کہتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چقندر اور جَو کا کھانا تیار کیا تھا' آپ نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی! تم اس سے کھاؤ یہ تمہارے لیے نفع بخش ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷' المستدرک ج ۴ ص ۴۰۷' مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۴۔۳۶۳)

امام مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یہ فرماتے تھے: اے بنی اسرائیل تم تازہ پانی اور خشکی کی سبزیاں اور جَو کی روٹی کھایا کرو اور تم گندم کی روٹی سے اجتناب کرو کیونکہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث ۱۷۷۹)

گندم بہترین اناج ہے' نصف دنیا کی بنیادی غذا ہے' اس کا مزاج گرم درجہ اول اور مائل بہ اعتدال ہے' گندم خون اور گوشت پیدا کرتا ہے' ہڈیاں بناتا ہے' قبض کو دور کرتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے' اس میں ۹۰۔۶۰ فی صد نشاستہ ہوتا ہے (اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مضر ہے) اس کے غذائی اور کیمیاوی اجزاء کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سو گرام آٹا جس سے میدہ اور سوجی وغیرہ نہ نکالی گئی ہو' اس میں ۳۱۸ حرارے' ۲. ۱۳ گرام پروٹین' ۲ گرام چکنائی' ۹.۶ گرام ریشہ' ۳۵ ملی گرام کیلشیم' ۴ ملی گرام فولاد' ۳ ملی گرام جست' ۳۴۰ ملی گرام فاسفورس' ۴۶. وٹامن ب ۸. ملی گرام وٹامن ب ۲' ۵۰. ملی گرام ب ۶' ۱ ملی گرام وٹامن ای ہوتا ہے۔

دماغ کی طاقت کے لیے فاسفورس اور گلوکوز بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور سب سے زیادہ فاسفورس اور گلوکوز گندم سے حاصل ہوتا ہے اس لیے دماغ کی توانائی کے لیے گندم سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ سب چیزوں سے زیادہ ارزاں اور سہل الحصول ہے' سو گندم کی روٹی کھانا سب سے عظیم نعمت ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہو' اور گندم کے یہ فوائد اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب اس سے بھوسی نہ نکالی جائے' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھانے آٹے کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ یٰسٓ: ۳۵' ۳۴ میں کھجور اور انگور کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے پیدا کرنے سے وجود باری پر استدلال فرمایا ہے' ہم الانعام: ۹۹ میں کھجور اور انگور کے خواص ان کے غذائی اور کیمیائی فوائد کے متعلق تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں اور یہ بھی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ان چیزوں کے پیدا کرنے میں وجود باری پر کس طرح کے دلائل ہیں' اس کے لیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۱۱۔۶۰۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

لفظ سبحان اور تسبیح کا معنی

اس کے بعد فرمایا سبحان (پاک) ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے' جن کو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں سے اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے O (یٰسٓ: ۳۶)

لفظ سبحان اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کے لیے علم ہے' اور تسبیح کا معنی ہے اپنے اعتقاد اور قول کے ذریعہ کسی چیز کو عیب سے دور کرنا' اور اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں اور اس کی قدرت کے عجیب و غریب آثار دیکھ کر اس کی عظمت و کبریائی پر حیران ہونا' اور اس کی جلالت کا اعتراف کرنا اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا' عبادت کو صرف اسی کے ساتھ مخصوص قرار دینا اور اس پر تعجب کرنا کہ کفار دن رات اس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اس کے باوجود اس کی الوہیت اور توحید کا انکار کرتے ہیں یا اس کی عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں' اور اس آیت میں تسبیح کا معنی یہ ہے کہ میں اس ذات کی شرک کے عیب سے برأت بیان کرتا ہوں جس نے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کیے' میں دل میں بھی اس بات کو مانتا ہوں کہ وہ واحد ہے اور شریک کا محتاج ہونے کے عیب سے پاک ہے اور زبان سے بھی اس کی برأت کو بیان کرتا ہوں' وہ ہر اس چیز سے بری اور منزّہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' اور کفار اور مشرکین جن چیزوں سے اس کا موصوف ہونا بیان کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بری ہے' یہ تسبیح اعتقاد سے بھی ہے زبان سے بھی ہے اور عمل سے بھی' بایں طور کہ انسان اپنا سر صرف اللہ تعالیٰ کے آگے خم کرے اور صرف اسی کی اطاعت کرے۔

زمین کی روئیدگی سے وجود باری اور اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے' یعنی اس نے زمین سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کیے اور ان کے نفسوں سے مرد اور عورت پیدا کیے اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ ان جوڑوں کی خصوصیات کو نہیں جانتے' ان کو نہیں معلوم کہ ان میں کیا دینی اور دنیاوی مصلحتیں ہیں' ان کے کیا خواص ہیں' ان کے کیا فوائد اور نقصانات ہیں' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ انسان ان کی تفصیلات کو نہیں جانتے اور فرشتے ان کی تفصیلات کو جانتے ہیں' اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کی تفصیلات کو نہیں جانتا۔

اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جو ثواب عطا فرمائے گا اس کی کنہ اور حقیقت کو کوئی نہیں جانتا اسی طرح اہل دوزخ کو جس عذاب میں مبتلا کرے گا اس کی کیفیت کا بھی کسی کو ادراک نہیں ہے' اور اس سے روح کا بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت کو بھی کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' جن چیزوں کو زمین اگاتی ہے اور جو چیزیں ان کے نفسوں میں ہیں اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے' جن چیزوں کو زمین اگاتی ہے اس میں تمام نباتات اور معدنیات داخل ہیں اور حیوانات بھی داخل ہیں کیونکہ حیوانات کا وجود بھی زمین اور اس کے اجزاء سے حاصل ہوتا ہے' اور جو چیزیں ان کے نفسوں میں ہیں اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو انسان کے مشاعر اور ان کے نفسوں میں ہیں' اور جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے اس سے مراد اللہ کی وہ مخلوق ہے جو انسان کے علم اور اس کے ادراک سے باہر ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ تین قسم کی مخلوقات ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا خالق ہر قسم کے نقص اور عیب سے بری ہے' اور اس میں یہ بھی اشارہ بھی ہے کہ بعض مخلوقات کو تم جانتے ہو اور بعض کو تم نہیں جانتے سو تم اللہ کا شریک نہ ان کو قرار دو جن کو تم جانتے ہو اور نہ اللہ کا شریک ان کو قرار دو جن کو تم نہیں جانتے' کیونکہ مخلوق بہر حال مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہو سکتی۔

اس آیت میں زمین کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کے ساتھ زمین میں روئیدگی کا نظام ودیعت فرمایا ہے اس نے زمین میں ایسے مادے رکھے جو نباتات کی نشوونما کی صلاحیت رکھتے تھے اور اس کی تہہ کو اس قابل بنایا کہ کونپلوں اور پودوں کی جڑیں اس میں نفوذ کر سکیں اور اپنی نباتاتی غذا کو اس سے جذب کر سکیں' اور بارشوں' دریاؤں اور نہروں کے پانی سے

اس کی آب یاری کا نظام بنایا تا کہ نباتات کو ان کی غذا فراہم ہو سکے' زمین کے اوپر فضا میں ہوا کو پیدا کیا جس سے پودوں کو آکسیجن حاصل ہوتی ہے' سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچائیں جن کی حرارت سے غلہ اور پھل پکتے ہیں اور چاند کی کرنیں مہیا کریں جن سے غلہ اور پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے نباتات کی روئیدگی کا جو یہ نظام بنایا ہے جب انسان اس پر غور کرے گا تو اس کو یہ کہنا پڑے گا کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے' اگر محض بخت و اتفاق سے کھیت لہلہا رہے ہوتے اور باغوں میں پھل لگ رہے ہوتے اور پھول مہک رہے ہوتے تو ان میں یہ ضبط اور تسلسل نہ ہوتا' کیونکہ جو چیز اتفاق سے ہو وہ کبھی کبھی ہوتی ہے اس میں دوام اور تسلسل نہیں ہوتا' نیز اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ زمین کی پیداوار کا نظام خود بہ خود نہیں بن گیا ہے کیونکہ اس نظام میں اس قدر باریکیاں' مصلحتیں اور حکمتیں ہیں کہ بغیر کسی عظیم مدبر کے اس کے وجود کو فرض نہیں کیا جا سکتا' اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ چند ہستیاں اس نظام کی خالق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث اور فانی ہے اور جس چیز کو خود کسی بنانے والے کی احتیاج ہو وہ کسی دوسرے کو وجود میں لانے کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے' ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو یکا یک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں O اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے O نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے O (یٰسٓ: ۳۷۔۴۰)

سلخ کا بیان

اس آیت میں نسلخ کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہم کھینچ لیتے ہیں یا اتار لیتے ہیں' سلخ کا معنی ہے حیوان کی کھال اتارنا' بہ طور استعارہ زرہ اتارنے کے لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے' اس کا معنی گذر جانا بھی ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ. (التوبہ: ۵) — جب حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ. (یٰسٓ: ۳۷) — ہم رات سے دن کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔

سانپ کے کینچلی سے باہر آنے کو بھی انسلاخ کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۱۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ظلمت کا اصل اور نور کا عارض ہونا

آیت کا معنی علامت' نشانی اور دلیل ہے' اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی قدرت اور اس کی الوہیت کے وجوب پر رات میں دلیل ہے' فرمایا ہم دن کی روشنی کو رات سے کھینچ لیتے ہیں ہوا اور فضا میں جو سورج کی شعاعیں ہوتی ہیں جب ان کو کھینچ لیا جاتا ہے تو پھر رات کی سیاہی اور اس کا اندھیرا باقی رہ جاتا ہے جس طرح حیوان کے جسم سے کھال اتار لی جائے تو پھر اس کا اندرونی جسم باقی رہ جاتا ہے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اصل ظلمت ہے اور نور عارض ہے' جو سورج کی شعاعوں کی صورت میں ہوا میں متداخل ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نور کے ان باریک ذرات کو فضاء سے کھینچ کر نکال لیتا ہے تو پھر رات باقی رہ جاتی ہے۔ اور ظلمت کے اصل ہونے اور نور کے عارض ہونے پر یہ حدیث دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس دن ان پر اپنا نور ڈالا' پھر جس نے اس نور کو پالیا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جو اس نور کو نہ پا سکا وہ گم راہی پر برقرار رہا' اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے موافق لکھ کر خشک ہو چکا

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۶، رقم الحدیث: ۶۶۵۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ، المستدرک ج ۱ ص ۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۸۱۲، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۰۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۴۱۳، ۵۸۲)

زمان اور مکان کے دلائل کی باہمی مناسبت

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے زمین کے احوال سے اپنے وجود، اپنی قدرت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں رات کے وجود سے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے، اور ان دلیلوں میں مناسبت یہ ہے کہ زمین مکان ہے اور رات زمان ہے، اور زمان اور مکان باہم متناسب ہیں، ہر مخلوق زمان اور مکان میں ہے اور جوہر ہو یا عرض کوئی چیز زمان اور مکان کی قید سے باہر نہیں ہے، اور انسان کا زیادہ تعلق مکان سے ہوتا ہے اور وہ اسی سے زیادہ متعارف اور واقف ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، قدرت اور توحید پر پہلے زمین کے احوال سے استدلال فرمایا اور پھر اس نے رات کے احوال سے اپنے وجود اور قدرت پر استدلال فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب مقصود زمان سے استدلال کرنا ہے تو زمانہ تو دن اور رات دونوں کو شامل ہے تو پھر رات کو دن پر کیوں اختیار فرمایا اور فرمایا ''اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے'' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عموماً رات میں شور و شغب نہیں ہوتا اور رات میں لوگ پرسکون ہوتے ہیں اور سو جاتے ہیں اور نیند موت کی مثل ہے، اور رات کے بعد سورج طلوع ہوتا ہے اور لوگ بیدار ہو کر پھر زندگی کی دوڑ دھوپ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سورج کا طلوع ہونا ایسا ہے جیسے قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور چونکہ یہاں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کرنا مقصود تھا اس لیے رات سے استدلال فرمایا تاکہ رات سے نیند کی طرف اور نیند سے موت کی طرف ذہن منتقل ہو اور رات کے بعد پھر دن آتا ہے اور نیند کے بعد بیداری آتی ہے تو اس سے موت کے بعد پھر حیات کی طرف ذہن منتقل ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اصل استدلال رات سے ہی ہے تو پھر دن کا ذکر کیوں فرمایا اور یہ کہا: اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور ہر چیز کے منافع اور محاسن اس کی ضد سے ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رات سے استدلال کرتے ہوئے دن کا بھی ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر آیات میں بھی رات اور دن سے استدلال فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ (حٰمٓ السجدہ: ۳۷) اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں۔

دن اور رات کے توارد میں وجود باری، اس کی توحید اور حشر اجساد پر دلائل

اس سے پہلی آیت میں زمین کی روئیدگی اور اس کی پیداوار سے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، اپنی قدرت، اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا کیونکہ زمین کے احوال ہر شخص کو معلوم ہیں اور اس کی پیداوار کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے سو یہ بتایا کہ یہ غلہ اور پھل، یہ سبزہ اور یہ تناور درخت یونہی خود بہ خود نہیں کھڑے ہو گئے ان کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور وہ ایک ہی ہے، اور زمین کا بار بار مردہ اور بے آب و گیاہ ہونا اور پھر سبزہ اور پھلوں سے لد کر زندہ ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت کے بعد مردہ انسانوں کو بھی زندہ فرما دے گا۔

پھر انسان جس طرح زمین کی روئیدگی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اسی طرح انسان دن اور رات کے توارد کا بھی مطالعہ کرتا رہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ رات کے بعد دن آ جاتا ہے اور دن کے بعد رات آ جاتی ہے اور یہ گردش لیل و نہار، سورج کے طلوع

اور غروب پر موقوف ہے' جو ایک مقرر اور لگے بندھے معمول اور نظام کے مطابق طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے' یہ سب کچھ اتفاق سے تو نہیں ہو رہا ورنہ اس میں باقاعدگی اور تسلسل نہ ہوتا' اور نہ یہ خود بہ خود ہو رہا ہے' کیونکہ جو چیزیں ظاہری اسباب کے بغیر خود بہ خود ہو جاتی ہے وہ خود بہ خود ختم بھی ہو جاتی ہیں جیسے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں' جنگلوں میں قدرتی گھاس اور پودے خود بہ خود پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں' پھر یہ نظام اس قدر عظیم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے کہ انسان کی عقل مبہوت ہو جاتی ہے' سورج اور زمین کے درمیان حکیمانہ فاصلہ رکھا گیا ہے' سورج اگر اس فاصلہ سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا تو انسان سردی سے منجمد ہو جاتے اور اگر اس سے کم فاصلہ پر ہوتا تو شدت حرارت اور تمازت سے انسان جھلس جاتے اور مر جاتے' سو یہ فاصلہ وہی مقرر کر سکتا ہے جس کو یہ علم ہو کہ انسان کتنی سردی اور گرمی برداشت کر سکتا ہے' اسی طرح اگر سورج زمین سے زیادہ فاصلہ پر ہوتا تو زمین پر غلہ اور پھل پک نہیں سکتا تھا' اور اگر کم فاصلہ پر ہوتا تو تمام کھیت اور باغات جل کر راکھ ہو جاتے' غرض سورج کو اس مخصوص فاصلہ پر وہی رکھ سکتا ہے جو نہ صرف انسانوں اور دیگر جانداروں کی موسمی قوت برداشت کا علم رکھتا ہو بلکہ وہ تمام نباتات کی موسمی برداشت کا جاننے والا ہو' اور تمام انسانوں' حیوانوں اور درختوں اور سبزہ زاروں کے مزاجوں کو جاننے والا وہی ہو سکتا ہے جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہو' اور جب انسان سورج کے طلوع اور غروب اور رات اور دن کے توارد میں غور کرے گا تو وہ یہ بھی جان لے گا بلکہ یقین کر لے گا کہ اس نظام کا ناظم بھی واحد ہے' کیونکہ اگر نظام بنانے والے متعدد ہوتے تو نظم بھی متعدد ہوتے اور جب نظم واحد ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے' نیز ہم نے اس سے پہلے یہ بتایا ہے کہ رات موت کے مشابہ ہے اور دن حیات کے مشابہ ہے اور رات کے بعد دن کو وجود میں لانا اس پر دلیل ہے کہ جس طرح وہ رات کے بعد دن لے آتا ہے اسی طرح وہ موت کے بعد حیات لانے پر بھی قادر ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم!

سورج کے مستقر (منازل) کے متعدد محامل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے یہ بہت غالب بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O (یٰسٓ: ۳۸)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ سورج اپنے مستقر (مقرر شدہ منزل) تک چلتا رہتا ہے' اس آیت میں مستقر کی حسب ذیل تفسیریں کی گئیں ہیں:

(۱) اس مستقر سے مراد ظرف زمان ہے اور وہ قیامت تک کا وقت ہے' یعنی قیامت آنے تک سورج مسلسل چلتا رہے گا' اور قیامت آنے کے بعد سورج کی حرکت منقطع ہو جائے گی۔

(۲) کسی ایک خطہ زمین میں رات آنے تک سورج چلتا رہتا ہے اور جب رات آ جاتی ہے تو وہ اس خطہ زمین میں غروب ہو چکا ہوتا ہے اور کسی خطہ زمین میں اس کی حرکت شروع ہو جاتی ہے اور یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں سورج کی حرکت قیامت تک منقطع نہیں ہوگی۔

(۳) سورج ایک سال تک اپنے مستقر پر سفر کرتا رہتا ہے' اور دوسرے سال اس کا پھر نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

(۴) اس مستقر سے مراد ظرف زمان نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد ظرف مکان ہے اور اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) گرمیوں میں سورج انتہائی بلندی پر ہوتا ہے اور سردیوں میں اس کی بہ نسبت پستی پر ہوتا ہے' پس سورج گرمیوں کے موسم میں موسم گرما کے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے اور سردیوں کے موسم میں موسم سرما کے مستقر تک سفر کرتا رہتا ہے۔

(ب) سورج کے طلوع کی جگہ ہر روز الگ ہوتی ہے اور وہ سال کے چھ ماہ تک ہر روز درجہ بہ درجہ نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور چھ ماہ بعد پھر ہر روز پرانے مطالع کی طرف درجہ بہ درجہ سفر شروع کر دیتا ہے۔

(ج) سورج اپنے محور میں گردش کر رہا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے انتہائی حکمت اور بندوں کی مصلحت کے ساتھ اس کی گردش کا دورانیہ مقرر کیا ہے۔

(د) سال کے پہلے چھ ماہ تک سورج ہر روز کسی چیز کی سمت سے گزرتا ہے' اور اگر وہ ہر روز ایک ہی چیز کی سمت سے گزرتا تو ایک ہی جگہ مسلسل حرارت اور تمازت جذب کرنے کی وجہ سے جل جاتی اور اس زمین کے باطن میں جو رطوبتیں ہیں وہ خشک ہو جاتیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ کے لیے سورج کے الگ الگ طلوع کی جگہ مقرر کی تاکہ زمین کے باطن میں رطوبتیں جمع ہوتی رہیں اور سبزہ اور درخت برقرار رہیں پھر بہ تدریج سورج کی سمت کو ہر روز زمین کے قریب کرتا رہا تاکہ کھیتوں میں غلہ اور باغوں میں پھل پک سکیں' پھر سورج کو اس سمت سے بہ تدریج دور کرتا رہا تاکہ زمین کی پیداوار اور نباتات جل نہ جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے حد غالب اور بہت علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔

(ہ) اللہ تعالیٰ نے ہر روز سورج کے لیے ایک طلوع اور ایک غروب رکھا تاکہ دن بھی ہو اور رات بھی ہو' کیونکہ اگر مسلسل دن ہوتا اور لوگ ہمیشہ بیدار رہتے تو ان کے اعصاب تھک جاتے اور وہ مضمحل ہو جاتے' اور اگر مسلسل رات رہتی اور مستقل اندھیرا رہتا تو کاروبار حیات معطل ہو جاتا اور سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا یہ تورادبہت غالب اور بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۷-۲۷۶ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

غروب کے وقت سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنا پھر اللہ سے اجازت لے کر طلوع ہونا

سورج اپنے مستقر (اپنی مقرر شدہ منزل) تک چلتا رہتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے' آپ نے فرمایا کہ سورج چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے' پھر اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' پس وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے' اور پھر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے' پھر اسی حالت میں اس وقت تک رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' سو وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے یہ معمول یونہی جاری رہے گا اور لوگ اس میں کچھ فرق نہیں محسوس کریں گے' یہاں تک کہ ایک دن جب سورج عرش کے نیچے سجدہ کرے گا تو اس سے کہا جائے گا بلند ہو اور اپنے مغرب سے طلوع ہو' پھر صبح کو سورج مغرب سے طلوع ہوگا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جس دن کسی ایسے شخص کا ایمان قبول نہیں ہوگا جو اس سے پہلے مسلمان نہ ہو چکا ہو یا جس نے اس سے پہلے ایمان لا کر کوئی نیکی نہ کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۰۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۶' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

حدیث مذکور کی تشریح شارحین حدیث سے

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے اور وہ عرش کے نیچے سجدہ میں گر جائے گا' اس کی تفسیر

میں مفسرین کا اختلاف ہے' ایک جماعت کا قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے۔

الواحدی نے کہا اس قول کی بناء پر سورج ہر روز عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور مشرق سے طلوع ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔

قتادہ اور مقاتل نے کہا وہ اپنے مقرر وقت اور میعاد مقرر تک چلتا رہے گا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا۔

زجاج نے کہا اس کے چلنے کی انتہا اس وقت ہوگی جب دنیا ختم ہو جائے گی۔

الکلبی نے کہا سورج اپنی منازل میں چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ اپنے مستقر کے آخر تک پہنچ جاتا ہے اور اس سے تجاوز نہیں کرتا' اور پھر اپنی اول منازل کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اور رہا سورج کا سجدہ کرنا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمیز اور ادراک کو پیدا کر دیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ص ۹۰۹۔۹۰۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں لیکن کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے یہ عقدہ حل ہو سکے کہ سورج تو کبھی غروب نہیں ہوتا اور ایک افق سے غائب ہونا اس کا بعینہ دوسرے افق پر طلوع ہونا ہے اور سورج مسلسل حرکت کر رہا ہے اور اس کی حرکت کبھی منقطع نہیں ہوتی اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی حرکت منقطع ہو جاتی ہے' اور وہ عرش کے نیچے سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو دوبارہ طلوع کا حکم دیا جاتا ہے' حافظ بدر الدین عینی نے بھی اس حدیث کی شرح میں اس اشکال اور اس کے حل کا ذکر نہیں کیا البتہ ان دونوں بزرگوں نے اس اشکال کا ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ. (الکہف: ۸۶) اور اس نے سورج کو دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ سورج دلدل کے چشمہ میں غروب ہو رہا تھا اور اس حدیث میں سورج کے غروب ہونے کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر وہیں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو دوبارہ پھر پہلی جگہ سے طلوع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے' اور ان دونوں شارحین نے اس تعارض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں جو سورج کے غروب ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقۃً غروب ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد آنکھوں سے اوجھل ہونا ہے اور منتہائے بصر مراد ہے۔

(فتح الباری ج ۹ص ۵۰۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ' عمدۃ القاری ج ۱۹ص ۱۹۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور پر یہ اشکال کہ یہ ہمارے مشاہدے اور قرآن وحدیث ...... کی دیگر نصوص کے خلاف ہے

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' علامہ الحسین بن مسعود بغوی ۵۱۶ھ' علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ' علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ' علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ' سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ' پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ' شیخ امین احسن اصلاحی اور دیگر متعدد مفسرین نے یٰسٓ: ۳۸' کی تفسیر میں صحیح مسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ سورج ہر روز غروب کے وقت عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا' سو وہ لوٹ کر اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے' یہ معمول یونہی جاری رہے گا حتیٰ کہ ایک دن اس سے کہا جائے گا کہ بلند ہو اور

اپنے مغرب سے طلوع ہو' الحدیث' اور تقریباً سب مفسرین نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا ہے' اور اس حدیث پر اشکال وارد ہوتا ہے' اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی' اور اس حدیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مشاہدہ یہ ہے کہ سورج مسلسل حرکت کرتا رہتا ہے اور اس کا دورانیہ ۳۶۰ مشرق اور مغرب ہیں' وہ ہر روز ایک مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کا ایک افق میں غروب ہونا بعینہ دوسرے افق میں طلوع ہونا ہے' اور اسی سے تمام دنیا میں دن اور رات کا تواتر اور تسلسل قائم ہے' اگر سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور تا حکم ثانی اسی طرح سجدہ میں پڑا رہتا ہے تو پھر گردش لیل ونہار میں تعطل ہو جائے گا اور یہ چیز نہ صرف مشاہدہ کے خلاف ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی دیگر تصریحات کے بھی خلاف ہے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے تسلسل کے ساتھ دن اور رات ایک دوسرے کے بعد پیہم اور لگاتار آ رہے ہیں' میرے مطالعہ کے مطابق صرف علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش کی ہے' دیگر مفسرین نے اس اشکال کا ذکر کیا اور نہ اس کے حل کی کوئی کوشش کی' پہلے ہم علامہ آلوسی کے جواب کا ذکر کریں گے پھر اس جواب پر اپنا تبصرہ کریں گے' پھر اس کے بعد ہم ان جوابات کا ذکر کریں گے' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر القاء کیا ہے' فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

عرش کے نیچے سورج کے سجدہ کرنے اور وہیں پڑے رہنے .... پر اشکال کا جواب علامہ آلوسی کی طرف سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے' البتہ سورج کے ہر رات سجدہ کرنے اور بغیر طلوع کے عرش کے نیچے پڑے رہنے میں اشکال ہے' کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورج ایک قوم کے پاس غروب ہوتا ہے اور دوسری قوم کے پاس طلوع ہوتا ہے' اور ایک قوم کے ہاں رات طویل ہوتی ہے اور دوسری قوم کے ہاں رات قصیر ہوتی ہے اور دن اور رات میں طول اور قصر کا اختلاف خط استواء کے پاس ظاہر ہوتا ہے' اور بلغار کے شہروں میں شفق کے غائب ہوتے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے' اور اس پر دلائل قائم ہیں کہ غروب کے وقت سورج ساکن نہیں ہوتا' ورنہ وہ طلوع کے وقت بھی ساکن ہوگا' کیونکہ اس کا ایک افق میں غروب بعینہ دوسرے افق میں طلوع ہونا ہے' نیز سورج اپنے محور پر قائم رہتا ہے اور اس سے بالکل جدا نہیں ہوتا' پس کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک آسمان سے گزر کر دوسرے آسمان تک پہنچ جائے حتیٰ کہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے اس پر کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علماء سے یہ سوال کیا کہ یہ احادیث صحیحہ مشاہدہ اور بداہت عقل کے خلاف ہیں' لیکن ان میں سے کوئی بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکا' پھر علامہ آلوسی نے خود اس اشکال کا جواب دیا ہے اس کی تقریر یہ ہے:

جس طرح انسان کے لیے نفس ناطقہ ہے' اسی طرح افلاک اور کواکب کے لیے بھی نفوس ناطقہ ہیں' اور جب نفوس ناطقہ قوت قدسیہ کے حامل ہوں تو بعض اوقات وہ اپنے ابدان معروفہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے ابدان کی صورتوں میں متمثل ہو جاتے ہیں جیسے حضرت جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہو جاتے تھے یا اعرابی کی صورت میں متمثل ہو جاتے تھے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مذکور ہے' اس کے باوجود ان کا اپنے اصل ابدان کے ساتھ تعلق بھی برقرار رہتا ہے اور ان سے افعال بھی صادر ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ بعض اولیاء کرام سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ قوت قدسیہ کے حامل تھے ایک جگہ وہ اپنے اصلی بدن میں دکھائی دیتے تھے اور دوسری جگہ

مثالی بدن میں دکھائی دیتے تھے۔

اور یہ چیز صوفیاء کرام کے نزدیک ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا عناد اور ہٹ دھرمی ہے' جو صرف جاہل اور معاند ہی کر سکتا ہے' حیرت ہے کہ علامہ تفتازانی نے بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص اس کا اعتقاد رکھے کہ لوگوں نے ابراہیم بن ادھم کو آٹھ ذی الحجہ کو بصرہ میں دیکھا اور اسی دن ان کو مکہ میں دیکھا وہ کافر ہے (علامہ زین الدین ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اس قول کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔ البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴ طبع مصر) اس تکفیر کی یہ وجہ ہے کہ ان فقہاء کا یہ گمان ہے کہ ایک شخص کا ایک وقت میں متعدد جگہ ہونا ان بڑے معجزات کی جنس سے ہے جو ولی کے لیے بہ طور کرامت ثابت نہیں ہیں اور تم کو معلوم ہو گا کہ ہمارے نزدیک جو چیز نبی کے لیے بہ طور معجزہ ثابت ہو وہ مطلقاً ولی کے لیے بہ طریق کرامت ثابت ہے۔

اور متعدد علماء نے ثابت کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد کئی مرتبہ اجسام مثالیہ سے ظاہر ہوئے' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت ہوئی حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے اور اس پر مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے (دیکھئے الاحزاب: ۴۰' روح المعانی ج ۱۲ ص ۵۲) اور یہ صحیح ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے ان کو اسی وقت چھٹے آسمان پر بھی دیکھا اور نمازوں کی تخفیف کے متعلق آپ کی ان سے طویل گفتگو ہوئی' اور یہ کسی نے نہیں کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس جسم کے ساتھ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اسی جسم کے ساتھ چھٹے آسمان پر تھے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کے علاوہ اور بھی متعدد انبیاء علیہم السلام کو شب معراج دیکھا' حالانکہ وہ اس وقت اپنی قبروں میں بھی موجود تھے۔

پس اس قیاس پر کہا جا سکتا ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی طرح سورج کا بھی نفس ہے اور سورج کا وہ نفس اپنے اس معروف جسم کو اپنے حال پر چھوڑ کر عرش کی طرف چڑھتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کر کے وہاں پڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے اور سورج کے اس نفس کا اس کے معروف جسم کے ساتھ اس حال میں بھی تعلق قائم رہتا ہے' اور سورج کے نفس کا عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرنا اس کے خلاف نہیں ہے کہ وہ اسی وقت بغیر کسی وقفہ اور انقطاع کے دوسری جگہ طلوع ہو رہا ہے' کیونکہ طلوع اور غروب سورج کا جسم کر رہا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ اس کا نفس کر رہا ہے' اور اسی قیاس پر یہ کہا جائے گا کہ کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جاتا ہے اس کا بھی یہ معنی ہے کہ کعبہ کا جسم تو مسجد حرام میں برقرار رہتا ہے اور کعبہ کی حقیقت اور اس کا نفس اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے چلا جاتا ہے اور میں نے سورج کے سجدہ کرنے کے لیے عرش کے نیچے جانے اور مشاہدہ کے اس کے برخلاف ہونے میں کسی کی توجیہ اور تطبیق نہیں دیکھی۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۲-۱۹ ملخصاً وموضحاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کے جواب پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک وقت میں متعدد جگہوں پر جلوہ گر ہونا احادیث سے ثابت ہے لیکن اس بناء پر یہ کہنا کہ سورج کا بھی ایک نفس ہے اور ایک جسم ہے اور اس کا نفس عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اس کا جسم مسلسل طلوع اور غروب کرتا رہتا ہے محض ایک مفروضہ اور تک بندی ہے' اس کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ہے' خواہ وہ سند ضعیف سے ثابت ہو۔

نیز اس حدیث پر صرف یہ اشکال نہیں ہے کہ غروب کے وقت سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لیے جانا اور وہاں پڑے رہنا سورج کی حرکت کے تسلسل کے خلاف ہے بلکہ اشکال یہ ہے کہ سورج تو ہر وقت کسی نہ کسی جگہ دائماً غروب ہو رہا ہے تو پھر سورج کو تو مستقلاً عرش کے نیچے ہی رہنا چاہیے خواہ سورج کا جسم عرش کے نیچے رہے یا سورج کا نفس عرش کے نیچے رہے۔

ہم نے بھی شرح صحیح مسلم میں اس اشکال کا حل پیش کیا ہے اب ہم اس کو پیش کر رہے ہیں۔

سورج کے سجدہ کرنے اور سجدہ میں پڑے رہنے کی مصنف کی طرف سے توجیہ

سورج کے سجدہ کرنے کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں' ان سب میں یہ مذکور ہے کہ غروب کے وقت سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر اسی حالت میں پڑا رہتا ہے' حتیٰ کہ اجازت لینے کے بعد پھر واپس لوٹتا ہے اور بلند ہو کر صبح کے وقت طلوع ہوتا ہے' جب کہ مشاہدہ اور عقل صریح اس کے سراسر خلاف ہے کیونکہ سورج نہ کسی جگہ ٹھہرتا ہے نہ الٹے پاؤں واپس لوٹتا ہے بلکہ ہر آن اور ہر ساعت اس کا طلوع اور غروب دونوں عمل میں آ رہے ہیں۔ اور اس کا ایک افق میں غروب بعینہٖ دوسرے افق پر طلوع ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ اس کا حقیقی علم تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے' ان احادیث سے ہم جو کچھ سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے غروبِ آفتاب کو آفتاب کے سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے' لہٰذا سورج جب نصف النہار کے وقت حالت استواء پر ہوتا ہے تو اس کا یہ استواء قیام سے' زوال کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو اس کا ڈھلنا رکوع سے اور جب افق پر غروب ہوتا ہے تو یہ سجدہ سے مشابہ ہے اور جس افق پر سورج غروب ہوتا ہے وہ چونکہ عرش کے نیچے واقع ہے اس لیے اس کو عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے سجدہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا **فلا تزال کذالک** اس کا یہ مطلب نہیں کہ رات بھر سورج سجدہ میں پڑا رہے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت سجدہ (یعنی غروب) ہی میں اس سے کہا جائے گا **ارجعی من حیث جئت**' جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ' اور لوٹنے کا مطلب الٹے پاؤں واپس جانا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نظام طبعی کے تحت لوٹتا ہے' یعنی معروف طریقہ کے مطابق جس افق سے غروب ہوا ہے اس کے مقابل دوسرے افق پر طلوع ہو پھر اپنی منازل طے کرتا ہوا اس افق پر غروب ہو کر سابق افق پر طلوع ہو جائے' اس طرح اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد سورج اس افق سے پھر طلوع ہوتا ہے جس سے غروب ہوا تھا' قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا لیکن جب قیامت قائم ہو گی تو سورج جس افق سے غروب ہوا تھا اس افق پر جانب غروب سے ہی طلوع ہو جائے گا **للہ الحمد علی ما الھمنی من حل اشکال ھذا الحدیث**۔ (شرح صحیح مسلم ج ا ص ۶۴۹ ـ ۶۴۸' فرید بک اسٹال' لاہور)

اشکال مذکور کا مصنف کی طرف سے دوسرا جواب

اس اشکال کا ایک اور جواب میں اب پیش کر رہا ہوں اس کی تقریر یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں وجود باری تعالیٰ اور توحید باری پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور زمین کی روئیدگی اور اس کی پیداوار اور دن اور رات کے تواردسے یہ بتایا گیا ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے اور اس کے احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے' اور اب اسی سلسلہ میں یہ دلیل قائم فرمائی ہے کہ اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے O اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ وضاحت فرمائی کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے' اس ارشاد میں آپ نے ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو سورج کی پرستش کرتے ہیں' اس کو خدا مانتے ہیں اور اس کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہیں' آپ نے یہ بتایا کہ خدا تو وہ ہے جس کے احکام کی اطاعت کی جائے سورج کہاں سے حاکم ہو گیا وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہا ہے' اور وہ عبادت کا مستحق کیسے ہو گیا وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بہ سجود ہے' اور سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنا سر عرش کے نیچے رکھ کر ہماری طرح سجدہ کرتا ہے کیونکہ ہر چیز کی عبادت اس کے حسب حال ہوتی ہے' درختوں کی ساخت

حالت قیام کے مشابہ ہے وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے حالت قیام میں عبادت کر رہے ہیں چوپایوں اور مویشیوں کی جسمانی بناوٹ حالت رکوع کے مماثل ہے وہ اس طرح حالت رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' اور پہاڑوں کی ساخت قعود کے مشابہ ہے تو وہ اس طرح حالت قعود میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' اور حشرات الارض کی جسمانی بناوٹ حالت سجدہ کے مماثل ہے سو وہ اس طرح سجدہ کے کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں' غرض جو چیز جس حال میں ہے وہ اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہے' جو چیزیں متحرک ہیں وہ حالت حرکت میں اس کی عبادت کر رہی ہیں اور جو چیزیں ساکن ہیں وہ حالت سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہیں' جو حقائق ناطق ہیں وہ حالت نطق میں اور جو حقائق ساکت ہیں وہ حالت سکوت میں اس کی عبادت کر رہے ہیں اور ہر چیز نے اپنی عبادت کے طریقہ کو پہچان لیا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ (النور ۴۱)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق اور صف باندھے ہوئے اڑنے والے پرندے' سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز کو اس کی نماز اور اس کی تسبیح کا علم ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر چیز ہماری طرح نماز پڑھتی ہے اور ہماری طرح تسبیح کرتی ہے' بلکہ ہر چیز اپنے حسب حال نماز پڑھ رہی ہے اور تسبیح کر رہی ہے' اسی طرح سورج جو ہر روز عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور سجدہ میں پڑا رہتا ہے تاوقتیکہ اس کو دوبارہ اپنے طلوع کی جگہ سے طلوع ہونے کا حکم دیا جائے اور قیامت تک یونہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مغرب سے طلوع ہو' اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سورج حقیقۃً عرش کے نیچے پڑا رہتا ہے اور نظام شب و روز معطل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ یہ چیز مشاہدہ کے خلاف ہے اور سورج کا مسلسل ہر افق سے طلوع اور غروب اس کے تعطل کے منافی ہے' بلکہ اس حدیث کا معنی یہی ہے کہ سورج اپنے معمول کے مطابق طلوع اور غروب کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے' وہ اسی کی اطاعت میں سربسجود ہے' وہ اس طلوع اور غروب میں خود مختار نہیں ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق کر رہا ہے' اور سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورج خود یا اس کا نفس چل کر عرش کے نیچے جاتا ہے بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ عرش الٰہی تمام کائنات کو محیط ہے اور تمام افلاک' کواکب اور عناصر عرش کے نیچے ہیں' سو سورج بھی عرش کے نیچے ہے خواہ سورج کا طلوع ہو یا غروب ہو' اور حدیث میں غروب کے وقت کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ غروب کا وقت ہیئت سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے' اور یہ بھی درست ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں سورج غروب ہو رہا ہے' لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سورج کے تین سو ساٹھ (۳۶۰) مطالع ہیں اور ہر روز سورج کا ایک نیا مطلع ہوتا ہے کسی بھی افق پر غروب کے بعد اس کو طلوع کا حکم دیا جاتا ہے' سو کسی مخصوص افق (مثلاً کراچی کے افق) پر اس کو ہر روز طلوع کا حکم دیا جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر روز سورج کا اس افق پر نئے مطلع سے طلوع ہونا یہی سورج کی عبادت ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز اپنے جس حال میں ہے خواہ وہ حالت حرکت میں ہے یا حالت سکون میں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہے' سو سورج حالت حرکت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے' اور سورج کا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام پر عمل کرنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہی اس کی عبادت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عبادت کو سجدہ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا زیادہ اظہار سجدہ میں ہوتا ہے' کیونکہ عبادت معبود کے سامنے اظہار تذلل کو کہتے ہیں اور اقصیٰ غایت تذلل سجدہ میں ہوتا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ ہمیں اپنی آنکھوں سے اس کائنات میں جو

سب سے عظیم اور قوی چیز دکھائی دیتی ہے وہ سورج ہے اور یہ عظیم ترین چیز بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سجدہ ریز ہے تو عام انسانوں کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے انہیں اس کی کس قدر اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔ والحمد للہ رب العلمین!

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت (یٰسٓ: ۳۸) اور حدیث مذکور پر میں نے بہت مطالعہ کیا' بے حد غور و فکر کیا اور میں نے ان کا مطلب اسی طرح سمجھا ہے جس طرح ذکر کیا ہے' اور اشکال مذکور کو دور کرنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے اگر یہ حق و صواب ہے تو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے اور اگر اس میں نقص اور قصور ہے تو دراصل یہ میری عقل کا نقص اور میری فہم کا قصور ہے' اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں!!

چاند کی منازل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں حتیٰ کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے O (یٰسٓ: ۳۹)

چاند کی ۲۸ (اٹھائیس) منزلیں ہیں' یہ روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے' پھر ایک یا دو راتوں تک اس کا ظہور نہیں ہوتا اور ۲۹ یا تیس دن کے بعد اس کا ظہور ہو جاتا ہے' چاند جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو وہ بالکل باریک اور چھوٹا دکھائی دیتا ہے' جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے' چاند کی اس گردش کی وجہ سے زمین پر رہنے والے اپنے دنوں' مہینوں اور سالوں کا حساب کرتے ہیں اور اپنی مخصوص عبادات کا تعین کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ (البقرہ: ۱۸۹)

لوگ آپ سے چاند کے (گھٹنے' بڑھنے) متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے یہ لوگوں (کی عبادات) کے اوقات اور حج کے (تعین) کے لیے ہے۔

اس آیت میں العرجون کا لفظ ہے' عرجون کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں خوشے لگتے ہیں یہ ٹہنیاں خشک ہونے کے بعد ٹیڑھی ہو کر بالکل ایسی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو ابتدائی اور آخری تاریخوں میں چاند کی شکل ہوتی ہے' اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو چاند کی پرستش کرتے ہیں کہ تم چاند کو مستحق عبادت قرار دیتے ہو اور تم اس چاند کو سارے جہان کا موجد اور مربی سمجھتے ہو اور اس کا آمر اور مطاع کہتے ہو حالانکہ یہ آمر نہیں مامور ہے' مطاع نہیں مطیع ہے' اس کو جس طرح منزل بہ منزل سفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس حکم کی تعمیل میں محو سفر ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے:

اس آیت میں منازل کا لفظ ہے یہ منزل کی جمع ہے اور منزل کا معنی ہے نزول کی جگہ' اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند دونوں کی رفتار کی خاص حدود مقرر فرمائی ہیں' سورج کی تین سو ساٹھ یا تین سو پینسٹھ منزلیں ہیں وہ ایک سال میں ان منازل کو طے کرتا ہے اور پھر شروع سے اپنا دور شروع کر دیتا ہے' سورج بھی اپنے محور میں گردش کرتا ہوا اپنی منازل کو طے کرتا ہے' چاند اپنا دورہ ہر ماہ میں مکمل کر لیتا ہے' لیکن چاند ہر ماہ میں ایک یا دو دن نظر نہیں آتا اس لیے چاند کی اٹھائیس منزلیں کہی جاتی ہیں' زمانہ جاہلیت میں عربوں نے ستاروں کے نام پر ان اٹھائیس منزلوں کے نام رکھ دیئے تھے اور ان کو بارہ برجوں پر تقسیم کر دیا تھا' چاند کی اٹھائیس منزلوں کے عربوں نے حسب ذیل نام رکھے تھے:

(۱) سرطان (۲) بطین (۳) ثریا (۴) دبران (۵) ھقعہ (۶) ھنعہ (۷) ذراع (۸) نثرہ (۹) طرف (۱۰) جبھہ (۱۱) خراتان (۱۲) صرفہ (۱۳) عواء (۱۴) سماک (۱۵) غفر (۱۶) زبنیان (۱۷) اکلیل (۱۸) قلب (۱۹) شولہ (۲۰) نعائم (۲۱)

بلدہ (۲۲) سعد الذابح (۲۳) سعد بلع (۲۴) سعد السعود (۲۵) سعود الاخبیہ (۲۶) الفرغ المقدم (۲۷) الفرغ المؤخر (۲۸) بطن الحوت۔

چاند ان منازل کو اٹھائیس راتوں میں طے کرتا ہے اور آخری منزل میں پہنچنے کے بعد وہ ایک یا دو دن نظر نہیں آتا پھر باریک سا ہلال کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور حسب سابق پہلی منزل سے سفر شروع کر دیتا ہے' یہ اٹھائیس منزلیں بارہ برجوں پر تقسیم کر دی گئیں ہیں اور ہر برج کے لیے دو اور ایک تہائی منزل ہے' مثلاً برج حمل کے لیے سرطان' بطین اور ثریا کا ایک تہائی ہے اور برج ثور کے لیے دو تہائی ثریا' دبران اور دو تہائی ہقعہ ہے' علیٰ ہذا القیاس۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۲۹' دار الفکر بیروت' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۴۔۲۳' دار الفکر بیروت)

بروج کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی دیگر تفصیلات ہم نے الحجر: ۱۶ میں لکھ دی ہیں۔ دیکھئے تبیان القرآن ج ۶ ص ۲۵۴۔۲۵۲۔

سورج اور چاند میں سے کسی کا دوسرے پر سبقت نہ کرنا

اس کے بعد فرمایا: نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ (یٰسٓ ۴۰)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حکمت کے موافق پیدا کیا ہے لہٰذا سورج اتنی تیز حرکت نہیں کر سکتا کہ چاند کو پکڑ لے ورنہ ایک ماہ میں گرمی اور سردی کے دو موسم اکٹھے ہو جائیں اور پھل پک کر تیار نہ ہو سکیں اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے' یعنی نہ رات دن کے وقت میں داخل ہو سکتی ہے۔

سورج کے غروب ہونے کے وقت چاند طلوع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب کے وقت چاند غروب ہو چکا ہوتا ہے' سورج کی حرکت ہر دن میں ایک درجہ ہوتی ہے' سال اور مہینہ کی حرکت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ہر سیارہ میں ایک حرکت پیدا کی ہے' اور یہ اس کے ہر دن کا ایک دورہ ہے اور اس دورہ میں ہر سیارہ دوسرے سیارہ پر بالکل سبقت نہیں کرتا' کیونکہ ہر سیارہ جب طلوع ہوتا ہے تو اس کا مقابل سیارہ غروب ہو جاتا ہے' اس وجہ سے چاند سورج پر سبقت نہیں لے سکتا اور جب چاند سورج پر سبقت نہیں کر سکتا تو رات دن سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورج میں یہ قوت نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے' یا سورج چاند کے مدار میں داخل ہو کر اس سے ٹکرا جائے' اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ سورج رات کے وقت میں طلوع ہو جائے اور دن کے وقت میں چاند طلوع ہو جائے' نہ کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ دن کے وقت مقرر سے پہلے رات آ جائے یا رات کے وقت مقرر سے پہلے دن آ جائے

قدیم فلاسفہ کے مطابق ہر سیارہ کا اپنے مدار میں گردش کرنا

اس کے بعد فرمایا: اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے' یٰسٓ: ۴۰' الانبیاء: ۳۳ میں ہم نے اس کی بہت زیادہ تفسیر کی ہے' تاہم اس کا کچھ حصہ ہم یہاں بھی نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس آیت کی تفسیر پڑھنے والوں کو بھی کچھ معلومات میسر ہوں۔

اصل میں فلک ہر دائرہ اور گول چیز کو کہتے ہیں' اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے اس کو فلکۃ المغزل کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آسمان کو بھی فلک کہہ دیا جاتا ہے' یہاں فلک سے مراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جن پر وہ گردش کرتے ہیں' قرآن اور حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں یا خلا میں ہیں' قدیم فلاسفہ یہ کہتے تھے کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں وہ کہتے تھے کہ پہلے آسمان میں قمر کی مدار ہے اور دوسرے میں عطارد کی مدار ہے' تیسرے آسمان میں

زہرہ کی مدار ہے اور چوتھے آسمان میں سورج کی مدار ہے' پانچویں آسمان میں مریخ کی مدار ہے' اور چھٹے آسمان میں مشتری کی مدار ہے اور ساتویں آسمان میں زحل کی مدار ہے' یہ سات کواکب سیارہ (گردش کرنے والے ستارے) ہیں' ان کے بعد آٹھواں آسمان ہے جس کو فلک اطلس اور فلک البروج کہتے ہیں' فلک اطلس میں وہ ستارے ہیں جو ثوابت ہیں اور گردش نہیں کرتے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو ہم کو یہاں پر زمین سے نظر آتے ہیں' ان ستاروں کی ہیئت اجتماعیہ سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں جن کے نام پر بارہ برج فرض کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت' اس وجہ سے اس آسمان کو فلک البروج بھی کہتے ہیں اور نواں آسمان فلک اعظم ہے' علماء شرع کے نزدیک سات آسمان ہیں' وہ فلاسفہ کے اقوال میں تطبیق کے لیے آٹھویں آسمان کو کرسی اور نویں آسمان کو عرش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

یہ تفصیل قدیم فلسفہ کے مطابق ہے' اب حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں' چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کی مسافت پر ہے اور کوئی سیارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں ہے اور زمین سمیت تمام سیارے خلاء کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور جب خلا نورد چاند پر پہنچے تو ان کو زمین بھی چاند کی طرح ایک روشن گولے کی طرح نظر آئی۔

ہر سیارہ کی اپنی گردش کے متعلق سائنس کی تحقیق

ہماری زمین کے گرد چاند گردش کر رہا ہے اور زمین سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ یہ دراصل بڑے سیارے یا ستارے کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاند کی گردش کا مرکز زمین ہے اور زمین کی گردش کا مرکز سورج ہے اسی طرح سورج کسی اور بڑے مرکز کے گرد مصروف گردش ہے۔ جب ہم زمین پر کوئی چیز پھینکتے ہیں تو وہ تھوڑی دور جا کر گر جاتی ہے اور اگر زور سے پھینکی جائے تو وہ اور دور جا کر گرے گی۔ اس کی مثال پانی کے فوارہ کی ہے کہ اگر ٹیوب کے ذریعہ اسے زمین کے متوازی چھوڑا جائے تو وہ ایک گولائی کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر پانی کو اور زیادہ دباؤ سے چھوڑا جائے تو گولائی لمبائی میں زیادہ نظر آنے لگے گی۔

پانی کی یہ خود بخود گولائی کا بن جانا دراصل زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہے کیونکہ زمین اپنی کشش ثقل کی وجہ سے ہر چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ زمین چونکہ گول ہے اس لیے اگر کسی پتھر یا چیز کو زمین کے متوازی (Horizontly) اس رفتار سے پھینکا جائے کہ اس پتھر کے گرنے کا عمل زمین کی گولائی کے مطابق بن جائے تو وہ پتھر زمین پر نہیں گرے گا بلکہ زمین کے اردگرد گردش کرنے لگے گا۔ دراصل پتھر ہر لحہ زمین پر گرے گا مگر زمین گول ہونے کی وجہ سے اور پتھر بھی خاص رفتار کی طرف سے زمین کی گولائی کے متوازی ہر لحہ جھکے گا۔ آج کل کے سائنسدانوں نے زمین کے گرد جو سیارے (Satellites) بلندی پر چھوڑے ہیں وہ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر چھوڑے ہیں تا کہ زمین کے اوپر بلندی پر ہوا ان کی رفتار پر اثر انداز نہ ہو بلکہ ایک ہی رفتار (Orbital Velocity) برقرار رہے جس رفتار سے ان کو راکٹ کے ذریعے چھوڑ گیا ہے۔

چاند بھی زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے ہر لحہ اس کے مرکز کی طرف گرتا ہے مگر چاند کی خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے زمین کی بلندی پر اس کی خاص کشش ثقل کی وجہ سے زمین کے گرد اس کا مدار (Orbit) بن جاتا ہے۔ جو کہ تقریباً گول ہے اور اس گولائی پر ہر دوسرا نقطہ پہلے نقطہ سے نیچا ہوتا ہے۔ دائرے پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کا یہ فرق یا جھکاؤ (Fall of Curve) زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے

ہوتا ہے۔ کشش ثقل بلندی پر کم ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے رفتار (Orbital Velocity) بھی سطح زمین سے قریب کی نسبت کم درکار ہوتی ہے۔

کسی چیز کو سورج کے کسی سیارہ (Planet) کے گرد چلانے (Orbiting) کے لیے خاص بلندی (Particular Height) پر خاص رفتار (Particular Orbital Velocity) اور خاص سمت (Particular Direction) اس بلندی پر بڑے سیارہ کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کے پیش نظر درکار ہوتی ہے۔ اسی اصول سے سورج کے گرد سیارے گردش کر رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سیارے سورج کے مرکز کی طرف ہر لحہ گرتے ہیں یا جھکتے ہیں مگر خاص بلندی پر خاص رفتار (Orbital Velocity) کی وجہ سے اور اس بلندی پر اثر انداز سورج کی نسبتاً کشش ثقل (Proportionate Gravitational Force) کی وجہ سے اپنے دائرے (Orbit) میں جھکتے چلے جاتے ہیں اور دائرہ برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سیاروں کو جو سورج کے گرد متحرک ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلا میں خاص حساب سے بنایا ہے یہ بغیر حساب کے نہیں بن گئے یا خود بخود نہیں بن گئے۔ اگر ان کی رفتار مقررہ حساب سے بہت زیادہ ہوتی تو یہ سورج کی کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے یعنی Escape Velocity اختیار کر لیتے اور کسی دیگر ستارے سے منسلک ہو جاتے۔ لہٰذا یہ سیارے خلا میں مختلف بلندیوں پر بڑے حساب سے بنائے گئے ہیں اور یہ آج سے چودہ سو سال پہلے اس کے نازل کردہ قرآن مجید کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۔ (الزمر ۵)

اس نے آسمان اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، سب ایک مقررہ وقت تک چلتے رہیں گے، سنو وہی غالب، بہت بخشنے والا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۔ (الرحمٰن ۵)

سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔

فلکیاتی سائنس کی اصطلاح میں ان کو گرتے ہوئے اجسام یعنی (Falling Bodies) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات میں جو اور سیارے یا ستارے متحرک ہیں وہ ایک مرکز کے گرد مصروف گردش ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ اپنے مرکز کی طرف جھکتے ہیں، یہ ستارے یا تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش (مرکز) کے گرد متحرک ہیں جس کا قطر یا وسعت تقریباً ۳۲ ارب میل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔ (فاطر ۴۱)

بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو تھامے رکھتا ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں (اپنے محور سے ہٹ نہ جائیں) اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو تھام سکے، بے شک وہ بہت بردبار اور بہت بخشنے والا ہے۔

زمین کی کشش ثقل (Gravitational Force) نے چاند کو پکڑے رکھا ہے کہ چاند زمین کی طرف گرتا ہے مگر اس کی خاص رفتار کی وجہ سے اس کا ہر لحہ جھکاؤ زمین سے چاند کی اونچائی پر دائرے کے مطابق ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا بلکہ اس کے گرد گردش میں مصروف ہے۔ اسی طرح زمین یا دیگر سیارے سورج کی کشش ثقل (Gravitational Force) کی وجہ سے اس کے گرد مصروف گردش ہیں۔ سورج ایک اور مرکز کے گرد اس مرکز کی کشش ثقل کی وجہ سے چکر لگا رہا ہے اور ایک ستارہ

کسی اور دوسرے طاقتور ستارے کے گرد حتیٰ کہ آخری ستارہ یا ستارے اللہ تعالیٰ کے زبردست طاقت والے عرش یا مرکز نور کے گرد مصروف گردش ہیں۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ مرکز نور یا اللہ تعالیٰ کا عرش کس قدر طاقت سے بھرپور ہے کہ وہ تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت کی وضاحت پوری طرح ہو جاتی ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۔ (یٰسٓ: ۳۸) اور سورج اپنے مقرر راستہ پر چلتا رہتا ہے' یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو بہت غالب بہت علم والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۔ (الانبیاء: ۳۳) اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

ان آیات سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ سورج کی طرح دوسرے ستارے بھی ایک مرکز کے گرد متحرک ہیں۔ جو ستارے مرکز سے دور ہیں ان کی رفتار مشاہدہ میں بہت زیادہ ہوگی اور جوں جوں ستارے مرکز (عرش) کے نزدیک آتے جائیں گے ان کی رفتار کم نظر آئے گی۔ یہ زاویہ نما رفتار (Angular Velocity) کی وجہ سے ہوگی۔ اس کی مثال سائیکل کے پہیے کی سی ہے کہ اس کے ایکسل (Axle) کی رفتار کم ہوگی جب کہ ایکسل (مرکز) سے باہر کی طرف رم (Rim) کی رفتار بہت زیادہ ہوگی۔ ماہرین فلکیات کے مشاہدہ کے مطابق جو کہکشائیں بہت دور ہیں وہ بہت تیزی سے حرکت کر رہی ہیں اور جو نزدیک ہیں ان کی رفتار کم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے عرش یعنی مرکز نور کے گرد متحرک ہے۔

(قرآن اور کائنات ص ۱۲۳۔۱۱۶ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا O اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں O اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر ان کا کوئی فریادرس نہیں ہوگا' اور نہ ان کو بچایا جاسکے گا O سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحمت ہو اور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو O (یٰسٓ: ۴۴۔۴۱)

بنیادی ضروریات اور سہولت اور تعیش کی نعمتیں

ان آیتوں کی سابقہ آیتوں سے مناسبت حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یٰسٓ: ۳۳ میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا تھا: اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں O اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر صرف یہ احسان نہیں ہے کہ اس نے زمین میں اور خشکی پر ان کے زندہ رہنے کے لیے غلہ اور پھل پیدا کیے ہیں' بلکہ اس کا ان پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کے ذرائع اور وسائل پیدا کیے تاکہ انسان اپنے رشتہ داروں اور احباب سے ملنے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکے اور تجارت اور ملازمت کے لیے سفر کر سکے' اب تو ہوائی سفر کی سہولت ہے' لیکن ایک زمانہ تھا کہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقے تک جانے کے لیے کشتی کے علاوہ کوئی اور سفر کا ذریعہ نہ تھا' کیونکہ اگرچہ زمین پر غلہ اور پھل ہوں لیکن ان کے حصول کے لیے انسان کے پاس رقم نہ ہو تو وہ اپنی حیات کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے غلہ اور پھل حاصل نہیں کر سکتا اور رقم کا حصول یا

تجارت سے ہوتا ہے یا ملازمت سے یا صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ سے' اور بعض اوقات اس کے لیے سفر ناگزیر ہوتا ہے اور اگر دریا پار جانا ہو یا سمندر پار جانا ہو تو پھر انسان کشتی کے ذریعہ ہی سفر کر سکتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسان کے سفر کرنے کے لیے کشتیوں کو پیدا کرنا بھی اس کا بہت بڑا احسان ہے' کیونکہ جس طرح بعض اوقات زندہ رہنے کے لیے کھانا ضروری ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات کھانے کے اسباب کے حصول کے لیے سفر بھی ضروری ہوتا ہے اور دریائی اور سمندری سفر کے لیے صرف کشتی ہی سہل الحصول ذریعہ ہے' خصوصاً جزائر میں تو آج کل بھی کشتی کے بغیر سفر ناممکن ہے' سو کشتیوں کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا بہت بڑا احسان ہے۔

(۲) یٰسٓ: ۴۰ میں یہ فرمایا تھا کہ ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کشتیاں سمندروں میں تیر رہی ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان میں سے بعض ایسی ہیں جو بہت ضروری ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے جن پر زندگی بسر کرنا اور زندہ رہنا موقوف ہے' اور بعض نعمتیں ایسی ہیں جو آسانی اور سہولت کے لیے ہیں اور زیب وزینت کے لیے ہیں' مثلاً آج کل کے اعتبار سے کسی کی ماہانہ آمدنی اتنی ہو کہ وہ خود اور اپنے اہل وعیال کو صبح کا ناشتہ اور دو وقت کا کھانا کھلا سکے' تین چار جوڑے کپڑے ہوں' علاج معالجہ کے لیے' گیس اور بجلی کا بل ادا کرنے کے لیے پیسے ہوں' ماہانہ کرایہ ادا کرنے کے لیے رقم ہو' سودا سلف لانے کے لیے سائیکل ہو' بچوں کی تعلیم کی فیس ادا کرنے کے لیے پیسے ہوں' دھوبی کی دھلائی حجامت اور صابن تیل وغیرہ کے اخراجات ادا کرنے کے لیے رقم ہو' تو یہ وہ ضروریات زندگی ہیں جن کے بغیر اس دور میں کوئی چارہ کار نہیں ہے اور ہر شخص ان معمولات میں اپنے طبقہ اور اپنی آمدنی کے اعتبار سے کمی بیشی کر کے گزارہ کر سکتا ہے' سو جس شخص کی اتنی آمدنی ہو جس سے وہ اپنی زندگی کی ان بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے بہ قدر ضرورت نعمتیں عطا فرمادی ہیں' اور جس شخص کی آمدنی اس سے زیادہ ہو جس سے وہ ذاتی مکان خرید سکے' گھر میں بجلی کے پنکھے اور ائیر کنڈیشن چلا سکے' ٹیلی فون' کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت رکھ سکے' بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکے' بیماری میں ہر مرض کے اسپیشلسٹ سے علاج کرا سکے' اس کا اپنا ذاتی کاروبار ہو یا اٹھارہ' انیس گریڈ کی ملازمت ہو تو یہ نچلے طبقہ کے اعتبار سے سہولت کی اور پُرتعیش زندگی ہے' اور درمیانی طبقہ کے اعتبار سے یہ بنیادی ضروریات کی حامل زندگی ہے' اسی طرح بہ تدریج سہولت اور تعیش کا معیار بڑھتا جاتا ہے اور بہر حال یہ نعمتیں قدر ضرورت سے زائد ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بہ قدر ضرورت نعمتیں عطا کیں اور بعض انسانوں کو اس سے زائد نعمتیں عطا کی ہیں جن سے وہ سہولت اور تعیش کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں نازل فرمائیں ان کا تعلق انسان کی بنیادی ضروریات زندگی اور حوائج اصلیہ سے ہے مثلاً یہ آیتیں ہیں:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ. (یٰسٓ: ۳۳)	اور ان کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں۔

کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ نہ کرتا اور اس کو بارش کے ذریعہ زرخیز نہ بناتا تو انسان کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا' اسی طرح درج ذیل آیت میں بھی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے' فرمایا:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ	اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے' ہم اس سے دن کھینچ

مُّظْلِمُوْنَ ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ (یٰسٓ: ۳۸۔۳۷)

لیتے ہیں تو یکا یک وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ○ اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے' یہ بہت غالب' بے حد علم والے کا بنایا ہوا نظام ہے۔

کیونکہ انسان اپنے وجود میں ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کا محتاج ہے' اگر اس کے رہنے کے لیے کوئی جگہ نہ ہوتی تو وہ کس طرح رہ سکتا تھا اور اگر زمانہ نہ ہوتا تو وہ اپنے کھانے پینے' سونے جاگنے' چلنے پھرنے اور دوسرے معمولات کا تعین کیسے کرتا وایة لهم الارض میں مکان اور جگہ کی نعمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا' وایة لهم الیل میں وقت اور زمانہ کی نعمت عطا کرنے کا ذکر فرمایا اور حسب ذیل آیت میں اس نعمت کا ذکر ہے جس کا تعلق سہولت' تعیش اور زیب و زینت کے ساتھ ہے' فرمایا:

وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ . (یٰسٓ: ۳۴)

اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ان میں ہم نے کچھ چشمے جاری کر دیئے۔

روٹی اور چاول وغیرہ کھانا بھوک دور کرنے اور رمق حیات برقرار رکھنے کے لیے ہوتا ہے' یہ نعمتیں حوائج اصلیہ اور بنیادی ضروریات سے ہیں اور میوے اور پھل وغیرہ کھانا تلذذ اور توانائی کے حصول کے لیے ہوتا ہے اور یہ نعمتیں تعیش اور سہولت کے قبیل سے ہیں۔ اور جن زیر تفسیر آیتوں کی ہم آیات سابقہ سے مناسبت بیان کر رہے ہیں ان میں بھی اسی نوع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے:

وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ ○ (یٰسٓ: ۴۲۔۴۱)

اور ان کے لیے اس بھری ہوئی کشتی میں نشانی ہے جس میں ہم نے ان کی اولاد کو سوار کر دیا ○ اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

کیونکہ سفر کے لیے کشتیوں کی اور دیگر سواریوں کی نعمتیں سہولت اور زیب و زینت کی قسم سے ہیں' اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (فاطر: ۱۲)

اور یہ سمندر ایک جیسے نہیں یہ سمندر میٹھا ہے' پیاس بجھاتا ہے اس کا پینا خوش گوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے' تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور ان سے پہننے کے لیے زیورات نکالتے ہو اور آپ سمندر میں پانی کو چیرنے والی بڑی کشتیاں دیکھتے ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل: ۸)

اس نے گھوڑوں کو' خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہارے لیے باعث زینت بھی ہیں' اور وہ تمہارے لیے ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ یٰسٓ کی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی دو قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق حوائج اصلیہ اور بنیادی ضروریات سے ہے اور دوسری وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق سہولت اور وسعت اور عیش و عشرت سے ہے۔

انسانوں کو کشتی کے ذریعہ سفر کی سہولت عطا کرنے کی خصوصی نعمت

اس آیت میں ہے حملنا ذریتھم' ہم نے ان کی ذریت کو سوار کردیا' علامہ راغب اصفہانی ذریت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الذرء کا معنی ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کو ظاہر کرنا' اور ذریت کا معنی ہے کم سن اولاد' اور عرف میں اس کا اطلاق تمام چھوٹی اور بڑی اولاد پر ہوتا ہے اور واحد اور جمع اس کا استعمال سب کے لیے ہوتا ہے' اور اصل جمع ہے' قرآن مجید میں ہے:

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ. (آل عمران: ۳۴) یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۳۷۔ ۲۳۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے' آپ نے قتل کی ہوئی ایک عورت کو دیکھا تو فرمایا افسوس ہے یہ کسی کو قتل کرنے والی تو نہ تھی' خالد سے مل کر اس سے کہو کہ وہ نہ کسی ذریت کو قتل کرے اور نہ کسی مزدور کو' اس حدیث میں ذریت کا اطلاق عورت پر کیا گیا ہے۔

(الفائق ج ۱ ص ۳۹۶۔ ۳۹۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ ذریت سے مراد بیٹے اور ان کی نسل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ذریت کا اطلاق ابناء اور آباء دونوں پر ہوتا ہے' یہ ابوعثمان کا قول ہے اور ابن عطیہ اندلسی نے کہا یہ دو معنوں کو خلط ملط کرنا ہے' اور یہ معنی لغت میں معروف نہیں ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے آباء واجداد کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کرایا تھا' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کا قول ہے۔ (البحر المحیط ج ۹ ص ۶۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نہ ہو بلکہ جنس کشتی ہو اور اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ عزوجل نے اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہو کہ جن بچوں اور کمزور انسانوں کا سفر کرنا مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی میں سوار کرا دیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول پہلی تفسیر کی بناء پر اہل مکہ کے آباء پر ذریت کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی آباء سے یہ ذریت وجود میں آئی ہے' اور علامہ ماوردی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ ذریت سے مراد نطفے ہیں اور بھری ہوئی کشتی سے مراد عورتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے پیٹوں میں ان کے نطفوں کو لا دیا' ور وہ ان سے حاملہ ہوگئیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۳۳' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

عیش و آرام کے حال میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ان کے لیے اس کشتی کی مثل اور چیزیں پیدا کیں جن میں وہ سوار ہوتے ہیں ○ (یٰسٓ: ۴۲)

مفسرین نے کہا ہے کہ کشتی کی مثل سے مراد اونٹ ہیں کیونکہ اونٹ بھی صحرائی جہاز ہیں' اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اہل مکہ پر قیامت اور حشر ونشر کی صحت پر دلیل قائم کی جائے' اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد حیات پر پہلے

مردہ زمین کو زندہ کرنے سے استدلال فرمایا کیونکہ زمین کی پیداوار ان کی مادی حیات کا سبب ہے' پھر یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہواؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا اور ان میں کشتیوں اور بحری جہازوں کو رواں دواں کر دیا جن میں بیٹھ کر وہ تجارتی سفر کرتے ہیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتے ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۰)

اور بے شک ہم نے بنی آدم کو بہت عزت دی ہے اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سفر کی سواریاں دی ہیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا ہے اور ان کو ہم نے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

قدیم زمانہ میں انسان اونٹوں' گھوڑوں' خچروں' گدھوں اور بیل گاڑیوں پر سفر کرتے تھے اور اب ٹرینوں' بسوں' ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں اور دخانی کشتیوں کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔

اگر یہ شبہ ہو کہ کشتیوں' بحری جہازوں اور ایٹمی آب دوزوں کو تو انسان نے بنایا ہے تو اس کا ازالہ اس طرح ہوگا کہ خود انسان کو کس نے بنایا ہے اور اس کو عقل اور فہم و فراست کس نے عطا کی ہے وہ اللہ ہی تو ہے جس نے نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دیا اور اس کو ایسی عقل اور فہم عطا فرمائی جس سے کام لے کر وہ ایسی عجیب و غریب اشیاء بنا رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر ان کا کوئی فریاد رس نہیں ہوگا اور نہ ان کو بچایا جا سکے گا ۝ سوا اس کے کہ ہماری طرف سے ان پر رحمت ہو اور ایک مقرر میعاد تک فائدہ پہنچانا ہو ۝ (یٰسٓ: ۴۴-۴۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت اور بقاء کے مادی سہاروں پر غرور نہ کرے' اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے آن کی آن میں انسان کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے' کسی شہر کو مضبوط ترین بنیادوں پر اٹھایا جاتا ہے اچانک زلزلہ آتا ہے اور سارا شہر ملیا میٹ ہو جاتا ہے' یا سمندری طوفان آتا ہے اور تمام مکان تہس نہس ہو جاتے ہیں' اس آیت میں دہریوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کشتیاں سمندروں میں اپنی طبعی تقاضوں سے چلتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کشتیوں کو غرق کر دے' ان کشتیوں اور جہازوں کا سمندروں میں غرق نہ ہونا ان کے مادے اور ان کی طبیعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے۔

ان آیتوں میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب انسان عیش و آرام میں ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب سے بے خوف اور غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ گزشتہ امتوں کے کافروں کا طریقہ تھا وہ دنیاوی عیش و آرام میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل رہتے تھے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے اور اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہتے تھے پھر اچانک وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتے تھے' اسی طرح جو لوگ دخانی کشتیوں اور بحری جہازوں میں امن اور اطمینان سے سفر کر رہے ہوں وہ اچانک کسی سمندری طوفان کی لپیٹ میں آ جائیں یا جو کسی ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہوں' وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں' انسان کسی نعمت کی قدر اسی وقت کرتا ہے جب وہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے' اور صحت اور عافیت کی نعمت کی اہمیت اسی وقت اس کو معلوم ہوتی ہے جب وہ بیماری اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عارفین نے یہ کہا ہے کہ بھری ہوئی کشتی میں انسان کو سوار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیاوی عیش و آرام اور لذتوں کے سمندر میں سوار کر دیا ہے اور مسلمانوں کو احکام شریعت کی کشتی میں سوار کر دیا ہے اور اپنے اولیاء کو اسرار حقیقت کی معرفت کے سمندر میں سوار کر دیا ہے' نفسانی خواہشوں کی موجیں ان کی خواہشوں سے ٹکراتی ہیں سو جو احکام شریعت پر عمل

کرنے کی کشتی میں سوار نہیں ہوتے یا جن کی کشتی ان کی خواہشوں کی موجوں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی ہے وہ ڈوب جاتے ہیں' ان کا کوئی فریادرس نہیں ہوتا اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے (تو وہ اس پر غور نہیں کرتے) O اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس کو کھلائیں جس کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو O

(یٰسٓ: ۴۷۔۴۵)

سامنے اور بعد کے عذاب کے متعدد محامل

یٰسٓ: ۴۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' جبیر اور مجاہد نے کہا تم اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں پر اللہ کے عذاب سے ڈرو اور آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچو اور نیکی کے کام کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اور قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے تم اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلی قوموں پر ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے آیا تھا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو اور ایمان لے آؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے' اور جب ان کو یہ نصیحت کی جاتی تو وہ اس نصیحت سے اعراض کرتے' اس جملہ کو ذکر نہیں کیا گیا اور اس پر دلیل آیت: ۴۶ ہے: اور جب بھی ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں O

اس آیت میں نشانیوں کے لیے آیات کا لفظ ہے' اس آیت میں آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور آیات سے مراد وہ معجزات اور دلائل بھی ہو سکتے ہیں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اپنی نبوت پر بہ طور دلیل پیش کرتے تھے' یعنی وہ عقلی دلائل سے نصیحت حاصل کرتے تھے اور نہ حواس سے کوئی بات سمجھتے تھے۔

اللہ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کی تفصیل

یٰسٓ: ۴۵ میں مشرکین سے یہ کہا گیا تم اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور تمہارے بعد ہے' یعنی موت کے وقت جس عذاب کا خطرہ ہے اس سے ڈرو اور موت کے بعد آخرت میں جس عذاب کا خطرہ ہے اس سے ڈرو' اور اس عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر اور اس کی ذات اور صفات پر ایمان لاؤ اور شرک اور کفر کو اور اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو ترک کر دو تا کہ تمہارے سامنے اور تمہارے آگے جس عذاب کا خطرہ ہے تم اس عذاب سے محفوظ ہو جاؤ' سو اس آیت میں ان کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کا حکم دیا گیا اور یٰسٓ: ۴۶ میں ان سے یہ کہا گیا کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں' سو اس آیت میں ان کو مخلوق پر شفقت کرنے کا حکم دیا گیا اور تمام احکام شرعیہ کا رجوع ان ہی دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے' خالق کی تعظیم کرنا اور مخلوق پر شفقت کرنا' یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرنا' اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور دن رات اس کی عبادت کر کے اس کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں اور اس کی مخلوق پر اس کے حکم کے مطابق شفقت اور مہربانی کرتے ہیں' زکوٰۃ' صدقات واجبہ اور نفلی صدقات ادا کرتے ہیں' اور بعض بندگان راہِ خدا تو اپنی ضرورت سے زائد ہر چیز دوسرے ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں' اور ان کفار اور مشرکین نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی عبادت کے لیے کفر اور شرک کو ترک کیا اور تقویٰ کو اختیار کر کے اپنی موت کے وقت اور آخرت کے عذاب کو ٹالنے کی کوشش کی' اور نہ غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر خرچ کر کے ان پر شفقت کے اظہار کے لیے کوئی

اقدام کیا حالانکہ اگر یہ خالق کی تعظیم کرتے یا مخلوق پر شفقت کرتے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ ان ہی کا فائدہ تھا کہ وہ اس عمل سے موت کے وقت اور آخرت کے عذاب سے بچ جاتے' اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم کرنے سے مستغنی ہے اس کی تعظیم کرنے کے لیے ملائکہ' انبیاء اور اولیاء بہت ہیں' اسی طرح اگر وہ مخلوق پر شفقت نہ کریں اور مسکینوں اور ناداروں کی ضروریات پوری نہ کریں تو اس سے ان کو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا' ان کے رزق اور ان کی ضروریات کا اللہ تعالیٰ کفیل اور ضامن ہے' پتھر کے نیچے جو کیڑا ہے وہ اس کو بھی روزی فراہم کرتا ہے' اگر تو نگر اور خوش حال کسی مفلس اور بدحال کی امداد سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کے دل میں اس کی امداد کی تحریک پیدا کر دیتا ہے اور کوئی اور شخص اس کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے۔

خرچ کرنے کی ترغیب میں عقلی وجوہات

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں' اس حکم میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غریبوں پر اپنی سب چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے' پھر تمہارے لیے اس حکم پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے' مشکل تو تب ہوتی جب تمہیں اپنا سارا مال ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا اگر تم چالیس چیزوں میں سے ایک چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو تم کو کیا فرق پڑے گا۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ تمہیں اللہ کی دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے' تمہاری اپنی چیزوں میں سے کوئی چیز خرچ کرنے کا تمہیں حکم نہیں دیا' جو شخص اپنی چیز میں سے خرچ نہ کرے وہ بخیل ہوتا ہے تو جو شخص دوسرے کی دی ہوئی چیز میں سے خرچ کرنے سے بھی بخل کرتا ہو اس کے بخل کا کون اندازہ کر سکتا ہے! پھر یہ بھی تو سوچو کہ تمہاری کوئی اپنی چیز ہے بھی! جب تم دنیا میں آئے تو کیا لے کر آئے تھے' تمہارے بدن پر تو کپڑے کا ایک تار بھی نہ تھا' اب جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے اور وہ اپنے دیئے میں سے سب نہیں صرف بعض مانگ رہا ہے تو اس بعض کو دینے میں کیوں تنگ ہوتے ہو اور کیوں بخل کر رہے ہو!

اور اس میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ تم یہ نہ سوچو کہ اگر تم اپنے مال میں سے ضرورت مندوں کو دو گے تو تمہارا مال کم ہو جائے گا' نہیں جب تم اللہ کی راہ میں دوسرے ضرورت مندوں کو دو گے تو اللہ تمہاری ضروریات کو پورا کر دے گا' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

خرچ کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں' ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو خرچ شدہ چیز کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ بخیل نے جو مال بچا کر رکھا ہے اس کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن کے بدن پر سینہ سے ہنسلی تک لوہے کا جبہ ہو' خرچ کرنے والا جب بھی خرچ کرتا ہے تو وہ جبہ کھل کر پھیل جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے قدموں کے نشانوں کو مٹا دیتا ہے اور بخیل جب کسی چیز کو خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس جبہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے بخیل اس کو کھولنا اور کشادہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کشادہ

نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۱ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۴۵ عالم الکتب)

اس حدیث میں خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال لوہے کے جبہ یعنی زرہ کی کشادگی اور تنگی اور خرچ کرنے والے کی زرہ کی لمبائی اور چوڑائی اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ڈھانپنے اور قدموں کے نشانات کو مٹانے سے دی گئی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی آدمی خرچ کرتا ہے تو اس خرچ کے لیے اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور عطا کرنے کے لیے اس کے ہاتھ کھل جاتے ہیں اور بخیل کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ بندھ جاتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دینے اور عطا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سخی کے عیوب پر دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے جس طرح یہ زرہ پہننے والے کے جسم کو چھپاتی ہے اور جس طرح بخیل کی زرہ اس کے پستانوں تک رہتی ہے اور اس کے باقی جسم کو نہیں چھپاتی اسی طرح وہ دنیا اور آخرت میں بے آبرو ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا جب سخی صدقہ کرتا ہے تو وہ صدقہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور ان کو مٹا دیتا ہے اور بخیل کے گناہ اسی طرح باقی رہتے ہیں علامہ مہلب نے کہا سخی دنیا اور آخرت میں خوش رہتا ہے اور بخیل دنیا اور آخرت میں غمگین رہتا ہے ایک قول یہ ہے کہ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ سخی کا مال خرچ کرنے کے باوجود بڑھتا رہتا ہے اور بخیل کا مال روکنے کے باوجود کم ہوتا رہتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۴۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی تھیلی کا منہ بند نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تم سے اپنے خزانے کا منہ بند رکھے گا۔ ایک روایت میں ہے تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳ سنن النسائی رقم الحدیث ۲۵۴۸ مسند احمد رقم الحدیث ۲۷۴۶۱ عالم الکتب بیروت)

مشیت اور رضا میں فرق کرنا چاہیے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں میں سے بعض کو خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔ الآیۃ (یٰسٓ ۴۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مومنین نے کفار مکہ سے کہا کہ تم نے اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے جو حصہ اللہ کے لیے رکھا ہے اس کو مسکینوں اور ناداروں پر خرچ کرو تو انہوں نے جواب میں کہا کیا ہم ان کو کھلائیں جن کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا' پھر کہتے جن کو اللہ محروم رکھنا چاہتا ہے ان کو ہم کھلانا نہیں چاہتے' اور یہ بخیل لوگوں کا حیلہ ہے' اور ان کا یہ حیلہ باطل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض لوگوں کو وسعت' فراغت اور خوش حالی میں رکھا ہے اور بعض لوگوں کو فقر اور فاقہ میں مبتلا کیا ہے تاکہ خوش حال اور فراخ دست لوگ بدحالوں اور تنگ دستوں پر خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور فقراء اور غرباء اپنے فقر اور فاقہ پر صبر کریں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں حکمت اور مشیت ہے' وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کسی کو اس کے کسی فعل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس کی نظیر مشرکین کا یہ قول ہے:

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

عنقریب مشرکین یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (الانعام ۱۴۸)

اسی طرح آج کل کے دہریہ اور بے دین لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم نیک کام نہیں کر رہے ہیں اور گناہ کر رہے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے' اگر اللہ چاہتا تو ہم نیک کام کرتے اور برے کاموں کو ترک کر دیتے کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ

چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا' ان لوگوں کی گم راہی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا میں فرق نہیں کیا' اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی پتا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' انسان جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے' اور اسی کے مطابق جزا اور سزا دیتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک کام کرنے سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے اور نافرمانی سے ناراض ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں نیک کام کرنے کی توفیق اور ہمت دے اور برائیوں سے مجتنب رکھے' دراصل یہ سوچ اور فکر شیطان کی ہے جس نے کہا تھا:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ. (الحجر: ۳۹) ابلیس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔

اور نبی کی سوچ اور فکر یہ ہے کہ اگر بھولے سے بھی اجتہادی خطا ہو جائے تو کہتے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف: ۲۳) دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مرض کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ (الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ (اللہ) مجھے شفاء عطا فرماتا ہے۔

پس حسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنی طرف کی جائے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ. (النساء: ۷۹) (اے مخاطب!) جو تجھ کو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

دہریوں کا رد اور ابطال

یٰسٓ: ۴۷ کے آخر میں ہے: تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو ۝

ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی کفار کا قول ہے جو انہوں نے مومنوں سے کہا تھا' جب مومنوں نے کفار سے کہا تھا کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو انہوں نے کہا ہم ان کو کیسے کھلائیں جن کو اگر اللہ کھلانا چاہتا تو کھلا دیتا' تم تو صرف کھلی گم راہی میں ہو' اور تمہارا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرنا بھی صریح گم راہی ہے' اور مقاتل وغیرہ نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا قول ہے جو انہوں نے کفار سے کہا تھا' ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو اس نے کفار کے جواب کو رد کرنے کے لیے فرمایا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے' تو ابوجہل نے ان کے پاس جا کر کہا اے ابوبکر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کھانا کھلانے پر قادر ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! ابوجہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے ان کو کیوں نہیں کھلا رہا؟ حضرت ابوبکر نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو تنگ دستی میں مبتلا کیا ہے اور ایک قوم کو خوش حالی میں مبتلا کیا ہے' اور فقراء کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور امراء کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کو عطا کریں' تب ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اے ابوبکر تم صرف صریح گم راہی میں ہو' تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ انہیں کھلانے پر قادر ہے اور وہ ان کو نہیں کھلا رہا' پھر تم ان کو کھلا رہے ہو! تب یہ آیت نازل ہوئی اور مزید یہ آیات نازل فرمائیں

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ (اللیل: ۵-۷) پس جس نے (فقراء کو) دیا اور اللہ سے ڈرا ۝ اور نیکی کی تصدیق کی ۝ تو ہم اس کے لیے سہولت کو آسان کر دیں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دہریوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ مشرکین میں دہریے بھی تھے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اور مسلمانوں کی اس بات کا مذاق اڑاتے تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۲-۲۱' زاد المسیر ج ۷ ص ۲۵-۲۴ ملخصاً)

اس آیت میں دہریوں کا رد اور ابطال اس وجہ سے ہے کہ کسی شخص کا فقیر یا غنی ہونا اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمتوں کی وجہ سے جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتا دو O اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے O پس وہ اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے O

کفار قیامت کی خبر کو وعد کیوں کہتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین نے اہل مکہ سے فرمایا تھا کہ قیامت قائم کی جائے گی اور اس کے بعد نیکوں اور بروں اور مومنوں اور کافروں کا حساب لیا جائے گا' اور نیک لوگوں کو جزاء اور برے لوگوں کو سزا دی جائے گی' تو مکہ کے کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے' یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو بتا دو!

اس آیت میں وعد کا لفظ ہے' وعد کا لفظ خیر اور شر اور نفع اور نقصان دونوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور وعید کا لفظ صرف شر اور نقصان کی خبر سنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور اس آیت میں وعد کا لفظ ثواب اور عذاب دونوں خبروں کے لیے ہے' کیونکہ قیامت کے بعد نیک لوگوں کو ثواب عطا کیا جائے گا اور برے لوگوں کو عذاب دیا جائے گا' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے دن کفار کو صرف عذاب کی خبر دی گئی تھی اس کے باوجود انہوں نے یہ سوال کیا کہ ان سے کیا ہوا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا زعم یہ تھا کہ انہوں نے نیک کام کیے ہیں اگر واقعی قیامت قائم ہوگی تو پھر ان کو ان نیک کاموں کی جزا ملے گی۔

اس کے بعد فرمایا: وہ صرف ایک چیخ کا انتظار کر رہے ہیں۔

کفار تو قیامت کے منکر تھے' وہ کس طرح قیامت کا انتظار کر رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو دنیا میں قیامت تک کی مہلت دی گئی تھی اور وہ کھلے ہوئے معجزات اور واضح دلائل پیش کیے جانے کے باوجود ایمان نہیں لا رہے تھے' تو ان کے انکار کی اس حالت کو اور ان کو دی جانے والی مہلت کو قیامت کے انتظار سے تعبیر فرمایا۔

اور ایک چیخ سے مراد پہلی بار پھونکے جانے والی آواز ہے کیونکہ وہ بہت عظیم چیخ ہوگی' جس کی دہشت اور ہول سے سب لوگ اچانک مر جائیں گے۔

قیامت کا اچانک آ جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو ان کو اس وقت پکڑے گی جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی معمولات میں مشغول اور منہمک ہوں گے اور قیامت اچانک ان پر آ جائے گی O

قرآن مجید کی دیگر آیات میں ہے:

لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً O (الاعراف: ۱۸۷) — تم پر قیامت اچانک ہی آئے گی۔

اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ — کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس

اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (یوسف:۱۰۷)

اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عذاب آ جائے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو شعور نہ ہو۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً. (الحج:۵۵)

کافر اس وحی میں ہمیشہ شک کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کے اوپر قیامت اچانک آ جائے گی۔

لوگ اپنی تجارات' اپنے معاملات اور اپنی خرید و فروخت میں ایک دوسرے سے الجھ رہے ہوں گے' بحث کر رہے ہوں گے' اور جھگڑ رہے ہوں گے دنیاوی امور میں مشغول ہوں گے اور اچانک ان کے سروں پر قیامت آ جائے گی اور وہ اس سے بالکل غفلت میں ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے' جب لوگ اس علامت کو دیکھیں گے تو سب لوگ قیامت پر ایمان لے آئیں گے اور یہ وہ وقت ہوگا:

لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا. (الانعام:۱۵۸)

اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچائے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

قیامت ضرور آئے گی اس وقت دو آدمی (خرید و فروخت کے لیے) کپڑے پھیلائے ہوئے ہوں گے' ابھی انہوں نے خرید و فروخت مکمل کر کے کپڑے لپیٹے نہ ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ کر جا رہا ہوگا اور ابھی اس نے وہ دودھ پیا بھی نہ ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' اور ایک شخص اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا ابھی اس نے اپنے حوض سے پانی پیا بھی نہ ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' اور ایک شخص اپنا لقمہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھے گا اور اس کو کھانے سے پہلے اس پر قیامت آ جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۵۴' مسند احمد رقم الحدیث:۵۴۰ ۷' عالم الکتب)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس وہ اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ سکیں گے ۝ (یٰسٓ:۵۰)

وصیت زبانی بھی کر دی جاتی ہے لیکن قیامت کا آنا اس قدر اچانک ہوگا کہ ان کو زبان سے وصیت کرنے کی مہلت نہ مل سکے گی اور وہ اچانک مر جائیں گے اور دنیا کی طرف ان کا لوٹنا نہ ہوگا' لوگ جس حال میں ہوں گے اسی حال میں مر جائیں گے لوگ بازاروں میں مر جائیں گے' گھروں کو جانے والے اپنے گھروں میں پہنچ نہ سکیں گے اور مر جائیں گے' کسی کو اپنا منصوبہ اور پروگرام پورا کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اور درمیان میں ہی سب مر جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ

اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف

یَنْسِلُوْنَ ۝۵۱ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا

تیزی سے چلنے لگیں گے ۝ وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ

وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً

ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا ○ اور وہ صرف ایک ہولناک

وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

چیخ ہو گی، پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے ○ سو آج کے دن کسی

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ

شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ بے شک اہل جنت

الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ

آج دل چسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے ○ وہ اور ان کی بیویاں

ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

گھنے سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے ○ ان کے لیے اس جنت میں میوے ہوں گے اور ہر وہ چیز جس کی وہ

يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ

خواہش کریں گے ○ رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہو گا ○ اے مجرمو! آج

اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا

الگ ہو جاؤ ○ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،

الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ

بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾

راستہ ہے ○ اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے! ○

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ

یہ ہے وہ جہنم جس کی تم کو وعید سنائی گئی تھی ○ اس میں داخل ہو جاؤ

وقف غفران

تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيهِمْ وَ

کیونکہ تم کفر کرتے تھے O ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور

تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى

ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے O اور اگر ہم چاہتے تو ان کی

اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

بصارت زائل کر دیتے' پھر وہ راستے کی طرف دوڑتے تو وہ کہاں دیکھ سکتے تھے O اور اگر ہم چاہتے

لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾

تو ان کی جگہ پر ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے تو پھر وہ نہ جا سکتے تھے نہ لوٹ سکتے تھے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے O وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا' اور رسولوں نے سچ کہا تھا O اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ ہوگی' پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے O (یٰسٓ: ۵۳۔۵۱)

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں صور کا لفظ ہے' صور کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
یہ سینگ کی ہیئت اور شکل کی کوئی چیز ہے جس میں پھونک ماری جاتی ہے' حضرت اسرافیل کی پھونک کو اللہ تعالیٰ صورتوں اور روحوں کو ان کے اجسام میں منتقل ہونے کا سبب بنا دے گا۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۷۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں دوسرا مشکل لفظ اجداث ہے' اجداث' جدث کی جمع ہے' اس کا معنی قبر ہے۔
(مختار الصحاح ص ۶۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت میں تیسرا مشکل لفظ ''ینسلون'' ہے' اس کا مادہ نسل ہے' نسل کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے منفصل اور جدا ہونا ہے' جب اونٹ کے بال جھڑ جاتے ہیں تو کہتے ہیں نسل الوبر عن البعیر' بیٹے کو بھی نسل کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ سے منفصل ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ. (البقرہ: ۲۰۵) وہ کھیت اور (لوگوں کی) اولاد کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

تیزی سے چلنے اور دوڑنے بھاگنے کو بھی نسل کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ O (الانبیاء: ۹۶) حتیٰ کہ یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے بھاگتے ہوئے آئیں گے۔

اس آیت میں بھی ینسلون کا یہی معنی مراد ہے یعنی جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ سب اپنی قبروں سے نکل کر بھاگتے ہوئے اپنے رب کی طرف جائیں گے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

صور پھونکنے کی تعداد

اس حدیث میں جو صور پھونکنے کا ذکر ہے اس سے مراد دوسری بار صور پھونکنا ہے' پہلی بار صور پھونکنے کا ذکر یٰسٓ: ۴۹ میں گزر چکا ہے کہ وہ صرف ایک ہولناک آواز کا انتظار کر رہے ہیں جو ان کو (اچانک) پکڑ لے گی' اس سے مراد یہ ہے کہ اس صور کو پھونکنے سے قیامت واقع ہو جائے گی' اور اس کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے' دوسری بار صور پھونکنے کا ذکر اس حدیث میں بھی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا' لوگوں نے کہا اے ابو ہریرہ! چالیس دن؟ یا چالیس ماہ! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' لوگوں نے کہا چالیس سال! انہوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا' پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے' حضرت ابو ہریرہ نے کہا ایک ہڈی کے سوا انسان کے جسم کی ہر چیز گل جائے گی اور وہ دم کی ہڈی کا سرا ہے اور قیامت کے دن اسی سے انسان کو دوبارہ بنایا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۸۱۴-۴۹۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۴۵۹)

صور پھونکنے کی تعداد میں اختلاف ہے' جمہور علماء اور محققین کے نزدیک صور صرف دو بار پھونکا جائے گا' اور علامہ ابو بکر بن العربی کے نزدیک صور تین بار پھونکا جائے گا پہلی بار صور پھونکنے سے لوگ گھبرا جائیں گے اس کو نفخۃ الفزع کہتے ہیں اور دوسری بار صور پھونکنے سے سب لوگ مر جائیں گے اس کو نفخۃ الصعق کہتے ہیں' جمہور کے نزدیک یہ دونوں صور ایک ہیں' اور شیخ ابن حزم کے نزدیک صور چار بار پھونکا جائے گا' علامہ قرطبی' حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ جلال الدین سیوطی وغیرھم نے اس قول کو رد کر دیا ان تمام ابحاث کو ہم نے النمل: ۸۷ کی تفسیر میں لکھا ہے' وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس کی تحقیق کہ صور پھونکنے کے بعد بے ہوش ہونے سے کون' کون افراد مستثنیٰ ہوں گے

ان آیات میں بھی دو مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر فرمایا ہے پہلے صور کا ذکر صیحۃ واحدۃ (ایک ہولناک چیخ) کے عنوان سے فرمایا جس کے بعد کسی کو وصیت کرنے کی بھی مہلت نہ مل سکے گی' اور دوسرے صور کا صراحۃً ذکر فرمایا جس کے بعد سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے' اور درج ذیل آیت میں دونوں مرتبہ صور پھونکنے کا ذکر ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا' پس آسمانوں اور زمینوں کے سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے گا' پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ زندہ ہو کر اور ہوش میں آ کر کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس بے ہوشی سے مراد یہ ہے کہ جن عام لوگوں اور عام فرشتوں پر پہلے موت نہیں آئی تھی وہ اس بے ہوشی کے اثر سے مر جائیں گے' اور انبیاء علیہم السلام اور شہداء جن پر موت آ چکی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات عطا فرما دی تھی وہ صرف بے ہوش ہوں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ پھر ہوش میں آ جائیں گے' باقی رہا یہ کہ اس آیت میں جن لوگوں کا بے ہوش ہونے سے استثناء فرمایا اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے صحیح البخاری: ۶۵۱۷ میں

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حسب ذیل دس اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) علامہ ابوالعباس قرطبی متوفی ۶۵۶ ھ کا میلان اس طرف ہے کہ اس سے مراد تمام مردے ہیں کیونکہ ان کو احساس اور شعور نہیں ہوتا اور بے ہوش وہ ہو گا جس کا شعور ہو اور اس کے شعور کو سلب کیا جائے (المفہم) یہ قول موجب اشکال ہے' اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس استثناء کی تعیین میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے' اور ان کے تلمیذ علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے التذکرہ میں اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس استثناء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے' اور امام ہناد نے کتاب الزہد میں سعید بن جبیر سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ اس سے مراد شہداء ہیں' اور اس حدیث کی سند سعید بن جبیر تک صحیح ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں اس کے بعد ذکر کروں گا۔

(۲) اس استثناء سے مراد شہداء ہیں' جیسا کہ سعید بن جبیر کی مذکور الصدر روایت سے ثابت ہے۔

(۳) اس استثناء سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں' امام بیہقی نے اسی طرف میلان کیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں' انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' پس جب صور میں پہلی مرتبہ پھونکا جائے گا تو تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء بے ہوش ہو جائیں گے اور یہ ان کے حق میں مکمل موت نہیں ہو گی صرف ان کے حواس معطل ہو جائیں گے اور ان کا شعور ماؤف ہو جائے گا' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہو' اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہے تو پھر ان کے حواس اور شعور برقرار رہیں گے' اور طور پر تجلی کے وقت جو وہ بے ہوش ہو گئے تھے اسی بے ہوشی کو اس بے ہوشی کے قائم مقام کر دیا ہو' پھر امام بیہقی نے شہداء کے متعلق سعید بن جبیر کا اثر ذکر کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق یہ سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش کرنا نہیں چاہا تو حضرت جبریل نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کے شہداء ہیں' اس حدیث کی سند کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور امام ابن جریر طبری نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔

(۴) یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جو لوگ آخر میں بچ جائیں گے وہ حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت ہیں' پھر اول الذکر تین حضرات فوت ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت سے فرمائیں گے تم (بھی) فوت ہو جاؤ سو وہ بھی فوت ہو جائیں گے' میں کہتا ہوں کہ اس کی مثل حدیث کو امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن مردویہ نے بھی اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل' میکائیل اور ملک الموت تین کا استثناء کیا ہے' اس حدیث کی سند ضعیف ہے' اور امام ابن جریر اور امام ابن مردویہ نے اس کو ایک اور سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یحییٰ بن سلام کی مثل روایت کیا ہے اور امام ابن جریر نے اس کو سعید بن مسیب سے بھی روایت کیا ہے کہ ان مستثنیٰ افراد میں حاملین عرش نہیں ہیں کیونکہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں اور اس آیت میں زمینوں اور آسمانوں کے لوگوں کا استثناء ہے۔

(۵) آسمانوں اور زمینوں کے لوگ بے ہوش ہوں گے اور حاملین عرش ان میں داخل نہیں ہیں' جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

(۶) رسل ملائکہ اربعہ مذکورہ اور حاملین عرش بے ہوش نہیں ہوں گے' حضرت ابو ہریرہ کی طویل حدیث میں اس کا ذکر ہے جو

معروف اور مشہور ہے' اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور اس حدیث کی سند ضعیف اور مضطرب ہے' کعب الاحبار سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور انہوں نے کہا وہ بارہ افراد ہیں' اس کو امام بیہقی اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے مقطوعاً روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۷) امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں اور امام ثعلبی نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۸) بے ہوش ہونے سے جنت کے غلمان اور بڑی آنکھوں والی حوریں مستثنیٰ ہیں۔

(۹) جنت کے حور و غلمان اور جنت اور دوزخ کے خازن اور دوزخ کے سانپ اور بچھو اس سے مستثنیٰ ہیں' اس قول کو امام ثعلبی نے الضحاک بن مزاحم سے روایت کیا ہے۔

(۱۰) محمد بن حزم نے الملل والنحل میں جزم کے ساتھ کہا ہے کہ تمام ملائکہ بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ ہوں گے انہوں نے کہا کہ ملائکہ خود ارواح ہیں ان میں اور روحیں داخل نہیں ہیں لہٰذا ان پر بالکل موت نہیں آئے گی۔

امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ قتادہ سے روایت کیا ہے کہ بے ہوش ہونے سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہے ورنہ ہر شخص کو اللہ نے موت کا ذائقہ چکھانا ہے' اور اس کو ایک مستقل قول بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اہل نظر نے ان اقوال میں سے اکثر کو ضعیف قرار دیا ہے' کیونکہ اس آیت میں بے ہوش ہونے سے ان لوگوں کا استثناء فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر آسمانوں اور زمینوں کے رہنے والے ہیں' کیونکہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے سو حاملین عرش ان میں رہنے والے نہیں ہیں' اور حضرت جبریل اور حضرت میکائیل عرش کے گرد صف باندھنے والوں میں سے ہیں' اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت اور دوزخ منفرد عالم ہیں جن کو بقاء اور دوام کے لیے تخلیق کیا گیا ہے' اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں جن کا استثناء کیا گیا ہے وہ فرشتوں کے غیر ہیں' کیونکہ امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: تم زمین میں ٹھہرو گے جب تک ٹھہرو گے' پھر ایک ہولناک چیخ بھیجی جائے گی سو تمہارے معبود کی قسم! وہ چیخ زمین کے ہر شخص پر موت طاری کر دے گی حتیٰ کہ وہ فرشتے بھی مر جائیں گے جو تمہارے رب کے ساتھ ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۸۰۔۱۷۹' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی صحیح البخاری: ۶۵۱۷ کی تشریح میں ان دس اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے' لیکن ان پر تبصرہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

صور سے متعلق سورۂ یٰسٓ اور سورۂ زمر کی آیتوں کے تعارض کا جواب

ابھی ہم نے صور کے متعلق الزمر: ۶۸ کا ذکر کیا ہے' اس میں فرمایا ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے' اور زیر تفسیر آیت یٰسٓ: ۶۸ میں ہے اور صور پھونک دیا جائے گا' پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے ○ اور بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ ایک آیت میں کھڑے ہوئے دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں تیزی سے چلنے اور بھاگنے کا ذکر ہے' اس کے دو جواب ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ کھڑا ہونا تیز چلنے اور بھاگنے کے منافی نہیں ہے کیونکہ تیز چلنے والا بھی کھڑے ہو کر چلتا ہے اور دیکھنا بھی اس کے خلاف نہیں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کے تیزی سے چلنے میں کئی امور جمع ہوں گے گویا کہ وہ سب ایک آن میں ہو

رہے ہیں' کیونکہ جو امور تیزی سے ایک دوسرے کے بعد ہو رہے ہوں اور ان کے درمیان زمانہ کا وقفہ نہ ہو گویا وہ سب اسی وقت میں ہو رہے ہیں' اسی لیے فرمایا سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔

جب صور کی آواز جانداروں کی ہلاکت کا سبب ہے تو پھر دوسرے صور...... کی آواز سے لوگ زندہ کیوں کر ہوں گے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دونوں دفعہ جو صور پھونکا جائے گا اس کی حقیقت ایک ہولناک چیخ ہوگی' پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک چیخ کی آواز سن کر سب لوگ مر جائیں گے اور دوسری چیخ کی آواز سن کر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ موت اور حیات میں اصل موثر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے وہ جس چیز میں جو چاہتا ہے تاثیر پیدا فرما دیتا ہے' وہ چاہے تو آگ میں جلانے اور ہلاکت کی تاثیر پیدا فرما دے اور وہ چاہے تو آگ میں ٹھنڈک اور سلامتی کی تاثیر پیدا فرما دے' ہم دیکھتے ہیں کہ درخت ایک ہی قسم کی لکڑی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس کا تنا اوپر کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں' معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی تاثیر کچھ بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس حصہ کو چاہتا ہے اوپر کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے نیچے کر دیتا ہے' بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ صور کی ہولناک آواز سے اجسام میں تزلزل' اضطراب اور انتقال پیدا ہوتا ہے پس زندہ اجسام اس ہولناک چیخ سے متزلزل ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ متفرق اجزاء پھر متزلزل اور متحرک ہو جائیں گے اور یوں وہ سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ سب اپنی قبروں سے نکل کر بھاگ رہے ہوں گے' اس وقت قبریں کہاں ہوں گی کیونکہ قیامت آنے کے بعد تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے تو قبریں کہاں باقی رہیں گی! اس کا جواب یہ ہے کہ قبروں سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مردوں کو دفن کیا جائے گا' ان کے اجسام تو گل سڑ چکے ہوں گے' لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اجزاء اصلیہ کو باقی رکھے گا اور قبروں سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں ان کے اجزاء اصلیہ ہوں گے اور یہ اجسام زندہ ہو کر بھاگتے ہوئے ارض محشر کی طرف جائیں گے اور اس جگہ لوگوں کا حساب ہوگا۔

کفار اپنی قبروں کو خواب گاہوں سے کیوں تعبیر کریں گے؟

اس کے بعد فرمایا: وہ کہیں گے ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا O (یٰسٓ: ۵۲)

جب کفار کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان پر رنج اور غم کی شدید کیفیت طاری ہوگی' اس وقت وہ اپنی مصیبت اور ہلاکت کو پکار کر کہیں گے یاویلنا' یعنی اے ہماری مصیبت اور ہماری ہلاکت یہی تمہارے نزول اور آنے کا وقت ہے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کلام میں منادی محذوف ہو' یعنی اے لوگو! یہ ہماری مصیبت اور ہلاکت کا وقت ہے۔

اس کے بعد کفار کہیں گے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار قبروں میں سوئے ہوئے تھے اور اس سے بہ ظاہر عذاب قبر کی نفی ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور اور دوسرے صور کے درمیان جو چالیس سال کا وقفہ ہوگا اس میں ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی' اور اس تخفیف کی وجہ سے اس عرصہ میں ان پر نیند طاری ہو جائے گی' اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے ابوصالح سے روایت کیا ہے' (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۰۹' رقم الحدیث: ۳۵۳۵۹) پس جب چالیس سال بعد ان کو اٹھایا جائے گا اور وہ اچانک قیامت کے آثار اور احوال دیکھیں گے تو گھبرا کر کہیں گے کہ ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا' دوسرا جواب یہ ہے

کہ قیامت کے ہولناک امور کو دیکھ کر ان کا ذہن اس قدر ماؤف ہو جائے گا کہ وہ عذاب قبر کو بھول جائیں گے اور اپنی موت کو نیند سے تعبیر کریں گے' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جب وہ دوزخ کے عذاب اور اس کی شدت کو دیکھیں گے تو اس کے مقابلہ میں ان کو عذاب قبر بہت کم اور آسان معلوم ہوگا اور وہ قبروں کو خواب گاہیں کہیں گے۔

کفار نے اللہ تعالیٰ کا ذکر رحمٰن کے نام سے کیوں کیا تھا؟

اس کے بعد اس آیت میں مذکور ہے یہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں' ایک قول ہے کہ یہ فرشتوں کا یا مومنوں کا قول ہے' کیونکہ جب کفار اپنی قبروں سے اٹھ کر یہ کہیں گے کہ ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا تو' مومنین یا فرشتے ان کا رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم خواب گاہوں میں سوئے ہوئے نہیں تھے جیسا کہ تمہارا وہم ہے بلکہ تم کو دنیا میں رسولوں نے یہ بتایا تھا کہ قیامت آئے گی اور تم کو فنا کر دیا جائے گا پھر دوسرا صور پھونکنے کے بعد تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا' سو یہ وہی موت کے بعد کی دوسری زندگی ہے اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات کفار کہیں گے کہ یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔

کفار کو جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا گیا انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا یہ وہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر وصف رحمٰن سے کیا ہے' اس میں ان کی محرومی کی طرف اشارہ ہے کہ بعث کا وعدہ اجر وثواب عطا فرمانے اور انعام واکرام دینے جانے کے لیے ہوتا ہے اور آثار رحمت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے دنیا میں اللہ اور رسول کی خبروں کی تصدیق نہیں کی اور ایسے کام نہیں کیے جن کی بناء پر وہ بھی رحمت کے مستحق ہوتے' اس لیے وہ حسرت سے کہیں گے کہ مرنے کے بعد زندہ کیا جانا وہ امر ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا یعنی اس دن اس کی رحمت کا ظہور ہوگا اور ایمان لانے والوں اور نیکی کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کا صلہ دیا جائے گا اور رسولوں نے جو اس کی خبر دی تھی وہ سچی تھی' لیکن کفار چونکہ اس سے محروم تھے اس لیے انہوں نے حسرت اور تاسف کے اظہار کے لیے اس طرح کہا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے اس بات کو کہا ہو اور اللہ تعالیٰ کو رحمٰن کے نام سے اس امید اور طمع کی وجہ سے یاد کیا ہو کہ شاید اس دن اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم فرمائے' اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے یعنی دنیا میں مومنوں اور کافروں دونوں پر رحم فرماتا ہے اور آخرت میں رحیم ہے یعنی صرف مومنوں پر رحیم ہے تو علامہ آلوسی نے یہ کہا ہے کہ احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ یا رحمن الدنیا و الاخرة اور یا رحیم الدنیا و الاخرة اور اگر یہ مومنوں کا قول ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا رحمٰن کے نام سے اس لیے ذکر کیا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف ان کے حصہ میں آئے گی۔

دوسرے صور کی تفصیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ صرف ایک ہولناک چیخ ہوگی پس اچانک وہ سب ہمارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے O (یٰسٓ: ۵۳)

جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو صرف ایک زبردست چیخ سے وہ تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور تمام لوگ عرصۂ محشر میں زندہ ہو کر پیش ہو جائیں گے' اس چیخ کے متعلق علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ قول ہوگا: اے گلی ہوئی ہڈیو اور اے گوشت پوست کے ذرات اور اے خراب شدہ بالوں کی باقیات! اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمانے کے لیے

تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم مجتمع ہو جاؤ! (روح المعانی جز ۲۳ ص ۴۹) حسب ذیل آیات بھی دوسرے صور کے متعلق ہیں:

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۲۱-۱۹)

وہ صرف ایک زوردار جھڑکنا ہے' سو وہ اچانک دیکھنے لگیں گے ○ اور کہیں گے ہائے ہماری مصیبت یہی جزا اور سزا کا دن ہے یہی وہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے رہے تھے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۵۲)

جس دن وہ تم کو بلائے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے حاضر ہو گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم بہت کم دیر ٹھہرے تھے۔

تاء کی آٹھ قسمیں

صیحۃ میں تا مبالغہ کے لیے ہے' اور حشر کے جس قدر اسماء ذکر کیے گئے ہیں سب کے آخر میں تا مبالغہ کے لیے ہے' جیسے القیامۃ' بہت ثابت شدہ چیز' القارعۃ' بہت دل دہلانے والی' الحاقۃ' بہت زیادہ برحق اور بہت زیادہ واقع ہونے والی' الطامۃ' سب سے بڑی آفت یا مصیبت' الصاخۃ' کانوں کو بہت بہرا کرنے والی' وغیرھا۔

عربی میں تاء صرف تانیث کے لیے نہیں آتی بلکہ متعدد امور کے لیے آتی ہے (۱) تانیث کے لیے جیسے قائمۃ (۲) تذکیر کے لیے جیسے اربعۃ (۳) مبالغہ کے لیے جیسے علامۃ (۴) وحدت کے لیے جیسے درۃ' تمرۃ (۵) عوض کے لیے جیسے عدۃ' زنۃ (۶) اسمیت کے لیے جیسے کافیۃ' شافیۃ (۷) مصدریت کے لیے جیسے ضاربیۃ' مضروبیۃ (۸) زائدہ جیسے ملائکۃ' حجارۃ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آج کے دن کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ○ بے شک اہل جنت آج دل چسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے ○ وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے ○ ان کے لیے اس جنت میں میوے ہوں گے اور ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے ○ رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہو گا ○ (یٰسٓ: ۵۸-۵۶)

مسلمان کسی مرض کی وجہ سے مقررہ نفلی عبادت نہ کر سکیں ...... تو اللہ اپنے فضل سے ان کو اجر عطا فرماتا رہتا ہے

یٰسٓ: ۵۴ میں فرمایا: آج کے دن کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا' آیت کے اس حصہ میں عموم مراد ہے' کسی مومن پر ظلم کیا جائے گا نہ کسی کافر پر' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو اجر و ثواب عطا فرمائے گا وہ اس کا فضل ہے' اور کفار کو جو عذاب دے گا وہ اس کا عدل ہے' سو وہ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا' مومن پر نہ کافر پر' اور آیت کے دوسرے حصہ میں جو فرمایا ہے اور تم کو صرف ان ہی کاموں کا صلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں صلہ سے مراد جزا ہے اور آیت کے اس حصہ میں صرف کفار سے خطاب ہے' کیونکہ کفار کو صرف ان ہی کاموں کی جزا دی جائے گی جو انہوں نے کیے ہیں اور یہ عدل ہے' جب کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کاموں کی بھی جزا دے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۹۳)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ کفار کو آخرت میں کسی نیکی کی جزا نہیں دی جائے گی کیونکہ ہر نیکی کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے' بغیر ایمان کے کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہو گا' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۷)

جس نے بھی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو' شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور بہ ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے' اور اس کے نیک اعمال کا اس کو ضرور بہ ضرور اچھا

اجر عطا فرمائیں گے۔

البتہ کفار کو ان کے نیک کاموں کا دنیا میں اجر عطا فرما دیا جائے گا' البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے فضل سے بعض ان کاموں کا بھی اجر عطا فرمائے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔ اور حسب ذیل احادیث میں اس پر دلیل ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن بھی کوئی عمل ہو اس دن کا اختتام اسی عمل پر کیا جاتا ہے' پس جب مومن بیمار ہو تو فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے اپنے فلاں بندے کو بیماری میں قید کر لیا ہے' تو رب عزوجل فرماتا ہے اس بندے کا (صحیفۂ اعمال) اسی عمل پر مکمل کرو' حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے یا فوت ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۱۴۶' المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۲۸۴' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۱۴۲۸' امام احمد اور امام طبرانی کی سند میں ابن لہیعہ ہے' وہ ضعیف راوی ہے اور امام بغوی کی سند صحیح ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے جسم میں بھی کوئی مرض پیدا ہوتا ہے' تو اللہ عزوجل اس کے صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرا بندہ جب تک میرے مسلط کیے ہوئے مرض کی قید میں ہے اس کے نیک عمل کو ہر روز لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۲ص ۱۵۹' احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' اسی طرح حافظ الہیثمی نے کہا' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۲' مجمع الزوائد ج ۲ص ۳۰۳' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب کوئی بندہ اچھے طریقہ سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مقرر کیا جاتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ بندہ اپنی صحت کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کے اس عمل کو (بہ دستور) لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۲ص ۲۰۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۹۰۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ' اس حدیث کی سند حسن ہے)

ابو الاشعث الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد دمشق کی طرف جا رہے تھے راستہ میں ان کی ملاقات حضرت شداد بن اوس انصاری رضی اللہ عنہ اور الصنابحی سے ہوئی' میں نے ان سے پوچھا آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہمارا ایک بھائی مصر سے یہاں آیا ہوا ہے ہم اس کی عیادت کے لیے جا رہے ہیں' میں بھی ان کے ساتھ گیا حتیٰ کہ ہم اس شخص کے پاس گئے' ان دونوں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا مجھ پر صبح سے اللہ کا انعام ہے' حضرت شداد نے کہا تمہیں اپنے گناہوں کے کفارہ کی بشارت ہو' اور اپنے گناہوں کے ساقط ہونے کی' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جب میں اپنے بندوں میں سے کسی مومن بندے کو کسی مرض میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ میری آزمائش پر میری حمد کرتا ہے تو میں فرشتوں سے کہتا ہوں کہ تم اس کی صحت کے ایام میں اس کا جو اجر لکھتے تھے اس کا وہی اجر لکھتے رہو۔

(مسند احمد ج ۴ص ۱۲۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۳۶' السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث: ۱۶۱۱' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی مسلمان بندے کو کسی مرض میں مبتلا فرماتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کے اسی نیک عمل کو لکھتے رہو جو یہ کیا کرتا تھا' اگر وہ اس بندے کو اس مرض سے شفاء دے دے تو اس کو گناہوں سے دھو کر پاک کر دیتا ہے' اور اگر اس کی روح قبض کر لے تو اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ص ۲۵۸' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث ۱۳۶۴۷' دارالحدیث القاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندہ کو بھی کسی مرض میں مبتلا فرماتا ہے تو اس کے صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اس شخص نے جو برا عمل کیا ہے اس کو مت لکھو اور اس شخص نے جو نیک عمل کیا ہے تو وہ نیک عمل دس گنا لکھ دو' اور صحت کے ایام میں یہ شخص جو نیک عمل کرتا تھا اس کو حسب دستور لکھتے رہو' خواہ وہ یہ عمل نہ کرے۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۱ رقم الحدیث: ۶۶۳۸' مجمع الزوائد ج ۲ص ۳۰۴' اس کی سند ضعیف ہے)

بعض مفسرین نے جو یہ کہا ہے کہ کفار کو صرف ان کے کیے ہوئے کاموں کی جزا دی جائے گی اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کاموں کی بھی جزا دیتا ہے جو انہوں نے نہیں کیے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو رہا ہے ان کی یہ نکتہ آفرینی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اللہ آخرت میں کافروں کو ان کی کسی نیکی کا اجر نہیں دے گا کیونکہ نیکی کے قبول ہونے کی شرط ایمان ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کے اس دوسرے حصہ کا کیا محمل ہے جس میں یہ فرمایا ہے تم کو صرف انہی کاموں کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جزاء کا لفظ سزا کے معنی میں بھی آیا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۙ إِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۙ جَزَآءً وِّفَاقًا ۙ (النبا: ۲۶-۲۴)

وہ دوزخ میں کسی قسم کی ٹھنڈک پائیں گے اور نہ کوئی مشروب ○ ماسوا کھولتے ہوئے پانی اور دوزخیوں کی پیپ کے ○ (یہ ان کی) پوری پوری سزا ہوگی۔

جس طرح اس آیت میں جزا کا لفظ سزا کے معنی میں آیا ہے اسی طرح زیر تفسیر آیت **ولا تجزون الا ما کنتم تعملون** میں بھی جزا کا لفظ سزا کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کفار سے فرما رہا ہے: پس آج کے دن تم پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں صرف انہی کاموں کی سزا دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ جو کام تم نے نہ کیے ہوں ان کی بھی تمہیں سزا دی جائے۔ جس طرح اس کے مقابلہ میں مؤمنوں کو ان کاموں کا بھی اجر و ثواب دیا جائے گا جو انہوں نے نہیں کیے تھے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث کے حوالہ سے ہم واضح کر چکے ہیں۔

بعض مفسرین نے جو آیت کے اس دوسرے حصہ میں جزا کو اجر و ثواب کے معنی میں لیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آیت کے اس حصہ میں کفار سے خطاب کر کے یہ بتایا ہے کہ کافروں کو صرف انہی کاموں کی جزا ملے گی جو انہوں نے کیے ہیں' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مؤمنوں کو ان کاموں کی بھی جزا دے گا جو انہوں نے نہیں کیے۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مؤمنوں نے جو کام کیے ہیں ان پر بھی جو اجر و ثواب ملے گا وہ اللہ کے فضل ہی سے ملے گا' پھر اللہ کے فضل کو ان کاموں کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ ہے جو انہوں نے نہیں کیے؟ البتہ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جو کام انہوں نے کیے ہیں اس کے اجر کا صورۃً سبب ان کے کام ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر اجر و ثواب کا سبب صورۃً بھی اللہ کا فضل ہے اور حقیقۃً بھی اللہ کا فضل ہے۔

شغل اور فاکھون کے معانی اور ان کی تفسیریں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اہل جنت آج دلچسپ مشغلوں میں خوش و خرم ہوں گے (یٰسٓ: ۵۸-۵۵)

اس سے پہلے یٰسٓ: ۵۲ میں کفار کی حسرت اور افسوس کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں مسلمانوں کے جنت میں خوش و خرم ہونے کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ مسلمانوں کا جنت میں ہونا اور ان کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا کفار کے لیے مزید رنج و

غم اور حسرت اور افسوس کا باعث ہے' کیونکہ جب کسی شخص کو اپنے دشمنوں کی ان راحتوں اور مسرتوں کا علم ہو جن سے وہ خود محروم ہو تو یہ چیز اس کے لیے زیادہ افسوس اور مایوسی کا موجب ہوتی ہے۔

اس آیت میں شغل کا لفظ ہے' شغل کی تعریف یہ ہے کہ کوئی ایسا اہم کام جس میں غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے آدمی دوسری چیزوں سے غافل ہو جائے' خواہ وہ اہم کام پر مسرت ہو یا رنج اور غم والا ہو یا از قبیل عبادت ہو' مثلاً کسی شخص کے ماں باپ مر جائیں تو وہ ان کی تجہیز و تکفین اور ان کے رنج اور غم میں اس قدر منہمک ہوتا ہے کہ دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے' یا کسی شخص کی شادی ہو رہی ہو تو وہ شادی کی تیاری میں اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ باقی کاموں کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی' یا جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق اور منہمک ہوتے یا اس کی عبادت میں اور یاد میں مشغول ہوتے تو کسی چیز کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی تھی جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

لی مع الله وقت لا یسع فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل. میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا خاص وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔

(الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث ۷۶۴' کشف الخفاء رقم الحدیث ۲۱۵۹)

نیز اس آیت میں فاکھون کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ فاکھون کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہر قسم کے میوے اور پھل کو فاکھة کہتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ انگور اور انار کے ماسوا کو فاکھة کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ. (الواقعہ ۲۰) اور (جنت میں) ایسے میوے ہوں گے جن کو وہ پسند کریں

ـــ

ہنس ہنس کر اور اترا اترا کر باتیں کرنے کے لیے بھی اس مادے کا استعمال ہوتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ. (الواقعہ ۶۵) اگر ہم چاہیں تو اس (کھیت) کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں پھر تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔

عیش و آرام اور نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے والے کو بھی فاکہ کہا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ. (الطور ۱۸) وہ ان نعمتوں اور اس عیش و آرام پر خوش ہیں جو ان کو ان کے رب نے عطا فرمایا ہے۔

زیر تفسیر آیت میں بھی فاکھون اسی معنی میں ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے شغل کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) حسن' سعید بن جبیر' حضرت ابن مسعود اور قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے پاکیزہ حوروں سے لذت مباشرت حاصل کرنا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسافع بن ابی شریح نے کہا اس سے مراد ہے آلات موسیقی بجانا۔

(۳) مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے وہ نعمتوں سے محظوظ ہو رہے ہوں گے۔

(۴) اسماعیل بن ابی خالد اور ابان بن تغلب نے کہا وہ کفار کو دوزخ میں ڈالنے سے خوش ہو رہے ہوں گے۔

علامہ الماوردی نے کہا کہ فاکھون کی تفسیر میں بھی چار قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے وہ خوش ہوں گے (۲) قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے وہ نعمتوں میں ہوں

گے (۲) مجاہد نے کہا وہ متعجب ہوں گے (۴) ایک قول یہ ہے کہ وہ کھانے پینے کی لذتوں میں ہوں گے۔

(النکت والعیون ج ۵ص ۲۵۔۲۴' دارالکتب العلمیہ بیروت)

جنت کی نعمتوں سے اہل جنت کے محظوظ ہونے کے متعلق احادیث

اہل جنت کی نعمتوں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت میں سے ایک مرد کو کھانے' پینے' جماع اور شہوت میں سو مردوں کی قوت دی جائے گی' ایک یہودی نے کہا جو شخص کھائے گا اور پیے گا اس کو رفع حاجت کی ضرورت بھی ہوگی' آپ نے فرمایا اس کی کھال سے پسینہ بہے گا جس سے اس کا پیٹ سکڑ جائے گا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۷' مسند احمد ج ۴ص ۳۶۷۔۳۸۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۰۹۔۱۰۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۴۷۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۳۔۳۵۲۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۰۰۴' حلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۱۱۶' کتاب البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث: ۳۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت جوان' بے ریش اور سرگیں آنکھوں والے ہوں گے' ان کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ ان کی جوانی فنا ہوگی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۹' مسند احمد ج ۲ص ۳۴۳' ۲۹۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۱۱۴' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۲۰' الکامل لابن عدی ج ۵ص ۱۸۴۲ اقدیم' المعجم الکبیر ج ۲۰ص ۶۴' رقم الحدیث: ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت نہ پیشاب کریں گے نہ ان کی ناک سے رینٹ نکلے گی' نہ وہ پاخانہ کریں گے' ان کو صرف ایک ڈکار آئے گی' اور جس طرح ان میں سانس ڈالا جاتا ہے اس طرح ان کو تسبیح اور حمد کا الہام کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۵' مسند احمد ج ۳ص ۳۸۴۔۳۴۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۹۰۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۳۵' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۷۵' کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۳۱۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے' اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (السجدۃ: ۱۷)

سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں جو ان کے نیک اعمال کی جزاء ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۸۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ایک (جنتی) شخص ستر (۷۰) کنواری حوروں سے ایک دن میں لذت مباشرت حاصل کرے گا اور اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ کنواری حوریں بنا دے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۷' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۲۴۹' کنز العمال ج ۱۴ص ۴۸۳' رقم الحدیث: ۳۹۳۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! جس طرح ہم اپنی ازواج کے ساتھ دنیا میں مباشرت کرتے ہیں آیا ہم جنت میں بھی اپنی ازواج کے ساتھ اس طرح مباشرت کریں گے؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ایک شخص ایک دن میں سو کنواری حوروں کے ساتھ جماع کرے گا۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۴۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا گیا آیا اہل جنت مباشرت کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! وہ بغیر شہوت میں کمی یا ڈھیلے پن کے یہ عمل کریں گے' اور ایک روایت میں ہے اور بغیر انزال کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۲۱' ۷۶۷۴' ۷۴۷۹)

جنت میں حوروں اور نیک خواتین کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت سعید بن عامر بن حدیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اگر جنت کی حوروں میں سے کوئی حور زمین والوں کی طرف جھانک کر دیکھے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۵۱۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۲۸' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۵۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ (الواقعہ: ۲۲) اور ''بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں'' آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی فربہ حوریں ہیں جن کی پلکیں کرگس کے پروں کی طرح ہیں' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے کَاَنَّہُنَّ الۡیَاقُوۡتُ وَ الۡمَرۡجَانُ (رحمٰن: ۵۸) ''وہ حوریں یاقوت اور مونگے کی طرح ہوں گی'' آپ نے فرمایا جس طرح اس سیپ میں صاف اور اور چمک دار موتی ہوتا ہے جس کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو وہ اسی طرح صاف اور شفاف ہوں گی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے: فِیۡہِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ (رحمٰن: ۷۰) ''ان جنتوں میں نیک' حسین حوریں ہیں'' آپ نے فرمایا ان کے عمدہ اخلاق اور حسین چہرے ہوں گے'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے کَاَنَّہُنَّ بَیۡضٌ مَّکۡنُوۡنٌ (الصّٰفّٰت: ۴۹) ''وہ حوریں ایسی ہیں جیسے چھپائے ہوئے انڈے'' آپ نے فرمایا وہ اس طرح نرم اور رقیق ہوں گی جس طرح انڈے کی اندرونی جھلی رقیق اور باریک ہوتی ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتایئے عُرُبًا اَتۡرَابًا (الواقعہ: ۳۷) ''وہ حوریں محبت کرنے والی ہم عمر ہیں'' آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس حال میں دنیا سے اٹھائے گا کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہوں گی' ان کی آنکھیں چیپڑ زدہ ہوں گی اور ان کے بال کھچڑی ہو چکے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو کنواری بنا دے گا عرباً کے معنی ہے محبت کرنے والیاں اور اترابا کے معنی ہیں ہم عمر' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھوں والی حوریں' آپ نے فرمایا دنیا کی عورتیں بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح جسم کا ظاہر جسم کے باطن سے افضل ہوتا ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے لیے نمازیں پڑھیں اور اللہ کے لیے روزے رکھے' اللہ عزوجل ان کے چہروں پر نور پہنا دے گا' اور ان کے اجسام ریشم کی طرح ہوں گے' ان کا رنگ گورا ہو گا ان کے کپڑے سبز رنگ کے ہوں گے' ان کے زیورات سونے کے ہوں گے' ان کی خوشبو کی انگیٹھیاں موتیوں کی ہوں گی اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی' وہ کہیں گی سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں اور ہم کبھی نہیں مریں گی' سنو! ہم ہمیشہ نعمتوں سے مالا مال رہیں گی اور ہم کبھی غم زدہ یا خوف زدہ نہیں ہوں گی' سنو! ہم ہمیشہ یہاں پر قیام کریں گی اور کبھی یہاں سے سفر نہیں کریں گی' سنو! ہم ہمیشہ راضی رہیں گی اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی' اس کو خوشی اور مبارک ہو جس کے حصہ میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے لیے ہو گا! (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۶۵' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۵۵)

جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی رضا کے متعلق احادیث

جنت اور اس کی تمام نعمتیں بہت عظیم ہیں حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک چابک کی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۱۸)

تاہم جنت میں سب سے بڑی نعمت جو حاصل ہوگی وہ اللہ عزوجل کا دیدار اور اس کی رضا کا حصول ہوگا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ. (یونس: ۲۶) جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کے لیے نیک انجام اور زیادہ انعام ہے۔

آپ نے فرمایا جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا بے شک اللہ کے پاس تمہارے لیے ایک وعدہ ہے، وہ کہیں گے کیا ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا گیا! اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی گئی! اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا گیا! وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر (ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) حجاب کو کھول دیا جائے گا، آپ نے فرمایا: پس اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے زیادہ محبوب ان کو کوئی چیز عطا نہیں فرمائی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲ ج ۶ ص ۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۹۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۱۵-۷۳۱۴، کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۴۶، کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ اس شخص کا ہے جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنے باغات کی طرف دیکھ رہا ہوگا اور اپنی ازواج کی طرف اور اپنی نعمت کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی مسہریوں کی طرف، اور اہل جنت میں سے جو اللہ کے نزدیک مکرم ہوگا وہ ہر صبح اور شام کو اللہ عزوجل کے چہرے کی طرف دیکھے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے ○ وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۳-۲۲)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳-۶۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۷۱۲، ۵۷۲۹، المستدرک ج ۲ ص ۵۰۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۸۷، کتاب البعث والنشور رقم الحدیث: ۴۳۳-۴۳۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۹۶-۴۳۹۵)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے بدر (ماہ تمام، چودھویں رات کا چاند) کی طرف دیکھا، پھر آپ نے فرمایا بے شک تم اپنے رب کو عنقریب اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تم کو اس کو دیکھنے میں کوئی تنگی نہیں ہوگی، پس اگر تم طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے کی طاقت رکھو تو ضرور ان نمازوں کو پڑھو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ. (ق: ۳۹) طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۶۰، مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۲

الکبیر رقم الحدیث: ۶۲۲۳‘ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۰۵۳‘ شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۷۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے ہم تیرے پاس حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے‘ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہو گی تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کیں‘ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہو گی! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیتا ہوں‘ اس کے بعد میں تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹‘ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵‘ مسند احمد ج ۳ ص ۸۸‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹‘ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۰‘ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۴۲‘ کتاب البعث والنشور رقم الحدیث ۴۴۵‘ شرح السنہ رقم الحدیث ۴۳۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک شفاف آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ نشان تھا‘ میں نے پوچھا اے جبریل یہ کیسا آئینہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ جمعہ ہے جس کو آپ کا رب آپ پر پیش فرمائے گا تاکہ یہ دن آپ کے لیے عید ہو جائے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے‘ اور آپ (اس دن کے ملنے میں) اول ہیں اور یہود اور نصاریٰ کے لیے اس کے بعد کا دن ہے‘ آپ نے پوچھا ہمارے لیے اس دن میں کیا ہے؟ حضرت جبریل نے کہا آپ کے لیے اس دن میں خیر ہے‘ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب سے کسی خیر کی دعا کرے جو اس کا مقسوم ہو تو اس کا رب اس کو وہ عطا فرما دے گا‘ اور اگر وہ چیز اس کے مقسوم میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عظیم چیز کو اس کے لیے مقدر فرما دے گا‘ اور اگر اس نے کسی چیز سے پناہ طلب کی اور وہ اس کے مقدر میں ہو تو اللہ اس کو اس چیز سے پناہ میں رکھے گا اور اگر اس سے پناہ اس کے مقدر میں نہ ہو تو اس سے زیادہ مضر چیز سے اس کو پناہ میں رکھے گا‘ میں نے ان سے پوچھا اس آئینہ میں یہ سیاہ نشان کیسا ہے؟ انہوں نے کہا یہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہو گی‘ اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے‘ اور ہم آخرت میں اس کو یوم المزید کہتے ہیں (اس سے مراد ہے زیادہ انعام کا دن اور وہ زیادہ انعام اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے) میں نے پوچھا آپ اس کو یوم المزید کیوں کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کیونکہ آپ کے رب نے جنت میں ایک سفید وادی بنائی ہے جو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے‘ پس جب جمعہ کا دن ہو گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہو گا حتیٰ کہ نور کے منبر کرسی کا احاطہ کر لیں گے اور انبیاء آ کر ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے‘ پھر سونے کی کرسیاں ان منبروں کا احاطہ کر لیں گی‘ پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے پھر اہل جنت آ کر ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے‘ پھر ان کے سامنے ان کا رب تبارک و تعالیٰ جلوہ فرما ہو گا‘ حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے اور وہ فرمائے گا: میں وہ ہوں جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا‘ اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا‘ اور یہ میری کرامت کی جگہ ہے‘ سو تم مجھ سے سوال کرو‘ تو وہ اس سے اس کی رضا کا سوال کریں گے‘ پس اللہ عزوجل فرمائے گا‘ میں نے تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیا‘ اور میری کرامت تمہارے ہی لیے ہے سو تم مجھ سے سوال کرو‘ پھر وہ اس سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی‘ پھر ان کے لیے ایسی نعمتیں کھول دی جائیں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کسی کان نے سنا ہو گا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہو گا‘ یہ مجلس اتنی دیر رہے گی جتنی دیر میں لوگ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہیں‘ پھر رب تبارک و تعالیٰ اپنی کرسی پر چڑھ جائے گا اور اس کے ساتھ شہداء اور صدیقین بھی چڑھ جائیں گے‘ اور بالا

خانے والے بالا خانوں میں چلے جائیں گے' (جنت میں) ایک سفید موتی ہے جس میں کوئی شگاف نہیں ہوگا' یا سرخ یاقوت ہے یا سبز زمرد ہے' اس میں بالا خانے اور ان کے دروازے ہوں گے' اس میں دریا ہوں گے' اس میں پھل لٹکے ہوئے ہوں گے' اور اس میں ان کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے' تاہم جمعہ کے دن سے زیادہ ان کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوگی' تا کہ اس دن ان کو زیادہ کرامت حاصل ہو' اور اس دن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف زیادہ نظر بھر کر دیکھیں اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم المزید ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۵۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۷۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۲۸' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۹-۴۶)

حافظ الہیثمی نے کہا امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی کی سند صحیح ہے' اور امام بزار کی سند میں اختلاف ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۲۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جنت والے' جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ عزوجل فرمائے گا: اے میرے بندو! کیا تم مجھ سے کسی چیز کا سوال کرو گے تا کہ میں تم کو وہ چیز زیادہ دوں' وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہم کو جو چیزیں عطا فرمائی ہیں' ان میں سے کس چیز میں زیادہ خیر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا بہت بڑی چیز ہے۔

(المعجم الاوسط ج ۱۰ ص ۹۰۲۱' دار المعارف ریاض' اس کی سند میں ایک راوی متروک ہے' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۷۷۳)

اہل جنت پر اللہ کا سلام اور اس کی عظمت اور انفرادیت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہوگا O (یٰسٓ: ۵۸)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ان کے لیے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے (یٰسٓ: ۵۷) اور اس آیت میں ان کی اس خواہش کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ جنتیوں کی اس سے بڑھ کر اور کیا خواہش ہوگی کہ ان کا رب ان سے فرمائے تم پر سلام ہو' قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں بھی اہل جنت پر سلام پیش فرمانے کا ذکر ہے:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ (الاحزاب: ۴۴)

جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کو سلام کا تحفہ پیش کیا جائے گا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ O (النحل: ۳۲)

جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں وہ فرشتے (ان سے) کہتے ہیں تم پر سلام ہو تم ان نیک کاموں کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ O (الرعد: ۲۴-۲۳)

دائمی جنتوں میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا' اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو نیک ہوں گے اور جنت کے ہر دروازے سے ان کے پاس فرشتے آئیں گے O (اور کہیں گے) تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا' پس کیا ہی اچھی آخرت کی جزا ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ O (الزمر: ۷۳)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ جنت میں پہنچ جائیں گے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جنت کے محافظ ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوشی کے ساتھ

کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ از خود اہل جنت کو سلام کرے گا اور فرشتوں کی زبان سے اہل جنت کو سلام کہلوائے گا' جس طرح اس نے انبیاء علیہ السلام کو از خود بھی سلام فرمایا ہے اور فرشتوں کی زبان سے بھی سلام کہلوایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۷۹) تمام جہانوں میں نوح پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰۹) ابراہیم پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۲۰) موسیٰ و ہارون پر سلام ہو۔

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۳۰) الیاس پر سلام ہو۔

وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۸۱) اور تمام رسولوں پر سلام ہو۔

اور یہ اہل جنت کے لیے بہت فضیلت اور کرامت کا مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عزت اور تحیت رسولوں کو عطا فرمائی اور جو سلام ان کو پیش فرمایا وہی عزت اور تحیت اور وہی سلام اہل جنت کو پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ ۝ اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ۝ اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے ۝ (یٰسٓ: ۶۱۔۵۹)

مجرمین کے دوسروں سے الگ اور جدا ہونے کی متعدد تفسیریں

اس آیت میں وامتازوا کا لفظ ہے' اس کا مصدر امتیاز ہے' امتیاز اور تمییز کا معنی ہے مشابہ اور ملی جلی چیزوں کے درمیان فصل اور تفریق کرنا اور ان کو جدا جدا کرنا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجرموں کو جو الگ الگ اور متفرق ہونے کا حکم دے گا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ محشر میں مومن اور کافر' موحد اور مشرک' مخلص اور منافق' اور فاسق اور صالح ملے جلے کھڑے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک فریق کو دوسرے فریق سے الگ اور جدا کر دے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوۡنَ ۝ اور جس دن قیامت قائم ہو گی (تو) سب جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی۔ (الروم: ۱۴)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مومنوں سے الگ ہو جائیں کیونکہ کفار دیکھیں گے کہ مومنوں کے چہرے سفید ہیں اور ان کے چہرے سیاہ ہیں' مومنوں کے صحائف اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں ہیں' مومنوں کے چہرے تر و تازہ' ہنستے مسکراتے ہوئے اور بشاش ہیں اور ان کے چہرے پژمردہ اور تاریک ہیں' مومنوں کا نور ان کے سامنے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہے اور ان کی پیشانی ان کی پشت کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے' مومن کی میزان کے پلڑے بھاری ہوں گے اور ان کی میزان کے پلڑے ہلکے ہوں گے' مومن پل صراط پر ثابت قدم رہیں گے اور کافر پل صراط سے پھسل جائیں گے' اس لیے کافروں سے کہا جائے گا تم دنیا میں مومنوں سے مل جل کر رہتے تھے آج ان سے الگ ہو جاؤ' ان مومنوں کو اجر و ثواب اور انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور کافروں کو ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مومنین صالحین سے فاسقین کو نکال کر الگ کھڑا کر دیا جائے گا تو پھر اس آیت سے مسلمانوں کو بہت زیادہ ڈرنا چاہیے' کیونکہ دنیا میں تو استاذ اور شاگرد' باپ اور بیٹے' پیر اور مرید سب مل جل کر رہتے ہیں' حالانکہ کئی شاگرد استاذ سے اور کئی بیٹے' باپ سے اور کئی مرید پیر سے زیادہ نیک ہوتے ہیں' دنیا میں شاگرد' استاذ کو اور بیٹا باپ کو اور

مرید پیر کو زیادہ قابل احترام اور زیادہ متقی اور نیک سمجھتا ہے اور جب قیامت کے دن بدکار استاذ' فاسق باپ اور گنہ گار پیر کو حکم دیا جائے گا کہ اے مجرمو! آج نیکوں سے الگ کھڑے ہو جاؤ تو ان کی کس قدر ذلت اور رسوائی ہو گی' جب شاگرد' بیٹا اور مرید نیکوں کی صف میں کھڑے اپنے استاذ' باپ اور پیر کو مجرموں کی صف میں کھڑے ہوئے حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے! اور یہ سب سے بڑا عذاب ہے کیونکہ کسی شخص کو تنہائی میں عذاب دیا جائے اس سے اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا عقیدت مندوں کے سامنے رسوائی سے دکھ اور غم ہوتا ہے' اے اللہ تو نے ہمیں دنیا میں عزت دی ہے تو آخرت میں ہمیں ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھنا!

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مجرموں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا جائے گا' یہودیوں کو عیسائیوں سے الگ کر دیا جائے گا' اور مجوسیوں کو صابئین سے الگ کر دیا جائے گا' ہندوؤں کو سکھوں سے اور دہریوں کو بھکشوں سے الگ کر دیا جائے گا' ضحاک سے یہ بھی روایت ہے کہ کفار کے ہر فرقہ کے لیے دوزخ میں الگ الگ طبقہ ہے اور ہر فرقہ کو دوزخ کے الگ الگ طبقہ میں رکھا جائے گا۔

اس آیت کا چوتھا معنی یہ ہے کہ مومن تو اپنے بھائیوں' اپنی بیویوں' اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ واصل ہوں گے اور کفار اپنے بھائیوں' رشتہ داروں اور دوستوں سے الگ الگ اور جدا ہوں گے' سو کافروں کو آگ کا دردناک عذاب بھی ہو گا اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے جدا اور الگ ہونے کا قلق بھی ہو گا' اور دوستوں سے علیحدگی اور جدائی کا قلق آگ میں جلنے سے زیادہ ہو گا کیونکہ آگ میں جلنے کا عذاب جسمانی ہے اور دوستوں اور محبوبوں سے جدائی کا عذاب قلبی اور عقلی ہے۔

اس آیت کا پانچواں معنی یہ ہے کہ آج تم اپنے خود ساختہ معبودوں سے الگ ہو جاؤ اور جن کو تم اپنا شفیع اور مددگار قرار دیتے تھے ان سے الگ اور جدا ہو جاؤ۔

اس آیت کا چھٹا معنی یہ ہے کہ تم اپنی توقعات اور آرزوؤں سے الگ ہو جاؤ' بلکہ ہر خیر سے الگ ہو جاؤ' اور دوزخ میں بھی الگ الگ اور جدا جدا رہو' کیونکہ ہر کافر کی دوزخ میں الگ الگ کوٹھڑی ہو گی۔

تمام کافروں کی اقسام کا مجرمین کے عموم میں داخل ہونا

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے التاویلات الماتریدیہ میں ذکر کیا ہے کہ بعض اکابرین نے فرمایا جو لوگ دوام اور خلود کے ساتھ دوزخ میں رہیں گے' ان کے چار گروہ ہیں' متکبرین' دہریے (منکر خدا)' منافقین اور مشرکین' اور مجرمین کا لفظ ان چاروں گروہوں کو شامل ہے' اور جب فرمایا اے مجرمو! تم دوسروں سے الگ ہو جاؤ' تو اس میں ان سے خطاب فرمایا ہے جو دائماً دوزخ میں رہنے کے مستحق ہیں' اور یہ چار گروہ اس وجہ سے ہیں کہ شیطان وسوسہ اندازی کے لیے چار اطراف سے حملہ آور ہوتا ہے سامنے سے' پیچھے سے' دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے' جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۱۷-۱۶)

شیطان نے کہا چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے' اس لیے میں ضرور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا ○ پھر میں ان پر ان کے سامنے سے حملہ کروں گا اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے زیادہ لوگوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔

لہٰذا جو بھی دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل ہو گا وہ شیطان ہی کے واسطے سے داخل ہو گا' وہ مشرکین پر وسوسہ

ڈالنے کے لیے ان کے سامنے سے حملہ آور ہوگا' اور متکبرین پر ان کی دائیں جانب سے حملہ آور ہوگا' اور منافقین پر حملہ کے لیے ان کی بائیں جانب سے حملہ آور ہوگا اور دہریوں پر حملہ کرنے کے لیے ان کے پیچھے سے حملہ آور ہوگا' مشرکین پر سامنے سے اس لیے وسوسہ ڈالے گا کیونکہ اس کے سامنے کی جانب غائب ہوتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کا انکار نہیں کر سکتا' تو ابلیس اس کو سامنے سے کوئی ایسی چیز دکھاتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہی تمہارا خدا ہے سو وہ اس کی پرستش کرنے لگتا ہے' اور متکبرین کی طرف ان کی دائیں جانب سے اس لیے آتا ہے کہ دائیں جانب بائیں جانب سے قوی ہوتی ہے سو وہ اس کے دل و دماغ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ قوی ہے' پھر وہ تکبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو سب سے بڑا گمان کرتا ہے' اور منافقین کے دل و دماغ میں بائیں جانب سے وسوسہ ڈالتا ہے' کیونکہ بائیں جانب' دائیں سے کمزور ہوتی ہے اور منافق تمام گروہوں میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اس میں اپنے کفر کے اظہار کی قدرت نہیں ہوتی وہ اپنے کفر کو دل میں چھپاتا ہے اور اپنے اعتقاد کے خلاف ایمان کو اور مسلمانوں کی موافقت کو ظاہر کرتا ہے' اور خدا کے منکرین اور دہریوں کے دل و دماغ پر ان کے پیچھے سے حملہ آور ہوتا ہے کیونکہ انسان کو اپنے پس پشت کچھ دکھائی نہیں دیتا' اسی طرح دہریوں کو اور منکرین خدا کو اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل اور نشانیاں نظر نہیں آتیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات خود بہ خود وجود میں آگئی ہے' اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے' پس کفار اور مجرمین کے یہ چار گروہ ہیں' یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' دوزخ کے سات دروازے ہیں اور جب سات کو چار سے ضرب دیں تو حاصل ضرب اٹھائیس ہے اور چاند کی منزلیں بھی اٹھائیس ہیں اور جس طرح چاند اپنی اصل اور اپنی ذات میں بے نور ہے اسی طرح کفار بھی اپنی اصل اور ذات میں بے نور ہیں دنیا میں ان کے اندر جو عیش و عشرت کی روشنی نظر آتی ہے وہ چاند کی روشنی کی طرح مستعار اور عارضی ہے پس چاند کی منازل کی طرح ان کے عذاب کے بھی اٹھائیس مخصوص حصص بنا دیئے گئے ہیں۔

عہد کا معنی اور اس کی اقسام

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O (یٰسٓ: ۶۰)

عہد کا معنی ہے کسی ایسے کام کی پیشگی وصیت کرنا جس میں خیر اور منفعت ہو اور اس کام کا وعدہ لینا' یعنی کسی ایسے کام کا پختہ قول و اقرار لینا جس کی رعایت کرنا اور اس کو پورا کرنا لازم ہو' اللہ نے جو ہم سے عہد لیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہماری عقلوں میں یہ بات جا گزیں اور مرکوز کر دی ہے کہ ہم اس کو واحد مستحق عبادت مانیں گے' اور یا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ ہمیں جو احکام دے گا ہم ان کی اطاعت کریں گے' سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم شیطان کی عبادت نہیں کریں گے' اور شیطان کی عبادت سے مراد ہے شیطان کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے قدم بہ قدم چلنا' اور ان آیات میں ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (الانعام: ۱۴۲)

اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ . (الاعراف: ۲۷)

اے اولاد آدم! شیطان تم کو آزمائش میں نہ ڈال دے' جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے نکلنے کا سبب بن گیا تھا۔

شیطان کی عبادت تو کوئی نہیں کرتا تو اس کی ممانعت کا محمل

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا عہد لیا گیا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شیطان کی عبادت تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا' پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت سے کس لیے منع فرمایا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے وسوسوں کو قبول کرنا' اس کی موافقت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے برخلاف اس کے احکام کی تصدیق کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہی اس کی عبادت کرنا ہے' اور اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ . (الجاثیہ: ۲۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کے برخلاف اپنے نفس کی خواہشات اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے وہ دراصل اپنے نفس کی عبادت کرتا ہے' سو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا دراصل اس کی عبادت کرنا ہے' پس اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں شیطان کے احکام کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا' اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنا ہے' کیونکہ اللہ کا رسول اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشا اور اس کی مرضی ہوتی ہے' اسی لیے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ . (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

حکام کی اطاعت کا محمل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ اولی الامر (علماء اور حکام) کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ . (النساء: ۵۹) اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیں علماء اور حکام کے احکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے پس اگر اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا اس کی عبادت کرنے کے مترادف ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہمیں علماء اور حکام کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً دوسروں کے احکام کی اطاعت کرنا ان کی عبادت نہیں ہے' بلکہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے برعکس دوسروں کی اطاعت کی جائے یا اللہ اور رسول کے احکام کی نافرمانی میں دوسروں کی اطاعت کی جائے تو یہ ان کی عبادت کرنا ہے' جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر لازم ہے کہ وہ حکام کے احکام سنیں اور ان کی اطاعت کریں خواہ وہ احکام ان کی خواہش کے موافق ہوں یا خلاف' ماسوا اس صورت کے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور ان پر ایک انصاری کو

بنا دیا' اور مسلمانوں سے فرمایا تم اس کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا' وہ لوگوں کی کسی بات سے غضب ناک ہو گیا' اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ لکڑیاں جمع کریں' سو لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں' پھر حکم دیا کہ آگ جلاؤ سو لوگوں نے آگ جلائی' پھر کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم میرا حکم سننا اور میری اطاعت کرنا' مسلمانوں نے کہا کیوں نہیں! اس نے کہا سو اب تم سب اس آگ میں داخل ہو جاؤ! پھر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا ہم آگ سے بھاگ کر ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں آئے ہیں' وہ اسی طرح کھڑے رہے حتیٰ کہ اس کا غضب ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بجھ گئی' جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر نکل نہیں سکتے تھے' اطاعت صرف نیکی میں کی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۴۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۲۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۰۵' السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۷۲۱)

صرف اعضاء ظاہرہ سے شیطان کی اطاعت اور دل سے شیطان کی اطاعت کرنے کا فرق

ان احادیث سے ہمیں یہ معیار معلوم ہو گیا کہ جو حکم قرآن اور حدیث کے موافق ہو وہ اللہ کا حکم ہے اور اس پر عمل کرنا اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے اور جو حکم قرآن اور حدیث کے مخالف اور منافی ہو وہ شیطان کا حکم اور اس پر عمل کرنا شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے خواہ ہمارا نفس ہمیں ایسا حکم دے یا کوئی اور شخص ہمیں ایسا حکم دے' مثلاً ہمارا جی چاہے کہ ہم نماز نہ پڑھیں اور اس وقت میں کاروبار کریں' یا ہمارا کوئی دوست ہم کو شراب پینے' جوا کھیلنے یا کسی اور برے کام کی دعوت دے اور اس پر اصرار کرے تو یہ شیطان کا حکم ہے جو کبھی ہماری خواہش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ہمارے کسی دوست اور تعلق والے کے مشورے اور اس کی ترغیب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے' اور ایسے احکام پر عمل کرنا درحقیقت شیطان کی اطاعت ہے اور اس کی عبادت ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت اور عبادت سے منع فرمایا ہے۔

پھر شیطان کی اطاعت کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک قسم وہ ہے کہ انسان برے کام کو دل سے برا جانتا ہے لیکن شامت نفس سے' غلبہ شہوت سے یا غلبہ غضب سے وہ برا کام کر بیٹھتا ہے' مثلاً رقم کی وقتی ضرورت سے چوری کر لیتا ہے' لیکن دل سے اس کو برا سمجھتا ہے یا کوئی شخص دوستوں کے کہنے میں آ کر شراب پی لیتا ہے' یا جوا کھیلتا ہے یا خواہش نفس کے غلبہ سے بدکاری کر لیتا ہے' لیکن دل سے ان سب کاموں کو برا جانتا ہے اس قسم کی برائیوں میں صرف اس کے اعضاء ظاہرہ ملوث ہوتے ہیں اور اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا رہتا ہے' اور اس کا دل ان گناہوں سے پاک' صاف اور بے غبار ہوتا ہے تو اس قسم کے گناہوں میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس پر جو مصائب آتے ہیں اور بیماریاں طاری ہوتی ہے ان سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا' اور اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ اس کے پیر میں کانٹا چبھے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے لیے کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۴۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ ہو یا کمزوری ہو' یا بیماری ہو یا فکر ہو یا پریشانی ہو یا تکلیف ہو یا غم ہو حتیٰ کہ اس کو کوئی کانٹا بھی چبھا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۵۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۹۶۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ

فرماتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو شدید درد میں نہیں دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی بیماری میں گیا' اس وقت آپ کو بہت تیز بخار تھا میں نے کہا آپ کو تو بہت تیز بخار ہو رہا ہے اور بے شک آپ کو اس سے دوہرا اجر ملے گا' آپ نے فرمایا: ہاں مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ اس طرح ساقط کر دیتا ہے جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۱، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۳)

سو ان احادیث کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اعضاء ظاہرہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں اور اس کا دل اور ضمیر اس کو اس گناہ پر ملامت کرتا ہو تو اس کا نفس لوّامہ ہے اور یہ توقع کی جانی چاہیے کہ اس پر جو مصائب اور آلام آئیں گے اور جو بیماریاں آئیں گی ان سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا' اور جس شخص کا دل کسی برے کام یا گناہ کرنے کے بعد خوش ہو اور وہ اس پر اظہار مسرت اور فخر کرے اس کا نفس امّارہ ہے' اس کے گناہوں کی معافی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو اور توبہ کرے اور اپنے رب سے رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگے' اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دے' اور ہماری آئندہ کی زندگی کو گناہوں سے محفوظ اور مامون رکھے (آمین) اور ہمارے نفس کو نفس مطمئنہ بنا دے۔

ان احادیث کا ذکر جن سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ بھی اللہ کا مطلوب ہیں

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں شیطان کی عبادت اور اس کی اطاعت سے منع فرمایا ہے اور بندہ جس قدر بھی گناہ کرتا ہے وہ تمام گناہ شیطان کی اطاعت اور اتباع کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں' اس سے واضح ہوا کہ گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب سے روکیں اور ڈرائیں' اس پر یہ خلجان ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے گناہوں کا کرنا بھی مطلوب ہوتا ہے وہ احادیث یہ ہیں:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پر جب موت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا میں نے تم سے ایک ایسی حدیث چھپائی تھی جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسی مخلوق کو پیدا کرے گا جو گناہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۸، الرقم المسلسل: ۶۸۳۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۹، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۹۹۱، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۱۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۶۷، جامع المسانید والسنن رقم الحدیث: ۱۰۶۴۷، ۱۰۶۰۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگوں کے گناہ نہ ہوں جن کو اللہ تمہارے لیے بخش دے' تو اللہ ایسی قوم کو پیدا کرے گا جن کے گناہ ہوں گے اور اللہ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۷۴۸، الرقم المسلسل: ۶۸۳۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۹، الترغیب والترہیب ج ۵ ص ۲۲۹، کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۰۷۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۲۲۳، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۱۷، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۶۶۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۲۱۴-۱۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی پھر اللہ

سے استغفار کرے گی تو اللہ ان کو بخش دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۹' الرقم المسلسل: ۶۸۳۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۹' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۹۹)

شارحین حدیث کی طرف سے احادیث مذکورہ کی توجیہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کے بے حد کرم کا تقاضا ہے' حضرت ابوایوب نے اپنی زندگی میں اس حدیث کو اس لیے بیان نہیں کیا کہ ان کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ اس کے ظاہر پر اعتقاد کرلیں گے اور ان پر بخشش کی امیدیں غالب ہو جائیں گی اور وہ نیک عمل کرنے کو ترک کردیں گے اور گناہوں پر دلیر ہو جائیں گے' پھر موت سے پہلے وہ علم کو چھپانے کی وعیدوں سے ڈرے اور مرنے سے پہلے انہوں نے اس حدیث کو بیان کردیا تاکہ ان پر علم کو چھپانے کی گرفت نہ ہو' علاوہ ازیں یہ کہ اب چونکہ ان کی اپنی موت کا وقت آ گیا تھا' اس لیے ان کے دل میں بھی اپنی مغفرت کی شدید خواہش اور آرزو تھی اس لیے اس موقع پر مغفرت کے حصول کی طمع میں انہوں نے یہ حدیث بیان کی۔

اسی طرح مقررین' خطباء اور واعظین پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ مغفرت کی نوید اور بخشش کی بشارت سے متعلق زیادہ احادیث نہ بیان کیا کریں تاکہ عام لوگ ان احادیث پر تکیہ کر کے نیک اعمال کو ترک نہ کردیں اور گناہوں میں ڈوب نہ جائیں اور ان کو چاہیے کہ وہ خطبات اور مواعظ میں گناہوں پر گرفت اور عذاب کی وعیدوں پر مشتمل آیات اور احادیث کو زیادہ بیان کیا کریں' لیکن اس قدر زیادہ نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے ناامید اور مایوس ہو جائیں اور جو شخص کسی قریب المرگ شخص کے پاس جائے تو اس کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کی آیات اور احادیث سنانا مستحب ہے' اسی طرح جس شخص پر مرض کا غلبہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے انعام و اکرام کی آیات اور احادیث سنانا مستحب ہے' تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے کی خوشی محسوس کرے اور اس کو یہ حسن ظن ہو کہ اس کی آخرت اچھی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی التوفی ۸۲۸ ھ قاضی عیاض کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوسلیمان الدارانی پر جب موت کا وقت آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عفو و کرم کی احادیث سنائیں اور ان سے کہا گیا کہ اب تم بخشنے والے مہربان کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے آگے بڑھو تو انہوں نے کہا تم یوں نہیں کہتے کہ اس کے پاس جانے کی تیاری کرو' جو سخت سزا دینے والا ہے' اور گناہ کبیرہ پر عذاب دیتا ہے اور گناہ صغیرہ پر گرفت فرماتا ہے' یہ ان کا حال ہے جن پر خوف خدا کا غلبہ ہو۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۵۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی التوفی ۷۴۳ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو لوگ گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کو ان کے حال پر برقرار رکھا گیا ہے اور ان کی تحسین کی گئی' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہوں سے روکیں' بلکہ اس حدیث کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جب بندے اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں تو وہ ان کو معاف فرمادیتا ہے' نیز اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کو پسند فرماتا ہے اسی طرح وہ بدکاروں سے درگزر کرنے کو بھی پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ غفار' حلیم' تواب اور عفو کرنے والا ہے اور اس نے ایسا نہیں کیا کہ تمام بندوں کو فرشتوں کی طرح گناہوں سے معصوم بنادیتا' بلکہ اس نے اپنے بندوں میں ایسے لوگ بھی پیدا کیے جو اپنی طبیعت سے گناہوں کی طرف مائل ہونے والے

ہیں اور فتنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں' پھر اس نے ان کو گناہوں سے اجتناب کرنے کا مکلّف کیا اور ان کو گناہوں کی سزا سے
ڈرایا اور ان کو یہ بتایا کہ اگر ان سے گناہ ہو جائے تو وہ اس پر توبہ کر لیں' اگر وہ گناہوں سے بچے تو وہ ان کو اجر عطا فرمائے گا' اور
اگر ان سے کوئی لغزش ہو گئی تو پھر ان کے سامنے توبہ کا راستہ ہے' اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اگر تم
فرشتوں کی جبلت اور ان کی فطرت پر ہوتے اور تم سے گناہوں کا صدور ممتنع ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دیتا جن سے
گناہوں کا صدور ہو سکتا کیونکہ وہ غفار ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی مغفرت کی جائے جیسے اس کے رازق ہونے کا تقاضا
یہ ہے کہ کسی کو رزق دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ . اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ
(البقرہ: ۲۲۲) رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ظہور اس وقت ہو گا جب توبہ کرنے والے ہوں۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۹ ص ۹۸' ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۳ھ)

حسب ذیل احادیث میں بھی علامہ طیبی کی تقریر کی تائید ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے
پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۴۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۰)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا
ہے تاکہ دن کے گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے گناہ کرنے والے کی توبہ
قبول فرمائے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۱۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ کرنے سے اس
سے زیادہ خوشی ہوتی ہے' جتنی تم میں سے کسی ایک کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب جنگل کی زمین میں تمہاری اونٹنی بھاگ جائے
جس پر تمہارے کھانے پینے کا سامان لدا ہوا ہو' وہ اس کے ملنے سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں سر رکھ کر سو جائے' وہ
اسی مایوسی کی حالت میں ہو کہ اچانک وہ اونٹنی اس کے سامنے کھڑی ہوئی ہو وہ اس کی مہار پکڑ کر خوشی کی شدت سے کہے: اے
اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں' خوشی کی شدت کی وجہ سے اس کے منہ سے الٹ بات نکل جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۲۵۹)

حدیث مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہ

میرے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے حساب اور بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور اگر
انسان تسلسل کے ساتھ ساری عمر اس کا شکر ادا کرتا رہے اور بغیر انقطاع کے اس کی عبادت کرتا رہے' تب بھی اس کی کسی ایک
نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا اور شکر ادا نہ کرنا بھی گناہ ہے' سو بندوں پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے نادم اور شرم سار
رہیں کہ وہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکے اور اپنے آپ کو خطا کار اور گنہ گار سمجھتے رہیں' اور حدیث میں جو ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو
ایسے بندوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور توبہ کریں گے اس کا معنی ہے اگر خود کو گنہ گار نہ سمجھو تو وہ ایسے بندوں کو
کرے گا جو خود کو گنہ گار سمجھیں گے اور توبہ کریں گے اور وہ ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کر دے گا! اور اس توجیہ کی

سے اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

شیطان اللہ کے نیک بندوں سے گناہ کرا کر بھی نا کام اور نامراد رہتا ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ شیطان جب اللہ کے کسی بندہ کے دل میں کسی گناہ کی ترغیب پیدا کر کے اس کو کسی گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے کہ میں نے اس بندہ کو اللہ کے قرب کے راستہ سے دور کر دیا لیکن در حقیقت اس بندہ کی لغزش اس کے درجات کی بلندی اور اللہ کے مزید قرب کا سبب بن جاتی ہے' کیونکہ اس گناہ کی وجہ سے وہ بندہ غمگین ہوتا ہے اور اگر اس سے پہلے وہ اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر خوش تھا اور اپنی اطاعت اور ریاضت پر نازاں تھا تو اپنی نیکیوں پر ناز اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور ندامت اور پچھتاوے سے اس کا خوشی سے اٹھا ہوا سر جھک جاتا ہے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے وہ اشک ندامت بہاتا ہے اور بے اختیار صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو خطا کار اور مجرم قرار دیتا ہے' سو جب وہ گناہ کرنے کے بعد نادم ہوتا ہے اور اپنے گناہ پر توبہ کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوّٰبِیْنَ. (البقرہ: ۲۲۲) بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اور یوں اللہ کے نیک بندوں سے شیطان گناہ کرانے کے بعد بھی نا کام اور ذلیل و خوار ہوتا ہے کیونکہ گناہ سرزد ہونے کے بعد وہ اس گناہ پر بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنی اس لغزش کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب ہوتا ہے' حدیث میں ہے' مالک بن دینار روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

یا رب این ابغیک قال ابغنی عند المنکسرة قلوبھم. اے رب! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا مجھے ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس تلاش کرو۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۴۱۳' رقم الحدیث: ۲۷۷۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۸۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ' علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور شاید کہ یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے' اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور یوں اللہ کے نیک بندوں سے شیطان جب کسی گناہ کو صادر کرا لیتا ہے تو یہ سوچ کر ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے کہ لوگ ان کو کس قدر نیک گمان کرتے ہیں اور وہ یہ گناہ کر بیٹھے ہیں اور ان کی جلوت اور خلوت میں کس قدر تضاد ہے اور وہ بے اختیار یہ شعر پڑھتے ہیں:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند — چوں بہ خلوت مے رسند آں کار دیگر مے کنند

اور جن آیات اور احادیث میں گناہوں پر وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کر کے خوف خدا سے روتے ہیں اور اپنے معتقدین کے سامنے سر اٹھا کے چلنے سے گریز کرتے ہیں' سو ان کے دلوں کا ٹوٹنا اور ارتکاب معصیت پر ان کا رنج اور افسوس کرنا ان کے درجات میں اور زیادہ بلندی کا باعث ہوتا ہے اور شیطان ان سے گناہ کا صدور کرا کر بھی خائب و خاسر اور نا کام اور نامراد رہتا ہے' اور ایسے لوگ ان آیات کے مصداق ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ. (الانفال: ۲) ایمان والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ (الانفال: ۴) یہی سچے ایمان والے ہیں' ان کے رب کے پاس ان کے بلند درجات ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا ملائکہ سے افضل ہونا

اور غالباً اسی مرتبہ کو عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے بہ طریق نسیان یا بہ طریق اجتہادی خطاء کوئی ظاہری خطا صادر کرا دیتا ہے' تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اشک ندامت بہائیں' توبہ اور استغفار کریں اور تواضع وانکسار کے کلمات کہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے بھولے سے شجر ممنوعہ سے کھالیا تو کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۜ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۳)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ مر گیا تو کہا:

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (القصص: ۱۶)

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر زیادتی کی' سو تو مجھے معاف فرما دے تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا' بے شک وہی بہت معاف فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے بغیر اذن مخصوص کے اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے تو کہا:

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانبیاء: ۸۷ـ۸۸)

انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے' پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے ○ تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ○ سو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت پر اپنی تحسین اور خودستائی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اللہ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا بلکہ یہی کہا:

لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (المائدہ: ۱۰۹)

ہمیں کسی چیز کا علم نہیں' بے شک تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔

اس کے برخلاف فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ. (البقرہ: ۳۰)

کیا تو زمین میں اس کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

نیز فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تقویٰ اور طہارت کا ذکر کیا اور خودستائی کی:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ. (البقرہ: ۳۰)

اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا نہ اپنی عبادت اور ریاضت کا ذکر کیا اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا نسیان اور اجتہاد سے ظاہری خطائیں کرنا اس لیے تھا کہ وہ استغفار کریں' تواضع اور انکسار کریں اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت کو حاصل کریں اور اپنی امتوں کو توبہ اور استغفار کی تعلیم دیں اور ان کی امتوں کو استغفار کرنے میں اسوہ اور نمونہ فراہم ہو

اور ان کی اقتداء کا شرف حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب اور عجز کے باب میں انبیاء علیہم السلام کا مقام فرشتوں سے بہت اونچا ہے۔

شیطان کی انسانوں سے دشمنی کے اثرات اور ان سے محفوظ رہنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو شیطان کی عبادت اور اس کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا' اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی کہ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

شیطان نے انسان سے جو دشمنی رکھی اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرے' اور حضرت آدم کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا ان کو مسجود ملائک بنایا اور اپنا نائب اور خلیفہ بنایا' اور عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب باپ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے کو یا جب استاذ اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شاگرد کو زیادہ اہمیت اور خصوصیت عطا کرے تو باقی بیٹے اور شاگرد اس بیٹے اور شاگرد سے دشمنی رکھتے ہیں اور ایسے لوگ درحقیقت شیطان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔

شیطان نے انسان کے ساتھ اپنی کھلی ہوئی دشمنی کا اظہار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (الاعراف ۷: ۱۶-۱۷)

چونکہ تو نے مجھے گم راہ کر دیا ہے اس لیے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا ○ پھر میں ضرور ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں جانب اور بائیں جانب سے ان پر حملہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۶۲)

شیطان نے کہا اچھا دیکھ لیجئو! یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو نے مجھ کو قیامت تک کی مہلت دے دی تو میں اس کی اولاد میں سے چند لوگوں کے سوا سب کو (رشد و ہدایت کی) جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو خصوصاً مسلمانوں کو یہ بتا دیا کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے تو چاہیے تھا کہ انسان ایسے کام نہ کرتا جن سے شیطان راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ناجائز قتل کرتے ہیں' زنا کرتے ہیں' شراب پیتے ہیں' سود کھاتے ہیں اور بہ کثرت کاموں میں شیطان کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوت غضبیہ رکھی ہے تاکہ اس قوت سے کفار کے خلاف جہاد کیا جائے' اور قوت شہوانیہ رکھی ہے تاکہ انسان نکاح کرے اور اولاد صالحہ کے حصول کی کوشش کرے' اور شیطان انسان کے دل و دماغ میں وسوسے ڈال کر انسان کو اس پر اکساتا ہے کہ وہ قوت غضبیہ سے کام لے کر اپنے دنیاوی مخالفوں سے انتقام لے' اور خوب صورت عورتوں اور بے ریش حسین لڑکوں کی محبت میں مبتلا کر کے انسان کو اس پر اکساتا ہے کہ وہ قوت شہوانیہ سے کام لے کر ان کے ساتھ اپنی ناجائز خواہش کو پورا کرے' اسی طرح انسان میں قوت ذائقہ رکھی ہے کہ وہ حلال اور جائز چیزیں کھا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور شیطان اس کو شراب اور دیگر حرام چیزوں کی لذت کی طرف راغب کرتا ہے' اور انسان میں مال کی طرف میلان پیدا کیا ہے تاکہ وہ جائز ذرائع سے مال کما کر اپنی ضروریات کو پورا کرے اور شیطان

اس کو اس پر اکساتا ہے کہ ناجائز ذرائع سے مال کمانے میں زیادہ سہولت اور آسانی ہے اور زیادہ مقدار میں مال حاصل ۔۔۔
اس لیے انسان سود کے ذریعہ اور نقلی اور جعلی اشیاء کی فروخت کے ذریعہ زیادہ مال حاصل کرتا ہے۔ سو جس انسان میں اللہ اور
رسول کی محبت کا غلبہ نہ ہو یا اللہ اور رسول کا خوف نہ ہو وہ شیطان کی ترغیبات اور اس کے بہکانے کے دام میں بہت جلد پھنس
جاتا ہے اور جس کا ایمان قوی ہو اس پر شیطان کے بہکانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا' اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص زکام' کھانسی اور
نمونیہ میں مبتلا ہو اس کو ڈاکٹر ٹھنڈی اور کھٹی چیزوں کے کھانے سے منع کرتا ہے اس کے سامنے ٹھنڈی اور کھٹی چیزیں کھائی جائیں
تو اس کے نادان دوست اس کو ان چیزوں کے کھانے اور بد پرہیزی کرنے پر اکسائیں تو اگر اس کو ڈاکٹر پر کامل اعتماد ہو اور بد
پرہیزی کے عواقب اور نتائج پر پوری بصیرت ہو تو وہ ان نادان دوستوں کے کہنے میں نہیں آئے گا' اور اگر اس کو ڈاکٹر پر اعتماد نہ
ہو اور زبان کے چٹخارے اور لذت کا حصول اس پر غالب آ جائے تو وہ بد پرہیزی کرے گا اور اپنی صحت کو تباہ کر لے گا' اسی
طرح شوگر کے مریض کو میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں سے پرہیز کی تاکید کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اگر آپ نے بد پرہیزی
کی تو آپ کی بینائی متاثر ہو جائے گی' آپ کے گردے فیل ہو جائیں گے آپ کو انجائنا ہو جائے گا جسم کے اندر ناسور ہو جائے
گا' اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض سے کہا جاتا ہے اگر آپ نے باقاعدگی سے دوا نہ لی اور نمکیات سے پرہیز نہ کیا تو آپ کو فالج
ہو جائے گا یا آپ کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی لیکن جس کو ڈاکٹر کی نصیحت پر اعتماد نہ ہو یا اس کو منع کی ہوئی چیزوں کے
کھانے کا غالب شوق ہو وہ باقاعدگی سے دوا نہیں لیتا اور بد پرہیزی کرتا ہے' انجام کار اس کے گردے فیل ہو جاتے ہیں اس کی
بینائی چلی جاتی ہے اس کے دل کی شریانیں بند ہو جاتی ہیں یا اس کو فالج ہو جاتا ہے یا اس کے دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے' الغرض
اسی طرح انسان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرے اور شیطان کی ترغیبات پر عمل نہ کرے لیکن جس
کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اس پر نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے وہ اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا اور شیطان کی ترغیبات پر
عمل کرتا ہے اور اخروی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے اور جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور وہ نفسانی خواہشوں پر ضبط کر سکتا ہے تو وہ
اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرتا ہے اور شیطان کی موافقت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور سیدھے راستہ کے معانی اور مطالب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور یہ کہ تم میری (ہی) عبادت کرنا' یہی سیدھا راستہ ہے (یٰسٓ: ۶۱)
اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا
ہے اور جب کوئی ماہر ڈاکٹر کسی مریض کو پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے تو پھر پرہیز کے ساتھ اس کو باقاعدگی سے دوا استعمال کرنے کا
حکم دیتا ہے' سو اسی طرح پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان کی عبادت کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا اور پھر اس کے
ساتھ اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور پہلے شیطان کی عبادت سے منع فرمایا اور پھر اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' کیونکہ پہلے رذائل
سے خالی ہونا چاہیے پھر فضائل سے آراستہ ہونا چاہیے' پھر شیطان کی عبادت سے متنفر کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ وہ تمہارا دشمن
ہے تو بہ ظاہر رحمٰن کی اطاعت پر راغب کرنے کے لیے کہنا چاہیے تھا کہ وہ تمہارا دوست ہے یا تمہارا محب ہے' لیکن اس طرح
نہیں فرمایا کیونکہ عام طور پر انسان اپنے دوستوں اور محبین کی اطاعت یا عبادت نہیں کرتا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ یہی سیدھا راستہ ہے
یعنی اگر اس راستہ پر چلو گے تو ہدایت پالو گے اور اگر اس راستہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلو گے تو گم راہ ہو جاؤ گے اور گم راہی
کے راستہ پر چلنا حرام ہے تو سیدھے راستے پر چلنا واجب قرار پایا۔
سیدھا راستہ فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مسافر ہے' اس نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا' یہ دنیا ۔۔۔

یہ راستہ ہے یہاں سے گزر کر آخرت کی طرف جانا ہے' سو اس دنیا کے ساتھ دل نہ لگایا جائے اور یہاں رہتے ہوئے ایسے انتظامات نہ کیے جائیں جیسے یہی منزل مقصود ہو' اور منزل تک پہنچنے کے لیے اس راستہ کو اختیار کرنا چاہیے جو راستہ سیدھا ہو' پر خطر اور ٹیڑھا نہ ہو اور وہ راستہ یہی ہے کہ اللہ عزوجل کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور عبادت کا معنی ہے کسی کے سامنے غایت تذلل کرنا اور اس کے سامنے تکبر نہ کرنا اور بڑا نہ بننا' پس شیطان کی عبادت سے منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان شیطان کے سامنے تذلل نہ کرے بلکہ اس کے سامنے تکبر کرے' اور اللہ کی عبادت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سامنے ذلت اور انکسار کے ساتھ رہے اور اللہ کے ماسوا سے تکبر کرے' اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے ماسوا سے بہتر جانے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا میں سے کسی کی اطاعت نہ کرے اور چونکہ اس کا نفس بھی اللہ کے ماسوا میں داخل ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کا بھی حکم نہ مانے اور اس کی خواہش کے آگے بھی سر نہ جھکائے' اسی طرح امراء' حکام اور دیگر لوگوں کے احکام جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوں تو ان کی اطاعت بھی نہ کرے تب ہی یہ معنی صادق ہوگا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف اور کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اس سے جو عہد کیے ہیں ان کو پورا کرے اور اس کی حدود کی حفاظت کرے' جب اللہ کسی آزمائش میں ڈالے تو اس کی شکایت نہ کرے' عبادت کرنے سے غافل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ جو نعمت عطا فرمائے اس کی ناشکری نہ کرے اور کسی حال میں بھی اس کی معصیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے لیکن وہ اللہ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل نہیں کرتے بلکہ شیطان کے وسوسوں کو قبول کرتے ہیں اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے○ یہ ہے وہ جہنم جس کی تمہیں وعید سنائی گئی تھی○ اس میں داخل ہو جاؤ' کیونکہ تم کفر کرتے تھے○ ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے' اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے○
(یٰسٓ ۶۵-۶۲)

جبل اور عقل کے معانی

اس آیت میں ایک لفظ ہے جبلاً' اس کا معنی ہے خلق' بڑی جماعت' جبل کا معنی ہے پہاڑ' اور چونکہ پہاڑ میں بڑائی اور عظمت کا معنی ہے اس لیے بڑی جماعت کو جبل کہنے لگے' یعنی ایسی بڑی جماعت جو اپنے بڑے ہونے میں پہاڑ کی مثل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا○ (یٰسٓ: ۶۲) اور بے شک شیطان نے تمہاری بہت بڑی جماعت کو گمراہ کر دیا۔

نیز فرمایا:

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ. (الشعراء: ۱۸۴) اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے بڑے بڑے گروہوں کو پیدا کیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۱۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

نیز اس آیت میں فرمایا: افلم تکونوا تعقلون ' اور تعقلون کا لفظ عقل سے بنا ہے' عقل کی تعریف یہ ہے کہ: وہ قوت جو علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' اور انسان جس علم کو اس قوت سے حاصل کرے اس کو بھی عقل کہا جاتا ہے' اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عقل کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ عقل ہے جو دماغ میں مرکوز ہے اور ایک وہ عقل ہے جو سن کر حاصل ہوتی ہے' اور جب تک دماغ میں عقل مرکوز نہ ہو اس وقت تک سنی ہوئی باتوں سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا' جس طرح جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو' سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا' عقل کے پہلے معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے افضل کسی چیز کو پیدا نہیں کیا' اور عقل کے دوسرے معنی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے: انسان نے اس عقل سے افضل کسی چیز کو حاصل نہیں کیا جو اس کو کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے یا کسی برائی سے روک دے' قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ. (العنکبوت: ۴۳) علماء کے سوا قرآن مجید کی مثالوں کو کوئی نہیں سمجھتا۔

اس آیت میں عقل کا یہی دوسرا معنی مراد ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی کفار کے پاس عقل نہ ہونے کی مذمت کی ہے اس سے بھی عقل کا یہی دوسرا معنی مراد ہے نہ پہلا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ. (البقرہ: ۱۷۱) وہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' پس وہ نہیں سمجھتے۔

اور ہر وہ مقام جہاں عقل نہ ہونے کی وجہ سے بندوں کو مکلف نہیں کیا گیا وہاں عقل سے پہلے معنی کا ارادہ کیا گیا ہے' اور عقل کا لغوی معنی ہے روکنا اور منع کرنا' عقل کو عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ بری باتوں سے روکتی ہے' رسی کو بھی عقل کہتے ہیں اور رسی سے باندھنے کو بھی عقل کہتے ہیں' مقتول کی دیت ادا کرنے والوں کو عاقلہ کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۴۵ - ۴۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

عقل کی تعریفات اور اس کی اقسام

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ نے عقل کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:

(۱) عقل ایسا جوہر ہے جو اپنی ذات میں مادہ سے مجرد ہے اور اپنے فعل میں مادہ سے مقارن ہے (۲) عقل وہ نفس ناطقہ ہے جس کو ہر شخص ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے (۳) عقل ایک جوہر روحانی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بدن سے متعلق کر کے پیدا کیا ہے (۴) عقل دل میں ایک نور ہے جو حق اور باطل کی معرفت رکھتا ہے (۵) عقل ایسا جوہر ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور بدن کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتا ہے (۶) عقل نفس ناطقہ کی قوت ہے' اور اس میں تصریح ہے کہ قوت عاقلہ نفس ناطقہ کی مغائر ہے اور تحقیق یہ ہے کہ فاعل نفس ہے اور عقل اس کا آلہ ہے' جیسے کاٹنے والے کے ہاتھ میں چھری آلہ ہوتی ہے (۷) عقل' نفس' ذہن تینوں ایک چیز کے مختلف نام ہیں' جس حیثیت سے وہ ادراک کرتی ہے اس کو عقل کہتے ہیں' اور جس حیثیت سے وہ تصرف کرتی ہے اس کو نفس کہتے ہیں اور جس حیثیت سے وہ ادراک کی صلاحیت رکھتی ہے اس کو ذہن کہتے ہیں۔ جس چیز سے حقائق اشیاء کا ادراک کیا جائے اس کا محل سر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل دل ہے۔

عقل کی چار قسمیں ہیں (۱) عقل مستفاد: جس کے سامنے تمام معلومات نظریہ حاضر ہوں اور کوئی چیز غائب نہ ہو (یہ انبیاء علیہم السلام کی عقل ہے) (۲) عقل بالفعل: قوت عاقلہ میں تمام نظریات مخزون ہوں اور اس میں ان کے حصول کا ملکہ اور مہارت ہو۔

(۳) عقل بالملکہ: اس کو بدیہیات حاصل ہوں اور اس میں نظریات کو حاصل کرنے کی صلاحیت ہو۔

(۴) عقل ہیولانی: اس میں معقولات کو حاصل کرنے کی صرف استعداد اور صلاحیت ہو اور یہ محض ایک قوت ہے جو فعل سے خالی ہو جیسے بچوں کی عقل ہوتی ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۹-۱۰۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

انبیاء علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ اور شیطان کا کام صرف تزیین ہے پیدا ہر چیز کو صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا قصور صرف یہی ہے کہ وہ شیطان کے احکام پر عمل کرتے ہیں' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کا قصور صرف یہی نہیں ہے' بلکہ پچھلی امتوں کے احوال سے عبرت نہ پکڑنا اور ان پر عذاب کے آثار دیکھ کر بھی نصیحت حاصل نہ کرنا یہ بھی ان کا قصور ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تم میں سے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے' کسی شخص کو گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو اس کے مقصد سے منحرف کر دیا جائے' اور انسان کا مقصد یہ ہے کہ وہ نیک کام کرے اور برے کام نہ کرے اور جب شیطان انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ عبادت نہ کرے اور ناجائز اور حرام کام کرے اور انسان اس کے حکم پر عمل کر لیتا ہے تو وہ گم راہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں گمراہ کرنے کا اسناد شیطان کی طرف فرمایا ہے' اسی طرح بعض آیات میں ہدایت دینے کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے' لیکن درحقیقت انبیاء علیہم السلام صرف اللہ کا راستہ دکھاتے ہیں اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں ہدایت کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اسی طرح شیطان صرف برے کام کا وسوسہ ڈالتا ہے اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے اور گم راہی کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف (نیکی کی) دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور کسی بھی ہدایت کو پیدا کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے' اور شیطان کو صرف (برائی کو) مزین کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور کسی بھی گم راہی کو پیدا کرنا اس کی طرف مفوض نہیں ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۰۹۴' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۹' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۷۴' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۵۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۶' حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کی سند کے ضعف کی طرف رمز کی ہے)

نیز حافظ سیوطی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عقیلی متوفی ۳۲۲ھ نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں خالد ہے وہ نقل میں غیر معروف ہے' اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور اس کی اصل معروف نہیں ہے' اور امام ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے کہا یہ خالد خراسانی ہے اور یہ حدیث اس کی سماک سے مرسل روایت ہے' (الکامل ج ۳ ص ۴۷) حافظ سیوطی فرماتے ہیں خالد خراسانی سے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے احادیث روایت کی ہیں اور امام ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' اور امام ابو حاتم نے کہا ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے اور اب اس حدیث کی سند پر اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں ہے کہ یہ سند مرسل ہے۔ (اللآلی المصنوعہ ج ۱ ص ۲۳۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حدیث مرسل امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً مقبول ہوتی ہے' سو اس حدیث کا مرسل ہونا بھی ہمارے نزدیک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

عقل کے اجزاء اور حصص

اس کے بعد فرمایا: کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے تھے! عقل سے مراد ایسا نور ہے جس سے معنوی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جب تم مکہ سے باہر سفر کرتے ہو تو کیا تم پچھلی امتوں کے کافروں پر عذاب کے آثار کا مشاہدہ نہیں

کرتے تا کہ تم اپنے کفر اور اپنی سرکشی سے باز آ جاؤ۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے عقل کو تقسیم کر کے اس کے تین حصے کیے ہیں' پس جس شخص میں یہ تینوں حصے ہوں اس کی عقل کامل ہے اور جس شخص میں ان میں سے کوئی حصہ نہ ہو اس میں بالکل عقل نہیں ہے' ایک حصہ یہ ہے کہ اس کو اللہ عزوجل کی اچھی معرفت ہو اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی اچھی طرح اطاعت کرے' اور تیسرا حصہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے احکام بجا لانے میں اس کو جو مشقت اٹھانی پڑی اس پر صبر کرے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۱' دار الکتب العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' اتحاف ج ۱ ص ۴۷۳' دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں اس کی سند میں سلیمان بن عیسٰی بن نجیح السجزی ہے' امام ابوحاتم نے کہا یہ کذاب ہے' امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث وضع کرتا تھا' حاکم نے کہا اس کی اکثر احادیث منکر اور موضوع ہیں' حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' امام عقیلی نے کہا اس کا کوئی متابع نہیں ہے' امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (اللئالی المصنوعہ ج ۱ ص ۱۱۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ)

پس جو شخص عقل سے کام نہ لے وہ مطلقاً گم راہ ہو جاتا ہے' اس کی لگام شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جدھر چاہتا ہے اسے کھینچتا پھرتا ہے' اور اگر وہ اپنی عقل سے کام لے اور یہ جان لے کہ اس کی عبادت کا مستحق صرف اللہ عزوجل ہے اور وہی اس کا اور ساری کائنات کا مالک اور خالق ہے تو اللہ اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔

دوزخ کے عذاب کی شدت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے وہ جہنم جس کی تمہیں وعید سنائی گئی تھی (یٰسٓ: ۶۳)
یعنی اے مجرمو! تمہیں دنیا میں رسولوں کی زبان سے دوزخ سے ڈرایا گیا تھا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔
جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا:
لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ. (ص: ۸۵) میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا۔

اس کے بعد کفار کو مخاطب کر کے فرمایا: اس (جہنم) میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم کفر کرتے تھے ○ (یٰسٓ: ۶۴)
اس آیت میں اصلوھا فرمایا ہے' اس کا مادہ صلی ہے' صلی اللحم صلیا کا معنی ہے' گوشت کو آگ میں ڈال کر جلا اور بھون ڈالا' اور ان کو دوزخ میں ڈالنے کا جو حکم دیا ہے' یہ حکم بہ طور توہین ہے جیسے اس آیت میں ہے:
ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ○ (الدخان: ۴۹) لے عذاب (کا مزہ) چکھ تو (اپنے نزدیک) بڑا معزز اور مکرم تھا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مجرمو! تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تپش اور اس کے انواع و اقسام کے عذاب کا مزا چکھو' تم دنیا میں جو تسلسل کے ساتھ کفر اور سرکشی کرتے رہے تھے آج اس کفر اور شرک کی سزا پانے کا دن ہے' دوزخ کے عذاب کی شدت کا ذکر ان احادیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا کی آگ' دوزخ

آگ کی بہ نسبت ستر میں سے ایک حصہ ہے' آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ تحقیق دوزخ کی آگ دنیا کی آگ جتنی ہوتی پھر بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ رکھا گیا اور اس کا ہر درجہ دنیا کی آگ کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ میں آگ جلائی گئی حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی اس کو پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی پس دوزخ سیاہ اور اندھیری ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۳۵۵)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چٹان کو جہنم کے کنارے لڑھکایا جائے گا وہ ستر سال تک نیچے گرتی رہے گی لیکن جہنم کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گی' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دوزخ کو یاد کیا کرو' کیونکہ اس کی گرمی بہت سخت ہے' اور اس کی تہہ بہت بعید ہے اور اس کے گرز لوہے کے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۹۶۲۵)

قیامت کے دن نیک لوگوں کے اعضاء ان کی نیکیاں بیان کریں گے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے' اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے O (یٰسٓ: ۶۵)

اس آیت میں نختم کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے ہم مہر لگا دیں گے' پھر اس لفظ کو منع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' اور افواہ' فم کی جمع ہے اس کی اصل فوہ ہے' اور اس کا معنی منہ ہے۔

پھر فرمایا ہے ان کے ہاتھ اور پیر ہم سے کلام کریں گے' اس آیت میں صرف ہاتھوں اور پیروں کے کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور مراد یہ ہے کہ مجرموں کے تمام اعضاء کلام کریں گے اور ان اعضاء سے جس قدر برے کام کیے جاتے تھے ان کا ذکر کریں گے' بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جس طرح مجرموں کے اعضاء ان کی برائیوں کو بیان کریں گے اسی طرح نیک مسلمانوں کے اعضاء ان کی نیکیوں کو بیان کریں گے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تسبیح اور تہلیل اور تقدیس پڑھنے کو لازم کر لو' اور پوروں (انگلیوں کے سروں) سے ان کا شمار کیا کرو' کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا اور ان سے کلام طلب کیا جائے گا' اور تم (ان کو پڑھنے سے) غافل نہ ہو اور اللہ کی رحمت کو بھول نہ جانا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۸۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۹' مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۵ رقم الحدیث: ۱۸۱' المستدرک ج ۱ ص ۵۴۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کے سروں سے تسبیحات کو شمار کرنے کا حکم دیا تاکہ انہوں نے ان سے جو گناہ کیے ہیں وہ ساقط ہو جائیں' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خواتین گنتی اور شمار کو جانتی تھیں۔ تسبیح کا معنی ہے سبحان اللہ پڑھنا' اور تہلیل کا معنی ہے لا الہ الا اللہ پڑھنا' اور تقدیس کا معنی ہے سبحان الملک القدوس یا سبوح قدوس رب الملائکۃ و الروح پڑھنا۔ آپ نے فرمایا: ان سے سوال کیا جائے گا' یعنی قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے ان انگلیوں سے کیا کام لیا تھا' اور آپ نے فرمایا ان سے کلام طلب کیا جائے گا' یعنی یہ انگلیاں قیامت کے دن اپنے صاحب کے موافق یا مخالف گواہی دیں گی' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (النور:۲۴) جب ان کے متعلق ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پیر گواہی دیں گے وہ دنیا میں کیا عمل کرتے رہے تھے۔

اس آیت میں اس پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ ان اعضاء کو ان کاموں میں استعمال کیا جائے جن کاموں سے ان کا رب تعالیٰ راضی ہو اور اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنے اعضاء کو بے حیائی اور برائی کے اور گناہوں کے کاموں سے محفوظ رکھا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غافل نہ ہونا یعنی ان اذکار' اوراد اور وظائف کے پڑھنے کو ترک نہ کرنا' اور تم رحمت کو بھول نہ جانا یعنی ان کلمات کے پڑھنے سے جو اجر و ثواب ملتا ہے اس کو فراموش نہ کر دینا۔

مجرمین کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کرنے کی توجیہ

قیامت کے دن مجرمین کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کی جائے گی' کیونکہ قیامت کے دن نیک لوگوں کو مجرمین اپنا دشمن کہیں گے اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف قبول نہیں کی جاتی خواہ وہ دشمن صالح اور نیک ہو' اور خود مجرمین فساق ہیں اور فساق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف گواہی کے لیے ان کے اپنے اعضاء میں کلام پیدا فرما دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان اعضاء سے گناہ صادر ہوئے تھے سو یہ اعضاء فاسق قرار پائے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی گواہی کو رد کرنے سے بھی مدعا ثابت ہوگا' کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ مجرمین نے گناہ کیے تھے' اگر ان کے اعضاء کی اس گواہی کو قبول کر لیا جائے کہ انہوں نے گناہ کیے تھے' تب بھی مدعا ثابت ہے اور اگر ان کی گواہی کو اس وجہ سے مسترد کر دیا جائے کہ ان اعضاء نے گناہ کیے ہیں یہ فاسق ہیں' تب بھی یہ بات مان لی گئی کہ مجرمین نے گناہ کیے ہیں۔

مجرموں کے اعضاء سے ان کے خلاف گواہی طلب کرنے کے متعلق احادیث

مجرموں کے اعضاء جو مجرموں کے خلاف گواہی دیں گے اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ہنس پڑے' آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا مجھے بندہ کی اپنے رب سے اس بات پر ہنسی آئی ہے کہ بندہ کہے گا: اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی! اللہ فرمائے گا کیوں نہیں! بندہ کہے گا آج میں اپنے خلاف' اپنے سوا کسی اور کو گواہی دینے کی اجازت نہیں دوں گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج تمہارے خلاف تمہاری اپنی گواہی کافی ہوگی' یا کراماً کاتبین کی گواہی کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا تم بتاؤ' پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے' پھر اس کے اور اس کے کلام کے درمیان تخلیہ کیا جائے گا' پھر وہ اپنے اعضاء سے کہے گا' دور ہو' دفع ہو! میں تمہاری طرف سے ہی تو جھگڑ رہا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا کیا دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو کیا سورج کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! تم کو اپنے رب کو دیکھنے سے صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی تم کو سورج یا چاند کے دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھ کو عزت اور سرداری نہیں دی تھی! کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی تھی! اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے! اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور خوشحال زندگی میں نہیں چھوڑا ہوا تھا' اللہ تعالیٰ

فرمائے گا کیا تو یہ گمان کرتا تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا! پھر اللہ تعالیٰ دوسرے بندہ سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: کیا میں نے تجھ کو عزت اور سیادت نہیں دی تھی! کیا میں نے تجھ کو زوجہ نہیں دی تھی! کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے! اور کیا میں نے تجھ کو ریاست اور خوش حال زندگی میں نہیں چھوڑا تھا' وہ شخص کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تیرا یہ گمان تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دیا ہے جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا' پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندہ کو بلا کر اسی طرح فرمائے گا' وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر' تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا' میں نے نماز پڑھی' روزہ رکھا اور صدقہ دیا اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنی نیکیاں بیان کرے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ابھی پتا چل جائے گا' پھر اس سے کہا جائے گا ہم ابھی تیرے خلاف اپنے گواہ بھیجتے ہیں! وہ بندہ اپنے دل میں سوچے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا! پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' اور اس کی ران' اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا تم بتاؤ! پھر اس کی ران' اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کو بیان کریں گے اور یہ معاملہ اس وجہ سے کیا جائے گا کہ خود اس کی ذات سے اس کے خلاف حجت قائم ہو' اور جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ منافق ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۷۳۰' سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۴۲۸)

مجرموں کے مونہوں پر مہر لگانے کی توجیہات

قیامت کے دن مجرموں کے مونہوں پر جو مہر لگا دی جائے گی اس کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا:

(۱) چونکہ قیامت کے دن مشرکین یہ کہیں گے کہ:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ. (الانعام: ۲۳) اور ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم! ہم مشرک نہ تھے!

تو چونکہ مشرکین اپنے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور جھوٹ بولیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا حتیٰ کہ ان کے اعضاء کلام کریں گے اور وہ بتائیں گے کہ وہ شرک کرتے تھے۔ دنیا میں کفار کی سرکشی اور گستاخی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دلوں پر مہر لگا دی تھی اور آخرت میں ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا۔

(۲) ابن زیاد نے کہا جب ان کے اعضاء بتائیں گے کہ وہ شرک کرتے تھے تو تمام اہل محشر کو ان کے مشرک ہونے کا علم ہو جائے گا۔

(۳) جب غیر ناطق نطق کرے گا تو ناطق کی بہ نسبت اس کا انکار ان کے خلاف زیادہ مؤثر حجت ہوگا کیونکہ جب وہ کلام کرے گا جو عادۃً کلام نہیں کرتا تو یہ معجزہ کے قائم مقام ہوگا ہر چند کہ اس دن کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۴) جب مجرمین کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے خلاف ان کے جرائم کی شہادت دیں گے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان جرائم کے صدور میں یہ اعضاء ان کے مددگار تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مجرموں کے ہاتھوں کی طرف کلام کرنے کی نسبت کی ہے اور پاؤں کی طرف

گواہی دینے کی نسبت کی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھوں کے ذریعہ مجرمین گناہ کا عمل کرتے تھے' اور پیر گناہ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور دوسروں کے سامنے حاضر کا قول شہادت ہوتا ہے اور فاعل کا اپنے نفس کے متعلق کلام کرنا اقرار ہوتا ہے' اس لیے ہاتھوں نے جو کچھ کہا اس کو کلام سے تعبیر فرمایا اور پیروں نے جو کچھ کہا اس کو شہادت سے تعبیر فرمایا۔

حکیم بن معاویہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن اس حال میں آؤ گے کہ تمہارے مونہوں پر پٹی باندھی ہوئی ہو گی اور کسی آدمی کا جو عضو سب سے پہلے کلام کرے گا وہ اس کی بائیں ران اور اس کی ہتھیلی ہو گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳ قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۹۰۹' دار الحدیث قاہرہ)

انسان جب شہوانی گناہ سے لذت حاصل کرتا ہے تو جو عضو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ لذت حاصل کرتا ہے وہ اس کی ران ہوتی ہے اور بائیں عضو کی اس لیے تخصیص کی گئی ہے کیونکہ بائیں ران کی شہوت دائیں ران کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۲۸۔۲۷' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو ان کی بصارت کو زائل کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑتے تو کہاں دیکھ سکتے تھے ○ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ان کی صورتوں کو مسخ کر دیتے تو پھر وہ نہ جا سکتے تھے نہ لوٹ سکتے تھے ○ (یٰس: ۶۷۔۶۶)

طمس اور مسخ کا معنی

اس آیت میں لطمسنا کا لفظ ہے' اس کا مادہ طمس ہے' طمس کا معنی ہے کسی چیز کو مٹا کر اس کا اثر زائل کر دینا' قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ. (المرسلات: ۸) اور جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ (یٰس: ۶۶) اس کا معنی ہے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کی صورت کو مٹا دیتے اور ان کی روشنی کو زائل کر دیتے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۰۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم مشرکین مکہ کو دنیا میں سزا دینا چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کی جگہ کو سپاٹ اور ہموار بنا دیتے اور اس میں آنکھوں کے ڈھیلوں کے رکھنے کی جگہ ختم کر دیتے' یا ان کی بصارت کو بالکل سلب کر لیتے پھر وہ کسی جگہ جانے کے لیے اِدھر اُدھر جاتے' دوڑتے اور بھاگتے اور انہیں کچھ نظر نہ آتا' اور جس طرح ان کے دل بے نور اور بے بصیرت ہیں اسی طرح ہم ان کی آنکھوں کو بھی بے نور اور بے بصارت بنا دیتے۔

نیز فرمایا اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ پر ان کی صورت کو مسخ کر دیتے۔

مسخ کا معنی ہے صورت بگاڑ دینا' اور ایک صورت کو دوسری صورت سے تبدیل کر دینا' خواہ ایک جاندار کی صورت کسی دوسرے جاندار سے تبدیل کر دی جائے یا جاندار کی صورت کو کسی بے جان سے تبدیل کر دیا جائے' مسخ جس طرح صورتوں میں ہوتا ہے اسی طرح صفات میں ہوتا ہے' صورت کی مثال یہ ہے جیسے بنی اسرائیل کے بعض افراد کو بندر اور خنزیر کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا اور صفات کو مسخ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کسی انسان کے اوصاف کسی حیوان کے مذموم اوصاف کے ساتھ تبدیل کر دیئے جائیں' مثلاً کسی انسان میں کتے کی طرح شدت حرص پیدا کر دی جائے یا کسی انسان میں خنزیر کی طرح بے غیرتی پیدا کر دی جائے یا کسی انسان میں گدھے کی طرح بے وقوفی پیدا کر دی جائے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۰۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو مشرکین اہل مکہ کی صورتوں کو مسخ کر کے کسی قبیح جانور کی صورت سے تبدیل کر دیں جیسے بعض بنی اسرائیل کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر اور بعض کی صورتوں کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل سے تبدیل کر دیا تھا اور ان کو درجہ انسانیت سے گرا کر حیوانیت کے درجہ میں لا کھڑا کریں' اور یا ان کو پتھر کی شکل سے تبدیل کر دیں اور ان کو درجہ حیوانیت سے بھی گرا دیں' پھر وہ کسی جگہ جانا چاہیں تو جا نہ سکیں اور لوٹنا چاہیں تو لوٹ نہ سکیں۔ کیونکہ بصارت سے محروم ہونے کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا' یہ تو ہمارا رحم اور حلم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا اور اگر ہم انہیں پتھر بنا دیتے تو وہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے اور ان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن نہ ہوتا۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ

اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں' پس کیا وہ نہیں سمجھتے ہیں ○

الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ

اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ تاکہ

مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا

وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست

خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَآ أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾

قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی بنائے جن کے یہ مالک ہیں ○ اور ہم نے ان

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں ○ اور ان کے لیے ان میں

وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں' کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے ○ اور انہوں نے اللہ کے سوا اور چیزوں کو معبود قرار دیا

يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَا

تاکہ ان کی مدد کی جائے ○ حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ (مشرکین) خود (ان کی مدافعت کے لیے) کمربستہ لشکر ہیں ○

يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ

سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ○ کیا انسان

وقف لازم

اَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَ

نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا کیا تھا پھر یکا یک وہ کھلا ہوا جھگڑالو بن گیا O وہ ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے

نَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي

لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ O آپ کہیے کہ ان کو وہی

أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ

زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا' اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O جس نے سرسبز درخت سے

الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي

تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O اور کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا وہ

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ

اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے! کیوں نہیں! وہ عظیم الشان پیدا کرنے والا سب سے زیادہ جاننے والا

الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾

ہے O جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "بن جا" سو وہ بن جاتی ہے O

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

وقف غفران

ع ۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) الٹ دیتے ہیں' پس کیا وہ سمجھتے نہیں ہیں O اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O تاکہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے O (یٰسٓ: ۷۰۔۶۸)

انسان کی عمروں کے مختلف ادوار

کفار یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم دنیا میں بہت کم عرصہ رہے تھے اگر ہم دنیا میں زیادہ عرصہ رہتے تو اے ہمارے رب! ہمارے ایمان و عمل میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ ہوتی' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس عذر کا رد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تم دنیا میں اپنی عمر کے اس حصہ تک پہنچے تھے جب تمہارے قویٰ کمزور ہو چکے تھے' اور ہم نے تم کو اتنی لمبی زندگی دی تھی جس میں تم اگر چاہتے تو غور و فکر کر کے ایمان لا سکتے تھے' اور نیک اعمال کر سکتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ — کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں جو شخص

النَّذِيْرُ ۔ (فاطر: ۳۷) قبول کرنا چاہتا وہ نصیحت قبول کر لیتا اور تمہارے پاس عذاب سے ڈرانے والا بھی آچکا تھا۔

اسی طرح اس آیت میں فرمایا اور ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو ہم اس کی جسمانی بناوٹ کو (ابتدائی حالت کی طرف) لوٹا دیتے ہیں۔

انسان کی زندگی مختلف ادوار میں گزرتی ہے اور اس کے جسم پر متعدد اور مختلف کیفیات کا ترتب ہوتا ہے' اس کی ابتداء تراب (مٹی) سے ہوتی ہے پھر یہ مٹی نبات (سبزہ) کی شکل میں ڈھل جاتی ہے' اور سبزہ اس کی غذا بنتا ہے' اور غذا خون بناتی ہے' پھر نطفہ بناتی ہے پھر نطفہ رحم میں جا کر علقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے' پھر مضغہ (گوشت کی بوٹی) بن جاتا ہے' پھر اس کو ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں اور اس میں روح ڈال دی جاتی ہے' اور جب ماں کے پیٹ میں بچہ کی شکل مکمل ہو جائے تو اس کو جنین کہتے ہیں' جب وضع حمل ہو جائے تو اس کو ولید کہتے ہیں' ماں کا دودھ پینے لگے تو اس کو رضیع کہتے ہیں' ٹھوس غذا کھانے لگے تو اس کو فطیم کہتے ہیں' کھیلنے کودنے کی عمر کو پہنچے تو اس کو صبی کہتے ہیں' آنکھوں کو بھانے لگے تو اس کو غلام کہتے ہیں' چہرے پر سبزہ پھوٹنے لگے تو اس کو مراھق کہتے ہیں' بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کو بالغ کہتے ہیں' جوان ہو جائے تو شاب کہتے ہیں' پختہ عمر ہو جائے تو رجل کہتے ہیں' جب تیس سال کی عمر ہو جائے تو کہول کہتے ہیں اور چالیس سال کی عمر ہو تو شیخ کہتے ہیں' ساٹھ سال کی عمر ہو تو شیخ فانی اور عمر ڈھلتے ڈھلتے جب موت کی دہلیز تک پہنچ جائے' ہڈیاں کمزور ہو جائیں' جسم لاغر ہو جائے' حافظہ خراب ہو جائے تو اس کو ارذل عمر کہتے ہیں' اور پھر اس کے بعد وہ میت ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد پھر تراب (مٹی) ہو جاتا ہے' مٹی سے اس کی ابتدا ہوئی تھی اور پھر بالآخر مٹی بن جاتا ہے۔

سو انسان کی عمر کا کار آمد حصہ وہ ہوتا ہے جب وہ جوان ہوتا ہے لہٰذا عمر کے اس حصہ کی قدر کرنی چاہیے اور اس عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہئیں' حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو' اپنی زندگی کو موت آنے سے پہلے اور اپنی فراغت کو اپنے مشغول ہونے سے پہلے اور اپنی خوش حالی کو اپنی تنگ دستی سے پہلے اور اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۹۹' رقم الحدیث: ۳۴۳۰۸' المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۴۸' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۵۱' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۷۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۴۹۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے اپنے قدم ہٹا نہیں سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے' اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی' اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا' اس نے کہاں سے مال حاصل کیا اور کن مصارف میں خرچ کیا' اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۷۷۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۰)

انسان کی مختلف عمروں کے متعلق احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں چالیس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس سے کئی قسم کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے' جذام کو' برص کو اور شیطان کے غضب ناک کرنے کو' اور

اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس پر حساب کو آسان کر دیتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۸۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۶۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس سے تخفیف کے ساتھ حساب لیتا ہے اور اس کو اللہ کی طرف ایسی توبہ اور رجوع عطا فرماتا ہے جو اس کو پسند ہے' اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں ستر سال تک پہنچا دے' اس سے تمام آسمان والے اور زمین والے محبت کرتے ہیں' اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں اسّی (۸۰) سال تک پہنچا دے' اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں نوے سال تک پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا قیدی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۸۸' حافظ الہیثمی نے کہا یہ حدیث امام بزار نے دو سندوں سے روایت کی ہے' اور ان میں سے ایک سند کے رجال ثقات ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۶۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۴۹_۴۲۴۸_۴۲۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۲۳۶۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ستر (۷۰) سال تک پہنچا دی تو عمر میں اس پر اپنی حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر نہیں رہا۔

(المستدرک ج ۲ ص ۴۲۸' حافظ سیوطی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۸۶۷)

ارذل عمر کی تحقیق

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ (النحل: ۷۰)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا' اور تم میں سے بعض کو ارذل (ناکارہ) عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے' تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد ان چیزوں سے پناہ طلب کرتے تھے' اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے اور میں دنیا کی آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۳۵)

ارذل العمر کی تشریح میں علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی انسان اس قدر بوڑھا ہو کہ کمزور ہو کر اپنے بچپن کی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے' اس کی سماعت اور بصارت کمزور ہو جائے' اس کی عقل کام نہ کرے اور سمجھ میں کوئی بات نہ آئے وہ فرائض کو ادا نہ کر سکے' اور اپنے ذاتی کام نہ کر سکے' اپنی پاکیزگی اور صفائی کا خیال نہ رکھ سکے' اور اپنے گھر والوں پر بوجھ ہو جائے اور وہ اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں' اور اگر اس شخص کا گھر بار نہ ہو اور وہ بالکل تنہا ہو تو اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہو گی!

(عمدۃ القاری ج ۱۴ص ۱۶۸۔۱۶۷' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ابن قتیبہ نے کہا ارذل عمر کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے۔

زجاج نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں گے۔ (زاد المسیر ج ۴ص ۴۶۸۔۴۶۷' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علماء عاملین اور اولیاء اللہ کا ڈھلتی ہوئی عمر میں ارذل عمر کے اثرات سے محفوظ رہنا

یہ عام لوگوں کا حال ہے کہ چالیس سال کے بعد ان کا دور انحطاط شروع ہو جاتا ہے' ان کی سماعت اور بصارت معمول پر نہیں رہتی اور ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کا بدن لاغر ہو جاتا ہے' ان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کام نہیں کرتی وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کی ذہانت اور فطانت ختم ہو جاتی ہے' اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے جیسے علماء اور اولیاء اللہ ہیں وہ ساٹھ سال کے بعد بھی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں' ان کے حواس قائم رہتے ہیں اور ان کا بدن متحرک اور فعال ہوتا ہے' ان کے اعصاب قوی اور ان کی عقل وقاد' روشن اور نکات آفریں ہوتی ہے' الحمد للہ علی احسانہ خود راقم الحروف کی عمر سرسٹھ (۶۷) سال سے متجاوز ہے اس کے باوجود اس کے اعصاب اور حواس قائم' متحرک اور فعال ہیں' سترہ اٹھارہ سال پہلے جب میں کراچی آیا تھا تو میری دائیں آنکھ کا نمبر ۵۔۳ اور بائیں آنکھ کا نمبر ۵۔۴ تھا اب دائیں آنکھ کا نمبر ۵۔۲ اور بائیں آنکھ کا نمبر ۵۔۳ ہے اور قریب کا لکھنے' پڑھنے کا کام میں چشمہ کے بغیر کر لیتا ہوں' ۱۹۸۵ء سے شوگر' ہائی بلڈ پریشر اور کولسٹرول کی زیادتی کا عارضہ ہے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حافظہ صحیح ہے' ان عوارض کی وجہ سے کوئی توانائی بخش غذا نہیں کھا سکتا' بران بریڈ کے دو یا تین سلائس اور بغیر گوشت کے ابلی ہوئی سبزی پر گزارہ ہے اس کے باوجود ۱۹۸۶ء میں شرح صحیح مسلم کا کام شروع کیا اور ۱۹۹۳ء میں آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل اس عظیم شرح کو مکمل کر دیا' اور ۱۹۹۴ء میں تبیان القرآن کو شروع کیا اور اب ۲۰۰۳ء میں اس کی نویں جلد قریب الاختتام ہے' ظاہر ہے کہ عام مادی اسباب سے تو یہ ممکن نظر نہیں آتا' یہ صرف اللہ کے خصوصی فضل و احسان اور اس کی اعانت سے ہی ممکن ہے' یہ تو مجھ ایسے بے عمل اور ناکارہ طالب علم اور دین کے ادنیٰ خادم کا حال ہے کہ ڈھلتی ہوئی عمر اس کے اعصاب' حواس اور عقل پر اثر انداز نہیں ہوئی تو سوچئے جو صالح اور باکردار علماء ہیں اور اولیاء اللہ ہیں ان کی عمر کی زیادتی اور ان کا بڑھاپا انہیں کب کمزور اور بے فیض کر سکتا ہے بلکہ ان کے اعصاب' حواس اور ان کی عقل ہر آن میں پہلے سے زیادہ متحرک اور فعال ہوتے ہیں۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (النحل: ۷۰) مسلمانوں کے لیے نہیں ہے مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے' اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۴ص ۴۶۸' المکتب الاسلامی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

میرا گمان یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی جو بے عمل اور بدکردار ہوتے ہیں' حاسد اور متکبر ہوتے ہیں' متفحش اور بداخلاق ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو بہ طور عقوبت اور سزا دنیا میں ارذل (ناکارہ) عمر کی طرف لوٹا دیتا ہے' اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سزا کو ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا' اور آخرت میں ان کو بخش دے گا' اے اللہ! مجھے ارذل عمر سے محفوظ رکھنا' مجھے کسی پر بوجھ اور بار نہ بنانا' صرف اپنا محتاج رکھنا اور کسی

کا محتاج نہ کرنا اور اس دنیا میں چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ اٹھا لینا اور یہی دعا میں اپنی والدہ محترمہ اور ان تمام احباب کے لیے کرتا ہوں جنہوں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن میں میرے ساتھ تعاون کیا اور اسی طرح اپنے قارئین اور محبین کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ مؤثر اور فعال ہونا

میں نے یہ لکھا ہے کہ صالح علماء اور اولیاء اللہ کی عمر جوں جوں بڑھتی جاتی ہے' ان کے حواس' اعصاب اور ان کی عقلوں میں زیادتی ہوتی جاتی ہے' سو انبیاء علیہم السلام کی عمر میں زیادتی تو اس سے کہیں زیادہ ان کی قوتوں میں اضافہ کی موجب ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اخیر عمر میں ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ نکل گئی۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل کتاب وغیرھم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۲۰' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

تورات میں مذکور ہے:

پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی O اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں O اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی O

(کتاب مقدس ص ۲۰۲' استثناء باب: ۳۴ آیت: ۷۔۵' بائبل سوسائٹی' انارکلی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور ملک الموت کو تھپڑ مار کر ان کی آنکھ نکالنے کا واقعہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہا السلام کے پاس بھیجا گیا' جب وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ نے ان کو تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکال دی' ملک الموت اپنے رب کے پاس واپس گئے اور کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا ان کے پاس جا کر کہو کہ اپنے ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں اور جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال ان کی عمر بڑھا دی جائے گی' حضرت موسیٰ نے پوچھا اے میرے رب! پھر کیا ہے؟ فرمایا پھر موت ہے! حضرت موسیٰ نے کہا پھر ابھی سہی! اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدسہ (بیت المقدس کی سرزمین) کے اتنے قریب کر دے جتنا پتھر پھینکے جانے کا فاصلہ ہوتا ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تم کو سرخ ریت کے ٹیلے کے نیچے راستہ کی ایک جانب ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۸۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: 8192' دارالکتب العلمیہ رقم الحدیث: ۸۰۵۳' دار احیاء التراث العربی' رقم الحدیث: 8157' دارالحدیث قاہرہ' رقم الحدیث: ۷۶۹۴' دارالفکر بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۲۳)

امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں تھپڑ مارنے کا ذکر ہے' آنکھ نکالنے کا ذکر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۹۔ ۳۴۰۷)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ نے کہا ہے کہ ان کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے ورنہ حضرت موسیٰ کے

غضب کے تھپڑ سے ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۷۶ مصر ۱۳۵۷ ھ)

اللہ اللہ! یہ بازوئے کلیم کی طاقت تھی سوچئے پھر بازوئے حبیب کی قوت کا کیا عالم ہوگا!

خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس اور عقل کا ...... ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ قوی تھے' شوال پانچ ہجری میں آپ کی عمر مبارک اٹھاون سال تھی اس وقت غزوہ خندق واقع ہوا' صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے کھدائی کے وقت ایک چٹان نکل آئی وہ کسی سے نہیں ٹوٹ رہی تھی لیکن آپ کی ایک ضرب سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا' حضرت البراء بن عازب نے کہا کہ خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی' جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی' مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی عوف نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فالتو کپڑے رکھ کر چٹان کی طرف اتر گئے' آپ نے کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں' آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے ملک شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں' آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کے دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' اور اللہ کی قسم! بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں! آپ نے پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی' آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں' اور آپ نے فرمایا میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۳' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۶۰۰' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۶۸۵' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۳۱' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۳۹۔۲۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا کہ آپ کے چہرے میں آفتاب تیرتا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرعت کے ساتھ کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا' گویا کہ زمین آپ کے سامنے لپٹتی جاتی تھی' ہم آپ کے ساتھ چلتے ہوئے تھک جاتے تھے اور آپ کو پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۴۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۰۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے گویا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ کی عمر شریف ساٹھ سال تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج مطہرات کو عمل زوجیت سے مشرف کرآتے تھے اور اس وقت آپ کے عقد میں گیارہ ازواج مطہرات تھیں' قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کی طاقت رکھتے تھے' حضرت انس نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۹' الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۲۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۴۵۔۱۸۶۸۵)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں پچھاڑ دیا۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۷۸۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۷۸ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۴۱۲)

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی التوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن خربوز وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رکانہ کسی سفر سے آئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر دی گئی' پھر مکہ کی بعض پہاڑیوں میں ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا: اے بھتیجے! مجھے تمہارے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی' اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان لوں گا کہ تم اپنے دعویٰ سے سچے ہو' پھر انہوں نے آپ سے کشتی لڑی' آپ نے ان کو پچھاڑ دیا' حضرت رکانہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ کشتی میں پچھڑنے کے بعد اسلام لے آئے تھے۔

(الاصابہ ج ۲ ص ۴۱۳' رقم الحدیث: ۲۶۹۵' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شعر کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے' یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے O (یٰسٓ: ۶۹)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

شعر کا معنی بال ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا. (النحل: ۸۰) اور بھیڑوں کے اون سے اور اونٹوں کے پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے۔

اور شعرت کا معنی ہے میں نے بالوں کو حاصل کر لیا یعنی گھنے بال کر لیے' اور اسی سے استعارہ کیا گیا ہے: شعرت کذا' یعنی میں نے ایسا علم حاصل کیا جو بال کی طرح باریک ہے' اور شاعر کو اس کی باریک بینی ژرف نگاہی اور دقت نظر کی وجہ سے شاعر کہتے ہیں۔ پس شعر اصل میں دقیق اور باریک علم کا نام ہے' عربی میں کہتے ہیں لیت شعری' کاش مجھے اس کی گہرائی اور گیرائی کا علم ہوتا۔

یہ شعر کا لغوی معنی ہے' اور اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو موزون اور مقفٰی ہو یعنی جس کلام میں ردیف اور قافیہ کی رعایت کی گئی ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۴۵)

قرآن مجید کی بعض آیتوں پر شعر ہونے کا شبہ اور اس کا جواب

شعر کے آخری حروف جو وزن میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں ان کو قافیہ کہتے ہیں اور آخری سے پہلے حروف جو ایک دوسرے کے وزن میں مطابق ہوں ان کو ردیف کہتے ہیں' اس کی مثال اس شعر میں ہے:

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

اس شعر میں نیاز اور ایاز ردیف ہے اور میں قافیہ ہے۔

اور جو شخص ردیف اور قافیہ کی رعایت سے کلام موزون پیش کرنے پر قادر ہو اس کو شاعر کہتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے کہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور قرآن مجید کو شعر کہتے تھے:

بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ. (الانبیاء: ۵) بلکہ انہوں نے (اس قرآن کو) جھوٹ گھڑ لیا ہے' بلکہ وہ شاعر ہیں۔

وَيَقُولُونَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ○ (الصّٰفّٰت: ۳۶) اور وہ کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (الطور: ۳۰) یا وہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان پر زمانہ کے حوادث اور مصائب کا انتظار کر رہے ہیں۔

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات بہ ظاہر موزون ہیں اور ان سے کفار کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ کلام مقفیٰ ہے جیسے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (الکوثر: ۳۔۱) یا جیسے: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ (تبت: ۴۔۱) اس وجہ سے قرآن مجید کو شعر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' یہ شبہ اس لیے درست نہیں ہے کہ شعر میں قصداً دو جملوں کے آخری الفاظ ایک وزن پر ہوتے ہیں اور قرآن مجید اس طرح نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کی تمام آیات اسی طرح نازل ہوتیں۔

بعض مفسرین نے کہا عرب کے لوگ شعر کی یہ تعریف کرتے تھے: وہ کلام جو خیالی اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہو اور ان کا زعم یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا ہے کہ قیامت آئے گی اور سب کچھ تباہ ہو جائے گا اور تمام زندہ انسان مر جائیں گے پھر تمام مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان سے حساب کتاب لیا جائے گا' ان کے اعمال کو وزن کیا جائے گا' پھر کافروں کو دوزخ میں اور مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا' جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ محض جھوٹ ہے' ایسا کچھ نہیں ہوگا' اور یہ جو انہوں نے کہا کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ تیز ہے' اور اس میں زقوم (تھوہر) کا درخت ہے' اور دوزخ بہت گہری ہے' اور اس میں دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کا لہو اور پیپ پینے کے لیے دیا جائے گا' اور جب ان کا جسم جل جائے گا تو اس کو دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا' اور جنت کے بارے میں جو بتایا ہے کہ اس میں باغات ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں' اور ان میں محلات ہیں' حوریں ہیں اور غلمان ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور وہاں پاکیزہ مشروبات ہیں جن کو پی کر کبھی پیاس نہیں لگے گی' وغیرھا یہ سب خیالی باتیں ہیں' واقع میں ایسا کچھ نہیں ہے سو وہ اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کو شعر و شاعری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے' اور یہ شبہ بداہۃً باطل ہے کیونکہ قرآن مجید میں قیامت اور جنت اور دوزخ کی جو خبریں دی گئی ہیں وہ سب سچی اور واقعی ہیں جھوٹی اور خیالی نہیں ہیں اور ان کے صدق پر خود قرآن مجید میں بہ کثرت عقلی دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

گمراہ کن اشعار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۲۵۔۲۲۴) گمراہ لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں' کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شاعر لوگ گمراہ کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کے اشعار گمراہ کن ہوتے ہیں' ہمارے زمانہ کے بعض شعراء کا کلام بھی اسی طرح ہے' غالب کا مشہور شعر ہے:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ڈاکٹر اقبال کے بعض اشعار بھی ایسے ہی ہیں:

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی — خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا

اللہ کو خطاوار کہنا صریح کفر ہے۔

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن — زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

اللہ تعالیٰ کے لیے نقصان پانے کا لفظ خواہ استفہاماً کہا جائے بہر حال کفر ہے۔ (کلیاتِ اقبال ص ۱۷۹ مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

ترے شیشہ میں مے باقی نہیں ہے — بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم — بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(کلیاتِ اقبال ص ۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا اللہ تعالیٰ کی سخت توہین ہے اور صریح کفر ہے۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا — یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

(کلیاتِ اقبال ص ۱۹۲)

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال — کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

(کلیاتِ اقبال ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کی گستاخی کر کے اس پر فخر کرنا یہ بھی کفر و ضلال اور سرکشی ہے۔

مجھے فریفتہ ساقیٔ جمیل نہ کر — بیان حور نہ کر ذکر سلسبیل نہ کر

مقام امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں — شباب کے لیے موزوں ترا پیام نہیں

شباب، آہ کہاں تک امیدوار رہے — وہ عیش، عیش نہیں، جس کا انتظار رہے

(کلیاتِ اقبال ص ۸۸)

جنت کو ناموزوں کہنا اور اس کی تنقیص اور تحقیر کرنا بھی بدترین گمراہی ہے۔

تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ — اپنے لیے لامکاں، میرے لیے چارسو

(کلیاتِ اقبال ص ۳۱۴)

اس شعر کی گمراہی اور اس کا کفر محتاجِ بیان نہیں۔

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا — نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں میں

(کلیاتِ اقبال ص ۸۶)

ہندوؤں کے دیوتا، رام چندر کی منقبت میں درج ذیل اشعار کہے ہیں:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز — اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند

اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی — روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا — پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

(کلیاتِ اقبال ص ۱۱۸)

اسی قسم کے اشعار کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھر جائے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۹، مسند احمد ج ۱ص ۱۷۷۔۱۷۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۱۷۔۸۱۶۔۷۹۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے ہوئے کلام موزون کے شعر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

امر واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کے ترجمان تھے۔ آپ شاعر تھے نہ قرآن شعر و شاعری ہے، کیونکہ شعر و شاعری میں الفاظ مقصود ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں اور نبی کا مقصود معانی ہوتے ہیں اور الفاظ ان کے تابع ہوتے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے آخری الفاظ ایک وزن پر ہیں جن سے کفار کو ان آیات پر اشعار ہونے کا شبہ ہوتا تھا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کلام موزون کہا ہے جیسے بعض احادیث میں ہے: حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودتے وقت فرما رہے تھے:

واللہ لو لا اللہ ما اھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
فانزلن سکینۃ علینا	وثبت الاقدام ان لاقینا
سو تو ہم پر طمانیت نازل فرما	اور اگر کافروں سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھنا
ان الاولی قد بغوا علینا	اذا ارادوا فتنۃ ابینا
ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے	جب یہ ہمارے خلاف فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم اس کا انکار کریں گے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۵۵، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۵۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۰۷)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رجز پڑھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رجز پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا:

اللھم لا خیر الا خیر الاخرۃ	فاغفر للانصار والمھاجرۃ
اے اللہ آخرت کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے	سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۲)

رجز کا معنی ہے: جنگ میں دشمن کے سامنے بہادری کے اظہار کے لیے کلام موزون پیش کرنا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کلام موزون کی یہ تمام مثالیں رجز ہیں، اور اس میں اختلاف ہے کہ رجز شعر ہے یا نہیں، اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رجز شعر نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر جو رجز یہ کلام فرمایا وہ شعر نہیں ہے اور نص قرآن سے آپ پر شعر کہنا حرام ہے، اور علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رجز شعر ہے۔ اور نبی نے جو نادر اً دو چار شعر کہے ہیں اس سے

آپ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ دو چار شعر کہنے سے کوئی شخص شاعر نہیں ہو جاتا اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ آپ شاعر تھے' یا آپ کو شعر گوئی کا علم تھا (یعنی مہارت تھی)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ص ۲۶۳)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ رجز پر شعر کا اطلاق نہیں کیا جاتا' کیونکہ رجز یہ کلام کہنے والے کو راجز کہا جاتا ہے' شاعر نہیں کہا جاتا' اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شعر کہنا جائز ہے یا نہیں اور اگر آپ کے لیے شعر کہنا جائز نہیں ہے تو آیا آپ کسی کا شعر نقل کر سکتے ہیں یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ آپ اگر کسی کا شعر نقل بھی کریں گے تو اس میں تغیر کر دیں گے کیونکہ آپ نے ایک شعر اس طرح پڑھا:

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویاتیک من لم تزود بالاخبار

عنقریب زمانہ تم پر وہ چیزیں ظاہر کرے گا جن سے تم غافل تھے اور تمہارے پاس ایسی خبریں لائے گا جو تم نے سنی نہ تھیں

تو حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! یہ شعر اس طرح نہیں ہے' بلکہ اس طرح ہے: ویاتیک بالاخبار من لم تزود' آپ نے فرمایا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے' حضرت ابو بکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ مہارت کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں' اور جب آپ نے تغیر کے ساتھ شعر پڑھا تو پھر آپ شاعر نہیں رہے اور قرآن مجید میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (یٰسٓ: ۶۹) اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر کا فن اور اس کی صنعت نہیں سکھائی' اور رہا یہ کہ آپ کو لوگوں کے اشعار یاد ہوں تو یہ آپ کے حق میں ممنوع نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ص ۲۶۴۔۲۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام موزون صادر ہوا ہے' اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس پر اتفاق ہے کہ جب تک شعر کہنے کا قصد اور ارادہ نہ ہو اس وقت تک وہ شعر نہیں ہوتا' اور جب کلام موزون بغیر قصد اور ارادہ کے کہا جائے تو وہ شعر نہیں ہوتا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام موزون صادر ہوا ہے اس کا یہی محمل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شعر کہنا حرام ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۳ص ۱۶۷۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے لائق ہے (یٰسٓ: ۶۹) اس آیت میں کفار کا رد ہے جو آپ کو شاعر کہتے تھے اور قرآن کو شعر کہتے تھے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شعر نہیں کہتے تھے اور نہ آپ کا کلام فنی طور پر وزن کے موافق ہوتا تھا' اور جب کبھی آپ پرانے شعر کو پڑھنے کا قصد فرماتے تو اس کا وزن ٹوٹ جاتا تھا' آپ کی توجہ صرف معانی کی طرف ہوتی تھی۔

حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مصرعہ اس طرح پڑھا:

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا اسلام اور بڑھاپا انسان کو برے کاموں سے روکنے کے لیے کافی ہے۔

تو حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! شاعر نے اس طرح کہا ہے: کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا۔ پھر حضرت ابو بکر یا حضرت عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے مناسب ہے۔ اور خلیل بن احمد نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام میں شعر کہنا بہت پسند تھا لیکن آپ کو شعر کہنے کی مہارت نہیں تھی۔

کبھی کسی کلام کا وزن کے موافق ہو جانا اس چیز کو واجب نہیں کرتا کہ وہ کلام شعر ہو جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین

کے دن فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت
تو صرف ایک خون آلودہ انگلی ہے

وفی سبیل اللہ ما لقیت
جو کچھ تجھے ملا ہے اللہ کی راہ میں ملا ہے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۵)

انا النبی لا كذب انا ابن عبد المطلب.
میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳، عالم الکتب)

ابوالحسن الاخفش نے کہا ہے کہ انا النبی لا كذب شعر نہیں ہے اور خلیل بن احمد فراہیدی نے کتاب العین میں کہا ہے کہ جن فقروں میں دو جزو وزن کے موافق ہوں وہ شعر نہیں ہوتا' اور معتمد علیہ قول یہ ہے کہ کلام موزون کی ان مثالوں کو اگر شعر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعر کے عالم ہوں یا شاعر ہوں جیسا کہ اگر کوئی شخص ایک دو کپڑے سی لے تو اس سے اس کا درزی ہونا لازم نہیں آتا۔

ابواسحاق الزجاج نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما علمناه الشعر اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو شاعر نہیں بنایا' اور اس میں آپ کے چند شعر کہنے کی ممانعت نہیں ہے' النحاس نے کہا یہ اس مسئلہ میں بہترین قول ہے' اور اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص شعر کہنے کے قصد کے بغیر کوئی کلام موزون کہے وہ شعر نہیں ہوتا وہ کلام صرف شعر کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ کلام بالکل واضح ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے علم' اس کی اصناف' اس کی اعاریض' اس کے قوافی وغیرہ دیگر امور کی نفی کی ہے' اور اس پر اتفاق ہے کہ آپ ان علوم کے ساتھ متصف نہیں تھے' یہی وجہ ہے کہ جب حج کے ایام میں عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ مکہ میں آئے اور بعض اہل مکہ نے کہا کہ آپ شاعر ہیں تو ان میں سے بعض ذہین لوگوں نے کہا اللہ کی قسم' عرب تمہاری تکذیب کریں گے' کیونکہ وہ شعر کی اصناف کو جانتے ہیں اور آپ کا کلام اس کے بالکل مشابہ نہیں ہے' اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوذر کے بھائی انیس نے کہا میں نے آپ کے قول کو ماہر شعراء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا یہ شعر نہیں ہے (مجھے یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ملی سعیدی غفرلہ) اور حضرت انیس عرب کے ماہر شعراء میں سے تھے' اور اسی طرح عتبہ بن ابی ربیعہ نے جب آپ سے کلام سنا تو کہا اللہ کی قسم! ان کا کلام شعر ہے نہ کہانت ہے نہ سحر ہے' اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ حم السجدۃ: ۴۱ میں آئے گی۔

اسی طرح زبان عرب کے فصحاء اور دیگر ماہرین کلام نے کہا کہ کلام موزون کو شعر نہیں کہا جاتا' شعر صرف اس کلام موزون کو کہا جاتا ہے جو شعر کہنے کے قصد سے کہا جائے اسی طرح امام کسائی نے بھی کہا کہ مطلقاً کلام موزون کو شعر نہیں کہا جاتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۵۱۔ ۴۹ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اختصار کے ساتھ اسی تحقیق کا خلاصہ لکھا ہے' اور علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' علامہ احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اسی تحقیق کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۰۔ ۳۹' البحر المحیط ج ۹ ص ۸۱۔ ۸۰' تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۳۵۔ ۶۳۳' عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۴۰۔

۳۹ روح المعانی جز ۲۳ ص ۷۳۔ ۶۹ بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کہنے کی صنعت اور اس فن کا علم تھا یا نہیں

علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کا علم تھا اور نہ شعر کہنے پر قدرت تھی' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو فرمایا ہے اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نبی اور صادق القول ہونے کی حیثیت سے شعر نہیں کہتے' کیونکہ جو شخص اللہ کی طرف سے معلم ہو وہ حق کے سوا اور کوئی بات نہیں کہتا' اور یہ چیز اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ کو فی نفسہٖ نظم اور نثر پر قدرت ہو' اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ کو اچھے اور برے شعر اور موزون اور غیر موزون کلام کی تمیز حاصل تھی' اور جس شخص کو اس پر تمیز حاصل ہو اس کو الٰہیات اور احکام شرعیہ کو نظم اور نثر سے ادا کرنے پر قدرت کیوں نہیں ہو گی! ہاں قدرت فعل کو مستلزم نہیں ہوتی اور آپ نے اعتقادات اور احکام شرعیہ کو نظم اور کلام موزون کے ساتھ اس لیے ادا نہیں کیا کہ آپ کے کلام پر شعر کا اور آپ کی ذات پر شاعر کا اطلاق نہ کر دیا جائے' کیونکہ شعر کا لفظ یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کلام میں خیالی باتیں ہیں یا جھوٹی باتیں ہیں' اور تحقیق یہ ہے کہ عربوں کو آپ کی فصاحت اور بلاغت اور آپ کے کلام کی سلاست اور شیرینی کا خوب علم تھا' خلاصہ یہ ہے کہ ہر کمال آپ ہی کی ذات سے حاصل ہوتا ہے اور جو اشعار اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء' نیک اعمال کی ترغیب' محاسن اخلاق' اسلام کی عظمت اور نصرت اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر مشتمل ہوں وہ آپ کو بہت پسند تھے' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کفار کی ہجو کرتے تھے تو آپ ان کے لیے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے۔ (روح البیان ج ۷ ص ۵۰۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اچھے اور پسندیدہ اشعار کا بیان

حضرت حسان بن ثابت انصاری' حضرت ابو ہریرہ کو قسم دے کر پوچھتے تھے کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

اے حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو؟ اے اللہ! اس کی روح القدس سے تائید فرما!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۵۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۱۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھ دیتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر ان مشرکین کی ہجو کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے رہتے ہیں روح القدس ان کی تائید کرتے رہتے ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۶' مسند احمد ج ۶ ص ۷۲' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۵۹۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۸۷' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے' حضرت کعب بن مالک آپ کے آگے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	الیوم نضربکم علی تنزیلہ
اے کافروں کی اولاد آپ کا راستہ چھوڑ دو	آج ہم قرآن مجید کے حکم سے تم کو ضرب لگائیں گے

ضربا يزيل الهام عن مقيله ويذهل الخليل عن خليله

ایسی ضرب جو کھوپڑی کو اس کی جگہ سے الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی

حضرت عمر نے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھ رہے ہو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑو' یہ اشعار ان پر تیروں کے زیادہ تیزی کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۹۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۷۸۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۱۵۷' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۹۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۲۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۴' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۳۲۳-۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے شعر سے استدلال کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے: **ويأتيك بالاخبار من لم تزود** (اس کا معنی گزر چکا ہے)۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۴۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۸' حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۶۳' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۴۰۲)

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ نے اس شعر کو ابن طرفہ کی طرف منسوب کیا ہے (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۰۸) یہ نسبت اس حدیث کے خلاف ہے۔

عقل کا زندگی کا سبب ہونا اور زندہ وہ ہے جو اللہ کے لیے زندہ ہو

اس کے بعد فرمایا: یہ کتاب تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے ○ تا کہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق ثابت ہو جائے ○ (یٰسٓ: ۷۰)

یعنی یہ قرآن تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہے' جیسا کہ ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ قرآن مجید تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

(یوسف: ۱۰۴' ص: ۸۷' التکویر: ۲۷)

اور یہ قرآن مبین ہے' یعنی آسمانی کتاب ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ متعدد بار چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ قرآن کسی بشر کا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ' لیکن کوئی شخص بھی اس کی مثل کلام بنا کر نہ لا سکا اور بالآخر تھک ہار کر یہ کہہ دیا کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

پھر فرمایا تا کہ وہ زندہ لوگوں کو ڈرائیں' یعنی یہ قرآن زندہ لوگوں کو ڈرائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ لوگوں کو ڈرائیں' زندہ لوگوں سے مراد عقل والے ہیں۔ حافظ سیوطی نے امام ابن جریر اور امام بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے کہ زندہ لوگوں سے مراد عقل والے ہیں اور علامہ آلوسی نے بھی ان ہی سے نقل کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۷ ص ۶۲' دار احیاء التراث العربی' روح المعانی جز ۲۳ ص ۷۳' دار الفکر)

اس آیت میں عقل کو حیات سے تشبیہ دی ہے اور عقل سے مراد عقل صحیح ہے بیمار عقل مراد نہیں ہے کیونکہ عقل صحیح ہی حیات ابدیہ کا سبب ہے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار حقیقت میں مردہ ہیں کیونکہ زندہ وہ ہے جو اپنے دل و دماغ میں اپنے خالق کی معرفت رکھتا ہو اور اس معرفت کے تقاضوں پر عمل کرتا ہو۔ عاقل وہ شخص ہے جو صلاح اور فساد اور صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز رکھتا ہو اور اپنے اعضاء کو صلاح' صحیح اور حق کے تقاضوں پر چلائے اور فساد' غلط اور باطل سے باز رکھے' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس قلب میں اللہ کی معرفت کا نور ہو وہی قلب زندہ ہوتا ہے اور اسی کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا مفید ہوتا ہے وہی اس ڈرانے کا اثر قبول کرتا ہے اور دنیا سے اعراض کر کے آخرت اور اپنے مولیٰ اور پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا زندہ لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان لانے والے ہوں کیونکہ دائمی حیات تو صرف ایمان سے حاصل ہوتی ہے' اور در حقیقت زندہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت کے ساتھ زندہ رہے اور اس کی عبادت کے ساتھ زندہ رہے وہ ظاہری حیات میں بھی زندہ ہوتا ہے اور اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہوتا ہے' اور جو اپنی نفسانی خواہشوں کے ساتھ زندہ ہو وہ در حقیقت مردہ ہے۔ اور اس آیت میں زندہ لوگوں کو ڈرانے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہی ڈرانے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور کفار کے دل حقیقت میں مردہ ہیں وہ ڈرانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے' ان پر صرف حجت قائم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس اپنے نبی اور رسول بھیجے تھے ان کو ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کی دعوت دی تھی تا کہ وہ بھی جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہو جائیں' اور ان کو اس لیے دعوت دی کہ کل قیامت کے دن وہ یہ شکوہ نہ کریں کہ ہم کو کسی نے ایمان لانے کی دعوت نہیں دی ورنہ ہم بھی ایمان لے آتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی بنائے' جن کے یہ مالک ہیں O اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا پس ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں O اور ان کے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں اور پینے کی چیزیں' کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے O

(یٰسٓ: ۷۳۔۷۱)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور ان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنے اس انعام کو یاد دلایا ہے کہ اس نے مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا ہے' قوی ہیکل بیلوں سے انسان ہل چلواتا ہے' کنویں پر رہٹ چلواتا ہے' لمبے چوڑے اونٹوں کی ناکوں میں نکیل ڈال دیتا ہے' مضبوط اور توانا گھوڑوں کے منہ میں لگام ڈال دیتا ہے' گایوں' بھینسوں اور بکریوں سے دودھ نکالتا ہے ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے ان کے جسموں پر جو اون ہوتا ہے ان سے اپنے لیے گرم کپڑے تیار کر لیتا ہے' نوزائدہ بھیڑ کے بچوں کی کھالوں سے قراقلی ٹوپیاں بناتا ہے' بکرے اور گائے کی کھالوں سے جوتیاں' مشک اور ڈول بنا لیتا ہے اور ان سے دیگر اور بہت فائدے حاصل کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا کیا پس وہ شکر ادا نہیں کرتے! یعنی دن رات وہ ان نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں' پھر بھی ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتے' بایں طور کہ وہ اس کو واحد لاشریک مانیں اور ان نعمتوں کے عطا کرنے میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں' صرف اللہ کی تعظیم اور اس کی عبادت کریں' ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے کسی اور کے آگے سجدہ ریز نہ ہوں' اپنی حاجات میں صرف اللہ عزوجل کو پکاریں اور اسی سے مدد طلب کریں' اس کے آگے ہاتھ پھیلائیں اسی سے منتیں اور مرادیں مانگیں کہ سب اسی کے محتاج ہیں' سب اسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۔ (الرحمٰن: ۲۹)
آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہیں سب اسی سے سوال کرتے ہیں وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔

سو تم بھی اسی سے مانگو' اسی سے سوال کرو اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ!

ہر چند کہ کسی نعمت کے ملنے کے بعد زبان سے الحمد للہ رب العلمین کہہ دینا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ادائیگی شکر کے لیے انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس مصرف میں خرچ کرنے کے لیے دی ہے اس نعمت کو اس مصرف میں خرچ کرے اور اگر وہ اس نعمت کو اس مصرف میں خرچ نہیں کرے گا تو یہ ناشکری ہے' اور اگر اس مصرف

کے خلاف اس نعمت کو خرچ کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے' گناہ کبیرہ ہے اور بغاوت ہے اور نہایت سنگین بات ہے' مثلاً آنکھیں دی ہیں تا کہ ان سے ماں باپ کو' علماء کو' روضہ انور کو اور کعبۃ اللہ کو دیکھے' اگر ان کو دیکھے گا تو آنکھوں کا شکر ادا ہوگا' نہیں دیکھے گا تو ناشکری ہوگی' اور اگر ان آنکھوں سے پرائی بہو بیٹیوں کو' ننگی فلموں کو اور دیگر فحش چیزوں کو دیکھے گا تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کے سوا اور چیزوں کو معبود قرار دیا تا کہ ان کی مدد کی جائے O حالانکہ وہ (بت) کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (بلکہ) وہ (مشرکین) خود ان (کی مدافعت) کے لیے کمر بستہ لشکر ہیں O سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں O (یٰسٓ ۷۶۔۷۴)

توحید کی ترغیب اور شرک کی مذمت

ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کو فراموش کر دیا اور اس کی قدر ناشناسی کی' اور اللہ تعالیٰ کو واحد معبود ماننے کے بجائے ایسے بتوں کی پرستش شروع کر دی جو اپنے وجود میں خود ان کے محتاج تھے انہوں نے پتھروں کی تراش خراش کر کے مورتیاں بنائیں اور کہا یہ پچھلے زمانہ کے نیک بندوں کی صورتیں ہیں' انہوں نے لات' منات' عزیٰ اور ہبل کے نام سے بت بنا ڈالے اور کہا یہ اللہ کے مقبول بندوں کے مجسمے ہیں ان کی پرستش کرنے سے وہ راضی ہوگا پھر ان کی پوجا کرنی شروع کر دی' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے نیک بندوں کی مورتیاں بناؤ اور ان کی عبادت کرو اور نہ نیک بندوں نے اپنی زندگی میں کبھی لوگوں سے یہ کہا تھا کہ جب ہم اس دنیا سے گزر جائیں تو پھر تم ہماری عبادت شروع کر دینا' اس کے عوض ہم قیامت کے دن خدا کے سامنے تمہاری شفاعت کریں گے یہ مشرکین اپنے شرک کرنے اور مشرکانہ عقائد پر زور دینے کے لیے ایسا ضرور کہتے ہیں لیکن ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ (یوسف ۴۰)

اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کر رہے ہو وہ محض نام ہیں' جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی گھڑ لیے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

یہ تمہارے خود ساختہ معبود تمہاری مدد کرنے کی سرمو طاقت نہیں رکھتے بلکہ یہ اپنے وجود میں تمہارے محتاج ہیں تم نے ان کو بنایا' پھر ان کے معبود ہونے کا پروپیگنڈا کیا' تم نے ان کے سامنے چڑھاوے پیش کیے منتیں اور مرادیں مانیں' ان کے سامنے نذریں گزاریں ان کے آستانوں پر ان کے چرنوں میں جانوروں کا خون بہایا اور بھینٹ چڑھائی یہ تمہاری مدد کیا کریں گے تم تو خود ان کی مدد کرنے پر ہمہ وقت کمر بستہ رہتے ہو۔

ہندوستان میں رام چندر' سیتا اور کرشن کے بت بنائے جاتے ہیں اور ان کی پرستش کی جاتی ہے' ان کے نام کی دہائی دی جاتی ہے' عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم کے بت بنا کر ان کی عبادت کرتے ہیں' حالانکہ ان میں سے کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے' ان بتوں کی خدائی ان مشرکین کے پروپیگنڈے کی مرہون منت ہے' اور اصل میں خدا وہ ہے جس کی خدائی کا ثبوت کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے' کوئی مانے یا نہ مانے' کوئی اس کو پکارے یا نہ پکارے' کوئی اس کی عبادت کرے یا نہ کرے وہ بہر حال رب العلمین ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

کفار آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے آپ کو کبھی شاعر کہتے' کبھی کاہن کہتے اور کبھی مجنون کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں' جب ان کا اپنے خالق اور مالک اور اپنے محسن' منعم اور پروردگار کے ساتھ یہ حال ہے کہ وہ

اس کی الوہیت میں بے جان مورتیوں کو درختوں کو اور عناصر کائنات کو شریک کرتے ہیں اور اللہ کا حق کم تر چیزوں کو دے رہے ہیں تو آپ تو پھر بہر حال اس کے بندے ہیں اور نبی ہیں اس کا پیغام لانے والے اور داعی ہیں یہ اگر آپ کو نہیں پہچان رہے تو کیا گلہ ہے یہ تو اپنے رب کو بھی نہیں پہچان رہے!

فرمایا بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں' یعنی ہم ان کو اس کی پوری پوری سزا دیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کے چھپانے کا پہلے ذکر فرمایا' کیونکہ اللہ کا علم غیب اس کے علم شہادت پر مقدم ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جواب غیب ہے وہ بعد میں ظاہر ہو جائے گا' اور اس میں یہ ارشاد ہے کہ اے میرے بندو! باطن کی اصلاح کو ظاہر کی اصلاح پر مقدم رکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا کیا تھا پھر یکا یک وہ کھلا ہوا جھگڑالو بن گیا O وہ ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہنے لگا جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ O آپ کہیے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O جس نے سر سبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O

(یٰس: ۸۰۔۷۷)

انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کا اعتراض

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہڈی لے کر آیا پس کہنے لگا: اے محمد! کیا اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد پھر اٹھائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو اٹھائے گا' تجھ کو موت دے گا' پھر تجھ کو زندہ کرے گا' پھر تجھ کو جہنم کی آگ میں داخل کر دے گا' حضرت ابن عباس نے کہا پھر یٰس: ۸۰۔۷۷ آیات نازل ہوئیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۲۹' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۰۶ جدید' حاکم نے کہا امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا' ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے اس حدیث کو امام ابن مردویہ' امام سعید بن منصور' امام ابن المنذر' امام بیہقی' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام عبد الرزاق وغیرہم کے حوالوں سے متعدد اسانید اور متعدد الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے' امام ابن مردویہ کی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرانی اور بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہمیں اس سے ڈراتے ہیں کہ جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جائیں گی تو خدا ہم کو نئی زندگی دے کر دوبارہ پیدا کرے گا! پھر اس نے اس ہڈی کو چورا چورا کر کے اس کا برادہ ہوا میں اڑا دیا اور کہنے لگا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو کون زندہ کرے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ تجھ کو موت دے گا پھر تجھ کو زندہ کرے گا اور تجھ کو جہنم میں ڈال دے گا' اس موقع پر یٰس کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۳۹۔۳۸' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۰۳۔۳۲۰۲' الدر المنثور ج ۷ ص ۶۷۔۶۶)

مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل

ان آیات میں اور ان سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر متنبہ کیا ہے اور حیات بعد الموت پر دلائل قائم کیے ہیں' اس سے پہلے فرمایا تھا: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے

بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی بنائے جن کے یہ مالک ہیں O کیا یہ مویشیوں کی خلقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کو کیسی حکمت اور مصلحت سے پیدا کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ان اشیاء کو پیدا کرنا اس کے اختیار اور اس کی قدرت پر دلالت کرتا ہے اور جب وہ ان مختلف الحقائق مویشیوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو قیامت کے بعد تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہے' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار اور قدرت کو ایک اور طریقہ سے واضح فرمایا ہے' اس نے فرمایا: ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور نطفہ انسان کی منی کی ایک بوند ہے جس کے اگر اجزاء فرض کیے جائیں تو وہ سب مساوی اور متشابہ ہیں' پھر اس سے انسان کو بنایا جس میں خون بھی ہے' گوشت بھی ہے بال بھی ہیں اور رگیں اور پٹھے بھی ہیں اور ہڈیاں بھی ہیں' اگر نطفہ میں مختلف اجزاء ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ فلاں جز سے خون بن گیا اور فلاں جز سے گوشت بن گیا اور فلاں جز سے رگیں اور پٹھے بن گئے اور فلاں جز سے بال بن گئے اور فلاں جز سے ہڈیاں بن گئیں' لیکن یہاں پر تو اس پانی کی بوند کے اجزاء ایک جیسے ہیں ان سے یہ مختلف چیزیں کیسے وجود میں آ گئیں' پھر زبان بھی گوشت کا ٹکڑا ہے اور ناک بھی گوشت کا ٹکڑا ہے' زبان میں لمس اور ذائقہ کی حس ہے اور ناک میں سونگھنے کی حس ہے' نیز زبان میں بولنے کی قوت ہے کان میں سننے کی قوت ہے اور یہ سب اعضاء گوشت کے ہیں' پھر ایک ہی گوشت کے ٹکڑے میں ایک جگہ ایک اثر ہے اور دوسری جگہ اس سے مختلف اثر ہے' آنکھ میں بھی چربی ہے اور انسان کے جسم میں اور بھی چربی ہے' ایک چربی سے دکھائی دیتا ہے تو دوسری چربی سے کیوں دکھائی نہیں دیتا' تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس قادر و قیوم کی قدرت اور اس کی حکمت ہے وہ گوشت کے جس ٹکڑے سے چاہے سنوا دے' جس سے چاہے گویائی کرا دے' جس سے چاہے سونگھنے کے اثرات پیدا کر دے' جب انسان اپنے اعضاء میں غور کرے تو ہر عضو کے خواص اور اس کے اثرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں تو دوبارہ ایسے ہی انسان کو پیدا کرنے کو تم کیوں اس کی قدرت سے بعید سمجھتے ہو کیا اس نے تم کو پانی کی ایک بے جان بوند سے نہیں بنایا' پھر جب تم بے جان ہو جاؤ گے تو وہ تم کو کیوں نہیں بنا سکے گا' کیا اس نے تم کو مٹی سے نہیں بنایا تو جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے تو وہ تم کو کیوں نہیں بنا سکے گا۔

منکرین حشر کے شبہات اور ان کے جوابات

منکرین حشر کے دو گروہ تھے' ایک وہ تھے جو بغیر کسی دلیل کے محض انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بعید سمجھتے تھے' اور دوسرے وہ تھے جو یہ شبہ پیش کرتے تھے کہ جب انسان مر جائے گا اور اس کا گوشت گل سڑ جائے گا اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور انسان کا جسم مٹی کے ذرات سے تبدیل ہو جائے گا اور جب بہت سے اجسام مٹی کے ذرات بن کر بکھر جائیں گے اور ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے تو ان مختلف اور مختلط اجزاء کو کیسے الگ الگ کیا جائے گا' پھر ان کو کس طرح جوڑ کر وہی پہلے والا جسم بنایا جائے گا۔

منکرین حشر کا پہلا گروہ جو مرنے کے بعد انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو بغیر کسی دلیل کے بعید جانتا تھا ان کا ذکر حسب ذیل آیات میں ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۔ (السجدہ: ۱۰)

اور کفار نے کہا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو کیا ہم ضرور از سر نو پیدا کیے جائیں گے؟

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ O (الصّٰفّٰت: ۵۳)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ضرور ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

اور منکرین حشر کا دوسرا گروہ جس کو وقوع حشر میں شبہات تھے ان کا ذکر سورۂ یٰسٓ کی: ۸۰۔۷۷ آیات میں کیا گیا ہے'

اللہ تعالیٰ ان کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: آپ کہیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا ! اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے O رہا ان کا یہ شبہ کہ جب یہ ذرات ایک دوسرے سے مختلط ہو جائیں گے تو ان کو کون باہم ممتاز کرے گا تو یہ اشکال اس پر ہو سکتا ہے جس کا علم ناقص ہو' اور جو علیم ہو اور اس کا علم کامل ہو جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہو اس کے لیے ان مخلوط ذرات کی الگ الگ پہچان اور شناخت کیا مشکل ہے' اور رہا یہ کہ ان ذرات کو کس طرح جمع کیا جائے گا تو یہ اشکال بھی اس پر ہو سکتا ہے جس کی قدرت ناقص ہو اور جس نے اس عظیم الشان کائنات کو ایک لفظ کن سے بنا دیا اس کے لیے اس جیسی کائنات کو دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہے!

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر متنبہ کرنے کے لیے فرمایا: جس نے سرسبز درخت سے تمہارے لیے آگ پیدا کی پھر تم اس سے یکا یک آگ سلگا لیتے ہو O (یٰسٓ: ۸۰)

پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آگ کی حرارت پانی کو بخارات بنا کر اڑا دیتی ہے' سرسبز درخت میں پانی کی نمی ہوتی ہے اور آگ اس کو جلا دیتی ہے' انسان کے جسم میں حیات اسی طرح جاری ہے جس طرح سرسبز درخت میں پانی کی نمی جاری ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کی ضد آگ کو قبول کرنے کی تاثیر رکھی ہے اور یہ بھی اس کی قدرت کا ثمرہ ہے تو ایسے قادر و قیوم اور خلاق علیم سے تم اس کائنات کا دوبارہ بنانا کیوں مستبعد قرار دیتے ہو۔

ہڈیوں کے پاک ہونے پر دلائل

یٰسٓ: ۷۸ میں بوسیدہ ہڈیوں کا ذکر ہے اور ایک کافر کے اس قول کا ذکر فرمایا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا' گویا اس آیت میں یہ مقرر رکھا ہے کہ ہڈیوں میں موت نفوذ کر جاتی ہے' اور اس میں بہ ظاہر امام شافعی کے قول کی تائید ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح جسم کے گوشت اور پوست میں موت حلول کر جاتی ہے اسی طرح ہڈیوں میں بھی موت حلول کر جاتی ہے اور جس طرح مردہ نجس ہوتا ہے اس طرح اس کی ہڈیاں بھی نجس ہوتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ اور فقہاء جو کہتے ہیں کہ ہڈیاں پاک ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہڈیوں میں موت نفوذ نہیں کرتی' کیونکہ موت کا نفوذ کرنا اس پر موقوف ہے کہ پہلے ہڈیوں میں حیات ہو' اور حیات احساس کو مستلزم ہے اور ہڈیوں میں کوئی احساس نہیں ہوتا' کیونکہ ہڈی کو کاٹنے سے کوئی درد نہیں ہوتا جیسا کہ جانوروں کے سینگھ اور ان کے کھروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے' اور انسان کی ہڈی کو کاٹنے سے جو درد ہوتا ہے وہ درد ہڈی میں نہیں ہوتا بلکہ ہڈی سے متصل جو گوشت ہے دراصل اس میں درد ہوتا ہے' اور اس آیت میں کافر کا جو قول مذکور ہے کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان کو کون زندہ کرے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہڈیوں سے مراد ہڈیوں والا انسان ہے۔

ہڈیوں کے پاک ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ مردہ اپنی ذات میں نجس نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لیے نجس ہوتا ہے کہ اس میں بہنے والا خون ہوتا ہے اور وہ نجس ہے اور اس میں دیگر رطوبتیں ہوتی ہیں جو نجس ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ اتصال کی وجہ سے مردہ بھی نجس ہو جاتا ہے جب کہ ہڈیوں میں نہ خون ہوتا ہے اور نہ دیگر رطوبتیں ہوتی ہیں' اس لیے ہڈیاں پاک ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۸۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے اس موقف پر کہ ہڈیاں پاک ہیں حسب ذیل آثار میں صراحت ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ فرماتے ہیں:

زہری نے مردار کی ہڈیوں مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے متعلق کہا میں نے بہ کثرت متقدم علماء کو دیکھا وہ ہاتھی دانت کی

بنی ہوئی کنگھیوں سے کنگھی کرتے تھے اور ہڈیوں کے بنے ہوئے برتنوں میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔اور ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔(صحیح البخاری ص ۶۷' دار ارقم بیروت)

انسان کے جسم سے الگ ہونے کے بعد بال کے پاک ہونے کے متعلق احادیث

اسی طرح امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال الگ ہو جاتا ہے وہ بھی نجس اور ناپاک ہے اگر وہ بال پانی میں گر جائے گا تو وہ پانی بھی ناپاک ہو جائے گا اور اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے' امام بخاری نے اس قول کے رد میں اس حدیث کو روایت کیا ہے:

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مبارک بال ہے جو ہم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے گھر والوں کی جانب سے ملا تھا' عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس آپ کا کوئی بال ہوتا تو وہ مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۷۰' دار ارقم بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپ کا بال حاصل کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۹۸۲۔۱۹۸۱' سنن الترمذی رقم الحدیث ۹۱۲' السنن الکبریٰ رقم الحدیث ۴۱۱۶)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک المعروف بابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام شافعی کے اس قول کے رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ انسان کا بال جب جسم سے الگ ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے اور جب وہ بال پانی میں گر جائے تو وہ پانی بھی نجس ہو جائے گا' اور عطا کے قول کا ذکر کیا ہے کہ انسان کے بال سے دھاگے اور رسیاں بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر انسان کا بال نجس ہوتا تو اس سے دھاگے اور رسیاں بنانا جائز نہ ہوتا۔اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال رکھنا اور اس سے تبرک حاصل کرنا جائز ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بال طاہر ہے' اور عطا کے قول کے موافق جمہور علماء کا مذہب ہے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال یا ناخن الگ ہو جائے وہ نجس نہیں ہے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک رکھا ہوا تھا جنگ یمامہ میں ان کی ٹوپی گر گئی' ان کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے اس ٹوپی کو عین حالت جنگ میں اٹھالیا' ان کے اصحاب نے اس وجہ سے ان کو کافی ملامت کی کیونکہ اس وقت وہ مسلمانوں کے قاتلوں سے جنگ کر رہے تھے۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے اس کو اٹھانے میں جلدی نہیں کی لیکن میں نے اس کو ناپسند کیا کہ یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھوں میں جائے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال ہو۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۲۶۵' مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

بال' ہڈی اور دیگر سخت اور ٹھوس اجزاء کی طہارت میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان کا بال پاک ہے' اسی طرح تمام مردہ جانوروں کے بال پاک ہیں' ان کے وہ سخت اور ٹھوس اجزاء بھی پاک ہیں جن میں خون نہیں ہوتا' مثلاً سینگھ' ہڈی' دانت' کھر' اون' پشم' بال اور پر وغیرہ' بدائع الصنائع' تحفۃ الفقہاء اور فتاویٰ قاضی خاں میں بھی اسی طرح مذکور ہے' امام مالک' امام احمد' اسحاق' مزنی' عمر بن عبدالعزیز' حسن'

حماد اور داؤد نے بھی ہڈیوں کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے شرح المہذب میں حسن' عطا' اوزاعی اور لیث سے یہ نقل کیا ہے کہ ہڈی موت سے نجس ہو جاتی ہے لیکن دھونے سے پاک ہو جاتی ہے اور قاضی ابو الطیب سے نقل کیا ہے کہ بال' پشم' اون' ہڈی' سینگ اور کھر میں حیات کا حلول ہوتا ہے' اور یہ چیزیں موت سے نجس ہو جاتی ہیں اور یہی مذہب ہے' مزنی' بویطی' ربیع اور حرملہ نے اسی مذہب کو امام شافعی سے روایت کیا ہے' اور مزنی نے امام شافعی سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا ہے کہ آدمی کا بال نجس ہوتا ہے' ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ آدمی کا بال اس کی کھال کے تابع ہے اگر کھال پاک ہے تو اس کے بال پاک ہیں اور اگر کھال نجس ہے تو اس کے بال نجس ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے متعلق قطعی اور صحیح مذہب یہ ہے کہ آپ کے بال پاک ہیں' جو شخص اس کے خلاف کوئی بات کہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا' آپ کے مبارک بالوں کا مرتبہ تو الگ رہا آپ کے تو فضلات کریمہ بھی طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۲۔۵۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ انسان کا بال جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک ہوتا ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کو اپنے پاس بہ طور تبرک رکھا' تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مکرم ہے اس پر دوسرے انسان کے بال کو قیاس نہیں کیا جا سکتا' علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی اور اصل میں خصوصیت کا نہ ہونا ہے۔ اس جواب کا یہ رد کیا گیا ہے کہ ان کو چاہیے کہ یہ منی کی طہارت پر بھی اس حدیث سے استدلال نہ کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں' کیونکہ یہ کہنا جائز ہے کہ آپ کی منی پاک ہے اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جائے گا' اور حق یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں آپ کا وہی حکم ہے جو تمام مکلفین کا ہے' ماسوا ان احکام کے جن کی خصوصیت دلیل سے ثابت ہو اور آپ کے فضلات (خون' منی' بول اور براز وغیرہ) کی طہارت پر بہ کثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا ہے اور ائمہ نے آپ کے فضلات کی طہارت کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے' اس لیے اکثر فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ ائمہ کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ کے فضلات طاہر ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طہارت کی بحث میں چونکہ آپ کے فضلات (خون اور بول و براز) کی طہارت کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل احادیث کے حوالوں سے آپ کے فضلات کی طہارت کو بیان کر دیں۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے (بیت الخلاء میں) گئے' پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی' آپ نے فرمایا: بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت سے جو کچھ نکلے اس کو ڈھانپ لے۔

(المستدرک ج ۴ص ۲۷طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۹۵۰ طبع جدید' المکتبہ العصریہ ۱۴۲۰ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۲۵۳' الطبقات الکبریٰ ج ۱ص ۳۵ اطبع جدید' ۱۴۱۸' علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ نے کہا اس حدیث کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں سب سے قوی حدیث ہے' نسیم الریاض ج ۲ص ۶۱ طبع جدید' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جماعت انبیاء کے اجسام اہل جنت کی ارواح پر بنائے گئے ہیں اور زمین کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سے جو چیز نکلے اس کو نگل لے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۴۳' جمع الجوامع رقم الحدیث ۸۰۳۶' کنز العمال رقم الحدیث ۳۲۲۲۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں[1] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب میں مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا' آپ رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے' ایک رات میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا اللہ کی قسم! اس میں جو کچھ ہے اس کو میں نے پی لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں' پھر آپ نے فرمایا: سنو اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(المستدرک ج ۴ص ۶۴۔۶۳ قدیم' المستدرک رقم الحدیث ۶۹۱۲ جدید' المعجم الکبیر ج ۲۵ص ۸۹' رقم الحدیث ۲۳۰' کنز العمال رقم الحدیث ۳۴۴۵۶' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۵۴۹' تاریخ دمشق الکبیر ج ۴ص ۲۰۔۱۹' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۳۲۱' الطبع الجدید' ۱۴۱۸ھ)

حکیمہ بنت امیمہ بنت رقیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے' آپ نے اس میں پیشاب کیا پھر آپ آئے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی' ایک خاتون جن کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھیں' آپ نے ان سے پوچھا وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا' انہوں نے کہا میں نے اس کو پی لیا' آپ نے فرمایا تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۴ص ۱۸۹' رقم الحدیث ۴۷۷' المعجم الکبیر ج ۲۴ص ۲۰۶۔۲۰۵' رقم الحدیث: ۵۲۷' السنن الکبریٰ ج ۷ص ۶۷' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ص ۳۶' رقم الحدیث ۱۵۲۰۰' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی صحیح ہیں اور ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۱' البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۳۲۲۔۳۲۱' الطبع الجدید' ۱۴۱۸ھ)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے اس (خون) کا کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اس کو غائب کر دیا' آپ نے فرمایا شاید تم نے پی لیا! میں نے کہا میں نے اس کو پی لیا۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۶' حافظ الہیثمی نے کہا بزار کی سند صحیح اور ثقہ ہے' مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۷۰)

بریہ بن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی آپ نے فرمایا یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں' پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کر دو' میں نے اس کو

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ برکہ نام کی دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ کا پیشاب پیا' ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی جب ام یوسف نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا تم صحت مند رہو گی سو وہ تا حیات بیمار نہیں ہوئیں۔ تلخیص الحبیر ج ۱ص ۴۴

چھپ کر پی لیا پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنسے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۴۳۴ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰ التاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۸۰ رقم ۵۴۱۸ ـ ۲۵۲۴ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۴۸ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۲)

عبدالرحمٰن بن ابی سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوس کر نگل لیا' ان سے کہا گیا کیا تم نے خون پی لیا؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا خون جس کے خون کے ساتھ مل گیا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۰۹۸ دارالفکر بیروت ۱۴۲۰ھ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۱۴) (حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کے ضعف پر اجماع ہو' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا تو انہوں نے آپ کے زخم سے خون چوس لیا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ بالکل سفید اور صاف ہو گیا' ان سے کہا گیا کہ اس خون کو تھوک دو' انہوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں اس خون کو کبھی نہیں تھوکوں گا! پھر وہ پیٹھ موڑ کر جہاد کرنے چلے گئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کو دیکھ لے' پس وہ شہید ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳' رقم الحدیث: ۱۹)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی' جب وہ فصد لگا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ اس خون کو ایسی جگہ گرا دو جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے' حضرت ابن الزبیر کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گیا تو آپ نے فرمایا: شاید تم نے اس کو پی لیا؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا تم کو خون پینے کے لیے کس نے کہا تھا؟ تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا! دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا تم نے وہ خون کیوں پیا؟ حضرت ابن الزبیر نے کہا میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں ہو! آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم' حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۶۷ـ۱۱۶۶ طبع جدید' سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۸ طبع قدیم' سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۸۷۱ طبع جدید' المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۶۳۴۳ طبع جدید' تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۰ ص ۱۲۵' ۱۲۴' رقم الحدیث: ۶۲۲۵ ـ ۶۲۲۳ ـ ۶۲۲۴ ـ ۶۲۲۲' داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۶۷' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳ ـ ۴۲' رقم الحدیث: ۱۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۳۴ ـ ۳۳۵۹۱' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹ ـ ۹۸' الطبع الجدید ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے فرمایا تمہیں لوگوں کی طرف سے افسوس ہو گا اور لوگوں کو تمہاری طرف سے افسوس ہو گا' اس میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی ہے' حضرت ابن الزبیر نے ۶۳ھ میں مکہ میں اپنی حکومت قائم کر دی تھی' بنو امیہ کو اس پر افسوس ہوا' یزید نے محرم چونسٹھ ہجری میں ان کے خلاف لشکر بھیجا اور کعبہ پر سنگ باری کی گئی اور کعبہ کے پردوں کو جلایا گیا اور چودہ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید کے مرنے کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا' پھر عبدالملک

بن مروان نے اپنے دور حکومت میں حجاج بن یوسف کی کمان میں لشکر بھیجا بالآخر ستره جمادی الاولی ۷۲ھ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت ابن الزبیر اور بنو امیہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے افسوس ہوا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن الزبیر سے یہ جو فرمایا اور تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے دوزخ کی آگ چھوئے گی اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ‏ ﴿﴾ ثُمَّ نُـنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿﴾ (مریم: ۷۲-۷۱)

اور بے شک تم سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہو گا' یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے○ پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو نکال لیا جائے گا اور دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی ہوگی اور کافروں کو جلا رہی ہوگی' اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو دوہرا عذاب ہو' ایک عذاب ان کو اپنے جلنے کا ہو گا اور دوسرا عذاب یہ ہو گا کہ ان کے مخالف مسلمان اسی دوزخ سے گزر رہے ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو رہا' حسب ذیل احادیث اس تفسیر پر دلیل ہیں:

حضرت یعلیٰ بن منبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی:

جزيا مومن فقد اطفاء نورک لهبی.

اے مومن! (جلدی سے) گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۵۸' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں سلیم بن منصور بن عمار ضعیف راوی ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۸۴۴۶)

حضرت ابو سمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس آیت میں ورود کا معنی دخول ہے' پس ہر نیک اور بد شخص دوزخ میں داخل ہو گا اور مومنوں پر دوزخ اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہو گئی تھی' پھر ہم متقین کو دوزخ سے نکال لیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۸۴۴۷)

اس کی پوری بحث تبیان القرآن جلد سابع میں مریم: ۷۲-۷۱ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کریمہ کی طہارت کی احادیث پر ملا علی قاری نے چند فنی اعتراضات کیے ہیں ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۷۸۹-۷۸۳ میں ان اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں قارئین کی علمی ضیافت کے لیے ہم ان اعتراضات اور جوابات کو یہاں بھی ذکر کر رہے ہیں۔

فضلات کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کے اعتراضات کے جوابات

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے جو یہ روایت ذکر کی ہے زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز نگل لیتی اور اس جگہ خوشبو پھیل جاتی' اس کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ موضوع ہے (اس کا جواب جمع الوسائل کے حوالے سے خود ملا علی قاری کی عبارت میں آ رہا ہے) قاضی عیاض نے دوسری روایت جو امام محمد بن سعد کے حوالے سے ذکر کی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے الحدیث' ابن دحیہ نے کہا کہ اس کی سند ثابت ہے اور یہ اس باب میں قوی ترین حدیث ہے۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث فضلات کی طہارت پر نہیں بلکہ اس کی ضد پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ زمین کے نگلنے سے معلوم ہوتا ہے' البتہ پاکیزہ خوشبو ان کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔ امام بغوی نے فضلات کی طہارت پر یہ دلیل قائم کی آپ کے پیشاب اور خون سے شفاء حاصل کی گئی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ جس چیز سے شفاء حاصل کی جائے اس کا طاہر ہونا لازم نہیں ہے' کیونکہ اونٹوں کے پیشاب سے بھی شفاء حاصل کی گئی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اونٹوں کا پیشاب نجس ہے۔ (شرح الشفاء ج ا ص ۱۶۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے امام بیہقی کے حوالے سے حضرت عائشہ کی روایت کو جو موضوع کہا ہے' ہم نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا' ہم نے امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ کی الطبقات الکبریٰ (ج ا ص ۱۳۵) کی روایت کو ذکر کر کے اس سے استدلال کیا ہے اور وہ اس بات میں قوی ترین حدیث ہے' اور انہوں نے اونٹوں کے پیشاب سے جو معارضہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے! کہاں حضور کا بول مبارک اور کہاں اونٹوں کا پیشاب! اونٹوں کا پیشاب سخت بدبودار ہوتا ہے اور جہاں آپ کا بول و براز گرتا تھا اس جگہ خوشبو پھیل جاتی تھی' اس حدیث کی قوت خود علی قاری کو بھی تسلیم ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول مبارک پر اونٹوں کے پیشاب سے معارضہ کرنا' سخت حیرت کا باعث ہے۔

نیز ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی چیز ناپسندیدہ اور ناپاک نہیں تھی' ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھوتی تھیں' آپ پتھر اور ڈھیلوں سے استنجاء کرتے تھے نیز اگر آپ سے خارج ہونے والی چیزیں پاک ہوتیں تو وہ چیزیں حدث ناقص (وضو اور غسل کا سبب) نہ ہوتیں' جیسے پسینہ تھوک اور رینٹ وغیرہ ہیں' اور اس پر اجماع ہے کہ وضو ٹوٹنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مثل ہیں سوا اس چیز کے جس کا استثناء ہے مثلاً نیند' کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ (شرح الشفاء ج ا ص ۱۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے' آپ کے فضلات کریمہ کے طاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے لیے طاہر ہیں' باقی آپ کے حق میں ان کا خروج موجب حدث ہے' اسی وجہ سے آپ استنجاء' وضو اور غسل فرماتے تھے امت کے لیے ان کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ کئی صحابہ اور صحابیات نے آپ کا پیشاب اور خون پیا اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت مالک بن سنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوس کر پی لیا۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مثل کو حاکم' بزار' بیہقی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے لیکن قاضی عیاض نے اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی طہارت پر جو استدلال کیا ہے اس پر ملا علی قاری نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے۔ (شرح الشفاء ج ا ص ۱۷۰' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آ سکا کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوسنے کی کون سی طبعی یا شرعی ضرورت تھی' جس کی وجہ سے ان کے لیے خون چوسنا مباح ہو گیا تھا! حقیقت یہ ہے کہ حضرت مالک بن

سنان رضی اللہ عنہ نے کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ غلبہ محبت کی بناء پر آپ کے زخم سے خون چوسا تھا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون یا پیشاب پیا' آپ نے ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا کہ اپنا منہ دھوؤ' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا خون اور پیشاب پاک ہے' ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے' نہ عدم حکم پر دلالت ہے' علاوہ ازیں پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا اور اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا' تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو۔ یا آپ کا اعتماد ہو کہ وہ منہ دھولیں گے' ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت کیا اور اس کو برقرار رکھا تب طہارت ثابت ہو جائے گی۔ (شرح الشفاء ج ۱ص ۱۷۱' بیروت ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ ان احادیث میں دھونے کے حکم پر دلالت ہے نہ عدم حکم پر دلالت ہے' یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ فضلات نجس ہوتے تو آپ پر لازم تھا کہ آپ انہیں دھونے کا حکم دیتے اور جب دھونے کا حکم نہیں دیا تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ فضلات طاہر ہیں جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

ملا علی قاری نے جو یہ کہا ہے کہ پیشاب لگنے سے منہ دھونا صحابہ کو بالبداہت معلوم تھا' سوال یہ ہے کہ کس کے پیشاب لگنے سے؟ عام آدمی کے؟ تو بے شک یہ انہیں معلوم تھا کہ عام آدمی کے پیشاب لگنے سے اس جگہ کو دھونا لازم ہے' لیکن یہ عام آدمی کا پیشاب تو نہیں تھا! اگر ان کے نزدیک اس پیشاب کا حکم بھی عام آدمی کے پیشاب کی طرح ہوتا تو وہ اس کو کیوں پیتے؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے پیشاب کو طاہر سمجھتے تھے جبھی تو انہوں نے اس کو پیا تھا' اب اگر بالفرض یہ پیشاب ان کے گمان کے برخلاف ناپاک ہوتا تو آپ پر لازم تھا کہ آپ بتاتے کہ اپنا منہ دھولو۔

ملا علی قاری نے کہا اگر مان لیا جائے کہ آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تب بھی محض احتمال سے طہارت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو یا آپ کو اعتماد ہو کہ وہ خود دھولیں گے۔

اگر مان لیا جائے کا کیا مطلب ہے؟ فی الواقع آپ نے دھونے کا حکم نہیں دیا تھا' اور یہ صرف طہارت کا احتمال نہیں ہے بلکہ طہارت پر قوی دلیل ہے کیونکہ نبوت کے منصب کا یہ تقاضا ہے کہ جب بھی کوئی شخص غلط کام کرے تو نبی اس کی اصلاح کرے' اس وجہ سے نبی کا کسی چیز پر خاموش رہنا اس کے جواز کی دلیل ہوتا ہے کیونکہ نبی کسی غلط کام پر خاموش نہیں رہ سکتا' اور یہ جو کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو ذہول ہو گیا ہو سو یہ بھی غلط ہے' کیونکہ امور تبلیغیہ میں ذہول نہیں ہوتا' پھر یہ ایک دفعہ کا واقعہ تو نہیں ہے متعدد مرتبہ آپ کے سامنے خون پیا گیا اور آپ نے کسی مرتبہ منہ دھونے کا حکم نہیں دیا کیا ہر بار ذہول ہو گیا تھا؟ اور یہ جو کہا ہے کہ آپ کو یہ اعتماد تھا کہ وہ خود دھولیں گے' یہ بھی غلط ہے آپ کو یہ اعتماد تو تب ہوتا جب آپ یہ جانتے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فضلات نجس ہیں' وہ تو آپ کے فضلات کو پاک سمجھتے تھے اور ان کو پیتے تھے تو پھر آپ کو ان کے دھونے پر اعتماد کیسے ہوتا! ملا علی قاری نے لکھا ہے ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ وہ منہ دھوئے بغیر نماز پڑھ رہا ہے اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور اس کو مقرر رکھا تو پھر طہارت ثابت ہو گی۔

یعنی اگر کوئی شخص مثلاً صبح سے ظہر تک' یا ظہر سے عصر تک اپنے منہ پر کوئی ناپاک چیز لگائے رکھے تو ملا علی قاری کے نزدیک حضور اس کو اس لیے منع نہیں کریں گے کہ یہ ابھی نماز نہیں پڑھ رہا' کیا نماز کے علاوہ باقی اوقات میں منہ پر ناپاک چیز لگائے رکھنا جائز ہے؟ اور نماز کے علاوہ کوئی شخص اپنے منہ پر خون یا پیشاب مل لے تو کوئی حرج نہیں ہے؟ اس لیے فضلات

کریمہ کی طہارت پر ملا علی قاری کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔
قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو پیشاب یا خون دوبارہ پینے سے منع نہیں فرمایا اور یہ ان کی طہارت کی دلیل ہے' ملا علی قاری اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منع کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب کسی شخص نے عمداً اور بلاضرورت یہ کام کیا ہوتا' اور عنقریب روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت برکہ نے لاعلمی میں پیشاب پیا تھا (یعنی ان کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ پیشاب ہے) اور ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے؟ اور ایک روایت میں ہے دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۷۱' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ:
صحابہ میں سے جس نے بھی آپ کا خون یا پیشاب پیا تھا وہ کسی ضرورت سے نہیں پیا تھا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کی وجہ سے پیا تھا اور عمداً پیا تھا' خون اور پیشاب پینے کے متعدد واقعات ہیں۔
علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حاکم اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک جانب رکھے ہوئے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا' میں رات کو اٹھی میں پیاسی تھی میں نے اس کو پی لیا درآں حالیکہ مجھے پتا نہیں تھا' جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ام ایمن! اس برتن میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا' آپ ہنسے اور فرمایا بخدا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا' اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب کرتے تھے جس کو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا' ایک دن آپ نے وہ پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہیں تھا' ایک عورت جس کا نام برکہ تھا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھی اور ان کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی آپ نے اس سے پوچھا اس پیالہ میں جو پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کو میں نے پی لیا' آپ نے فرمایا اے ام یوسف! تم صحت مند رہو گی' ابن دحیہ نے کہا یہ دو مختلف عورتوں کے دو مختلف واقعے ہیں پہلی عورت برکہ ام ایمن ہیں اور دوسری عورت برکہ ام یوسف ہیں۔ (نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۴' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۷۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ دو واقعے ہیں' اور یہ قول کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا حضرت برکہ ام ایمن کا ہے' اور حضرت برکہ ام یوسف کے واقعہ میں یہ قول نہیں ہے کہ میں نے لاعلمی میں پیا تھا۔ اس لیے ملا علی قاری کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے کہ پینے والوں نے عمداً اور بلاضرورت نہیں پیا۔
اسی طرح حضور کا خون پینے کے بھی متعدد واقعات ہیں' علامہ عینی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا' ان میں ابوطیبہ نام کے فصد لگانے والے ہیں اور قریش کا ایک لڑکا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی تھی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا' یہ روایات بزار' طبرانی' حاکم' بیہقی اور ابونعیم کی حلیہ میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ کے جسم سے نکلا ہوا خون پیا۔
(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان احادیث میں سے کسی میں یہ مذکور نہیں ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں خون پیا' صرف حضرت ام ایمن کی روایت

"لا اشعر" کا لفظ دیکھ کر مطلقاً یہ کہنا کہ "حضور دوبارہ پینے سے اس وقت منع کرتے جب پینے والوں نے بلاضرورت اور عمداً پیا ہوتا" سخت مغالطہ آفرینی ہے۔

اس کے بعد ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ: سالم بن الحجاج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی اور خون پی لیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے۔

ہر خون کا حرام ہونا اور اسی طرح آپ کے خون کا بھی حرام ہونا طہارت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ حرمت کرامت کی بناء پر ہے نجاست کی بناء پر نہیں ہے' دراصل اس عبارت سے ملا علی قاری' قاضی عیاض پر یہ رد کرنا چاہتے ہیں کہ قاضی عیاض نے یہ استدلال کیا تھا کہ اگر آپ کے فضلات نجس ہوتے تو آپ کسی کو دوبارہ پینے سے منع کرتے' سو ملا علی قاری نے ابن عبد البر کے حوالے سے یہ لکھا کہ ایک روایت میں ہے: لا تعد فان الدم کله حرام۔ "دوبارہ نہ پینا کیونکہ ہر خون حرام ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابن عبد البر کی کتاب کو دیکھا اس میں سالم کے تذکرہ میں فصد کا یہ واقعہ مذکور ہے لیکن " لا تعد فان الدم کله حرام" کا ذکر نہیں اور ملا علی قاری کے استدلال کا مرکزی نقطہ یہی ہے' ابن عبد البر کی اصل عبارت یہ ہے:

(سالم) رجل من الصحابة حجم النبی صلی اللہ علیه وسلم و شرب دم المحجم فقام له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اما علمت ان الدم کله حرام.

سالم ایک صحابی ہیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی اور فصد کا خون پی لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہر خون حرام ہے۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۱۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن عبد البر نے فی روایة لا تعد نہیں لکھا' اور اگر ملا علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور نے لکھا ہے یا کسی اور روایت میں ہے تو ملا علی قاری نے اس کا حوالہ نہیں دیا اور جو چیز مذاہب اربعہ کے جمہور علماء کا مختار ہو اور مستند احادیث سے ثابت ہو اس کو ایک بے سند اور مجہول روایت کی بنیاد پر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ ملا علی پر رحم فرمائے' ہو سکتا ہے کہ اس تمام بحث سے ان کا مقصود یہ ہو کہ فضلات کریمہ کی طہارت ایک ظنی مسئلہ ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے' کیونکہ جن وجوہ سے استدلال کیا گیا ہے ان پر اعتراضات ہو سکتے ہیں' ملا علی قاری کی طرف سے اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے اپنی دوسری تصانیف میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔

فضلات کریمہ سے متعلق بعض احادیث کی فنی حیثیت اور اس مسئلہ میں جمہور علماء کا موقف

ملا علی قاری حنفی شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے متعلق امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو بیت الخلاء میں جاتے ہوئے دیکھتی ہوں' پھر جو شخص آپ کے بعد بیت الخلا میں جاتا ہے وہ آپ سے خارج ہونے والی کسی چیز کا کوئی اثر نہیں دیکھتا' آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ انبیاء سے جو کچھ خارج ہو وہ اس کو نگل لے' اس حدیث کو امام ابن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے' علامہ ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ امام بیہقی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث حسن ابن علوان کی موضوعات میں سے ہے اور اس کا ذکر مناسب نہیں ہے' کیونکہ احادیث صحیحہ مشہورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر معجزات کا ذکر ہے جو حسن بن علوان کے کذب سے مستغنی کر دیتے ہیں (دلائل النبوة للبیہقی ج ۶ ص ۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔ امام بیہقی کی یہ عبارت بالخصوص ابن علوان کے روایت کردہ متن پر محمول ہے اور وہ یہ

ہے: ''کیا تم نہیں جانتیں کہ ہمارے اجسام ارواح اہلِ جنت کے مطابق پیدا ہوئے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اس کو زمین نگل لیتی ہے''۔ یا اس حدیث پر موضوع کا حکم لگانا صرف ابن علوان کی سند کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری جن سندوں سے یہ حدیث مروی ہے ان پر موضوع کا حکم نہیں ہے' یا امام بیہقی ان اسانید پر مطلع نہیں ہوئے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی امام طبرانی' امام ابن سعد' اور امام حاکم کی ذکر کردہ اسانید) اور یہ جواب زیادہ ظاہر ہے۔

امام بیہقی کا یہ تبصرہ براز کے متعلق تھا' اور پیشاب کا تو بہت صحابہ نے مشاہدہ کیا ہے' آپ کی خادمہ برکہ ام ایمن نے آپ کا پیشاب پیا' اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ بَرَکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا' آپ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا جاتا تھا' آپ اس میں پیشاب کرتے تھے' اور دوسری بَرَکہ نے اس کو پی لیا' تو آپ نے ان سے فرمایا: اے ام یوسف تم تندرست ہو گئیں' اور وہ مرض موت کے سوا پھر کبھی بیمار نہیں ہوئیں' اور پہلی بَرَکہ سے یہ روایت ہے کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب رکھے ہوئے ٹھیکرے میں پیشاب کیا' وہ کہتی ہیں میں رات کو پیاس سے اٹھی اور جو کچھ اس ٹھیکرے میں موجود تھا میں نے اس کو پی لیا اور مجھ کو پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے) صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن جو کچھ ٹھیکرے میں ہے اس کو پھینک دو' میں نے کہا بہ خدا! جو کچھ اس میں تھا میں نے پی لیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں' پھر آپ نے فرمایا: سنو خدا کی قسم تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا' علامہ ابن حجر نے کہا ہمارے ائمہ متقدمین اور دوسرے ائمہ کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور طہارت فضلات پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ص ۳۶۶' بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر اور آپ کے باطن کو دھونا ہے۔

(جمع الوسائل ج ۲ص ۳_۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے! کیوں نہیں! وہ عظیم الشان پیدا کرنے والا' سب سے زیادہ جاننے والا ہے ○ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ''بن جا'' سو وہ بن جاتی ہے ○ پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکمت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ○ (یٰسٓ: ۸۳_۸۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبالغہ کا معنی

یٰسٓ: ۸۱ کا معنی یہ ہے کہ جس ذات نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا اور جس نے سر سبز درخت کو آگ بنا دیا اور جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا جس نے اس قدر عظیم الشان' وسیع و عریض اور قوی ہیکل چیزوں کو ابتداءً پیدا کیا' کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ دوبارہ انسانوں کو پیدا کر دے' جب کہ آسمانوں' زمینوں اور اس پر نصب پہاڑوں کے مقابلہ میں جسمانی طور پر انسان بہت چھوٹی مخلوق ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا ضرور انسانوں کو (دوبارہ) پیدا کرنے سے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(المؤمن: ۵۷)

پھر خود ہی فرمایا کیوں نہیں! وہ ضرور انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے' وہ ہر چیز کی جسامت اور مقدار اور اس کی صفات

کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے' اور وہ ہر چیز کو بار بار پیدا کرنے والا ہے تو وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خلاق کا صیغہ استعمال فرمایا' اللہ تعالیٰ کی جو صفات مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ ہوں وہ سب مجاز ہیں' کیونکہ مبالغہ کا معنی ہے نفس صفت پر زیادتی' مثلاً جب کسی شخص کو علامہ کہا جائے تو اس کا معنی ہے جتنا اس کا علم ہے اس سے زیادہ اس کا علم بیان کیا جا رہا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں ان پر زیادتی ممکن ہی نہیں ہے' نیز اس شخص کی صفات میں مبالغہ ممکن ہے جس کی صفت میں زیادتی اور کمی ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں زیادتی اور کمی ممکن ہی نہیں ہے' اس لیے جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر مبالغہ کے صیغہ کا اطلاق کیا جائے گا تو وہ مجاز ہو گا۔

علامہ زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مبالغہ کے صیغہ کا معنی ہے کہ اس کا فعل زیادہ ہو' یا اس کا معنی ہے جن پر اس کا فعل واقع ہو رہا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً خلاق کا معنی ہے وہ بہت زیادہ تخلیق فرماتا ہے' یا اس کا معنی ہے اس کی مخلوق کی تعداد بہت زیادہ ہے' اسی طرز پر علامہ زمخشری نے الکشاف میں لکھا ہے کہ تواب کا معنی ہے جن کی وہ توبہ قبول فرماتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' یا اس کا معنی ہے وہ بندہ کی اس قدر زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے کہ اس پر گناہ کا بالکل اثر نہیں رہتا اور وہ بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

کن فیکون پر خطاب بالمعدوم اور تحصیل حاصل کے اعتراض کا جواب

اس کے بعد فرمایا جب وہ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اس کا اس چیز سے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ''بن جا'' سو وہ بن جاتی ہے۔

اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز سے یہ فرماتا ہے کہ ''بن جا'' اس وقت وہ چیز موجود ہے یا نہیں ہے اگر وہ چیز موجود ہے تو پھر اس کو بننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے اور اگر وہ چیز موجود نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا معدوم سے کلام اور خطاب کرنا لازم آئے گا' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف یہ تمثیل بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ کسی چیز کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتی ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو اس کا بنانا کسی چیز پر موقوف نہیں ہوتا' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم ہے اور ہر چیز اس کے علم میں ہے' اللہ تعالیٰ اس چیز کے علم کی طرف توجہ فرماتا ہے لہٰذا معدوم سے خطاب لازم نہیں آتا اور اس چیز کو معلوم کے درجہ میں لاتا ہے لہٰذا تحصیل حاصل لازم نہیں آتی' اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے وہ چیز بالقوۃ موجود ہوتی ہے اس لیے معدوم سے خطاب لازم نہیں آتا اور پھر بالفعل موجود ہوتی ہے اس لیے تحصیل حاصل لازم نہیں آتی۔

ملکوت کا معنی

اس کے بعد فرمایا: پس سبحان ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکوت ہے۔ (یٰسٓ: ۸۳)

ملکوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی مِلک کے ساتھ مخصوص ہے' یہ مصدر ہے اور اس میں تا کو داخل کر دیا گیا ہے' جیسے رحموت اور رھبوت میں ہے' اور ملکوت کا معنی اللہ تعالیٰ کی مملکت اور اس کی سلطنت ہے یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۱۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ اور اس کے تصرف میں ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا' اس میں صالحین کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ اور بشارت ہے اور مجرموں کے لیے سزا اور عذاب کی وعید ہے۔

سورۃ یٰس کا اختتام

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰس کی قرأت کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۴۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۔۲۶' المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۵۱۰' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸۳)

مردوں کے پاس سورۃ یٰس پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت انسان کے قُویٰ کمزور ہوتے ہیں اور اعضاء بھی نحیف ہوتے ہیں لیکن اس کا دل اللہ کی طرف بالکلیہ متوجہ ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے سورۃ یٰس پڑھی جاتی ہے تو اس کے قلب کی قوت بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اس کی تصدیق مزید قوی ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں ان کا نور اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

جب انسان پر عالم نزع طاری ہوتا ہے اس وقت اس کی روح عالم ناسوت سے عالم لاہوت کی طرف مائل بہ پرواز ہوتی ہے اور جب اس کو یہ سنایا جاتا ہے پس سبحان ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اشتیاق اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

آج ۲۲ محرم ۱۴۲۴ھ/ ۲۶ مارچ ۲۰۰۳ء بہ روز بدھ قبیل العصر سورۃ یٰس کی تفسیر ختم ہوگئی' **فالحمد لله على ذالك حمدا كثيرا وصلى الله تعالى على حبيبه صلوة جزيلا** ۔ ۱۵ جنوری ۲۰۰۳ء کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اس طرح دو ماہ اور بارہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہوئی' اس دوران میں کافی بیمار رہا' کئی بار بخار آیا' کولیسٹرول کے عوارض بھی رہے' بلڈ پریشر بھی بڑھتا رہا اور کافی پریشانیوں کا سامنا رہا۔ میرے ایک ہمدرد اور مہربان ہیں شفیق بھائی انہوں نے مجھے پرہیزی غذائیں مہیا کیں' اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جس طرح انہوں نے دنیا میں میری مشکل حل کی ہے' اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کی تمام مشکلات حل فرمائے۔

الٰہ العٰلمین! آپ کا اس ناکارہ اور گنہ گار پر بے حد احسان ہے اور بہت فضل و کرم ہے کہ عمر کے اس آخری حصہ میں آپ نے مجھے وہ تمام سہولتیں عطا فرمائیں جن سے میں اس تفسیر کو لکھنے کے قابل ہو سکا اور مجھے ایسی ہمت دی کہ میں اس تفسیر کو لکھ سکا' اے میرے مالک اور معبود! جس طرح آپ نے سورۃ یٰس کی یہ تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دینا' اس تفسیر کو تا قیام ساعت قائم باقی' مقبول اور اثر آفرین رکھنا' موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنا دینا' مجھے' میرے والدین کو' میرے اساتذہ کو' اس تفسیر کے ناشر' مصحح اور کمپوزر کو اور اس کے معاونین' محبین اور قارئین کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دینا' دنیا اور آخرت کی تمام پریشانیوں اور مصائب و آلام سے محفوظ اور مامون رکھنا اور دارین کی نعمتوں اور سعادتوں کو ہمارا مقدر بنا دینا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على حبيبه سيدنا محمد افضل خلقه و نور عرشه وعلى آله واصحابه وازواجه واولياء امته وامته اجمعين.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلي و نسلم على رسوله الكريم

سورة الصّٰفّٰت

سورة الصّٰفّٰت کی وجہ تسمیہ اوراس کا زمانہ نزو

اس سورت کا مشہوراور متفق علیہ نام الصّٰفّٰت ہے' کتب احادیث' کتب تفاسیر اور تمام مصاحف میں اس کا یہی نام ہے' اس سورت کے نام کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے' اس سورت کا نام الصّٰفّٰت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا. (الصّٰفّٰت: ۱) صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو صف باندھتی ہیں۔

سورۃ الملک میں بھی صٰٓفّٰت کا لفظ آیا ہے:

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقۡبِضۡنَ. (الملک: ۱۹) اور کیا انہوں نے اپنے اوپر صفیں باندھے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پر پھیلاتے ہیں اور (کبھی) پر سمیٹ لیتے ہیں۔

لیکن ہم اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' تعدادنزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۳۷ ہے۔ یہ سورۃ الانعام کے بعد اور سورۃ لقمان سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جمہور کے نزدیک اس میں ایک سو بیاسی آیات ہیں اور بصریوں کے نزدیک اس میں ایک سو اکیاسی آیات ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تخفیف کے ساتھ امامت کرنے کا حکم دیتے تھے اور جب ہم کو نماز پڑھاتے تھے تو سورۃ الصّٰفّٰت کی قرأت کرتے تھے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۲۵' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

سورۃ الصّٰفّٰت میں پانچ رکوع ہیں اور یہ ربع پارہ سے کچھ زائد ہے' اب اگر یہ اشکال ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے میں کم قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود زیادہ قرأت کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کہاں نمازوں میں ہمارا قرآن پڑھنا اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پڑھنا' جب ہم نماز میں زیادہ قرأت کرتے ہیں تو لوگ اکتا جاتے ہیں مقتدیوں میں سے کوئی بیمار ہوتا ہے' کوئی بوڑھا اور ضعیف ہوتا ہے' کسی نے کہیں کام جانا ہوتا ہے' سو لوگ اس کے

منتظر ہوتے ہیں کہ کسی طرح امام قرأت ختم کرے تو ہم کو آرام حاصل ہو یا ہم اپنے کام پر جا سکیں' اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن مجید پڑھتے تو سننے والوں کو اس طرح کیف اور سرور حاصل ہوتا تھا کہ ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ کاش ساری عمر آپ یونہی قرآن مجید پڑھتے رہیں اور ہم سنتے رہیں' اور اگر ہمیں قیامت تک کی بھی عمر ملے تو وہ یونہی آپ کی اقتداء میں قرآن مجید سنتے ہوئے بسر ہو جائے' اور نماز میں جب' بیمار' کمزور اور کسی کام پر جانے والے ہوتے تھے تو جب وہ آپ سے قرآن سنتے تھے تو بیماروں کو اپنی بیماری بھول جاتی تھی' ضعیفوں کو ضعف بھول جاتا تھا اور کام پر جانے والوں کو کام بھول جاتا تھا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بعید نہ ہوگا کہ جب بیمار آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ان کی بیماری جاتی رہتی تھی ضعیفوں کا ضعف جاتا رہتا تھا اور جو کسی کام کے لیے جانے والے ہوتے تھے ان کا کام بن جاتا تھا۔

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضر موت کے سرداروں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' ان میں بنو ولیعہ جمد' مخوس' مشرح' ابضعہ اور ان کی بہن العمردۃ بھی شامل تھی اور ان میں الاشعث بن قیس بھی تھا اور وہ ان میں سب سے کم عمر تھا' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بادشاہ نہیں ہوں' میں تو صرف محمد بن عبداللہ ہوں! انہوں نے کہا ہم آپ کو آپ کے نام کے ساتھ نہیں پکاریں گے' آپ نے فرمایا لیکن میرا نام اللہ نے رکھا ہے' اور میں ابوالقاسم ہوں' انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہم نے آپ کو آزمانے کے لیے ایک عبارت چھپائی ہے' بتایئے وہ عبارت کیا ہے؟ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کے لیے یہ عبارت چھپائی تھی: عین جرادۃ فی حمیت سمن ۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کام تو کاہن لوگ کرتے ہیں اور وہ دوزخ میں ہوں گے' انہوں نے کہا پھر ہم کو کیسے علم ہوگا کہ آپ رسول اللہ ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی میں کنکریاں اٹھائیں اور فرمایا یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں! تب آپ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی' تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کے سامنے سے باطل آ سکتا ہے نہ پیچھے سے اور وہ میزان میں بہت بڑے پہاڑ سے بھی بھاری ہے' اور اندھیری رات میں ستاروں کے نور کی مانند ہے' انہوں نے کہا آپ ہمیں اس کتاب سے کچھ سنایئے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سے لے کر وَرَبُّ الْمَشَارِقِ تک تلاوت فرمائی (الصّٰفّٰت: ۵۔۱) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکون ہو گئے اور آپ کی ڈاڑھی مبارک پر آنسو بہہ رہے تھے' انہوں نے کہا ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں کیا آپ اس ذات سے خوف زدہ ہیں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اسی سے خوف زدہ ہوں' اس نے مجھے اس صراط مستقیم پر بھیجا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح ہے اگر میں اس سے سرمو بھٹک جاؤں تو ہلاک ہو جاؤں گا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۸۷۔۸۶)

اور اگر بالفرض ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے' پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمائتی نہ مل سکے ○ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے' بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۳۸۔۲۳۷' رقم الحدیث: ۱۹۰' مطبوعہ دار النفائس)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' امام ابن داؤد کی فضائل القرآن اور امام ابن النجار کی تاریخ کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن

یٰسٓ اور الصّٰفّٰت کو پڑھا پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ سوال پورا کر دے گا۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۶۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الصّٰفّٰت کے مشمولات

اس سورت کے شروع میں یہ بتایا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ہیں وہ اس کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' جنات اور شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے ہیں تاکہ وہ کاہنوں کو غیب کی باتوں پر مطلع کریں' اور فرشتے ان پر آگ کے گولے برساتے ہیں جو شہاب ثاقب کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

جو کفار قیامت کا انکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو بعید سمجھتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے ان کی مذمت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ وہ دن جلد آنے والا ہے جب ان کافر سرداروں سے ان کے پیروکار برأت کا اظہار کریں گے' اور آپ کے ان اصحاب کو اچھی جزا دی جائے گی جو اس کڑے وقت میں آپ کا ساتھ دے رہے تھے۔

پچھلی امتوں کے احوال کا ذکر جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی پیروی کی تھی۔

بعض انبیاء سابقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں' جن میں حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت موسیٰ' حضرت ھارون' حضرت الیاس' حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام ہیں' تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے' جس میں ان کی بت شکنی اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر زیادہ نمایاں ہے' اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی بھی تفصیل کی گئی ہے۔

اس سورت کے اختتام میں بھی سورت کی ابتداء کی طرح فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ وہ فرشتے خود کہتے ہیں کہ ہم صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں۔

سورۃ الصّٰفّٰت کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے بارِ الٰہ! مجھ پر اس سورت کے اسرار کو منکشف کر دینا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط ہوں ان سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور ان کے بطلان کو مجھ سے واضح کر دینا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ' علیہ توکلت والیہ انیب

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث' دار العلوم نعیمیہ کراچی
۲۴ محرم ۱۴۲۴ھ / ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء
فون: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

سورۃ الصّٰفّٰت مکیۃ — آیاتہا ۱۸۲ — رکوعاتہا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الصّٰفّٰت مکی ہے — اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O اس میں ایک سو بیاسی آیات' پانچ رکوع ہیں

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۳﴾

صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو صف باندھتی ہیں! O پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو ڈانٹتی ہیں O پھر قرآن کی

اِنَّ اِلٰـہَکُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا وَرَبُّ

تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے O آسمانوں اور زمینوں کا اور ان

الۡمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِۣ الۡکَوَاکِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفۡظًا

تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں وہی تمام مشرقوں کا رب ہے O بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا O اور (اس کو)

مِّنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَ

ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا O وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور

یُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ کُلِّ جَانِبٍ ٭ۖ﴿۸﴾ دُحُوۡرًا وَّلَہُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا

ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہے O ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے O مگر جو

مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَۃَ فَاَتۡبَعَہٗ شِہَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ فَاسۡتَفۡتِہِمۡ اَہُمۡ

شیطان کوئی بات اُچک لے تو فوراً چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے O سو آپ ان (کافروں)

اَشَدُّ خَلۡقًا اَمۡ مَّنۡ خَلَقۡنَا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰہُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلۡ

سے پوچھیے آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جن کو ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O بلکہ

عَجِبۡتَ وَیَسۡخَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ۪ وَاِذَا ذُکِّرُوۡا لَا یَذۡکُرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ۪ وَاِذَا رَاَوۡا اٰیَۃً

آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں O اور جب انہیں نصیحت کی جائے تو وہ قبول نہیں کرتے O اور جب کوئی معجزہ

یَّسۡتَسۡخِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ ۪ وَقَالُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۚ۱۵﴾ ۚۖ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ

دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں O اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے O کیا جب ہم

كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ

مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور اٹھایا جائے گا؟ O اور کیا ہمارے آباء واجداد کو بھی؟ O

نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

آپ کہیے ہاں! اور تم ذلیل و خوار ہو گے O وہ صرف ایک زور دار جھڑک ہو گی پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گے O

وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ

وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہی سزا کا دن ہے O یہی اس فیصلہ کا دن ہے جس

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

کی تم تکذیب کرتے تھے O

ع ۱ / ۲۱ / ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو صف باندھتی ہیں! O پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعتوں کی قسم! جو ڈانٹتی ہیں O پھر قرآن کی تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے O آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں' وہی تمام مشرقوں کا رب ہے O (الصّٰفّٰت: ۵۔۱)

نماز میں صف بستہ کھڑے ہونے کی فضیلت

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

والصّٰفّٰت صفًّا کی تین تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود' عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں (۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آسمان میں عبادت کرنے والے ہیں (۳) نقاش نے کہا اس سے مراد مومنوں کی جماعت ہے جب وہ صف باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مشرکین کے خلاف جہاد کرنے والے صف بستہ مجاہدین ہوں' اور یہ زیادہ واضح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ O (الصف: ۴)

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو آسمانوں میں صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' فرشتوں کے صف باندھنے پر دلیل یہ حدیثیں ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا تم اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف باندھتے ہیں! ہم نے پوچھا یا رسول

اللہ! فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں' آپ نے فرمایا وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں پھر اس سے متصل صفوں کو پورا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں لوگوں پر تین وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کی مٹی کو ہمارے لیے تیمم کا آلہ بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت میں فرشتوں کی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے' اور اس آیت میں نماز میں صف باندھنے کی فضیلت ہے اور نماز میں صفیں باندھنے کی فضیلت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں درست کرتے تھے گویا تیروں کو سیدھا کر کے رکھا جاتا ہے' حتیٰ کہ آپ کے خیال میں ہم نے اس کو سمجھ لیا' پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور تکبیر پڑھنے والے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا' آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو تم اپنی صفوں کو ہموار رکھا کرو ورنہ اللہ تمہارے چہروں کو الٹا کر دے گا (یا مسخ کر دے گا)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۱۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت کہی گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لائے اور فرمایا تم اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ' پس بے شک میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے نماز میں صف کو قائم کرو کیونکہ صف کو قائم کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۔ ۷۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۸)

زجر کا معنی اور فرشتوں کے زجر کرنے کی تفصیل

دوسری آیت میں فرمایا: پھر ان ڈانٹنے والے فرشتوں کی جماعت کی قسم! جو ڈانٹتی ہیں O

اس آیت میں الزاجرات کا لفظ ہے' زجر کا معنی ہے کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر کسی برے کام سے باز رکھنا' پھر اس کو مطلقاً ڈانٹ ڈپٹ کی آواز یا کسی کو بھگانے اور دور کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے' علامہ ماوردی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود' مسروق' قتادہ' عکرمہ' سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا ہے کہ یہ زجر کرنے والے فرشتے ہیں اور وہ بادلوں کو زجر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں' اور بندوں کو گناہوں سے زجر اور ملامت کرتے ہیں' امام رازی نے کہا ہے کہ فرشتوں کی بنو آدم کے دلوں میں تاثیر ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں الہامات کے ذریعہ تاثیر کر کے ان کو گناہوں سے روکتے ہیں اور ان پر ملامت کرتے ہیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شیاطین کو زجر اور ملامت کرتے ہوں کہ تم کیوں انسانوں کو برے کاموں پر اکساتے ہو۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷' تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۱۴)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے علماء صالحین کی جماعتیں مراد ہوں جو وعظ اور نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو برے کاموں سے روکتے ہیں' اور اس سے مجاہدین کی جماعتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو میدان جہاد میں دشمنان اسلام کی سرکوبی کرتے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے صف بستہ فرشتوں کی قسم کیوں کھائی؟

تیسری آیت میں فرمایا: پھر قرآن کی تلاوت کرنے والی ان جماعتوں کی قسم جو ذکر کرتی ہیں O

اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جو نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اس سے وہ مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں جو خارج از نماز قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوں' اور اس سے وہ علماء مبلغین بھی مراد ہو سکتے ہیں جو عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کے مواعظ اور خطبات میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں' اور اس سے حمد اور تسبیح کرنے والوں کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صف باندھنے والے اور زجر کرنے والے فرشتوں اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کی قسم کھائی ہے' پھر اس حدیث کا کیا محمل ہوگا جس میں غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے؟ وہ حدیث حسب ذیل ہے:

سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سنا ایک شخص کہہ رہا تھا: کعبہ کی قسم! تو حضرت ابن عمر نے کہا غیر اللہ کی قسم نہ کھائی جائے' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۵۹۲۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۶۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۳۵۸' المستدرک ج ۱ ص ۱۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں سے پہلے رب کا لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے صف بستہ فرشتوں کی جماعتوں کے رب کی قسم' پھر زجر کرنے والے فرشتوں کی جماعتوں کے رب کی قسم' قرآن کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کے رب کی قسم۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قسم کا معنی ہے شہادت یعنی اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اپنی توحید پر شاہد بنا رہا ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھانے کا شرعی حکم ہمارے لیے ہے' ہم احکام شرعیہ کے مکلف ہیں' اللہ تعالیٰ کسی حکم شرعی کا مکلف نہیں ہے' وہ مالک مطلق ہے' جس طرح چاہے کلام فرمائے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی دلیل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے ○ آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں' وہی تمام مشرقوں کا رب ہے ○ (الصّٰفّٰت: ۵۔۴)

بعض کفار فرشتوں کی عبادت کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قسم کھا کر فرمایا بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے' یعنی جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو وہ تو خود اس کے شاہد ہیں کہ تمہاری عبادت کا مستحق صرف ایک ہے اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

پھر فرمایا وہی آسمانوں اور زمینوں کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے نظام کا ایک نہج اور ایک طریقہ پر جاری اور باقی رہنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اس نظام کا وضع کرنے والا بھی واحد ہے' اسی لیے فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ (الانبیاء: ۲۲)

اس کے بعد فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں۔ گویا کہ جب لوگ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کے نظام اور ان کی معمول کی کارکردگی اور طریقہ واحدہ پر ان کے چلنے پر غور کریں گے تو ان کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ یہ کہیں کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ایک ہے جو اس سارے جہان کا

خالق اور مدبر ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے: وہی تمام مشرقوں کا رب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مشارق متعدد ہیں' مشرق کا معنی ہے سورج کے چمکنے اور روشن ہونے کی جگہ' اور سورج ایک خاص جگہ سے طلوع ہوتا ہے اور دوسرے دن اس سے اگلے درجہ سے طلوع ہوتا ہے۔ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں سورج کے طلوع اور غروب کے اتنے درجات ہوتے ہیں اس لیے کہا گیا ہے کہ سورج کے تین سو ساٹھ درجات ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا اور (اس کو) ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیاO وہ عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر جانب سے ضرب لگائی جاتی ہےO ان (کو بھگانے) کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہےO مگر جو شیطان کوئی بات اچک لے تو فوراً چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہےO (الصّٰفّٰت: ۱۰۔۶)

آسمان دنیا کا ستاروں سے مزین ہونا

الصّٰفّٰت: ۶ میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو جو ستاروں سے مزین کیا ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک زینت اور آرائش اور دوسری وجہ ہے آسمان کو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے سرکش شیطانوں سے محفوظ کرنا۔ آسمان دنیا کو جو ستاروں سے مزین فرمایا ہے اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ ہم الملک: ۵ میں بیان کریں گے۔
آسمان دنیا کی ستاروں سے مزین ہونے کی کیفیت کی حسب ذیل وجوہ ہیں:
(۱) نور اور روشنی آنکھوں کو بھاتی ہے اور جب آسمان کی سطح پر یہ روشنیوں کا جال نظر آتا ہے تو بہت حسین و جمیل لگتا ہے۔
(۲) مختلف ستاروں کے اجتماع سے عجیب و غریب اشکال بن جاتی ہیں کہیں پر شیر کی شکل بن جاتی ہے' کہیں بکری کی کہیں میزان کی اور کہیں ڈول کی علیٰ ہذا القیاس ان ہی شکلوں کے اعتبار سے بارہ برجوں کے نام رکھے گئے ہیں۔
(۳) جب اندھیری رات میں انسان آسمان کی نیلی سطح پر ان چمکتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتا ہے تو یہ اس کو بہت حسین لگتی ہیں۔
آسمان پر ستاروں کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے:
یہ کائنات ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے' مٹھی بھر ریت میں بھی دس ہزار ذرات ہوتے ہیں اور یہ تعداد برہنہ آنکھ سے نظر آنے والے ستاروں سے زیادہ ہے' لیکن جو بھی ستارے ہم دیکھ سکتے ہیں وہ دراصل ستاروں کی تعداد سے انتہائی کم ہیں۔ رات کو ہم جو کچھ آسمان پر ملاحظہ کرتے ہیں' وہ قریبی ستاروں کا افق ہے' جب کہ کون و مکاں کا دامن لا محدود ستاروں سے لبریز ہے۔ کائنات میں موجود کل ستارے زمین پر موجود تمام ساحلوں کے تمام ریت کے ذرات سے بھی زیادہ تعداد میں ہیں۔
ماہرین فلکیات کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ ہماری اور دوسری کہکشاؤں میں ایسے سورج موجود ہو سکتے ہیں جنہوں نے اپنے سیاروں پر مشتمل اپنے نظام شمسی بھی تشکیل دیئے ہوں' جن میں شاید زمین جیسے سیارے ہوں اور ان میں حیات اور نشوونما کے لیے سازگار ماحول بھی موجود ہو۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے میں امریکی ماہر فلکیات فرینک ڈریگ نے ہماری دودھیا' کہکشاں میں ایسے سیاروں کی تعداد کے تعین کے لیے کہ جہاں حامل فہم و ادراک مخلوق پائی جا سکتی ہے ایک کلیہ وضع کیا۔ اس بنیاد پر بہت سے ایسے ماہرین نے جو دوسرے سیاروں میں غیر ارضی تہذیب کی موجودگی کے بارے میں خاصے پُر امید ہیں' صرف ملکی وے میں جس کے ایک کنارے پر ہمارے نظام شمسی کا وجود ہے' ایک لاکھ پچیس ہزار سیاروں کا اندازہ لگایا ہے جہاں

زندگی پائی جاسکتی ہے۔ ہماری کہکشاں میں تقریباً چار سو بلین سورجوں کی موجودگی اور ان کے درمیان نامیاتی سالمات کا پایا جانا اسی خیال کو مزید تقویت عطا کرتا ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق نظام شمسی کی پیدائش چار ارب سال قبل ہوئی تھی۔ اس عرصے کے دوران مادر ارض پر ''ہومیو اسپین'' یعنی زیرک انسان وجود میں آیا۔ اس طرح دوسرے سیاروں پر بھی اس طرح کی زندگی پروان چڑھ سکتی ہے۔ (جنگ سنڈے میگزین ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء)

الصّٰفّٰت: ۱۰۔۷ میں شیطانوں پر شہاب ثاقب سے ضرب لگانے کا ذکر فرمایا ہے' اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک انصاری نے بیان کیا کہ ایک رات کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی پھیلی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں تم اس حادثہ کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بہت بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا کہ کوئی مرتا ہے یا پیدا ہوتا ہے' لیکن ہمارا رب تبارک وتعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب آسمان کے فرشتے ہیں سبحان اللہ کہتے ہیں' حتیٰ کی ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتی ہے' پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے' پھر آسمان کے بعض فرشتے بھی دوسروں کو بتاتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے) حتیٰ کہ آسمان دنیا تک خبر پہنچتی ہے پھر جن اس سنی ہوئی بات کو لے اڑتے ہیں اور اسے (کاہنوں کے کانوں میں) پھونک دیتے ہیں' پس اگر وہ اسی طرح خبر دیں تو وہ سچ ہوتی ہے' لیکن وہ اس میں اپنی مرضی سے کچھ اور ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۹' سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۲۲۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۲۷۲)

کاہنوں کی اقسام

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عرب میں کہانت کی تین قسمیں تھیں:

(۱) کسی انسان کا جن دوست ہوتا تھا وہ آسمان سے خبریں سن کر آتا اور اس شخص کو بتا دیتا' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد یہ قسم باطل ہو گئی۔

(۲) جن زمین کے گرد ونواح اور اطراف میں پھر کر اس کی خبریں اپنے دوستوں کو بیان کرتا' اس قسم کا وجود بعید نہیں ہے' معتزلہ اور بعض متکلمین نے ان دونوں قسموں کا انکار کیا ہے' لیکن اس قسم کے وجود میں کوئی استحالہ اور بعد نہیں ہے' اور ان کی خبر کبھی سچ ہوتی ہے اور کبھی جھوٹ اور شرعاً ان کی خبر سننا اور اس کی تصدیق کرنا ممنوع ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں ایک قوت پیدا کی ہے (جس سے وہ مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں) لیکن ان کی خبروں میں زیادہ تر جھوٹ ہوتا ہے' اس فن کے ماہر کو عراف کہتے ہیں' عراف وہ شخص ہے جو بعض اسباب اور مقدمات سے بعض چیزوں کی معرفت حاصل کرتا ہے' ان تمام اقسام کو کہانت کہا جاتا ہے اور شریعت نے ان سب کی تکذیب کی ہے اور ایسے لوگوں کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳۳۔۲۳۲' نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

کاہن کی تعریف اور کاہن کے پاس جانے کا شرعی حکم

علامہ نووی شافعی نے قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ کی پوری شرح نقل نہیں کی ہم قاضی عیاض کی شرح سے وہ

حصہ پیش کر رہے ہیں جس کو علامہ نووی نے نقل نہیں کیا۔

قاضی عیاض نے پہلے کہانت کی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین کا یہ زعم تھا کہ ان کے دلوں میں جو امور ڈالے جاتے ہیں ان سے ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے' اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے شریعت نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے' اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے کاہنوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں' جن میں سے تین کا علامہ نووی نے ذکر کیا ہے اور جو قسم انہوں نے نہیں ذکر کی وہ یہ ہے:

کاہن قیاس سے کسی ہونے والے کام کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس قیاس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک قوت پیدا کی ہے' لیکن اس باب میں ان کے اندازے اکثر جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا اس کی چالیس دنوں کی نمازیں نہیں قبول کی جاتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰) اس کی شرح میں قاضی عیاض لکھتے ہیں:

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں اور کفر اور ارتداد کے سوا اور کسی چیز سے عمل ضائع نہیں ہوتے' سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس کی چالیس دن کی نمازوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اور ان کے اجر کو زیادہ نہیں کرتا' البتہ ان دنوں کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں اور اس سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی مثل یہ حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خمر (انگور کی شراب) کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں' اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' اور اگر وہ دوبارہ شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر پھر سہ بارہ شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' پھر اگر وہ چوتھی بار شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا اور اس کو (آخرت میں) الخبال کے دریا سے پلائے گا' ان سے کہا گیا اے ابو عبد الرحمٰن! الخبال کا دریا کیا ہے' انہوں نے کہا وہ دوزخیوں کی پیپ کا دریا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۲' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۷۵۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۸۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۴۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۰۱۶)

ان دونوں حدیثوں میں خصوصیت کے ساتھ چالیس دنوں کا ذکر ہے' سو یہ حکمت شرعیہ کے اسرار سے ہے کیونکہ چالیس کے بعد رحم میں نطفہ بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد وہ نطفہ جما ہوا خون بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس پر گوشت پہنایا جاتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶) اسی طرح انسان کے طبعی اوصاف چالیس دن میں متغیر ہوتے ہیں اور چالیس دن بعد ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۴-۱۵۳' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

شہاب ثاقب سے مراد آگ کے گولے ہیں یا آسمان دنیا کے ستارے

الصّٰفّٰت: ۶ میں مذکور ہے: بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا۔ اس آیت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ فرشتے شیطانوں کو جو شہاب ثاقب مارتے ہیں آیا وہ شہاب ثاقب ان ستاروں سے ہیں یا نہیں؟ اگر فرشتے ان

ہی ستاروں سے شیطانوں پر ضرب لگاتے ہیں تو پھر ستاروں کی تعداد بہ تدریج کم ہونی چاہیے نیز اس سے آسمان کی زینت میں بھی بہ تدریج کمی آنی چاہیے' اور اگر وہ شہاب ثاقب ان ستاروں سے نہیں ہیں بلکہ فرشتے کوئی اور آگ کے گولے اٹھا کر ان فرشتوں پر مارتے ہیں تو یہ سورۃ الملک کی اس آیت کے خلاف ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ. (الملک:۵) اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرمادیا ہے اور ان کو شیطان کے مارنے کا ذریعہ بنادیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے شیطانوں کو جس شہاب ثاقب سے مارا جاتا ہے وہ یہ ستارے نہیں ہیں جن سے آسمان دنیا کو مزین فرمایا ہے بلکہ کسی اور قسم کے آگ کے گولے ہیں' اور سورۃ الملک میں جو فرمایا ہے ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین فرمایا ہے اور ان کو شیطان کو مارنے کا ذریعہ بنایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو فضا کی بلندیوں میں روشن اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہے وہ زمین والوں کو روشن چراغوں اور ستاروں کی طرح نظر آتی ہیں' سو الملک:۵ میں شہاب ثاقب کو چراغ اور آسمان دنیا کی زینت لوگوں کو دکھائی دینے کے اعتبار سے فرمایا ہے۔

شہاب ثاقب گرانے پر چند دیگر شبہات کے جوابات

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب شیطانوں کو یہ پتا ہے کہ جیسے ہی وہ آسمان دنیا کے قریب پہنچیں گے تو ان پر شہاب ثاقب پھینکا جائے گا اور ان کو ان کا مقصود حاصل نہیں ہو سکے گا تو پھر وہ آسمانوں کے قریب کیوں جاتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ آسمان دنیا سے ان پر شہاب ثاقب مارنے کی ایک معین جگہ نہ ہو اور وہ ہر بار اس امید سے جگہ بدل کر جاتے ہوں کہ یہاں سے ان پر شہاب ثاقب نہیں گرایا جائے گا' یا اس کی وجہ یہ ہو کہ ان پر شہاب ثاقب گرائے جانے کے واقعات شاذ و نادر ہوں اور جنات اور شیاطین کے درمیان وہ اس قدر مشہور نہ ہوں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جنات اور شیاطین آگ سے بنائے گئے ہیں تو ان پر آگ کے گولے مارنا یا ان کو دوزخ کی آگ سے آخرت میں عذاب دینا ان کے لیے موجب عذاب کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنایا گیا ہے اس کے باوجود جب اس کو اینٹیں اور پتھر مارے جائیں تو اس سے انسان کو بہر حال درد اور تکلیف ہوتی ہے سو اسی قیاس پر جنات اور شیاطین کو بھی سمجھنا چاہیے۔

مارد' الملأ الاعلیٰ اور شہاب ثاقب وغیرہ کے معانی اور ان کی وضاحت

اس آیت میں شیطان کے ساتھ اس کی صفت مارد کا ذکر ہے' مارد کا معنی ہے جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے خالی ہو' جس درخت پر پتے نہ ہوں اس کو شجر امرد کہتے ہیں' ریت کے جس ٹکڑے پر کوئی سبزہ یا روئیدگی نہ ہو اس کو رملۃ مرداء کہتے ہیں' اور جس لڑکے کے چہرے پر ڈاڑھی نہ آئی ہو اس کو امرد کہتے ہیں اور اس آیت میں مارد کا معنی ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خالی ہو۔

الصّٰفّٰت:۸ میں مذکور ہے: لا یسمعون' اس کا معنی ہے وہ سننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سن نہیں سکتے۔

نیز اس آیت میں الملأ الاعلیٰ کا ذکر ہے' الملاء اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی رائے پر متفق ہو جائے اور اس کا اطلاق مطلق جماعت اور مطلق اشراف پر بھی کیا جاتا ہے اور الملأ الاعلیٰ' الملأ الاسفل کے مقابلہ میں ہے: آسمان کے نیچے رہنے والوں کی جماعت جو انسانوں اور جنات پر مشتمل ہے وہ الملأ الاسفل ہے اور آسمان کے اوپر رہنے والوں کی جماعت جو فرشتوں پر مشتمل ہے وہ الملأ الاعلیٰ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد اشراف ملائکہ ہیں' اور ایک تفسیر یہ

ہے کہ اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں۔

الصّٰفّٰت: ۹ میں دحورا اور واصب کے الفاظ ہیں' دحور کا معنی ہے دھتکارنا اور اگر دحور کی دال پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے دھتکارا ہوا' دفع کیا ہوا جیسے مردود کا معنی ہے اور واصب کا معنی ہے' دائم۔

الصّٰفّٰت: ۱۰ میں الخطفة کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو اچک لینا' کسی شخص کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس سے کوئی چیز اچک لی جائے' یہاں اس سے مراد ہے وہ جلدی سے فرشتوں کی باتوں کو اچک لیتے تھے۔

(عنایۃ القاضی ج ۸ ص ۶۱۔۵۷' روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۵۔۱۰۲' بیروت)

نیز اس آیت میں شہاب ثاقب کا لفظ ہے' علامہ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

شہاب کا معنی ہے آگ کا شعلہ' اور دوسرا قول ہے اس کا معنی ہے ستارہ' اور ثاقب کے معنی میں چھ قول ہیں:

زید رقاشی نے کہا جو کسی چیز میں سوراخ کر دے وہ ثاقب ہے' ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے روشن' ابن عیسیٰ نے کہا اس کا معنی ہے گزرنے والا' الفراء نے کہا اس کا معنی ہے بلند' السدی نے کہا اس کا معنی ہے جلانے والا' زید بن اسلم اور اخفش نے کہا اس کا معنی ہے روشن ہونے والا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۹' دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ شہاب ثاقب اصل میں آگ کے روشن شعلہ کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو فضاء میں اس طرح دکھائی دیتی ہے جیسے آسمان سے کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا ہو۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۶۔۱۰۵)

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب شیطان پر شہاب ثاقب مارا جاتا ہے تو وہ اس سے خطا نہیں کرتا۔ (رقم الحدیث: ۱۸۱۳۷)

یزید رقاشی نے کہا شہاب شیطان میں سوراخ کر کے دوسری جانب سے نکل جاتا ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۸۱۳۸)

آیا جنات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے .... بھی آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ جب شیطان کو آ کر شہاب ثاقب لگتا ہے تو آیا وہ اس سے ہلاک ہو جاتا ہے یا اس کو اس سے صرف ایذاء پہنچتی ہے' حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب شیطان کو شہاب ثاقب آ کر لگتا ہے تو نہ وہ اس سے قتل ہوتا ہے نہ ہلاک ہوتا ہے' لیکن وہ اس سے جل جاتا ہے اور اس کے بعض اعضاء ضائع ہو جاتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شیاطین پر شہاب ثاقب مارے جاتے تھے یا نہیں۔

شعبی سے روایت ہے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہیں ہوئی شیاطین پر ستارے نہیں مارے جاتے تھے حتیٰ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہو گئی تو شیاطین پر ستارے مارے گئے' اور لوگوں نے اپنے بندھے ہوئے مویشی کھول دیئے اور اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا' وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ قیامت آ گئی' پھر لوگ عبد یا لیل کاہن کے پاس گئے وہ نابینا ہو چکا تھا' انہوں نے اس کو ستاروں کے ٹوٹنے کی خبر دی' اس نے کہا یہ غور کرو کہ جو ستارے ٹوٹ کر گرے ہیں اگر وہ معروف سیارے اور ثوابت ہیں تو یہ قیامت ہے ورنہ پھر یہ کوئی نئی چیز حادث ہوئی ہے۔ لوگوں نے غور کیا تو ٹوٹنے والے

ستارے معروف سیارے اور ثوابت نہیں تھے' پھر کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر آ گئی۔

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی المنتظم میں یہی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بیس دن بعد ستارے ٹوٹنے کا واقعہ رونما ہوا' لیکن صحیح یہ ہے کہ ستارے ٹوٹنے کے واقعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے بھی ہوتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے اکثر اشعار میں اس کا ذکر ہے' لیکن ان سے شیاطین کو بھگایا نہیں جاتا تھا' یا ان سے شیاطین کو بھگایا تو جاتا تھا' لیکن اس سے شیاطین کے آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چوری چھپے جانے کا مکمل خاتمہ نہیں ہوا تھا۔

اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شیاطین چوری چھپے آسمانوں پر جاتے تھے اور کبھی کبھی وہ کامیاب بھی ہو جاتے تھے اور فرشتوں کی باتیں اچک لیتے تھے لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی تو ان پر بہت سختی کی گئی اور ان کو آسمانوں پر جانے سے بالکلیہ روک دیا گیا' بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ابلیس آسمانوں پر چلا جاتا تھا اور ان کی ولادت کے بعد اس کو تین آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے تو ابلیس کو تمام آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا' اور شیاطین پر ستارے مارے گئے' تب قریش نے کہا کہ قیامت آ گئی۔

بعض علماء نے کہا کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ستارے پہلے بھی گرائے جاتے تھے لیکن ظہور اسلام کے بعد آسمانوں کو سختی سے محفوظ کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے جنات کے اس قول کا ذکر فرمایا ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ (الجن: ۹۔۸)

اور بے شک ہم نے آسمانوں کو چھوا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت پہرے داروں سے اور شہابوں سے بھرا ہوا ہے○ اور ہم (اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے چند جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے' سو اب جو کوئی شخص کان لگاتا ہے تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ (شہاب) تیار پاتا ہے۔

(روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۰۹۔۱۰۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس بات پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اس زمانے میں جو شہاب ٹوٹ کر گرتے ہیں آیا ان سے شیاطین کو مارنے کا قصد کیا جاتا ہے یا نہیں' اور قطعی طور پر اس طرح کہنا غیب پر حکم لگانے کے مترادف ہے۔

جنات کے فرشتوں کی باتیں سننے پر علامہ آلوسی کے اشکالات

شیاطین آسمانوں پر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں اس پر یہ اشکال ہے کہ آسمانوں میں فرشتے مختلف قسم کی عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے' اس میں چار انگل بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ ریز نہ ہو' الحدیث۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۰' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶)

سو آسمان میں ہر قدم پر کوئی فرشتہ قیام میں ہے' کوئی رکوع میں یا سجدہ میں ہے' تو شیاطین ان کی کون سی باتوں کو چوری چھپے سن رہے ہیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ بعض فرشتے مستقبل میں ہونے والے واقعات کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور شیطان

آسمان کے نچلے کنارے سے ان کی باتوں کو سن لیتے ہیں‘ تو اس پر یہ اشکال ہے کہ آسمان کے نچلے کنارے کی موٹائی اور اس کے اوپر کے کنارے کی سطح کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے‘ جیسا کہ بعض احادیث میں ہے تو اتنے دور کی مسافت سے شیاطین ان کی باتوں کو کس طرح سن لیتے ہیں‘ خصوصاً اس لیے کہ جب فرشتے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو اتنے زور سے تو نہیں بولتے کہ شیاطین سن لیں اور نہ ان کے زور سے بولنے کی کوئی وجہ ہے‘ اور اگر بالفرض وہ زور سے بھی بولتے ہوں تب بھی پانچ سو سال کی مسافت سے تو ان کی آواز سنائی نہیں دے گی! پھر علامہ آلوسی نے کہا کہ اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب فرشتے آسمان سے نیچے اترتے ہیں اس وقت وہ ایک دوسرے سے مستقبل میں پیش آنے والے امور کے متعلق باتیں کرتے ہیں اور جنات اور شیاطین اس وقت فرشتوں کی باتیں سن لیتے ہیں‘ پھر اس جواب کو مسترد کر دیا کہ امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جنات فرشتوں کی باتوں کو آسمانوں میں چراتے ہیں‘ پھر ان کا اشکال بدستور قائم رہا۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۱۰‘ ملخصاً دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ آلوسی کے اشکالات کے جوابات

قرآن مجید کی صریح آیات اور صریح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شیاطین اور جنات آسمانوں پر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں‘ اور میں چونکہ قرآن مجید اور احادیث کا ادنیٰ خادم اور وکیل ہوں اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ علامہ آلوسی کی طرف سے قرآن اور حدیث پر وارد کیے گئے ان اعتراضات اور اشکالات کا جواب لکھوں!

علامہ آلوسی کا پہلا اشکال یہ ہے آسمان کے ہر قدم پر فرشتے رکوع اور سجدہ میں مشغول ہیں تو جنات اور شیاطین فرشتوں کی کون سے باتوں یا کون سی چیزوں کو چرا کر لے جا رہے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمانوں پر ہر جگہ سجدہ میں پڑا ہونا‘ سنن ترمذی‘ سنن ابن ماجہ اور اسی طبقہ کی دیگر کتابوں سے ثابت ہے‘ اور جنات کا فرشتوں کی باتیں سننا اس سے کہیں زیادہ قوی دلائل سے ثابت ہے‘ اس کا ثبوت قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ہے‘ اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی روایات میں اتنی قوت کہاں ہے کہ وہ قرآن کی صریح آیات اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کے معارض اور مزاحم ہو سکیں‘ اب ہم ان آیات اور احادیث کو پیش کر رہے ہیں فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ شیاطین پہلے آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے تھے پھر ان پر شہاب ثاقب سے مار لگائی جانے لگی‘ تاہم اب بھی وہ کوئی ایک آدھ بات اچک لیتے ہیں تو پھر شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جنات نے کہا:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کو سخت پہرہ داروں اور آگ کے انگاروں سے بھر دیا گیا ہے ۝ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان کی کچھ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے‘ پس اب جو کان لگا کر سنتا ہے‘ تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۲)

بے شک شیاطین (فرشتوں کی گفتگو) سننے سے دور کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ. (الملک: ۵)

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا اور ان ستاروں کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ (بھی) بنایا۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

(الصّٰفّٰت: ۱۰۔۶)

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرمادیا ○ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنادیا ○ وہ شیاطین اوپر کے فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور ان کو ہر طرف سے مار لگائی جاتی ہے ○ دور کرنے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ○ سوا اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو شہاب ثاقب (چمکتا ہوا انگارہ) اس کا پیچھا کرتا ہے ○

اسی طرح حسب ذیل احادیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ جنات فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جایا کرتے تھے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے' پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں' انہوں نے کہا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۳۔۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے' جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں' تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے' پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں' بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آ کر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب

والے کو بتا دیتا ہے' پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے' حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں' وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے' پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی! اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۳-۴۷۲۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جب تم زمانہ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی حیات پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ پھر جو ان کے قریب ہیں' وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے' پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے' حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں' پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں' پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۸ ص ۱۳۸)

رہا یہ سوال کہ پھر سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی اس حدیث کا کیا محمل ہوگا جس میں یہ مذکور ہے کہ آسمان پر ہر جگہ کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا ہوا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے' حالانکہ کچھ فرشتے قیام میں ہوتے ہیں اور کچھ فرشتے تسبیح کر رہے ہوتے ہیں' اور کچھ فرشتے مومنین کے لیے استغفار کر رہے ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. (المومن: ۷)

جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اور بعض فرشتے زمین و آسمان کے درمیان تیرتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے میں سبقت کرتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نظام عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو بندوں کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ (النّٰزعٰت: ۵-۳)

اور ان فرشتوں کی قسم! جو (زمین و آسمان کے درمیان) تیزی سے تیرتے ہیں ○ پھر ان کی قسم! جو (اللہ کے احکام سننے کے لیے) سبقت کرتے ہیں ○ پھر ان کی قسم! جو نظام عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔

لہٰذا سنن ترمذی کی حدیث عام مخصوص البعض ہے' فرشتے انواع واقسام کی عبادات کرتے ہیں اور بے شمار احکام بجا لاتے ہیں' اس حدیث میں ان کی صرف ایک عبادت کا ذکر ہے کہ وہ آسمان پر ہر جگہ سجدے کرتے ہیں اور یہ ان کی دیگر عبادات اور ان کے دوسرے افعال کے منافی نہیں ہے' سو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق ان کا آپس میں باتیں کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ آلوسی کا دوسرا اشکال یہ ہے کہ فرشتے اس قدر زور سے تو نہیں بولتے کہ جنات اور شیاطین ان کی باتوں کو سن لیں' نیز جنات آسمان کے نچلے کنارے کے نیچے ہوتے ہیں اور آسمان کے نچلے کنارے اور اس کے اوپر والے کنارے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے تو وہ اتنی دور سے فرشتوں کی باتیں کیسے سن لیتے ہیں!

شاید علامہ آلوسی نے شیطان کی قوتوں کو انسانی قوت پر قیاس کر لیا ہے شیطان کے دیکھنے کی قوت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۔ شیطان اور اس کا لشکر تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے۔ (الاعراف: ۲۷)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو غیر معمولی دیکھنے کی قوت دی ہے کوئی بعید نہیں ہے کہ اسی طرح اس کو سننے کی قوت بھی دی ہو۔

نیز الاعراف: ۱۸۔۱۴ میں اللہ تعالیٰ کا شیطان سے مکالمہ مذکور ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔الآیات۔

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ شیطان سے براہ راست کلام کرے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطے سے کلام کیا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام فرشتوں کو القاء کیا اور فرشتوں نے اس کلام کو شیطان تک پہنچایا اور شیطان نے فرشتوں کی زبانی اس کلام کو سنا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الاعراف: ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو فرشتوں نے شیطان تک پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ابلیس سے کلام نہیں کیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کسی سے بھی بلاواسطہ کلام نہیں فرماتا' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے بہ طور اکرام بلاواسطہ کلام فرماتا ہے اور ابلیس سے بہ طور اہانت بلاواسطہ کلام فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۱۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خود علامہ آلوسی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (روح المعانی جز ۸ ص ۱۴۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی نے الاعراف: ۱۷ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اپنے اکثر بندوں کو شکر ادا کرنے والا نہیں پائے گا۔

علامہ آلوسی نے لکھا شیطان نے قطعی طور پر یہ اس لیے کہا تھا کہ اس نے فرشتوں سے سن لیا تھا کہ اکثر بنو آدم شکر ادا نہیں کریں گے' یا پھر اس نے لوح محفوظ میں یہ لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔

(روح المعانی جز ۸ ص ۱۴۲' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اور یہ واضح ہے کہ شیطان نے فرشتوں کا جو بھی کلام سنا اور جب بھی سنا تو آسمان کے نیچے سے ہی سنا کیونکہ کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ . (الاعراف:۴۰)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

اور جب یہ واضح ہوگیا کہ شیطان آسمان کے نیچے سے فرشتوں کا کلام سن لیتا ہے تو پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ آسمانوں میں فرشتے جو باتیں کرتے ہیں ان کو جنات اور شیاطین چوری چھپے سن لیں! اور اس طرح علامہ آلوسی کے قائم کردہ تمام اشکالات اٹھ گئے۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ ان (کافروں) سے پوچھیے آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا جن کو ہم نے ان کے علاوہ پیدا کیا' بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے O بلکہ آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں O اور جب انہیں نصیحت کی جائے تو وہ قبول نہیں کرتے O اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں O اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۵۔۱۱)

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے پر دلیل

الصّٰفّٰت: ۱۱' میں فاستفتھم کا لفظ ہے' اس کا مادہ فتویٰ ہے' یہ فتیٰ سے ماخوذ ہے' فتیٰ قوی جوان کو کہتے ہیں' مفتی کسی سوال کا جو جواب لکھتا ہے اس کو بھی فتویٰ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس جواب کو دلائل سے مضبوط اور قوی کر کے لکھتا ہے۔ اور استفتاء کا معنی ہے سوال کرنا۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ مشرکین مکہ سے سوال کیجئے' اور ان سے سوال کسی حکم کے معلوم کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو اور پہاڑوں اور سمندروں کو سیاروں اور ستاروں کو پیدا کیا' فرشتوں' جنات اور شیاطین کو پیدا کیا ہے' اب بتاؤ ان کو پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا مشکل ہے' تو بتاؤ تم انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کو کیوں مشکل اور بعید سمجھتے ہو!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو گیلی اور لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے' اسی کو عربی میں طین لازب کہتے ہیں اور کسی چیز کا پیدا کرنا اس لیے مشکل ہوتا ہے کہ یا تو مادہ میں استعداد اور صلاحیت نہ ہو اور یا فاعل میں قدرت نہ ہو' لیس دار مٹی میں تمہارے خمیر بنائے جانے کی صلاحیت ہے سو تم جب مٹی ہو جاؤ گے تب بھی اس مٹی میں بنائے جانے کی صلاحیت رہے گی' اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے اس کی قدرت میں کیا کلام ہو سکتا ہے وہ تم سے بہت بڑی بڑی چیزیں بنا چکا ہے پھر تم اپنے دوبارہ پیدا کیے جانے کو کیوں مشکل اور مستبعد سمجھتے ہو!

تعجب کا معنی

قتادہ نے کہا جب یہ قرآن نازل ہو گیا اور کافروں کے لیے ہدایت کے تمام امور بتا دیئے گئے اور پھر بھی کفار اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان یہ تھا کہ جو شخص بھی قرآن مجید کو سنے گا وہ ہدایت کو پا لے گا' اور کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑا رہے ہیں' (الصّٰفّٰت: ۱۲) کسی غیر معروف اور غیر مانوس چیز کے ادراک کرنے سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں' علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

کسی چیز کے سبب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہیں آپ اس پر تعجب کرتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک یہ امر محقق اور ثابت ہے اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے آپ کا مذاق اڑاتے ہیں' اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آپ کی نبوت کا اور قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں اور آپ کو ان کے انکار پر تعجب ہے کیونکہ بہ کثرت دلائل اور معجزات سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید ثابت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۹۔۴۱۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

بعض احادیث میں اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق کیا گیا ہے مگر وہ اطلاق مجازی ہے' ان احادیث میں تعجب کا معنی راضی ہونا اور خوش ہونا ہے۔

مثلاً اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو اس قوم پر تعجب ہوتا ہے جو زنجیروں میں جکڑی ہوئی جنت میں داخل ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۰۱۰' مسند احمد رقم الحدیث ۸۰۰۰' عالم الکتب)

اس حدیث کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) وہ قوم زنجیروں میں جکڑی ہوئی اسلام میں داخل ہوگی' اور جنت کا اطلاق اسلام پر ہے' کیونکہ اسلام جنت کا سبب ہے۔

(۲) مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو کفار نے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر رکھا ہوگا اور وہ اسی حال میں مر جائیں گے اور وہ حشر میں اس حال میں داخل ہوں گے یا ان کو اسی حال میں قتل کر دیا جائے گا اور ان کا اسی حال میں حشر ہوگا اور اس جنت کا اطلاق حشر پر ہے' کیونکہ وہ حشر سے گزر کر جنت میں جائیں گے۔

(۳) وہ دنیا میں کافروں کی قید میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور آخرت میں جنت میں ہوں گے۔

(۴) زنجیروں سے مراد ہے ان کو کھینچنا' وہ دنیا میں گمراہی میں مبتلا تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی سے کھینچ کر ہدایت کے راستہ پر لے آیا جو دراصل جنت کا راستہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۳۵۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

مشرکین کا قیامت کے انکار پر اصرار کرنا

اس کے بعد فرمایا: اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ قبول نہیں کرتے ○ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں ○ اور کہتے ہیں یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے ○ (الصّٰفّٰت ۱۵۔۱۳)

کفار مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اور حشر کو بہت بعید گردانتے تھے' جب ان کو نصیحت کی جاتی اور کہا جاتا کہ بتاؤ آسمان اور زمین زیادہ سخت ہیں یا تم کو دوبارہ پیدا کرنا! اور یہ بتاؤ کہ جو سخت اور دشوار چیزوں کے بنانے پر قادر ہو وہ آسان چیزوں کے بنانے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے یا نہیں! یہ دلیل بہت واضح اور قوی ہے' لیکن منکرین اپنے جہل اور عناد کی وجہ سے اس سے فائدہ نہیں حاصل کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت پر معجزات پیش کیے اور فرمایا کہ جب معجزات سے میرا صادق ہونا واضح ہو گیا تو میں تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت اور حشر ونشر اور حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کی خبر دیتا ہوں میری اس خبر کو برحق مان لو تو وہ آپ کے معجزات کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافر کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو ضرور اٹھایا

جائے گا؟O اور کیا ہمارے آباء واجداد کو بھی؟O آپ کہیے ہاں! اور تم ذلیل وخوار ہو گے O وہ صرف ایک زوردار جھڑک ہو گی' پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گے O وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! یہی سزا کا دن ہے O یہی اس فیصلہ کا دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے O (الصّٰفّٰت: ۲۱۔۱۶)

انکار حشر کا شبہ اور اس کا ازالہ

الصّٰفّٰت: ۱۸۔۱۶ میں کفار اور مشرکین کے اس شبہ کو بیان فرمایا ہے جس کی وجہ سے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا' پھر ان کے ذرات خاک میں مل کر آندھیوں سے اڑ جائیں گے اور اسی طرح دوسرے مردوں کے ذرات سے خلط ملط ہو جائیں گے پھر ان مختلط ذرات کو کیسے الگ الگ اور متمیز کیا جائے گا' اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ ان مختلط ذرات کو متمیز کرنا اور ان کو پھر سے جوڑ دینا امر ممکن ہے اور تمام ممکنات پر اللہ تعالیٰ قادر ہے' سو وہ ان مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینے پر بھی قادر ہے' سو وہ ان کفار کو بھی زندہ کر دے گا اور ان کے آباؤ اجداد کو بھی۔ اور اس وقت تم ذلیل وخوار ہو گے۔

زجرۃ کا معنی

الصّٰفّٰت: ۱۹ میں زجرۃ کا لفظ ہے' اس کا معنی جھڑکنا ہے' جیسے بکریوں اور اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے زور سے ڈانٹتے ہیں' پھر یہ لفظ چیخ کے معنی میں استعمال ہونے لگا' اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ایک زوردار چیخ کی آواز آئے گی جس سے مردے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے' اور اس صور کی آواز کو زجرۃ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ آواز جھڑکنے کی آواز کی طرح ہو گی جو مردوں کو قبروں سے اٹھا دے گی اور ان کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس چیخ یا جھڑک کا کیا فائدہ ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض ڈرانے کے لیے ہو گی' اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اس جھڑک کی مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی تاثیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور کی آواز سے سب زندہ لوگ مر جائیں گے اور دوسرے صور کی آواز سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے' نہ پہلے صور کی موت میں کوئی تاثیر ہے نہ دوسرے صور کی حیات میں کوئی تاثیر ہے۔ بلکہ موت اور حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ. (الملک: ۲) وہ ذات جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ چیخ فرشتوں کی آواز ہو گی یا اس آواز کو اللہ تعالیٰ ابتداءً پیدا فرمائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ندا کریں گے کہ اے بوسیدہ اجسام! اور اے گلی سڑی ہڈیو اور اے منتشر اجزاء! اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجتمع ہو جاؤ۔

الصّٰفّٰت: ۲۰ میں ہے' مردہ کافر زندہ ہونے کے بعد کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! اس آیت میں ویل کا لفظ ہے' زجاج نے کہا کسی مصیبت یا ہلاکت کے وقت یہ لفظ کہا جاتا ہے' انہیں افسوس ہو گا کہ دنیا میں وہ جو شرک' کفر اور ظلم کرتے رہے تھے اب اس کی باز پرس اور سزا کا دن آ گیا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۲۱ میں ہے یہ اس فیصلہ کا دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہو جو اس نے فرشتوں سے کہلوایا ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام براہ راست فرشتوں نے کیا ہو' کہ انبیاء علیہم السلام جب تم کو اس دن کی خبر سناتے تھے تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اپنے کانوں سے سن لو وہ دن آ گیا ہے اور اس دن میں تمہارے ایک ایک دن کا حساب لیا جائے گا۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲

ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے (ان سب کو) جمع کرو O

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ وَقِفُوْهُمْ

پھر ان سب کو دوزخ کے راستہ پر لے جاؤ O اور ان کو ٹھہراؤ

اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝۲۴ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ

بیشک ان (سب) سے سوال کیا جائے گا O تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! O بلکہ وہ سب آج

مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝۲۶ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝۲۷

گردن جھکائے کھڑے ہیں O وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے O

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝۲۸ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

(پیروکار) کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O (پیشوا) کہیں گے بلکہ تم خود

مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا

ایمان لانے والے نہ تھے O اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' بلکہ تم خود سرکش

طٰغِيْنَ ۝۳۰ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝۳۱ فَاَغْوَيْنٰكُمْ

لوگ تھے O سو ہمارے رب کا قول ہم پر ثابت ہو گیا' بے شک ہم ضرور عذاب کو چکھنے والے ہیں O ہم نے تم کو

اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝۳۲ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳ اِنَّا

گمراہ کیا تھا بے شک ہم خود بھی گم راہ تھے O پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے O بے شک

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۴ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ

ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O بے شک وہ ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ

کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے O اور وہ کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے

مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا

معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں!O نہیں! بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے اور انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھیO بے شک

الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ

تم ضرور درد ناک عذاب کو چکھنے والے ہوO اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گیO ماسوا اللہ کے

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ

برگزیدہ بندوں کےO ان کے لیے مقررہ روزی ہےO عمدہ میوے ہیں اور وہ عزت

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ

دار ہوں گےO نعمت والی جنتوں میںO وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشیں ہوں گےO ان پر

عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا

چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہو گاO وہ (شراب) سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گیO نہ اس سے

غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ

درد سر ہو گا اور نہ وہ اس سے بہکیں گےO اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں

عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ہوں گیO گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیںO پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ

کر سوال کریں گےO ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھاO جو کہتا تھا

ءَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تو ضرور (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہےO کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ

تو کیا اس وقت ضرور ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟O وہ کہے گا کیا تم اس کو جھانک کر دیکھنے والے ہو؟O سو وہ اس کو جھانک کر دیکھے

فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا

گا تو اس کو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا O سو وہ (اس سے) کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا O اور اگر

نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾

مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا O (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ O

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟ O (پھر تو) بے شک یہ بہت بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا

کامیابی ہے O ایسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ

ہے یا تھوہر کا درخت؟ O بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا دیا ہے O بے شک وہ ایسا درخت

تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں O

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

(دوزخی) ضرور اسی درخت سے کھائیں گے سو اسی سے پیٹ بھریں گے O پھر بے شک ان کے لیے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ

(پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہو گا O پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا O بے شک

اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ

انہوں نے اپنے آباء واجداد کو گم راہ پایا O سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے O اور ان

ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں O اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے O

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع ۲ ۵

سو آپ دیکھئے کہ جن کو ڈرایا گیا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے (ان سب کو) جمع کرو O پھر ان سب کو دوزخ کے راستہ پر لے جاؤ O اور ان کو ٹھہراؤ' بے شک ان (سب) سے سوال کیا جائے گا O تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! O بلکہ وہ سب آج گردن جھکائے کھڑے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۲۶-۲۲)

ظالموں کے ازواج کی تفسیر کے متعدد محامل

الصّٰفّٰت: ۲۲ میں احشروا کا لفظ ہے' حشر کا معنی ہے لوگوں کی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکال کر میدان جنگ میں لے جانا' امام ابن جارود نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے النساء لا یحشرن عورتوں کو میدان جنگ میں نہیں لے جایا جائے گا' اور قیامت کے دن کو بھی یوم حشر کہا جاتا ہے جیسے مردوں کے زندہ کرنے کے دن کو یوم نشر کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۵۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں الذین ظلموا کا لفظ ہے' ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا' یا کسی چیز کو اس کے اصل محل اور مقام کے خلاف دوسری جگہ رکھنا' اور یہاں ظلم سے مراد کفر اور شرک ہے' یعنی وہ لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ O (لقمان: ۱۳)	شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔
وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (البقرہ: ۲۵۴)	اور کافر ہی ظالم ہیں۔

اور زیادہ تر قرآن مجید میں ظالموں کے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں اس سے مراد کفار ہی ہوتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ظالموں کو اور ان کے ازواج کو جمع کرو' ازواج کی تفسیر میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کے امثال اور نظائر ہیں' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ازواج سے مراد ان کے نظائر ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد ان کے امثال ہیں' قیامت کے دن ہر شخص اپنی مثل کے ساتھ آئے گا' سود خور' سود خوروں کے ساتھ آئے گا اور زنا کرنے والا زنا کرنے والوں کے ساتھ آئے گا اور شراب خور' شراب خوروں کے ساتھ آئے گا' کچھ جوڑے جنت میں ہوں گے اور کچھ جوڑے دوزخ میں ہوں گے۔

(البعث والنشور رقم الحدیث: ۹۸-۹۷' المستدرک ج ۲ ص ۴۳۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۰۹' الدر المنثور ج ۷ ص ۸۴-۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ظالموں کے پیروکار ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ ازواج سے مراد کفار کی وہ بیویاں ہیں جو کفر میں ان کی موافقت کرتی تھیں۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز اس کے بعد فرمایا اور ان کو بھی جمع کرو جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے۔

اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جو ان کو ان کے معبودوں کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے' اور اس طرح وہ شیاطین بھی

حکما ان کے معبود ہو گئے۔ پھر فرشتوں سے فرمایا ان سب کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جاؤ۔

پل صراط پر کفار اور مومنین اور فساق اور صالحین کے احوال کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو ٹھہراؤ' بے شک ان (سب) سے سوال کیا جائے گاO

یعنی ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ دنیا میں کیا عقیدہ رکھتے تھے اور کیا عمل کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تک ابن آدم سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے وہ اپنے رب کے سامنے سے قدم اٹھا نہیں سکے گا' اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی اور اس نے اپنی جوانی کن کاموں میں گزاری اور اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کن مصارف میں خرچ کیا اور اس نے اپنے علم کے تقاضوں پر کتنا عمل کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۷۷۲' المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۶۰' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۶۳' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کسی شخص کو کسی چیز کی دعوت دے گا وہ چیز اس کے ساتھ لازم رہے گی اور اس سے جدا نہیں ہوگی پھر آپ نے الصفت کی یہ آیتیں پڑھیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۸' سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۲۲' المستدرک رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

فرشتوں سے کہا جائے گا ان کو پل صراط پر روک لو حتیٰ کہ ان سے ان کے ان اقوال اور اعمال کے متعلق سوال کیا جائے جو ان سے دنیا میں صادر ہوئے ہیں۔

پھر ان سے کہا جائے گا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے!O بلکہ وہ سب آج گردن جھکائے کھڑے ہیںO (الصّفّٰت: ۲۶-۲۵)

یعنی جس طرح تم دنیا میں اپنے معبودوں کے متعلق یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ آخرت میں ہم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لیں گے تو آج تم ان سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ تم کو عذاب سے چھڑا لیں۔ اس سوال کو موخر کیا جائے گا اور جب ان کو مدد کی سخت ضرورت ہوگی اس وقت ان سے یہ سوال کیا جائے گا۔

آخرت میں سوال کا مرحلہ بہت سخت ہوگا' بعض لوگوں کے ایسے عمل ہوں گے جو لوگوں کے دکھانے کے لائق نہیں ہوں گے' اور بعض لوگوں کے ایسے عمل ہوں گے جو لوگوں کے سامنے پیش کیے جانے کی صلاحیت رکھیں گے' مومنوں سے جو لغزشیں ہوئی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان پر پردہ رکھے گا اور ان کو اپنی رحمت سے شرمندہ ہونے نہیں دے گا' اور کفار کے برے اعمال کو دکھا کر رسوا کر دے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومن اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پر رکھ دے گا' پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا: تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے' وہ دو مرتبہ کہے گا میں پہچانتا ہوں' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ پر ستر کیا تھا اور آج تجھ کو بخش دیتا ہوں' اور اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور کفار کو لوگوں کے سامنے پکار کر کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۲)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندہ کا دنیا میں پردہ

رکھتا ہے اس کو آخرت میں رسوانہیں کرے گا۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن کوئی دوست اپنے دوست کو یاد کرے گا؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ! تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (۱) میزان پر حتیٰ کہ وہ بھاری ہو جائے یا ہلکی ہو جائے (۲) اور جب اعمال نامے دیئے جائیں گے' جس وقت اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (۳) اور جب دوزخ سے ایک گردن نکل کر چنگھاڑ رہی ہوگی اور وہ گردن کہے گی میں تین قسم کے آدمیوں کے حوالے کی گئی ہوں (پھر دوسری بار کہے گی) میں تین قسم کے آدمیوں کے حوالے کی گئی ہوں' میں اس شخص کے حوالے کی گئی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور شخص کو عبادت کا مستحق قرار دیتا تھا' اور میں اس شخص کے حوالے کی گئی ہوں جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا تھا اور میں ہر متکبر اور معاند کے حوالے کی گئی ہوں' وہ گردن ایسے لوگوں کو اٹھا کر دوزخ کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دے گی۔ اور دوزخ کا ایک پل ہے جو بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار سے زیادہ تیز ہے' اس پر آنکڑے (ہک) اور کانٹے لگے ہوئے ہیں' وہ جس کو چاہیں گے پکڑ لیں گے' بعض لوگ اس پل پر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے اور بعض لوگ بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض لوگ تیز رفتار گھوڑوں کی طرح گزر جائیں گے اور بعض اونٹوں کی طرح' اور فرشتے دعا کر رہے ہوں گے رب سلم رب سلم (اے رب سلامت رکھنا' اے رب سلامت رکھنا) کوئی اس پل پر سے سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے گا' کوئی زخمی ہو کر گزر جائے گا اور کوئی منہ کے بل دوزخ میں گر جائے گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۶۴۷' دارالحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پل صراط پر عالم اور عابد جمع ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور اپنی عبادت کی وجہ سے نعمتیں پاؤ اور عالم سے کہا جائے گا یہاں ٹھہرو اور جن سے تم محبت کرتے تھے ان کی شفاعت کرو' کیونکہ تم جس کی بھی شفاعت کرو گے اس کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی اور اس وقت وہ انبیاء کا قائم مقام ہوگا۔ (مسند الفردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۱۳۰۰' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۲۹۳' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۷۸' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۵۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۶۸۸)

اس حدیث میں عالم سے مراد احکام شرعیہ کا عالم ہے جو اپنے علم کے تقاضوں پر عمل بھی کرتا ہو' اور اپنے نفیس اوقات کو دین کی تبلیغ میں خرچ کرتا ہو' وہ چونکہ دنیا میں لوگوں کو گمراہی سے نکالنے کی کوشش کرتا تھا اور فسق و فجور سے باز رکھنے کی سعی کرتا تھا اور اللہ کے دین کی سربلندی میں لگا رہتا تھا اس لیے اس کو آخرت میں منصب شفاعت عطا کر کے انبیاء کا نائب بنایا جائے گا' حدیث میں ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۶) اور یہ کہ علماء کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حشر کیا جائے گا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۸۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے O (پیروکار) کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O (پیشوا) کہیں گے بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے O اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے O سو ہمارے رب کا قول ہم پر ثابت ہو گیا بے شک ہم ضرور عذاب کو چکھنے والے ہیں O ہم نے تم کو گم راہ کیا تھا' بے شک ہم خود بھی گم راہ تھے O پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے O بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O بے شک وہ ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے O اور وہ کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں! O

نہیں! بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے اور انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھی O بے شک تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو O اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گی O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O (الصّٰفّٰت ۴۰-۲۷)

نیک کاموں کو دائیں جانب سے شروع کرنے کے متعلق احادیث

الصّٰفّٰت: ۲۷ میں فرمایا وہ ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہو کر سوال کریں گے O پھر الصّٰفّٰت: ۲۸ میں' سوال اور جواب کی کیفیت بتائی: کہ پیروکار کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے O

اس آیت میں بتایا ہے کہ پیروکار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے' دائیں جانب کی تخصیص کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دائیں جانب کو بائیں جانب پر شرف اور فضیلت حاصل ہے تمام نیک' مستحسن اور مبارک کام دائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں اور گھٹیا اور نامبارک کام بائیں ہاتھ سے کیے جاتے ہیں' اس سلسلے میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا پسند تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۸' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۱۴۰' سنن الترمذی رقم الحدیث ۶۰۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۹۳۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۹۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث ۴۸۵۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۷۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۹۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۶' شرح السنہ رقم الحدیث ۱۱۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب کا پیالہ لایا گیا' آپ کی دائیں جانب لوگوں میں سب سے کم عمر ایک لڑکا تھا اور بڑی عمر کے لوگ آپ کی بائیں جانب تھے' آپ نے فرمایا اے لڑکے کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں (اپنا تبرک) بڑی عمر کے لوگوں کو دے دوں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے بچے ہوئے تبرک لینے کو میں اپنے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا' پھر آپ نے (وہ تبرک) اس لڑکے کو عطا فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۳۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۰۳۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۶۸۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہ کر لایا گیا' وہ بکری حضرت انس بن مالک کے گھر میں تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالہ میں دودھ پیش کیا گیا' آپ نے اس میں سے کچھ دودھ پیا حتیٰ کہ آپ نے منہ سے پیالہ ہٹا لیا' اس وقت آپ کی بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی (دیہاتی) تھا' حضرت عمر کو یہ خدشہ ہوا کہ آپ اپنا تبرک اس اعرابی کو دے دیں گے انہوں نے جلدی سے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر آپ کے پاس بیٹھے ہیں ان کو عطا فرما دیں! آپ نے اپنا تبرک اس اعرابی کو عطا فرما دیا جو آپ کی دائیں جانب تھا پھر آپ نے فرمایا دائیں جانب سے ابتدا کرو' اس کے بعد پھر دائیں جانب سے ابتدا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۶' سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۸۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۲۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جوتی پہنے تو دائیں جانب سے ابتداء کرے اور جب جوتی اتارے تو بائیں جانب سے ابتداء کرے تاکہ جوتی پہننے کی ابتداء بھی دائیں

جانب سے ہو اور انتہاء بھی دائیں جانب سے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۴۳ عالم الکتب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کرتے تھے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۶۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنت سے یہ ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو دائیں پیر سے ابتداء کرو اور جب تم مسجد سے نکلو تو بائیں پیر سے ابتداء کرو۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۱۸ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۷۹۱ طبع جدید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پیر پہلے داخل کرتے اور جب باہر نکلتے تو بایاں پیر پہلے نکالتے۔ (صحیح البخاری باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ رقم: ۴۲۷)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نوخیز لڑکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھا ہوا تھا اور میں پلیٹ میں ہر طرف سے لے کر کھا رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے بسم اللہ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ' پھر میں ہمیشہ اسی طرح سے کھاتا رہا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۲ سنن کبریٰ رقم الحدیث: ۶۷۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لباس پہنو یا وضو کرو تو دائیں جانب سے ابتدا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲)

دائیں ہاتھ کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے کوئی گھٹیا اور بے توقیر کام دائیں ہاتھ سے نہ کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلا میں جائے تو اپنی شرم گاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳ صحیح مسلم الحدیث: ۲۶۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵ سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۔۲۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۰ السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۴۱)

دائیں جانب کی شرف اور فضیلت کی وجہ سے انسان کے نیک اعمال کو وہ فرشتہ لکھتا ہے جو اس کی دائیں جانب ہوتا ہے اور اس کے برے اعمال کو وہ فرشتہ لکھتا ہے جو اس کی بائیں جانب ہوتا ہے۔

کافر پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا آخرت میں مکالمہ

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوی ہوتا ہے' اس لیے کافر سرداروں کے پیروکار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم افضل اور قوی جانب سے ہمیں حکم دیتے تھے اس لیے ہم تمہارے احکام کی پیروی کرتے تھے اور تم نے ہم کو کفر اور شرک پر مجبور کر دیا' پھر کافر پیشوا اپنے پیروکاروں کو جواب دیں گے' نہیں بلکہ تم خود ایمان لانے والے نہ تھے' ہمارے پاس ایسی کوئی قدرت اور طاقت نہ تھی کہ ہم تمہاری مرضی کے خلاف تمہارے دل و دماغ پر تصرف کر کے تم کو کافر اور مشرک بنا دیتے' بلکہ تم خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی میں انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ہم کو عذاب دینے کی خبر دی ہے اور اس کی دی ہوئی خبر صادق اور برحق ہے سو ہم کو یہ عذاب ضرور ہوگا' ان کے اس قول میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے' اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص: ۸۵-۸۴)

فرمایا تو یہ حق ہے اور میں حق ہی فرماتا ہوں ۝ میں ضرور تجھ سے اور ان سب لوگوں سے دوزخ کو بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔

پھر ان کے پیشواؤں نے اعتراف کیا کہ بے شک ہم نے تم کو گم راہ کیا تھا' بے شک ہم خود بھی گمراہ تھے' اگر یہ اعتراض ہو کہ اس سے پہلے تو انہوں نے پیروکاروں کے الزام کے جواب میں کہا تھا بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے' ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا' اور اب یہ کہا کہ ہم نے تم کو گمراہ کیا تھا' اور ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے زبردستی اور جبراً تم کو مشرک نہیں بنایا تھا۔ اور اس آیت میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے تم کو صرف گمراہی کی دعوت دی تھی اور ہم تمہاری گم راہی کا سبب تھے اور اس میں انہوں نے زبردستی کرنے اور جبر کرنے کا اعتراف نہیں کیا۔

کافروں کے متعلق اللہ کی وعیدات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس بے شک وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے' یعنی پیشوا اور پیروکار اور تابع اور متبوع دونوں عذاب میں شریک ہوں گے' جس طرح دنیا میں دونوں کفر اور شرک میں مشترک تھے' آخرت میں عذاب میں مشترک ہوں گے' نیز فرمایا بے شک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں یعنی کفر اور شرک پر جو ان کو عذاب دیا جائے گا' یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' نہ یہ سزا ان کے ساتھ خاص ہے ہمارا ہمیشہ سے یہی دستور ہے' پھر ان کا جرم بیان فرمایا کہ جب بھی ان سے کہا جاتا کہ یہ مان لو اور اس کا اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو وہ تکبر کرتے تھے اور اس کو نہیں مانتے تھے' اسی طرح انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننے سے بھی انکار کیا اور کہا کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول کی وجہ سے اپنے معبودوں کو ترک کر سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا نہیں بلکہ وہ حق لے کر آئے تھے یعنی وہ دیوانے شاعر کیسے ہو سکتے ہیں' انہوں نے تو گزشتہ رسولوں کی تصدیق کی ہے' جس طرح گزشتہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی تھی انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی ہے اور اس کے شریک کی نفی کی ہے' ان کی نبوت کا انکار کرکے اور ان کو دیوانہ شاعر کہنے کی وجہ سے تم ضرور دردناک عذاب چکھنے والے ہو' اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ کسی کو بلا وجہ عذاب نہیں دیتا اور بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا اور تم کو صرف تمہارے کرتوتوں کی ہی سزا دی جائے گی' اللہ تعالیٰ نے نیک اور اچھے کاموں کا حکم دیا ہے' اور قبیح اور برے کاموں سے روکا ہے اور نیک کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے اور برے کاموں پر عذاب سے ڈرایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور پسندیدہ بندے آخرت میں نجات پائیں گے اور ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے مقررہ روزی ہے ۝ عمدہ میوے ہیں اور وہ عزت دار ہوں گے ۝ نعمت والی جنتوں میں ۝ وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے ۝ ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہو گا ۝ وہ (شراب) سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہو گی ۝ نہ اس سے دردسر ہو گا اور نہ وہ بہکیں گے ۝ اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی ۝ گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں ۝ (الصّٰفّٰت: ۴۹-۴۱)

مومنوں کے متعلق اللہ کی بشارتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ آخرت میں کافروں اور متکبروں کے کیا احوال ہوں گے' اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ آخرت میں مومنین اور صالحین کے کیسے احوال ہوں گے۔

الصّٰفّٰت: ۴۱ میں بتایا کہ ان کی روزی معلوم ہے' اس میں مختلف اقوال ہیں کہ ان کی روزی کی کون سی صفت معلوم ہے؟

بعض نے کہا کہ روزی ملنے کا وقت معلوم ہے‘ ہر چند کہ صبح اور شام کا تحقق نہیں ہے لیکن قرآن مجید میں ہے کہ ان کو صبح اور شام روزی ملے گی۔

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا. (مریم:۶۲) اور ان کے لیے جنت میں صبح اور شام ان کی روزی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ جنت کا رزق خوش ذائقہ اور خوش بودار ہوگا‘ اور دیکھنے میں بہت حسین معلوم ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنتیوں کو معلوم ہوگا کہ ان کا رزق دائمی ہے ان کو یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ دنیا کے رزق کی طرح وہ فانی اور زائل ہونے والا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۲ میں فرمایا: ان کے لیے میوے اور پھل ہوں گے‘ میووں اور پھلوں کو لوگ حصول لذت کے لیے کھاتے ہیں پیٹ بھرنے کے لیے نہیں کھاتے‘ اور فرمایا کہ ان کو وہ رزق عزت کے ساتھ دیا جائے گا اس طرح نہیں ہوگا جس طرح جانوروں کے آگے چارا ڈال دیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۴۔۴۳ میں فرمایا: جنت میں مومنوں کو کوئی کلفت اور پریشانی نہیں ہوگی وہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے اور ان کے ساتھ باتیں کر رہے ہوں گے۔

الصّٰفّٰت : ۴۵ میں فرمایا: ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہوگا۔ اس آیت میں کاس کا لفظ ہے کاس شیشے کے پیالے کو کہتے ہیں اگر پیالے میں مشروب نہ ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے بلکہ کوب یا ابریق کہتے ہیں اور جب وہ پیالہ مشروب سے بھرا ہوا ہو تو اس کو کاس کہتے ہیں لیکن توسعاً ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت : ۴۶ میں فرمایا: وہ شراب سفید اور پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی‘ جنت کی شراب کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگا اور یہ صرف جنت کی شراب کی خصوصیت ہے دنیا کی شرابیں مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں‘ اسی طرح جنت کی شراب لذیذ ہوگی اس کے برخلاف دنیا کی شرابیں بدذائقہ اور کڑوی ہوتی ہیں۔

غول بیابان کی تحقیق

الصّٰفّٰت : ۴۷ میں فرمایا: نہ اس سے دردسر ہوگا اور نہ وہ بہکیں گے ۞ اس آیت میں غول کا لفظ ہے‘ غول کا معنی ہے دردسر‘ مستی‘ نشہ‘ یعنی جنت کی شراب سے دردسر اور بدمستی نہیں ہوگی‘ اس شراب کو پینے سے سر میں چکر نہیں آئیں گے‘ ناگہانی ہلاک کر دینے والی چیز کو بھی غول کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۷۸۔۴۷۷‘ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ خمر میں چار اوصاف ہوتے ہیں (۱) نشہ آور ہونا (۲) سر درد پیدا کرنا (۳) قے آور ہونا (۴) اور پیشاب آور ہونا اور جنت کی شراب ان چاروں اوصاف سے پاک ہوگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرض (خود بہ خود) متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ غول کی کوئی تاثیر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب السلام رقم حدیث الباب: ۱۰۷‘ رقم بلا تکرار: ۲۲۲۲‘ رقم المسلسل: ۵۶۸۷)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب یہ گمان کرتے تھے کہ جنگلات میں غول رہتے ہیں اور غول جنات اور شیاطین کی جنس سے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو مختلف رنگ کی صورتوں میں نظر آتے ہیں اور مسافروں کو راستے سے بہکا کر ہلاک کر دیتے ہیں‘ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان کے اس گمان کو باطل کیا ہے۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ غول کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ عربوں کا یہ گمان باطل ہے کہ غول رنگ برنگی صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور لوگوں کو راستے سے بہکا دیتے ہیں' لیکن جنات میں جادوگر ہوتے ہیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں اپنے خیالات ڈال دیتے ہیں اور ان کو شبہات اور تلبیس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم زرخیز اور سرسبز علاقوں میں سفر کرو تو اپنی سواریوں کو چرنے دو' اور اپنی منزل کھوٹی نہ کرو' اور جب تم خشک اور بنجر علاقوں سے گزرو تو جلدی گزر جاؤ اور اندھیرا پھیلنے سے بچو کیونکہ رات کو زمین لپیٹ دی جاتی ہے' اور جب غیلان (جنات) تم کو پریشان کریں تو جلدی سے اذان دو (تاکہ ان کا شر دور ہو) اور تم راستہ کے وسط میں سواری سے اترنے اور نماز پڑھنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہاں سانپ اور درندے ہوتے ہیں اور وہاں قضاء حاجت سے بھی اجتناب کرو کیونکہ لوگ ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۵ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۸۶۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ غول بیاباں کا بہر حال وجود ہے۔

(شرح مسلم للنووی ج ۹ ص ۵۹۶۳-۵۹۶۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے دراصل یہ تقریر کی ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۳۵۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ' مسلم: ۲۲۲۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ کسی کی کوئی صفت متغیر کر سکتا ہے' اسی طرح حضرت عمر نے فرمایا کوئی شخص کسی کی کوئی صفت متغیر نہیں کر سکتا لیکن جنات میں جادوگر ہوتے ہیں جب وہ تم کو پریشان کریں تو نماز کی اذان دو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۴۶-۱۴۵' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السنوسی المتوفی ۸۹۵ھ نے بھی علامہ ابن الاثیر اور علامہ نووی کی تقریر نقل کی ہے اور اس کے بعد مزید یہ لکھا ہے:

یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے غول بیاباں ہوتے تھے اور اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ان کو اپنے بندوں سے رفع کر دیا اور یہ آپ کی بعثت کے خصائص میں سے ہے جس طرح آپ کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں سے فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن لیا کرتے تھے اور آپ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۴۴۴' مکمل الاکمال مع الاکمال ج ۷ ص ۴۴۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز اس آیت میں **ینزفون** کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا ختم ہو جانا **نزف الماء** کہتے ہیں جب کنویں کا تمام پانی نکال لیا جائے اور اس میں بالکل پانی نہ رہے' **نزف فی الخصومة** اس وقت کہتے ہیں جب کسی شخص کے اپنے موقف پر تمام دلائل مسترد کر دیئے جائیں اور اب اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہے' اور اس آیت میں **لا ینزفون** سے مراد یہ ہے کہ جنت کی شراب پینے سے مومنوں کی عقل کام کرتی رہے گی ختم نہیں ہو گی اور وہ بہکی بہکی باتیں نہیں کریں گے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حوروں کو پوشیدہ انڈوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

الصّٰفّٰت: ۴۹۔۴۸ میں فرمایا: اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی O گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں O

اس آیت میں قاصرات الطرف کا لفظ ہے قصر کا معنی ہے روکنا اور بند کرنا' اور طرف کا معنی ہے دیکھنا اور نظر کرنا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نظروں کو روک کر بند رکھیں گی اور اپنے خاوندوں کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھیں گی' اور اس میں عین کا لفظ ہے زجاج نے کہا اس کا معنی ہے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین و جمیل عورتیں۔

اور اس میں بیض کا لفظ ہے یہ بیضۃ کی جمع ہے اور مکنون کا معنی ہے چھپی ہوئی اور پوشیدہ چیز' انڈے میں سفیدی اور زردی اس کے چھلکے کے خول میں پوشیدہ ہوتی ہے اور جب تک وہ چھپی رہے وہ گرد و غبار اور بیرونی تغیرات سے محفوظ رہتی ہے' مراد یہ ہے کہ جس طرح انڈے کی سفیدی اور زردی بیرونی تغیرات سے محفوظ اور مامون ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی بیرونی تغیرات سے محفوظ اور مامون ہیں' اور جس طرح انڈے کی اندرونی سطح سفید' پردے میں بند ہوتی ہے اسی طرح حوریں سفید' پردے میں بند اور ان چھوئی ہوں گی۔

لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ. ان کو اس سے پہلے کسی انسان نے چھوا ہے نہ جن نے۔

(الرحمٰن: ۵۶۔۷۴)

جسمانی اور روحانی لذتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی اور روحانی لذتوں کا ذکر فرمایا ہے' میووں' پھلوں اور شراب طہور کے کھانے اور پینے سے انسان کو جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور حسین و جمیل عورتوں کے قرب سے بھی اس کو جسمانی لذت حاصل ہوتی ہے' اور ان آیات میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں مومنوں کی تکریم کی جائے گی اور اس کی اپنے دوستوں سے ملاقات ہو گی وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے اور ان چیزوں سے روحانی لذت حاصل ہوتی ہے' اسی طرح حسین چہروں کو دیکھنے سے بھی انسان خوش ہوتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں آنکھ کو روشن کرتی ہیں (ایک روایت میں آنکھ کی قوت میں اضافہ کرتی ہیں) سبزہ کی طرف دیکھنا' جاری پانی کی طرف دیکھنا اور حسین چہرے کی طرف دیکھنا۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۴۸۵' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۸۱۰' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۴۸۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۱۳' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

انڈوں کا پاک اور حلال ہونا

مرغی کے انڈوں کو کھانے کا مسلمانوں میں بہت رواج ہے اور تمام حلال پرندوں کے انڈے حلال ہیں' بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ انڈا درحقیقت نر پرندے کا مادہ منویہ ہوتا ہے اور منی ناپاک اور نجس ہے اس لیے انڈا حلال نہیں ہونا چاہیے' اس کا جواب یہ ہے کہ انڈے کے پاک ہونے کی یہ دلیل ہے کہ احادیث میں انڈے کو صدقہ کرنے کا ذکر ہے اور نجس اور ناپاک چیز کا صدقہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا پھر وہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلا گیا' گویا اس نے ایک اونٹ کو صدقہ کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا

گائے کو صدقہ کیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے گویا سینگھوں والے مینڈھے کو صدقہ کیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے گویا مرغی کو صدقہ کیا اور جو پانچویں ساعت میں گیا اس نے گویا انڈے کو صدقہ کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۹۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۸۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۶)

اس حدیث میں انڈے کو صدقہ کرنے کا ذکر ہے اور صدقہ پاک چیزوں کا کیا جاتا ہے' اور انڈے کے حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

عبداللہ بن الحارث بن نوفل الہاشمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شتر مرغ کے انڈے لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ محرم ہیں تم یہ انڈے غیر محرم لوگوں کو کھلاؤ اور بارہ مسلمانوں نے اس واقعہ کی شہادت دی۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۰ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' احمد محمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۴' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انبیاء سابقین میں سے کسی نبی نے اللہ تعالیٰ سے کمزوری کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انڈے کھانے کا حکم دیا۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۱۰۲' رقم الحدیث ۵۰۹۵' اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۹۸' کنز العمال ج ۱۰ ص ۳۳' رقم الحدیث: ۲۸۲۲۷)

حافظ ابن قیم حنبلی متوفی ۷۵۱ھ نے لکھا ہے کہ تازہ انڈوں کو باسی انڈوں پر ترجیح دی جائے اور مرغی کے انڈوں کو دیگر پرندوں کے انڈوں پر ترجیح دی جائے' حافظ ابن قیم اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (زاد المعاد ج ۴ ص ۳۳۳' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

انڈے کے غذائی اجزاء اور بد پرہیزی کے نقصانات

سو گرام انڈے میں ۱۴۷ حرارے' ۱۲ اعشاریہ تین گرام پروٹین' ۱۰ اعشاریہ ۹ کلوگرام چکنائی' ۱۴۰ ملی گرام سوڈیم' ۱۴۰ ملی گرام پوٹاشیم' ۵۲ ملی گرام کیلشیم' ۲ ملی گرام فولاد' ایک اعشاریہ ۵ ملی گرام جست' صفر نو ملی گرام وٹامن ب' اعشاریہ ۴۷ ملی گرام ب ۲' ایک اعشاریہ ۶ ملی گرام وٹامن ای' ۱۴۰ مائکروگرام وٹامن الف' ایک اعشاریہ ۷۵ مائکروگرام وٹامن ڈی' ایک اعشاریہ ۷ مائکروگرام ب ۱۲ ہوتے ہیں۔

انڈے میں کولیسٹرول زیادہ مقدار میں ہوتا ہے' جو لوگ ہائی بلڈ پریشر یا قلب کی دیگر بیماریوں میں مبتلا ہوں ان کو انڈے نہیں کھانے چاہئیں' انڈوں میں کولیسٹرول کی زیادتی کا انداز اس سے کریں کہ ۱۰۰ گرام انڈوں کی زردیوں میں ۱۵۰۰ ملی گرام کولیسٹرول ہوتا ہے' اور جب خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو تو خون بہت گاڑھا ہو جاتا ہے اور جسم کی شریانوں میں خون کی روانی بہت مشکل سے ہوتی ہے' جوڑوں میں اور خصوصاً کمر میں درد اسی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ گوشت میں بھی کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہوتی ہے' ۱۰۰ گرام بکری کے گوشت میں ۹۹ ملی گرام' ۱۰۰ گرام گائے کے گوشت میں ۸۹ ملی گرام اور ۱۰۰ گرام مرغی کے گوشت میں ۸۷ ملی گرام کولیسٹرول ہوتا ہے' مغز' پائے اور کلیجی میں سو فی صد کولیسٹرول ہوتا ہے' یہ جسم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' سو ہم کو مضر صحت اشیاء کھا کر اس جسم کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے اگر ہم نے مضر صحت چیزیں کھائیں تو دنیا میں تو ہم کو تکالیف کا سامنا ہوگا ہی ہم آخرت میں بھی گرفت کے مستحق ہوں گے' بعض لوگ بد پرہیزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ ہم مر جائیں گے' یہ زیادہ سے زیادہ نہیں کم سے کم ہے' فرض کیجئے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں بد پرہیزی سے انسان کو فالج ہو جائے اور اس کے بعد وہ شخص پچاس سال بھی زندہ رہا تو یہ زندگی کس کام کی! کیا یہ زندگی

جیتے جی عذاب نہیں ہے! تھوڑی دیر کے زبان کے چٹخارے کے لیے ساری زندگی کا عذاب مول لینا کون سی دانش مندی ہے!

میں بہت پرہیز کرتا ہوں مجھے ۱۹ سال سے شوگر اور ہائی بلڈ پریشر ہے' میں ایک وقت میں زیادہ تر دال اور کبھی بران بریڈ کے تین سلائس اور ابلی ہوئی سبزی یا ابلی ہوئی دال اور بہت کم مقدار میں کبھی کبھی گوشت لیتا ہوں' نمک بھی بہت کم استعمال کرتا ہوں' جو شخص خود عمل کرتا ہو اس کی زبان اور قلم میں اثر ہوتا ہے اس لیے میں اپنے قارئین کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو صحت مند ہیں وہ اپنی صحت کی قدر کریں اور سادہ غذا کھائیں اور جو اس قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں وہ میری طرح پرہیز کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر سوال کریں گے O ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا بے شک دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا O جو کہتا تھا کیا تو ضرور (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے O کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ضرور ہم کو بدلہ دیا جائے گا؟ O وہ کہے گا کیا تم اس کو جھانک کر دیکھنے والے ہو؟ O سو وہ اس کو جھانک کر دیکھے گا تو اس کو دوزخ کے درمیان میں دیکھے گا O سو وہ (اس سے) کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا O اور اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا O (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟ O پھر تو بے شک بہت بڑی کامیابی ہے O اسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O (الصّٰفّٰت: ۶۱۔۵۰)

مومن کا اپنے واقف کافر کو دوزخ میں دیکھنا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کا ذکر فرمایا تھا جو تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے اور انکارِ نبوت پر اصرار کرتے تھے' پھر ان مومنین کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو واحد مانتے تھے اور اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں عطا فرمائے گا' اور جنت کی صفات اور اس کے خواص کا ذکر فرمایا اور اب اس کے بعد جنت میں اہل جنت کی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کا ذکر فرما رہا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۵۰ میں ہے: پس وہ (جنتی) ایک دوسرے کی طرف مڑ کر سوال کریں گے O اس کا عطف ان آیتوں پر ہے: وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے O ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہوگا O اس وقت وہ شراب طہور پیتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کریں گے' اور پھر الصّٰفّٰت: ۵۷۔۵۱ میں ان کی ایک دوسرے سے باتوں کا ذکر ہے' ایک جنتی دوسرے سے کہے گا دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر میرے ایمان لانے کی مذمت کرتا تھا اور حیرت اور تعجب سے کہتا تھا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہم کو ضرور بدلہ دیا جائے گا؟ یعنی ہم نے زندگی میں جو اچھے یا برے کام کیے ہیں ان کا حساب لیا جائے گا اور اچھے کاموں کے عوض ثواب دیا جائے گا اور برے کاموں کے بدلہ میں عذاب دیا جائے گا! پھر وہ جنتی شخص اس دوسرے جنتی شخص سے کہے گا: کیا تم اس قیامت کے منکر کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو' بعض مفسرین نے کہا وہ جنت کے ایک کنارے میں جا کر وہاں سے دوزخ میں جھانک کر دیکھے گا تو وہ منکر قیامت دوزخ کے درمیان پڑا ہوگا' پھر وہ جنتی شخص اس منکر قیامت کو زجر و توبیخ اور ملامت کرتے ہوئے کہے گا اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا اور اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا!

اس مومن اور کافر کا ماجرا' امام ابن جریر کی روایت سے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند سے فرات بن ثعلبہ البھرانی سے ان آیات کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں:

دو آدمی ایک دوسرے کے شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار دینار جمع ہو گئے' انہوں نے آپس میں ان کو تقسیم کر لیا پھر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے' پھر ان میں سے ایک نے ایک ہزار دینار کا ایک محل خرید لیا اور دوسرے کو بلا کر اپنا محل دکھایا' دوسرے نے کہا واقعی یہ بہت خوبصورت محل ہے' پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میرے اس صاحب نے ایک ہزار دینار کا یہ محل خرید لیا ہے اور میں اپنے حصہ کے ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں ایک محل خریدتا ہوں' پھر اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد پہلے شخص نے ایک ہزار دینار کے عوض ایک عورت سے شادی کر لی اور اس دوسرے شخص کو اپنی بیوی دکھائی اس نے کہا واقعی یہ بہت خوب صورت عورت ہے! وہ وہاں سے چلا گیا پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میرے اس صاحب نے ایک ہزار دینار میں ایک حسین عورت سے شادی کی ہے' میں تجھ سے اپنے ایک ہزار کے بدلہ میں جنت کی بڑی آنکھوں والی حور کا سوال کرتا ہوں اور اس نے ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے' پھر کچھ دنوں بعد اس پہلے شخص نے دو ہزار میں دو باغ خرید لیے اور اس دوسرے شخص کو اپنے دونوں باغ دکھا کر کہا میں نے دو ہزار دینار میں یہ دو باغ خریدے ہیں' اس نے کہا یہ واقعی بہت خوب صورت باغ ہیں' اور اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ میں تجھ سے جنت میں دو باغوں کا سوال کرتا ہوں' پھر اس نے بقیہ دو ہزار دینار صدقہ کر دیئے' پھر موت کے فرشتہ نے ان دونوں کی روح کو قبض کر لیا' اور اس دوسرے شخص کو جنت کے محل میں لے جا کر ایک محل دکھایا پھر ایک حسین و جمیل حور دکھائی اور اس کو جنت میں دو باغ دکھائے اور اس کو بتایا یہ محل' یہ حور اور یہ دونوں باغ تمہارے ہیں' پھر اس کو یاد آیا کہ دنیا میں اس کا ایک ساتھی اور شریک تھا جس نے اپنے حصہ کے چار ہزار دینار دنیا میں ہی خرچ کر لیے تھے اور آخرت کے لیے کوئی نیکی نہیں کی تھی اور وہ آخرت اور آخرت میں اعمال کی جزا اور سزا کا انکار کرتا تھا' وہ فرشتہ سے اس کے متعلق پوچھے گا تو فرشتہ اس کو دکھائے گا وہ دوزخ میں جل رہا ہو گا پھر وہ جنتی اس دوزخی کو ملامت کرے گا اور کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا' اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو آج میں بھی دوزخ میں ہوتا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۵۲۲' جز ۲۳ ص ۷۱-۷۰' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ عبد الرحمان بن محمد الثعالبی المالکی المتوفی ۸۷۵ ھ اور حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

(الجواہر الحسان ج ۵ ص ۳۰' بیروت ۱۴۱۸ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۸۱' بیروت ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۴۴' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس مومن اور کافر کا ماجرا امام ابن ابی حاتم کی روایت سے

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ اسماعیل السدی سے روایت کرتے ہیں:

بنو اسرائیل میں دو شخص ایک دوسرے کے شریک تھے' ان میں سے ایک مومن تھا اور دوسرا کافر تھا' ان دونوں کو چھ ہزار دینار مل گئے' ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے تین ہزار دینار لے کر الگ ہو گیا' کچھ عرصہ کے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے اس کے احوال پوچھے' کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار میں زمین' باغات اور نہر کو خریدا' مومن نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور ایک ہزار دینار سامنے رکھ کر دعا کی: اے اللہ! میں تجھ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین' باغات اور نہر خریدتا ہوں' پھر اس نے صبح کو اٹھ کر وہ ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیئے' کچھ عرصہ بعد ان کی

دوبارہ ملاقات ہوئی کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار کے غلام (نوکر چاکر) خرید لیے جو اس کے کاروبار کی دیکھ بھال کرتے ہیں' مومن نے اس رات کو نماز کے بعد ایک ہزار دینار سامنے رکھ کر دعا کی کہ اے اللہ! میں ایک ہزار دینار کے جنت میں غلام خریدتا ہوں اور اس نے صبح کو ایک ہزار دینار مساکین میں تقسیم کر دیئے' کچھ عرصہ بعد پھر ان کی ملاقات ہوئی کافر نے بتایا کہ اس نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک بیوہ عورت سے شادی کر لی' مومن نے اس رات نماز کے بعد ایک ہزار دینار اپنے سامنے رکھے اور دعا کی کہ اے اللہ! میں ان ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں بڑی آنکھوں والی حور سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور پھر صبح اٹھ کر اس نے وہ ایک ہزار دینار مسکینوں میں تقسیم کر دیئے۔

دوسری صبح کو مومن اٹھا تو اس کے پاس کچھ نہ تھا اس نے ایک شخص کے مویشیوں کو چارا ڈالنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر ملازمت کر لی' ایک دن اس کے مالک نے ایک جانور کو پہلے سے دبلا پایا تو اس پر الزام لگایا کہ تم اس کا چارا بیچ کر کھا جاتے ہو اور اس کو ملازمت سے نکال دیا' اس نے سوچا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاتا ہوں اور اس سے ملازمت کی درخواست کرتا ہوں' اس نے اس سے ملنا چاہا مگر اس کے ملازموں نے اس سے ملاقات نہیں کرائی اور اس کے اصرار پر کہا تم یہاں راستہ پر بیٹھ جاؤ وہ اس راستہ پر سواری سے گزرے گا تم ملاقات کر لینا' وہ کافر شریک اپنی سواری پر نکلا تو اس مومن کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا کیا تمہارے پاس میری طرح مال نہیں تھا پھر تمہارا اس قدر گیا گزرا حال کیوں ہے؟ مومن نے کہا اس کے متعلق سوال نہ کرو' کافر نے پوچھا اب تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا تم مجھے دو وقت کی روٹی اور دو کپڑوں کے عوض محنت مزدوری پر ملازم رکھ لو' کافر نے کہا میں تمہاری اس وقت تک مدد نہیں کروں گا جب تک کہ مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے ان تین ہزار دینار کا کیا کیا؟ مومن نے کہا میں نے وہ کسی کو قرض دے دیئے' کافر نے پوچھا کس کو؟ مومن نے کہا ایک وعدہ وفا کرنے والے غنی کو' کافر نے پوچھا وہ کون ہے؟ مومن نے کہا اللہ! اس وقت مصافحہ کی صورت میں مومن کا ہاتھ کافر کے ہاتھ میں تھا اس نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا کیا تم قیامت اور آخرت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جس وقت ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم کو ہمارے کاموں کی جزا دی جائے گی؟ پھر کافر اس کو چھوڑ کر اپنی سواری پر بیٹھ کر چلا گیا' وہ مومن بڑے عرصہ تک تنگی اور ترشی کے ساتھ وقت گزارتا رہا اور کافر عیش وطرب میں اپنی زندگی گزارتا رہا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو جنت میں داخل کر دیا اور اس کو زمین باغات' پھل اور نہریں دکھائیں' اس نے پوچھا یہ کس کی ہیں؟ فرمایا تمہاری ہیں۔ اس نے کہا سبحان اللہ! میرے تھوڑے سے عمل کی کیا اتنی عظیم جزا ہے! پھر اس کو بے شمار غلام دکھائے اس نے پوچھا یہ کس کے ہیں؟ فرمایا تمہارے ہیں' اس نے کہا سبحان اللہ! میرے معمولی عمل کا اتنا بڑا ثواب ہے! پھر اس کو بڑی آنکھوں والی حور دکھائی گئی اس نے پوچھا یہ کس کی ہے؟ فرمایا تمہاری ہے' اس نے کہا سبحان اللہ! میرے اس حقیر عمل کا ثواب یہاں تک پہنچا ہے! پھر اس کو اپنا کافر شریک یاد آیا اس نے کہا دنیا میں میرا ایک صاحب تھا جو کہتا تھا کیا تم آخرت کی تصدیق کرنے والے ہو؟ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے اس وقت ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا! پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کا' کافر شریک دکھائے گا جو دوزخ کے درمیان میں پڑا ہوگا' مومن اس کو دیکھ کر کہے گا: اللہ کی قسم! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا اگر مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۹۱' ج ۱۰ ص ۳۲۱۵ ـ ۳۲۱۳ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کا حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱ ـ ۱۰' دار الفکر ۱۴۱۹ھ' الدر المنثور ج ۷ ص ۸۳ ـ ۸۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قتادہ نے بیان کیا کہ جنت میں ایک کھڑکی ہے جب کوئی جنتی شخص دوزخ میں اپنے کسی واقف کو دیکھنا چاہے گا تو اس کو دیکھ لے گا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۱۹۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

عذابِ قبر پر ایک اشکال کا جواب

الصّٰفّٰت: ۶۱۔۵۸ میں ہے: (جنتی لوگ فرشتوں سے کہیں گے) کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں؟ O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا؟ O پھر تو بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے! O اسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے O

ان آیات میں جنتیوں کی آپس کی گفتگو کا پھر ذکر فرمایا ہے ان کو جب فرشتوں سے معلوم ہوگا کہ وہ اب جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو موت نہیں آئے گی تو وہ اس نعمت سے بہت زیادہ خوش ہوں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے اسی نعمت کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے' کیونکہ اگر انسان کو عیش و آرام اور اس کی دل پسند چیزیں مہیا کی جائیں اور اس کو یہ بتا دیا جائے کہ چند دن بعد اس سے یہ نعمتیں لے لی جائیں گی تو وہ عین حالت نعمت میں بھی فکر مند اور غم زدہ رہے گا اور صحیح معنی میں وہ اسی وقت خوش ہوگا جب اس کو معلوم ہو کہ یہ نعمتیں اس کے پاس دائماً رہیں گی' سو جنتیوں کو جب یہ بتا دیا جائے گا کہ اب ان پر موت نہیں آئے گی تب وہ حقیقت میں خوش ہوں گے۔

اہل جنت کو دنیا میں جو موت آئی تھی اس پہلی موت کے سوا ان کو اور کوئی موت نہیں آئے گی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھر قبر میں ان کو زندہ نہیں کیا جائے گا ورنہ پھر دو موتیں ہو جائیں گی اور جب ان کو قبر میں زندہ نہیں کیا جائے گا تو پھر عذاب قبر کی بھی نفی ہو جائے گی کیونکہ عذاب تو درد کے ادراک کو کہتے ہیں اور ادراک زندہ آدمی کرتا ہے' مردہ ادراک نہیں کرتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے ان کو اس پہلی موت کے سوا اور موت نہیں آئے گی اس سے مراد دنیا کی موت ہے خواہ وہ قبر میں جانے سے پہلے آئی ہو یا قبر میں جانے کے بعد آئی ہو' اسی طرح اس آیت میں بھی یہی مراد ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ (الدخان: ۵۶) جنت میں وہ پہلی موت کے سوا اور کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک فرشتوں کے سوالات کے جوابات کے لیے مردہ کو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات تام اور مکمل نہیں ہوتی اور اس کا زمانہ بہت کم ہوتا ہے' اہل جنت کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت میں موت نہیں آئے گی کیونکہ انبیاء علیہم السلام ان کو دنیا میں ہی بتا دیتے ہیں کہ جنت میں دائمی حیات ہوگی یا جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے ان سے کہتے ہیں: سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ O (زمر: ۷۳) تم پر سلام ہو' تم نے اچھی زندگی گزاری' اب جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ' ایک قول یہ ہے کہ اہل جنت کو ابتداءً یہ علم نہیں ہوگا کہ ان کو موت نہیں آئے گی' حتیٰ کہ موت کو ایک سرمئی مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا' پھر ندا کی جائے گی اے اہل جنت! اب بغیر موت کے ہمیشہ رہنا ہے اور اے اہل دوزخ اب بغیر موت کے ہمیشہ رہنا ہے' تب انہیں علم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرتے ہوئے خوشی سے کہیں گے: کیا اب ہم مرنے والے نہیں ہیں O سوا اس پہلی موت کے اور کیا ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا O پھر تو بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے O (روح المعانی جز ۲۳ ص ۱۳۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قبر میں میت کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے' پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں' اور مومن کے لیے جنت سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور کافر کے لیے دوزخ سے کھڑکی کھول دی جاتی ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸۔۲۸۷ طبع قدیم)

لیکن قبر کی یہ حیات برزخی ہوتی ہے' اس سے صرف ثواب کی لذتوں کا یا عذاب کی کلفتوں کا ادراک کیا جاتا ہے' یہ دنیاوی حیات کی طرح تام اور مکمل نہیں ہوتی اور اس میں حواس اور حرکت ارادیہ کے آثار مرتب نہیں ہوتے' اور دنیاوی حیات کے مقابلہ میں یہ کالعدم ہوتی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا اس لیے قرآن مجید میں یہ ارشاد ہے کہ اہل جنت' جنت میں سوا اس پہلی موت کے اور کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اس پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جو دنیا میں روح کو قبض کرنے سے واقع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت؟ O بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا دیا ہے O بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں O دوزخی ضرور اسی درخت سے کھائیں گے۔ سو اسی سے پیٹ بھریں گے O پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہو گا O پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا O بے شک انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گم راہ پایا O سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے O اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں O اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے O سو آپ دیکھئے کہ جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O (الصّٰفّٰت: ۷۴۔۶۲)

شجرۃ الزقوم کی تحقیق

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے جنت میں احوال اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیات میں اہل دوزخ کے احوال اور ان کے کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ اہل مکہ کو ان کے اخروی انجام سے ڈرائیں تا کہ وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آئیں۔

الصّٰفّٰت: ۶۲ میں فرمایا: آیا یہ زیادہ اچھی مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت؟

اس آیت میں نزل کا لفظ ہے' نزل کا معنی ہے کسی چیز کا بلندی سے نیچے گرنا' گھر آنے والے یعنی مہمان کو نازل کہا جاتا ہے اور مہمان کی ضیافت کے لیے جو کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان کو نزل کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

نُزُلًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۱۹۸) یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے۔

اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى ۫ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ O (السجدہ: ۱۹) رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی رہائش کے لیے باغات ہیں یہ ان کے نیک کاموں کی جزاء کی مہمانی ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۳۲' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اور اس آیت میں شجرۃ الزقوم کا لفظ ہے اس کا معنی ہے تھوہر کا درخت' یہ دوزخ میں سخت بدذائقہ درخت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر درخت زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا والوں پر گرا دیا جائے تو ان کی زندگی فاسد ہو جائے گی تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا طعام ہی زقوم ہو گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۷۰' المعجم الکبیر رقم

الحدیث: ۱۱۰۶۸؛ المستدرک ج ۲ ص ۲۹۴؛ البعث والنشور رقم الحدیث: ۵۴۳؛ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۴۴۰۸)

اس میں اختلاف ہے کہ شجرۃ الزقوم دنیا کے درختوں سے ہے یا نہیں اور اہل عرب اس کو پہچانتے تھے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کا معروف درخت ہے یہ سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے۔ اس کو توڑنے سے اس میں سے زہریلا دودھ نکلتا ہے جو اگر جسم پر لگ جائے تو وہاں پر ورم آ جاتا ہے‘ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دنیا میں معروف درخت نہیں ہے‘ جب شجرۃ الزقوم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش نے کہا ہم اس درخت کو نہیں پہچانتے‘ ابن الزبعری نے کہا زقوم بربر والوں کی زبان میں مکھن اور کھجور کو کہتے ہیں‘ ابوجہل لعنہ اللہ نے اپنی باندی سے کہا: میرے لیے مکھن اور کھجور لاؤ‘ پھر اپنے اصحاب سے کہا لو اس کو کھاؤ‘ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ یہ درخت دوزخ میں اگتا ہے حالانکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے اس نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا جس چیز سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈرا رہے ہیں وہ تو دراصل مکھن اور کھجور ہے۔

الصّٰفّٰت: ۶۳ میں ہے: بے شک ہم نے اس کو فتنہ (عذاب) بنا دیا ہے O

اس آیت میں فتنہ کا لفظ ہے اور ان پر اس درخت کی وجہ سے شدید عذاب ہونا یہی ان کے لیے فتنہ ہے۔

الصّٰفّٰت: ۶۴ میں ہے: بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O

کفار وغیرہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہیں پھر دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے‘ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو پیدا ہی دوزخ کی جڑ میں کیا ہے چونکہ اس درخت کی اصل آگ ہے اس لیے یہ آگ میں ہی پھلا پھولا ہے‘ اس کی نظیر یہ ہے کہ مچھلی پانی میں زندہ رہتی ہے اور پانی میں غرق نہیں ہوتی جب کہ دوسرے جاندار پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہے وہ چاہے تو پانی میں زندہ مخلوق پیدا کر دے اور وہ چاہے تو آگ میں زندہ مخلوق پیدا کر دے۔

الصّٰفّٰت: ۶۵ میں ہے: اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار نے شیطانوں کے سروں کو تو نہیں دیکھا تھا پھر شجرۃ الزقوم کے شگوفوں کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہے! اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) شیطانوں کے سروں کی بدہیئتی اور بدصورتی ان کے دلوں اور دماغوں میں جاگزین تھی ہر چند کہ انہوں نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا تھا پھر بھی ان کے خیالوں میں وہ بہت بھیانک اور ڈراؤنے تھے جیسے لوگ ان دیکھے غول بیابان سے ڈرتے ہیں اور بچے بھوتوں‘ چڑیلوں اور ڈائنوں سے ڈرتے ہیں‘ اور جس طرح لوگوں کے دماغوں میں یہ مرکوز ہے کہ پری بہت حسین ہوتی ہے اس لیے وہ کسی حسین لڑکی کو پری کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے پری کو نہیں دیکھا یا جس طرح وہ کسی نیک آدمی کو فرشتہ کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے فرشتہ کو نہیں دیکھا۔

(۲) اس سے مراد سانپ کے سر ہیں اور عرب کے لوگ سانپ کے سر کو بہت دہشت ناک خیال کرتے تھے۔

(۳) مقاتل نے کہا کہ مکہ اور یمن کے راستہ میں ڈراؤنے درخت ہیں جن کو عرب کے لوگ شیطان کے سر کہتے تھے۔

الصّٰفّٰت: ۶۶ میں ہے: دوزخی ضرور اس درخت سے کھائیں گے سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

دوزخی پیٹ بھر کر زقوم کے درخت سے کھائیں گے اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ بہت کڑوا اور بہت بدذائقہ ہوگا لیکن ان کو اس قدر شدید بھوک لگی ہوگی کہ وہ اپنی بھوک دور کرنے کے لیے اس درخت کے کڑوے کسیلے بدذائقہ پھلوں

کو بھی کھا جائیں گے جیسے کوئی شخص شدید بھوک کے عالم میں مردار بھی کھا لیتا ہے اور ایسی کئی گندی اور گھناؤنی چیزیں کھا لیتا ہے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتے ان کو جبراً اس درخت کے پھل کھلائیں گے تا کہ ان کو زیادہ عذاب ہو۔

الصّٰفّٰت: ۶۷ میں ہے: پھر بے شک ان کے لیے (پیپ) ملا ہوا گرم پانی ہوگا O

جب شجرة الزقوم کے پھل کھا کر ان کا پیٹ بھر جائے گا تو پھر ان کو پیاس لگے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیاس دور کرنے کے لیے پیپ ملا ہوا گرم پانی مہیا کیا' اس آیت میں شوبا من حمیم فرمایا ہے' شوبا کے معنی ہیں کسی چیز سے ملا ہوا' عام ازیں کہ وہ خون سے ملا ہوا ہو' یا پیپ سے ملا ہوا ہو' یا شجرة الزقوم سے ملا ہوا ہو' وہ پانی اس قدر سخت گرم ہوگا کہ ان کے چہروں کو جلا دے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا' یہ پانی ان کو کافی تاخیر سے پلایا جائے گا تا کہ ان کو مزید عذاب ہو' پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کا عذاب ہونا بتایا اور اس آیت میں ان کے مشروب کا عذاب ہونا بتایا۔

الصّٰفّٰت: ۶۸ میں ہے: پھر بے شک ان کا ضرور جحیم کی طرف لوٹنا ہوگا O

مقاتل نے کہا شجرة الزقوم سے ملے ہوئے گرم پانی کو پینے کے بعد پھر ان کا جحیم کی طرف لوٹنا ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ گرم پانی پیتے وقت جحیم میں نہیں ہوں گے' اس سے پتا چلا کہ گرم پانی کسی ایسی جگہ پر ہے جو عام دوزخ سے خارج ہے اور وہ دوزخ کا کوئی خاص مقام ہے' جس طرح اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے کسی خاص مقام پر لے جاتے ہیں اسی طرح ان کو دوزخ میں پانی پلانے کے لیے دوزخ ہی کی کسی خاص جگہ پر لے جایا جائے گا۔

الصّٰفّٰت: ۶۹ میں ہے: بے شک انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گم راہ پایا O

کفار کو جو شجرة الزقوم اور پیپ ملا ہوا گرم پانی کا عذاب دیا گیا اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے گم راہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے اور دلائل اور معجزات سے ان پر جو حق پیش کیا جاتا تھا اس کا انکار کرتے تھے۔

الصّٰفّٰت: ۷۰ میں فرمایا: سو وہ ان ہی کے نقش قدم پر بھگائے جاتے رہے O

اس آیت میں یھرعون کا لفظ ہے جو اھراع سے بنا ہے' الاھراع بہت تیز بھاگنے کو کہتے ہیں' یعنی وہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں سرپٹ بھاگ رہے ہیں اور ان کے خلاف کسی دلیل پر غور و فکر کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

الصّٰفّٰت: ۷۱ میں فرمایا: اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں O

یعنی آپ کی قوم قریش سے پہلے جو سابقہ امتیں گزری ہیں ان کو بھی ابلیس نے گم راہ کر دیا تھا' اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کر رہی تو اس میں کوئی رنج اور تشویش کی بات نہیں ہے' آپ سے پہلے جو اقوام گزری ہیں انہوں نے بھی انبیاء سابقین کی ہدایت کو قبول نہیں کیا تھا۔

الصّٰفّٰت: ۷۲ میں فرمایا: اور بے شک ہم نے ان میں عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تھے O

اس سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا جاتا رہا تھا اور ان کی قومیں ان کی تکذیب کرتی رہیں تھیں' سو جس طرح گزشتہ رسول اپنی قوموں کی ہٹ دھرمی اور حق سے انحراف اور اندھی تقلید پر صبر کرتے تھے سو آپ بھی اسی طرح صبر کریں' اور جس طرح ان رسولوں نے اپنی قوم کے انکار اور عناد کے باوجود اللہ کی طرف دعوت دینے اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے کو ترک نہیں کیا تھا' سو آپ بھی اسی طریقہ سے اپنے مشن کو جاری رکھیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم رکھیں۔

الصّٰفّٰت: ۷۳ میں فرمایا: سو آپ دیکھئے کہ جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O

ہر چند کہ اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن اس سے مقصود کفار کو خطاب کرنا ہے' کیونکہ

ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تو ان پر کیسا عذاب آیا اور انہوں نے مکہ سے مختلف مقامات پر سفر کے دوران ان کے عذاب کے آثار کا مشاہدہ بھی کر لیا ہے تو وہ اس سے نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔

الصّٰفّٰت: ۷۴ میں فرمایا: ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

اس آیت میں کس آیت سے استثناء فرمایا ہے' بعض علماء نے کہا اس میں الصّٰفّٰت: ۷۱ سے استثناء ہے اور پورا معنی اس طرح ہے: اور ان سے پہلے بھی اکثر پہلے لوگ گم راہ ہو چکے ہیں O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے' اور بعض علماء نے کہا اس کا استثناء الصّٰفّٰت: ۷۳ سے ہے' اور مکمل معنی اس طرح ہے: سو آپ دیکھئے کہ جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ

اور ہم کو نوح نے پکارا' (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت

الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾

بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ

سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O بے شک

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O اور بے شک ابراہیم

شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

بھی ان کے گروہ سے ہیں O کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O جب انہوں نے اپنے (عرفی)

وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾

باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ

تو رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ O پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا میں بے شک بیمار

وقف لازم

سَقِيمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا

ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا

تَأْكُلُونَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿۹۳﴾

تم کیوں نہیں کھاتے؟ O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿۹۴﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿۹۵﴾ وَاللَّهُ

پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو! O حالانکہ

خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿۹۷﴾

تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ

انہوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O اور ابراہیم نے کہا میں

إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنَاهُ

اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے ان کو

بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي

ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے! میں

الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا

نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا اے ابا جان! آپ وہی

تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا

کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے

وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ

سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک

الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا

نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش

الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ابراہیم پر سلام ہو O ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا

بندوں میں سے ہیں O اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں O اور ہم نے

عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے (بھی) ہیں اور اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم

مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع

کرنے والے بھی ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم کو نوح نے پکارا (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے ہیں O پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O (الصّٰفّٰت: ۸۲۔۷۵)

بعض انبیاء سابقین کے قصص

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے الصّٰفّٰت: ۷۱ میں فرمایا تھا: اور بے شک ان (مشرکین مکہ) سے پہلے' اکثر پہلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں' نیز الصّٰفّٰت: ۷۳ میں فرمایا تھا' سو آپ دیکھیے جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا' ان کا کیسا انجام ہوا' تو اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ مشرکین مکہ سے پہلے وہ کون لوگ تھے جو گم راہ ہو چکے تھے اور ان پہلوں کو جو عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ ڈرنے والے کون کون تھے' سو سب سے پہلے عذاب سے ڈرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا' پھر حضرت موسیٰ' حضرت ھارون اور حضرت الیاس علیہم السلام کو بھیجا اور حضرت لوط اور حضرت یونس علیہما السلام کو بھیجا' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان فرمائے' سورۃ ھود اور سورۃ انبیاء میں ان کا تفصیل سے ذکر گزر چکا ہے' ہم ان آیات کی تفسیر میں ان انبیاء علیہم السلام کے ان مذکورہ واقعات کا

اختصار اور اجمال کے ساتھ ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق.

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

الصّٰفّٰت: ۷۵ میں ہے: اور ہم کو نوح نے پکارا (سو دیکھو) ہم کتنی اچھی طرح پکار کا جواب دینے والے ہیں O

اس کا معنی ہے حضرت نوح علیہ السلام نے ہم سے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا' یہ دعا اس وقت کی تھی جب وہ سالہا سال تبلیغ کرنے کے بعد اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تھے وہ دعا یہ تھی:

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح: ۲۷۔۲۶)

اور نوح نے دعا کی اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے والا نہ چھوڑO بے شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور یہ صرف بدکار کافروں کو ہی جنم دیں گے۔

دعاؤں کے قبول ہونے کی شرائط

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا دو وجہوں سے کی تھی' ایک وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو ناپاک بندوں سے پاک کر دے' دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بعد میں آنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور ان کو نصیحت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم ان کی پکار کا اچھی طرح جواب دینے والے ہیں' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ ہم نے حضرت نوح کی دعا بہت اچھی طرح قبول کی' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہم ہر دعا کرنے والے کی دعا کو اچھی طرح قبول کرنے والے ہیں' دعا کے قبول ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ حضور قلب سے دعا کی جائے' غفلت اور بے پرواہی سے دعا نہ کی جائے' دوسری شرط یہ ہے کہ اگر فوراً دعا قبول نہ ہو تو دعا کرنے کو ترک نہ کیا جائے' تیسری شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا صرف مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے بلکہ راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہو' چوتھی شرط یہ ہے کہ دعا کرنے والا خود بھی اللہ تعالیٰ کی بات مانتا ہو یعنی اس کا اطاعت گزار ہو اور اس کے احکام پر عمل کرنے والا ہو' پانچویں شرط یہ ہے کہ دعا کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھے' چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے اور ساتویں شرط یہ ہے کہ اس کی دعا تقدیر سے متصادم نہ ہو۔

الصّٰفّٰت: ۷۶ میں فرمایا: اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دO

قتادہ نے کہا حضرت نوح علیہ السلام کے گھر والوں میں سے آٹھ افراد ایمان لائے تھے' حضرت نوح علیہ السلام' ان کے تین بیٹے اور ان کی ازواج چار مرد اور چار عورتیں' اور ان کی قوم میں سے کل اسی (۸۰) افراد اسلام لائے تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۳)

جو شخص اللہ کے دین کی تبلیغ کرتا ہے اس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام میں تعداد کی زیادتی مطلوب نہیں ہے بلکہ لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کی اعلیٰ صفات مطلوب ہیں' حضرت نوح علیہ السلام نے نو سو سے زیادہ سال تک تبلیغ کی اور صرف اسی آدمی اپنے پیرو کار بنائے' اس لیے علماء مبلغین اور صالحین کو چاہیے کہ وہ اس کے درپے نہ ہوں کہ ان کے پیرو کاروں کی تعداد زیادہ ہو بلکہ اس کی کوشش کریں گے ان کے پیرو کار ایمان اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ان کو بڑی مصیبت سے نجات دی' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ان کو طوفان میں غرق ہونے سے محفوظ رکھا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان کی قوم کے کافر سردار جوان کو تنگ کرتے رہتے تھے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کا مصداق اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعض فضائل

الصّٰفّٰت: ۷۷ میں فرمایا: اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' ان کے تین بیٹے تھے' سام' حام اور یافث' تمام عرب اور عجم سام کی اولاد ہیں اور روم' ترک اور صقالبہ یافث کی اولاد ہیں اور سوڈانی حام کی اولاد ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۴ص ۳۴)

الصّٰفّٰت: ۷۸ میں فرمایا: اور ہم نے ان کا ذکر بعد والوں میں باقی رکھا O

قتادہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر خیر کو جاری رکھا' مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے انبیاء ان کی تعریف اور تحسین فرماتے رہے۔

الصّٰفّٰت: ۷۹ میں ہے: سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں O

الفراء نے کہا اس سے وہ ذکر خیر مراد ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا ہے' اور اس کا معنی ہے ہماری طرف سے نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو' اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ قیامت تک لوگ ان پر صلوٰۃ پڑھتے رہیں گے ان کا ذکر برائی سے نہیں کیا جائے گا' اور بعد میں آنے والے ہر نبی کو وہی وصیت کی گئی جو حضرت نوح کو کی گئی تھی۔ (الشوریٰ ۱۳)

الصّٰفّٰت: ۸۰ میں فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں O

مقاتل نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جو نیک کام کیے تھے' اللہ تعالیٰ نے اس کی جزاء میں ان کے ذکر خیر کو دنیا میں شائع کر دیا۔

الصّٰفّٰت: ۸۱ میں فرمایا: بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہیں O

اس آیت میں پہلی آیت کا بیان ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی نیکی ان کا اعلیٰ درجہ کا کامل ایمان تھا۔

الصّٰفّٰت: ۸۲ میں فرمایا: پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا O

اس سے مراد کافر ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے لفظ ثـم اس آیت میں تراخی کے لیے نہیں' بلکہ حضرت نوح علیہ السلام پر متعدد نعمتیں گنوانے کے لیے ہے' یعنی پھر میں تم کو ان لوگوں کی خبر دیتا ہوں جو حضرت نوح علیہ السلام کی پیہم تبلیغ اور ان کی بسیار سعی کے باوجود ایمان نہیں لائے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ابراہیم بھی ان کے گروہ سے ہیں O کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو! O تو اب رب العٰلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ O پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں O سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟ O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو! O حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O انہوں نے ابراہیم کے خلاف

سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O (الصّٰفّٰت: ۹۸-۸۳)

شیعہ کا لغوی معنی اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے شیعہ نوح سے ہونے کی وضاحت

الصّٰفّٰت: ۸۳ میں ہے: اور بے شک ابراہیم بھی ان کے شیعہ (گروہ) سے ہیں O

شیعۃ کا مادہ شیع ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا پھیلنا اور قوی ہونا' اگر کوئی خبر پھیل جائے اور قوی ہو جائے تو کہا جاتا ہے شاع الخبر' اور جب کوئی قوم پھیل جائے اور اس کی تعداد کثیر ہو جائے تو کہا جاتا ہے شاع القوم' انسان جن لوگوں سے قوت حاصل کرے اور جو لوگ اس سے محبت کرنے والے اور اس کے ہم خیال ہوں ان کو اس کا شیعہ کہا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن حبیب الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

شیعہ کا معنی ہے تبعین' یہ ابن بحر کا قول ہے' اور الاصمعی نے کہا ہے کہ شیعہ کا معنی ہے اعوان اور مددگار' یہ لفظ شیاع سے ماخوذ ہے' شیاع ان چھوٹی لکڑیوں کو کہا جاتا ہے جن کو بڑی لکڑیوں کے ساتھ ملا کر جلایا جاتا ہے اور وہ چھوٹی لکڑیاں جلانے میں مددگار ہوتی ہیں' اور اس آیت کا معنی ہے حضرت ابراہیم' حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تھے اور ان کے منہاج اور ان کے طریقہ پر تھے۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۵۴)

علامہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے جو عقائد مشہور تھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ہی عقائد پر تھے' اگر چہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں' یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کے دین پر متصلب اور متشدد ہونا بہت شائع ہو چکا تھا یعنی پھیل چکا تھا اور مکذبین کی سختیوں پر ان کا صبر کرنا بھی بہت مشہور ہو چکا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے اکثر احکام شرعیہ میں اتفاق ہو' حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دو نبی تھے' حضرت ھود اور حضرت صالح علیہما السلام' اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا عرصہ تھا (قرآن مجید میں ان دو نبیوں کا ذکر ہے' اتنے لمبے عرصہ میں اور نبی بھی آئے ہوں گے)۔ (الکشاف ج ۴ ص ۵۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قلب سلیم کا معنی

الصّٰفّٰت: ۸۴ میں ہے: کیونکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوئے O

مقاتل وغیرہ نے کہا قلب سلیم کا معنی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا' اور اصولیین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جتنا عرصہ زندہ رہے ان کا دل گناہوں کے میل کچیل سے بالکل پاک اور صاف تھا' ان کے دل میں شرک تھا' نہ توحید کے متعلق کوئی شک تھا نہ کسی کے خلاف کینہ اور حسد تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ لوگوں کے لیے اسی چیز کو پسند کرتے تھے جس کو اپنے لیے پسند کرتے تھے' اور تمام لوگ ان کے ضرر اور زیادتیوں سے سلامت اور محفوظ تھے۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل میں اپنے رب کے لیے اخلاص تھا اور مخلوق اور دنیا کی چیزوں کی طرف سے ان کا دل فارغ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی کواکب پرستی

الصّٰفّٰت: ۸۷-۸۵ میں فرمایا: جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ O

حضرت ابراہیم کا اس قول سے ان کے طریقہ عبادت کی مذمت کرنا مقصود تھا' پھر فرمایا: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ

معبودوں کی عبادت کر رہے ہو؟○ اس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ اپنی قوم کو اس پر متنبہ کیا جائے کہ انہوں نے پتھر کے جن بتوں کو اپنا معبود قرار دے لیا ہے وہ محض غلط ہے واقع کے خلاف ہے اور باطل ہے‘ پھر فرمایا: تو اب رب العٰلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ یعنی اب تمہارے گمان میں عبادت کا مستحق کون ہے؟ اور اب تم کس کو رب العٰلمین قرار دیتے ہو؟ کیا تمہیں اللہ سبحانہ کے رب العٰلمین ہونے کے متعلق کوئی شک ہے؟ حتیٰ کہ تم نے صرف ایک خدا کی عبادت کو ترک کر دیا ہے‘ یا تم کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ذات عبادت کی مستحق ہے اس لیے تم نے اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت شروع کر دی ہے‘ اور تم نے جو اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان تراشے ہیں کہ اس کے کئی شرکاء ہیں اور وہ سب عبادت کے مستحق ہیں اور اس لیے تم ان کی عبادت کر رہے ہو تو آخر اس کے جاننے کا کیا ذریعہ ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم چند معین سیاروں کی تعظیم اور ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس جہان میں خیر اور شر اور سعادت اور نحوست کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سب ان سیاروں ہی کی تاثیرات ہیں‘ اور انہوں نے ان میں سے ہر سیارے کی ایک شکل بنائی تھی اور اس کی صورت کے موافق ایک بت بنا لیا تھا پھر وہ ان بتوں کی تعظیم‘ اور عبادت کو سیاروں کی تعظیم اور عبادت کا ذریعہ قرار دیتے تھے وہ سات سیارے ہیں: قمر‘ عطارد‘ زحل‘ شمس‘ مریخ‘ مشتری اور زہرہ‘ جو حرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے رہتے ہیں اور ہر سیارے کی گردش ایک مخصوص وضع اور ہیئت سے ہوتی ہے‘ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس جہان میں جس قدر حوادث رونما ہوتے ہیں وہ ان ہی سیاروں کی گردش کی مخصوص وضع کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں‘ ان ہی سے موسمی تغیرات ہوتے ہیں‘ بارشوں کا آنا‘ سمندروں میں طوفانوں کا اٹھنا‘ زمین میں زلزلوں کا آنا‘ لوگوں کا پیدا ہونا اور مرنا‘ صحت مند اور بیمار ہونا‘ فصلوں کا سرسبز ہونا یا ویران ہونا‘ اسی طرح معین اشخاص پر جو راحت اور مصائب کے‘ تنگی اور فراخ دستی کے اور خوشی اور ناخوشی کے ایام آتے ہیں وہ بھی ان سیارگان (متحرک ستاروں) کی تاثیرات ہیں اس لیے انہوں نے ان مخصوص سیاروں کی شکل کے بت بنا لیے تھے اور ان کی تعظیم اور عبادت کرتے تھے تاکہ ان پر راحت‘ سعادت‘ خوشی اور خوشحالی کے ایام سایہ فگن رہیں اور وہ مصیبت‘ نحوست‘ رنج و غم اور تنگ دستی کے اثرات سے محفوظ رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف دیکھنے کا محمل

الصّٰفّٰت: ۸۸ میں فرمایا: پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی ○

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہ ظاہر ستاروں (کواکب سیارہ) کی طرف دیکھ کر تامل اور غور و فکر کیا‘ جس سے ان کی قوم نے یہ سمجھا کہ حضرت ابراہیم ستاروں کی چال اور ان کی مخصوص گردش کی وضع اور ہیئت سے مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ یا سانحہ کو اخذ کر رہے ہیں‘ اور دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام‘ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت اور بناوٹ پر غور و فکر کر رہے تھے اور کاملین کے طریقہ کے مطابق آثار سے موثر اور مخلوق سے خالق پر استدلال فرما رہے تھے۔ اور یہی چیز حضرت ابراہیم کی شان کے لائق ہے لیکن آپ نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ وہم ڈالا کہ آپ سیاروں کی گردش کی وضع میں غور کر کے‘ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خود کو بیمار کہنے کا پس منظر

الصّٰفّٰت: ۸۹ میں فرمایا: پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں ○

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار نہیں تھے لیکن انہوں نے فرمایا میں بیمار ہوں بہ ظاہر یہ کلام جھوٹ ہے‘ لیکن حقیقت میں یہ تعریض اور توریہ ہے‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ کہنے کی وجہ مفسرین نے اس طرح بیان کی ہے:

امام عبد الرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:
سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے: مجھے طاعون ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۸۲۱۷)

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے، تم اس میں حاضر ہونا (یعنی میلے میں شریک ہونا) حضرت ابراہیم نے ستارے کی طرف دیکھ کر کہا: یہ ستارہ جب بھی طلوع ہوتا ہے تو میں بیمار ہو جاتا ہوں' تو بادشاہ کے کارندے چلے گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۸۲۱۹)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان کی قوم ستارہ شناس اور ستارہ پرست تھی' اس لیے آپ نے ان کے ساتھ ان کے طریقہ کے مطابق معاملہ کیا اور اس طور سے حیلہ کیا جو ان کی رسم و رواج کے مطابق تھا' اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے بتوں کو توڑنے کے لیے حیلہ کرنا چاہتے تھے تا کہ ان کی بت پرستی کو باطل کیا جا سکے' دوسرے ان کی عید اور میلہ تھا' اور وہ لوگ میلہ میں جانے سے پہلے بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے تا کہ اس سے بتوں کا تقرب اور تبرک حاصل ہو اور وہ میلہ سے واپس آنے کے بعد ان چیزوں کو کھائیں' انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا آپ ہماری عید اور ہمارے میلے میں ہمارے ساتھ چلیں' حضرت ابراہیم نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں' حضرت ابن عباس نے فرمایا سقیم سے مراد طاعون زدہ ہونا ہے' اور وہ لوگ طاعون سے بہت گھبراتے تھے اور اس سے بہت دور بھاگتے تھے' حسن بصری نے کہا سقیم سے مراد مریض ہے اور مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے مجھے درد ہے اور ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے: میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں' پھر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔
(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین بہ ظاہر جھوٹ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (بہ ظاہر) جھوٹ بولے' ان میں سے دو جھوٹ اللہ کی خاطر تھے' انہوں نے کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصّٰفّٰت:۸۹) میں بیمار ہوں' اور انہوں نے کہا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ (الانبیاء:۶۳) بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے' (بہ ظاہر آپ نے چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی اور در حقیقت آپ نے خود ان بتوں کو توڑا تھا' کیونکہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا' آپ اس کی خدائی کو باطل کرنا چاہتے تھے اور اس کے عجز کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور سبب کی طرف بھی فعل کی نسبت کی جاتی ہے جیسا کہا جاتا ہے جارج بش نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اور بڑی تعداد میں قتل و غارت کی جب کہ جارج بش نے صرف حکم دیا تھا حملہ اس کی فوجوں نے کیا تھا' سو جس طرح یہاں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اسی طرح اس آیت میں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے) اور ایک دن حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ سفر کر رہے تھے' ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا' اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص آ رہا ہے اور اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے' اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میری بہن ہے' اور کہا اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن (جوڑا) نہیں ہے' اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو (یعنی دینی بہن ہو' یہ کلام بھی بہ ظاہر جھوٹ ہے اور حقیقت میں تعریض اور توریہ ہے) سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۸۷' رقم الحدیث: ۱۶۳۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

"میں بیمار ہوں" کہنے کی توجیہات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر جو فرمایا تھا میں بیمار ہوں اس کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ بیمار ہو جاتے تھے' ہر چند کہ اس وقت آپ بیمار نہ تھے لیکن بیماری کا وقت آ رہا تھا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں۔

(۳) تمہارے کفر اور شرک اور بے راہ روی سے میرا دل پژمردہ اور بیمار ہے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہ طور توریہ اور تعریض کہا کہ میں بیمار ہوں منشاء یہ تھا کہ میری قوم بیمار ہے۔

(۵) سقیم سے مراد موت ہے جیسے قرآن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے: انک میت (الزمر: ۳۰) بے شک آپ فوت شدہ ہیں یعنی آپ کی روح قبض کی جانے والی ہے اسی طرح اس کا معنی ہے کہ میری روح قبض کی جانے والی ہے۔

(۶) میں بیمار ہوں یعنی عنقریب جب میرا وقت پورا ہو جائے گا تو میں مرض الموت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

تعریض اور توریہ کی تعریفات اور ان کے ثبوت میں احادیث

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۵۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ فوت ہو گیا' حضرت ابوطلحہ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے' ان کی بیوی حضرت ام سلیم نے جب دیکھا کہ بچہ فوت ہو گیا تو انہوں نے اس کو گھر کی ایک جانب لٹا دیا' اور جب حضرت ابوطلحہ گھر آئے اور بچہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اس کو آرام ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ راحت میں ہے اور حضرت ابوطلحہ نے ان کو سچی گمان کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴۴)

حضرت ام سلیم نے اپنے بچہ کی موت کو دائمی سکون سے تعبیر کیا' اس حدیث میں موت کا توریہ سکون سے کیا ہے' توریہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں قریب اور بعید' متکلم بعید معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں قریب معنی کو القاء کرے' جیسے آرام اور راحت کا بعید معنی موت ہے جس کا حضرت ام سلیم نے ارادہ کیا تھا اور اس کا قریب معنی بیماری سے شفا یاب ہونا اور آرام پانا تھا جس کا القاء حضرت ام سلیم نے حضرت ابوطلحہ کے ذہن میں کیا تھا' اسی طرح سقیم کا بعید معنی قوم کا بیمار ہونا ہے اس کا حضرت ابراہیم نے ارادہ کیا تھا اور اس کا قریب معنی خود بیمار ہونا ہے جو ان کی قوم نے سمجھا تھا۔

اسی طرح تعریض کا معنی ہے صراحۃً فعل کا اسناد جس کی طرف ہو وہ مراد نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کی بناء پر کسی اور کا ارادہ کیا جائے جیسے کوئی عورت اپنی بیٹی سے کہے کہ تم سالن خراب پکاتی ہو اور مراد اس کی بہو ہو' اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صراحۃً بت توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی لیکن مراد خود ان کی اپنی ذات تھی۔

ضرورت اور مصلحت کے وقت جھوٹ بولنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اس سے مراد تعریض ہے کیونکہ بعینہٖ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۹ ص ۵۳۵' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین الدمشقی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جھوٹ بولنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے' احیاء علوم الدین میں اس کا یہ ضابطہ مذکور ہے کہ ہر وہ نیک مقصود جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہو ان کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا حرام ہے' اور اگر اس نیک مقصود کو صرف جھوٹ بول کر حاصل کیا جا سکتا ہو تو اس کے حصول کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے' اور اگر اس نیک مقصود کا حصول واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' مثلاً کوئی شخص ایک بے قصور شخص کو دیکھے جو ایسے ظالم سے چھپا ہوا ہے جو اس کو قتل کرنا یا اس کو ایذاء پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی امانت چھیننا چاہے تو اس کو چھپانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا واجب ہے' اور اگر جنگ کا یا دو شخصوں میں صلح کرانے کا مقصود یا کسی تکلیف زدہ شخص کو آرام پہنچانے کا مقصود بھی جھوٹ کے سوا حاصل نہ ہو تو اس کے حصول کے لیے بھی جھوٹ بولنا مباح ہے' اور اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا ہو یا شراب پی ہو اور حاکم اس سے تفتیش کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا' اس لیے کہ کسی بے حیائی کا اظہار بھی بے حیائی ہے' اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کے راز کو فاش کرنے سے انکار کر دے اور اس کو چاہیے کہ وہ مقابلہ کرے کہ جھوٹ بولنے کی خرابی زیادہ ہے یا سچ بولنے کی خرابیاں زیادہ ہیں' اگر سچ بولنے کی خرابیاں زیادہ ہوں تو اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یا اس کو شک ہو تو پھر جھوٹ بولنا حرام ہے' اور اگر معاملہ اس کے اپنے نفس کے ساتھ ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے۔

(احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۲۴۔۱۲۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

احتیاط اس میں ہے کہ جن مقامات پر جھوٹ بولنا مباح ہے وہاں پر جھوٹ بولنے کو ترک کر دیا جائے' عادۃً جو مبالغہ کیا جاتا ہے وہ جھوٹ نہیں ہے' جیسے کوئی شخص کہے میں تمہارے پاس ایک ہزار مرتبہ آیا ہوں' کیونکہ اس کلام سے مبالغہ کو بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ عدد کو' اور مبالغہ کے جواز پر یہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا رہے ابوجہم تو وہ تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتے ہی نہیں (یعنی بہت مارتے ہیں)۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰)

علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ اشعار میں جو جھوٹ ہوتا ہے جب اس کو مبالغہ پر محمول کیا جا سکے تو اس کو بھی حرام قرار دینے سے مستثنیٰ کرنا چاہیے' جیسے ایک شعر میں ہے میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں اور میں کسی مجلس کو تمہارے شکر سے خالی نہیں رکھتا' کیونکہ جھوٹے شخص کا قصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جھوٹی بات کو سچا بنا کر پیش کرے اور شاعر کا قصد شعر میں سچ کا اظہار نہیں ہوتا' بلکہ شعر میں جھوٹ بولنا تو ایک فن ہے۔ علامہ رافعی اور علامہ نووی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

صاحب المجتبیٰ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مقامات کے سوا ہر جگہ لامحالہ جھوٹ لکھا جاتا ہے' مرد اپنی بیوی یا اپنے بچے سے جو بات کرتا ہے اور مرد دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جو بات کرتا ہے اور جنگ میں' کیونکہ جنگ ایک دھوکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۹۲۔۳۰۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۵۔۱۷۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۸)

امام طحاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ جن صورتوں میں کذب مباح ہے یہ صورتیں تعریض پر محمول ہیں' (علامہ شامی فرماتے ہیں:) یہ قول برحق ہے' میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جو حضرت علی اور حضرت عمران بن حصین وغیرہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۹)

اوراس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ جانا نہ چاہتا ہو تو کہہ دے: میں کھانا کھا چکا ہوں' اور یہ ارادہ کرے کہ میں کل کھانا کھا چکا ہوں' حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کلام جو بہ ظاہر جھوٹ ہے دراصل اسی طرح تعریض اور توریہ پر مشتمل ہے' لہٰذا جس حدیث میں تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اس طرح صورۃً جھوٹ بولنے پر محمول ہے جو درحقیقت تعریض یا توریہ ہو اور حقیقۃً جھوٹ بولنا حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ پر درد ناک عذاب کی وعید فرمائی ہے اور جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے' قرآن مجید میں ہے: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (البقرہ:۱۰) اور فرمایا: اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور:۷) اور حدیث میں بھی اس پر وعید ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدق نیکی کی ہدایت دیتا ہے' اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے' اور ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور کذب فجور (برے کاموں) کی طرف لے جاتا ہے اور برے کام دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۰۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۸۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۷۱' مسند احمد رقم الحدیث:۳۶۳۸' ۴۳۸' عالم الکتب' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۵۱۳۸)

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں فرمایا ہے غرض حقیقی کے لیے تعریض کے ساتھ کلام کرنا جائز ہے' جیسے مذاق میں دوسرے کا دل خوش کرنے کے لیے کوئی بات کہنا' حدیث میں ہے:

حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک بڑھیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے' آپ نے فرمایا اے ام فلاں! بے شک جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی' وہ عورت پیٹھ پھیر کر روتے ہوئے جانے لگی تو آپ نے فرمایا اس کو بتاؤ کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی' بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ○ عُرُبًا اَتْرَابًاۙ○ (الواقعہ:۳۷-۳۵)

بے شک ہم نے ان عورتوں کو خاص طرز سے پیدا کیا ہے○ سو ہم نے ان کو کنواری بنایا○ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں اور آپس میں ہم عمر۔

(شمائل ترمذی رقم الحدیث:۲۴۰' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۶۸۸' مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۳۴۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۲۷۶)

حضرت انس اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے کسی سواری پر سوار کر دیجئے آپ نے فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے' اس نے کہا میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اونٹ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۹۸' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۱' مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷' ۳' شرح السنہ رقم الحدیث:۳۶۰۵)

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کا نام ام ایمن تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کا خاوند آپ کو بلا رہا ہے' آپ نے فرمایا کیا وہ وہی شخص ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے' آپ کی مراد وہ سفیدی تھی جو آنکھ کی پتلی میں ہوتی ہے! (احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۱۶' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: العراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو الزبیر بن بکار نے کتاب الفکاہۃ والمزاح میں روایت کیا ہے اور امام ابن ابی الدنیا نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۵۰۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں: ایسی تمام صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ شارح ابن الشحنہ نے کہا ہے کہ بزازیہ میں یہ منقول ہے کہ اس کذب سے مراد تعریض اور توریہ ہے نہ کہ کذب خالص۔

(ردالمحتار ج ۹ ص ۵۲۶۔۵۲۵' ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

تحقیق یہ ہے کہ مواضع ضرورت میں بھی صراحۃً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! آپ ہم سے (بعض اوقات) خوش طبعی بھی کرتے ہیں! آپ نے فرمایا: میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے کے لیے' بیوی کو راضی کرنے کے لیے اور صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان مواقع پر بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے' کیونکہ جھوٹ بولنا فی نفسہٖ قبیح ہے اور جو چیز فی نفسہٖ قبیح ہو وہ اختلاف احوال سے حسن نہیں ہو جاتی' ان مواقع پر بھی تاویل' توریہ' تعریض کے طور پر جھوٹ بولنا جائز ہے صراحۃً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے محبت نہ کرتا ہو تو وہ اس کو راضی کرنے کے لیے یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں حالانکہ وہ اس سے بغض رکھتا ہو تو یہ خالص جھوٹ ہوگا اور اس کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقے میں جہاد کے لیے جاتے اور لوگوں کو اس علاقہ پر مطلع کرنا نہ چاہتے تو صراحۃً کسی اور علاقے کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ کسی اور علاقہ کا ذکر تاویل اور توریہ سے کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ غزوہ کے لیے جائیں اور اس جگہ کا نام بتادیں آپ بہ طور توریہ کسی اور جگہ کا ذکر فرماتے تھے سوائے غزوہ تبوک کے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی میں غزوہ تبوک کے لیے گئے' اور دور دراز کا سفر اختیار کیا اور بڑی تعداد میں دشمنوں کا سامنا کیا اور مسلمانوں کو ان کا حال بتادیا تاکہ وہ اچھی طرح دشمن سے مقابلہ کی تیاری کرلیں اور آپ نے مسلمانوں کو بتادیا کہ آپ کہاں جانے کی تیاری کررہے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۴۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۲' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۸۸۲' عالم الکتب بیروت)

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کی بیماری کو طاعون سمجھا تھا؟

الصّٰفّٰت: ۹۰ میں ہے: سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے۔

سو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں تو وہ پیٹھ موڑ کر آپ کے پاس سے چلے گئے' ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری متعدی ہو کر ان کو نہ لگ جائے' بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس بیماری سے مراد طاعون کی بیماری تھی' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں طاعون پھیلا ہوا تھا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ طاعون ایک سے دوسرے کو لگ جاتا ہے' لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے طاعون کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی تھی ان پر طاعون عذاب کی صورت میں نازل کیا گیا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا ہے؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے اوپر بھیجا گیا تھا یا تم سے پہلے لوگوں پر پس جب تم یہ سنو کہ کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو تم وہاں نہ جاؤ' اور جب تم کسی علاقے میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو تم وہاں سے نکل کر نہ بھاگو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۱۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۵)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں بہ طور شک روایت ہے کہ طاعون بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا' یا ہم سے پہلے لوگوں پر' لیکن صحیح ابن خزیمہ میں جزم کے ساتھ روایت ہے کہ طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی جماعت پر بھیجا گیا تھا۔

(فتح الباری ج ۱۱ص ۳۳۶' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بنی اسرائیل کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے بہت بعد ہے' اور جب طاعون کی ابتداء بنی اسرائیل پر عذاب سے کی گئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر طاعون کا پھیلنا بہت بعید از قیاس ہے' اغلب یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہیں تو انہوں نے عید کے میلہ میں آپ کے نہ جانے کو ایک عذر خیال کیا اور وہ آپ کے پاس سے چلے گئے۔

یمین اور یزفون کا معنی

الصّٰفّٰت: ۹۴۔۹۰ میں فرمایا: سو وہ پیٹھ موڑ کر ان کے پاس سے چلے گئے O پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم کیوں نہیں کھاتے؟O تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟O پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی O پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے O

اس آیت میں راغ کا لفظ ہے اس کا مصدر روغ ہے' روغ کا معنی ہے چپکے سے کسی کی طرف جانا اور خفیہ داؤ گھات لگانا' جب لومڑی مکر اور فریب سے کوئی چال چلتی ہے تو کہتے ہیں راغ الثعلب' کوئی شخص مکر و فریب سے کسی شخص سے کام نکالے تو اس کو بھی راغ کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ص ۲۷۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان کے بت خانہ میں گئے اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا: تم کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ ان کی قوم کے کافر لوگ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں لے جا کر رکھتے تھے تاکہ ان کو ان بتوں کا تقرب حاصل ہو اور وہ طعام ان کے پاس رکھے جانے سے متبرک ہو جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بتوں کے پاس طعام رکھ کر گئے تھے کہ وہ میلہ سے واپس آ کر اس طعام کو کھالیں گے اور ان بتوں کے پاس وہ طعام اس لیے چھوڑا تھا کہ وہ طعام متبرک ہو جائے' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے بت خانے کے خادموں کے لیے وہ طعام چھوڑا تھا اور ایک قول یہ ہے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس وہ کھانے پینے کی چیزیں رکھیں اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟

اس آیت میں یمین کا لفظ ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے کلہاڑا اٹھا کر ان بتوں پر ضربات لگائیں' دائیں ہاتھ کا اس لیے ذکر فرمایا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوی ہوتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یمین سے مراد دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ یمین سے مراد قسم ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے قسم کھا کر فرمایا تھا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ O اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ تمہارے معبودوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ○ پھر ابراہیم نے ان تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ماسوا (ان کے) بڑے بت کے تا کہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ (الانبیاء: ۵۸۔۵۷)

ان کی قوم یا عید یا جشن منانے گئی تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ موقع غنیمت جان کر ان تمام بتوں کو توڑ دیا صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا' بعض نے کہا کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں چھوڑ دی تا کہ جب وہ عید کے میلہ یا جشن سے فارغ ہو کر آئیں تو اس کارروائی کے متعلق اس بڑے بت سے ہی پوچھیں۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے جیسا کہ اس آیت میں یمین سے مراد عدل ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ (الحاقۃ: ۴۴) اور اگر اس نبی نے ہم پر کوئی بات گھڑی ہوتی ○ تو ہم نے ضرور ان کو عدل کے ساتھ پکڑ لیا ہوتا۔

عدل کے لیے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے اور ظلم کے لیے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے' اسی طرح معاصی کے لیے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے اور اطاعت کے لیے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے' پس مسلمان کے لیے یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے' اس لیے قیامت کے دن مسلمان کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ سے جو بیعت کی تھی اس کو پورا کر دیا اور عدل کیا اور کافر کے بائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا کیونکہ اس نے بیعت کو توڑ دیا اور ظلم کیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کی قوم کے لوگ ان کی طرف بھاگتے ہوئے آئے۔

اس آیت میں یزفون کا لفظ ہے: زف الابل کا معنی ہے اونٹ تیز تیز چلے' اصل میں زفیف کا معنی ہے تیز ہوا چلنا' شتر مرغ جو پرندوں سے ملنے کے لیے بھاگتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں' دلہن کو جو دولہا کے پاس بھیجا جاتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں (المفردات ج ۱ ص ۲۸۱)۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے تیز رفتاری اور آہستہ آہستہ چلنے کے مابین درمیانی رفتار سے چلنا' ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے وہ بھاگ رہے تھے' یحیٰی بن سلام نے کہا وہ غیظ و غضب سے بھاگتے ہوئے آ رہے تھے' مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے وہ تکبر سے چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

اس پر عقلی اور نقلی دلائل کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے

الصّٰفّٰت: ۹۶۔۹۵ میں ہے: ابراہیم نے کہا تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو ○ حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے ○

ان کی قوم نے جب اپنے خود ساختہ خداؤں کے ٹکڑوں کو ٹوٹنے کے بعد بکھرے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے ہی تراش کیے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے یعنی تم جن بتوں کی پرستش کر رہے ہو ان کو جن لکڑیوں' پتھروں اور مٹی سے تم نے بنایا ہے ان چیزوں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے تو یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوئے۔

اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ بندہ اپنے افعال کا' کاسب ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' اور قدریہ کا مذہب یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ بندہ مجبور محض ہے' اس کے افعال میں اس کا کوئی کسب اور اختیار نہیں

ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہر صانع اور اس کی صفت کا خالق ہے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے موافق ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۱ اقدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۸۵ جدید' الاحسان ج ۲ ص ۵۰' کنز العمال ج ۱ ص ۲۶۳)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے' خواہ بندہ کا فعل کفر ہو یا ایمان' اطاعت ہو یا معصیت' اس کے برعکس معتزلہ کا یہ فاسد گمان ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے' ان میں سے متقدمین تو بندہ کو خالق کہنے سے اجتناب کرتے تھے اور بندہ کو موجد اور مخترع کہتے تھے' لیکن جبائی اور اس کے متبعین نے یہ دیکھا کہ ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا تو انہوں نے دلیری سے بندہ پر خالق کا اطلاق کر دیا' اور اہل حق جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہو تو وہ اپنے افعال کی تفاصیل کا ضرور عالم ہوگا' کیونکہ جب تک کسی چیز کی تفاصیل کا علم نہ ہو انسان اس کو وجود میں نہیں لا سکتا' اور انسان کو اپنے افعال کی تفاصیل کا علم نہیں ہوتا' کیونکہ جب انسان ایک جگہ سے چل کر دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے چلنے میں معین تعداد میں قدم اٹھتے ہیں کبھی تیز اور کبھی آہستہ اور اس کو بالکل شعور نہیں ہوتا کہ اس کے چلنے میں کتنے قدم اٹھے اور اس میں کتنا وقت صرف ہوا' کتنے قدم تیز تھے اور کتنے آہستہ' اور اس سے اس کے متعلق اگر سوال بھی کیا جائے تو وہ جواب نہیں دے سکتا یہ تو ان افعال کا حال ہے جو بالکل ظاہر ہیں' اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ کسی چیز کو پکڑنے اور چھوڑنے میں اس کے کتنے اعضاء نے حرکت کی اس کے اعصاب سکڑنے اور پھیلنے کا عمل کتنی بار ہوا تو اس کی بے شعوری اور لاعلمی اور بھی زیادہ ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ. (الصّٰفّٰت:۹۶) اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ. (المومن:۶۲) یہی ہے اللہ! جو تمہارا رب ہے' جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

اور ہر چیز میں بندے کے اعمال بھی داخل ہیں' سو وہ ان کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ. (النحل:۱۷) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مثل ہے جو کچھ پیدا نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کو اپنی مدح میں اور اپنی عبادت کے استحقاق میں بیان فرمایا ہے یعنی عبادت کا مستحق وہی ہے جو خالق ہو۔

معتزلہ نے یہ کہا کہ ہم خود سے چلنے والے اور رعشہ والے کی حرکت میں فرق کو دیکھتے ہیں' خود سے چلنے والا اپنے اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ والا بغیر اختیار کے حرکت کرتا ہے' نیز اگر بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو نیک افعال پر مدح اور برے افعال پر مذمت' اور نیک افعال پر ثواب اور برے افعال پر عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہوگی کیونکہ نیک اور برے افعال سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جبریہ پر وارد ہوتا ہے جو کسب اور اختیار کی

بالکل نفی کرتے ہیں' رہے ہم تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ جس فعل کا کسب کرتا ہے اور اس کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۶۲-۶۰' ملخصا مطبوعہ کراچی)

حضرت ابراہیم پر آگ کے ٹھنڈی ہونے کی تفصیل

الصّٰفّٰت: ۹۸-۹۷ میں ہے: انہوں نے کہا ان کے لیے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو O انہوں نے ابراہیم کے خلاف سازش کا ارادہ کیا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا O

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے بتوں کی الوہیت کے باطل ہونے پر قوی دلیل پیش کی اور وہ اس دلیل کا جواب دینے پر قادر نہ ہوئے تو انہوں نے آپ کو ضرر پہنچانے کا طریقہ اختیار کیا اور کہا ان کے لیے ایک عمارت بناؤ' قرآن مجید میں اس عمارت کی ساخت اور اس کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے البتہ امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی التوفی ۴۲۷ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ نے اس سلسلہ میں یہ روایت ذکر کی ہے:

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ان کے لیے ایک پتھر کی عمارت بناؤ جس کا طول تیس ہاتھ ہو اور اس کا عرض بیس ہاتھ ہو اور اس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اس میں آگ لگا دو' پھر ابراہیم کو اس آگ میں پھینک دو۔

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۴۹' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۵)

اس آگ کے لیے قرآن مجید میں جحیم کا لفظ ہے اور جحیم اس آگ کو کہتے ہیں جو بہت عظیم آگ ہو' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق فرمایا تو ہم نے ان ہی کو نیچا کر دیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحث کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بحث اور مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غالب اور ان کو مغلوب کر دیا اور جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آگ کا ضرر دور کر دیا اور ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ امام ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں اور اس حدیث کو حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر التوفی ۵۷۱ھ نے بھی روایت کیا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے لیے لکڑیوں کو جمع کیا' حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کروں گی' پھر انہوں نے اتنی زیادہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی کہ اگر اس کی سمت سے پرندے گزرتے تو آگ کی تپش سے جل جاتے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو' آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں اور فرشتوں نے فریاد کی کہ اے خدا! تیرے نام کی سربلندی کی پاداش میں ابراہیم کو جلایا جا رہا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اس کا علم ہے اگر وہ تم کو پکارے تو تم اس کی فریاد رسی کرنا' اور حضرت ابراہیم نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے خدا! تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں' اور میرے سوا زمین پر کوئی اور بندہ نہیں ہے جو تیری عبادت کرے' مجھے اللہ کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے' تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی بن جا۔

(الانبیاء: ۶۹)

(الدر المنثور ج ۷ ص ۹۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۵-۱۹۴' رقم الحدیث: ۱۶۵۰-۱۶۴۹)

فاکہہ بن مغیرہ کی باندی بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو میں نے ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا' میں نے پوچھا اے ام المومنین! آپ اس نیزہ سے کیا کرتی ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس سے چھپکلیوں کو مارتی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو چھپکلی کے سوا زمین کا ہر جانوران کی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور چھپکلی پھونک مار کر اس آگ کو بھڑکا رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے قتل کا حکم دیا۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۸۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۳۱' مسند احمد ج ۶ ص ۸۳' تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۳۔۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۶۴۶۔۱۶۴۵۔۱۶۴۳۔۱۶۴۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چھپکلی کو مار دیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ جلائی گئی تو اس نے آگ جلانے میں مدد کی تھی۔ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۱۹۲' رقم الحدیث: ۱۶۴۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی آزمائش میں مبتلا کرنے کی حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا گیا' اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ابتداءً آپ کے مخالف کفار کو اس پر قدرت نہ دیتا کہ وہ آپ کو آگ میں ڈالتے' یا آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کوئی ایسی تدبیر فرما دیتا کہ آپ اس شہر سے نکل جاتے اور آپ کے مخالف بت پرستوں کو آپ پر غلبہ حاصل نہ ہوتا اور وہ آپ کو گرفتار کر کے اس مکان میں بند نہ کر پاتے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور بت پرستوں کے لیے یہ موقع مہیا کیا کہ وہ آپ کو اس بہت بڑی آگ میں ڈال دیں' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) لوگوں کے سامنے یہ مثال اور یہ نمونہ مہیا کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مقرب بندے اللہ کی راہ میں جان دینے سے نہیں گھبراتے اور توحید کی سربلندی کے لیے ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔

(۲) ان کی قوم سورج' چاند' ستاروں کی پرستش کرتی تھی اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا کہ آگ اپنی ذات میں کوئی طاقت نہیں رکھتی نہ اس میں فی نفسہ کوئی تاثیر ہے اس کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے' وہ چاہے تو اس میں جلانے کی تاثیر ہو گی اور وہ نہ چاہے تو اس میں یہ تاثیر نہیں ہو گی' وہ اپنی ذات میں ٹھنڈی ہے نہ گرم ہے' وہ جب چاہے اس میں گرمی پیدا کر دے اور جب چاہے اس میں ٹھنڈک پیدا کر دے۔

(۳) جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے اور جب آپ ان کی پشت میں موجود تھے تو آگ ان کو کیسے جلا سکتی تھی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں چند اشعار پڑھے ان میں یہ شعر بھی تھا:

وردت نار الخلیل مستترا — فی صلبہ انت کیف یحترق

حضرت خلیل اللہ کی آگ میں آپ بھی پوشیدہ طور پر وارد تھے اور جس کی پشت میں آپ موجود ہوں اس کو آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے ان اشعار کو المستدرک اور دلائل النبوت کے حوالے سے ذکر کیا ہے' المستدرک ج ۳ ص ۳۲۷' اور دلائل النبوت ج ۵ ص ۲۶۸ میں ان اشعار کا ذکر ہے' لیکن ان میں مذکور الصدر شعر ذکر نہیں ہے' یقیناً حافظ

سیوطی کے سامنے ان کتابوں کا جو نسخہ ہو گا ان میں یہ شعر بھی مذکور ہو گا اور ان کتابوں کے ناشر کو جو مخطوطہ ملا ہو گا ان میں یہ شعر مذکور نہیں ہو گا یا کسی وجہ سے طباعت سے رہ گیا ہو گا بہر حال حافظ سیوطی کے درج ذیل اشعار میں اس شعر کا بھی ذکر ہے۔

(الخصائص الکبریٰ ج ا ص ۶۷' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ آگ بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اور جب آپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے تو آگ آپ کو کیسے جلا سکتی تھی' ہر چیز آپ کو پہچانتی ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس.

ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوا فاسق جنات اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲' رقم الحدیث: ۶۷۲)

(۵) حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں ڈالنے اور آگ کے آپ کو ضرر نہ پہنچانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے اور کائنات کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا' حضرت ابراہیم کا اس پر ایمان تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ان کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور موت اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آ سکتی اس لیے جب ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ان کو آگ میں ڈال دو' تو حضرت ابراہیم ذرا نہیں گھبرائے' اور کسی قسم کے خوف اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا' اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر زہر کھا لیا تھا اور آپ کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۴۸۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

(۶) اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ نبی اپنے وطن سے دوسرے علاقے کی طرف ہجرت اس وقت کرتا ہے جب اس کے وطن میں اس کے مخالف کفار اس کی جان کے دشمن ہو جائیں اور اس کو سلامتی کے ساتھ اپنے وطن میں نہ رہنے دیں' جیسے جب مصر میں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن ہو گئے اور آپ کو قتل کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں تو وہ مصر سے مدین کی طرف ہجرت کر گئے' اور اسی طرح جب زمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ان کو قتل کرنے لگے تو انہوں نے آسمانوں کی طرف ہجرت کی' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قتل کرنے کی سازشیں کی جانے لگیں تو آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی' اسی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفار سے دشمنی جب ان کو جلانے کی سازش کی صورت میں ظاہر ہوئی تو آپ کو عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا' سو آپ کو آگ میں ڈالے جانے کا یہ واقعہ آپ کی ہجرت کا سبب بنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی زیادہ تفصیل الانبیاء: ۶۸' تبیان القرآن ج ۷ ص ۶۱۲۔۶۰۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں اب تم غور کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ

مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O (الصّٰفّٰت: ۱۰۸۔۹۹)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اولین مہاجر ہونا

الصّٰفّٰت: ۹۹ میں ہے: اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی کرے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس جگہ اسلام دشمن لوگ زیادہ ہوں اور ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے انسان کی جان، اس کی عزت اور اس کا مال خطرہ میں ہو اس پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کے لوگوں سے شدید عداوت اور خطرہ محسوس کیا تو آپ نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد فرما لیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہجرت اور ایام فتنہ کی عزلت نشینی کی اصل ہے، اور جس شخص نے اس پر سب سے پہلے عمل کیا وہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ سے نجات دی تو آپ نے کہا "میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں" یعنی اپنی قوم اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس جگہ جانے والا ہوں جہاں میں آسانی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں، عنقریب میرا رب میری اس چیز کی طرف رہ نمائی کرے گا جس کا میں نے نیک نیتی سے قصد کیا ہے، مقاتل نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی مخلوق میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے ارض مقدسہ یعنی شام اور فلسطین کی طرف ہجرت کا قصد کیا، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے حران کی طرف ہجرت کی تھی اور ایک مدت تک وہاں رہے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۸۹)

عزلت نشینی کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے اچھا شخص کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو اپنی جان اور مال سے جہاد کرے اور وہ شخص جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چلا جائے، وہاں اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کے شر کی وجہ سے ان کو چھوڑ دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۸۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۸۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۷۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۶، المستدرک ج ۲ ص ۷۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۲۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان شخص کا سب سے بہترین مال ایک بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش نازل ہونے کی جگہوں پر جائے گا، اپنے دین کو بچانے کے لیے فتنوں کے شر سے بھاگے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶)

حضرت ام مالک البہز یہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو بہت قریب بتایا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ ایام فتنہ میں سب سے بہتر شخص کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کے دشمنوں کا پیچھا کرے وہ ان کو بھگائے اور وہ اس کو بھگائیں (یعنی ان سے مقابلہ کرے) اور وہ شخص جو جنگل میں

عزلت نشینی کرے اور اس پر جو حق ہے وہ ادا کرے)۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ص ۳۶۷ طبع قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۲۶' المستدرک ج ۴ص ۴۹۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۷' مسند احمد ج ۶ص ۴۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے لوگو! تم کو فتنے اس طرح ڈھانپ لیں گے جس طرح اندھیری رات میں اوپر تلے اندھیرے آتے ہیں اس زمانہ میں سب سے زیادہ نجات یافتہ شخص وہ ہوگا جو (جنگل میں) اپنی بکریوں کے دودھ پر گزارہ کرے یا وہ شخص دروازہ سے باہر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر جائے اور اپنی تلوار سے کھائے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ص ۳۶۸ قدیم' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۹۲۸' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اسلام (کے درجات) کی کوئی انتہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں عرب یا عجم کے جس گھر والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے ان کے اوپر اسلام کو داخل فرما دیتا ہے' پھر اس طرح فتنے برپا ہوں گے گویا کہ وہ سائبان ہیں اور فرمایا کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تم ان فتنوں میں لوٹ جاؤ گے گویا کہ سانپ ڈسنے کے لیے پھن اٹھائے کھڑا ہو! تم میں سے بعض' بعض کی گردنوں پر وار کریں گے' اور ایک روایت میں ہے تم میں سے سب سے افضل وہ مومن ہوگا جو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں عزلت نشین ہوگا وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہوگا اور لوگوں کو ان کے شر کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔ (مسند احمد ج ۳ص ۴۷۷' المعجم الکبیر ج ۱۹ص ۱۹۹۔۱۹۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۳۵۵۔۳۳۵۴۔۳۳۵۳)

عزلت نشینی کی فضیلت اور استحباب کے متعلق فقہاء اسلام کے مختلف اقوال

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی فضیلت ہے' اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ آپ کے بعد فتنے رونما ہوں گے تو اس وقت لوگوں سے میل جول رکھنے کی بہ نسبت ان سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی میں فضیلت ہے' خصوصاً جو لوگ جہاد کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں' یا وہ زمانہ جہاد کا نہ ہو' یا مسلمانوں کو ان کے علوم سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو' ان احادیث میں پہاڑوں کی گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے اور خصوصاً ان جگہوں پر جانا مراد نہیں ہے ان کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ عام طور پر عزلت نشینی کے لیے لوگ ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کیونکہ عموماً ایسے مقامات پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہوتا' ایک اور حدیث میں گھر میں گوشہ نشین رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ص ۳۱۰' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کس طرح حاصل ہوگی؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶' مسند احمد ج ۴ص ۱۴۸' الکامل لابن عدی ج ۴ص ۱۶۳۲' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں ان علماء کی دلیل ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر عزلت نشینی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے' امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اگر فتنہ سے سلامتی کی توقع ہو تو گوشہ نشین رہنے کی بہ نسبت لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے' اور بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ عزلت نشینی افضل ہے' اور جمہور علماء نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں عزلت نشینی افضل ہے' اور ان احادیث کا یہی محمل ہے' یا یہ احادیث ان لوگوں کے لیے

ہیں جو لوگوں کے ضرر سے محفوظ نہ رہ سکیں' یا جو لوگ فتنہ بازوں کے ضرر پر صبر نہ کر سکیں' انبیاء علیہم السلام' جمہور صحابہ' تابعین' علماء اور زھاد وغیرھم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے' اور اجتماعی منافع کو حاصل کرتے تھے' پانچوں نمازیں باجماعت پڑھتے تھے اور جمعہ' نماز جنازہ اور عیدین پڑھتے تھے' مریضوں کی عیادت کرتے تھے' وعظ و نصیحت کرتے اور ذکر کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۵۲۳۰' مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اگر عزلت نشینی کا صرف یہی فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے انسان غیبت کرنے سے محفوظ رہتا ہے اور اس برائی کے دیکھنے سے بچا رہتا ہے جس کے ازالہ پر وہ قادر نہیں ہے تو یہ بھی عزلت نشینی کی فضیلت کے لیے بہت کافی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فتنوں کے ایام میں گوشہ نشین ہونا افضل ہے' سوا اس صورت کے کہ انسان ان فتنوں کو زائل کرنے پر قادر ہو اس وقت اس پر واجب ہے کہ وہ ان فتنوں کے ازالہ کے لیے سعی اور جدو جہد کرے' اور یہ ازالہ اس کے حال اور اس کی قدرت کے اعتبار سے فرض عین ہوگا یا فرض کفایہ ہوگا' اور جب فتنوں کے ایام نہ ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اب عزلت نشینی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے' علامہ نووی نے کہا کہ امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس میں بہت سے فوائد کا حصول ہے' اور شعائر اسلام میں حاضر ہونے کا موقع ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں کثرت کا اظہار ہے اور ان کو خیر پہنچانے کا فائدہ ہے' بیماروں کی عیادت' جنازوں کا پڑھنا' ایک دوسرے کو سلام کرنا' نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا' نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تعاون کرنا' ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور اس طرح کے اور بہت سے ایسے کام ہیں جن پر ہر مسلمان قادر ہوتا ہے' اور اگر وہ شخص عالم دین اور صاحب طریقت ہو تو اجتماعی معاشرہ میں رہنے کی فضیلت اور بھی موکد ہو جاتی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا ہے کہ ان ایام میں بھی عزلت نشینی افضل ہے بشرطیکہ اس کو ان عبادات کرنے کے طریقوں کا علم ہو جو اس پر لازم ہیں اور جن کو ادا کرنے کا وہ مکلف ہے' اور مختار یہ ہے کہ اجتماعی معاشرہ میں رہنا افضل ہے جب کہ اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوگا۔

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ انسان گوشہ تنہائی میں رہے کیونکہ بہت کم مجلسیں گناہوں سے خالی ہوتی ہیں (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں بھی اس قول کے موافق ہوں' کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا صرف برائیوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے' ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنوں سے احتراز کرنا چاہیے' اور متقدمین کی ایک جماعت فتنوں کے خوف سے اپنے وطن سے نکل گئی' حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں مدینہ سے نکل کر ربذہ میں چلے گئے تھے' اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی کہ آخر زمانہ میں لوگوں میں فتنہ اور فساد ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۴-۲۶۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

غور فرمائیے علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ اور علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کے

ساتھ مل جل کر رہنے میں فسق و فجور اور انواع و اقسام کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے اب گوشہ نشینی میں عافیت ہے اور خلوت گزینی افضل ہے' تو سوچئے کہ اب ۱۴۲۴ھ میں حالات کس قدر دگرگوں ہو چکے ہیں اور اب عزلت نشینی کس قدر اہم اور ضروری ہو گئی ہے' اس لیے اس ناکارہ نے بھی اب گوشہ نشینی کو اختیار کر لیا ہے' دارالعلوم کے گوشہ عافیت میں بیٹھ کر درس بخاری اور تصنیف و تالیف کو لازم کر لیا ہے اور اجتماعی مجالس اور محافل میں جانے کو بالکل ترک کر دیا ہے۔

میری زندگی اب فاضل بریلوی کی اس رباعی کے مصداق ہے:

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن	نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
نہ مجھے کسی کی تعریف و تحسین سے خوشی ہوتی ہے نہ کسی کے طعنوں سے رنج ہوتا ہے	نہ میں کسی کی تعریف سنتا ہوں نہ مجھے کسی کی مذمت کرنے کا ہوش ہے
منم و کنج خمولی کہ نگنجند دروے	جز من و چند کتابے و دوات و قلمے
میں ایک گوشہ گمنامی میں ہوں کہ اس میں	چند کتابوں اور قلم دوات کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے

بعض محبین جھے اپنی محافل اور مجالس میں بہ اصرار بلاتے ہیں ان سے گذارش ہے کہ مجھے اپنے حال میں رہنے دیں۔

الصّٰفّٰت: ۹۹ کے بعد الصّٰفّٰت: ۱۱۱۔۱۰۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کی قربانی کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں ہم ان شاء اللہ دلائل سے واضح کریں گے کہ آپ کے یہ بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے' اور اس کے بعد قربانی سے متعلق تمام امور کو احادیث اور مذاہب اربعہ کی کتب سے بیان کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صالح بیٹے کو طلب کرنا اور اس کی توجیہ

الصّٰفّٰت: ۱۰۰ میں ہے: اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرماO

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ اے رب مجھے نیک بیٹا عطا فرما جو ان لوگوں میں سے ہو جو تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری نافرمانی نہیں کرتے اور زمین میں اصلاح کرتے ہیں اور فساد نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ایک صالح کو ہبہ کرنے کا سوال ہے' ہر چند کہ قرآن مجید میں بھائی کے لیے بھی ہبہ کا لفظ آیا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا. اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون نبی ہبہ فرمائے۔ (مریم: ۵۳)

لیکن قرآن مجید میں زیادہ تر بیٹے کے لیے ہبہ کا لفظ ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ. (الانبیاء: ۷۲) اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب ہبہ فرمائے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى. (الانبیاء: ۹۰) اور ہم نے زکریا کو یحییٰ ہبہ فرمائے۔

سو اسی اسلوب سے اس آیت میں بھی ہبہ کا لفظ بیٹے کے لیے ہے اور اس آیت کا معنی ہے اے میرے رب! مجھے ایسا بیٹا ہبہ فرما جو صالحین میں سے ہو' اور اپنے بیٹے کے لیے صالح ہونے کی اس لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے خود اپنے لیے بھی صالحیت کی دعا کی تھی:

رَبِّ هَبۡ لِیۡ حُكۡمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ۔ (الشعراء:۸۳) اے میرے رب مجھے قوت فیصلہ عطا فرمادے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔

حلیم کا معنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلیم ہونا

الصّٰفّٰت: ۱۰۱ میں ہے: سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O

اس آیت میں غلام کا لفظ ہے' جب بچہ پالنے میں ہوتو اس کو طفل کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سال سے کم ہوتو اس کو صبی کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سال سے متجاوز ہو اور وہ بلوغت کے قریب ہوتو اس کو غلام کہتے ہیں اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کو شاب (نوجوان) کہتے ہیں اور بیس سال سے تیس سال تک کی عمر والے کو رجل (مرد) کہتے ہیں اور تیس سال سے چالیس سال تک کی عمر والے کو کہول (ادھیڑ عمر والا) کہتے ہیں اور چالیس سال سے ساٹھ سال کی عمر والے کو شیخ کہتے ہیں اور ساٹھ سال سے ستر اسّی سال والے کو شیخ فانی کہتے ہیں' مصنف اب ۶۸ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے دیکھئے اب کب بلاوا آتا ہے' اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی کے ساتھ اور چلتے ہاتھ پیروں کے ساتھ اپنے جوار رحمت میں بلائے۔ (آمین)

اور اس آیت میں اس لڑکے کی صفت حلیم (بردبار) ذکر فرمائی ہے' حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کام سکون اور اطمینان سے کرے' جلدی نہ کرے۔ اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرے اور اگر کوئی کام اس کے مزاج اور مرضی کے خلاف ہو جائے تو غصہ اور غضب میں نہ آئے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تین بشارتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا یعنی مذکر ہوگا' دوسری یہ کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچہ کو حلم اور بردباری سے متصف نہیں کیا جاتا اور تیسری بشارت یہ ہے کہ وہ حلیم اور بردبار ہوگا۔

اور اس بیٹے میں اس سے بڑھ کر اور کون سا حلم ہوگا کہ جب انہوں نے اس بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اور انہوں نے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم اور بردبار بیٹے کی اس لیے بشارت دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی حلیم تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ O (التوبہ: ۱۱۴) بے شک ابراہیم بہت سوز و گداز والے حلیم تھے۔

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ O (ھود: ۷۵) بے شک ابراہیم ضرور حلیم تھے' بہت سوز و گداز والے' اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۱-۱۰۲ میں ہے: پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ! عنقریب مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم! O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O ابراہیم پر سلام ہو O ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں

میں سے ہیں O

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا پس منظر اور پیش منظر

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرؑ سے ملاقات کے لیے جاتے تو صبح کے وقت براق پر سوار ہو کر شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ پہنچ کر آرام کرتے اور شام کے وقت مکہ سے روانہ ہوتے اور رات کے وقت شام میں اپنی بیوی (حضرت سارہ) کے پاس پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کے بیٹے (حضرت اسماعیل) جب کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی عبادت کریں گے اور اس کے حرم کی تعظیم کریں گے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

نیز امام محمد بن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا یہ رسی اور چھری لو اور ہمارے ساتھ اس گھاٹی میں چلو تاکہ ہم گھر والوں کے لیے لکڑیاں چن کر لائیں' انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کس لیے اس گھاٹی میں جا رہے ہیں' تب اللہ کا دشمن ابلیس ایک آدمی کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر ملا' تاکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رکھے اور آ کر کہا اے بزرگ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے ایک کام سے اس گھاٹی میں جا رہا ہوں! شیطان نے کہا میرا گمان ہے کہ آپ کے پاس خواب میں شیطان آیا ہے اور اس نے آپ کو اس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور فرمایا: اے اللہ کے دشمن میرے پاس سے دفع ہو جا! پس اللہ کی قسم! میں اللہ کے حکم پر ضرور عمل کروں گا! جب اللہ کا دشمن ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا تو پھر وہ ان کے بیٹے کے پاس پہنچا وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' ان سے اس نے کہا اے بیٹے! کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم اس گھاٹی سے لکڑیاں چننے جا رہے ہیں! شیطان نے کہا اللہ کی قسم! وہ تم کو صرف ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں! انہوں نے پوچھا کیوں؟ شیطان نے کہا ان کا گمان ہے کہ ان کے رب نے انہیں یہ حکم دیا ہے' انہوں نے کہا پھر ان کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کریں۔

پھر وہ ایک آدمی کے بھیس میں اس بیٹے کی ماں کے پاس گیا اور ان سے کہا کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم تمہارے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں' انہوں نے کہا وہ اس گھاٹی میں لکڑیاں چننے گئے ہیں' شیطان نے کہا نہیں! اللہ کی قسم! وہ صرف اس کو ذبح کرنے کے لیے ساتھ لے کر گئے ہیں' ان کی والدہ نے کہا نہیں وہ اپنے بیٹے پر بہت شفقت کرتے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں' شیطان نے کہا ان کا یہ گمان ہے کہ ان کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں' ان کی والدہ نے کہا اگر ان کے رب نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے بہت اچھا کیا کہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا! اور اللہ کا دشمن ابلیس ناکام اور نامراد ہو کر غیظ و غضب میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس لعین نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کو بہکانے کا جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ خائب و خاسر رہا۔

جب حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گھاٹی میں پہنچے اور وہ ثبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی تھی' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں' اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ ان کے بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے' آپ ان شاء اللہ مجھے صبر

کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

امام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابا جان! اگر آپ نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں تاکہ میرے خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑیں' اور میرا اجر کم نہ ہو' کیونکہ موت بہت سخت ہوتی ہے اور میں ذبح کے وقت اپنے تڑپنے اور پھڑ کنے سے مامون نہیں ہوں اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لیں تاکہ وہ مجھ پر آسانی سے گزر جائے اور جب آپ مجھے ذبح کرنے کے لیے لٹائیں تو مجھے منہ کے بل لٹائیں اور مجھے پہلو کے بل نہ لٹائیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ کی نظر میرے چہرے پر پڑے گی تو آپ کے دل میں رقت پیدا ہو گی اور وہ رقت آپ کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے مانع ہو گی' اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری قمیص میری ماں کو لے جا کر دے دیں' اس سے ان کو تسلی ہو گی اور ان کو مجھ پر صبر آ جائے گا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے تم اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے کیسے عمدہ مددگار ثابت ہو رہے ہو! پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا ان کو اچھی طرح باندھ دیا' پھر اپنی چھری کو تیز کیا اور پھر ان کو پیشانی کے بل گرا دیا' اور ان کے چہرے کی طرف سے اپنی نظر ہٹالی' پھر ان کے حلقوم پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اس چھری کو پلٹ دیا' حضرت ابراہیم نے اس چھری کو پھر اپنی طرف کھینچا تاکہ اس عمل سے فارغ ہوں' تو ایک ندا کی گئی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا' یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے' اپنے بیٹے کے بدلہ میں اس کو ذبح کر دو' اللہ عزوجل نے فرمایا جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا' حالانکہ ذبیحہ کو چہرے پر گرایا جاتا ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت اسماعیل نے اپنے والد کو مشورہ دیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ حدیث صادق ہے اور قرآن مجید کے مطابق ہے۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۱۹۵' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۶۳' تفسیر ثعلبی ج ۸ ص ۱۵۴' معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۶' خازن ج ۴ ص ۲۴' المستدرک ج ۲ ص ۲۵۵' الکشاف ج ۴ ص ۵۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے مینڈھے کا مصداق

الصّٰفّٰت: ۱۰۷ میں ہے: اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت سے ایک مینڈھا باہر لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چر رہا تھا' حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر جمرہ اولیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر جمرہ وسطیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر جمرہ کبریٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں' پھر منیٰ میں قربانی کی جگہ گئے اور وہاں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' بے شک اوائل میں اس مینڈھے کا سر اس کے دو سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر سوکھ کر خشک ہو چکا تھا۔

نیز امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم کو حج کے افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان آپ کے پاس آیا' پھر حضرت جبریل آپ کو جمرۃ العقبہ پر لے گئے آپ کے پاس پھر شیطان آیا آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا' پھر آپ چلے گئے تو جمرہ وسطیٰ کے پاس شیطان آیا آپ نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں' تو وہ چلا گیا' پھر آپ نے حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا' اور حضرت اسماعیل پر سفید قمیص تھی' انہوں نے کہا اے ابا جان میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں' آپ اس کو اتار کر رکھ لیں اور اسی میں مجھ کو کفن دیں' پھر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑی آنکھوں والا اور

سفید سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہوا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا' حضرت ابن عباس نے کہا ہم اسی وجہ سے اسی طرح کا مینڈھا قربانی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس مینڈھے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قربانی کی تھی اور ان کی قربانی قبول کر لی گئی تھی اور وہ مینڈھا سرمگیں تھا اور اس کا اون سرخ رنگ کا تھا۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۱ص ۱۹۵۔۱۹۲ مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اور امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۳۰ھ نے بھی حضرت اسماعیل کو ذبح کیے جانے کے واقعہ کو اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(المنتظم ج ۱ص ۱۶۸۔۱۶۷' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' الکامل فی التاریخ ج ۱ص ۶۴۔۶۳' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۰ھ)

مفسرین میں سے امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المتوفی ۴۲۷ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ' اور علامہ علاؤ الدین علی بن الخازن المتوفی ۷۲۵ھ' نے بھی اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے' اور امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس واقعہ کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۸ص ۱۵۵۔۱۵۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۴ص ۳۷۔۳۶' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' لباب التاویل ج ۴ص ۲۴۔۲۲' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ' المستدرک ج ۲ص ۵۵۶۔۵۵۵ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۰۴۰۔۴۰۳۹' الکشاف ج ۴ص ۵۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں جس مینڈھے کو ذبح کیا گیا ہے اس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے سینگ کعبہ میں میزاب کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا' میں نے حضرت عثمان بن طلحہ سے پوچھا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلوایا تھا' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں پر ایک مینڈھے کے دو سینگ دیکھے' میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانپ دو' سو اب تم ان کو ڈھانپ دو' کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کرا لے' سفیان نے کہا وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں رکھے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ میں آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۶۹ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۲۰۱' دار احیاء التراث العربی بیروت' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۶۳۷' دارالفکر بیروت' البدایہ والنہایہ ج ۱ص ۲۳۵' دارالفکر بیروت ۱۴۱۹ھ' الدر المنثور ج ۷ص ۱۰۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے ذبیح تھے ...... حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام!

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' (۱) حضرت عباس بن عبدالمطلب (ایک روایت کے مطابق) (۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت علی بن ابی طالب (۶) حضرت عبد

اللہ بن عمر اور (۷) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم' ان سات صحابہ کا یہ نظریہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں' اور تابعین وغیرھم میں سے علقمہ' سعید بن جبیر' کعب الاحبار' عکرمہ' القاسم بن ابی بزہ' عطاء' مقاتل' عبدالرحمان بن سابط' زہری' سدی' عبداللہ بن الھذیل' مالک بن انس وغیرھم نے کہا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں' اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا بھی اس پر اتفاق ہے' النحاس اور طبری وغیرہما کا بھی یہی مختار ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے اصحاب اور تابعین سے قوت کے ساتھ یہی منقول ہے۔

دوسرے علماء کا یہ مختار ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابوالطفیل' حضرت عامر بن واثلہ (اور دوسری روایت کے مطابق) حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار قول ہے' اور تابعین میں سے سعید بن المسیب' الشعبی' یوسف بن مہران' مجاہد' الربیع بن انس' محمد بن کعب القرظی' الکلبی اور علقمہ وغیرہم کا یہی قول ہے۔

ابوسعید الضریر سے ذبیح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

ان الذبیح هدیت اسمعیل — نطق الکتاب بذاک و التنزیل

تم کو ہدایت دی جائے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں — کتاب اسی پر ناطق ہے اور یہی قرآن میں نازل ہوا ہے

شرف به خص الاله نبینا — واتی به التفسیر و التاویل

یہ ان کا شرف ہے اور اللہ نے ہمارے نبی کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے — اور قرآن کی یہی تفسیر اور تاویل ہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر دلائل

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح کون ہے تو انہوں نے کہا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی! حضرت اسحاق مکہ میں کب آئے تھے؟ مکہ میں تو صرف حضرت اسماعیل تھے' انہوں نے ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی اور قربان گاہ بھی مکہ میں ہے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صابرین میں سے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی: فرمایا:

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (الانبیاء: ۸۵)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صابر (نبی) تھے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صبر یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ذبح کیے جانے پر صبر کیا تھا' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ صادق الوعد تھے' فرمایا:

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ○ (مریم: ۵۴)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں' وہ وعدہ کے بہت سچے تھے اور وہ رسول اور نبی تھے۔

حضرت اسماعیل کو صادق الوعد اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے وقت صبر کریں گے سو انہوں نے اپنے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں

سے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۱۲)

پس اللہ تعالیٰ حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کے حکم کیوں کر دیتا جب کہ وہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو نبی بنانے کی بشارت دے چکا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ. سو ہم نے (ابراہیم کی زوجہ سارہ کو) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ (ھود: ۷۱)

تو حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ اسحاق کی پشت اور ان کی نسل سے یعقوب پیدا ہوں گے' ظاہر ہے کہ اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

نیز احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو اس مینڈھے کے سینگ بیت المقدس میں رکھے ہوئے ہوتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۹۲۔۹۱' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر مزید دلائل

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

الصّٰفّٰت: ۱۰۱ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے وہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں' کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں' اور تمام مسلمانوں کا اور تمام اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں' بلکہ اہل کتاب کی کتابوں میں (مثلاً تورات میں) یہ تصریح ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی (۸۶) سال تھی' اور جس وقت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے (۹۹) سال تھی' اور ان کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں' اس کے باوجود انہوں نے کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحاق کو ذبیح کہا' اور ان کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ خود تورات کی تصریحات کے خلاف ہے' اور انہوں نے حضرت اسحاق کو اس لیے ذبیح کہا کہ وہ اسرائیلیوں کے والد ہیں اور حضرت اسماعیل عربوں کے والد تھے' اس لیے انہوں نے عربوں سے حسد رکھنے کی بناء پر یہ تحریف کی' اور انہوں نے اکلوتے بیٹے کا یہ معنی کیا کہ اس وقت وہ بیٹا باپ کے پاس نہ ہو' کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل مکہ مکرمہ میں اپنی ماں ہاجر کے پاس تھے' حالانکہ اکلوتے کا معنی یہ ہے کہ اس وقت باپ کا صرف ایک بیٹا ہو اور جب حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس وقت آپ کے صرف ایک ہی بیٹے تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نیز پہلوٹھی کا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بہ نسبت زیادہ پیارا اور عزیز ہوتا ہے اس لیے اگر بیٹے کو ذبح کرانے سے باپ کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تو آزمائش کے زیادہ قریب یہ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے اور چونکہ پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل ہیں اس لیے ذبیح بھی وہی ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں حتیٰ کہ یہ قول بعض صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے نہ سنت میں' اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ قول اسرائیلیات سے منقول ہے۔ اور بعض مسلم علماء نے بغیر کسی دلیل کے اس قول کو اختیار کر لیا' اور یہ اللہ کی کتاب اس طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ

اس میں حضرت ابراہیم کوایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے اور پھران کے ذبح ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے‘ اور اس کے بعد حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو کہا ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۶‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

القرظی بیان کرتے ہیں کہ علماء یہود میں سے ایک عالم مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام میں بہت نیک کام کیے‘ اس سے عمر بن عبد العزیز نے پوچھا حضرت ابراہیم کے دو بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا‘ اس نے کہا حضرت اسماعیل کو‘ پھر اس نے کہا اے امیر المومنین! یہود کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لیکن وہ آپ عرب لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ کے باپ کو ذبح کا حکم دیا گیا ہو اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ذبیح اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جس مینڈھے کو بہ طور فدیہ ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں رہے تھے اور حضرت ابن الزبیر اور حجاج کی جنگ میں وہ سینگ جل گئے۔

شعبی نے کہا میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے اس مینڈھے کے سر کو سینگوں سمیت کعبہ کے پرنالہ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا ہے وہ سر خشک ہو چکا تھا۔

اصمعی کہتے ہیں میں نے ابو عمرو بن العلاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے حضرت اسحاق یا حضرت اسماعیل علیہما السلام؟ تو انہوں نے کہا اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحاق مکہ میں کب آئے تھے! مکہ میں تو حضرت اسماعیل آئے تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۶‘ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۰ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے دلائل کی توضیح

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کی مزید وضاحت حسب ذیل امور سے ہوتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ. پس ہم نے (ابراہیم کی بیوی سارہ کو) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ (ھود: ۷۱)

پس اگر ذبیح حضرت اسحاق ہیں تو ان کو ذبح کرنے کا حکم حضرت یعقوب کے پیدا ہونے سے پہلے دیا جائے گا یا ان کے ذبح ہونے کے بعد دیا جائے گا‘ پہلی صورت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو حضرت اسحٰق کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ہی یہ بشارت دی کہ حضرت اسحاق سے ان کے بیٹے حضرت یعقوب پیدا ہوں گے تو حضرت یعقوب کے پیدا ہونے سے پہلے حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا حکم دینا صحیح نہیں ہے ورنہ حضرت اسحاق کے بعد ان سے حضرت یعقوب کے پیدا ہونے کی خبر صحیح نہیں رہے گی‘ اور اگر حضرت یعقوب کے پیدا ہونے کے بعد حضرت ابراہیم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے اسحاق کو ذبح کر دیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے کے بالغ ہونے سے پہلے اس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ اس کے ایک بچہ کے باپ ہونے کے بعد اس کو یہ حکم دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ. (الصّٰفّٰت:۱۰۲) پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ عنقریب میری رہ نمائی فرمائے گا O (الصّٰفّٰت:۹۹)

پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس مسافرت میں ان کو ایک نیک بیٹا عطا فرمائے جس سے وہ مانوس ہوں (الصّٰفّٰت:۱۰۰) اور یہ سوال اسی وقت صحیح ہوگا جب ان کا اس سے پہلے بیٹا نہ ہو ورنہ یہ تحصیل حاصل ہوگی' اور مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق سے پہلے پیدا ہوئے تھے' پس ثابت ہو گیا کہ اس دعا سے مطلوب حضرت اسماعیل کی پیدائش ہے پھر اس دعا کے بعد الصّٰفّٰت: ۱۰۷۔۱۰۲ میں اللہ تعالیٰ نے ذبح کا قصہ بیان فرمایا ہے پس ثابت ہو گیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا تورات سے ثبوت

(۳) ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ تورات کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں' اب ہم ان آیات کو پیش کر رہے ہیں: درج ذیل آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے اور پہلوٹھی کے بیٹے تھے۔

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی O اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا O اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا' شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ اور ابرام نے ساری کی بات مانی O اور ابرام کو ملکِ کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے O اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی O (پیدائش باب:۱۶' آیت:۴۔۱' تورات ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا' اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لیے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ (پیدائش باب:۱۶' آیت:۱۱' تورات ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا O اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا O (پیدائش باب:۱۶' آیت:۱۶۔۱۵' ص ۱۶' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اب جو آیات ہم ذکر کر رہے ہیں ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل کے پیدا ہونے کے بعد حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے:

اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا' اس کا نام سارہ ہوگا O اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا' یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے O تب ابراہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہو گی؟ O اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے O تب خدا نے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو ان کا نام اضحاق رکھنا اور

میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا O

(پیدائش۔باب:۱۷' آیت:۱۹۔۱۵' تورات ص ۱۷۔۱۶' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور۔۱۹۹۲ء)

حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا:

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراھام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابراھام! اس نے کہا میں حاضر ہوں O تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا O

(پیدائش' باب ۲۲' آیت:۲۔۱' تورات ص ۲۱' پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۹۲ء)

اب آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا' اور حضرت اسحاق ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی موجود تھے جو ان سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہی اکلوتے تھے' یہودیوں نے تورات کی اس آیت میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق کا نام ڈال دیا لیکن اس آیت میں اکلوتے کا لفظ ان کی تحریف کی چغلی کھا رہا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلقوم کٹنے سے محفوظ رہنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا

الصّٰفّٰت:۱۰۵ میں ہے: بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خواب تو سچا تب ہوتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیتے' واقع میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے تھے پھر ان کا خواب کس طرح سچا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب میں انہوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ انہوں نے حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیا ہے انہوں نے خواب میں صرف اتنا دیکھا تھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں سو انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیری' اب اگر چھری نے گلا نہیں کاٹا اور خون نہیں بہا تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل ذبح میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اسی طرح تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھیلے کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اب حضرت اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہو چکا تھا' اور جس میں آپ کا نور ہو اس کو چھری کیسے کاٹ سکتی ہے' آپ نے خود فرمایا ہے کہ ہر چیز کو یہ علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲) نیز ابھی آپ کا نور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے دوسرے نفوس قدسیہ میں منتقل ہونا تھا اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام بلوغت سے پہلے ہی ذبح کر دیئے جاتے تو تقدیر الٰہی اور منشاء الٰہی کیسے پورا ہوتا اس لیے ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زندہ رکھنا تھا تا کہ ان کی نسل سے ہمارے نبی خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس عالم آب وگل میں رونق افروز ہوں جیسا کہ آپ کا خود ارشاد ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کر لیا' اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ا' رقم الحدیث بلا تکرار:۲۲۷۶' الرقم المسلسل:۵۸۲۸)

امام ترمذی کی روایت اس طرح ہے:

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے

حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل کو چن لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا۔ اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۴۸۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۴۲' المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۱۶۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۶۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳)

سو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تھا تو بلوغت سے پہلے حضرت اسماعیل کس طرح ذبح ہو سکتے تھے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی جان کا محفوظ رہنا یہ بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تصدق تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں

امام ابو القاسم الحسن بن علی ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا ابن الذبیحین ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں''۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶ ص ۲۰۵' رقم الحدیث: ۱۶۶۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن سعید الصنابحی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ بن ابوسفیان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے' بعض لوگوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگوں نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے جس کو اس کی خبر ہے' انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر کہا میرے پیچھے شہر خشک ہو چکے ہیں ان کا پانی سوکھ گیا ہے اور بچے ضائع اور ہلاک ہو چکے ہیں تو یا ابن الذبیحین (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ کو جو اللہ نے مال عطا کیا اس میں سے ہم کو کچھ عنایت فرمایئے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اس پر انکار نہیں فرمایا' پھر ہم نے کہا اے امیر المومنین دو ذبیح کون ہیں؟ حضرت معاویہ نے کہا جب حضرت عبد المطلب نے زمزم کو کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمزم کی کھدائی کو آسان کر دیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو ذبح کر دیں گے' جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی تو حضرت عبد اللہ کا نام نکل آیا' انہوں نے حضرت عبد اللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنو مخزوم میں جو ان کے ماموں تھے انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا آپ کے رب کی زمین بہت وسیع ہے آپ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیجئے تو حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کر دیئے تو حضرت معاویہ نے کہا دو ذبیحوں میں سے ایک ذبیح حضرت عبد اللہ ہیں اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل ہیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۵۴ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۰۳۶)

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے انا ابن الذبیحین ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں'' حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں' اسی طرح حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(الکشاف ج ۴ ص ۵۸' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۰' الدر المنثور ج ۷ ص ۹۳)

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ ھ' علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ السہیلی المتوفی ۵۸۱ ھ اور حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے حضرت عبد المطلب کی نذر ماننے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ جب زمزم کی کھدائی کے وقت حضرت عبدالمطلب کی قریش سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا کیے اور وہ سب جوان اور صحت مند ہو کر ان کی مہمات میں ان کے معاون ہوئے تو وہ ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے‘ سب سے چھوٹے اور محبوب بیٹے حضرت عبداللہ تھے‘ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا‘ ان سب نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہم سے جس کو بھی حکم دیں گے وہ اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دے گا‘ سب مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے اور فال نکالنے والے کو بلایا گیا‘ ہر بیٹے کا نام ایک تیر پر لکھ دیا گیا‘ جب فال نکالی گئی تو حضرت عبداللہ کے نام والا تیر نکل آیا‘ حضرت عبدالمطلب ان کو ذبح کرنے کے لیے اور حضرت عبداللہ ذبح ہونے کے لیے تیار تھے مگر قریش کے سرداروں نے مزاحمت کی اور کہا اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی یہ رسم چل پڑی تو پھر کسی شخص کا بیٹا سلامت نہیں رہے گا‘ غرض حجاز کی ایک کاہنہ سے فیصلہ کرایا گیا اس نے کہا دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے نام میں قرعہ اندازی کرو‘ اگر دس اونٹ نکل آئیں تو ان کو ذبح کر دینا اور اگر پھر بھی حضرت عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دینا اور پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرنا‘ اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہنا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ کے بجائے سو اونٹوں کے نام قرعہ فال نکل آئے‘ غرض جب سو اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے نام کا قرعہ نکالا گیا تو سو اونٹ نکل آئے اور حضرت عبداللہ کی جگہ سو اونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲۔۱۸۸ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۱۵ھ‘ الروض الانف ج ۱ ص ۲۷۲۔۲۷۱ ملخصاً‘ دار الکتب العلمیہ بیروت‘ ۱۴۱۸ھ‘ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰۰ ملخصاً‘ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی ۴۵۰ھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے تو عرب میں یہ رسم مقرر ہو گی کہ انسان کی دیت سو اونٹ ہو گی‘ سو اونٹ ذبح کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے اور اس وقت سے حضرت عبداللہ ذبیح کے نام سے مشہور ہو گئے‘ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا ابن الذبیحین ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں'' ایک ذبیح حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل اور انعام ہے۔

(اعلام النبوۃ ص ۲۳۳۔۲۳۲ ملخصاً دار احیاء العلوم بیروت‘ ۱۴۰۸ھ)

صرف حضرت اسمٰعیل نہیں بلکہ ہر مسلمان آپ کی وجہ سے ذبح ہونے سے محفوظ رہا

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اس وقت قبول ہوئی جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توبہ کی‘ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا‘ حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا: میں تجھ سے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے‘ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ محمد کیا ہے! اور کون ہیں؟ تب انہوں نے کہا تیرا نام برکت والا ہے تو نے جب مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ مرتبہ والا شخص کون ہو گا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں آخر النبیین ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد میں آخری امت ہے‘

اور اے آدم اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو (بھی) پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیرج ۲ص ۸۳' مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۹۸' ریاض المستدرک ج ۲ص ۶۱۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ص ۴۸۹'
البدایہ والنہایہ ج اص ۸۱' ج ۲ص ۳۲۲' دارالفکر' مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲ص ۹۶' دارالجیل' ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہونے سے محفوظ رہے اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ان کی پشت میں جلوہ گر تھے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ بھی اس آگ میں جلنے سے اس لیے محفوظ رہے کہ اب آپ ان کی پشت میں موجود تھے' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر بھی چھری اس لیے نہیں چلی کہ اب آپ ان کے اندر موجود تھے اور آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو ذبح ہونے سے بچ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اب آپ کا نور ان میں منتقل ہو چکا تھا' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر جناب عبداللہ تک اپنے تمام آباء کے وجود سے مشرف ہونے میں آپ وسیلہ ہیں' ہوتا یہ ہے کہ باپ کی وجہ سے بیٹے کا وجود ہوتا ہے اور بیٹے کے وجود پر اس کے باپ کا احسان ہوتا ہے مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منفرد بیٹے ہیں کہ آپ کا اپنے تمام آباء پر احسان ہے اور حضرت آدم سے حضرت عبداللہ تک آپ کے سلسلہ نسب میں جس قدر آباء ہیں ان میں سے جو بھی وجود سے مشرف ہوا وہ آپ کے وسیلہ سے اور آپ کی وجہ سے موجود ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (النحل: ۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے الگ حق کی طرف مائل تھے۔

اس آیت میں ہمیں بھی حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کا حکم ہے' اور حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷' مسند احمد ج ۴ص ۳۶۸' الطبرانی رقم الحدیث: ۵۰۷۵)

اس کا معنی یہ ہوا کہ اگر حضرت ابراہیم کے ہاتھوں حضرت اسماعیل ذبح ہو جاتے تو پھر حضرت ابراہیم کی سنت یہ ہوتی کہ ہر باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور ہمیں ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے تو ہم پر بھی لازم ہوتا کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں' سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت میں جلوہ گر ہونے کی وجہ سے صرف ان کی جان نہیں بچی بلکہ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے بیٹوں کی گردنیں بچ گئیں اور ہر شخص کی بقا میں اس کی گردن پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے' یہ صرف حضرت آدم کی تخلیق اور حضرت اسماعیل کی بقا کی بات نہیں ہے کائنات کے ہر شخص کی تخلیق اور اس کی بقا آپ کی وجہ سے ہوئی بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کے زیر احسان ہے۔

حضرت ابراہیم کے خواب کا سچا ہونا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا سچا ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور بیداری میں یہ حکم نہیں دیا گیا' اس کی حکمت یہ تھی کہ اس حکم پر عمل کرنے میں ذبح کرنے والے اور ذبح کیے جانے والے دونوں کے لیے بے حد مشقت تھی' اس لیے پہلے انہیں خواب میں یہ دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں پھر اس کی تاکید کے لیے خواب میں ان کو یہ حکم دیا گیا تا کہ اس پُر مشقت حکم کا ان کو بہ تدریج مکلف کیا جائے اور اس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی حق اور وحی ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ . (الفتح: ۲۷) بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔

اور واقع میں ایسا ہی ہوا سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لیے مسجد حرام میں اپنے اصحاب کے ساتھ داخل ہو گئے' اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح مذکور ہے:

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ . (یوسف: ۴) میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے دیکھا کہ وہ میرے لیے سجدہ ریز ہیں۔

پھر اس خواب کا صدق اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں اور ان کے ماں باپ نے آپ کو سجدۂ تعظیم کیا' اور یہ خواب معنوی طور پر صادق ہو گیا کہ گیارہ ستاروں کی جگہ ان کے گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا اور سورج اور چاند کی جگہ ان کے والدین نے ان کو سجدہ کیا' اور ان کا یہ خواب معنوی طور پر صادق ہوا۔

اور حضرت ابراہیم کا خواب اس طرح مذکور ہے:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ . (الصّٰفّٰت: ۱۰۲) اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس خواب کا صدق اس طرح ظاہر ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا رہے تھے کہ ان کی چھری کے نیچے مینڈھا لا کر رکھ دیا گیا اور حضرت اسماعیل کی جگہ مینڈھا ذبح کر دیا گیا اور یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب بھی معنوی طور پر صادق ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف دونوں کے خواب صادق تھے لیکن معنوی طور پر اور تاویل سے صادق ہوئے' اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خواب دیکھا تھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے واقع میں بھی ایسا ہی ہوا اور آپ عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ سو دیگر انبیاء علیہم السلام کے خواب معناً اور تاویلاً صادق ہیں اور آپ کے خواب ظاہراً اور حساً صادق ہیں' اسی طرح آپ نے خواب میں اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳) پھر آپ نے شب معراج واقع میں اپنے رب کو دیکھ لیا اور آپ کا یہ خواب بھی ظاہراً اور حساً صادق ہے' سو خوابوں کے اعتبار سے جیسے آپ صادق ہیں کائنات میں ایسا کوئی صادق نہیں ہے' سب نبیوں اور ولیوں نے سن کر کہا اللہ ایک ہے اور آپ نے دیکھ کر کہا اللہ ایک ہے' سب نے سن کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی اور آپ نے دیکھ کر اس کے واحد ہونے کی شہادت دی' سو واضح ہو گیا کہ کائنات میں نہ آپ ایسا کوئی صادق ہے نہ آپ ایسا کوئی شاہد ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے اسرار اور نکات بیان کرنے کے بعد اب ہم قربانی کے فضائل اور احکام سے متعلق احادیث بیان کر رہے ہیں:

قربانی کے فضائل کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے جانور کا

خون بہانے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی عمل محبوب نہیں ہے' اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے سو تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا قربانی کرنے والے کو قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے اور آپ ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے جانور کی نگہبانی کرو اور اس کے پاس موجود رہو کیونکہ اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ اجر صرف ہم اہل بیت کے لیے خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے' آپ نے فرمایا بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۵۹۳۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند میں عطیہ بن قیس ہے اس پر کافی جرح کی گئی ہے' لیکن اس کی توثیق کی گئی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس موجود رہو کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ تمہارے ہر کیے ہوئے گناہ کی مغفرت کر دی جائے گی' اور تم یہ دعا کرو: ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین حضرت عمران نے پوچھا یا رسول اللہ! آیا یہ فضیلت آپ اور آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ نے فرمایا تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ابوحمزہ الثمالی' ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ روپیہ ہے جو قربانی کرنے کے لیے خرچ کیا جائے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۸۹۴' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں ابراہیم بن یزید الخوزی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا: اس دن اللہ کے نزدیک کوئی عمل اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کہ قربانی کے جانور کا خون بہایا جائے ماسوا اس کے کہ کوئی شخص کٹے ہوئے رشتہ کو جوڑے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۳۹' حافظ الہیثمی نے کہا اس کی سند میں الحسن بن یحییٰ الخشنی ضعیف ہے لیکن ایک جماعت نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں! مسلمانوں نے پوچھا ان میں ہمارے لیے کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی قربانیوں کے لیے عمدہ جانور تلاش کرو

کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۲۶۸' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۹۲۰' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۲۱۷۷' حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے' تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۴۸۴)

قربانی کے فضائل میں ہم نے جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر کی اسانید ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ان کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

قربانی کے شرعی حکم سے متعلق احادیث

حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان عرفات میں وقوف کر رہے تھے' میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال میں اضحیہ (قربانی) اور عتیرہ ہے' کیا تم جانتے ہو عتیرہ کیا چیز ہے؟ یہ وہی ہے جس کو تم رجبیہ کہتے ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۱۵۹)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عتیرہ تو ابتدائے اسلام میں مشروع تھا بعد میں منسوخ ہو گیا تھا' اور اس حدیث میں عتیرہ کے وجوب کا حجۃ الوداع کے موقع پر ذکر کیا گیا اور وہ عہد رسالت کا اخیر زمانہ ہے۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

عرب نذر مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو وہ رجب میں ایک قربانی کریں گے اس کو وہ عتیرہ اور رجبیہ کہتے تھے' عتیرہ ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا' علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں عتیرہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو بکری رجب میں ذبح کی جاتی تھی اس کو عتیرہ اور رجبیہ کہتے تھے' یہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا اور جو عتیرہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا یہ وہ ذبیحہ تھا جو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا اور اس کا خون بتوں کے سروں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ (جامع الاصول فی احادیث الرسول ج ۳ ص ۲۴۵' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا اضحیہ (قربانی) واجب ہے' انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے' اس نے اپنا سوال دہرایا تو حضرت ابن عمر نے کہا کیا تم کو عقل ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور آپ قربانی کیا کرتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۸' مسند احمد ج ۲ ص رقم الحدیث: ۴۹۵۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس امت کے لیے (یوم الاضحیٰ کو) عید کا دن قرار دوں' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر مجھ کو منیحہ (عاریۃً لی ہوئی بکری) کے سوا اور کوئی بکری نہ ملے تو کیا میں اسی کو ذبح کر دوں! آپ نے فرمایا نہیں! لیکن تم اپنے بالوں کو اور ناخنوں کو کاٹ لینا اور مونچھوں کو تراش لینا اور زیر ناف بال مونڈ لینا تو اللہ کے نزدیک یہ تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۷۷)

ایک جانور کی قربانی میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہم نے گائے کی قربانی کی اور اس میں سات آدمی شریک ہوئے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۷ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا سو ہم گائے میں سات افراد شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۱ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۴ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۵)

اسحٰق بن راھویہ نے اس ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور وہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کو جائز کہتے ہیں' اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ اونٹ میں بھی صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کی قربانی بھی سات افراد کی طرف سے ہو سکتی ہے اور اونٹ کی قربانی بھی سات افراد کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (نفلی) قربانی کی اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۹)

حجیہ بن عدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے' میں نے پوچھا اگر وہ بچہ دے دے؟ فرمایا کہ اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ ذبح کر دو' میں نے کہا اگر وہ لنگڑی ہو؟ فرمایا جب وہ قربانی کی جگہ تک چل کر جا سکے (تو جائز ہے) میں نے پوچھا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ فرمایا کوئی حرج نہیں' ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم اس کی آنکھوں کو اور اس کے کانوں کو اچھی طرح دیکھ لیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۳ سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۳ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۷ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۴ مسند احمد ج ۱ ص ۹۵)

جو جانور لنگڑا ہو اور اس کا لنگ ظاہر ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح آئے گی۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قربانی کے جانور ثنی یا اس سے زیادہ عمر کے ہونے چاہئیں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۷۰ کتاب الحج باب العمل فی الھدی حین یساق)

ثنی سے مراد ہے دو دانت والا' اور اس کا مصداق ایک سال کا بکرا ہے اور دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ۔

(جامع الاصول ج ۳ ص ۳۵۰)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں صرف ایک بکری ذبح کرتے تھے' ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کیا کرتا تھا' پھر اس کے بعد لوگوں نے اس پر فخر کرنا شروع کر دیا اور قربانی فخر اور امارت کے اظہار کا ذریعہ ہو گئی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۶۹ باب الشرکۃ عن الضحایا)

امام احمد کا مسلک اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے کہ ایک بکری میں بھی کئی افراد شریک ہو سکتے ہیں' غیر مقلدین کا بھی یہی مسلک ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے' اور فقہاء احناف اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایک بکری میں متعدد افراد شریک نہیں ہو سکتے صرف گائے اور اونٹ میں سات افراد تک شریک ہو سکتے ہیں (تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۷۶ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ) جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ گھر کے متعدد افراد جن پر قربانی واجب نہ ہو ان سب کی طرف سے ایک بکری کی قربانی جائز ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔

لیکن جن پر قربانی واجب ہے تو ایک شخص ایک بکری کی قربانی کرے گا یا گائے اور اونٹ میں ایک حصہ ڈالے گا اور جن متعدد افراد پر قربانی واجب ہے وہ ایک بکری میں شریک نہیں ہو سکتے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ قربانی کو فخر کے اظہار کا ذریعہ بنالیں گے' جیسا کہ ہمارے زمانہ میں لوگ پچاس ساٹھ ہزار کا بہت قد آور اور بہت فربہ بکرا خریدتے ہیں یا کئی کئی لاکھ کا بہت اونچا اور بہت جسیم بیل خریدتے ہیں اس کو قالین پر بٹھاتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر اس کی نمود اور نمائش کرتے ہیں اور صاحب حیثیت لوگ ایسے کئی کئی جانور خریدتے ہیں اور ان کی وڈیو بنواتے ہیں لیکن یہی لوگ جب صدقہ فطر ادا کرتے ہیں تو دو کلو گندم فی نفر کے حساب سے دیتے ہیں چار کلو کھجوریں یا کشمش کے حساب سے نہیں دیتے کیونکہ خاموشی سے تنگ دست اور غریب کے ہاتھ پر پیسے رکھ دینے سے ان کے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں حضرت عائشہ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۸)

حنش بن المعتمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے دو مینڈھے ذبح کیے اور کہا یہ ایک مینڈھا میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا یا کہا اس کی وصیت کی تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷' رقم الحدیث: ۸۴۳' دار الکتب العلمیہ بیروت)

قربانی کے جانور کی کم از کم کتنی عمر ضروری ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم صرف ایک سال کا بکرا ذبح کرو اگر وہ تم پر دشوار ہو تو چھ ماہ کا دنبہ (مینڈھا) ذبح کردو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۱۸' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۰)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں بکریاں تقسیم کیں میرے حصہ میں صرف چھ ماہ کی بکری آئی آپ نے فرمایا اس کی صرف تم قربانی کر سکتے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۰۰۔۲۳۰۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۸' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹)

عاصم بن کلیب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت مجاشع بن سلیم کے ساتھ تھے کہ ایک منادی نے ندا کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں چھ ماہ کا دنبہ ثنی کے بدلہ میں کافی ہوتا ہے (ثنی کا معنی ہے دو دانت والا' یہ ایک سال کا بکرا اور دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۰)

وہ عیوب جن کی وجہ سے کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے

عبید بن فیروز بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کون سے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے' انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو' ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو' ایسا لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہو' جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو' میں نے کہا جس کی عمر کم ہو وہ مجھے ناپسند ہے انہوں نے کہا جو تم کو ناپسند ہو اس کی قربانی نہ کرو اس کو کسی اور کے لیے حرام نہ کرو۔ سنن ترمذی کی ایک روایت میں ہے نہ اتنی کمزور اور لاغر ہو جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۲' سنن الترمذی رقم الحدیث:

۱۴۹۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۴' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں اور اس کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو' اور نہ اس کی قربانی کریں جس کا کان چرا ہوا ہو' اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے کان میں سوراخ ہو اور نہ اس کی قربانی کریں جس کے سینگ کا نصف حصہ یا اس سے زائد ٹوٹا ہوا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۶-۲۸۰۵-۲۸۰۴' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۸۷-۴۳۸۶-۴۳۸۵)

یزید ذومصر بیان کرتے ہیں کہ میں عتبہ بن عبد السلمی کے پاس گیا اور میں نے کہا اے ابوالولید! میں قربانی کے جانور ڈھونڈنے کے لیے گیا مجھے صرف ایک جانور پسند آیا جس کے دانت گر چکے تھے' سو میں نے اس کو ناپسند کیا تو آپ کیا کہتے ہیں' انہوں نے کہا تم اس کو لے آؤ' میں نے کہا سبحان اللہ! وہ قربانی آپ کے لیے جائز ہوگی جو میرے لیے جائز نہیں ہے! انہوں نے کہا ہاں! کیونکہ تم شک کر رہے ہو اور میں شک نہیں کر رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کی قربانی سے منع کیا ہے جس کا کان جڑ سے کٹا ہو اور صرف اس کا سوراخ ہو اور اس سے منع فرمایا ہے جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو' اور اس سے منع فرمایا ہے جس کی آنکھ پھوٹی ہوئی ہو اور اس سے منع فرمایا ہے جو اس قدر دبلی ہو کہ بکریوں کے ساتھ چل کر نہ جا سکے اور جس کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵)

نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت

حضرت البراء بن عازب رضی للہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس کے بدلہ میں دوسری قربانی کرو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس تو اب چھ ماہ کا بکرا ہے' جو ایک سال کے بکرے سے زیادہ فربہ ہے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسی کی قربانی کر دو' لیکن تمہارے بعد یہ قربانی کسی اور کے لیے کافی نہیں ہوگی' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جو کام ہم سب سے پہلے کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد واپس آ کر قربانی کرتے ہیں' جس نے اس طرح کیا تو اس نے ہمارے طریقہ کو پا لیا اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا تو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے گوشت مہیا کیا ہے اور یہ قربانی بالکل نہیں ہے' ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری (فرض کردہ) نماز پڑھی اور ہماری (واجب کردہ) قربانی کی وہ نماز پڑھنے سے پہلے قربانی نہ کرے' تو میرے ماموں نے کہا میرے بیٹے نے تو قربانی کر دی ہے' آپ نے فرمایا یہ وہ چیز ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی مہیا کی ہے' انہوں نے کہا میرے پاس ایک بکری ہے جو دو بکریوں سے بہتر ہے' آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کر دو وہ تمہاری بہترین قربانی ہے۔ یہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات ہیں اور امام ترمذی کی روایت ہے: انہوں نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک قربانی نہ کرے حتیٰ کہ نماز عید پڑھ لے' میرے ماموں نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اس دن میں یہ گوشت پسندیدہ ہے اور میں نے اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لیے (نماز عید سے پہلے) جلدی سے قربانی کر لی' آپ نے فرمایا: تم دوسری قربانی کرو' میرے ماموں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دودھ پیتا بکری کا بچہ ہے اس میں دو بکریوں سے بہتر گوشت ہے کیا میں اس کو ذبح کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ تمہاری سب سے بہترین قربانی ہے اور تمہارے بعد وہ اور کسی سے کفایت نہیں کرے گی۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی روایت اس طرح

ہے: انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی اس نے ہماری قربانی کو پالیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی وہ اس کی بکری کا گوشت ہے' پس حضرت ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے نماز عید کی طرف جانے سے پہلے قربانی کر لی اور مجھے معلوم تھا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے تو میں نے جلدی سے قربانی کر کے کھا لی اور میں نے خود کھایا اور اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلایا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بکری کا گوشت ہے' انہوں نے کہا میرے پاس چھ ماہ کا ایک بکری کا بچہ ہے اور اس میں دو بکریوں سے بہتر گوشت ہے کیا یہ مجھ سے کفایت کرے گی؟ آپ نے فرمایا ہاں' اور تمہارے بعد اور کسی سے کفایت نہیں کرے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳-۲۶۲۳_۵۵۶۳_۵۵۶۰_۵۵۵۷_۵۵۵۶_۵۵۴۵_۹۸۳_۹۷۶_۹۷۴_۹۶۸_۹۶۵_۹۵۵_۹۵۴_۹۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۸۸_۱۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۸۵' مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۲)

حضرت جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا' نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے نماز عید سے پہلے قربانیاں کر دی ہیں' آپ نے فرمایا: جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۹۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۲' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نماز عید پڑھائی' کچھ لوگوں نے پہلے نحر کر لیا تھا (اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کا ایک پیر باندھ کر اس کے سینہ کے بالائی حصہ پر نیزہ مار کر قربانی کی جاتی ہے اس کو نحر کہتے ہیں) ان کا یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر کر چکے ہیں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جس شخص نے آپ سے پہلے نحر کیا ہے وہ دوبارہ نحر کرے' اور جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نحر نہ کر لیں وہ نحر نہ کریں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۸' ج ۳ ص ۲۹۴' ج ۳ ص ۳۲۴)

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کی کیفیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سینگوں والے مینڈھے کو لانے کا حکم دیا جس کے پیر سیاہ ہوں' آنکھیں سیاہ ہوں اور باقی جسمانی اعضاء سیاہ ہوں' وہ آپ کے پاس قربانی کرنے کے لیے لایا گیا' آپ نے فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ' پھر فرمایا اس کو پتھر پر تیز کرو' پھر چھری لے کر مینڈھے کو پکڑ کر گرایا' پھر اس کو ذبح کرنے لگے اور پڑھا بسم اللہ! اے اللہ اس کو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما' پھر اس کو قربان کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن دو سرمئی رنگ کے خصی مینڈھے ذبح کیے جب آپ نے ان کو قبلہ کی طرف متوجہ کیا تو یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنيفا وما انا من المشركين ان صلوتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العلمين' لا شريك له وبذالك امرت	میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے یہ حضرت ابراہیم کی ملت پر ہے جو ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری

وانا من المسلمین اللھم منک ولک اللھم عن محمد وامتہ بسم اللہ واللہ اکبر.

موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اسی (کی عبادت) کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں' اے اللہ یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے لیے ہے اے اللہ (اس کو قبول فرما)(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اوران کی امت کی طرف سے' اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

پھر آپ نے اس کو ذبح کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۱' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۵۲' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵)

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس گئے وہ اس وقت اپنے اونٹ کو بٹھا کر اس کو نحر کر رہا تھا' حضرت ابن عمر نے فرمایا اس کو کھڑا کر و اس حال میں کہ اس کا ایک پیر بندھا ہوا ہو' یہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۸' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۲۳۶' دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اونٹنی کو نحر کرتے تھے اس کا الٹا پیر بندھا ہوا ہوتا تھا اور وہ اپنے باقی پیروں پر کھڑی ہوتی تھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۷)

حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن قربانی کا دن ہے پھر اس کے بعد دوسرا دن' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں وہ سب آپ کے قریب ہو رہی تھیں کہ آپ کس سے قربانی کی ابتداء کرتے ہیں' جب وہ سب پہلو کے بل گر گئیں تو آپ نے آہستہ سے کوئی بات کہی جس کو میں نہیں سمجھ سکا' میں نے پوچھا آپ نے کیا فرمایا ہے؟ فرمایا جو چاہے ان کا گوشت کاٹ کر لے جائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۸۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰)

ہم لوگ رسیوں سے قربانی کے جانور کو باندھ کر زبردستی اپنے قریب کرتے ہیں پھر اس کو ذبح کرتے ہیں' اور اونٹنیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی تھیں اس لیے از خود آگے بڑھ بڑھ کر اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کر رہی تھیں کہ کون سب سے پہلے آپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کا شرف حاصل کرتی ہے۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف　　بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

جنگل کی تمام ہرنیاں اپنے سروں کو اپنی ہتھیلیوں پر لیے پھر رہی ہیں　اس امید پر کہ کسی روز وہ محبوب شکار کرنے کے لیے آئے گا (تو اس کو ہمارا سر کاٹنے کی زحمت نہ ہو ہم خود ہی اپنے سروں کو اپنی ہتھیلیوں پر لیے پھر رہی ہیں)۔

قربانی کی کوئی چیز قصائی کو اجرت میں نہ دی جائے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا میں نے قربانی کی اونٹنیوں کی نگہبانی کی اور ان کے گوشت کو تقسیم کیا' پھر مجھے حکم دیا کہ ان کی جھول (قربانی کے جانور کے اوپر ڈالا ہوا کپڑا) اور ان کی کھال کو بھی تقسیم کر دوں' اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں قربانی کی اونٹنیوں کی حفاظت کروں اور اس میں سے کوئی چیز قصائی کی اجرت میں نہ دوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہمیں اس کے گوشت' کھال اور جھول کو صدقہ

کرنے کا حکم دیا اور اس میں سے قصاب کو اجرت دینے سے منع فرمایا اور ہم اپنے پاس سے اس کو اجرت دیتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۹۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۹۷۴)

قربانی کے فضائل اور احکام سے متعلق احادیث بیان کرنے کے بعد اب قربانی کے حکم میں مذاہب فقہاء بیان کر رہے ہیں اور اس کے بعد ان شاء اللہ قربانی کے ایام کی تعداد کی تحقیق کریں گے۔

قربانی کے حکم میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنا سنت ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے، حضرت انس نے کہا میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۲-۱۷۱۴ اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سرمئی مینڈھوں کی قربانی کی اور ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ اکبر کہا اور ان کے سینوں پر اپنا پیر رکھا (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶۵) اور قربانی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس لیے قربانی نہیں کرتے تھے کہ قربانی کو واجب نہ سمجھ لیا جائے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۶۵-۲۶۴، معرفۃ السنن والآثار ج ۷ ص ۱۹۷)

(المہذب ج ۱ ص ۲۳۷، دار الفکر بیروت)

اس اثر کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی نے اس کو سند منقطع سے روایت کیا ہے اس لیے یہ حجت نہیں ہے ثانیاً اس کی توجیہ یہ ہے کہ جن سالوں میں حضرت ابوبکر اور عمر نے قربانی نہیں کی ان سالوں میں ان پر قربانی واجب نہیں تھی کیونکہ ان سالوں میں وہ صاحب نصاب نہیں تھے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے اور یہ شعار ظاہر ہے اور جو شخص قربانی کرنے پر قادر ہو اس کو قربانی کی حفاظت کرنی چاہیے۔ (شرح المہذب ج ۹ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ ھ)

علامہ شیرازی نے قربانی کے سنت ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو استدلال کیا ہے اس سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ فرض اور واجب کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا ہے مثلاً حج کیا ہے، فرض نمازیں پڑھی ہیں تو اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ حج اور پانچوں وقت کی نمازیں سنت ہیں، اسی طرح آپ نے جو قربانی کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صرف سنت ہو اور واجب نہ ہو، رہا یہ کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر قربانی نہیں کرتے تھے تو یہ روایت بلاغات سے ہے اور منقطع ہے اور منقطع اثر حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سالوں میں ان پر قربانی واجب نہیں تھی جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں۔

قربانی کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے (پہلی دلیل وہی ہے جس کا علامہ شیرازی شافعی نے ذکر کیا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذوالحجہ کے دس دن داخل ہوں اور تم میں

سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے نہ ناخن کاٹے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۹ سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۶۶ مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۹) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف مفوض کیا ہے اگر قربانی واجب ہوتی تو آپ اس طرح نہ فرماتے۔

(الکافی ج ۱ ص ۵۴۳ - ۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ ہے کہ جس شخص نے اس قربانی کو ادا کرنے کا ارادہ کیا جو واجب ہے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے' جس طرح کہا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ دینے کا ارادہ کرے تو ان فقراء سے ابتدا کرے جو اس کے رشتہ دار ہوں یا جو شخص نماز فجر پڑھنے کا ارادہ کرے تو رات کو جلدی سو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زکوٰۃ اور نماز فجر فرض نہ ہوں۔

قربانی کے حکم میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابوالبرکات احمد الدردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ لکھتے ہیں:

آزاد شخص خواہ مرد ہو یا عورت' بڑا ہو یا چھوٹا' اپنے وطن میں ہو یا سفر میں' اس پر قربانی کرنا بعینہ سنت ہے' بہ شرطیکہ وہ حج کرنے والا نہ ہو۔ (الشرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۸' دار الفکر بیروت)

اور علامہ محمد عرفۃ الدسوقی المالکی التوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

مشہور قول یہی ہے کہ قربانی کرنا سنت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

(حاشیۃ الدسوقی علی شرح الکبیر ج ۲ ص ۱۱۸' دار الفکر بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے نہ ناخن' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ واجبات ارادہ پر موقوف نہیں ہوتے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۶ ص ۲۳۱' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

ائمہ ثلاثہ جو قربانی کے وجوب کی نفی کرتے ہیں ان سب کی دلیل یہی حدیث ہے' اور ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کرنا واجب ہے اب ہم فقہاء احناف کا مذہب اور ان کے دلائل پیش کریں گے۔

قربانی کے حکم میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی التوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قربانی غنی (صاحب نصاب) پر واجب ہے نہ کہ فقیر پر' بغیر نذر کے اور بغیر قربانی کا جانور خریدنے کے' بلکہ یہ زندگی کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے واجب ہے' اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی میراث کو زندہ کرنے کے لیے' جب ان کو اللہ عزوجل نے مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کے فرزند ارجمند کا فدیہ ہو جائے اور مسلمانوں کے لیے پل صراط پر سواری ہو جائے' اور ان کے گناہوں کی بخشش اور ان کی خطاؤں کا کفارہ ہو جائے' اس معنی پر احادیث کثیرہ ناطق ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ' امام محمد' امام زفر' امام حسن بن زیاد کا قول ہے اور امام ابویوسف سے بھی ایک یہی روایت ہے۔

امام ابویوسف کی دوسری روایت یہ ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے' اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض کی گئی ہیں اور تم پر فرض نہیں کی گئیں' وتر' چاشت کی نماز

اور قربانی۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۱' سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۱' المستدرک ج ۱ ص ۳۰۰' السنن الکبری ج ۲ ص ۴۶۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام احمد' امام بیہقی' امام ابن الصلاح' امام ابن الجوزی اور علامہ نووی وغیرھم نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۵۰۳)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کی سند ضعیف ہے ثانیاً اس میں قربانی کی فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نفی نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ . (الکوثر: ۲) آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وانحر کا معنی جس طرح ہے: قربانی کیجئے اسی طرح اس کا معنی یہ بھی ہے کہ نماز میں اپنے ہاتھ سینہ پر رکھیے یا نماز میں اپنا سینہ قبلہ کی طرف رکھیے' اس کا جواب یہ ہے کہ موخر الذکر دونوں معنی تو فصل سے حاصل ہو گئے اب اگر وانحر کا بھی یہی معنی ہو تو تکرار ہو گی اور جب وانحر کا معنی کیا جائے گا قربانی کیجئے تو اس سے فائدہ جدیدہ حاصل ہو گا سو وانحر کو قربانی پر محمول کرنا واجب ہے۔

اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ضحوا وطیبوا بها انفسکم. خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴۔ ۸۱۶۷ قدیم' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امر اصل میں وجوب کے لیے آتا ہے' خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو۔ نیز آپ نے فرمایا:

علی اهل کل بیت فی کل عام اضحیة وعتیرة. ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۲۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۵)

اور علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے' اور عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا' نیز آپ کا ارشاد ہے:

من لم یضح فلا یقربن مصلانا. جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۹' ج ۴ ص ۲۳۱' سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۶۰)

اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر وعید ہے اور وعید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے' نیز آپ کا ارشاد ہے:

من ذبح قبل الصلاة فلیعد اضحیته. جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۸۰۔ ۲۷۵' ملخصاً دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قربانی کے حکم میں مذاہب فقہاء بیان کرنے کے بعد اب ہم قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید بیان کر رہے ہیں' ائمہ ثلاثہ

(امام ابوحنیفہ' امام احمد اور امام مالک) کے نزدیک قربانی صرف تین دن (۱۰'۱۱'۱۲ تاریخوں) میں کرنا جائز ہے اور امام شافعی اور غیر مقلدین کے نزدیک چوتھے دن قربانی کرنا بھی جائز ہے' اب ہم اس مسئلہ کی تفصیل اور تحقیق کر رہے ہیں:

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

قربانی کرنے کے ایام قربانی کا دن (دس ذوالحجہ) اور تین ایام تشریق ہیں' یہ ہمارا مذہب ہے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' حضرت جبیر بن مطعم' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عطاء' حسن بصری' عمر بن عبدالعزیز' مکحول اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کرنے کا جواز قربانی کے دن اور اس کے بعد دو دن تک ہے' حضرت عمر بن الخطاب' دوسری روایت کے مطابق حضرت علی' حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے' امام مالک اور ان کے موافقین کی یہ دلیل ہے کہ دنوں کی تعیین اور تحدید نص سے ثابت ہوتی ہے یا اتفاق سے' اور اتفاق صرف تین دنوں کی تحدید پر ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل ایام التشریق ایام ذبح. — تمام ایام تشریق ایام ذبح ہیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۸۲' رقم الحدیث: ۱۶۷۵۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۰۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

حضرت جبیر کی حدیث کو امام بیہقی نے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے' سلیمان بن موسیٰ نے اس حدیث کو حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے اور اس نے ان کا زمانہ نہیں پایا' امام بیہقی نے اس حدیث کو اسانید متصلہ سے بھی بیان کیا ہے لیکن وہ تمام اسانید ضعیف ہیں (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۹۶) کیونکہ ان اسانید کا مدار معاویہ بن یحییٰ الصدفی پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا قربانی صرف ایک دن یعنی یوم نحر (دس ذوالحجہ) کو کرنا جائز ہے۔

(شرح المہذب ج ۹ ص ۴۱۹۔۴۱۴ ملخصاً دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ صرف تین دن تک قربانی کرنا جائز ہے' دس ذوالحجہ اور دو دن بعد' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ (الحج: ۲۸)

اور ان معروف اور معین دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کے نام کا ذکر کریں جو اللہ نے ان کو عطا کیے ہیں پھر تم خود بھی ان جانوروں کے گوشت سے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

اس آیت میں ان لوگوں (محمد بن سیرین اور ان کے متبعین) کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف دس ذوالحجہ کے دن جائز ہے کیونکہ اس آیت میں ایام کا لفظ ہے اور یہ جمع کا صیغہ ہے اور اس کو یوم واحد سے تعبیر نہیں کیا جاتا اور اکثر اہل اصول کے نزدیک جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر کیا جاتا ہے پس تین دن تک قربانی کرنا یقینی ہے' لہٰذا اس آیت کو یقینی مقدار پر محمول کیا جائے گا اور تین دن سے زیادہ ایام مراد لینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور وہ ہے نہیں سو قربانی کرنے کا جواز

صرف تین دن میں منحصر رہے گا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۶ ص ۴۰۲ دارالوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

صرف تین دن قربانی کرنا جائز ہے' دس ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بکثرت صحابہ سے یہ منقول ہے کہ قربانی تین دن ہے' امام مالک' امام ابوحنیفہ اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آخر ایام تشریق کی بھی ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایام منی کلها منحر ''تمام ایام منیٰ قربانی کے دن ہیں'' نیز ان تمام دنوں میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور روزہ نہیں رکھا جاتا۔ پس یہ تمام ایام قربانی کا محل ہیں' ابن سیرین نے کہا قربانی کرنا صرف یوم نحر میں جائز ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا ہے' اور جس دن گوشت کو ذخیرہ کرنا جائز نہیں اس دن قربانی کرنا بھی جائز نہیں ہوگا' نیز چوتھے دن رمی کرنا بھی واجب نہیں ہے' لہٰذا اس دن قربانی کرنا بھی جائز نہیں ہے' اور انہوں نے جو حدیث روایت کی ہے'' منی کلها منحر '' اس میں ایام کا ذکر نہیں' اور تکبیر قربانی سے عام ہے اسی طرح روزہ نہ رکھنا بھی قربانی سے عام ہے کیونکہ ایام تشریق کا پہلا دن جو یوم عرفہ ہے وہ بھی تکبیرات اور روزہ رکھنے کا دن ہے حالانکہ اس دن قربانی جائز نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۵۹' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

قربانی کے دنوں کی تعیین اور تحدید میں فقہاء احناف کا مذہب

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

قربانی کا ادا کرنا صرف ایام نحر میں جائز ہے اور ہمارے نزدیک ایام نحر صرف تین دن ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایام نحر تین دن ہیں ان میں پہلا دن افضل ہے' اور جب تیسرے دن سورج غروب ہو جائے تو پھر اس کے بعد قربانی جائز نہیں ہے' اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چوتھے دن بھی قربانی جائز ہے' اور یہ ضعیف ہے' کیونکہ یہ قربانی ایام نحر کے ساتھ خاص ہے نہ کہ ایام تشریق کے ساتھ' کیا تم نہیں دیکھتے کہ پہلے دن یعنی دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اور وہ یوم نحر ہے۔

(المبسوط ج ۱۲ ص ۱۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قربانی کے جواز کے لیے صرف تین دنوں کی تخصیص اور تحدید کے متعلق احادیث

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا قربانی صرف قربانی کے دن اور اس کے دو دن بعد تک ہے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۰۷۷' دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۰ھ' جامع الاصول رقم الحدیث: ۱۶۶۹)

تین دن تک قربانی کی تخصیص پر حسب ذیل احادیث میں ثبوت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے ہم اپنی قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد نہیں کھاتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے بعد بھی گوشت کھانے اور لے جانے کی اجازت دے دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دن تک قربانی کا گوشت

کھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۰ مسند احمد ج ۲ ص ۹)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی قربانی کرے تو تین دن کے بعد اس کے پاس گوشت میں سے کوئی چیز بچی نہ رہے' جب دوسرا سال آیا تو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی پچھلے سال کی طرح کریں؟ آپ نے فرمایا تم خود کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو' اس سال لوگ تنگی میں تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ تم تنگی میں ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۶۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم قربانی کے گوشت میں نمک لگا کر رکھتے تھے' اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ میں پیش کرتے تھے' آپ نے فرمایا تم اس کو صرف تین دن کھایا کرو' اور آپ نے سختی سے منع نہیں فرمایا' لیکن آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اس گوشت میں سے تنگ دستوں کو کھلایا جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۵۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۴۷۵' عالم الکتب بیروت)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی میں سے تین دن تک کھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۷۰)

اس طرح کی اور بہت احادیث ہیں' اور ان تمام احادیث میں تین دن کی تخصیص میں اس پر دلیل ہے کہ قربانی کرنے کا جواز تین دنوں میں منحصر ہے' نیز ہم کہتے ہیں کہ چوتھے دن قربانی کرنا بہرحال مشکوک ضرور ہے' سو غیر مقلدین حضرات کو چاہیے کہ اس دن قربانی کریں جس دن یقینی طور پر قربانی ہو جائے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات دانستہ چوتھے دن قربانی کرتے ہیں۔

قربانی کے منکرین کے شبہات کا ازالہ

قربانی کے منکرین کہتے ہیں کہ قربانی صرف حجاج کے لیے مشروع ہے' اور ہر سال اور ہر شہر میں قربانی کرنا' سنت ابراہیمی ہے نہ سنت محمدی ہے۔

اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قربانی ادا کرنے کا امر عموم اور اطلاق سے فرمایا ہے۔ حج کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا **فصل لربک وانحر** (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر) (الکوثر: ۲) اور احادیث رسول میں اس عموم کی تائید موجود ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک بار حج کیا اور مدینہ میں قیام کی پوری مدت میں ہر سال قربانی ادا فرماتے رہے (ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں دوبارہ قربانی کرنی ہو گی (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۶۰) حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۵) پس ظاہر ہو گیا کہ قربانی کا حکم حجاج اور مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے ہر شہر میں ہے۔ ثانیاً چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا اور دوسرے فوائد کے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے اس لیے اس نعمت کے شکر کے طور پر جانوروں کی قربانی کا حکم دیا اور یہ نعمت چونکہ حجاج اور غیر حجاج دونوں پر ہے' اس لیے قربانی کا حکم بھی دونوں کے لیے ہے۔ ثالثاً قربانی سنت ابراہیم ہے لقولہ علیہ السلام **سنۃ ابیکم ابراھیم** (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷) اور سنت ابراہیم کی پیروی حجاج و غیر حجاج دونوں کے لیے لازم ہے **ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا** (النحل: ۱۲۳)

ملت ابراہیم کی پیروی کرو' پس قربانی بھی حجاج وغیر حجاج دونوں پر لازم ہے۔

رہا مال کو ضائع کرنے کا شبہ' تو اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں جو مال خرچ ہوتا ہے وہ اسی شخص کے نزدیک ضائع کہلایا جا سکتا ہے جو خدا اور آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو' ثانیاً قربانی کا گوشت خود کھایا جاتا ہے' احباب کو کھلایا جاتا ہے اور غرباء کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اب اس میں ضائع کیا چیز ہوئی' اپنے کھانے کو تو ضائع نہیں کہہ سکتے اور احباب کے ہدیہ اور غرباء پر صدقہ کو ضائع وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں نہ اپنے رشتہ داروں کی محبت ہو اور نہ غرباء کے لیے ہمدردی۔

فقہاء احناف کے نزدیک قربانی کے جانور کا معیار

عالم گیری میں ہے:

☆ قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ سے سلامت ہونا چاہیے۔ (بدائع الصنائع)

☆ جس جانور کا خلقۃً سینگ نہ ہو یا اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (کافی)

☆ اگر سینگ کی ٹوٹ ہڈی کے جوڑ تک پہنچ گئی تو پھر قربانی جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ اگر جانور اندھا' کانا یا لنگڑا ہو اور اس کے عیوب بالکل ظاہر ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں' اسی طرح اگر اس کی بیماری ظاہر ہو' جس کے دونوں کان کٹے ہوئے ہوں یا جس کی چکتی یا دم بالکل کٹی ہوئی ہو یا جس کا پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں' جس کا کان چھوٹا ہو اس کی قربانی جائز ہے' جس کا ایک کان پورا کٹا ہوا ہو یا جس کا پیدائشی صرف ایک کان ہو اس کی قربانی جائز نہیں' اگر کان' چکتی دم اور آنکھ کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور کم ضائع ہوا ہو تو پھر جائز ہے' تہائی یا اس سے کم حصہ اگر ضائع ہوا تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ حصہ ضائع ہو گیا تو ناجائز ہے۔ (جامع صغیر و کافی)

☆ جس جانور کے دانت نہ ہوں تو اگر وہ چارا کھالیتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (محیط سرخسی)

☆ جس جانور کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اگر اتنے دانت باقی ہیں جن سے وہ چارا کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری ج ۳ ص ۳۵۳)

☆ جو جانور مجنون ہو گیا ہو تو اگر وہ چارا کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں' خارش زدہ جانور اگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ جس جانور کا کان طول کی جانب سے چیرا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے اسی طرح جس کے کان کا اگلا حصہ یا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا جس کا کان پھٹا ہوا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ حدیث میں جو ایسے جانوروں کی قربانی کی ممانعت ہے وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (ظہیریہ)

☆ جو جانور بھینگا ہو یا جس کا اُون کاٹ لیا گیا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (قاضی خاں)

☆ جس کے تھن کاٹ لیے گئے ہوں' یا جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں یا جو اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ (محیط سرخسی)

☆ اگر بکری کی زبان کٹی ہوئی ہو اور وہ چارہ کھا سکتی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تاتارخانیہ)

☆ اگر بکری کی زبان نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر گائے کی زبان نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ (خلاصہ)

☆ (جلالہ) جو جانور لید اور گوبر وغیرہ کھاتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں' اگر جلالہ اونٹ ہو تو اس کو چالیس دن بند رکھا جاتا ہے' گائے کو بیس دن' بکری کو دس دن اور مرغی کو تین دن۔ (قاضی خاں)

☆ جس جانور کی چار ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (خزانہ وتاتارخانیہ)

☆ مشائخ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت کا بالکل زائل کر دے یا جمال کو بالکل ضائع کر دے اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کم درجہ کا ہو اس کی وجہ سے قربانی ممنوع نہیں ہے۔

☆ صاحب نصاب نے اس قسم کے عیب والے جانور کو خریدا یا خریدنے کے بعد اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی ممنوع ہے تو ہر صورت میں صاحب نصاب کا اس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں اور جو صاحب نصاب نہ ہو وہ ہر صورت میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔ (محیط) (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۲۹۹۔ ۲۹۷ ملخصاً مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک افضل قربانی کا بیان اور قربانی کے گوشت کے احکام

☆ خصی جانور کی قربانی نر کی بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (محیط)

☆ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ اونٹ کا ساتواں حصہ افضل ہے یا بکری؟ تحقیق یہ ہے کہ جس کی قیمت زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (ظہیریہ)

☆ اگر قیمت برابر ہو تو گائے کے ساتویں حصہ سے بکری افضل ہے کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (خلاصہ)

☆ زیادہ فربہ' زیادہ حسین اور زیادہ عظیم جانور کی قربانی مستحب ہے' اور بکریوں کی جنس میں سرمئی رنگ کا سینگوں والا خصی مینڈھا افضل ہے' نیز یہ مستحب ہے کہ چھری تیز ہو اور گلے پر چھری پھیرنے کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اس کے تمام اعضاء ٹھنڈے ہو جائیں اور اس کے تمام جسم سے جان نکل جائے اور اس کے جسم کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ قربانی کے جانور سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ تیسرا حصہ صدقہ کرے اور تیسرے حصہ سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی ضیافت کرے اور باقی تیسرے حصہ کو ذخیرہ کرے اور غنی اور فقیر سب کو کھلائے۔ (بدائع الصنائع)

☆ قربانی کے گوشت کو جسے چاہے ہبہ کرے' غنی کو' فقیر کو' مسلم کو اور ذمی کو۔ (غیاثیہ)

☆ اگر قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا یا سارا گوشت اپنے لیے رکھ لیا تو جائز ہے' اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ بھی گوشت کو ذخیرہ کر کے رکھے لیکن اس کو کھلانا اور صدقہ کرنا افضل ہے' البتہ اگر کوئی شخص کثیر العیال ہو تو اس کے لیے افضل اپنے اہل وعیال کو کھلانا ہے۔ (بدائع الصنائع)

☆ اگر قربانی کے جانور کی نذر مانی تھی تو پھر اس کے گوشت کو خود کھانا جائز ہے اور نہ اس میں سے اغنیاء کو کھلانا جائز ہے عام ازیں کہ نذر ماننے والا امیر ہو یا فقیر ہو' کیونکہ اس کا طریقہ اس کو صدقہ کرنا اور صدقہ کرنے والے کے لیے اپنے صدقہ کو خود کھانا جائز ہے نہ اغنیاء کو کھلانا جائز ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۰۰۔ ۲۹۹ ملخصاً مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر)

قربانی کے دیگر مسائل

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

(۱) قربانی کرنے سے چند ایام پہلے قربانی کے جانور کو باندھنا اس کے گلے میں ہار ڈالنا اور اس پر جل ڈالنا مستحب ہے اس کو

آہستہ آہستہ قربان گاہ کی طرف لے جایا جائے اس کو سختی سے یا گھسیٹ کر قربان گاہ کی طرف نہ لے جایا جائے۔ (بدائع الصنائع)

(۲) قربانی کے بعد اس کے ہار اور اس کی جُل کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ)

(۳) جب کوئی بکری (یا گائے) قربانی کے لیے خریدے تو اس کا دودھ دوھ کر یا اس کے بال کاٹ کر نفع حاصل کرنا مکروہ ہے' بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو صاحب نصاب نہ ہو اور صاحب نصاب کے لیے قربانی کے جانور کے دودھ یا اُون سے نفع حاصل کرنا جائز ہے (بدائع) اور صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صاحب نصاب اور غیر نصاب دونوں برابر ہیں۔ (غیاثیہ)

(۴) قربانی کی کھال کو صدقہ کر دے یا اس کی مشک یا جراب بنالے (یا مصلّے اور موزے بنالے) اور قربانی کی کھال کو فروخت کر کے کسی ایسی چیز کو خریدنا استحساناً جائز ہے جس کو بعینہٖ کام میں لایا جا سکے (مثلاً کتاب یا پنکھا خرید لے) اور اس سے ایسی چیز خریدنا جائز نہیں ہے جس کو بعینہٖ کام میں نہ لایا جا سکے بلکہ اس کو خرچ کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے جیسے طعام اور گوشت وغیرہ' اور اگر کھال کو پیسوں کے عوض فروخت کر دیا تاکہ صدقہ کیا جا سکے تو یہ جائز ہے' کیونکہ یہ بھی کھال کی طرح صدقہ کرنا ہے۔ (تبیین الحقائق)

(۵) قربانی کے گوشت کے بدلہ میں جراب (چمڑے کا ظرف) خریدنا جائز نہیں ہے' البتہ قربانی کے گوشت کے بدلہ میں غلہ یا گوشت خریدنا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

(۶) قربانی کرنے کے بعد اس کی چربی' اس کی سری پائے اس کا اُون' اس کے بال اور دودھ وغیرہ کو ایسی چیز کے عوض فروخت نہ کرے جس سے بعینہٖ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے روپے پیسے اور کھانے پینے کی چیزیں' اسی طرح ان چیزوں کو قصاب کی اجرت میں بھی نہ دے' اور اگر اس نے ان چیزوں کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرے۔ (بدائع الصنائع)

(۷) اگر قربانی کے جانور کے بچہ ہو جائے تو اس بچہ کو بھی اس جانور کے ساتھ ذبح کر دیا جائے' اور اگر اس کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے' اور اگر ایام نحر گذر گئے تو اس بچہ کو زندہ صدقہ کر دیا جائے اور اگر بچہ کو ماں کے ساتھ ذبح کیا تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔ (خلاصہ)

(۸) صاحب نصاب قربانی کے جانور کو فروخت کر کے اس کے بدلہ میں دوسرا جانور خرید سکتا ہے اور اگر کچھ پیسے بچ جائیں تو ان کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ) (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۰۲۔۳۰۰' ملخصاً' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

قربانی کے اسرار و رموز

اسوۂ اسماعیل کو تازہ کیا جاتا ہے۔

(۱) اسلامی سال کا آغاز محرم اور اختتام ذوالحج پر ہوتا ہے اور دس محرم کو حضرت حسین کی اور دس ذوالحج کو حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ پتہ چلا اسلام ابتداء سے انتہا تک قربانیوں کا نام ہے۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

(۲) اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں اپنی مرضی سے تصرف کے لیے دی ہیں' وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کا کچھ حصہ اس کی مرضی سے بھی خرچ کیا جائے سال بھر ہم اپنی خواہش سے جانور ذبح کرتے ہیں' اللہ نے چاہا سال میں ایک مرتبہ ہم یہ جانور محض اس کی مرضی سے ذبح کر دیں۔

(۳) اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خاک و خون سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے جہاد کی استعداد حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو شخص ایک جانور کو بھی ذبح نہ کر سکے اس سے کفار کو ہلاک کرنے کی توقع کب کی جا سکتی ہے۔

(۴) قربانی کے ذریعہ ہمیں یہ عادت ڈالی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے ہم نے آج اس جانور کی جان پیش کی ہے' وقت آنے پر اپنی جان کو بھی اللہ کے حضور پیش کر دیں۔

(۵) جس طرح بدن کا شکر نماز سے' مال کا زکوٰۃ سے اور قوت کا شکر جہاد سے ہوتا ہے اسی طرح جانوروں کا شکر قربانی سے ہوتا ہے۔

(۶) کفار اپنی قربانیاں بتوں کے لیے کرتے ہیں ہم قربانی اللہ کے لیے کر کے ان کے لیے صحیح راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔

(۷) قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی وجہ سے غیر حجاج کو بھی حجاج سے مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

(۸) قربانی سے وحدت ملی کو تقویت ملتی ہے اس دن تمام مسلمان ایک عمل اور ایک کھانے میں متحد ہوتے ہیں۔

(۹) قربانی اقارب اور احباب سے ملاقات' ضیافت اور صلۂ رحمی کا سبب بنتی ہے۔

(۱۰) احباب کو قربانی کا تحفہ دینے سے یگانگت بڑھتی ہے اور صدقہ دینے سے غرباء کا پیٹ پلتا ہے اور ان کی دعائیں ملتی ہیں۔

(۱۱) انسان کی جسمانی نشوونما کے لیے گوشت ایک ضروری عنصر ہے' بہت سے لوگ ناداری کی وجہ سے گوشت سیر ہو کر نہیں کھا سکتے' قربانی کے ایام میں ان کی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

(۱۲) قربانی کے ذریعہ ان کفار کے عقیدہ پر ضرب لگتی ہے جو جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔

(۱۳) قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس خارجی حیوان کو آہنی چھری سے ذبح کیا ہے۔ اسی طرح شریعت کی قربان گاہ پر اپنے داخلی حیوان کو بھی مخالفتِ نفس کی چھری سے ذبح کر ڈالو تاکہ باطن ظاہر کے موافق ہو جائے' اور آیاتِ آفاق کی معرفت کا مقتضیٰ حیوان ظاہر کی قربانی سے اور آیاتِ انفس کی معرفت کا مدعیٰ حیوان باطن کی قربانی سے پورا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں ○ اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے (بھی) ہیں اور اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے (بھی) ہیں ○ (الصّٰفّٰت: ۱۱۳-۱۱۲)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر یہ برکتیں نازل فرمائیں کہ قیامت تک دنیا میں ان کی ثناء جمیل اور تعریف اور تحسین ہوتی رہے گی' اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پشت سے تمام انبیاء بنی اسرائیل پیدا فرمائے اور یہ بھی ان دونوں برگزیدہ نبیوں پر برکتوں کا نزول ہے' اور فرمایا کہ ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں' اور یہ انبیاء علیہم السلام اور مومنین اہل کتاب ہیں' اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی اولاد میں سے اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے بھی ہیں' اور اس ارشاد میں یہ تنبیہ ہے کہ باپ کے فضائل سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹے میں بھی وہ فضائل ہوں تاکہ یہ چیز یہود کے لیے فخر و مباہات کا سبب نہ ہو جائے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا ○ اور ہم نے ان دونوں کو

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان کی مدد فرمائی سو وہ غالب رہے O

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی O اور ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا O

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا

اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر چھوڑا O موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O ہم نیکی

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیںO بے شک وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیںO

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو!O

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ

کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو!O اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ

رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ

دادا کا رب ہےO تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گےO ماسوا اللہ

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى

کے برگزیدہ بندوں کے O اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا O آل یاسین

اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

پر سلام ہو O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

بندوں میں سے ہیںO اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیںO جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام

اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾

گھر والوں کو نجات دی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O

وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيۡلِ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾

اور (اے مکہ والو!) تم ضرور صبح کے وقت ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو O اور رات کو بھی تو کیا تم نہیں سمجھتے! O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا O اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی O اور ہم نے ان کی مدد فرمائی سو وہی غالب رہے O اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی O اور ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا O اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر چھوڑا O موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں O

(الصّٰفّٰت: ۱۲۲ـ۱۱۴)

حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام پر کیا کیا انعامات فرمائے' ان دونوں کو نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا' ان کو اور ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی اس نے ان کو غلام بنا رکھا تھا' ان کے بیٹوں کو قتل کرا دیتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کو فرعون اور اس کی قوم پر غلبہ عطا فرمایا' اور انہوں نے فرعون کی زمین اور اس کے اموال پر قبضہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک آسمانی کتاب نازل فرمائی جس میں وضاحت کے ساتھ احکام شرعیہ بیان فرمائے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے' احسان سے مراد ہے نفع پہنچانا' اور نفع کی دو قسمیں ہیں دنیاوی نفع اور دینی نفع' دنیاوی منافع میں حیات' عقل' حواس اور مشاعر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پرورش فرمانا ہے' اور صحت اور عافیت کے ساتھ قابل ذکر عمر عطا فرمانا ہے' اور دینی نفع میں علم اور عمل صالح ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ نبوت اور رسالت ہے جس کی تائید معجزات اور دلائل سے ہو۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۵ میں ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات عطا فرمانے کا ذکر ہے' اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سلامتی سے سمندر کے پار گزار دیا۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۶ میں ان کی مدد فرمانے اور ان کو غلبہ عطا فرمانے کا ذکر ہے یعنی وہ دلائل اور معجزات کے اعتبار سے ہر دور اور ہر حال میں فرعون اور اس کی قوم پر غالب رہے اور آخر کار ان کو سلطنت اور حکومت بھی عطا فرمائی۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۷ میں ان کو روشن کتاب عطا فرمانے کا ذکر ہے' اس سے مراد تورات ہے جو ان کی ضرورت کے تمام علوم اور احکام پر مشتمل ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۸ میں ان کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کا ذکر ہے' ان کو عقلی اور سمعی دلائل سے دین حق پر مضبوطی سے قائم رکھا اور ان کو باطل سے مجتنب رہنے اور حق سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

الصّٰفّٰت: ۱۱۹ میں بتایا کہ ہم نے بعد والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا بعد والوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت

ہے اور ذکر خیر سے مراد ان کی تعریف و تحسین اور ثناء جمیل ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۰ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون پر سلام بھیجنے کا ذکر ہے اس میں ان کی تعظیم اور توقیر کا بیان ہے' اور ہمیں یہ ہدایت دی ہے کہ ہم بھی جب ان کا نام لیں تو ان پر سلام بھیجیں اور کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۱ میں فرمایا: ہم نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دیتے ہیں' عذاب سے نجات' جنت میں دخول اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا۔

الصّٰفّٰت: ۱۲۲ میں فرمایا: وہ دونوں ہمارے کامل مومن بندوں میں سے ہیں' اس سے مقصود اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑا شرف ایمان کامل سے حاصل ہوتا ہے' ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرنا ہے' اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک الیاس ضرور رسولوں میں سے ہیں O جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو! O کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو' اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو! O اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے O تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا O ال یاسین پر سلام ہو O ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح اچھی جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل بندوں سے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۳۲۔۱۲۳)

حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ اور ان کی مفصل سوانح

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الیاس علیہ السلام کا نام ونسب اس طرح ہے: الیاس بن یاسین بن فنحاس بن العیز ار بن ھارون' اور ایک قول اس طرح ہے: الیاس بن العازر بن العیز ار بن ھارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو دمشق میں اہل بعلبک کی طرف بھیجا' ایک قول یہ ہے کہ آپ دمشق کے ایک پہاڑ قاسیون میں دس سال کفار سے چھپے رہے۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام دمشق میں اپنی قوم کے ایک بادشاہ سے دس سال چھپے رہے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو ہلاک کر دیا' اور دوسرا شخص اس کا جانشین ہوا' پھر حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس گئے اور اس پر اسلام پیش کیا' سو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم میں سے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے' ماسوا دس ہزار آدمیوں کے پھر بادشاہ کے حکم سے ان سب کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔

محمد بن السائب الکلبی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو نبی مبعوث کیے گئے وہ حضرت ادریس ہیں' پھر حضرت نوح' پھر حضرت ھود' پھر حضرت صالح' پھر حضرت ابراہیم' پھر حضرت لوط' پھر حضرت اسماعیل' پھر حضرت اسحاق' پھر حضرت یعقوب' پھر حضرت یوسف' پھر حضرت شعیب' پھر حضرت موسیٰ' پھر حضرت ھارون' پھر حضرت الیاس بن نمیس بن العازر بن ھارون بن عمران بن قاھث بن لاوی بن یعقوب۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۴' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۴۳' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱' جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۰۹' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۲' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۰۲)

کعب بیان کرتے ہیں کہ آج بھی چار نبی (دنیاوی حیات کے ساتھ) زندہ ہیں دو زمین پر ہیں اور دو آسمان میں' جو دو زمین پر ہیں وہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہیں اور جو دو آسمان پر ہیں وہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں علیہم السلام۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۵' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت الیاس علیہ السلام کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی روایات

امام ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے' ہم ایک جگہ ٹھہرے تو وہاں وادی میں ایک شخص یہ دعا کر رہا تھا: اے اللہ مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے جو مرحومہ اور مغفورہ ہے اور ثواب پانے والی ہے' پس میں نے وادی میں جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی کھڑا تھا جس کا قد تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) تھا' اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں انس بن مالک ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں' اس نے پوچھا وہ کہاں ہیں' میں نے کہا وہ یہیں ہیں اور تمہاری باتیں سن رہے ہیں' اس نے کہا تم ان کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کا بھائی آپ کو سلام کہہ رہا ہے' پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی' آپ آئے اور آپ نے ان سے ملاقات کی اور ان سے معانقہ کیا اور سلام کیا پھر دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں سال میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور آج میرے کھانے کا دن ہے' پس آپ اور میں دونوں کھاتے ہیں' پھر آسمان سے ایک دسترخوان نازل ہوا اس میں روٹی' مچھلی اور اجوائن تھی' ان دونوں نے وہ کھانا کھایا اور مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز پڑھی' پھر آپ نے ان کو الوداع کیا وہ بادل میں بیٹھ کر آسمان کی طرف چلے گئے' امام عساکر کہتے ہیں کہ حافظ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۲۱ طبع جدید)

اس روایت پر حافظ بیہقی کے تبصرہ کی اصل عبارت یہ ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ سے ممکن ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا فرمائے ہیں یہ ان کے مشابہ ہے لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور آپ کے جو معجزات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ کافی ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۲۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں یہ قصہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے وہ کہتے ہیں ہم غزوہ تبوک میں ایک جگہ پہنچے جس کا نام الحوزۃ تھا' تہائی رات کے بعد ہمیں ایک غم ناک آواز سنائی دی: اے اللہ! مجھے امت محمد سے بنا دے جو مرحوم اور مغفور ہے اور جس کی دعا قبول ہوتی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حذیفہ! اور اے انس! تم اس گھاٹی میں جاؤ اور دیکھو یہ کیسی آواز ہے' اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کے قصہ کو حافظ ابن عساکر نے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے' اور اس کے آخر میں لکھا ہے یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۶۰۔۱۵۹' رقم الحدیث: ۲۲۷۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ان روایات کو صحیح قرار دینے پر حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر کے تبصرے

حاکم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد جو لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے (المستدرک ج ۲ ص ۱۱۶) اس پر شمس

الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذھبی متوفی ۸۴۸ ھ نے تلخیص المستدرک میں یہ تبصرہ کیا ہے:

بلکہ یہ حدیث موضوع ہے' اللہ تعالیٰ اس کو خراب کرے جس نے اس حدیث کو وضع کیا ہے' مجھے یہ گمان نہ تھا کہ حاکم کا جہل اس حد تک پہنچے گا کہ وہ ایسی حدیث کو صحیح الاسناد کہیں گے۔

(تلخیص المستدرک مع المستدرک ج ۲ص ۶۱۷' دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

اور میزان الاعتدال میں یہ تبصرہ کیا ہے:

پس حاکم کو اس سے حیاء نہیں آئی کہ اس نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ (میزان الاعتدال ج ۷ص ۲۶۴' دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۶ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ ھ نے اس روایت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

حاکم نیشا پوری پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی متدرک میں درج کیا ہے' حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے اور احادیث صحیحہ کے حسب ذیل وجوہ سے مخالف ہے:

(۱) حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' بے شک اللہ نے آدم کو پیدا کیا آسمان میں ان کے جسم کا طول ساٹھ ذراع (نوے فٹ) تھا' (الی قولہ) پھر مخلوق کا قد کم ہوتے ہوتے اتنا رہ گیا جتنا اب ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۲۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۶۲' الاسماء والصفات ص ۲۹۰۔ ۲۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۹۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۸' المستدرک ج ۱ص ۶۴' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۴۳۵' مسند احمد ج ۲ص ۳۱۵' رقم الحدیث: ۸۱۷۱' دارالفکر' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۵۸۰) اور اس روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت الیاس کا قد تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) تھا۔

(۲) اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت الیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں گئے حتیٰ کہ آپ خود ان کے پاس گئے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ ان پر یہ حق تھا کہ وہ خود خاتم الانبیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

(۳) اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت الیاس سال میں صرف ایک مرتبہ کھاتے تھے' اور وہب بن منبہ سے یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کھانے اور پینے کی لذت سلب کر لی تھی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ سال میں صرف ایک بار زمزم کا پانی پیتے تھے اور یہ تمام اشیاء متعارض اور باطل ہیں ان میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔

(۴) حافظ ابن عساکر نے اس حدیث کو واثلہ بن الاسقع سے بھی روایت کیا ہے اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت انس بن مالک اور حضرت حذیفہ بن یمان کو بھیجا تھا اور اس میں یہ ذکر ہے کہ ان کا قد ان سے دو یا تین ذراع زیادہ تھا' اور اس میں یہ ذکر ہے کہ جب وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تو انہوں نے جنت کا کھانا کھایا' اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت الیاس نے کہا میں ہر چالیس دن کے بعد کھانا کھاتا ہوں' اور اس میں یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے دسترخوان میں روٹی' انار' انگور' بادام' تازہ کھجوریں اور سبزیاں تھیں' اور اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خضر کے متعلق سوال کیا تو حضرت الیاس نے کہا میں سال کی ابتداء میں ان سے ملاقات کروں گا اور آپ نے فرمایا کہ جب آپ کی ان سے ملاقات ہو تو آپ ان سے میرا سلام کہیں' اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس موجود ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ نو ہجری تک حضرت خضر اور حضرت الیاس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور یہ وہ چیز ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور یہ بھی موضوع ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۴۵۔۴۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

حضرت الیاس علیہ السلام سمیت چار نبیوں کے ابھی تک زندہ .... ہونے پر حافظ ابن کثیر کا تبصرہ اور مصنف کی توجیہ

کعب نے روایت کیا ہے کہ آج بھی چار نبی زندہ ہیں دو زمین پر ہیں اور دو آسمان میں ہیں' جو دو زمین پر ہیں وہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہیں اور جو دو آسمان پر ہیں وہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۵)

اس روایت کے متعلق حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

ہم اس سے پہلے بعض لوگوں کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر ہر سال ماہ رمضان میں بیت المقدس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور وہ ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم سے پانی پیتے ہیں جو ان کو اگلے سال تک کے لیے کافی ہوتا ہے' اور ہم وہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ وہ دونوں ہر سال میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے' اور جو چیز دلیل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور اسی طرح حضرت الیاس بھی' اور وہب بن منبہ نے جو یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور ان کو ایذاء پہنچائی تو حضرت الیاس نے اپنے رب سے دعا کی' پھر آگ کے رنگ کا ایک جانور آیا' حضرت الیاس اس پر سوار ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کو نور کا لباس پہنا دیا اور ان سے کھانے اور پینے کی لذت کو منقطع کر دیا اور وہ فرشتہ اور بشر کی صورت میں زمین اور آسمان پر گئے' اور انہوں نے الیسع بن اخوطب کو وصیت کی' سو اس روایت پر اعتراضات ہیں اور یہ اسرائیلیات میں سے ہے جس کی تصدیق واجب ہے نہ تکذیب' بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت بہت بعید ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۴۴۔۴۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام پر ابھی تک طبعی موت نہیں آئی' لیکن بہرحال قیامت سے پہلے ان پر موت آئے گی اور واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کے بعد پھر حیات عطا کر دی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام پر صرف ایک آن کے لیے موت آتی ہے' اسی طرح حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک موت نہیں آئی لیکن قیامت سے پہلے ان پر بہرحال موت آئے گی۔

حضرت الیاس کے لوگوں سے ملاقات کرنے کی روایت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عساکر نے کئی سندوں سے یہ روایت ذکر کی ہیں کہ حضرت الیاس کی اللہ کے بندوں سے ملاقات ہوئی' یہ تمام روایات ضعیف یا مجہول ہیں اور بہترین حدیث وہ ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

ثابت بیان کرتے ہیں کہ ہم مصعب بن الزبیر کے ساتھ کوفہ کے مضافات میں تھے' میں ایک باغ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی سو میں نے سورۃ المومن کی یہ تین آیتیں تلاوت کیں حم O تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم O غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول اس وقت میرے پیچھے ایک شخص سرخ خچر پر سوار کھڑا تھا اور اس نے یمن کا لباس پہنا ہوا تھا' اس نے کہا جب تم غافر الذنب پڑھو تو یہ دعا کرو یا غافر الذنب اغفرلی ذنبی (اے گناہ بخشنے والے میرے گناہ بخش دے) اور جب تم پڑھو قابل التوب تو یہ دعا کرو یا قابل التوب تقبل توبتی (اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما) اور جب تم پڑھو شدید العقاب تو یہ دعا کرو یا شدید العقاب لا تعاقبنی (اے سخت سزا

دینے والے مجھے سزا نہ دینا) اور جب تم پڑھو ذی الطول تو یہ دعا کرنا یا ذا الطول تطول علی برحمتی (اے قدرت والے! اپنی قدرت سے مجھ پر رحمت نازل فرما) میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا' میں باغ سے باہر نکل آیا اور لوگوں سے پوچھا کیا تم نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو سرخ خچر پر سوار تھا اور اس نے یمنی لباس پہنا ہوا تھا' لوگوں نے کہا یہاں پر ایسا کوئی شخص نہیں تھا' اور ان کا یہ گمان تھا کہ وہ شخص حضرت الیاس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۴۵' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو حسن کے بجائے احسن لکھا ہے اور اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت الیاس ابھی تک زندہ ہیں۔

بعل کا معنی اور اس کی پرستش کا پس منظر اور پیش منظر

الصّٰفّٰت: ۱۲۵ میں ہے: (حضرت الیاس نے اپنی قوم سے کہا) کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو!

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما الصّٰفّٰت: ۱۲۶۔۱۲۳' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں' اس شہر کا نام بعل بک اس لیے رکھا گیا کہ یہاں کے لوگ بعل کی عبادت کرتے تھے اور اس جگہ کا نام بک تھا پھر اس کا نام بعل بک پڑ گیا۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت الیاس کو بعل بک کے لوگوں کی طرف بھیجا یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے' اور بنی اسرائیل کے بادشاہ عام لوگوں سے الگ رہتے تھے' جس بادشاہ کے ساتھ حضرت الیاس رہتے تھے' وہ حضرت الیاس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور ان کی ہدایت کی پیروی کرتا تھا' ایک دن اس کے پاس اس کی قوم کے بت پرست لوگ آئے اور کہا یہ شخص تمہیں گمراہی اور جھوٹ کی دعوت دے رہا ہے تم ان بتوں کی عبادت کرو جن کی اور بادشاہ عبادت کرتے ہیں اور اس دین کو چھوڑ دو' پھر بادشاہ ان کے کہنے میں آ گیا اور حضرت الیاس سے کہا: اے الیاس! تم میری جھوٹے دین کی طرف رہنمائی کر رہے ہو اور میرا خیال ہے کہ بنو اسرائیل کے تمام بادشاہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ دنیا کی نعمتوں سے مزے اٹھا رہے ہیں اور ان کی نعمتوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور ہمیں ان پر کوئی فضیلت نہیں ہے' پھر وہ لوگوں کے دین کی طرف لوٹ گیا اور حضرت الیاس اس سے الگ ہو گئے۔

بعل کی ناکامی اور اس کی پرستش کو چھوڑ کر لوگوں کا حضرت الیاس کی طرف متوجہ ہونا

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اور امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی اپنی سندوں سے روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے الحسن سے روایت کیا ہے کہ اس بادشاہ کو بعل کی پرستش پر اس کی بیوی نے آمادہ کیا تھا' وہ بہت دراز قد اور حسین و جسیم عورت تھی اس کا پہلا خاوند فوت ہو گیا تھا تو اس نے بعل کی صورت پر سونے کا بت بنا لیا' وہ اس کو سجدہ کرتی تھی پھر اس نے اس بادشاہ سے شادی کر لی جس کے ساتھ حضرت الیاس تھے' وہ بہت بدکار عورت تھی' اس نے ایک بت خانہ بنایا اور اس میں بعل کو رکھ دیا اور اس نے اپنے ستر موافقین کو جمع کر لیا جو اپنے آپ کو انبیاء کہتے تھے' حضرت الیاس نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا' تب حضرت الیاس نے دعا کی: اے اللہ بنی اسرائیل نے کفر پر اصرار کیا اور تیرے غیر کی عبادت کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہیں ہوئے' تو ان کو دی ہوئی نعمتیں واپس لے لے' حسن نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کی طرف وحی کی کہ میں نے ان کا رزق آپ کے اختیار میں دے دیا ہے' جب تک آپ اجازت نہیں دیں گے ان کو رزق نہیں ملے گا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تین سال تک بارش نازل نہیں کی اور حضرت الیاس نے اپنے شاگرد الیسع بن حطوب کو اس بادشاہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر تو اللہ کی عبادت پر بعل کی عبادت کو ترجیح دیتا رہا اور تیری قوم کے سرکش

لوگ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی پیروی کرتے رہے اور اس بدکار عورت کا کہا مانتے رہے جس نے تیری خیانت کی ہے تو پھر تو عذاب اور مصائب کے لیے تیار ہو جا۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور انسان‘ حیوان اور حشرات الارض بھوک سے مرنے لگے‘ حضرت الیسع اس بادشاہ کے پاس گئے اور اس کو پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا‘ وہ واپس آ کر حضرت الیاس کے پاس پہنچ گئے‘ حضرت الیاس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے‘ اللہ تعالیٰ ان کو وہیں رزق دیتا تھا اور ان کے لیے اس پہاڑ پر پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا‘ اور جب قحط کی شدت کی وجہ سے لوگ مردار اور کتوں کے کھانے پر مجبور ہو گئے تو بادشاہ نے ان ستر جھوٹے نبیوں سے کہا کہ تم اب بعل سے فریاد کرو کہ وہ قحط کی اس مصیبت کو ہم سے دور کر دے‘ وہ اپنے بتوں کے پاس معتکف ہو کر بیٹھے اور جانوروں کو بھینٹ چڑھایا اور کافی دیر تک ان سے فریاد کرتے رہے‘ تب بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا کہ الیاس کا معبود تو ان لوگوں کے معبود سے بہت جلد دعا قبول کر لیتا ہے‘ حضرت الیاس نے ان سے کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا رب تم سے ناراض ہو چکا ہے‘ اس لیے اس نے بارش کو تم سے روک لیا ہے‘ اور تم کو قحط میں مبتلا کر دیا ہے‘ تم اپنے ان بتوں کو نکالو جن کی تم عبادت کرتے تھے پھر ان سے بارش طلب کرو دیکھیں وہ بت تمہاری فریاد کو پہنچتے ہیں یا نہیں! ورنہ میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں جو تم سے یہ مصیبت دور کر دے گا‘ انہوں نے کہا ہم ایسا کرتے ہیں‘ پھر انہوں نے اپنے بتوں کو نکالا اور ان کے سامنے زار و قطار روتے رہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعا کرتے رہے‘ تو ان کی دعا قبول نہیں ہوئی‘ پھر انہوں نے حضرت الیاس سے کہا: اے الیاس اب تم اپنے رب سے دعا کرو‘ حضرت الیاس نے دعا کی تو اسی وقت آسمان پر بادل نمودار ہو گئے اور بارش شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے جل تھل ایک ہو گیا‘ الحسن نے کہا پھر ان تمام نے رجوع کر لیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (تاریخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۷۔۱۵۶‘ دار احیاء التراث العربی بیروت‘ ۱۴۲۱ھ‘ جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۶۹۱)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا اہل یمن کی لغت میں بعل کا معنی رب ہے اور **اتدعون بعلا** کا معنی ہے کیا تم رب کو پکارتے ہو یعنی کیا تم اللہ کے سوا کسی اور رب کو پکارتے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو۔ اور ابن زید نے کہا بعل نام کا ایک بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے‘ اسی بت کے نام پر ایک شہر کا نام رکھا گیا جس کو بعلبک کہتے تھے اور یہ شہر دمشق کے پار تھا۔

(جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۱۱۔۱۱۰)

وہب بن منبہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل کی روح قبض کر لی تو بنی اسرائیل میں بہت بڑے مصائب آئے اور بنی اسرائیل اللہ سے کیے ہوئے عہد کو بھول گئے‘ انہوں نے بت نصب کر دیئے اور ان کی عبادت کرنی شروع کر دی‘ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس بن یاسین بن فنحاس بن العیزار بن ھارون کو نبی بنا کر بھیجا‘ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات کے احکام کی تجدید کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے تاکہ تورات کے جن احکام پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا تھا ان پر عمل شروع کرایا جائے اور حضرت الیاس بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے‘ جس کا نام احاب تھا اور اس کی بیوی کا نام اربل تھا‘ وہ بادشاہ حضرت الیاس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور باقی بنی اسرائیل ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام بعل تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۶۹۰)

آل یٰسین سے مراد آل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے

الصّٰفّٰت: ۱۲۸۔۱۲۵ میں ہے: کیا تم بعل کی عبادت کرتے ہو! اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ○ اللہ کو جو تمہارا

اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے O تو انہوں نے ان کی تکذیب کی پس بے شک وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O ماسوا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے O

آیت: ۱۲۷ میں عذاب کا ذکر نہیں ہے' کیونکہ قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو عذاب پر پیش کیا جائے گا' نیز کسی کو پیش کیا جانا عموماً سزا کے موقع پر بولا جاتا ہے' اور قرآن مجید میں اس کا استعمال عذاب دینے کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

الصّٰفّٰت: ۱۳۰ میں فرمایا: ال یاسین پر سلام ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

یاسین حضرت الیاس کے باپ کا نام تھا اور ال یاسین سے مراد حضرت الیاس ہیں اور حضرت الیاس کو کنایہ سے تعبیر کرنے میں ان کی تعظیم ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آل ابراہیم سے تعبیر کرنے میں آپ کی تعظیم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یاسین سے مراد خود حضرت الیاس ہوں اور ال کا لفظ زائد ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں یاسین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ہے اور آل یاسین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے **سلام علی الیاسین** کی تفسیر میں کہا ہم آل محمد آل یاسین ہیں اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب یاسین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو۔ (روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۸' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی نے امام ابن ابی حاتم' امام ابن مردویہ اور امام طبرانی کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے اس کو انہوں نے الدر المنثور ج ۷ ص ۱۰۵ سے نقل کیا ہے۔

تفسیر امام ابن مردویہ ہمارے پاس نہیں ہے لیکن تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۲۵ پر یہ روایت مذکور ہے رقم الحدیث: ۱۸۲۵۴۔

اسی طرح امام طبرانی کی المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۵۶ پر بھی یہ روایت مذکور ہے رقم الحدیث: ۱۱۰۶۴۔

بعض مفسرین نے کہا کہ الیاسین' الیاس ہی کا ایک تلفظ ہے جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں' حضرت الیاس کو ایلیا بھی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک لوط ضرور رسولوں سے ہیں O جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دی O ماسوا ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی O پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا O اور اے مکہ والو! تم ضرور صبح کے وقت ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے ہو O اور رات کو بھی تو کیا تم نہیں سمجھتے O (الصّٰفّٰت: ۱۳۸۔۱۳۳)

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے مقدس بندے حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو انہوں نے ان کی تکذیب کی' اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی' ماسوا ان کی بیوی کے' کیونکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہوگئی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو انواع و اقسام کی سزائیں دے کر ہلاک کیا۔ اور زمین کے جس خطہ پر وہ آباد تھے وہ انتہائی بدبودار اور قبیح المنظر ہوگیا تھا اس جگہ کے سمندر کا پانی سخت کڑوا اور بد ذائقہ ہوگیا تھا' اور وہ جگہ ایک عام شاہراہ پر تھی وہاں سے دن رات مسافر گزرتے رہتے تھے اس لیے فرمایا تم اس جگہ کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح ہلاک کر دیا سوا اے مکہ والو! تم بھی اگر کفر پر اصرار کرتے رہے تو

تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

الاعراف: ۸۴۔۸۰ اور ھود: ۸۳۔۷۳ میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں O جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے O

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو وہ مغلوبوں میں سے ہوگئے O پس ان کو مچھلی نے نگل لیا اس وقت وہ خود کو ملامت کرنے والے تھے O

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے O تو وہ ضرور روز حشر تک مچھلی

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ

کے پیٹ میں رہتے O سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے O اور ہم نے ان پر

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا O اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا O

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ

سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ان کو ایک معین مدت تک فائدہ پہنچایا O پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے

لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

رب کے لیے بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں! O کیا ہم نے جب فرشتوں کو مونث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے O

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

سنو وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ O اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا

کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! O تم کو کیا ہو گیا تم کیسی خبر دے رہے ہو! O کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

سمجھتے نہیں ہو! O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ

صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ

اگر تم سچے ہو O اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت داری بنا دی حالانکہ جنات کو علم ہے کہ

الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ

وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O اللہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے رہتے ہیں O ماسوا اللہ

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ

کے مخلص بندوں کے (ان کو عذاب نہیں ہوگا) O سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو O تم کسی کو گمراہ

بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ

نہیں کر سکتے O سوا اس کے جو دوزخی ہے O (فرشتوں نے کہا) اور ہم میں سے

مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَ

ہر ایک کا مقام مقرر ہے O اور بے شک ہم صف بستہ ہیں O اور بلاشبہ ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں O اور

اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾

بے شک وہ لوگ (مشرکین) کہا کرتے تھے O اور اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی O

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

تو ہم ضرور اخلاص سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے O پس انہوں نے اللہ کا کفر کیا سو وہ عنقریب جان لیں گے O

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾

اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں O کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی O

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّ

اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہو گا O سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے O اور

اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا

ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں! ○ پس

نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى

وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی کیسی بُری صبح ہوگی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ○ اور آپ ایک معین مدت

حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا

تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب

يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں ○ اور رسولوں پر سلام ہو ○ اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں ○ جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف گئے ○ پھر قرعہ اندازی ہوئی تو وہ مغلوبوں میں سے ہو گئے ○ پس ان کو مچھلی نے نگل لیا اس وقت وہ خود کو ملامت کرنے والے تھے ○ پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ○ تو وہ ضرور روزِ حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ○ سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے ○ اور ہم نے ان پر بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا ○ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ○ سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ایک معین مدت تک ان کو فائدہ پہنچایا ○ (الصّٰفّٰت: ۱۴۸-۱۳۹)

حضرت یونس علیہ السلام کا حسب و نسب اور ابتدائی حالات

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس بن متیٰ' لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد سے ہیں' یہ شام کے رہنے والے تھے اور بعلبک کے عمال سے تھے' ایک قول یہ ہے کہ کم سنی میں فوت ہو گئے تھے' پھر ان کی ماں نے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو زندہ کر دیا' چالیس سال کی عمر میں حضرت یونس علیہ السلام کو نبوت دی گئی' وہ نبی اسرائیل کے عابدوں میں سے تھے' وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے شام سے چلے گئے اور دجلہ کے کنارے اتر گئے' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل نینویٰ کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا (نینویٰ کوفہ کے مضافات میں کربلا وغیرہ پر مشتمل موصل کے مشرق میں ایک علاقہ ہے)۔

اسحاق بن بشیر نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت یونس ایک نیک اور عبادت گزار بندے تھے' انبیاء علیہم السلام میں ان سے زیادہ اور کوئی عبادت کرنے والا نہیں تھا' وہ ہر روز کھانے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے' اور ہر رات سونے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت کم زمین پر بستر بچھاتے تھے' جب اہل نینویٰ میں گناہ بہت

زیادہ ہونے لگے تو انہیں وہاں رسول بنا کر بھیج دیا گیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے عجائب میں سے یہ تھا کہ جب بھی ان میں کوئی نبی فوت ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے نبی کو بھیج دیتا تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۷۔۲۴۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کا اہل نینویٰ کی طرف مبعوث کیا جانا

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کسی نبی کے ساتھ تھے' اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف یہ وحی کی کہ حضرت یونس کو اہل نینوی کی طرف بھیج دیں تاکہ وہ ان کو میرے عذاب سے ڈرائیں' اور انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی طرف تورات کے احکام نافذ کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا' حضرت یونس علیہ السلام کو بہت جلد غصہ آ جاتا تھا' وہ اہل نینویٰ کے پاس گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا' ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی نصیحت کو مسترد کر دیا' اور پتھر مار مار کر ان کو اپنے علاقہ سے نکال دیا' حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے چلے گئے' بنی اسرائیل کے نبی نے کہا آپ دوبارہ ان کے پاس جائیں' آپ دوبارہ گئے انہوں نے آپ کے ساتھ پھر پہلے جیسا سلوک کیا پھر آپ تیسری بار گئے اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا' انہوں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۹۔۲۴۸' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی قوم کے خلاف اپنے رب سے دعا کی اور اپنی قوم سے یہ وعدہ کیا کہ تین دن بعد ان پر عذاب آ جائے گا' اور اپنی اہلیہ اور اپنے دو چھوٹے بیٹوں کو لے کر اس علاقے سے نکل گئے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر اہل نینویٰ کی طرف دیکھنے لگے اور عذاب کا انتظار کرنے لگے' اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جو حضرت یونس علیہ السلام نے ان پر عذاب آنے کے لیے معین کیا تھا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب عذاب آنے والا ہے تو انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے صدق کا یقین ہو گیا۔ پھر انہوں نے بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرف اپنے نمائندوں کو بھیجا اور ان سے پوچھا کہ اس آزمائش کے موقع پر وہ کیا کریں' انہوں نے کہا تم حضرت یونس علیہ السلام کو ڈھونڈو وہ تمہارے لیے دعا کریں گے کہ تم سے یہ عذاب ٹل جائے' کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف عذاب کی دعا کی تھی' قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن وہ ان کو نہ مل سکے' پھر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے کہا آؤ اب ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں' سو ان کے مرد' عورتیں اور بچے سب باہر نکلے انہوں نے اپنے سروں پر راکھ ڈالی' اور پیروں کے نیچے کانٹے رکھے' ٹاٹ اور اُون کے موٹے کپڑے پہنے اور بہ آواز بلند روئے اور گڑگڑائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی اور اللہ تعالیٰ کو ان کے صدق کا علم تھا سو اس نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○ (یونس: ۹۸)

سو کسی بستی کے لوگ کیوں نہ ایمان لائے تاکہ ان کو ایمان لانا مفید ہوتا' ماسوا یونس کی قوم کے' جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو ان سے دور کر دیا اور ان کو ایک معین وقت تک فائدہ پہنچایا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا غضب ناک ہو کر چلے جانا اور مچھلی کا آپ کو نگل لینا

ان کی قوم نے یکم ذوالحج کو عذاب کے آثار کا معائنہ کیا تھا اور دس محرم کو ان سے عذاب دور کر دیا گیا' جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو اللہ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اے یونس! جب تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ تم پر تہمت لگائیں گے اور تمہاری تکذیب کریں گے وہ کہیں گے کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ عذاب آئے گا' دیکھو عذاب نہیں آیا' حضرت یونس اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر چلے گئے اور ان کا گمان تھا کہ اللہ سے اجازت لیے بغیر جانے پر اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس نہیں کرے گا' وہ دجلہ کے کنارے پہنچ گئے ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور ان کے بیٹے بھی تھے' وہاں ایک کشتی آئی' حضرت یونس نے کہا ہم کو سوار کر لو' کشتی والوں نے کہا ہمارے پاس گنجائش کم ہے آپ اگر چاہیں تو ہم آپ میں سے بعض کو سوار کریں اور باقی لوگ دوسری کشتی سے آ جائیں' آپ نے اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیا' اور حضرت یونس اور ان کے بیٹے رہ گئے' حضرت یونس اس کشتی کی طرف بڑھے' ان کے ایک بیٹے نے کشتی میں پیر رکھا اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دریا میں گر کر ڈوب گیا' اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور ان کے دوسرے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا' اس سے حضرت یونس کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر چلے آنے کی ان کو سزا ملی ہے' پھر وہ کشتی میں سوار ہوئے تاکہ اپنی اہلیہ سے جا ملیں' جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو وہ دائیں بائیں گردش کرنے لگی' لوگوں نے کشتی والوں سے پوچھا تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا پتا نہیں! حضرت یونس علیہ السلام نے کہا مجھے معلوم ہے کیا ہوا ہے' کشتی والوں نے پوچھا: کیا ہوا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ایک غلام اپنے مالک سے بھاگ کر آ گیا ہے' یہ کشتی اس وقت تک نہیں روانہ ہوگی جب تک تم اس غلام کو دریا میں پھینک نہیں دو گے! انہوں نے پوچھا وہ غلام کون ہے؟ حضرت یونس نے کہا وہ غلام میں ہوں! انہوں نے کہا ہم آپ کو دریا میں نہیں پھینکیں گے' اللہ کی قسم! ہم کو صرف آپ کے وسیلہ سے نجات کی توقع ہے' حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اچھا قرعہ اندازی کر لو' جس کے نام کا قرعہ نکلے اس کو دریا میں پھینک دینا' انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس کے نام کا قرعہ نکل آیا' انہوں نے آپ کو پانی میں پھینکنے سے انکار کیا اور کہا قرعہ کبھی غلط ہوتا ہے اور کبھی صحیح' پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی تو پھر حضرت یونس کا نام نکلا' حضرت یونس نے فرمایا اب مجھے دریا میں پھینک دو' اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں ڈالا ابھی میرے ایک بندے کو دریا میں ڈالا جائے گا تو اس کو نگل لینا' تم اس کے گوشت میں کوئی خراش ڈالنا نہ اس کی ہڈی کو توڑنا' وہ میرا نبی اور پسندیدہ بندہ ہے' مچھلی نے کہا اے میرے رب! میں اپنے پیٹ کو اس کا مسکن بنا دوں گی اور اس کی اس طرح حفاظت کروں گی جس طرح ماں اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے' حضرت یونس کو دریا میں پھینکنے کے لیے کشتی کے ایک کنارے پر لے جایا گیا' مچھلی بھی اسی سمت آ گئی' لوگوں نے کہا اس طرف بہت بڑی مچھلی ہے ان کو کشتی کے دوسرے کنارے پر لے چلو' وہ دوسرے کنارے لے کر گئے تو مچھلی اس طرف بھی پہنچ گئی' الغرض وہ حضرت یونس کو کشتی کی جس جانب لے جاتے مچھلی بھی اس جانب پہنچ جاتی' حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اب مجھے پھینک دو' سو انہوں نے آپ کو دریا میں پھینک دیا' مچھلی نے آپ کو پکڑ کر نگل لیا اور دریا کی گہرائی میں اپنے مسکن کی طرف لے گئی' وہ حضرت یونس کو اپنے پیٹ میں رکھ کر چالیس دن تک گھومتی رہی' حضرت یونس اس کے پیٹ میں جنات اور مچھلیوں کی تسبیح پڑھنے کی آوازیں سنتے تھے' پھر حضرت یونس بھی تسبیح اور تہلیل پڑھنے لگے اور جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غم سے نجات دی اور یہ اتنی ہی مدت تھی جتنی مدت آپ کی قوم آثار عذاب میں مبتلا رہی تھی'

قرآن مجید میں ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ اور مچھلی والے (حضرت یونس) کو یاد کیجئے' جب وہ (اپنی

عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۸۔۸۷)

قوم پر) غضب ناک ہو کر چلا گیا' اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے' سو اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو (ہر نقص سے) پاک ہے' بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۝ پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور اس کو غم سے نجات دے دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو مچھلی کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ حضرت یونس کو وہیں اگل دے جہاں سے اس نے ان کو نگلا تھا' حضرت جبریل مچھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا اے یونس! السلام علیک! آپ کو رب العزت سلام کہتا ہے' حضرت یونس نے کہا مرحبا! یہ وہ آواز ہے کہ مجھ کو خوف تھا کہ اس آواز کو میں پھر کبھی نہیں سن سکوں گا۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۴۹۔۲۴۸)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا

حضرت یونس جو مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے اس کی مدت میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے' اور ایک روایت میں سات دن کا ذکر ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۷۔۱۴۳)

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۝ تو وہ ضرور روز حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۝ سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے۝ اور ہم نے ان پر بیل دار (لوکی کا) درخت اگا دیا۝ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۝

حسن بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبریل' حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے منہ سے نکال کر چٹیل میدان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک پہاڑی بکری بھیجی جو اپنا تھن حضرت یونس علیہ السلام کے منہ سے لگا دیتی تھی اور حضرت یونس اس کو چوس کر دودھ پیتے تھے اس وقت ان کا جسم نحیف اور لاغر ہو کر بالکل چوزے کی طرح ہو گیا تھا اور رفتہ رفتہ ان کی طاقت اور توانائی بحال ہوتی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور ظہر کی نماز کے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور عصر کی نماز کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' اور مغرب کی نماز کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دی تھی' اور عشاء کی نماز کے وقت حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا تھا' اس وقت شفق غائب ہو چکی تھی اور آسمان پرستاروں کا جال بن چکا تھا' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے چار رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کو میرے اور میری امت کے لیے خالص کر دیا تا کہ یہ نمازیں میری امت کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوں۔

شہر بن حوشب نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت سے ہوئی تھی جب مچھلی نے ان کو اگل دیا تھا اور مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئے تھے۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۲۔۲۴۹)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد رسول بنایا گیا تھا یا اس سے پہلے رسول بنایا گیا تھا' شہر بن حوشب کی روایت ہے کہ اس کے بعد رسول بنایا گیا تھا اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ مچھلی کے واقعہ سے پہلے آپ کو رسول بنایا گیا تھا اور حسب ذیل روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واپس اپنی قوم کی طرف جانا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

الحسن بیان کرتے ہیں کہ صحت مند ہونے کے بعد حضرت یونس کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا' آپ نے اس سے پوچھا یونس کا کیا حال ہے' اس نے کہا مجھے ان کا حال معلوم نہیں البتہ وہ سب سے نیک اور سب سے زیادہ سچے آدمی تھے' انہوں نے ہمیں عذاب آنے کی خبر دی تھی' پھر ان کے کہنے کا مطابق عذاب کے آثار نمودار ہو گئے' پھر ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور اب ہم یونس کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ کہاں ہیں' ہم نے ان کی کوئی خبر نہیں سنی' حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے پوچھا تمہارے پاس دودھ ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت یونس کو عزت دی ہے' جب سے حضرت یونس ہمارے پاس سے گئے ہیں بارش ہوئی ہے نہ سبزہ اگا ہے' حضرت یونس نے فرمایا تم میرے پاس کوئی دنبی لاؤ' پھر حضرت یونس نے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اب اللہ کا نام لے کر اس کا دودھ دوہو' اس نے دودھ دوہا اور حضرت یونس نے وہ دودھ پیا' اس چرواہے نے کہا اگر حضرت یونس زندہ ہیں تو پھر آپ ہی حضرت یونس ہیں' آپ نے فرمایا میں ہی یونس ہوں تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام کہو' چرواہے نے کہا بادشاہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص میرے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ اس نے یونس کو دیکھا ہے اور اس پر دلیل پیش کی تو میں اس کو اپنا ملک دے دوں گا' اور میں بغیر کسی دلیل کے یہ بات نہیں کہہ سکتا' حضرت یونس نے کہا تم یہ بکری لے جاؤ یہ شہادت دے گی کہ میں نے اس کا دودھ پیا ہے' وہ چرواہا اس بکری کو لے کر گیا اور اس بکری نے شہادت دی' پھر وہ چرواہا قوم کو لے کر اس چٹان پر پہنچا جہاں اس نے حضرت یونس کو دیکھا تھا' ان لوگوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو آپ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے' وہ لوگ مارے خوشی کے رو پڑے اور بڑی عزت اور بہت اہتمام سے حضرت یونس کو اپنے شہر میں لے کر آئے' ان لوگوں نے اس چرواہے سے کہا تم ہمارے سردار ہو تم سے بڑے مرتبہ کا ہم میں سے کوئی نہیں ہے' ہم کبھی تمہاری حکم عدولی نہیں کریں گے اور وہ چرواہا چالیس سال تک ان پر حکومت کرتا رہا۔

فضیل بن عیاض نے کہا جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! ہمارے گناہ بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں اور تو سب سے عظیم اور سب سے بلند ہے تو وہ کر جس کا تو اہل ہے اور وہ نہ کر جس کے ہم اہل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا۔

کعب نے بیان کیا اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے اور شعیا حضرت یونس علیہ السلام کے شاگرد تھے وہ اللہ کے نیک بندے تھے اللہ نے ان کو چن لیا اور پاکیزہ بنا دیا اور حضرت یونس علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد ان کو بنی اسرائیل کی دینی رہنمائی کرنے کا حکم دیا گیا' اور بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک نبی کو مبعوث کرتا تھا جو اس کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور وہ اس کے اور اللہ کے درمیان سفیر ہوتا تھا' اور حضرت شعیا علیہ السلام ہی وہ نبی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی تھی اور بنی اسرائیل کو بتایا تھا کہ ایک مقدس کنواری سے بغیر مرد کے ایک نبی پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ سے بہت عجائب کا ظہور ہوگا اور وہ اس رسول کی بشارت دیں گے جو ان کے بعد آئے گا اور

اس کا نام احمد ہوگا' وہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے ان کی میلاد کی جگہ مکہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے' ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہوگی آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور سلطنت سے سرفراز کرے گا اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کردے گا خواہ مشرکین کو یہ بات ناگوار خاطر ہو۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۴۔۲۵۲ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' اور حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کی سوانح میں ان امور کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(تاریخ الامم والملوک ج ۱ ص ۴۶۲۔۴۵۷ ملخصاً موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱۴۰۹ھ' البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۵۔۳۲۰ ملخصاً دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل میں احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن متیٰ سے افضل ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۷' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۹۸' دار الفکر' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۵۳' جامع المسانید والسنن ج ۲۰ ص ۱۳۶۔۱۳۵' رقم الحدیث: ۲۵۴۔۲۵۳۔۲۵۲۔۲۵۱۔۲۵۰' دار الفکر ۱۴۲۰ھ' تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۱۴۶۸۶)

عباد بن کثیر اور الحسن دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور میرے بھائی نبیوں کے درمیان فضیلت مت دو اور کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ یونس بن متیٰ سے کسی کو افضل کہے۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۸۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق پر گئے' آپ نے فرمایا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں حضرت موسیٰ وادی سے اترتے ہوئے بہ آواز بلند **اللھم لبیک اللھم لبیک** کہہ رہے ہیں پھر آپ ثنیہ پر آئے اور آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں ان پر دو سفید عبائیں ہیں وہ بلند آواز سے **اللھم لبیک اللھم لبیک** کہہ رہے ہیں اور پہاڑ بھی ان کے جواب میں تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جواب میں فرما رہا ہے لبیک اے یونس! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳)

عثمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فم الروحاء کے مقام سے ستر نبی سرخ اونٹوں پر سوار گزرے انہوں نے عبائیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ پڑھ رہے تھے لبیک لبیک' ان میں حضرت یونس بن متیٰ بھی تھے اور وہ بھی تلبیہ پڑھ رہے تھے اے مصائب کے نجات دینے والے اور مشکلات کو حل کرنے والے لبیک لبیک۔

(تاریخ دمشق ج ۶۹ ص ۲۵۳' رقم الحدیث: ۱۴۶۹۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں! O کیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے؟ O سنو! وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ O اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! O تم کو کیا ہوگیا ہے تم کیسی خبر دے رہے ہو! O کیا تم سمجھتے نہیں ہو O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو O (الصّٰفّٰت: ۱۵۷۔۱۴۹)

کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں اور رسولوں کے قصص اور واقعات کا ذکر فرمایا تا کہ مشرکین کو معلوم ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچایا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے' اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتے رہے ہیں اور تم جو میری رسالت کی تکذیب کر رہے ہو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے' ہمیشہ سے مشرکین رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں' اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پھر مشرکین مکہ کے باطل نظریات اور غلط اقوال کا رد فرمایا وہ اللہ سبحانہ کے لیے اولاد کو ثابت کرتے تھے اور اولاد بھی مؤنث ثابت کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

جہینہ' خزاعہ' بنو ملیح' بنو سلمہ' عبد الدار وغیرھا دیگر کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: پس آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے ہوں O (الصّٰفّٰت: ۱۴۹)

یہ کس قدر قابل افسوس اور قابل مذمت بات ہے کہ کفار اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے' بلکہ بیٹیوں کو باعث عار سمجھتے تھے اور بعض شقی القلب تو بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں سے ان کی نفرت کا حال بیان فرمایا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ O (النحل: ۵۹۔۵۷)

اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا منہ سیاہ اور غصہ سے بھرا رہتا ہے O وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت اٹھا کر اس بیٹی کو رکھ لے یا اس کو مٹی میں دبا دے' سنو وہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔

پھر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بیٹی کا وجود ان کے لیے اس قدر برا اور باعث عار اور نفرت انگیز ہے' اس کے باوجود وہ بیٹیوں کے وجود کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى O تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى O (النجم: ۲۲۔۲۱)

کیا تمہارے لیے بیٹا ہونا چاہیے اور اللہ کے لیے بیٹی! O پھر تو یہ بہت ظالمانہ تقسیم ہے۔

کفار نے جو یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں ان کی اس خبر کے صادق ہونے کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) انہوں نے فرشتوں کی تخلیق کے عمل کا مشاہدہ کیا تھا (۲) ان کو کسی مخبر صادق نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (۳) ان کے پاس اس پر کوئی نقلی دلیل اور شہادت تھی۔ اور یہ تینوں وجوہ ثابت نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ کفار کا یہ قول غلط اور باطل ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ انہوں نے فرشتوں کی تخلیق کے عمل کا مشاہدہ نہیں کیا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا تھا اس وقت یہ موجود تھے! O (الصّٰفّٰت: ۱۵۰) اسی طرح فرمایا:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ O (الزخرف: ۱۹)

فرشتے جو رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں ان کو انہوں نے عورتیں قرار دے دیا کیا انہوں نے ان کے عمل تخلیق کا مشاہدہ کیا تھا' عنقریب ان کی یہ شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کی باز

پرسش کی جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو کسی مخبر صادق نے یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور وہ بیٹیاں ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: سنو وہ اپنی افتراء پردازی سے ضرور کہتے ہیں کہ O اللہ کے ہاں اولاد ہوئی اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O کیا اس نے بیٹوں کی بہ نسبت بیٹیوں کو اختیار کیا! O اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا O (بنی اسرائیل: ۴۰)

کیا تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے تم کو منتخب کر لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا' بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسی خبر دے رہے ہو! (الصّٰفّٰت: ۱۵۴۔۱۵۱)

تیسری صورت یہ تھی کہ ان کے پاس کوئی واضح دلیل ہوتی کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ ہے نہیں' سو معلوم ہو گیا کہ ان کا یہ قول بالکل غلط اور امر باطل ہے اس کے متعلق فرمایا: کیا تم سمجھتے نہیں ہو O یا تمہارے پاس اس کی کوئی واضح دلیل ہے؟ O تو تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو O (الصّٰفّٰت ۱۵۷۔۱۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت قرار دی' حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے O اللہ (ان تمام عیوب سے) پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں O ماسوا اللہ کے مخلص بندوں کے (ان کو عذاب نہیں ہوگا) O (الصّٰفّٰت: ۱۶۰۔۱۵۸)

اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت کے مدعیان کے محامل

کفار نے کہا تھا کہ اللہ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت ہے' وہ نسبی قرابت کیا ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مشرکین نے یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ قائم کر دیا' اور فرشتے بھی جنات ہیں کیونکہ جن کا معنی ہے مستور اور مخفی ہونا اور اللہ اور فرشتوں کے درمیان نسبی رشتہ کہنا دراصل اللہ اور جنات کے درمیان نسبی رشتہ کہنا ہے (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۶) لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کا پہلے قول پر عطف کیا ہے اور عطف تغائر کو چاہتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بعض مشرکین یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بعض مشرکین اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی قرابت کی تہمت لگاتے تھے۔

(۲) مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا کہ کفار قریش نے یہ کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا پھر فرشتوں کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا بڑی بڑی جنات یعنی سردارنیاں ان کی مائیں ہیں' گویا ان مونث جنات کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیویاں قرار دیا (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۰۳) لیکن اس پر بھی یہ اشکال ہے کہ بیویوں کو نسب نہیں کہا جاتا۔

(۳) قتادہ نے کہا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنات سے نکاح کیا اور ان جنات سے فرشتے پیدا ہوئے (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۵) اس پر بھی یہی اعتراض ہے کہ بیویوں کو نسب نہیں کہا جاتا۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کے دشمن یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں نسباً بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ خیر کریم ہے وہ صرف خیر کے کام کرتا ہے اور ابلیس شر خسیس ہے وہ صرف برے کام کرتا ہے جیسے مجوسی یزداں اور اہرمن

کہتے ہیں (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۷۶۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۳۰۲) اور اس قول پر کوئی اشکال نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسب کے قول کا یہی صحیح محمل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا حالانکہ جنات کو علم ہے کہ وہ ضرور (عذاب پر) پیش کیے جائیں گے' اس میں کفار کے قول کا رد ہے کیونکہ اگر جنات اللہ تعالیٰ کے قرابت دار اور اس کے نسبی رشتہ دار ہوتے تو ان کو عذاب پر کیوں پیش کیا جاتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ اس سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۵۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی رشتہ بیان کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ماسوا اللہ کے مخلص بندوں کے' اس میں ان سے استثناء ہے جو آگ پر پیش کیے جائیں گے' یعنی جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان کو آگ پر پیش نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو بے شک تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو O تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے O سوا اس کے جو دوزخی ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۶۳-۱۶۱)

کسی کو گم راہ کرنے کی قدرت شیطان میں ہے نہ کفار میں' اس مسئلہ میں .... اہل سنت کے موقف پر دلائل اور تقدیر کا ثبوت

اس آیت میں اہل سنت کے اس موقف کی دلیل ہے کہ شیطان کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا' اور ہدایت اور گمراہی دونوں فعلوں کا خالق اللہ عزوجل ہے' اللہ تعالیٰ کو ازل میں جس شخص کے متعلق یہ علم تھا کہ وہ ایمان اور تقویٰ کو اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایمان اور تقویٰ کو پیدا کر دیا' اور جس کے متعلق اس کو علم تھا کہ وہ کفر اور گمراہی کو اختیار کرے گا اس کے لیے اس نے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیا' خلاصہ یہ ہے جس کے متعلق ازل میں دوزخی لکھ دیا گیا وہی گمراہ ہوتا ہے شیطان کسی شر اور گمراہی کو پیدا نہیں کر سکتا' ہر شخص کا سعید اور شقی ہونا ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

حسب ذیل احادیث میں اس پر دلالت ہے کہ انسان کا شقی یا سعید ہونا یا جنتی اور دوزخی ہونا ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں' تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اس کے ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کی جاتی ہے' پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے' اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' وہ اس کا رزق' اس کی مدت حیات' اس کے اعمال اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے' پس اس ذات کی قسم! جس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع (ڈیڑھ فٹ) کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر کتاب (تقدیر) غالب آ جاتی ہے پس وہ اہل نار کا عمل کرتا ہے اور نار میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے کوئی شخص اہل نار کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور نار کے درمیان ایک ذراع رہ جاتا ہے پھر اس پر کتاب (تقدیر) غالب آ جاتی ہے پس وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۸' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ کے سلسلہ میں بقیع الغرقد میں بیٹھے ہوئے تھے' ہمارے پاس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے' آپ کے پاس ایک تنکا تھا آپ نے سر جھکا لیا اور آپ

اس تنکے سے زمین کریدنے لگے' پھر آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی سانس لینے والا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت یا دوزخ میں ایک مقام لکھ دیا ہے اور اس کا شقی ہونا یا سعید ہونا بھی لکھ دیا گیا ہے' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہم اس لکھے ہوئے پر ٹھہر نہ جائیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا جو شخص اہل سعادت میں سے ہے وہ اہل سعادت کے عمل کرتا رہے گا اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے وہ اہل شقاوت کے عمل کرتا رہے گا' آپ نے فرمایا تم عمل کرتے رہو تم میں سے ہر شخص کے لیے عمل کرنا آسان کر دیا گیا ہے' جو اہل سعادت ہیں ان کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں اور جو اہل شقاوت ہیں ان کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے گئے ہیں پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰىۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰىؕ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰىۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰىۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ (اللیل: ۱۰-۵)

رہا وہ شخص جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور وہ (اللہ سے) ڈرا O اور اس نے نیک باتوں کی تصدیق کی O تو ہم اس کے لیے آسان راستے کو سہل بنا دیں گے O اور رہا وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پرواہی کی O اور نیک باتوں کی تکذیب کی O تو ہم اس کے لیے تنگی اور مشکل کے راستے مہیا کر دیں گے O

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۶۷۸)

تقدیر پر وارد ہونے والے اشکالات کو دور کرنے کے لیے علامہ عینی اور دیگر علماء کی تقاریر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ازل میں انسان کا سعید یا شقی ہونا مقدر ہو چکا ہے اور انسان اس لکھی ہوئی تقدیر کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو پھر دنیا میں نیک عمل کی تحسین اور آخرت میں اس پر اجر و ثواب کیوں ہوتا ہے' اسی طرح دنیا میں برے کاموں کی مذمت اور آخرت میں اس پر عذاب کیوں ہوتا ہے' اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اچھے اور برے کاموں پر انسان کی تحسین یا مذمت اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ وہ ان کاموں کا فاعل ہے بلکہ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ ان کاموں کا محل ہے' اور اشاعرہ جو بندے کے کسب کے قائل ہیں ان کی بھی اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ان کاموں کا محل ہے جیسے حسین آدمی کی تعریف کی جاتی ہے کیونکہ وہ حسن کا محل ہے اور بدشکل آدمی کی مذمت کی جاتی ہے کیونکہ وہ بدصورتی کا محل ہے' اور رہا ثواب اور عذاب تو وہ باقی امور عادیہ کی طرح ہے' جس طرح ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے مس کرنے کے بعد جلانا کیوں پیدا کیا ہے اسی طرح ہمارے نزدیک یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برے کاموں پر عذاب کو کیوں مترتب فرمایا ہے۔

علامہ طیبی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حکمت سے صحابہ کے سوال کا جواب دیا ہے کہ تم تقدیر پر تکیہ کر کے عمل کو ترک نہ کرو' اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ عبودیت کے تقاضے سے ان پر جو کام واجب ہیں ان کو لازم رکھیں' اور اس الجھن میں نہ پڑیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا' اور عبادت کے کرنے اور عبادت کے ترک کرنے کو جنت اور دوزخ میں دخول کا مستقل سبب اور علت نہ قرار دیں بلکہ یہ قرار دیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنا جنت میں دخول کی علامت ہے اور اس کی نافرمانی کرنا اور اس کی عبادت کو ترک کرنا دوزخ میں دخول کی علامت ہے۔

علامہ خطابی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ بتایا کہ اللہ کا لکھا ہوا بندے کے

عمل اوراس کی سعادت پر سبقت کرتا ہے تو صحابہ نے یہ قصد کیا کہ اس چیز کو عمل ترک کرنے کی دلیل بنالیں تو آپ نے ان کو یہ بتایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں اور ایک چیز سے دوسری چیز باطل نہیں ہوتی' ایک چیز باطن ہے اور ایک چیز ظاہر ہے' باطن وہ چیز ہے جو حکم الٰہی میں علت موجبہ ہے' یعنی تقدیر اور دوسری چیز ظاہر ہے اور وہ حق عبودیت کا تمہ لازمہ ہے اور یہ مطلق انجام کی علامت ہے اور یہ حقیقت کے لیے غیر مفید ہے' اور یہ بتایا کہ انسان کو جس عمل کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس عمل کا کرنا انسان کے لیے آسان کر دیا گیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل آخرت میں اس کے انجام کی علامت ہے' اسی لیے آپ نے سورۃ اللیل کی پانچ آیتوں کی تلاوت فرمائی' اور اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کے لیے رزق کو مقدر کر دیا گیا اس کے باوجود اس کو رزق کے حصول کے لیے کسب کرنے کا حکم دیا ہے' اور انسان کی مدت حیات معین اور مقدر فرمادی ہے اس کے باوجود اس کو بیمار ہونے کی صورت میں طب سے علاج کرنے کا حکم دیا ہے' تم ان دونوں چیزوں میں سے باطن کو صورت واقعیہ حقیقیہ پر پاؤ گے اور ظاہر کو سبب مخیل کی صورت پر پاؤ گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا یہ حدیث اہل سنت کے اس عقیدہ کی دلیل ہے کہ سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے' اس کے برخلاف قدریہ یہ کہتے ہیں کہ شر (برے کام) اللہ کی مخلوق نہیں ہے' اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں تقدیر کا ثبوت ہے اور یہ کہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے واقع ہوتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب تک لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے ان پر تقدیر کا راز منکشف نہیں ہوگا' اور اس حدیث میں اہل جبر کا رد ہے' کیونکہ جو شخص مجبور ہوتا ہے وہ اس کام کو جبر اور ناگواری اور اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے' اور اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہر انسان کے لیے اس کے کاموں کو سہل اور آسان بنا دیا گیا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک اللہ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف فرمادیا جن پر ان کو مجبور کیا گیا (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵' المسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۰۸۱) اور کسی کام کو آسان کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کو کرے جو اس کو پسند ہو اور جس کے کرنے کو اس کا دل چاہتا ہو۔

اس میں اختلاف ہے کیا انسان کے شقی یا سعید ہونے کا دنیا میں علم ہو سکتا ہے' بعض علماء نے کہا ہاں! ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے جو شخص بغیر کسی دشواری کے آسانی سے نیک کام کرے گویا نیک کام کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا اس کی سرشت اور اس کا مزاج ہو یہ اس کے سعید ہونے کی علامت ہے' اور جس شخص پر نیک عمل کرنا تنگ اور دشوار ہو اور گناہ کرنا اس پر آسان ہو اور اس کی طبیعت کا تقاضا ہو' یہ اس کے شقی ہونے کی علامت ہے' اور ہر عمل اس کی جزاء کی علامت ہے' اور بعض علماء نے کہا دنیا میں اس کا پتا نہیں چل سکتا' اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا علم درجہ ظن میں ہو سکتا ہے درجہ جزم اور یقین میں نہیں ہو سکتا' اور شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس امت کے جن صالحین کے متعلق لوگوں کی زبانوں پر ذکر خیر جاری ہے آیا ان کو قطعی طور پر جنتی کہا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں (میں کہتا ہوں کہ ان کو بھی ظنی طور پر جنتی کہا جائے گا قطعی طور پر ان کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے)۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب سعادت اور شقاوت ازل میں واجب ہو چکی ہے اور یہ تقدیر الٰہی ہے پھر بندوں کو مکلف کرنے کا کیا فائدہ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے' پس ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے حکم پر عمل کریں اور تقدیر کو ہم سے مخفی رکھا ہے اور اعمال کو انسان کے انجام کی علامت قرار دیا ہے پس ہم کو اس میں توقف کرنا چاہیے۔ جس شخص نے اس طریقہ سے انحراف کیا وہ گم راہ ہو گیا' کیونکہ تقدیر اللہ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے' اللہ کے سوا اس راز پر کوئی مطلع نہیں ہے' اور جب لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو ان پر یہ راز کھل جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۷۴-۲۷۲ ملخصاً مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

تقدیر پر وارد ہونے والے اشکال کو دور کرنے کے متعلق مصنف کی تقریر

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے تقدیر پر بہت وضاحت اور تفصیل سے لکھا ہے اور تقدیر پر جو اشکال ہوتے تھے ان کے بہت شافی جوابات دیئے ہیں لیکن انہوں نے خلق اور کسب کے متعلق صحیح نہیں لکھا' انہوں نے لکھا ہے کہ نیک کاموں کی اس لیے تحسین کی جاتی ہے کہ بندہ ان کاموں کا محل ہے جیسے کسی انسان کے خوب صورت ہونے کی تعریف کی جاتی ہے کہ وہ حسن کا محل ہے اسی طرح بدصورت ہونے کی مذمت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ بدصورتی کا محل ہے' اور یہی اشاعرہ کے نزدیک کسب کا معنی ہے۔ لیکن علامہ عینی کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے' کسی انسان کا حسن یا اس کی بدصورتی اس کا اختیاری فعل نہیں ہے جب کہ نیک یا برے کام اس کے اختیاری افعال ہیں' اس لیے ان کا ان پر قیاس صحیح نہیں ہے' درحقیقت کسب کا معنیٰ ہے بندہ کا ارادہ کرنا اور خلق کا معنیٰ ہے اس کام کو پیدا کرنا اور وجود عطا کرنا' بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو پیدا فرما دیتا ہے' کسی کام کو اختیار بندہ کرتا ہے اور اس کو پیدا اللہ کرتا ہے' بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کو جزاء اور سزا اس کے اختیار کی وجہ سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ بندہ کو کسب اور اختیار عطا فرمائے گا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان اور نیک اعمال کا ارادہ کرے گا یا اپنے اختیار سے کفر اور برے کاموں کو اختیار کرے گا' اور اس کے ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس میں ایمان اور اعمال صالحہ پیدا کرے گا یا کفر اور اعمال خبیثہ پیدا کرے گا اور وہ ان اعمال کے اعتبار سے سعید اور جنتی ہوگا یا شقی اور دوزخی ہوگا' مثلاً اس کو ازل میں علم تھا کہ حضرت ابوبکر ایمان کو اختیار کریں گے اور ابوجہل کفر کا اختیار کرے گا سو اس کو ازل میں حضرت ابوبکر کے مومن ہونے اور ابوجہل کے کافر ہونے کا علم تھا اور اسی طرح اس کو ازل میں ہر شخص کے مومن یا کافر ہونے اور جنتی یا دوزخی ہونے کا علم تھا اور اسی علم کا نام تقدیر ہے' اور اس کا یہ علم مخلوق کے اختیار کردہ اعمال کے مطابق ہے' مخلوق کے اعمال اس کے علم کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے' معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کو لوح محفوظ میں لکھ دیا سو یہی تقدیر ہے قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ (القمر: ۵۲) — ہر وہ کام جس کو لوگوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

یعنی جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ لوگوں نے نہیں کیا بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے' سو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ان کے عمل کے تابع ہے ان کا عمل لکھے ہوئے کے تابع نہیں ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا' اور اس تفصیل کو جان لینے کے بعد یہ اشکال نہیں ہوگا کہ جب اللہ نے پہلے ہی ہمارا جنتی یا دوزخی ہونا لکھ دیا ہے تو ہم نیک عمل کیوں کریں' یا پھر ہمیں اعمال کا مکلف کیوں کیا ہے' یا جب پہلے ہی کسی کے متعلق لکھ دیا ہے کہ وہ کفر کرے گا تو پھر کفر کرنے میں اس کا کیا قصور ہے' اس لیے اللہ نے ازل سے وہی لکھا ہے جس کو ہم نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا اس کا علم ہمارے کاموں کے تابع ہے ہمارے کام اس کے علم کے تابع نہیں ہیں' ہمیں کیا معلوم کہ اس کا علم کیا ہے اور کیا نہیں ہے' اور اب امید ہے تقدیر پر اشکال بالکلیہ دور ہو جائے گا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا مباحثہ

اس مسئلہ کی مزید وضاحت اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت موسیٰ میں ان کے رب کے سامنے مباحثہ ہوا' پس حضرت آدم' حضرت موسیٰ پر غالب آ گئے' حضرت موسیٰ نے کہا آپ وہ آدم ہیں کہ آپ

کو آپ کے رب نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' اور آپ کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ نے اپنی خطا کے سبب لوگوں کو جنت سے زمین کی طرف اتارا' پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کہا آپ وہ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی اور آپ کو تورات کی وہ تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور آپ کو قریب کر کے سرگوشی کی' آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے تورات کو لکھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے' حضرت آدم نے کہا کیا آپ نے اس میں یہ آیت پڑھی ہے:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى . (طٰہٰ: ۱۲۱) اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰ نے کہا ہاں! حضرت آدم نے کہا کیا آپ مجھے اس عمل پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح مسلم القدر: ۱۵' رقم الحدیث: ۲۶۵۲' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۵_۶۶۱۴_۴۷۳۸_۴۷۳۶_۳۴۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۰' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۱۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸)

آیا تقدیر میں لکھا ہوا ہونا ارتکاب معصیت پر ملامت کے سقوط کا سبب ہے یا نہیں!

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کو اٹھانے اور ان کے اعتراض کا مسکت جواب دینے میں ان پر غالب آ گئے' کیونکہ آدمیوں میں سے کسی کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق نہیں ہے' اور جس کام میں ان کا مباحثہ ہوا تھا اس میں وہ دونوں برابر ہیں' کیونکہ تقدیر کو ساقط کرنے پر کوئی شخص قادر نہیں ہے' اور نہ اس کے سبب کو باطل کرنے پر قادر ہے ورنہ وہ میانہ روی سے نکل کر قدریہ یا جبریہ کے مذہب میں چلا جائے گا' حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی کمی کو ظاہر فرمایا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام سے سرفراز فرمایا تو آپ کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ آپ مجھے تقدیر کے لکھے ہوئے پر ملامت کریں جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا' اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کے اعتراض کو ان پر ہی لوٹا دیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی حضرت آدم پر اعتراض کر کے بحث کی ابتداء کی تھی۔

علامہ نووی نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کے قول کا معنی یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرا شجر ممنوع سے کھانا مقدر ہو چکا تھا' سو آپ مجھ کو اس پر ملامت نہ کریں' کیونکہ یہ ملامت شرعی ہے عقلی نہیں ہے' اور جب کوئی شخص اپنی خطاء پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے' اور جب اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے تو پھر کسی کو اس پر ملامت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے' اور جو ملامت کرے گا تو شرعاً اس کی ملامت جائز نہیں ہو گی' پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص معصیت کر کے یہ کہے کہ اس کا یہ معصیت کرنا اللہ کی تقدیر میں تھا تو اس شخص سے تو ملامت ساقط نہیں ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابھی دار التکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہیں' اور اس کو ملامت کرنا صحیح ہے کیونکہ اس ملامت سے مقصود اس کو اور دوسروں کو معصیت کے کاموں سے باز رکھنا ہے' اور حضرت آدم علیہ السلام دار التکلیف سے جا چکے تھے اور

اب ان کو ملامت کرنے سے سوا ان کو شرمندہ کرنے کے اور کوئی حاصل نہیں تھا۔

علامہ تورپشتی نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطا کو میرے لیے مقدر کر دیا تھا' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو میرے لیے لازم اور واجب کر دیا تھا اور میرے لیے اس درخت سے کھانے یا نہ کھانے کا اختیار باقی نہیں رہا تھا' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں میرے اس فعل کو لکھ دیا تھا اور ثابت کر دیا تھا' اور چونکہ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت تھا کہ میں نے یہ کام کرنا ہے اور اپنے اختیار اور کسب سے اس کام کو کرنا ہے تو اللہ کے علم کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا' آپ اللہ کے علم ازلی کی طرف توجہ نہیں کر رہے اور صرف میرے کسب اور قصد کو دیکھ رہے ہیں اور اصل تقدیر کو فراموش کر رہے ہیں حالانکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے اور اپنے خاص بندوں میں منتخب فرما لیا ہے جو پردے کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ کے اسرار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۲۳' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (فرشتوں نے کہا) اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے O اور بے شک ہم صف بستہ ہیں O اور بے شک ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۶۶۔۱۶۴)

فرشتوں کا صفیں باندھ کر عبادت کرنا

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے' انہوں نے کہا ہم صف بستہ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' وہ قیام کرتے ہیں' رکوع اور سجود کرتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کرتے ہیں' اور اس سے ان مشرکین کا رد کرنا مقصود ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتے تو وہ بھی خدا ہوتے کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتے حالانکہ وہ صف باندھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' فرشتوں کی عبادت کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے' آسمان چرچرا رہا ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ چرچرائے' آسمان میں ہر چار انگشت کی جگہ پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں جھکائے ہوئے ہیں' اللہ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور تم زیادہ روؤ' اور تم بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذت حاصل نہ کرو اور تم جنگلوں میں اللہ کی طرف فریاد کرتے ہوئے نکل جاؤ' حضرت ابوذر نے کہا کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۰' حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶)

نیز اس آیت میں فرشتوں کے صف بستہ کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے صف بنانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں' نماز سکون سے پڑھا کرو' پھر آپ تشریف لائے تو آپ نے ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو متفرق طور پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں' پھر آپ تشریف لائے تو فرمایا: تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے صفیں باندھتے ہیں' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ پہلی صف باندھتے ہیں اس کے بعد اس سے متصل دوسری صف باندھتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۱۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۴)

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے' جیسے ہم نے بتایا جمہور کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے' اور بعض مفسرین نے کہا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کا ہے' جو انہوں نے مشرکین سے کہا تھا یعنی ہم میں سے ہر ایک کا اور تمہارا آخرت میں مقام معلوم ہے اور وہ مقام حساب ہے' اور بعض نے کہا ہم میں سے بعض کا مقام خوف ہے اور بعض کا مقام رجاء ہے اور ہم میں سے بعض کا مقام اخلاص ہے اور بعض کا مقام شکر ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے ایمان کے درجات اور اس کے اعمال صالحہ کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ لوگ (مشرکین) کہا کرتے تھے ○ اور اگر ہمارے پاس پہلوں کی کوئی نصیحت ہوتی ○ تو ہم ضرور اخلاص سے اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ○ پس انہوں نے اللہ کا کفر کیا سو وہ عنقریب جان لیں گے ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۰۔۱۶۷)

کفار مکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی احکام شرعیہ دے کر بھیجا جاتا تو ہم اس کی پیروی کرتے' یعنی جس طرح پہلی قوموں کے پاس رسول آئے تھے اگر ہمارے پاس بھی اس طرح رسول آتے تو ہم ان کی اخلاص کے ساتھ اتباع کرتے' پھر جب ان کے پاس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت اور احکام شرعیہ لے کر آئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا' اور ان کو عنقریب پتا چل جائے گا کہ ان کو ان کے کفر اور انکار کی کیسی سزا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں ○ کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی ○ اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہوگا ○ سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں ○ پس وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوگی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا ○ اور آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے ○ (الصّٰفّٰت: ۱۷۹۔۱۷۱)

رسولوں کے غلبہ سے مراد ان کا دلائل کے اعتبار سے غلبہ ہے

الصّٰفّٰت: ۱۷۱ میں ہے: اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں' یعنی ہم ان کو یہ بتا چکے ہیں کہ بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (المجادلہ: ۲۱)

اللہ لکھ چکا ہے' بے شک میں اور میرے سب رسول ضرور غالب ہوں گے' بے شک اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے۔

اور اس آیت میں غلبہ سے مراد عام ہے خواہ وہ مادی غلبہ ہو یا معنوی غلبہ ہو' مادی غلبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عروج اور اقتدار ہو جیسا کہ ایک زمانہ میں تین براعظموں افریقہ' ایشیا اور یورپ کے علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت تھی' اور معنوی غلبہ یہ ہے کہ دلائل اور براہین کے اعتبار سے مسلمانوں کا غلبہ ہو خواہ وقتی طور پر مسلمان اسلحہ کی کمی اور مادی قوت کے نہ ہونے کی وجہ سے شکست کھا جائیں لیکن ان کے دین اور ان کے معتقدات اپنے دلائل کی قوت سے تمام ادیان پر غالب ہیں' اس لیے اب اس آیت پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ بعض انبیاء کو شہید کر دیا گیا اور بعض مواقع پر مسلمانوں کو شکست ہوئی تو پھر رسولوں کو اور مسلمانوں کو غلبہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دلائل کے اعتبار سے اس وقت اللہ کے رسول اور مسلمان ہی غالب تھے۔

الصّٰفّٰت: ۱۷۵۔۱۷۴ میں ہے: سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے ○ اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ

بھی عنقریب دیکھ لیں گے O

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ایک وقت معین تک ان سے درگزر کرتے رہیے اور ان سے قتال نہ کیجئے اور ہماری مدد کے وعدہ پر بھروسا رکھیے' جب ان کو اپنی زیادتیوں اور اپنے کفر و شرک پر ندامت ہوگی اور آپ پر ایمان لانے کی حسرت ہوگی' وہ وقت معین بعض مفسرین کے مطابق یوم بدر ہے اور بعض کے مطابق فتح مکہ ہے اور بعض نے کہا اس سے یوم قیامت مراد ہے۔

اور آپ دیکھتے رہیے کہ ان کافروں کو بعض غزوات میں قتل کیا جائے گا اور ان کو قید کیا جائے گا اور میدان جنگ میں ان کا چھوڑا ہوا متاع اور اسلحہ بہ طور مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوگا' اور وہ یہ بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ آپ کی کیسی عظیم نصرت کرتا ہے اور آپ کی تائید فرماتا ہے اور آخرت میں بھی وہ آپ کی عزت' سرخ روئی اور اللہ کے نزدیک آپ کی وجاہت کا مشاہدہ کریں گے۔

الصّٰفّٰت: ۱۷۷۔۱۷۶ میں ہے: کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں! O پس وہ عذاب جب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو ان لوگوں کی کیسی بری صبح ہوگی جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا تھا O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کو اپنے سامنے کوئی عذاب آتا دکھائی نہیں دیتا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ آپ جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ اب تک آیا کیوں نہیں؟ اور ان کا یہ مذاق اڑانا ان کی جہالت کی وجہ سے تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے وہ کام اس وقت سے پہلے ہو سکتا ہے اور نہ اس وقت سے موخر ہو سکتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس عذاب کو وہ جلد طلب کر رہے ہیں جب وہ عذاب ان کے صحن میں نازل ہوگا تو وہ ان کی نہایت بری صبح ہوگی' اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور دنیا میں کفار کی مادی شکست اور ان کی ذلت اور رسوائی کا عذاب بھی ہو سکتا ہے' اور اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر پہنچے اور جب آپ کسی قوم کے پاس رات کو پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے اس پر حملہ نہیں کرتے تھے' جب صبح ہوئی تو یہود اپنے کدال اور اپنی ٹوکریاں لے کر نکلے' جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا محمد' اللہ کی قسم محمد (آ گئے ہیں) اور وہ لشکر کے ساتھ ہیں' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر تباہ اور برباد ہو گیا' ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو اس قوم کی صبح کیسی خراب ہوتی ہے جن کو عذاب سے ڈرایا جا چکا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۹۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۶۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۷۱' عالم الکتب بیروت' جامع المسانید والسنن ج ۲۳ ص ۱۶۰' رقم الحدیث: ۲۷۴۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الصّٰفّٰت: ۱۷۹۔۱۷۸ میں ہے: اور آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے اور ان کو دیکھتے رہیے اور وہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے O

ان دونوں آیتوں کو کفار کو ڈرانے میں مبالغہ کرنے کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرایا ہو اور اس آیت میں ان کو اخروی عذاب سے ڈرایا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O اور رسولوں پر سلام ہو O اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O (الصّٰفّٰت: ۱۸۲۔۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے اور رسولوں پر سلام بھیجنے میں مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّٰفّٰت کو ان تین آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو تمام اہم مطالب کی جامع ہیں' کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ جو معرفت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور نقائص سے بری اور پاک ہے اس پر لفظ سبحان ربک دلالت کرتا ہے اور یہ کہ تمام محاسن اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اس پر رب العزت دلالت کرتا ہے۔

تمام مخلوق ناقص ہے اور ناقص کو کسی مکمل کی احتیاج ہوتی ہے جو اس کو حصول کمال کی طرف رہ نمائی کرے اور اس کو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی ہدایت دے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام اور رسل عظام ہیں اس لیے جو ناقص ہیں ان پر کامل کی اتباع واجب ہوتی ہے اس لیے مخلوق پر واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کریں اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کریں اور ان کی اتباع کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں' سو اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیس اور اپنی حمد وثنا کے بعد اپنے رسولوں پر سلام بھیجا اور اس میں ہم کو بھی یہ ہدایت دی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد رسولوں کو سلام بھیجا کریں' اور آخر میں الحمد للہ رب العلمین فرمایا' کیونکہ حمد کا استحقاق کسی عظیم انعام کی وجہ سے ہوتا ہے' سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ منعم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ تمام العلمین سے غنی ہے' کیونکہ انعام وہی کرتا ہے جو غنی ہو اور غنی کی شان یہ ہے کہ وہ ناداروں اور مسکینوں پر فضل اور احسان کرتا ہے' ضرورت مندوں پر اور اپنے قصور پر معافی چاہنے والوں پر رحم اور کرم فرماتا ہے ان کو معاف کر دیتا ہے' بخشتا ہے اور نوازتا ہے' سو اس میں تنبیہ فرمائی ہے کہ لوگو! اس سے اپنی خطاؤں پر معافی چاہو اپنی حاجات کو اس سے طلب کرو' اور اس سورت کے آخر میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ توفیق طلب کرو کہ تمہارا آخر اور تمہارا خاتمہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد پر ہو۔

ان تین آیات کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام رسولوں پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی تمام رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے سے پہلے یہ تین آیتیں پڑھا کرتے تھے: سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون O وسلام علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا وزن بڑے آلہ پیمائش میں کیا جائے اسے چاہیے کہ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں یہ تین آیتیں پڑھا کرے: سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون O وسلام علی المرسلین O والحمد للہ رب العلمین O

(الکشف والبیان ج ۸ ص ۱۷۴' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۳۴' جامع البیان جز ۲۳ ص ۱۳۹۔۱۳۸' النکت والعیون ج ۵ ص ۷۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۵ ص ۱۲۸۔۱۲۷' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸۔۲۷' الدر المنثور ج ۷ ص ۱۲۳۔۱۲۲' روح المعانی جز ۲۳ ص ۲۳۳)

اختتامی کلمات

الحمد للہ رب العلمین آج ۶ ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ/ ۹ مئی ۲۰۰۳ء بعد نماز جمعہ سورۃ الصّٰفّٰت کی تفسیر ختم ہو گئی' اس سورت کی تفسیر ۲۴ محرم ۱۴۲۴ھ/ ۲۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو شروع کی تھی۔ اس طرح ایک ماہ اور تیرہ دنوں میں سورۃ الصّٰفّٰت کی تفسیر مکمل

ہوگئی۔

اس کے ساتھ ہی تبیان القرآن کی نویں جلد بھی مکمل ہوگئی' ۲۳ جون ۲۰۰۲ء کو اس جلد کی ابتداء کی تھی اور آج ۹ مئی ۲۰۰۳ء کو یہ جلد مکمل ہوگئی اس طرح تقریباً دس ماہ ۱۷ دن میں نویں جلد کی تکمیل ہوگئی' فالحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً۔

میں دس رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ/۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوا تھا' قمری تقویم کے اعتبار سے میری عمر ۶۸ سال ہو چکی ہے اور شمسی تقویم کے اعتبار سے میری عمر ۶۶ سال ہو چکی ہے' اور یہ سن انحطاط ہے' اس سال دوران تصنیف میں کافی بیمار رہا ہوں' شوگر' بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کے مسلسل پرہیز کی وجہ سے وزن کافی کم ہوگیا ہے' کچھ عمر کا تقاضا اور کچھ پرہیز کی بناء پر غذا کے کم استعمال کی وجہ سے بہت زیادہ ضعف رہتا ہے' میں شہر کی دینی اور سماجی تقریبات میں شرکت نہیں کرتا پچھلے پانچ' چھ سال سے میں نے جمعہ کا خطاب بھی چھوڑ دیا ہے' کمر میں شدید درد رہتا ہے' اور جسمانی تھکاوٹ بہت جلد ہو جاتی ہے اور اب پہلی رفتار سے لکھنے کا کام نہیں ہو پاتا' بہرحال جب تک جسمانی اعضاء ساتھ دیتے رہیں گے' میں ان شاء اللہ اس کام کو کرتا رہوں گا' ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام تک دسویں جلد اس معروف وقفہ کی بہ نسبت تاخیر سے پہنچے۔ بہرحال قارئین کرام سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے رب کریم جس طرح آپ نے الصّٰفّٰت تک تفسیر مکمل کرادی ہے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے موجب طمانیت اور استقامت اور مخالفین کے لیے سبب رشد و ہدایت بنا دیں' اور محض اپنے فضل کو مصنف کے لیے ذریعہ نجات بنا دیں' اے مولائے رحیم! مجھے' میرے اساتذہ کو' میرے والدین کو' میرے اقرباء' احباب' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشر' مصحح' کمپوزر' جلد ساز' جملہ معاونین' اس کتاب کے قارئین اور تمام مسلمین کو دنیا اور آخرت کے مصائب اور آلام سے اور آخرت کے عذاب اور عتاب سے محفوظ اور مامون رکھ' اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت کو مقدر فرما دے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد قائد المرسلین امام المتقین شفیع المذنبین وعلی اصحابہ الراشدین والہ الطاہرین وازواجہ المطہرات امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وسائر امتہ اجمعین۔

مآخذومراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۷- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۹- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی [illegible] سنن دارمی [illegible]
۱۴۲۰ھ

۲۲- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعہ دارالکتب [illegible]

۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ خلق افعال العباد مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ [illegible] ۱۴[illegible]ھ

۲۴- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ الادب المفرد مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۴[illegible]ھ

۲۵- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ دارالجیل بیروت ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ مراسیل ابوداؤد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۹- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ سنن ترمذی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ دارالجیل بیروت ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ شمائل محمدیہ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ کرمہ ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ سنن دارقطنی مطبوعہ نشر السنہ ملتان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم متوفی ۲۸۷ھ الاحاد والمثانی مطبوعہ دارالرایہ ریاض ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت

۳۴- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن کبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی متوفی ۳۰۷ھ مسند الصحابہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ مسند ابویعلیٰ موصلی مطبوعہ دارالمامون التراث بیروت ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری متوفی ۳۰۷ھ المنتقیٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی متوفی ۳۱۲ھ مسند عمر بن عبدالعزیز

۴۲- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ مسند ابوعوانہ مطبوعہ دارالباز مکہ کرمہ

۴۳- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ نوادر الاصول مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ ۱۴۰۸ھ

۴۴- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح مشکل الآثار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۵ھ

۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ تحفۃ الاخیار مطبوعہ داربلنسیہ ریاض ۱۴۲۰ھ

۴۶- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۴ھ

۴۷- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ کتاب الضعفاء الکبیر دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی متوفی ۳۲۷ھ مکارم الاخلاق مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر ۱۴۱۱ھ

۴۹- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۷ھ

۵۰- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض، ۱۴۱۳ھ
۵۱- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۵۶- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ
۵۷- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، التوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
۶۰- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۱- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالنفائس، بیروت
۶۳- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، الجامع شعب الایمان، مطبوعہ مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۳ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۲- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۷۳- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، التوفی ۵۰۹ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت،

۱۴۰۶ھ
۷۴- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۷۵- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ
۷۶- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ
۷۷- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۷۸- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۷۹- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، التوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۸۰- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرہ، مطبوعہ دارالبخاری، مدینہ منورہ
۸۱- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ، المتجر الرابح، مطبوعہ دارخضر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۸۲- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دارارقم بیروت
۸۳- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند، ۱۳۵۷ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۸۴- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، جامع المسانید والسنن، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۸۵- امام محمد بن عبداللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۸۶- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، التوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۸۷- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، التوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۸۸- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، التوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۸۹- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، التوفی ۸۰۷ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۹۰- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۰ھ
۹۱- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۹۲- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجواہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان
۹۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ
۹۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ
۹۵- امام عبدالرؤف بن علی المناوی، التوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ
۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء
۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ

۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ

۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ' مصر' ۱۳۰۳ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ

۱۰۴- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

۱۰۵- علامہ احمد عبدالرحمٰن البناء' متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۶- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۱۰۷- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ

۱۰۸- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ

۱۰۹- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء' متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت

۱۱۰- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۱۱- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دار الکتاب ایران' ۱۴۰۴ھ

۱۱۲- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دار الفکر بیروت

۱۱۳- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ

۱۱۴- امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ

۱۱۵- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ

۱۱۶- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی' متوفی ۳۷۵ھ' تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ

۱۱۷- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی' متوفی ۳۸۵ھ' التبیان فی تفسیر القرآن' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۱۸- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی' متوفی ۴۲۷ھ' تفسیر الثعلبی' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ

۱۱۹- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ' مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۴۱۲ھ

۱۲۰- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی' متوفی ۴۵۰ھ' النکت والعیون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۱- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ' تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۰ھ

۱۲۲- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری' متوفی ۴۶۸ھ' الوسیط' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۲۳- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی' المتوفی ۴۶۸ھ' اسباب نزول القرآن' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۲۴- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ

۱۲۵- علامہ عماد الدین طبری الکیا الهراسی، متوفی ۵۰۴ھ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ

۱۲۶- امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۶ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۲۷- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۲۸- علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۲۹- علامہ ابو بکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ

۱۳۰- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ

۱۳۱- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

۱۳۲- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار و عدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران

۱۳۳- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۳۴- شیخ ابو محمد روز بہان بن ابو النصر البقلی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ، عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع منشی نو الکشور لکھنو

۱۳۵- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء

۱۳۶- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۳۷- قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر

۱۳۸- علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۳۹- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

۱۴۰- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۴۱- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ

۱۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ

۱۴۳- علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۴۴- علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۴۵- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

۱۴۶- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۴۷- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

۱۴۸- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۴۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران، دار احیاء التراث العربی بیروت،

۱۴۲۱ھ

۱۵۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۵۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۵۲- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۵۳- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۵۴- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ

۱۵۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۵۶- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی

۱۵۷- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۵۸- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبع البہیۃ' مصر ۱۳۰۳ھ

۱۵۹- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' مصر' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۱۶۰- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۶۱- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۶۲- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ

۱۶۳- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۶۴- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۱۶۵- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ

۱۶۶- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۶۷- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۶۸- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۶۹- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۷۰- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۷۱- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس

۱۷۲- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ

۱۷۳- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

۱۷۴- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
۱۷۵- سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ تفہیم القرآن مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۷۶- علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ التبیان مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۷۷- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی اضواء البیان مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷۸- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی تفسیر المراغی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۷۹- آیت اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
۱۸۰- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۱- شیخ امین احسن اصلاحی تدبر قرآن مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۸۲- علامہ محمود صافی اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ مطبوعہ انتشارات زرین ایران۔
۱۸۳- استاذ محی الدین درویش اعراب القرآن وبیانہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۸۴- ڈاکٹر وھبہ زحیلی تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ
۱۸۵- سعید حوی الاساس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۸۶- علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۸۷- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۸۸- علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی مناہل العرفان مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۹- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ شرح صحیح البخاری مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ
۱۹۰- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ الاستذکار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ
۱۹۱- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۹۲- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ المنتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۲ھ
۱۹۳- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۹۴- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القبس فی شرح موطا ابن انس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۹۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ اکمال المعلم بفوائد مسلم مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ
۱۹۶- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۱۹۷- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن النورپشتی' متوفی ۶۶۱ھ' کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنۃ' مکتبہ نزار مصطفیٰ' ۱۴۲۲ھ

۱۹۸- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی' المتوفی ۶۵۶ھ' المفہم' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۹۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' شرح مسلم' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ

۲۰۰- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی' متوفی ۷۴۳ھ' شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' ۱۴۱۳ھ

۲۰۱- علامہ ابن رجب حنبلی' متوفی ۷۹۵ھ' فتح الباری' دار ابن الجوزی ریاض' ۱۴۱۷ھ

۲۰۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی' متوفی ۸۲۸ھ' اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۰۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۰۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار' دار ابن کثیر' بیروت

۲۰۵- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی' متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ' دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

۲۰۶- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' شرح سنن ابوداؤد' مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض' ۱۴۲۰ھ

۲۰۷- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ' مکمل اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۰۸- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' ارشاد الساری' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ

۲۰۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' التوشیح علی الجامع الصحیح' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ

۲۱۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۲ھ

۲۱۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' تنویر الحوالک' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۱۲- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' فیض القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ

۲۱۳- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی' متوفی ۱۰۰۳ھ' شرح الشمائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۱۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' جمع الوسائل' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۱۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح مسند ابی حنیفہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ

۲۱۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' مرقات' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ' مکتبہ حقانیہ پشاور

۲۱۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الحرز الثمین' مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ

۲۱۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ

۲۱۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' اشعۃ اللمعات' مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو

۲۲۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' تحفۃ الذاکرین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ

۲۲۱- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری' متوفی ۱۳۲۵ھ [illegible]
۲۲۲- شیخ انور شاہ کشمیری' متوفی ۱۳۵۲ھ' فیض الباری' مطبوعہ مطبع حجازی مصر [illegible]
۲۲۳- شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' فتح الملہم' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۲۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی' متوفی ۱۳۹۴ھ' التعلیق الصبیح' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۲۵- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور' ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' التاریخ الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ
۲۲۷- امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی' متوفی ۴۶۳ھ' تاریخ بغداد' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۲۸- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ' العلل المتناھیہ' مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد' ۱۴۰۱ھ
۲۲۹- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی' متوفی ۷۴۲ھ' تہذیب الکمال' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۳۰- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۳۱- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تہذیب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' تقریب التہذیب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۳- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی' متوفی ۹۰۲ھ' المقاصد الحسنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۳۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' اللآلی المصنوعہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۳۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' طبقات الحفاظ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۳۶- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ' الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۳۷- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' تذکرۃ الموضوعات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۳۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' موضوعات کبیر' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۳۹- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی' متوفی ۱۱۶۲ھ' کشف الخفاء و مزیل الالباس' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۴۰- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ' الفوائد المجموعہ' مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۴۱- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ' اسنی المطالب' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ

کتب لغت

۲۴۲- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی' متوفی ۱۷۵ھ' کتاب العین' مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران' ۱۴۱۴ھ
۲۴۳- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری' متوفی ۳۹۸ھ' الصحاح' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ
۲۴۴- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی' متوفی ۵۰۲ھ' المفردات' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۲۴۵- علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۸۳ھ' الفائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۴۶- علامہ محمد بن اثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ' مختار الصحاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۴۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی' متوفی ۶۷۶ھ' تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۹- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی' متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران
۲۵۰- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی' متوفی ۸۱۷ھ' القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۵۱- علامہ محمد طاہر پٹنی' متوفی ۹۸۶ھ' مجمع بحار الانوار' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان المدینہ المنورہ' ۱۴۱۵ھ
۲۵۲- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی' متوفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر
۲۵۳- لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعہ الکاثولیکہ' بیروت' ۱۹۲۷ء
۲۵۴- شیخ غلام احمد پرویز' متوفی ۱۴۰۵ھ' لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۵۵- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۵۶- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری' دستور العلماء' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ' سیرت وفضائل

۲۵۷- امام محمد بن اسحاق' متوفی ۱۵۱ھ' کتاب السیر والمغازی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۲۵۸- امام عبدالملک بن ہشام' متوفی ۲۱۳ھ' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۵۹- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۶۰- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' المتوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۶۱- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۶۲- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۶۴- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۸۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۶۵- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۶۶- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۷- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶۸- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۶۹- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۵۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۷۰- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ' المتوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۷۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۷۲- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۷۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۷۴- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ

۲۷۵- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ

۲۷۶- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الہدیٰ والرشاد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۷۷- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۲۷۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۷۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۸۰- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۱- علامہ محمد عبدالباقی زُرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ

۲۸۲- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی' متوفی ۱۳۰۴ھ' السیرۃ النبویۃ' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۳- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' نشر الطیب' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۸۴- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی' متوفی ۳۷۰ھ' مختصر اختلاف العلماء' دار البشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۲۸۵- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی' متوفی ۵۴۰ھ' الفتاویٰ الولوالجیہ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ

۲۸۶- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' المبسوط' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ

۲۸۷- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' شرح سیر کبیر' مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان' ۱۴۰۵ھ

۲۸۸- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری' متوفی ۵۴۲ھ' خلاصۃ الفتاویٰ' مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۷ھ

۲۸۹- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی' متوفی ۵۸۷ھ' بدائع الصنائع' مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی' ۱۴۰۰ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

۲۹۰- علامہ حسین بن منصور اوزجندی' متوفی ۵۹۲ھ' فتاویٰ قاضی خاں' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۱- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' ہدایہ اولین وآخرین' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۹۲- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ' تبیین الحقائق' مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی' ۱۴۲۱ھ

۲۹۳- علامہ محمد بن محمود بابرتی' متوفی ۷۸۶ھ' عنایہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۹۴- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی' متوفی ۷۸۶ھ' فتاویٰ تاتارخانیہ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۱۱ھ

۲۹۵- علامہ ابوبکر بن علی حداد' متوفی ۸۰۰ھ' الجوہرۃ المنیرہ' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۹۶- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی' متوفی ۸۲۷ھ' فتاویٰ بزازیہ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ

۲۹۷- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ بنایہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۹۸- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی' متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی' مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۲۹۹- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۳۰۰- علامہ جلال الدین خوارزمی' کفایہ' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۰۱- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین' متوفی ۹۵۴ھ شرح الکنز' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۰۲- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی' متوفی ۹۵۶ھ غنیۃ المستملی' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ
۳۰۳- علامہ محمد خراسانی' متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز' مطبوعہ مطبع منشی نولکشور ۱۲۹۱ھ
۳۰۴- علامہ زین الدین بن نجیم' متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۰۵- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی' متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین' مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر' ۱۲۸۷ھ
۳۰۶- علامہ حامد بن علی قونوی رومی' متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامدیہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۰۷- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النہر الفائق' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۰۸- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' موسسۃ التاریخ العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۳۰۹- علامہ عبدالرحمن بن محمد' متوفی ۱۰۷۸ھ' مجمع الانہر مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۱۰- علامہ خیرالدین رملی' متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ' مطبوعہ مطبعہ میمنہ' مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۱۱- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' الدرالمختار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۲- علامہ سید احمد بن محمد حموی' متوفی ۱۰۹۸ھ' غمز عیون البصائر' مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ
۳۱۳- ملا نظام الدین متوفی' ۱۱۶۱ھ' فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ
۳۱۴- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' حاشیۃ الطحطاوی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۱۵- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق' مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر' ۱۳۱۱ھ
۳۱۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ' مطبوعہ دارالاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۱۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' رسائل ابن عابدین' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۳۹۶ھ
۳۱۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' ردالمختار' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ' ۱۴۱۹ھ
۳۱۹- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' جدالممتار' مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۲۰- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۲۱- امام احمد رضا قادری' متوفی ۱۳۴۰ھ' فتاویٰ افریقیہ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۲۲- علامہ امجد علی' متوفی ۱۳۷۶ھ' بہار شریعت' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۲۳- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ' اعلاء السنن' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۲۴- علامہ نوراللہ نعیمی' متوفی ۱۴۰۳ھ' فتاویٰ نوریہ' مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور' ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۲۵- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، الام، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

۳۲۶- علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۲۷- علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ

۳۲۸- علامہ یحیٰی بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ

۳۲۹- علامہ یحیٰی بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

۳۳۰- علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاوی، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۳۳۱- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۳۲- علامہ ابوالضیاء علی بن علی شبر املی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابوالضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۳۳- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۳۴- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۳۵- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۳۶- علامہ ابوعبداللہ محمد بن لحطاب المغربی، التوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا

۳۳۷- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی التوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت

۳۳۸- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۳۹- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۴۰- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۳۴۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۴۲- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجلیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۴۳- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۳۴۴- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۴۵- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

٣٤٦- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
٣٤٧- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ٣٢٩ھ الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
٣٤٨- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ٣٢٩ھ الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
٣٤٩- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ١٤٠٣ھ
٣٥٠- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ٦٧٩ھ شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
٣٥١- شیخ فاضل مقداد متوفی ٨٢٦ھ، کنز العرفان، مطبوعہ مکتب نوید اسلام - قم ١٤٢٢ھ
٣٥٢- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ١١١٠ھ حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ١٣٤٧ھ
٣٥٣- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ١١١٠ھ حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
٣٥٤- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ١١١٠ھ جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

٣٥٥- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ٥٠٥ھ المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ١٤٠٥ھ
٣٥٦- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری، المتوفی ٥٧٧ھ الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ١٤٠٩ھ
٣٥٧- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ٧٢٨ھ العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ١٤١٤ھ
٣٥٨- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ٧٩١ھ شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
٣٥٩- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ٧٩١ھ شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
٣٦٠- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ٨١٦ھ شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
٣٦١- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ٨٦١ھ مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
٣٦٢- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ٩٠٦ھ مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
٣٦٣- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ١٠١٤ھ شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ١٣٧٥ھ
٣٦٤- علامہ محمد بن احمد السفارینی، المتوفی ١١٨٨ھ لوامع الانوار البہیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤١١ھ
٣٦٥- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ١٣٦٧ھ کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

٣٦٦- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ٦٠٦ھ المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ
٣٦٧- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری، المتوفی ٧٣٠ھ کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ١٤١١ھ
٣٦٨- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ٧٩١ھ توضیح و تلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
٣٦٩- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ٨٦١ھ التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض
٣٧٠- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ١١١٩ھ مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۷۱- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نور الانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۷۲- علامہ عبدالحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۷۳- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۷۴- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دارالخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ
۳۷۵- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی' متوفی ۵۹۷ھ' ذم الھویٰ' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۲۳ھ
۳۷۶- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرہ' مطبوعہ دارالبخاریہ مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
۳۷۷- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی' متوفی ۷۲۸ھ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ
۳۷۸- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۷۴۸ھ' الکبائر' مطبوعہ دارالغد العربی قاہرہ' مصر
۳۷۹- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' جلاء الافہام' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۸۰- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ' اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۸۱- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ' زادالمعاد' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۸۲- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی' متوفی ۷۶۸ھ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ
۳۸۳- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ
۳۸۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' شرح الصدور' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
۳۸۵- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المیزان الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الیواقیت والجواہر' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الکبریت الاحمر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' لواقح الانوار القدسیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۸۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۹۰- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۹۱- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ' المنن الکبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۳۹۲- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ' الفتاویٰ الحدیثیہ' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۹۳- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' اشرف الوسائل الی فہم الشمائل' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۳۹۴- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۳۹۵- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ' الزواجر' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۹۶- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی' متوفی ۱۰۳۴ھ' مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ

۳۹۷- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۳۹۸- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۳۹۹- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران، ۱۳۷۸ھ

۴۰۰- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

۴۰۱- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۴۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ

۴۰۲- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۰۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور

۴۰۴- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۴۰۵- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یا رسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد
احمد
حامد
محمود
قاسم
عاقب
فاتح
شاہد
حاشر
رشید
مشہود
بشیر
نذیر
داع
شاف
ہاد
ماح
منج
تہامی
ہاشمی
امی
نبی
ناہ
محمد
صلی اللہ علیہ وسلم
رسول
ابطحی
عزیز
حریص علیکم
رؤف
رحیم
طہ
مجتبی
طس
مرتضی
حم
مصطفی
یس
اولی
مزمل
ولی
مدثر
متین
مصدق
طیب
ناصر
منصور
مصباح
امر